

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)
الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (الحديث)

مجموعہ کتب

حیات الانبیاء علیہ السلام

۱۶



مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضورى باغ روڈ ، ملتان فون : 061-4783486

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)
الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءُ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (الحديث)

مجموعہ کتب

حیات النبی ﷺ

۱۶

- ۱۰۲ ملل الاوہام الواردة فی عقیدہ ائمہ خیر الانام المعروف بہ راہ حق
- ۱۰۳ عقیدہ حیات النبی ﷺ اور صراط مستقیم
- ۱۰۴ اظہار حق بحجاب اعلان حق
- ۱۰۵ ارشادات درجہ للعالمین فی حیات خاتم النبیین ﷺ
- ۱۰۶ شہادۃ الحق بکفرین حیات کتمان حق اور اس پر ”اعلان حق“ کا لیل
- ۱۰۷ عقیدہ حیات لانہما ملوکا مدین امت
- ۱۰۸ روح کی آڑ میں مسلمہ حقائق کا انکار
- ۱۰۹ اکابر اسلام کا عقیدہ حیات النبی ﷺ
- ۱۱۰ فرقہ مماتہ کما ینہد کھایا تو بلان گئے
- ۱۱۱ عقیدہ حیات النبی ﷺ پر اعتراضات کا طعی جائزہ
- ۱۱۲ عقیدہ عذاب قبر اور اس کا انکار ایک سنگین غلطی

ملکت سیدہ جنتیہ لکنتہ لکنتہ لکنتہ لکنتہ لکنتہ

نام کتاب :

مصنفین :

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مجموعہ کتب حیات الانبیاء علیہم السلام (جلد شانزدہم)

مولانا مجیب الرحمن مدظلہ (ڈیرہ اسماعیل خان)	انجمن مدرسہ حیات النبی ﷺ گجرات
مولانا ابو معاویہ نور اللہ رشیدی مدظلہ	جناب حکیم رانا محمد سجاد قاسمی مدظلہ
جناب بشارت حسین صفدر مدظلہ (صوابی)	حضرت مولانا سعید محمد بشامی حفظہ اللہ
حضرت مولانا ابوسلمان زر محمد مدظلہ	

صفحات : ۴۸۰

مطبع :

طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اول :

نومبر ۲۰۲۴ء

اسٹاکٹ :

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

0322-6180738

ناشر :

مکتبہ سر اجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضور باغ روڈ ملتان

0301-7500173 0303-7396203

0301-7904257 0344-7121967

اجمالی فہرست

نمبر شمار	کتاب	مصنف	صفحہ
۱	مدیل الاوہام الواردۃ فی عقیدۃ خیر الانامہ المعروف بہ راہ حق	مولانا مجیب الرحمن مدظلہ (ڈی آئی خان)	۳
۲	عقیدہ حیات النبی ﷺ اور صراط مستقیم	// // //	۴۹
۳	اظہار حق بجواب اعلان حق	// // //	۱۱۱
۴	ارشادات رحمۃ للعالمین ﷺ فی حیات خاتم النبیین ﷺ	انجمن مدرسہ حیات النبی ﷺ گجرات	۲۱۷
۵	شہادۃ الحق (منکرین حیات، کتمان حق) اور اس پر اعلان حق کا لیل	// // //	۲۲۵
۶	عقیدہ حیات الانبیاء اور قائدین امت	مولانا ابو معاویہ نور اللہ رشیدی مدظلہ	۲۳۱
۷	روح کی آڑ میں مسلمہ حقائق کا انکار	// // //	۲۵۱
۸	اکابرِ مسلمین کا عقیدہ حیات النبی ﷺ	جناب حکیم رانا محمد سجاد قاسمی مدظلہ	۲۶۱
۹	فرقہ ممانیہ کو آئینہ دکھایا تو برامان گئے	جناب بشارت حسین صفدر مدظلہ (صوابی)	۲۹۷
۱۰	عقیدہ حیات النبی ﷺ پر اعتراضات کا علمی جائزہ	حضرت مولانا سعید محمد بشامی حفظہ اللہ	۳۵۱
۱۱	عقیدہ عذاب قبر اور اس کا انکار ایک سنگین غلطی	حضرت مولانا ابوسلمان زر محمد مدظلہ	۴۳۳

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمُوتَ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (الحديث)

مذيل الاوهام الواردة في عقيدة امة خير الانام
المعروف به

راہِ حق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تصنيف:

مولانا مجيب الرحمن مدظلہ
استاد جامعہ محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان

مذیل الاولھام الواردۃ فی
عقیدۃ امة خیر الانام

المعروف بہ

راہق

مکتب

مولانا مجیب الرحمن صاحب

استاد جامعہ محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان

مکتبہ اسلامیہ
ڈیرہ اسماعیل خان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلی فہرست

۶	(حرفے چہ) مولانا مجیب الرحمن
۹	مسئلہ توسل ۸ توسل بالذات کی نین صورتیں
۱۱	ایک جھوٹی روایت ۱۱ ملاسا لوی پیسہ کا مسلک
۱۳	امام ابوحنیفہ پیسہ اور ابو یوسف پیسہ کا مسلک ۱۲ احیات النبی پیسہ اور سماع عبدالعزیز
۱۴	شہداء کی ارواح سبز پر عموں میں ہونے کی روایت ۱۴ نی کریم پیسہ اور انبیاء کرام شہید ہیں
۲۲	الہست والجماعت کے دلائل اور منور ممالی صاحبان کی جرح ۱۵ منور صاحب کے دلائل اور شہادت
۲۶	اعادہ روح کی مختصر بحث ۲۶ چہ نقلی شہادت اور دلائل
۲۷	کیا خلیفہ بنانا قبر اطہر میں مردہ ہونے کی دلیل ہے؟ ۲۶ کیا از عمدہ بگتے تو معلے پر قدم نہ رکھتے؟
۲۸	کیا ہر مسئلہ کا حل حضور پیسہ سے معلوم کرتے؟ ۲۷ صحابہ کرام پیسہ اور عقیدہ حیات
۲۹	کتب احادیث میں حیات کا عنوان ہوتا تو ۲۹ حیات کے لئے کیا ہوا ضروری ہے؟
۳۰	گستاخی کون سی ہے؟ ۳۰ روزہ مہارکہ پر فصاحت کی درخواست
۳۳	عقیدہ عرض اعمال ۳۲ عام مردوں پر اعمال کی پیشی
۳۵	علامہ امت کا عقیدہ ۳۳ قبروں سے فیض، قبر کی زندگی اور سماع موتی
۳۱	قبر کی زندگی ۳۵ منور صاحب کے دلائل
۳۲	امام اعظم ابوحنیفہ پیسہ کا واقعہ ۳۲ نفع و نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے
۳۳	بعض مفاسد اور خرابیاں ۳۲ جو قبروں میں دفن نہیں ہوئے ان کی جزا و جزا
۳۵	کیا قبر کی زمین سب جسموں کو کھا جاتی ہے؟ ۳۵ انبیاء کرام و غیر ہم پیسہ کے اجسام محفوظ ہوتے ہیں
	مرنے کے بعد کے بعض خاص واقعات ۳۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(حرفے چند)

مولانا مجیب الرحمن

جامعہ محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان کے استاذ مولانا مجیب الرحمن نے ”مذیل
الاولیٰ والواردة فی عقیدة امة خیر الانام یعنی راہِ حق“ نامی ایک کتاب
۲۰۰۷ء میں مکتبہ امدادیہ ٹی، بی ہسپتال روڈ ملتان سے شائع کی۔

اس کتاب کے ص ۱ سے ص ۹۰ تک کے صفحات عثمانی گروہ کراچی کے راہنما
جناب منور صاحب کے نظریات کے رد میں تھے۔ اصولاً تو یہ اس مجموعہ میں شامل نہیں
ہونا چاہئے تھا۔ مگر ہمارے جماعتی رفیق سفر اور دوست مولانا محمد اسلم معاویہ صاحب نے
دوستی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو شامل کرادیا۔ کمپوزنگ کی بجائے کتاب کا
موبائل سے عکس لیا اور گوگل سے ترجمہ کر کے فائل سیٹ کی اور ہمیں پیش کر دیا۔ حالانکہ
اس عمل سے اتنی غلطیاں جمع ہو جاتی ہیں جیسے گڑ کی چاشنی پر آوارہ کھیاں۔ پتہ نہیں کس
طرح ہم نے اس کی پروف ریڈنگ کی۔ البتہ ایک ایک غلطی پر مولانا اسلم معاویہ یاد
آئے اور خوب یاد آئے۔ انہوں نے ڈیرے وال کی روایت پوری کی مگر ہمارا کباڑا
کر دیا۔ چلو جانے دیتے ہیں۔ (ناشر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الَّذی هدانا الی طریق الحق والصواب والصلاة والسلام علی من اوتی الحکمة وفصل

الخطاب وعلی الہ والاصحاب وعلی من تبعهم باحسان الی یوم الحساب۔ اما بعد:

ہمارا دور قتلوں کا دور ہے۔ نت نئے قتلے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ایک قتلہ نہیں مٹنے پاتا کہ دوسرا سینہ تان کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس دور میں ہر شخص اپنی ایک ذاتی رائے سوچ کر سب لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا اور اپنی شخصیت سے مستقل قتلہ بنتا ہے، ایسے بہت سے لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جو ابھنیوں اور یہود و نصاریٰ کے آلہ کار ہو کر امت میں تفرقہ بازی اور انتشار اور دین سے بیزاری کا ذریعہ بنتے ہیں، اور بہت سے وہ حضرات بھی ہوتے ہیں جن کی غرض معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے، لیکن اس کوشش میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر نئے فرقہ کے اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

آج بہت سے لوگ قرآنی علوم پڑھے بغیر قرآن مجید کے سمجھنے میں مہارت کے دعویدار ہیں اور لوگوں کو بھی اپنی راہ پر لانے میں کوشاں ہیں۔ وہ قرآن مجید سمجھنے میں استاذ کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اکیلا نہیں بھیجا بلکہ معلم کتاب حضور نبی ﷺ کو ساتھ بھیجا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عربی تھے۔ جب معلم بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ عربی زبان رکھنے والے بھی بغیر استاذ کے قرآن مجید جیسی عربی کتاب نہیں سمجھ سکتے تو یہاں کا عجیب شخص جو قرآن مجید کے ترجمہ کو ترجمہ والے قرآن سے اور لغات سے معلوم کرنا اور سمجھنا چاہتا ہے بغیر استاذ کیسے سمجھ سکتا ہے؟ چند اردو کتابیں پڑھ کر نہ صرف عالم ہوئے کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ مجتہد بن جاتے ہیں اور علماء پر تنقید شروع کر دی جاتی ہے۔

عجب یہ دور ہے اور عجب اس کی روانی ہے کہ معمولی فکر کوں نے نبی بننے کی ٹھانی ہے

اللہ کی قسم اپنی سمجھ پر اعتماد کر کے اکابر اسلاف سے جدا ہو کر نئی راہ لینا ہی گمراہی کا ذریعہ ہے۔ صراط مستقیم راہ ہدایت ہے اور صراط مستقیم پرانے راہ کو کہتے ہیں نئی راہ صراط مستقیم نہیں ہو سکتی۔ یہ درست ہے کہ قرآن مجیدی ہدایات کے مطابق عقیدہ اور عمل صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ لیکن قرآن مجیدی کی تعلیم ہے کہ میری ہدایات پر اس طرح چلو جیسے رجال اللہ چلے ہیں۔ صراط الذین انعمت علیہم یعنی قرآن مجید کا صراط مستقیم رجال اللہ کے عمل اور عقیدے سے معلوم ہوگا اپنی راہ سے معنی و مفہوم بنا لینے سے آدمی ہرگز قرآن مجید پر عمل پیرا نہ ہوگا۔

بہر حال صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے ڈاکٹر مسعود عثمانی بھی ہوا ہے اس کے نظریات کے حامی اور مبلغ منور سلطان کراچی نے ایک کتاب لکھی ”اسلام یا مسلک پرستی“ نام سے ظاہر کیا کہ میرے نظریات اصل اسلام ہیں اور جو اسلام لوگوں میں نظر آ رہا ہے وہ مسلک پرستی ہے اسلام نہیں بلکہ کفر و شرک ہے۔ لکھتا ہے: ”ان لوگوں نے دین کے نام پر اس قدر کفر و شرک لکھا ہے کہ اس کا احاطہ کرنے کے لئے اک عمر درکار ہے اور جس پر دفتر کے دفتر لکھے جاسکتے ہیں۔“

(اسلام ۱۵)

”ان لوگوں کے پھیلانے ہوئے کس کس کفر و شرک کو احاطہ تحریر میں لایا جائے۔“

(اسلام ۱۶۱)

”یہ بات قابل غور ہے کہ صحیح حدیث سے کتنی چڑ ہے ان مسلک پرستوں کو۔“

(اسلام ۱۹۰)

”جب ان (اولیاء صوفیاء) کی کتابوں اور ملفوظات کا مطالعہ کیا جائے تو ایک دوسری ہی صورت سامنے آتی ہے جو اتنی بھیاںک اور مکروہ ہوتی ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کو اولیاء اللہ تو درکنار مسلمان بھی نہیں کہا جاسکتا۔“ (اسلام ۲۰۶) منور صاحب کہیں معتزلی ہیں تو کہیں منکر حدیث کہیں غیر مقلد ہیں۔ اس کتاب سے بہت سے لوگ پھسل رہے ہیں۔ بالخصوص اشاعت التوحید نامی جماعت سے تعلق رکھنے والے کیونکہ وہ پہلے بھی توحید کے پیٹے میں جٹا ہیں اور مسعودیوں کو تو ان سے زیادہ ہیضہ ہے تو وہ با آسانی ان کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔

بہت پہلے ہمارے محترم دوست حضرت قاری الہی بخش رحمۃ اللہ علیہ (آف درابن کلاں ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں) نے ان پر لکھنے کا فرمایا تھا مگر میں نہ لکھ سکا پھر ہمارے محترم مہربان مولانا محمد طارق شاہ صاحب جدون (آف پشاور ساکن کراچی) اس تحریر کے محرک ہوئے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء!

اس تحریر میں مذکور کتاب میں درج شبہات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی اور ان شاء اللہ یہ تحریر ڈاکٹر عثمانی اور فرقہ اشاعت التوحید وغیرہ کے شبہات کے حل میں کافی دائی ہوگی۔ میں بہت ہی مشکور ہوں ان حضرات کا جنہوں نے میری اس ساری تحریر کو پڑھ کر صحیح فرمائی اور اپنی گرانقدر تصدیقات ثبت فرمائیں۔

جزاہم اللہ احسن الجزاء فی الدارين!

خصوصاً حضرت اقدس مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ (آف کلاچی) تو بہت شکر یہ کہ مستحق ہیں کہ انہوں نے قدم قدم پر رہنمائی فرمائی اور بہت بہترین مشوروں سے نوازا آپ حضرت اقدس علامہ بنوری قدس سرہ کے خصوصی طلبہ میں سے ہیں اور اکوڑہ ٹنک سے فاضل ہیں۔

ان کے علاوہ باقی احباب کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے میرے ساتھ جس قسم کا بھی تعاون فرمایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے خزانہ خاص سے ان تمام حضرات کو بہت بہت جزائے خیر نصیب فرمادیں۔ آمین! اے پروردگار عالم! اس تحریر کو محض اپنے لطف و کرم سے اپنے دربار عالی میں قبول فرما کر مفید خاص و عام بنا اور ذریعہ ہدایت بنا اور میرے لئے میرے والدین و اساتذہ کرام کے لئے ذخیرہ آخرت اور سب نجات بنا دے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم وبرحمتک یا ارحم الراحمین۔

مسئلہ توسل

منور صاحب لکھتے ہیں: ”مسئلہ پرستوں کے نزدیک دعاؤں میں وسیلہ، واسطہ دینا جائز ہے چنانچہ لکھتے ہیں دعاؤں میں انبیاء علیہم السلام اور صلحاء و اولیاء اور صدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد بھی حیات تک توسل کا معاملہ اس حد تک درست تھا کہ ان سے دعا کرائی جاتی لیکن مرنے کے بعد ان کا وسیلہ پکڑنا کھلا شرک ہے۔“ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۱۹)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ منور صاحب توسل بالذات یعنی کسی کی ذات کا وسیلہ پکڑنے کے منکر ہیں چاہے زندہ ہو یا مردہ اس بارے میں مختصر تفصیل یوں ہے کہ توسل بالذات کی تقریباً تین صورتیں ہیں۔

توسل بالذات کی تین صورتیں

ایک یہ ہے کہ کسی نیک شخصیت کی زندگی میں ان سے دعا کرائے بغیر ان کی ذات کا وسیلہ پیش کر کے دعا کی جائے اس قسم کا توسل نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہے اور فرمان سے بھی۔ چنانچہ:

۱..... حضرت امیہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے فتح کی دمانگتے تھے۔ کان رسول اللہ ﷺ یستفتح بصعاليك المهاجرين۔ (مشکوٰۃ ص ۴۴)

۲..... حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا مانگی۔ اغفر لامی فاطمة بنت اسد ووسع علیہا مدخلہا بحق نبیک و الانبیاء الذین قبلی۔ اے اللہ میری والدہ فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور اپنے نبی حضور ﷺ اور مجھ سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ سے اس کی قبر وسیع کر دے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۴۳، درالصحابہ فی مناقب القراءہ و الصحابہ ص ۵۳۹ بحوالہ معجم طبرانی کبیر و واسطہ مستدرک حاکم وغیرہ) علامہ نور الدین سمہودی فرماتے ہیں: ”یہ روایت جید یعنی عمدہ سند سے مروی ہے۔“ (خلاصۃ الوقاص ص ۵۲) قاضی شوکانی فرماتے ہیں: ”اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔“ (درالصحابہ ص ۵۳۹)

اس حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے اپنی ذات کا وسیلہ پیش کیا اور گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات کا وسیلہ پیش کیا تو ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ توسل آپ ﷺ کا عمل ہے۔

۳..... حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا حاضر خدمت ہوا آپ ﷺ سے بیٹائی کے لئے دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اس کو تعلیم دی کہ وضو کر کے دو رکعات نماز پڑھ کر یہ دعا مانگ۔ اللہم انی اسألك و اتوجه الیک بنیک محمد بنی الرحمة۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی حضرت محمد نبی رحمت ﷺ کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت پوری کی جائے تو اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے اس کو بیٹائی عطا فرمائی۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۷، مسند احمد ج ۱ ص ۹۹، ج ۴ ص ۱۳۸، ابن ماجہ ص ۹۹، معجم طبرانی ص ۱۸۳) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام طبرانی فرماتے ہیں صحیح حدیث ہے، ابن ماجہ میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، امام حاکم فرماتے ہیں بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

ڈاکٹر مسعود عثمانی کہتا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابو جعفر مدنی راوی ہے جو حدیثیں گھڑنے والا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ابو جعفر دور راوی ہیں ایک ابو جعفر عبد اللہ بن مسور مدنی ہے اور اس پر جرح ہوئی ہے لیکن یہ اس حدیث کا راوی نہیں ہے دوسرا ابو جعفر عمیر بن یزید انصاری مدنی اسلمی ہے جو ثقہ اور سچا راوی ہے (تقریب العهد ج ۱ ص ۷۶) اور یہی اس روایت کا راوی ہے۔

۴..... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے ایک دعا سکھائی: اللہم انی اسألك بمحمد نبیک و بابر اہیم خلیلک و بموسیٰ نجیک و عیسیٰ روحک و کلمتک الخ (جمع الفوائد ج ۱ ص ۴۰۸) اے اللہ میں تجھ سے تیرے نبی حضرت محمد اور تیرے خلیل حضرت ابراہیم اور تیرے نبی موسیٰ اور تیرے روح اور کلمہ حضرت

یعنی عیہہ کے وسیلہ سے مانگنا ہوں۔ ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ توسل کی آپ ﷺ نے تعلیم فرمائی ہے تو پہلی حدیث کے مطابق آپ ﷺ فہراء مہاجرین کی زندگی میں ان کی ذات کا وسیلہ پیش فرماتے تھے اور باقی احادیث کے مطابق آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں اپنی ذات کا وسیلہ پیش کرنے کی تعلیم دی تو ثابت ہوا کہ کسی بزرگ کی زندگی میں بھی ان کی ذات کا وسیلہ پکڑنا درست ہے۔

دوم صورت یہ ہے کہ ایسی نیک شخصیت جو دنیا سے رخصت ہو چکی ہو اس کی ذات کا وسیلہ پیش کیا جائے یہ بھی سنت نبوی سے ثابت ہے جیسا کہ ابھی گزرا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے لئے دعا کرتے ہوئے آپ ﷺ نے گزشتہ انبیاء کرام عیہہ کی ذات کا وسیلہ پیش کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو دعا سکھائی اس میں بھی گزشتہ انبیاء کرام عیہہ کا وسیلہ پیش کرنے کی تعلیم دی۔

۵..... حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی خدمت میں حاضری کی کوشش کرتا لیکن اس کو اجازت نہ ملتی تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس کو دعویٰ دعا سکھائی جو آپ ﷺ نے تائیداً کو تعلیم دی تھی اس نے وہ دعا مانگی اور حاضری کی اجازت ملی اور ضرورت پوری ہوئی۔
(مجم طبرانی صغیر ج ۱ ص ۱۸۳، خلاصۃ الوقایہ بحوالہ نسفی)

اس حدیث کی سند وہی ہے جو حدیث نمبر ۳ کی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی بزرگ ہستی اس دنیا میں ابھی نہیں آئی اور اس نے تشریف لائی ہے اس کی ذات کا وسیلہ پیش کر کے دعا کی جائے یہ صورت بھی درست ہے اور قرآن مجید سے بھی ثابت ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **ہے نوکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا (سورۃ بقرہ)** یہود آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے آپ کے وسیلہ سے) کافروں کے مقابلہ میں فتح کی دعا مانگتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے کے الفاظ اس طرح نقل فرمائے ہیں: ”اللہم انا نسألك بحق احمد النبی الامی الذي وعدتنا ان تخرجہ لنا فی آخر الزمان وبکتابک الذي تنزل علیہ آخر ما تنزل ان تنصرنا علی اعدائنا“
(فتح الصریح ج ۱ ص ۳۸۹، الدر المنثور ج ۱ ص ۸۸، روح المعانی ج ۱ ص ۳۲)

ترجمہ: اے اللہ ہم تجھ سے احمد نبی امی کے وسیلہ سے جس کے آخر زمانہ میں ظاہر کرنے تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور اس کتاب کے وسیلہ سے جو آخری اترنے والی کتاب ہوگی اور تو آپ ﷺ پر نازل فرمائے گا سوال کرتے ہیں کہ ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

علماء احناف فرماتے ہیں کہ جو حکم یا عمل سابقہ شریعتوں کا قرآن مجید یا حدیث نبوی میں ہو اور ہماری شریعت میں اس کی ممانعت نہ ہوئی ہو وہ ہمارے لئے بھی قابل عمل ہے۔ (نور الانوار)

اور چونکہ قرآن مجید یا حدیث میں کہیں بھی توسل کی ممانعت نہیں ہے لہذا ہمارے لئے بھی قابل عمل ہے۔ (۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے وہ لغزش ہوئی جو انہوں نے کی تو عرش کی طرف سر اٹھا کر عرض کیا: اسئلک بحق محمد الاغفر لی۔ میں تجھ سے حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ میری بخشش فرما۔ (الدار المنثور ج ۱ ص ۵۸، طبرانی صغیر ج ۲ ص ۸۲ وغیرہ)

اس حدیث کو کئی محدثین صحیح قرار دیتے ہیں تفصیلی بحث، حدیث ”لولاک“ کے عنوان کے تحت آرہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اگرچہ ایک جماعت اس کو ضعیف ٹھہراتی ہے لیکن موضوع ہرگز نہیں ہے اگر ضعیف بھی ہو تو بھی حرج نہیں کیونکہ فقہاء ضعیف حدیث سے استحباب عنوان ثابت کرتے ہیں اور وسیلہ بھی اسی قسم کا مسئلہ ہے۔

الحاصل یہ سب صورتیں احادیث سے ثابت ہیں مگر منکر صاحب ان کو نہیں مانتے اور شرک کہتے ہیں نہ معلوم ان کے ہاں شرک کی تعریف کیا ہے؟

البتہ صرف ایک صورت مانتے ہیں کہ نیک آدمی سے اس کی زندگی میں اس طرح وسیلہ اختیار کیا جائے کہ ان سے دعا کرائی جائے حالانکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان بندے کو واسطہ بنانا ہے ایک شخص اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ یا اللہ اپنے نبی کے طفیل میرا یہ کام کر دے یہ ایسے ہے جیسے براہ راست بادشاہ سے کہے کہ آپ کو اپنی ماں کا واسطہ میرا یہ کام کر دے نہ اس سے بادشاہ یہ سمجھتا ہے اور نہ ہی کہنے والا کہ اس کی ماں کو بادشاہی یا اختیارات میں بادشاہ کے ساتھ شریک کر دیا اور نہ ہی اس سے بادشاہ پر دباؤ پڑتا ہے اس کو منور صاحب شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ شخص براہ راست اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے غیر اللہ کو نہیں پکار رہا جب کہ دوسری صورت جو ہے کہ آدمی کسی بزرگ سے کہے کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مانگو یہ ایسے ہے جیسے بادشاہ کے مقرب یا مثلاً اس کے والد کو کہے کہ بادشاہ سے کہو میرا کام کر دے اس صورت میں کہنے والا بادشاہ کے بجائے اس کے مقرب کے سامنے اپنی حاجت پیش کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کے بجائے بزرگ کے سامنے پیش کر رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ کام اس مقرب کی وجہ سے ضرور ہوگا اس سے بادشاہ پر دباؤ پڑے گا اس کو منور صاحب جائز کہہ رہے ہیں حالانکہ پہلی صورت آیت کریمہ ھو لاء شفعا لنا کا بالکل مصداق نہیں ہے اور یہ صورت ہی بلاشبہ مصداق بنتی ہے منور صاحب اور مماتی صاحبان الٹی چال چلتے ہیں ان حضرات کو چاہئے کہ شرک کی تعریف کر کے واضح کریں کہ تو سل کیوں اور کیسے شرک ہے لیکن ایسی تعریف ہو جس سے نبی کریم ﷺ مشرک نہ ٹھہریں۔ (معاذ اللہ)

ایک جھوٹی روایت

منور صاحب اور ڈاکٹر عثمانی اپنی طرف سے ایک روایت بتاتے ہیں کہتے ہیں وسیلے کا شرک ایک مدت سے چلا آ رہا تھا اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے جب یہ مسئلہ لایا گیا (کون لایا کب لایا اور کس کتاب میں نقل ہے؟) تو وحی نازل ہوئی واذا سالک عبادی عنی فانی قریب (اسلام یا مسلک پرستی ص ۲۱، وسیلے کا شرک ص ۵، یہ قبریں ص ۸) آیت کی تفسیر کے بارے میں یہ روایت ڈاکٹر عثمانی نے گھڑی اور منور صاحب نے لکیر کا فقیر ہو کر اس سے لے کر کتاب میں درج کر دی حالانکہ اس کا کسی کتاب یا تفسیر میں نام و نشان نہیں ملتا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا مسلک

ڈاکٹر عثمانی اور منور صاحب لکھتے ہیں: علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۵ پر لکھتے ہیں کہ کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ دعا کرے اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں بشرطیکہ جس سے درخواست کی جارہی ہو وہ زندہ ہو دوسری طرف میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں ہے۔ (اسلام ص ۲۳، وسیلے کا شرک ص ۱۰)

جواب: اس عبارت کے آخری حصہ کا تعلق مسئلہ استمداد سے ہے اس کی زیادہ تفصیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے ان کی عبارت یوں ہے۔ استمداد تین قسم پر ہے ایک یہ کہ اہل قبور سے مدد چاہے اس کو سب فقہاء نے ناجائز لکھا ہے دوسرے یہ کہ کہئے اے فلاں خدا سے دعا کرو کہ فلاں کام میرا پورا ہو جائے یہ مبنی اوپر سامع کے ہے جو سامع موتی کے قائل ہیں ان کے نزدیک درست اور دوسروں کے نزدیک ناجائز اسی کو شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: وان الاستعداد باہل القبور فی غیر النبی والانبیاء علیہم السلام فقد انکرہ کثیر من الفقہاء (ترجمہ قبروں والوں سے مدد چاہنے کا جو مسئلہ ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا عام مردوں سے بہت سے فقہاء نے اس کا انکار کیا ہے) انبیاء علیہم السلام کو اس وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سامع میں کسی کو اختلاف نہیں تیسرے یہ کہ دعائے الہی بحرمات فلاں میرا کام پورا کر دے یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام مجرور میں موجود ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۶۰ طبع سعید کمپنی)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت کا تعلق دوسری صورت سے ہے پہلی صورت کو فقہاء کی طرح علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بھی ناجائز کہتے ہیں فرماتے ہیں۔ واعظم من ذالک انہم یطلبون من اصحاب القبور نحو اشفاء المريض واغناء الفقير ورد الضالة وتيسير كل عسير (روح المعانی ج ۶ ص ۱۳۷) یعنی اس سے بھی عظیم تر بات یہ ہے کہ لوگ قبروں والوں نے مریض کو شفا دینا اور فقیر کو مالدار کرنا اور گرم شدہ چیز واپس کرنا اور ہر مشکل کی آسانی مانگتے ہیں۔ لیکن اس وقت بحث تیسری صورت میں ہے اور اس کے بارے میں جو ہمارا موقف ہے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی وہی رائے ہے فرماتے ہیں: انا لا اری باسافی التوسل الی اللہ تعالیٰ بجاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند اللہ تعالیٰ حیا ومیتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی ہر طرح ان کے اس جاہ و مرتبہ کا وسیلہ پیش کرنے میں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے میں حرج نہیں سمجھتا۔

التوسل بجاہ غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا باس بہ ایضاً۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لئے دعا کرنا بھی جائز ہے۔ (رداۃ المعانی ج ۶ ص ۱۴۷، ۱۴۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے جاہ و مرتبہ سے وسیلہ پیش کرنے میں بھی حرج نہیں ہے جب کہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا جاہ و مرتبہ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

منور صاحب اور ڈاکٹر عثمانی قدوری کی شرح کرنی باب الکرمیۃ اور ہدایہ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی کہے بحق تیری مخلوق کے۔ (اسلام ص ۲۳) امام صاحب کے اس قول کو توسل کے ناجائز ہونے کی دلیل بنانا درست نہیں ہے۔ توسل کئی الفاظ سے کیا جاتا ہے برکت فلاں، بطنخیل، بوسیلہ، بحرمت، بحق فلاں وغیرہ۔ ان میں سے صرف ” بحق فلاں “ کو مکروہ کہا گیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ توسل ناجائز ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق لازم ہے (جب کہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک لازم نہیں اس کا احسان ہے) تو اس لفظ کے استعمال کو ان کے ملامت عقیدے کی وجہ سے ناپسند کیا گیا۔

مولانا رشید احمد کنگڑی پیسید فرماتے ہیں: معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور وہ حق فلاں کے بھی معنی مراد لیتے ہیں اس واسطے معنی موہم اور مشابہ معتزلہ کے ہو گئے تھے۔ لہذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو راہِ حقوں کے ساتھ تشابہ ہو جائے۔ (نادی رشیدیہ ص ۹۴)

۱۱ حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر

منور صاحب کہتے ہیں: علماء دیوبند کے عقائد پر مبنی ان کی کتاب المہمد علی المہمد میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے نبی ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ (صرف) برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔

اور کہتے ہیں: قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت اس کے برعکس نظر آتی ہے۔

اور کہتے ہیں: (حیات کا عقیدہ رکھنے والا) نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی دائمی صفت النبی میں شریک بھی کرتا ہے اصل میں قبر میں حیات النبی ﷺ کا عقیدہ ہی قبر پرستی کے شرک کی جڑ ہے۔ (اسلام یا مسک پرستی ص ۲۶ و ۳۴) جواب: قرآن مجید اور احادیث طیبہ کا ہم نے بھی مطالعہ کیا ہے لیکن ہمیں تو اس عقیدے میں قرآن وحدیث مخالف نظر نہیں آئے اور ہم نے بھی شرک کی تعریف پڑھی ہے لیکن ہمیں یہ عقیدہ نہ تو شرکیہ معلوم ہوا اور نہ سبب شرک، منور صاحب اور مماتی صاحبان مرنے کے بعد روحانی زندگی مانتے ہیں کہ روح زندہ ہے اور اپنے ٹھکانے یعنی عِلِّین یا جنت میں ہے اور جسم کو زندہ نہیں مانتے لیکن کئی باتیں قابل غور ہیں۔

۱..... یہ کہ قرآن مجید میں ہے: کیف تکفرون بالله وکنتم أمواتا فاحیاء کم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم کیسے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تم مردے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا پھر تم کو موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (بقرہ)

اس آیت مبارکہ میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے پہلی موت اس وقت جب ہم دنیا میں نہ آئے تھے دوسری موت دنیا میں آنے کے بعد روح قبض ہونے کے وقت کی ہے اور پہلی زندگی ماں کے پیٹ میں جسم کے اندر روح ڈالے جانے کے وقت سے شروع ہوئی دوسری زندگی قبر یا قیامت کے دن کی ہے حل طلب بات یہ ہے کہ موت جسم میں روح نہ ہونے اور تعلق نہ ہونے کا نام ہے اور حیات روح جسم میں ہونے یا اس کا جسم سے تعلق ہونے کا نام ہے تو آیت میں جس پہلی موت کا ذکر ہے اس وقت جسم بنا ہی نہ تھا تو وہ صرف روح کی زندگی تھی تو جب صرف روح کی زندگی کو قرآن مجید موت کہہ رہا ہے تو شہداء اور انبیاء کرام کی زندگی صرف روح کی زندگی کیسے ہو سکتی ہیں جب کہ اس پر حیات کی تعریف صادق نہیں آتی بلکہ موت کی تعریف صادق آتی ہے؟

۲..... قرآن مجید کے الفاظ ہیں: ”من یقتل، الذین قتلوا“ یعنی جو قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اب بتائیں قتل روح ہوئے یا جسم؟ روح کو تو نہ موت آتی ہے نہ قتل ہوتا ہے تو جب جسم قتل ہوئے تو قتل ہونے والوں یعنی جسموں کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا ہے اور جسموں کو مردہ کہنے اور سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔

۳..... اللہ تعالیٰ کی صفت الٰہی ہے جس کا معنی زندہ ہے میں اور آپ بھی زندہ ہیں اور شہداء کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا احیاء کہ وہ زندہ ہیں اور قرآن مجید میں ہے۔

یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی اللہ تعالیٰ کا لفظ ہے زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ ہے۔ تو اس آیت کے مطابق ہر انسان اور پرندہ زندہ ہے تو اگر مطلق زندگی غیر اللہ کی ماننا شرک ہے تو ہم اور آپ ان چلنے پھرنے والی زندہ مخلوقات کو کیوں زندہ کہتے ہیں؟ ورنہ کم از کم آپ لوگوں کی تعلیم کے مطابق ہم آپ کو مردہ کہیں گے کہ یہ جناب چلتا پھرتا مردہ ہے اور اگر مطلق زندگی ماننا شرک نہیں ہے مثلاً ہم سب زندہ لوگ جسم و روح کے مجموعہ کے ذریعہ زندہ ہیں اور جنت و دوزخ میں جانے والے بھی وہاں روح و جسم کے مجموعہ سے زندہ ہوں گے اور صرف روح کی زندگی ماننا بھی شرک نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا عقیدہ ہے تو روح کے تعلق سے جسم میں زندگی ماننا کیوں شرک ہے آپ صرف روح کی زندگی مانیں تو موحّد ہیں اور ہم روح کے تعلق سے جسم کی زندگی بھی مانیں تو مشرک ہیں کیوں؟ کیا اللہ تعالیٰ کی صفت الٰہی کی تشریح یہ ہے کہ روح کے تعلق سے جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ زندہ ہے؟ تو ہرگز یہ شرک نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا زندہ ہے جو ہمیشہ سے تھا اور ہے اور رہے گا اور اس کی زندگی ذاتی ہے کسی کی عطا نہیں ہے اور روح و جسم کا محتاج نہیں ہے جب کہ بندوں کی زندگی ایسی نہیں چاہے زندہ ہوں یا مردہ، خود منور صاحب شہداء کی زندگی والی آیت لکھ کر کہتے ہیں: اللہ کا فرمان سر آکھوں پر قرآن کے ایک حرف کا بھی منکر کافر ہے اللہ نے تو واضح فرمادیا کہ ان کی حیات کا تمہیں شعور نہیں ہے (اگر یہ دنیوی حیات ہوتی تو شعور لازماً ہوتا ثابت ہوا کہ یہ حیات برزخی ہے دنیاوی نہیں)۔ (اسلام ص ۲۹) دنیاوی نہ سہی برزخی حیات ہی ہوتی اور زندہ تو ہوا تو صفت الٰہی میں شرک کہاں گیا؟

شہداء کی ارواح سبز پرندوں میں ہونے کی روایت

منور صاحب کہتے ہیں مسلم کی روایت کے مطابق شہداء کو اڑنے والے سبز جسم عطاء کئے جاتے ہیں اور وہ عرش الٰہی کے نیچے متعلق قدیلوں میں قیام کرتے ہیں۔ (اسلام ص ۲۹)

جواب: اس روایت سے ان کی روحوں کا مقام اور ان کی روحانی زندگی معلوم ہوئی اور قرآن مجید سے جسمانی (جسم عنصری میں زندگی ثابت ہوئی اور جسم کی زندگی روح کے تعلق کے بغیر نہیں ہو سکتی تو) دونوں میں تطبیق سے معلوم ہوا کہ روحوں اگرچہ عرش کے نیچے ہوتی ہیں اور جنت کی سیر کرتی ہیں لیکن جسموں سے بھی ان کا تعلق ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ اور انبیاء کرام شہید ہیں

اور حضور نبی کریم ﷺ اور انبیاء کرام کو درجہ شہادت حاصل ہے علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں۔ ومانبی الاقد جمع مع النبوة وصف الشهادة فیدخلون فی عموم لفظ الایۃ جو بھی نبی ہے اس میں صفت نبوت کے ساتھ صفت شہادۃ بھی جمع ہے لہذا وہ بھی آیت کے عام الفاظ کے تحت داخل ہوں گے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: کہ میں نو بار یہ قسم کھاؤں کہ نبی کریم ﷺ شہید ہوئے ہیں یہ مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ ایک بار قسم کھاؤں کہ آپ شہید نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی ﷺ بھی بنایا ہے اور شہید بھی۔ (الحادی اللعادی ج ۲ ص ۱۳۸)

علامہ شمس الدین عسکری (م ۹۰۲) کا انتقال ہو گیا ہے۔ فان الشهادة حاصلة له رحمہ اللہ علی اتم الوجوه لانه شهيد الشهداء وقد صرح ابن عباس وابن مسعود وغيرهما رحمہم اللہ بانه رحمہ اللہ مات شهيدا۔ شہادت اس کے لئے انتہائی تکلیف میں ہے، اس لئے کہ وہ شہیدوں میں سے شہید ہے، اور ابن عباس اور ابن مسعود نے اسے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (القول البدیع ص ۳۷ الطبع بیروت)

آپ رحمہم اللہ کو بدرجہ اتم شہادت حاصل ہے کیونکہ آپ شہیدوں کے بھی شہید ہیں اور حضرت ابن عباس و ابن مسعود وغیرہ نے صاف فرمایا ہے کہ آپ شہید فوت ہوئے ہیں۔ علامہ ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۳ھ) فرماتے ہیں: ”وقد کان ابن مسعود وغيرہ یرون انہ رحمہم اللہ مات شهيدا من السم“ حضرت ابن مسعود وغیرہ یہی سمجھتے تھے کہ آپ زہر سے شہید فوت ہوئے ہیں۔ (جمع الوسائل فی شرح المسائل ج ۲ ص ۲۵۴ طبع لبنان)

نبی کریم رحمہم اللہ کو ۷۷ھ میں خیبر میں زہر ملا کھانا دیا گیا جس کی وجہ سے آپ کے مرض وفات میں فرماتے تھے کہ مجھے اس زہر کا اثر محسوس ہو رہا ہے جیسے میری ابھری رگ کٹ رہی ہو (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳) اور آپ سے اس وجہ سے بھی شہید ہیں کہ شہادت کی تمنا کرتے تھے کہ میری خواہش ہے کہ اللہ کے راستہ میں شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۹۲) اور آپ رحمہم اللہ کا فرمان ہے: من سال اللہ الشهادة صادقاً من قلبه بلغه اللہ منازل الشهداء وان مات علی فراشه“ (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۷۰ مسلم وغیرہ) جس نے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے شہادت مانگی اللہ اس کو شہداء کے مراتب پر پہنچائے گا اگرچہ بستر پر دو فوات پائی ہو۔

لہذا آپ اور دوسرے انبیاء کرام رحمہم اللہ کو شہادت حاصل ہے اور شہداء سے بھی بڑھ کر درجہ میں ہونے کی وجہ سے یہ حیات بدرجہ اتم حاصل ہے۔

اہلسنت والجماعت کے دلائل اور منور و ممات کی صاحبان کی جرح

اس عقیدہ حیات پر اہلسنت والجماعت کے بکثرت دلائل ہیں یہاں صرف انہی پر بحث کی جاتی ہے جن پر منور صاحب نے جرح کی ہے۔

..... ایک دلیل حضرت ابوالدرداء کی روایت ہے کہ نبی کریم رحمہم اللہ نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو کیونکہ وہ ایسا دن ہے جس میں فرشتے (خصوصی طور پر) حاضر ہوتے ہیں تو جو بھی مجھ پر درود شریف پڑھے اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے۔ میں نے عرض کیا کہ موت کے بعد بھی ایسا ہوگا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء رحمہم اللہ کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق ملتا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۱۱۸ باسناد جید کذا فی الترحیب للہندی حدیث نمبر ۲۵۹۳)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ:

..... دنیاوی زندگی میں آپ رحمہم اللہ پر درود شریف پیش ہوتا تھا اور آپ رحمہم اللہ نے بھی اسی کا ذکر فرمایا اس وجہ سے صحابی نے موت کے بعد کا پوچھا۔

- ۲..... وفات کے بعد بھی آپ ﷺ پر درود شریف پیش ہوتا ہے۔
- ۳..... وفات سے پہلے چونکہ روح و جسم کے مجموعہ پر پیش ہوتا تھا اس وجہ سے صحابی کے ذہن میں سوال آیا کہ وفات کے بعد کس پر پیش ہوگا؟
- ۴..... نبی کریم ﷺ نے جسم کے محفوظ ہونے کا ذکر فرما کر واضح فرمایا کہ وفات کے بعد بھی جسم و روح دونوں پر پیش ہوگا اس طرح کہ جسم بوسیدہ نہ ہوگا بلکہ محفوظ ہوگا۔
- ۵..... اور ظاہر ہے کہ جسم میں حس و شعور نہ ہو تو پیش ہونے کا کوئی مطلب نہیں جس سے معلوم ہوا کہ جسم میں حس و شعور ہوگا اور وہ چونکہ روح کے تعلق کے بغیر نہیں ہو سکتا تو اس حدیث سے جسم سے روح کا تعلق بھی ثابت ہوا۔
- اس حدیث پاک کو علامہ سمہودی اور علامہ سخاوی اور امام منذری اور مولانا بدر عالم اور علامہ دمیری و محمد مہدی القاتی مکیج اور محمد وسعد والی فرماتے ہیں۔
- (خلاصۃ الوقایہ ۴۵، القول البدیع ص ۱۶۴، ترجمان السنن ج ۳ ص ۲۹۷، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۳۰، مطالع السیرات ص ۳۲)
- منور صاحب کہتے ہیں مرسل ہونے کے علاوہ اس کے ایک راوی سعید بن ابی ہلال کو بان حزم نے ضعیف کہا ہے۔ (اسلام ص ۳۴)
- جواب: منور صاحب کی دونوں باتیں حدیث پر ہرگز اثر انداز نہیں ہوتیں مرسل ہونے کی وجہ سے روایت کو رد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور مالکیوں اور کوئی محدثین کے نزدیک اور امام احمد کے ایک قول میں اور امام شافعی چند شرطوں کے ساتھ جو اس روایت میں موجود ہیں مرسل روایت کو حجت مانتے ہیں۔ (نزہۃ النظر لابن حجر ص ۶۴، الباعث الحسین لابن حجر ص ۲۱)
- لہذا روایت حجت ہے اور راوی سعید بن ہلال کو اکیلے ابن حزم نے ضعیف کہا ہے محدثین ابن حزم کا ساتھ نہیں دیتے امام ذہبی فرماتے ہیں ثقہ اور صحاح ستہ کا راوی ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۶۲)
- امام دارقطنی فرماتے ہیں ثقہ ہے (نہار مع الدارقطنی ۲ ج ۴) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ اور مضبوط ہے صرف ابن حزم نے ضعیف کہا ہے جس کا کوئی تائیدی نہیں ہے۔ (لسان المیزان ج ۷ ص ۲۳۲، تقریب التہذیب ج ۱ ص ۳۶۶)
- تو جب سب محدثین ثقہ کہیں اور اکیلے ابن حزم ضعیف کہیں تو مطلب کی خاطر کیا ابن حزم کے پیچھے چلنا جائز ہے جب کہ یہ بھی نہ بتا سکیں کہ کیوں ضعیف ہے؟ ابن حزم نے تو امام ترمذی جیسے مشہور محدث و حافظ کو بھی مجہول کہہ دیا ہے۔
- منور صاحب کہتے ہیں: اور ابو بکر ابن العربی مالکی کے نزدیک یہ روایت ثابت بھی نہیں ہے؟ (اسلام ص ۳۴)
- جواب: اگر علامہ ابن العربی کی بات کا یہ مطلب ہے کہ حدیث کا سرے سے وجود نہیں تو یہ غلط ہے ابن ماجہ اور مشکوٰۃ وغیرہ میں موجود ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ صحیح ثابت نہیں تو یہ بھی درست نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ منور صاحب دوسروں سے نقل کرنے والے ہیں ابن العربی کا یہ قول حضرت ابوالدرداء کی مذکورہ روایت کے بارے میں نہیں بلکہ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق ہے جو ابھی آنے والی ہے۔ بہر حال ان کا قول درست نہیں دیکھئے۔ (۲۹۶ السنن ص ۲۹۶)

۲..... اہلسنت والجماعت کی دوسری دلیل حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے اس میں اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس میں موت دی اور اس میں پہلا اور دوسرا صور پھونکا جائے گا تو جمعہ کے دن تم مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود شریف مجھ پر پیش ہوتا ہے صحابہ نے عرض کیا جب آپ (وفات کے بعد) بوسیدہ ہو جائیں گے تو ہمارا درود شریف آپ پر کیسے پیش ہوگا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔“ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۱، ابن ماجہ ص ۱۱۸، مسند احمد ج ۸ ص ۴ سنن نسائی، حدیث نمبر ۱۳۶۲ سنن الکبریٰ للبخاری ج ۳ ص ۲۴۸، ۲۴۹، شعب الایمان ج ۳ ص ۱۱۰، سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴۵) اس حدیث کو علامہ محمد بن علی نیوکی اور امام نووی اور علامہ سخاوی اور علامہ سمہودی اور علامہ محمد مہدی القائی اور علامہ ابن القیم اور امام حاکم وغیرہ صحیح قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (آثار السنن ص ۲۹۵، الاذکار ص ۱۲۸، ریاض الصالحین ص ۵۲۹، القول البدیع ص ۱۶۳، خلاصۃ الوفاء ص ۴۵، مطالع المسرات ص ۳۲، جلاء الافہام ص ۳۶، الترغیب والترہیب للمذہبی ج نمبر ۲۵۹۶ وغیرہ) اس حدیث سے بھی وہی فوائد حاصل ہوتے ہیں جو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوئے۔

منور صاحب کہتے ہیں: یہ معلل روایت ہے اس کے راوی حسین بن علی الجعفی نے اس میں تلبیس کرتے ہوئے ضعیف۔ اور مجروح راوی عبدالرحمن بن یزید بن تمیم کی جگہ ثقہ راوی عبدالرحمن بن یزید بن جابر کا نام لے کر روایت کی ہے اور عبدالرحمن بن یزید بن تمیم پر محدثین نے سخت جرح کی ہے۔ (اسلام ص ۳۴)

جواب: یہ بات درست نہیں کیونکہ محدثین نے صراحت کی ہے کہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے روایت کرنے والوں میں حسین الجعفی بھی ہے اور الجعفی کا عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے سماع بھی ثابت ہے چنانچہ علامہ ذہبی ابن عساکر سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر نے ابوالاشعث صنعانی اور ابوبکرہ سلولی اور بہت سے لوگوں سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور ولید بن مسلم، ابن شاپور اور حسین الجعفی اور دوسرے لوگ روایت کرنے والے ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۹۹)

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: حسین بن علی الجعفی نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے سماع کی تصریح کی ہے چنانچہ ابن حبان میں ہے کہ ہمیں ابن خزیمہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں ابو کریب نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں حسین بن علی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں حدیث عبدالرحمن بن یزید بن جابر، ہمیں عبدالرحمن بن یزید بن جابر نے بیان کیا تو حسین نے ان سے سماع کی صراحت کر دی اور رہی یہ بات کہ حسین نے راوی کے متعلق خیال کیا کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے جب کہ وہ عبدالرحمن بن یزید بن تمیم تھا لیکن حسین نے ان کے دادا کے نام میں غلطی کی تو یہ بات بھی بعید ہے کیونکہ یہ بات حسین پر مشتبہ نہیں ہو سکتی تھی جب کہ ان کو مہارت اور ابن جابر اور ابن تمیم کا علم بھی ہے اور دونوں سے سماع بھی ہے۔ (جلاء الافہام ص ۲۳۴ طبع بیروت)

امام ابوالحجاج مزی اور دارقطنی نے بھی ذکر کیا ہے کہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے روایت کرنے والوں میں حسین بن علی الجعفی بھی ہے۔ (جلاء الافہام ص ۳۵)

لہذا حسین نے ہرگز تلبیس نہیں کی وہ ثقہ اور عبادت گزار راوی ہیں البتہ امام دارقطنی کے حوالہ سے علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ ایک اور راوی ابواسامہ ہیں جو ابن قسیم سے روایت کرنے والوں میں سے ہیں لیکن وہ دادا کے نام میں غلطی کر کے ابن جابر بولتے ہیں۔ (جلد الانہام ص ۳۵)

جب تک حدیث میں یہ روایت ہے سب میں حسین بن علی عن عبدالرحمن ابن یزید بن جابر کی تصریح ہے ملاحظہ کر لیں مذکورہ بالا حوالے، امام بخاری کے سوا کسی نے تلبیس کا التزام نہیں لگایا اور یہ دعویٰ بلا دلیل ہے جو ہرگز قبول نہیں کسی بھی کتاب میں حسین بن علی عن عبدالرحمن بن یزید بن قسیم نہیں ہے۔

۳..... اور ایک دلیل حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا جو بیت المقدس کے نزدیک سرخ ٹیلے کے پاس ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

(مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰ ج ۳ ص ۵۹ ج ۵ ص ۱۳۸، حلیۃ الاولیاء ص ۴۰۳ ص ۳)

یہ حدیث ایسی صحیح ہے جس پر اس عقیدے کے منکرین انگلی نہیں اٹھاتے اور نہ اٹھا سکتے ہیں اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ:

۱..... حدیث الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون یعنی انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں صحیح حدیث سے اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲..... قبر میں جسم عنصری ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے جسم عنصری کے کھڑے ہونے کا مشاہدہ کیا اور جسم عنصری بغیر حیات کھڑا نہیں ہو سکتا اور حیات روح کے تعلق یا دخول کے بغیر نہیں ہو سکتی تو اس حدیث سے جسم عنصری میں حیات اور روح کا جسم عنصری سے تعلق ثابت ہوتا ہے۔

۳..... اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی آدم کو بھی قبر کے اندر کا حال ظاہر ہو جاتا ہے۔

منور صاحب اور ڈاکٹر عثمانی اور مماتی صاحبان کہتے ہیں: یہ واقعہ معراج کا ہے جو کہ ایک معجزہ تھا اور معجزہ کے ایک غیر معمولی فعل ہونے کی وجہ سے اسے بطور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ (اسلام یا مسلک پرستی)

جواب: ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا صرف ان چیزوں کو دیکھنا معجزہ ہے یہ نہیں کہ جو کچھ دیکھا اس کا وجود آپ کا معجزہ ہے ورنہ انبیاء کرام علیہم السلام کا وجود، بیت المقدس، عذاب و ثواب کی مختلف صورتوں کا وجود، جنت و دوزخ، سدرة المنتی عرش وغیرہ سب حضور ﷺ کا معجزہ ہوگا اور بطور معجزہ آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑا کر کے نماز پر لگا دیا ہوگا، حالانکہ یہ سب کچھ اس طرح نہیں ہے لہذا ان چیزوں کا دیکھنا، قبر پر کھڑے ہو کر قبر کے اندر کے حال کا مشاہدہ تو معجزہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا آپ ﷺ کا معجزہ نہیں ہے (بلکہ وہ حیات انبیاء بجد ہم کی دلیل ہے)

دوسرا شبہ: منور صاحب کا یہ ہے کہ اس سفر معراج میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں وہیں آسمان پر ان سے ملاقات کے وقت انہیں نہ پہچان سکے اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا من ہذا یا جبریل (اے جبریل یہ کون ہے) حالانکہ اس سے پہلے بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کراتے وقت ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۳۴)

جواب: اس شبہ کا تعلق عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام کے ثبوت سے نہیں واقعہ معراج سے ہے لیکن اس شبہ سے صرف قبر میں دیکھنے کا ہی کیوں انکار کیا جائے چاہئے یہ کہ بیت المقدس میں ملاقات اور امامت کرنے کا بھی انکار کر دیا جائے اور آسمان پر ملاقات کا بھی انکار کر دیا جائے تاکہ نہ تعارض رہے نہ حل تلاش کرنے کی ضرورت ہو نہ رہے بانس نہ بچے بانسری۔

حضرت ملا علی قاری امام بیہقی سے نقل کرتے ہیں: کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے جو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے پھر آپ ﷺ کو اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو اوپر (آسمان پر لے جایا گیا اور وہاں آپ نے آسمانوں پر ان سے ملاقات کی پھر واپسی پر) انبیاء علیہم السلام بیت المقدس میں جمع ہوئے اور آپ ﷺ نے نماز میں ان کی امامت کرائی۔

امام ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آسمانوں پر اکٹھے ہوئے پھر واپسی پر بیت المقدس اترے اور وہاں انبیاء علیہم السلام حاضر تھے تو ان کو آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔

حضرت ملا علی قاری یہ اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں: یہی بات ہی ظاہر ہے کیونکہ حدیث معراج کے اکثر صحیح طرق میں یہ بات ہے کہ: جب آپ ان سے آسمانوں پر ملے تو جبریل علیہ السلام سے ان کا حال اور ہر ایک کا نام پوچھا کو یا آپ نے ان کو نہیں پہچانا تو اگر پہلے مسجد اقصیٰ میں دیکھ چکے ہوتے تو حال اور نام پوچھنا بعید ہوتا۔ (جمع الوسائل ص ۶۳ ج ۱) اس حل کے مطابق امامت بعد میں کرائی اور پہلی ملاقات آسمانوں پر ہوئی تو پہلی ملاقات پر پوچھنا منہذا یا جبریل باعث اشکال نہیں۔

۴..... امت کی ایک دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو امام ابو یعلیٰ اور بزار اور بیہقی نے اپنی سندوں سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (انباء الاذکیا ص ۱، القول البدیع ص ۱۷۲)

علامہ جلال الدین سیوطی اور امام بیہقی اور علامہ سخاوی اور علامہ ابن حجر اور علامہ نور الدین سمہودی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ملا علی قاری اور شیخ الحدیث مولانا زکریا وغیرہ رحمہم اللہ محدثین نے اس حدیث کو صحیح اور ثقہ راویوں سے مروی فرمایا ہے۔ (المادی للفتاویٰ ص ۱۶۳ ج ۲، القول البدیع ص ۱۷۲، فیض الباری ص ۶۳ ج ۲، خلاصۃ الوفاء ص ۴۵، مدارج النبوة ص ۵۷۵ ج ۲، فضائل درود شریف ص ۴۲، مرقات وغیرہ)

منور صاحب اس روایت کے متعلق کہتے ہیں: بیہقی اور ابو یعلیٰ کی اس سلسلے میں پیش کی جانے والی روایت بھی درست نہیں اور ان کے راویوں پر سخت جرح کی گئی ہے۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۳۴) ڈاکٹر عثمانی نے اس کے دور راویوں پر جرح نقل کی ہے مستم بن سعید اور حجاج بن اسود کہ یہ دونوں ضعیف ہیں۔ (یہ قبریں یہ آستانے ص ۱۳) **جواب:** حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں راوی ثقہ ہیں۔

علامہ سخاوی شافعی فرماتے ہیں: اس کا راوی یحییٰ بن ابی بکر بخاری شریف کا راوی ہے اور مستم بن سعید کو امام احمد اور ابن جہان نے ثقہ فرمایا ہے۔ (القول البدیع ص ۱۷۲)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: سچا اور عبادت گزار ہے بھی وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (تقریب ص ۱۷۴ ج ۲)
اور بھی وہم میں مبتلا ہونا عیب نہیں۔ (لسان المیزان ص ۱۷ ج ۱)

اور حجاج بن اسود کے بارے میں علامہ سخاوی فرماتے ہیں: امام احمد اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ثقہ ہے
(القول البدیع ص ۱۷۲)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں امام احمد کا قول ہے کہ ثقہ اور نیک صالح آدمی ہے اور ابو حاتم فرماتے ہیں صالح
الحديث ہے (اس کی حدیث درست ہوتی ہے) امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(لسان المیزان ص ۱۷۵ ج ۲)

لہذا یہ حدیث بالکل صحیح ہے بالخصوص جب کہ صحیح مسلم کی صحیح حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

۵..... ایک دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: من صلی عند قبری سمعته و من صلی علی ناء یا بلغته جو میری قبر پر میرے لئے دعا کرے گا، میں اسے سنوں گا، اور جو میرے لئے دعا کرے گا، اس کی زبان میں دعا پوری کی جائے گی۔ (جلاء الافہام ص ۱۸ شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱۸)

جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف پڑھا وہ میں سنوں گا اور جو دور سے درود شریف پڑھے گا وہ مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

علامہ سخاوی اور ملا علی قاری اور علامہ ابن حجر اور اکابرین دیوبند نے فتویٰ میں اس حدیث کو عمدہ سند والی قرار دیا ہے۔ (القول البدیع ص ۱۶۰، الحرز الثمین شرح حصن حصین ص ۷۷۷ تسکین الصدور مرقات ج ۲ ص ۳۴۷)

اس حدیث کی دو سندیں ہیں ایک وہ ہے جس میں محمد بن عروان سدی صغیر امام اعمش سے روایت کرتا ہے وہ سند محمد بن مردان کی وجہ سے ضعیف کہی گئی ہے علامہ ابن کثیر نے تفسیر میں اور علامہ محمد طاہر ہندی نے تذکرۃ الموضوعات میں اور مولانا حسین علی نے تفسیر بے نظیر میں اسی سند پر بحث کرتے ہوئے ضعیف قرار دیا لیکن دوسری سند وہ ہے جس میں امام اعمش سے روایت کرنے والے ابو معاویہ ہیں اس کے راوی ابو معاویہ عن اعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ بخاری شریف کے راوی ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۳۵ وغیرہ) اس سند کو محدثین نے عمدہ سند قرار دیا بعض نے ابو صالح کو متروک الحدیث کہہ دیا حالانکہ یہ راوی ابو صالح ذکوان الزیات ہیں جو ثقہ راوی ہیں متروک دوسرا ابو صالح ہے بعض نے کہا اعمش مدلس اور شیعہ ہے لیکن ہر مدلس کی روایت مردود نہیں ہوتی اعمش کی تدلیس بھی مضر نہیں۔ جیسا کہ تسکین الصدور میں تفصیل سے ذکر ہے اور امام عجل کے سوا کسی نے اس کو شیعہ نہیں کہا سچ یہ ہے کہ وہ امام اہلسنت اور اہلسنت کی دس قراءتوں میں سے ایک قراءت کے مسلم امام ہیں۔ اگر بالفرض شیعہ ہوں تو شیعہ بمعنی رافضی نہیں بلکہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان سے افضل سمجھے اس کو بھی متقدمین شیعہ کہہ دیتے ہیں۔ ایسے شیعہ راوی کی روایت بھی ہرگز رد نہیں ہے۔ چہ جائیکہ امام اہلسنت کی روایت رد ہو۔ تو اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوا کہ:

۱..... نبی کریم قبر اطہر کے پاس پڑھا ہوا درود و سلام خود بلا واسطہ سنتے ہیں جو سماع اور حیات اور روح کے جسم اطہر سے تعلق کی دلیل ہے۔

۲..... اور دور سے پڑھے ہوئے درود شریف و سلام کو آپ کے بلا واسطہ نہیں سنتے بلکہ فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں ذکر ہے۔ درود شریف دور سے پڑھا ہوا پہنچایا جاتا ہے۔ دور سے درود شریف پہنچنے کو بھی منور صاحب نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ یہ بات قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ ہر چیز اللہ کی طرف لوٹتی ہے اور اس حدیث میں ہے کہ درود شریف نبی ﷺ کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ محض مغالطہ ہے کیونکہ حدیث پاک میں یہ تو نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں درود شریف نہیں پہنچتا تو یہ قرآن مجید کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔

دور سے درود شریف پہنچنے کی روایات بکثرت ہیں جن میں سے ایک روایت خود منور صاحب نے نقل کی ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے سکھایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو تشہد یوں پڑھے (التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين) آپ ﷺ نے فرمایا جب تم یہ کہو گے تو تمہارا سلام ہر نیک بندے کو پہنچ جائیگا جو آسمان میں ہے یا زمین میں ہے۔“

(اسلام یا مسلک پرستی ص ۷۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز میں پڑھا ہوا سلام ہر نیک بندے تک پہنچ جاتا ہے اور نماز میں نبی کریم ﷺ پر بھی درود و سلام پڑھا جاتا ہے تو یقیناً آپ تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ ایک دوسری روایت بھی منور صاحب نے نقل کی ہے مگر اس کا ایک جملہ نقل کیا دوسرا جملہ ان کے خلاف تھا اس وجہ سے چھوڑ دیا۔ لا تجعلوا قبری عيدا و صلوا على فان صلاتكم تبلغني حيث ما كنتم ”میری قبر کو عید نہ بناؤ اور میرے لئے دعا کرو کیونکہ میں جہاں بھی جاؤں گا تمہاری دعا مجھ تک پہنچے گی۔“ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۸۶) میری قبر کو میلے کی جگہ نہ بنانا اور مجھ پر درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ کو پہنچتا رہے گا جہاں بھی تم ہو گے۔ (اسلام ص ۱۰۶)

معلوم ہوا کہ دور سے درود شریف پہنچنا صحیح روایات سے ثابت ہے جو منور صاحب کے نزدیک بھی صحیح ہیں۔ ۱..... اہلسنت والجماعت کی ایک دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ان الله ملائكة سياحين في الأرض يبلغوني من امتي السلام بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں چلنے والے ایسے ہیں جو مجھ تک میری امت کے سلام پہنچاتے ہیں۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۲۸، سنن دارمی ج ۲ ص ۴۰۹، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۸۸، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۲، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۲۳، شعب الایمان ج ۲ ص ۱۵۸۲، الزہد لابن المبارک حدیث نمبر ۱۰۲۸ ص ۳۰۳) اس حدیث کو امام حاکم اور ابن قیم اور علا سمہودی اور محمد بن محمد جزری اور علامہ البانی ملا علی قاری وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (القول الہدی ج ۱ ص ۱۵۹ خلاصۃ الوفا ص ۳۶، جلاء الافہام ص ۲۲، حصن حصین مع الشرح ص ۲۰۴، مرقات ص ۳۴۱ ج ۲) اس حدیث سے وہی فوائد ثابت ہوتے ہیں جو حضرت ابوالدرداء اور اوس بن اوس کی روایات سے ثابت ہوئے۔ منور صاحب کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں پیش کی جانے والی ملائکہ سیاہین والی روایت بھی موضوع ہے اور اس کا ایک راوی زاذان شیعہ ہے۔ (اسلام ص ۳۸)

جواب: زاذان سے متعلق یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں ثقہ ہے امام ابن عدی فرماتے ہیں ہے امام ابن کے اس کی احادیث لا باس بہا (یعنی صحیح) ہیں۔ (میزان الاعتدال ص ۲۳ ج ۲) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں سچا راوی

ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۳۰۷) علامہ ابن القیم فرماتے ہیں ثقہ ہے اکابر صحابہ حضرت عمر وغیرہ سے روایات لیتا ہے امام مسلم نے صحیح میں اس کی روایت لی ہے۔ حمید بن ہلال فرماتے ہیں ایسا ثقہ ہے جس کے بارے میں پوچھا ہی نہ جائے۔ (الروح ص ۶۹)

باقی رہا اس کا شیعہ ہونا تو اس سے روایت پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ شیعہ بمعنی راضی نہیں اگر اس میں شیعیت ہو تو اس معنی میں کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں اس معنی میں شیعہ کئی اکابرین اہلسنت بھی تھے ایسے قسم کے شیعہ کی روایت ضعیف بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ موضوع ہو۔ (میزان ج ۱ ص ۵، لسان ج ۱ ص ۹)

منور صاحب کے دلائل اور شبہات

۱..... منور صاحب نے اپنے دلائل میں کچھ وہ آیات اور احادیث پیش کی ہیں جن میں آپ ﷺ کی وفات کا تذکرہ ہے لیکن ایسے دلائل ہمارے خلاف نہیں ہیں۔ کیونکہ اختلاف وفات میں نہیں وفات کے بعد قبر میں حیات کا اختلاف ہے بلکہ یہاں تک مماتی اور منور صاحب بھی مانتے ہیں کہ وفات کے بعد برزخی حیات ہے۔ (اسلام ص ۲۹) اب اختلافی صورت صرف یہی رہی کہ برزخی حیات میں جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے یا نہیں جس سے جسم میں بھی زندگی ہو؟ تو اس قسم کی آیات سے تعلق ہونا اور نہ ہونا کچھ ثابت نہیں ہوتا۔

اور کچھ وہ آیات یا احادیث پیش کی ہیں جن سے وفات کے بعد زندہ نہ ہونے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲..... مثلاً قرآن مجید میں ہے لم انکم بعد ذالک لمیتون۔ ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون (سورہ مومنون)۔ پھر اس زندگی کے بعد تم کو موت آکر رہے گی پھر اس کے بعد قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔

یعنی آیت میں موت کے فوراً بعد زندگی ملنے کا ذکر نہیں بلکہ قیامت کے دن زندہ ہونے کا ذکر ہے تو معلوم ہوا کہ آپ سے بھی دوسروں کی طرح وفات کے بعد فوراً نہیں بلکہ قیامت میں زندہ ہوں گے۔

جواب یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں قیامت سے پہلے وفات کے بعد برزخی زندگی کا ذکر نہیں ہے مگر ذکر نہ ہونے سے نہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا جیسے منکرین حدیث کہیں کہ قرآن مجید میں وضو کے اندر صرف چہرہ اور بازو کہنیوں تک اور پاؤں ٹخنوں تک دھونے کا اور سر کے مسح کا حکم ہے۔ لہذا کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔ پھر یہ کہ برزخی زندگی تو جناب بھی مان چکے ہیں اگر وفات کے بعد قبر میں زندگی نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو برزخی زندگی بھی نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو جو جواب آپ کا ہو گا وہی ہمارا ہو گا۔

چونکہ قبر کی زندگی دوسری نصوص سے ثابت ہے۔ اس لئے اس آیت سے نفی ثابت کرنا درست نہیں ہے۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں ہے: ”کیف تکفرون بالله وکنتم امواتا فاحیا کم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون“ تم لوگ کیسے اللہ تعالیٰ کے انکاری بنتے ہو حالانکہ تم مردے تھے پھر اس نے تم کو زندگی دی پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندگی دے گا پھر تم اس کی طرف لوٹو گے۔

امام وکیع اور ابن جریر حضرت ابوصالح سے نقل کرتے ہیں: ”ثم یحییکم فی القبر“

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲ طبع قدیم معراج کثیر ج ۱ ص ۲۷)

پھر اللہ تمہیں زندگی دے گا قبر میں (پھر قیامت کے دن اس کی طرف لوٹو گے) اس آیت میں حرف عطف بھی مغایرت کا تقاضا کرتا ہے کہ: ”ثم يحييكم“ میں مذکورہ حیات ”ثم اليه ترجعون“ کے سواء ہے تو موت کے بعد دو زندگیاں مذکور ہوئیں ایک قبر کی اور دوسری قیامت کے دن کی اور ”ومن ورائهم برزخ الى يوم يبعثون“ سے بھی جناب برزخی زندگی ثابت مانتے ہیں اور برزخ قیامت اور دنیا کے درمیان کے جہان کو کہتے ہیں۔

حضرت ابو سحر فرماتے ہیں برزخ سے مراد قبریں ہیں جو نہ دنیا سے مکمل تعلق رکھتی ہیں نہ آخرت سے تو لوگ قبروں میں رہیں گے قیامت تک۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۶)

علامہ عبد الجلیل بن موسی القصری فرماتے ہیں برزخ تین چیزوں کا نام ہے مکان، زمانہ، حال برزخی مکان قبر سے لے کر علین یا سہیلین تک ہے اور زمانہ موت سے قیامت تک ہے اور حال یا راحت میں ہو گا یا عذاب ہو گا۔ (الحاوی للمفاوی ج ۲ ص ۱۸۵)

پھر منور صاحب کی پیش کردہ آیت میں کامل زندگیوں کا ذکر ہے اور قبر کی زندگی دنیا اور آخرت کی کامل زندگی کی طرح نہیں ہوتی اس وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔

۳..... کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے: ”والذين يدعون من دون الله لا يخلقون شيئا وهم يخلقون اموات غير احياء وما يشعرون ايان يبعثون“ اللہ کے علاوہ جن دوسری ہستیوں (یعنی انبیاء اور اولیاء) کو وہ لوگ (حاجت روائی کے لئے پکارتے ہیں کسی چیز کے بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں موت کے بعد وہ لوگ بالکل مردہ ہیں ان میں جان کی رمت تک ہاتی نہیں۔

جواب: سوال یہ ہے کہ منور صاحب نے ”موت کے بعد“ آیت کے کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے؟ یہ ترجمہ اپنی طرف سے بڑھا کر تحریف معنوی کی ہے جس کے متعلق ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ اس آیت کا ترجمہ قرآن مجید کی معنوی تحریف کا بدترین شاہکار ہے جس کے نتائج بے حد خطرناک ہیں اس فعل منہج کا ارتکاب یہود بھی کرتے تھے اور ان پر لعنت کے اسباب میں سے ایک یہ بھی تھا کہ: ”يحزفون الكلم عن مواضعه“ وہ کلمات کو ان کے مقام سے پھیر دیتے ہیں یعنی کتاب اللہ کے کلمات کا مطلب ہوتا کچھ اور بیان کیا جاتا کچھ۔ (اسلام یا فرقہ داریت ص ۱۵۱)

منور صاحب کا اس آیت سے استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ آیت میں يدعون کی ہم ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں وہ انبیاء اور اولیاء کو مانتے ہی نہ تھے وہ تو ۳۶۰ بتوں کی عبادت کرتے اور ان کو پکارتے تھے تو جن چیزوں کو وہ پکارتے تھے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مردے ہیں جن میں جان کی رمت تک نہیں اور ان کو تو یہ خبر بھی نہیں کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ (بیعتوں کی ہم ضمیر میں دو احتمال ہیں یا بتوں کی طرف ہوتی ہے یا پکارنے والوں کی طرف) تو آیت میں بتوں کو اموات غیر احياء فرمایا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

(حاشیہ الجمل علی الجلالین ص ۲۱۴ ج ۴ معارف القرآن مفتی اعظم ص ۵۱۶ ج ۸، ابن کثیر ج ۲ ص ۵۶۵ وغیرہ)

منور صاحب کہتے ہیں۔ یہ انسانوں ہی کے متعلق ہے کیونکہ انہی کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور حساب کتاب ہوں گا۔ ورنہ کیا بتوں کو بھی زندہ کیا جائے گا اور ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ جب کہ وہ کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ (اسلام ص ۲۸)

جواب: جی ہاں! جناب قرآن مجید کا مطالعہ کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ قیامت کے دن بت بھی اٹھائے جائیں گے۔ ہم مطالعہ سے بکثرت ایسی آیت معلوم ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے شریک بنائی ہوئی ہر چیز کے اٹھائے جانے کا ذکر فرمایا۔ مثلاً: ”و یوم نحشرهم جميعا ثم نقول للذين اشرکوا مکانکم انتم و شرکاؤکم فزیلنا بینہم و قال شرکاؤہم ما کنتم ایانا تعبدون“ (سورۃ یونس: ۲۸، ۲۹) اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان کے آپس میں پھوٹ ڈالیں گے اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ (بیان القرآن) مزید سورۃ نحل آیت ۸۶، سورۃ فاطر آیت ۱۳، ۱۴، سورۃ انبیاء آیت ۹۸، سورۃ مریم آیت ۸۱، ۸۲ سورۃ صافات آیت ۲۲، ۲۳ سورۃ احقاف آیت ۲، ۵ وغیرہ ملاحظہ کریں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کرنے والے اور معبود دین سب قیامت کے دن حاضر ہوں گے معبود بت وغیرہ اپنی عبادت کا انکار کریں گے ان بتوں کو مشرکوں سمیت جہنم میں ڈال دیا جائے گا تا کہ وہ مشرکوں کی سزا میں اضافہ کا باعث ہوں اور مشرکوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بے حیثیت ہیں جن کی اتنی طاقت نہیں کہ اپنے کو آگ سے بچا سکیں لیکن ان بتوں کے لئے یہ سزا نہیں ہوگی صرف مشرکوں کی سزا کے لئے بطور ایندھن استعمال ہوں گے۔

منور صاحب کو ایک دوسری آیت کی وجہ سے شبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم“ (اعراف: ۱۹۴) وہ ہستیاں جن کو تم اللہ کے سوا (حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے) پکارتے ہو وہ تو تمہاری طرح اللہ کے بندے ہیں (یعنی انسان) (اسلام ص ۲۹)۔ حالانکہ عباد عبد کی جمع ہے جس کے دو معنی آتے ہیں بندگی کرنے والا، اور غلام مملوک و تابع حکم یہاں عباد دوسرے معنی میں ہے کہ یہ معبود دین اللہ کے مملوک اور تابع حکم ہیں (تفسیر جلالین) یعنی ان پر بھی اللہ کا حکم چلتا ہے منور صاحب نے پہلا معنی لے کر آیت انبیاء اور اولیاء پر منطبق کر دی۔ حالانکہ فرشتوں کو بھی قرآن مجید میں عباد الرحمن فرمایا لیکن فرشتے تو بندے بمعنی انسان نہیں ہیں بلکہ مملوک اور اللہ کے تابع ہیں۔ لہذا مذکورہ آیت کا تعلق بتوں سے ہے انسانوں سے نہیں۔

اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ انبیاء و اولیاء بھی آیت میں داخل ہو کر اموات غیر احواء ہیں تو اوّل تو وہی داخل ہوں گے جن کو پکارا جاتا ہے اور جن کو نہیں پکارا جاتا وہ داخل نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے جو مفسرین آیت کو عام مانتے ہیں وہ صرف انہی کا نام لیتے ہیں جن کو پکارا جاتا ہے جیسے عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔

دوم: وہ انبیاء اور اولیاء اس آیت سے خارج ہوں گے جو شہید ہوئے ہیں کیونکہ اموات غیر احواء فرمایا گیا تو آیت شہداء میں اموات ہونے کی نفی کر کے مل احواء یہاں فرمایا گیا اور انہی شہداء انبیاء میں نبی کریم سے بھی داخل ہیں جیسا کہ بحث گزر چکی ہے۔

سوم: اموات غیر احواء کا انبیاء و اولیاء کے حق میں یہ معنی نہیں ہے کہ بالکل مردہ ہیں اور مردہ رہیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان پر موت طاری ہوئی یا وفات پائیں گے اور معبود وہ ہونا چاہئے جو ہمیشہ سے زندہ ہو اور ہمیشہ زندہ رہے اور انبیاء و اولیاء ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں ہیں۔ تفسیر ماجدی وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ ہے اور حضرت تھانوی اور علامہ عثمانی وغیرہ حضرات کی عبارتوں میں بھی یہی اشارہ ہے اور یہ معنی لینا اس لئے بھی زیادہ درست ہے کہ

مرزائی اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پا جانا (اور آسمان پر زندہ نہ ہونا) ثابت کرتے ہیں جب کہ سب اہل حق کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے۔

بہر صورت زیادہ سے زیادہ آیت سے ان پر وفات طاری ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس کا کوئی منکر نہیں گفتگو تو وفات کے بعد کی حیات میں ہے اور اس کی نفی آیت سے ثابت نہیں ہے۔

۴..... منور صاحب کہتے ہیں۔ بخاری کی ایک طویل روایت کے مطابق نبی ﷺ کو خواب میں جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام نے آسمان میں مختلف مقامات کی سیر کرائی وہاں آپ نے اپنے سر کے اوپر معلق ایک بادل کی مثل چیز کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ آپ کا مقام ہے آپ نے اس میں جانا چاہا تو بتایا گیا کہ آپ کی عمر کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے جسے پورا کر کے آپ اسی میں آجائیں گے اور نبی ﷺ وہ باقی حصہ پورا کر کے جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں۔ (اس قبر کے گڑھے میں نہیں ہیں) (اسلام یا مسلک پرستی ص ۳۰)

جواب یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ آپ کو بیت المقدس کی سرزمین ملک شام لے گئے پھر اوپر آسمانوں کی طرف لے گئے آپ ﷺ نے جھوٹے آدمی کو یہ عذاب ہوتے دیکھا کہ اس کے گال پھاڑے جا رہے ہیں اور بے عمل قاری و حافظ کو دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا ہے، زانی عورتوں مردوں کو دیکھا کہ ایک تنور میں ننگے جل رہے ہیں، سودخور کو خون کی نہر میں دیکھا پھر جب وہاں سے واپس اتر چکے تو فرشتوں نے کہا اوپر دیکھو آپ ﷺ نے اوپر دیکھا تو بادل کی سی چیز نظر آئی جس کے متعلق بتایا گیا کہ یہ آپ کا ٹھکانہ ہے۔ الخ!

غور طلب بات یہ ہے کہ خود منور صاحب اور مہماتوں کا نظریہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد جو سزا کا مستحق ہو وہ یا جہنم میں سزا پاتا ہے اور جزا کا مستحق علیین یا جنت میں انعام پاتا ہے اور جہنم ساتویں زمین سے نیچے ہیں اور علیین اور جنت ساتویں آسمان کے اوپر سدرة المنتہی کے پاس عرش کے نیچے ہیں تو فرمائیں یہ جو عذاب ہوتے دیکھا تو کیا کہیں جہنم اوپر چلی گئی تھی یا آپ ﷺ ساتویں زمین سے نیچے چلے گئے تھے؟ (معاذ اللہ)

ظاہر یہ ہے کہ یہ عذاب کی مثالی صورتیں دکھائی گئیں کہ سودخور، جھوٹے اور زانی وغیرہ کو اس طرح سزا دی جائے گی۔ کیونکہ حضور ﷺ کی امت کے بے عمل حافظ و قاری ابھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے تو جب یہ مثالی صورتیں تھیں تو آپ ﷺ کے برزخی ٹھکانے کی بھی مثالی شکل دکھائی گئی وفات کے بعد آپ اس مکان میں پہنچ گئے ہیں اور آپ ﷺ کا وہ ٹھکانہ یا تو روضہ مبارکہ ہے جو جنت کے باغوں میں سے باغ ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنة“ میرے ریاض الجنۃ کی ناک اور منبر کے درمیان ہیں۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۵۳ مسلم ج ۱ ص ۴۳۶)

میرے گھر اور منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے باغ ہے اور آپ ﷺ کا گھر بھی اس میں داخل ہے تو آپ اس میں آرام فرما ہیں اور یا کوئی اور مقام دکھایا گیا جس میں وفات کے بعد آپ کی روح مبارکہ رہتی ہے لیکن یہ بھی ہمارے عقیدے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ روح مبارکہ جہاں بھی ہو اس کا آپ ﷺ کے جسم اطہر سے قوی ترین تعلق ہے جس سے جسم میں حیات ہے اور عند القبر صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔ اس تعلق کا ثبوت اعادہ روح کی احادیث طیبہ سے ثابت ہے اور مذکورہ بالا روایات سے بھی ثابت کیا جا چکا ہے۔

اعادہ روح کی مختصر بحث

۱..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر شخص کی روح سے متعلق فرمایا: ”نہم تصویر الی القبر“ پھر روح قبر کی طرف لوٹتی ہے۔ (ابن ماجہ ص ۳۱۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۵ ج ۱ ص ۱۳۰ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۳۱) اس حدیث کے راوی امام ابو بکر بن ابی شیبہ اور شبانہ بن سوار اور محمد بن عبد الرحمن ابن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب اور محمد بن عمرو بن عطاء قرشی عامری اور سعید ابن ہمار ابو الہباب سب ثقہ و فضلاء و حفاظ ہیں اور حضرت ابو ہریرہ صحابی ہیں۔

۲..... ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کی روح کو فرشتے قبر میں اس کے جسم و کفن کے درمیان رکھ دیتے ہیں۔ (الروح لابن القیم ص ۷۰)

۳..... ایک روایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن اور کافر دونوں قسم کے مردوں سے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ اس کی روح کو زمین کی طرف بھیجو۔ فتعاد روحہ فی جسده تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ (ابوداؤد ص ۶۵۲ ج ۲، مسند احمد ص ۲۸۷ ج ۳، ابن ابی شیبہ ص ۲۵۶ ج ۳، شعب الایمان ص ۳۵۶ ج ۱، کتاب الزہد والدقائق لابن المبارک ص ۳۲۷ مشکوٰۃ ص ۱۴۲)

علامہ ابن کثیر اور علامہ جلال الدین سیوطی اور امام بیہقی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور علامہ ابن القیم فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح سندوں سے ثابت ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۱۳، شرح الصدور ص ۵۱، شعب الایمان ج ۱ ص ۳۵۷ تذکرۃ الموتی والقبور ص ۷، الروح ص ۶۹، ۶۸) اس حدیث کی سند کے راوی زاذان اور منہال پر منور صاحب اور مماتی جرح کرتے ہیں زاذان کا ثقہ ہونا پہلے ذکر ہو گیا ہے اور منہال بھی سچا راوی ہے امام بیہقی بن معین فرماتے ہیں ثقہ ہے احمد بن علی ثقہ کہتے ہیں علامہ ذہبی اس کی سند سے ایک روایت نقل کر کے فرماتے ہیں۔ اس کی سند صالح ہے (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۹۲) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ ہے کبھی وہم میں مبتلا ہوتا ہے۔ (لسان ص ۴۰۰ ج ۷، تقریب ج ۲ ص ۲۱۶) اور کبھی وہم میں مبتلا ہونا عیب نہیں ہے۔ (لسان ج ۱ ص ۱۷)

توان روایات صحیحہ سے ثابت ہوا کہ ہر میت کی روح کا جسم کی طرف اعادہ ہوتا ہے یعنی دوبارہ جسم سے تعلق قائم کیا جاتا ہے جس سے اس میں حیات ہوتی ہے اور پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہیں اور قرآن مجید سے شہید کی جسمانی حیات ثابت ہے۔ لہذا یہ خواب والی روایت بھی ہمارے خلاف نہیں کوئی ایسی دلیل ضروری ہے جس سے تعلق کی بھی نفی ہو۔

چند عقلی شبہات اور دلائل

اور کئی باتیں منور صاحب نے محض منتقلی کی ہیں، مثلاً

کیا خلیفہ بنانا قبر اطہر میں مردہ ہونے کی دلیل ہے؟

کہتے ہیں: (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عقیدہ نہیں تھا) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں جا کر زندہ ہو جائیں گے ورنہ وہ کبھی بھی کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ نہ بناتے۔

جواب: منور صاحب بتائیں کہ قرآن مجید یا حدیث نبوی میں وہ کوئی نص ہے جو یہ بتاتی ہے کہ کوئی زندہ ہو تو اس کا خلیفہ نہیں بنایا جاسکتا؟ جس نص کو دیکھ کر صحابہ کرام نے یہ سمجھا ہوا؟ حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کوہ طور پر تشریف لے جاتے ہوئے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور فرمایا: اخلفنی فی قومی میری قوم میں آپ میرے خلیفہ ہو تو کیا موسیٰ علیہ السلام اس وقت وفات پا گئے تھے؟ اور روایات اور احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے مدینہ طیبہ میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر جاتے معلوم ہوا کہ ظاہری دنیاوی زندگی بھی نیابت اور خلافت کے لئے رکاوٹ نہیں ہے تو صحابہ کرام قبر کی زندگی کو خلافت کے لئے کیسے مانع سمجھتے؟

کیا زندہ سمجھتے تو مصلے پر قدم نہ رکھتے؟

اور کہتے ہیں: ”آپ ﷺ کے منبر اور مصلے پر قدم رکھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی؟“

جواب: کیوں جناب! جب نبی کریم ﷺ نے اپنی ظاہری دنیاوی زندگی کے آخری ایام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا مصلے سپرد کر دیا تھا اور اس وقت آپ ﷺ کے حکم سے حضرت ابوبکر نے مصلے پر قدم رکھ کر سترہ نمازیں پڑھائیں تو آپ ﷺ کی قبر والی زندگی مصلے پر قدم رکھنے سے کیسے رکاوٹ ہوتی؟

کیا ہر مسئلہ کا حل حضور ﷺ سے معلوم کرتے؟

اور کہتے ہیں (زندہ سمجھتے تو) ہر مسئلے کا حل آپ ﷺ سے دریافت کرتے۔

جواب: دین مکمل ہو چکا تھا آپ ﷺ کی پوری زندگی صحابہ کرام کے لئے نمونہ تھی ایسا کوئی مسئلہ باقی ہی نہ تھا جس کا ذکر صراحۃً یا اشارۃً یا دلالتاً قرآن مجید یا احادیث طیبہ میں نہ ہوا ہو جس کے حل کے لئے روضہ مبارکہ پر حاضر ہونا پڑتا، جب کہ آپ ﷺ نے آخری ایام میں جب قلم دوات منگوا کر کچھ لکھوانا چاہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حسبنا کتاب اللہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے جس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ ہر مسئلہ حل ہو چکا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر پوچھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ دیکھیں جب مسئلہ خلافت میں مہاجرین و انصار میں کچھ اختلاف رائے ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق نے حضور ﷺ کا فرمان سنا دیا۔ الانمة من قریش حکمران قریش سے ہوں گئے۔

جب مدفن کے بارے میں غور ہوا تو بھی حضرت ابوبکر صدیق نے حضور ﷺ کا فرمان سنایا کہ نبی کی قبر وہیں ہوتی ہے جہاں وفات پاتے ہیں۔ جب باغ فدک کا معاملہ پیش ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا فرمان سنایا۔ لا نورث ماتر کنا صدقہ جو کچھ ہم نے خیرات میں چھوڑا ہے اس کے وارث نہیں ہیں۔ ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں بنایا کرتے جو چھوڑ جاتے ہیں صدقہ ہوتا ہے۔ الغرض فتنہ ارتداد ہو یا زکوٰۃ سے انکار، مسلّمہ کذاب ہو یا اسود غسی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت ہو یا حضرت عمر کی شہادت، جنگ جمل ہو یا صفین ہر معاملہ میں حضور ﷺ کی ہدایات بہر حال موجود تھیں اور انہی کو سامنے رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چلتے رہے ہر جماعت نے اجتہاد کیا اور اجتہادی اختلاف آپ ﷺ کی زندگی میں بھی صحابہ کرام کے درمیان ہوئے اور اس کے بارے میں آپ کی ہدایات موجود تھیں کوئی ایسا مسئلہ تھا ہی نہیں جس میں ہدایات نہ ہوں اور محدثین کو جو مشکلات پیش آئیں جس سے ان

کو اسماء الرجال اور علوم حدیث سے متعلق محنت کرنی پڑی تو یہ آپ ﷺ کا معجزہ اور آپ کی امت کی خصوصیت ہے کسی مذہب کے اندر یہ علوم و فنون نظر نہیں آتے ایسے معاملات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین و تبع تابعین کو زیادہ ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ صدق غالب تھا بعد والوں کے لئے ضرورت ہوئی لیکن یہ کام محدثین کے ذریعہ ہونا مقدر تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ کروایا اس لئے ضرورت نہیں ہوئی کہ اس کے لئے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوتے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتے بھی تو اس ذریعہ کو جناب اور جناب کے ہم خیال معتزلہ اور منکرین حیات کہاں ماننے والے تھے؟ جو محدث بیان کرتا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر فلاں حدیث کے بارے میں معلوم کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا واقعی میرا فرمان ہے تو معتزلی لوگ اس محدث کو جھوٹا کہتے کیونکہ اگر کسی ولی اللہ نے حاضر ہو کر روحانی ذریعہ سے معلومات حاصل کی ہیں تو جناب نے ان کا مذاق اڑایا ہے کہ بعض لوگ وہاں (روضہ مبارکہ) سے علم کے خزانے لے کر آتے ہیں جیسے شاہ ولی اللہ صاحب۔ (اسلام ص ۲۷)

تو کہئے محدثین کی بات کیسے تسلیم کر لیتے؟ جناب کہتے کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے جب تک کہ خود نبی کریم ﷺ ہمیں نہ کہیں کہ یہ واقعی میرا فرمان ہے تو اس طرح نبی کریم ﷺ کے صرف ایک فرمان کی تحقیق کے لئے بھی ہزاروں لاکھوں آدمی روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر پوچھتے اور تسلی کرتے تو کیا اس طرح نبی کریم ﷺ کی گستاخی ہوتی یا ادب ہوتا؟ اور پھر کس نے دعویٰ کیا ہے کہ حضور ﷺ کا دیا ہوا جواب ہر باہر والا سن سکتا ہے؟ اکثر یہی ہے کہ اکثر امتی آپ ﷺ کی طرف سے سلام جواب نہیں سن پاتے بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے سلام کا جواب سنا ہے جیسے حضرت ابراہیم بن شیبان اور سید نور الدین العفیف الایچی (نسیم الریاض ص ۵۰۲ ج ۳) اور سید احمد رفاعی اور ابو بکر دیار بکری (الحاوی للعتادی ص ۲۶۱ ج ۲) اور امام ابو حنیفہ (فتاویٰ برہنہ ج ۲ ص ۱۹۲) اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی (الجمیعیۃ مدنی نمبر) اور حضرت حاجی امداد اللہ (اعداد الحقائق ص ۱۸) وغیرہ!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عقیدہ حیات

منور صاحب کہتے ہیں: ”کسی صحابی سے بھی بعد از وفات حیات النبی ﷺ کا عقیدہ ثابت نہیں۔“ (اسلام ص ۳) جواب: اس کی تفصیل تو شفاء السقام وغیرہ میں مل سکتی ہے مختصر طور پر چند ایک واقعات درج کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت بلال بن حارث مزی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب قحط ہوا تو روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ استسق اللہ لامتنک فانہم قد ہلکوا“ یا رسول اللہ! امتیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا فرمائیں کیونکہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ رات کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے بارش ہونے کی خوش خبری دی اور پیغام دیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہو ہوشیار رہو، چنانچہ بارش ہوئی۔ (ریاض العفرہ ص ۳۲۰ ج ۱، منتخب کنز العمال، حاشیہ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳، روضۃ الاحباب ج ۲ ص ۱۷۰، ۱۷۱) یہ روایت صحیح سند سے ثابت ہے ظاہر ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حیات اور سماع کا عقیدہ رکھتے تھے تو روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند سے مروی ہے کہ فرماتی ہیں جب تک میرے حجرے میں نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دفن تھے جب تک میں زیادہ احتیاط نہ کرتی تھی میں کہتی میرے آقا اور میرے والد ہی تو ہیں

لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وفات ہوئے تو اللہ کی قسم میں اس حال میں داخل ہوتی کہ اپنا لباس خوب سنبھالے ہوئے ہوتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کی وجہ سے۔ واللہ ما دخلتہ الا وانا مشدودۃ علی ثیابی حیا من عمر ”خدا کی قسم، میں اس میں داخل نہیں ہوا سوائے اپنے بالوں کو باندھ کر، اپنی عمر کی شرمندگی سے۔“ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۲)

ظاہر ہے کہ بے حس و بے شعور چیز سے کوئی عقلمند حیا نہیں کرتا حیات کی قائل تھیں۔ اس لئے حیا کرتی تھیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی زمین سے گھر واپس ہوتے تو راستہ میں قبرستان پڑتا تو مردوں کو سلام کرتے اور کوئی ساتھی ساتھ ہوتا تو ان کو فرماتے: ”الاتسلمون علی الشهداء قیر دون علیکم“

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۲۱، شرح الصدور ۱۸۲)

شہداء کو کیوں سلام نہیں کرتے ہو، تاکہ وہ تمہیں سلام کا جواب دیں اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر خطاب کے الفاظ سے صلوٰۃ و سلام پڑھتے تھے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرات حیات اور سماع کا عقیدہ رکھتے تھے جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ۔

کتب احادیث میں حیات کا عنوان ہوتا تو

منور صاحب کہتے ہیں: ”حدیث کی کسی کتاب میں اس قسم کا کوئی باب موجود نہیں ہے۔“ (ص ۳۲)

جواب: محدثین نے اس پر مستقل رسالے اور جز تحریر کئے ہیں۔ امام بیہقی کا رسالہ حیات الانبیاء، علامہ جلال الدین سیوطی کا رسالہ انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ہے۔ ان کو جناب نے تسلیم نہیں کیا باب ہوتا تو کیسے تسلیم کر لیتے؟

امام ابن ماجہ نے، باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ باندھا ہے اور اس میں آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ حضرت اوس بن اوس اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کی حدیث: ”ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء“ اور ”فنبی الله حی یرزق“ ذکر کی ہے۔ (ص ۱۱۷، ۱۱۸) جس سے واضح فرما دیا کہ وفات بھی حق ہے اور وفات کے بعد قبر اطہر میں حیات بھی حق ہے۔

بہت سے محدثین نے نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کا باب باندھا ہے لیکن جناب زیارت قبر نبوی کے منکر ہیں۔

امام بخاری نے باب باندھا کہ چار پائی پر اٹھائی ہوئی میت کی لاش بولتی ہے کہ مجھے جلد لے چلو، باب قول الميت وهو علی الجنازۃ قد مونی، اور باب باندھا میت جو توں کی کھسکا ہٹ سکتا ہے، باب الميت یسمع خفق العال، امام داری نے باب باندھا نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت، باب رویۃ النبی ﷺ فی المنام اور باب باندھا خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت رویۃ اللہ تعالیٰ فی المنام، مگر جناب اس سب کے منکر ہیں تو اگر حیات النبی ﷺ عنوان ہوتا تو بھی جناب کب ماننے والے تھے؟

حیات کے لئے کیا ہوا ضروری ہے؟

منور صاحب کہتے ہیں: عقلی طور پر بھی اگر دیکھیں تو حیات فی القبر ثابت نہیں کیونکہ ہوا لازمہ حیات ہے۔ جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں منوں مٹی کے نیچے سانس کا عمل کس طرح جاری ہے۔ (اسلام ۳۳)

جواب: اگر ہوا لازم بھی ہو تو دنیاوی زندگی کے لئے لازم ہوگی لیکن کوئی نص سے ثابت ہے کہ جو چیز دنیاوی زندگی کے لئے لازم ہو وہ برزخی زندگی کے لئے بھی لازم ہو؟ پیشاب پاخانہ دنیاوی زندگی میں ہے مگر برزخی زندگی میں نہیں ہے تو کیا قرآن وحدیث میں کوئی نص ہے کہ ہوا برزخی زندگی کے لئے لازم ہے؟

گستاخی کون سی ہے؟

منور صاحب کہتے ہیں: اس سے زیادہ گستاخی کیا ہوگی کہ آپ ﷺ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ و ارفع مقام سے اتار کر دنیوی گڑھے میں زندہ درگور متصور کیا جائے۔ (ص ۳۳)

جواب: جناب کو حضور ﷺ کی قبر اطہر محض دنیاوی گڑھا معلوم ہوتا ہے جناب کی نظر میں اس کی کوئی زیادہ وقعت اور وقار نہیں ہے حالانکہ قبر اطہر کا جسم اطہر کوس کیا ہوا حصہ عرش و کرسی اور جنت سے اعلیٰ و ارفع ہے جیسا کہ بحث آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ تو فرمائیے جو جگہ عرش و کعبہ و جنت سے ارفع ہو اس سے نکال کر جنت میں رکھ دیا جائے تو اس سے زیادہ گستاخی کیا ہوگی؟ کیا ادب اسی میں ہے کہ صرف آپ کی روح مبارکہ ارفع مقام میں رکھی جائے اور جسم اطہر جنت کے بجائے بقول جناب گڑھے میں رکھ دیا جائے؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا جسم اطہر روح کے تعلق سے اس روضہ مبارکہ میں ہے جو جنت سے بھی ارفع ہے اس لئے وہاں رکھنا گستاخی نہیں ہے۔

روضہ مبارکہ پر شفاعت کی درخواست

منور صاحب کہتے ہیں: مسلک پرستوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبور کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور یہ کہنا بھی جائز ہے کہ حضرت میری مغفرت کی شفاعت فرمائیں پھر آپ کی وسیلے سے دعا کرے اور شفاعت چاہے۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۲۴)

جواب: منور صاحب مانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قیامت میں گنہگار امتیوں کے لئے شفاعت فرمائیں گے لیکن انہیں اعتراض اس پر ہے کہ:

اس کے لئے ان کی قبروں پر جا کر ان کو پکارنا اور شفاعت کی دعا کرنا یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ ہماری دعا سن رہے ہیں کفر و شرک اور قرآن کا انکار ہے۔ (ص ۲۶)

اگر دنیاوی زندگی میں آپ سے دعائے مغفرت و شفاعت کی درخواست کرنا کفر و شرک نہ تھی تو وفات کے بعد روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر درخواست کرتا اور دعا کرنا کیوں کفر و شرک ہے؟

حضرت بلال بن حارث مزی نے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر بارش کی دعا کی درخواست کی جیسا کہ حوالہ گزرا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا کچھ مانگ، عرض کی میں آپ سے جنت میں رفاقت مانگتا ہوں (یعنی آپ کو شفیع بناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں آپ کی رفاقت عطا فرمائے) آپ نے فرمایا کچھ اور مانگو عرض کیا بس یہی مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر میری مدد کر اپنے متعلق بکثرت سجدوں کے ذریعہ (یعنی نوافل زیادہ پڑھا کر میں تیرے لئے جنت میں اپنی رفاقت کی شفاعت کروں گا) (نسائی) تو جو کام دنیاوی زندگی میں جائز تھا وہ قبر کی زندگی میں بھی درست ہے ہرگز شرک نہیں شرک ہو تو دونوں زندگیوں میں ہو۔

قرآن مجید میں ہے: ”ولو انهم اذا ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول (الآية)“ اگر ان لوگوں نے جب جانوں پر ظلم کر لیا تھا آپ کے پاس آ کر خود بھی اللہ سے مغفرت مانگتے اور آپ بھی ان کے لئے مغفرت مانگتے تو پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحیم۔

اگرچہ یہ آیت خاص واقعہ میں نازل ہوئی لیکن الفاظ میں عموم معتبر ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید قیامت تک عمل کے لئے آیا ہے تو اگر منافق مغفرت کی دعا آپ ﷺ سے کراتے تو اللہ قبول فرما کر مغفرت فرما دیتے اور ایمان بھی نصیب فرما دیتے تو مسلمان دعاء مغفرت کرائیں تو بھی یقیناً اللہ قبول فرما کر مغفرت فرما دیں گے اور جب آپ سے دعاء مغفرت کرا نا دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ذریعہ مغفرت ہے تو روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر دعاء مغفرت کی درخواست کرنا بھی ضرور ذریعہ مغفرت ہوگا۔ کیونکہ آپ ﷺ قبر اطہر میں زندہ ہیں اور نزدیک سے سنتے ہیں۔

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے: ”واستشفع به فيشفعك الله تعالى قال الله تعالى ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الآية“ انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، آیت (اے زیارت کرنے والے) نبی کریم ﷺ سے شفاعت کی درخواست کر کہ وہ تیری لئے اللہ تعالیٰ سے شفاعت فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم“ (خلاصۃ الوفاء ص ۵۳ نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸)

علامہ نور الدین سمہودی فرماتے ہیں: زیارت کرنے والا کہے یا رسول اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی میں فرمایا ہے: ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الآية اور میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اپنی جہالت و غفلت سے بڑا گناہ کیا اب میں آپ کی زیارت کو آیا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے پناہ چاہتا ہوں اور اپنے گناہ کی مغفرت چاہنے کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوں اور آپ سے سوال ہے کہ آپ میرے رب کے پاس میری شفاعت فرمائیں اور آپ گنہگاروں کے شفیع ہیں۔

عبارت کے الفاظ یہ ہیں: ثم يقول يا رسول الله ان الله تعالى قال فيما انزل عليك ولو انهم اذ ظلموا انفسهم وقد ظلمت نفسي واتيت بجهلي وغفلي امرا كبيرا وقد وفدت عليك زائرا وبك مستجير او جنتك مستغفر امن ذنبي سائلاً منك ان تشفع لي الى ربى وانت شفيع المذنبين الخ

(خلاصۃ الوفاء ص ۵۹)

مولانا عبدالقادر فاکہی مکی (۹۸۲ھ) فرماتے ہیں۔ شوافع علماء نے مستحسن قرار دیا ہے کہ زیارت کرنے والا اسلام کے بعد عرض کرے یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الآية اور میں آپ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہوں آپ کو رب کے ہاں سفارشی بناتے ہوئے حاضر ہوا ہوں۔

(حسن التوسل برہامش خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۴)

علامہ حسن بن عمار بن علی حنفی (م ۲۹ھ) فرماتے ہیں: روضہ مبارکہ پر حاضر ہونے والا کہے، ہم آپ کے پاس دور دراز شہروں اور جگہوں سے دشوار گزار راستے طے کر کے آپ کی زیارت کے ارادے سے آئے ہیں تاکہ آپ کی شفاعت کے ذریعہ کامیاب ہوں اور آپ کے مبارک نشانات دیکھیں اور آپ کے کچھ حقوق ادا کریں اور

آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا شفیق بنائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولو انہم اذ ظلموا انفسہم الا یہ اور ہم بھی اپنی جانوں پر ظلم کر کے آئے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں تو آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ ہمیں آپ کی سنت پر موت دے اور آپ کی جماعت میں شامل فرمائے۔

(نور الایضاح ص ۱۹۱، مراۃ الفلاح ص ۱۹۳)

علامہ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: زیارت کرنے والا عرض کرے یا رسول اللہ ہم آپ کے پاس اپنی جانوں پر ظلم کر کے آئے ہیں اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ردوف اور رحیم رکھا ہے تو جو بھی آپ کے پاس اپنی جان پر ظلم کر کے حاضر ہو اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور اپنے رب کے سامنے توبہ کرے آپ اس کے لئے شفاعت فرمائیں۔

عقیدہ عرض اعمال

حیات اور سماع کی بحث کے ضمن میں منور صاحب عرض اعمال کے متعلق لکھتے ہیں۔ اب رہا یہ عقیدہ کہ رسول اللہ ﷺ پر صبح و شام امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں (نثر الطیب) تو یہ اللہ کے حق پر ڈاکہ ہے اور مذکورہ بالا روایت منقطع، مجہول موضوع اور متصادم القرآن ہے اور پر کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اعمال اللہ ہی کے پاس جاتے ہیں نبی کے پاس نہیں۔ الخ!

جواب: رسول اللہ ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہونے کے بارے میں مختلف روایات مرفوعہ اور موقوفہ

مروی ہیں۔

۱..... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کا فرمان حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم وفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم الخ۔ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم گفتگو کرتے ہو اور تم سے (میری زبان مبارک سے) باتیں کی جاتی ہیں اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے۔

(خلاصۃ الوفاء ص ۴۶ بحوالہ مسند بزار)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بحوالہ مسند بزار ان الفاظ میں روایت بیان کی ہے (اور فرمایا کہ اس کے راوی بخاری شریف کے راوی ہیں) خدا تعالیٰ کی زمین پر چلنے والے کچھ فرشتے ہیں جو مجھ تک میری امت کے اعمال پہنچائیں گے جو ایک عمل ہو گا اس پر شکر کروں گا اور جو برا عمل دیکھوں گا تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔

(مدارج النبوة فارسی ج ۲ ص ۵۷۶)

۲..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم باتیں کرتے ہو اور تم سے ہم باتیں کرتے ہیں اور جب میں فوت ہو جاؤں گا تو میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی کہ مجھ پر تمہارے اعمال پیش ہوں گے۔

(القول البدیع ص ۱۶۵ بحوالہ مسند حارث)

۳..... حضرت بکر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم باتیں کرتے ہو اور مجھ سے باتیں ہوتی ہیں اور جب میں فوت ہو جاؤں گا میری وفات تمہارے لئے بہتر ہوگی

۴..... کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے۔ الخ! (الوفاء لابن جوزی ص ۸۰۹ کنز العمال ج ۱۱ ص ۱۸۳ بحوالہ ابن سعد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اعمال امتی تعرض علی فی کل یوم جمعہ۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۹۳ کنز العمال ج ۵ ص ۱۲۶) میری امت کے اعمال مجھ پر ہر جمعہ کو پیش ہوں گے۔

۵..... حضرت عبدالغفور بن عبدالعزیز عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: تعرض الاعمال یوم الاثنين والخمیس علی اللہ وتعرض علی الانبیاء وعلی الابرار والامہات یوم الجمعة الخ!

(کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۹۵ بحوالہ نوادر الاصول حکیم ترمذی)

پیر اور جمعرات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال پیش ہوتے ہیں اور جمعہ کے دن انبیاء اور اہل امہات پر پیش ہوتے ہیں۔

اس روایت سے واضح ہو گیا کہ اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی پیش ہوتے ہیں اور انبیاء اور والدین پر بھی تو یہ اللہ تعالیٰ کے حق پر ہرگز ڈاکہ نہیں۔

اور یہ عرض اعمال حضور ﷺ کی اس حدیث کے بھی خلاف نہیں ہے کہ حوض کوثر پر اہل بدعت و مرتدین حاضر ہوں گے تو فرشتے ان کو ہٹا دیں گے حضور ﷺ فرمائیں گے ان کو آنے دو میرے امتی اور ساتھی ہیں فرشتے کہیں گے: ”انک لاتدری ما احدثوا بعدک“ آپ کو معلوم نہیں انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نیا ایجاد کیا تھا۔

وجہ یہ ہے کہ امت کے اعمال کی پیشی اجمالی ہوتی ہے تفصیلی طور پر نہیں ہوتی کہ ہر آدمی کے ایک ایک عمل کی پیشی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگر بدعات کا بتلایا بھی جاتا ہو اور یہ بھی کہ فلاں فلاں نے بدعات کیں لیکن ہر شخص کی ذات کی پہچان نہ ہو۔

منور صاحب کہتے ہیں: عرض اعمال شیعہ کا عقیدہ ہے سنی دیوبندی ان کو کافر بھی کہتے ہیں اور ان کا عقیدہ بھی اختیار کیا ہوا ہے۔

جواب: شیعہ اور سنی عقیدہ میں فرق ہے شیعہ کے نزدیک تفصیلاً پیش ہوتے ہیں۔ اہلسنت کے نزدیک اجمالاً پیش ہوتی ہے۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک عقیدہ اہلسنت کا ہو اور اس کو شیعہ اختیار کر لیں تو وہ عقیدہ شیعہ کے اختیار کرنے سے غلط ہو جاتا ہے؟

عام مردوں پر اعمال کی پیشی

جس طرح نبی کریم ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں، اسی طرح رشتہ دار مردوں پر بھی زندوں کے اعمال پیش ہوئے گا ذکر روایات میں آیا ہے۔

۱..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام دیلمی وابن ابی الدنیا وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا تفضحوا امواتکم لبسینات اعمالکم فانہا تعرض علی اولیائکم من اهل القبور“ اپنے بد اعمال سے اپنے مردوں کو شرمندہ نہ کرو۔ کیونکہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں پر پیش ہوتے ہیں۔

(کنز العمال ج ۱۵ ص ۲۸۸، احیاء العلوم عربی ج ۴ ص ۲۷۵، شرح الصدور ص ۲۲۶)

۲..... حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اللہ فی اخوانکم من اهل القبور فان اعمالکم تعرض علیہم“ اپنے مردہ بھائیوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کہ تمہارے اعمال ان پر پیش ہوتے ہیں۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۲۷۵ شرح الصدور ص ۲۲۶ شعب الایمان ج ۷ ص ۲۶۱ مستدرک حاکم ۵۲۲۸)

۳..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ان اعمالکم تعرض علی اقاربکم وعشائرکم من الاموات الخ!“ تمہارے اعمال تمہارے فوت شدہ رشتہ داروں اور خاندان والوں پر پیش ہوتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵ منتخب کنز العمال برمسند احمد ج ۶ ص ۳۳۶، شرح الصدور ص ۲۲۵)

۴..... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں و اہل خاندان پر قبروں میں پیش ہوتے ہیں۔ (مسند ابوداؤد ترجمہ طلیسی ج ۱ ص ۱۸۵)

۵..... حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کا فرمان مروی ہے۔ تمہارے اعمال آخرت میں پہنچے ہوئے رشتہ داروں اور اہل خاندان پر پیش ہوتے ہیں اچھے اعمال ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ الخ!

(کنز العمال ج ۱۵ ص ۲۸۸، معجم طبرانی اوسط نے روایت کیا)

۶..... حضرت ابو ہریرہ و ابودرداء رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں پر پیش ہوتے ہیں۔ (کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۱۸، الزہد ابن المبارک ص ۴۴۸، شرح الصدور ص ۳۲۶)

علماء امت کا عقیدہ

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: ”و ابلغ من ذلك ان الميت يعلم بعمل الحی من اقاربه و اخواته قال عبد الله بن المبارك حدثني ثور بن يزيد عن ابراهيم عن ابي ايوب قال تعرض اعمال الاحياء على الموتى الخ!“ (الروح ص ۱۳)

اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ میت اپنے زندہ رشتہ داروں اور بھائیوں کے عمل سے واقف ہوتا ہے حضرت عبد اللہ بن مبارک بسند متصل حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ کا فرمان روایت کرتے ہیں کہ زندوں کے اعمال مردوں پر پیش ہوتے ہیں۔

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس عقیدہ پر مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ باب اعمال زندگان بر اقربائے مردہ عرض کردہ میشود۔ باب اس بیان میں کہ زندوں کے اعمال مردہ رشتہ داروں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ (تذکرۃ الموتی والقبور ص ۳۰)

علامہ نور الدین سمہودی فرماتے ہیں: ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے کہ آپ ﷺ وفات کے بعد امتیوں کے لئے مغفرت کی دعا نہیں کرتے کیونکہ یہ ذکر ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور جب امتیوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

عبارت کے الفاظ یہ ہیں: مع انا لانسلم انه لا يستغفر لهم بعد الموت لما سبق من حياته واستغفاره لامته عند عرض اعمالهم۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۸)

علامہ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: واعمالهم معروضة عليه“ ”امتیوں کے اعمال آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔“ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۸۰)

علامہ محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں: فان اعمال امته عليه الصلوة والسلام تعرض عليه بعد موته فقد روى عنه ﷺ انه قال حياتي خير لكم تحدثون ويحدث لكم ومماتي خير لكم تعرض علي اعمالكم فمارأيت من خير حمدت الله تعالى عليه ومارأيت من شر استغفر الله تعالى لكم بل جاء ان اعمال العبد تعرض علي اقاربه من الموتى الخ! (رواه المعاني ج ۱۳ ص ۲۱۳)

آپ ﷺ کی امت کے اعمال آپ ﷺ پر وفات کے بعد پیش ہوتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم باتیں کرتے ہو اور تم سے ہماری گفتگو ہو جاتی ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی کہ مجھ پر تمہارے اعمال پیش ہوں گے میں جو نیکی دیکھوں گا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کروں گا اور جو برائی دیکھوں گا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگوں گا۔ بلکہ یہ بھی آیا ہے کہ بندہ کے اعمال اس کے مردہ رشتہ داروں پر بھی پیش ہوتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: ”عرض اعمال حضور ﷺ پر ثابت ہے۔“ (قصص الاکابر ص ۲۴۴، حسن العزیز ج ۲ ص ۱۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی حضور ﷺ پر عرض اعمال کے قائل ہیں۔

(تفسیر عثمانی ص ۳۵۸، معارف القرآن ج ۲ ص ۴۲۰، ۴۲۱)

قبروں سے فیض، قبر کی زندگی اور سماع موتی

منور صاحب کہتے ہیں: المہند کے صفحہ ۲۲ پر درج ہے مشائخ کی روحانیت سے استفادہ اور ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض کا پہنچنا سو بے شک صحیح ہے مگر اس طریقے سے جو اس کے اہل اور خواص کو معلوم ہے نہ کہ اس طرز سے جو عوام میں رائج ہے۔

اس کے بعد منور صاحب نے جو کچھ تحریر کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ہے قبروں سے فیض حاصل کرنے والے اہل قبور کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتے ہیں۔

۲..... مردوں میں سننے کی طاقت نہیں تو اس سے فیض کسی طرح حاصل ہو سکتا ہے؟

۳..... اس قبروں سے فیض کی بنیاد حیات فی القبر کا شرکیہ عقیدہ ہے حالانکہ قبر میں کوئی حیات نہیں اور ہر مردہ مٹی ہو جاتا ہے۔

جواب: منور صاحب کی اس تحریر کے مطابق اگر قبر میں حیات ہو اور مردوں میں سننے کی طاقت ہو تو فیض حاصل کیا جاسکتا ہے ورنہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے انہی نکات پر گفتگو کرنا مناسب ہے۔

قبر کی زندگی

اہل حق کا عقیدہ ہے کہ قبر کے اندر جسم عنصری میں روح کے تعلق سے زندگی ثابت ہے اس کے کئی دلائل ہیں۔

اول عذاب قبر کے بارے میں وارد متواتر احادیث ہیں جو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام یہ ہیں:

(۱) براء بن عازب (۲) ابو ہریرہ (۳) ابوسعید خدری (۴) انس بن مالک (۵) عبد اللہ ابن عباس (۶) ابوبکرہ
(۷) زید بن ثابت (۸) عبد اللہ بن مسعود (۹) قیس الجذامی (۱۰) ابو ایوب انصاری (۱۱) مقدم بن معد یکرب
(۱۲) عبد اللہ بن عمرو (۱۳) جابر بن عبد اللہ (۱۴) یعلیٰ بن مرہ (۱۵) ابو رافع (۱۶) عبد اللہ بن عمر (۱۷) حذیفہ
(۱۸) ابوامامہ (۱۹) عوف بن مالک (۲۰) علی المرتضیٰ (۲۱) سلمان (۲۲) عمر (۲۳) مغیرہ بن شعبہ (۲۴) حسن
(۲۵) عمرو بن صہیب (۲۶) عبادہ بن صامت (۲۷) سعد بن ابی وقاص (۲۸) حکم (۲۹) عثمان بن ابی وقاص
(۳۰) زید بن ارقم (۳۱) ام مبشر (۳۲) عائشہ (۳۳) ام سلمہ (۳۴) میمونہ (۳۵) ام خالد (۳۶) ام حبیبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

یہ روایات متواترہ جس طرح قبر و راحت قبر کی دلیل ہیں ایسے ہی قبر میں حیات کی دلیل ہیں۔ کیونکہ
عذاب قبر جس جرم پر ہو وہ روح و جسم مل کر کرتے ہیں اکیلا روح نہیں کرتا ورنہ جسم میں داخل ہونے سے پہلے بھی کرتا
اور اس پر بھی جزا و سزا ہوتی۔ حالانکہ جسم میں داخل ہونے کے بعد بھی بالغ ہونے تک سزا جزا نہیں ہے تو جسم میں
داخل ہونے سے پہلے کس طرح ہو اور اگر آدمی مل کر قتل کریں یا چوری کریں تو عدالت اسلامی (جو دراصل اللہ اور
اس کے رسول ﷺ کا حکم نافذ کرنے والی ہے) دونوں کو قاتل اور چور ٹھہرائے گی اور شرعی سزا ان دونوں پر نافذ
کرے گی نہ کہ ایک پر تو روز محشر عدالت الہیہ میں بھی انصاف ہوگا ظلم نہ ہوگا۔ چنانچہ:

امام دارقطنی اور ابن مندہ وغیرہ محدثین نے حضرت ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ

نے ارشاد فرمایا۔

قیامت کے دن سب لوگوں میں جھگڑا ہوگا۔ حتیٰ کہ روح بھی جسم سے نزاع کرے گی اور کہے گی تو نے جرم کیا
جسم کہے گا تو نے حکم دیا تھا تو نے بدعمل خوبصورت بتلایا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کے لئے ایک فرشتہ بھیجیں گے
وہ کہے گا تم دونوں کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک لنگڑا نا پینا آدمی ہو دوسرا چل پھر سکنے والا نا پینا دونوں ایک باغ میں
داخل ہوں لنگڑا تا بیٹے کو کہے مجھے پھل نظر آرہے ہیں لیکن وہاں تک میری پہنچ نہیں ہے۔ نا پینا کہے میرے اوپر سوار ہو جا
اور پھل توڑ (اور دونوں مل کر کھائیں گے) اس طرح تدبیر کر کے پھل توڑے (مثلاً مالک آ پہنچا) اب تم بتاؤ ان دونوں
میں سے کون محرم ہوگا؟ روح و جسم دونوں کہیں گے کہ دونوں مجرم ہیں فرشتہ کہے گا اب تم نے اپنے بارے میں خود فیصلہ
دے دیا (کہ روح اور بدن دونوں مجرم ہیں) جسم کے لئے بمنزلہ سوار کے ہے اور جسم بمنزلہ سواری کے ہے۔

عبارت کے الفاظ اس طرح ہیں: تختصم الروح مع الجسد فتقول للجسد انت فعلت ویقول
الجسد للروح انت امرت وانت سولت فیبعث اللہ تعالیٰ ملکاً یفصل بینہما فیقول لہما ان مثلکما کمثل
رجل مقعد بصیر والاخر ضریر دخلا بستانا فقال المقعد للضریر انی اری ہہنا ثمارا ولکن لا اصل الیہا
فقال لہ الضریر اربکنی فتناولہا فربکہ فتناولہا فایہما المعتدی فیقولان کلاہما فیقول لہما الملک
فانکما قد حکمتما علی انفسکما (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۳ روح المعانی ج ۲۳ ص ۲۶۵ شرح الصدور)

تو جب قیامت کبریٰ میں روح و جسم دونوں جزا و سزا کے مستحق ہوں گے تو قیامت صغریٰ عالم برزخ و قبر
میں ایک جزا و سزا کا مستحق کیوں ہوگا؟ کہ روح اکیلا سزا پائے یا جنت کے پھل کھائے سیر و تفریح کرے خوش و خرم ہو
اور جسم قبر میں بے حس و بے شعور پڑا رہے؟ لہذا روح و جسم دونوں کو سزا و جزا ہوگی اور ظاہر ہے کہ قبر میں پڑا ہوا جسم

بغیر حیات سزا و جزا محسوس نہیں کر سکتا تو اس میں شعور و ادراک پیدا کرنے کے لئے روح کا تعلق قائم کیا جائے گا ورنہ بغیر حیات جسم کو سزا دینا ایسے ہوگا جیسے کوئی عقلمند سزا کے لئے دیوار کو ڈنڈے مارنا شروع کر دے الغرض عذاب قبر کی احادیث قبر کی حیات کی دلیل ہیں۔

دوم: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”والذي نفسي بيده انهم ليعذبون في قبورهم حتى تسمع اصواتهم البهائم الخ!“ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مردوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے یہاں تک کہ ان کی آوازیں چوپائے بھی سنتے ہیں۔

(بخاری ج ۲ ص ۹۴۲ مسلم ج ۱ ص ۲۱۷ مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۵ و ۲۰۶)

حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”انهم يعذبون في قبورهم عذاب يسمعه البهائم“ مردوں کو قبروں میں ایسے سزا ہوتی ہے جس کو چوپائے بھی سنتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۲، منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۰ بحوالہ طبرانی، الروح ص ۷۵) اسی قسم کی روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔

(منتخب کنز العمال ج ۶ ص ۲۷۰)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر چوپائے بھی سنتے ہیں واضح بات ہے کہ چوپائے زمین پر رہ کر جسموں کی چیخوں کی آوازیں سنتے ہیں اور جسم میں حیات ہو تو تب ہی آواز کر سکتی ہے اور چیخ سکتی ہے۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۸) میں ہے کہ کافر و منافق کو فرشتے دوکانوں کے درمیان لوہے کا گرز اس طرح مارتے ہیں کہ وہ چیختا ہے جو چیخ جن و انس کے سواء نزدیک کی ہر چیز سن سکتی ہے۔ منور صاحب فرمائیں کہ یہ دوکان کس کے ہوتے ہیں؟ یہ چیخ و پکار کس کی ہوتی ہے؟ جس کو جن و انس کے سوا ہر چیز سن سکتی ہے؟ مولانا احمد علی سہارنپوری فرماتے ہیں: ”صوت الميت يسمعه كل شيء“ (حاشی بخاری ج ۲ ص ۹۴۲) یعنی میت کی آواز ہر چیز بنتی ہے۔

اور ظاہر ہے جس پر موت آئی وہ جسم ہے تو جب عذاب میں مبتلا کافر و منافق کے حیات ہوگی۔ جسم میں حیات ثابت ہوئی تو جس مؤمن کو راحت و ثواب ہو اس کے جسم میں بطریق اولی حیات ہوگی۔

سوم: بکثرت احادیث نبویہ میں ہے کہ مردے سنتے ہیں اور سنا بغیر جسمانی حیات کے نہیں ہو سکتا تو سننے کی احادیث بھی حیات کی دلیل ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”العبد اذا وضع في قبره وتولى وذهب اصحابه انه يسمع قرع نعالهم“ بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس ہونے لگتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی کھسکاہٹ سن رہا ہوتا ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۸ مسلم ج ۲ ص ۳۸۶، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶، ابوداؤد ج ۲ ص ۶۵۴، نسائی ج ۴ ص ۹۷، سنن بیہقی ج ۴ ص ۸۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ میت ان لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۷، ۳۲۵، ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ میت کے دفن کرنے کے بعد جب لوگ جانے کے تو نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ”انه الآن يسمع خفق نعالكم“ وہ میت جو ابھی تمہارے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے امام طبرانی نے روایت کی ہے

کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ان الميت اذا دفن سمع خفق نعالهم“ (منتخب کنز العمال برمسند احمد ج ۶ ص ۲۵۹) یعنی میت جب دفن ہو جائے تو لوگوں کی قدموں کی آہٹ سنتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر عنوان قائم کیا کہ: ”باب الميت يسمع خفق النعال“ یعنی باب اس بیان میں کہ میت جوتوں کی کھسکاہٹ سنتا ہے اور ابھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت گزری کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کیا کہ تمہارے جوتوں کی کھسکاہٹ کی آواز سن رہا ہے۔ اس سے بات واضح ہے اس لئے اس حدیث کی جوتا ویلیں کرتے ہیں کہ یسمع فعل مجہول ہے یا فرشتوں کی جوتوں کی کھسکاہٹ مراد ہے جیسے عثمانی نے تاویل کی یہ محض بے دلیل ہے محمد ثین اس دلیل کو نہیں مانتے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صوت نعال الاحياء (ارشاد الساری ج ۲ ص ۳۵۵) مرد و زندوں کی جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ: حقق نعال الاحياء (عمدة القاری ص ۱۵۷ ج ۴) زندوں کی جوتوں کی کھسکاہٹ سنتا ہے۔ علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ: قرع نعال المشيعين له (الروح ص ۱۰) دفن میں شریک ہونے والوں کی جوتوں کی کھسکاہٹ علامہ محمد طاہر ہندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: صوت مباشری دفته (مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۳۶۱) فن میں حصہ لینے والوں کی جوتوں کی آواز بہر حال اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ قبر میں دفن ہوتے ہی روح کا جسم سے دوبارہ تعلق قائم ہو جاتا ہے جس سے اس میں زندگی آ جاتی ہے اور وہ جوتوں کی کھسکاہٹ سنتا ہے۔

چہارم: نبی کریم ﷺ نے اہل قبور کو سلام کی تعلیم دی ہے اور اس میں خطاب ہوتا ہے یہ خطاب اور سلام بغیر حیات اور سماع کے نہیں ہو سکتا تو سلام کی تعلیم والی احادیث بھی حیات اور سماع کی دلیل ہیں۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ نبی کریم ﷺ سے حضرت ابو رزین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا گزر قبرستان سے ہوتا ہے تو جب گزرا کروں تو کوئی بات کیا کروں؟ فرمایا: ہاں! کہا کہ: السلام علیکم۔ الخ! عرض کیا یا رسول اللہ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا ہاں سنتے ہیں لیکن جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی ایسا جواب نہیں دے سکتے کرتم سن سکو۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۸ شرح الصدور ص ۱۷۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے کہ قبرستان سے گزرتے ہوئے ساتھیوں سے فرماتے کہ ان شہداء کو کیوں سلام نہیں کرتے ہوتا کہ وہ تمہیں سلام کو جواب دیں۔ (ابن شیبہ ص ۲۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ احد سے واپس ہوتے ہوئے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر اور ان کے ساتھیوں کے پاس ٹھہر گئے اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم زندہ ہو اللہ کے مقرب ہو ان کی زیارت کیا کرو اور سلام کہا کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی ان کو سلام کرے گا یہ سلام کا جواب دیں گے۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۵ شرح الصدور احکام القرآن مفتی محمد شفیع ج ۳ ص ۱۷۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام ابن عبدالبر نے اپنی صحیح سند سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو آدمی بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے اور مردہ اس کو دنیا میں پہچانتا ہو تو گزرنے والا سلام کرے تو مردہ آواز سے اس کو پہچان لیتا ہے کہ سلام کا جواب دیتا ہے۔ ما من احد مر بقبر اخيه المومن كان يعرفه في الدنيا فسلم عليه الا عرفه ورد عليه السلام۔ (الاستاذ کارج ص ۱۸۵ طبع بیروت)

علامہ ابن القیم اور ابن کثیر فرماتے ہیں: وهذا خطاب لمن يسمع ويعقل ولولا ذلك لكان هذا الخطاب بمنزلة خطاب المعدوم والجماد (الروح ص ۱۰، ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۸) یہ سننے اور سمجھنے والے سے خطاب ہوتا ہے اگر میت سننے اور سمجھنے والا نہ ہو تو یہ خطاب جماد (پتھر) اور معدوم سے خطاب جیسا ہوگا۔ (اور معدوم سے خطاب کرنا بداہتہ جہالت و حماقت ہے)

مولانا عبدالقادر رافعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان سمع الموتى الكلام الاحياء متحقق ولولا ذلك لما كان لقوله عليه الصلوة والسلام عليكم دار قوم مؤمنين۔ (تحریر الخارر رد المحتار ج ۲ ص ۳۳ طبع مصر) مردوں کا زندوں کی کلام سننا ثابت ہے ورنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان: السلام عليكم دار قوم مؤمنين کہنے کا کوئی مطلب نہیں ہے یعنی فضول کلام ہے۔ (معاذ اللہ) علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فيقتصر على القول بسماع ما ورد السمع بسماعه من السلام ونحوه وهذا الوجه هو الذي يترجح عندى“ (روح المعاني ج ۲ ص ۵۸) جس چیز کے سننے سے متعلق روایات وارد ہوئی ہیں یعنی سلام اور اس جیسی چیزیں (جو توں کی آہٹ وغیرہ) انہی کے ہی سننے کا قول کریں گے یہی صورت ہی میرے نزدیک رائج ہے۔

اور فرماتے ہیں: ”وعول بعض المحققين على ان الارواح حيث كانت لها اتصال لا يعلم حقيقة الا الله تعالى وبذلك ترد السلام وتعرف المسلم ويعرض عليه مقعدها من الجنة والنار“ (روح المعاني ج ۱۵ ص ۱۶۱) بعض محققین کا یہ اعتقاد ہے کہ رد ہیں جہاں کہیں بھی ہوں ان کا جسموں سے تعلق ہوتا ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے میت سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور سلام کرنے والے کو آواز سے پہچانتا بھی ہے۔ اگر دنیا میں پہچانتا تھا اور اس کا جنت یا دوزخ کا ٹھکانہ بھی اس کے سامنے کیا جاتا ہے۔ منکرین کہتے ہیں کہ سلام محض دعا ہے جس کا میت کے لئے سننا ضروری نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ بے شک دعا ہے مگر خطاب بھی ہے اگر صرف دعا ہی ہوتا تو جس طرح دعا کے بدلہ میں دعا دینا ضروری نہیں ایسے ہی سلام کا جواب دینا ہم زندوں پر بھی واجب نہ ہوتا۔ الغرض جب میت سلام سنتا ہے اور جواب دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس میں تعلق روح سے زندگی ہوتی ہے۔

پنجم: حضرت عمرو بن حزم (یا عمارہ بن حزم) رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں ایک قبر سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ”لا تؤذ صاحب هذا القبر“ اس قبر والے کو تکلیف نہ دے۔

(مشکوٰۃ ص ۱۴۹ بحوالہ مسند احمد، شرح معانی آثار ج ۱ ص ۲۹۶ منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۵) علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۰۰، التعلیق الجہد علی الموطا ص ۱۷۲) اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لا تجلسوا على القبور“ (مسلم ج ۳ ص ۱۲، ابوداؤد ص ۲۶۰ ج ۲، ترمذی ص ۱۵۷) قبروں پر نہ بیٹھا کرو اور فرمایا: کسر عظم الميت ککسرہ حیا (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸، ابن ماجہ ص ۱۱۶، موطا ص ۲۲۰، مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۵) میت کی ہڈی توڑنا اس کی زندگی میں ہڈی توڑنے کی مثل ہے۔

محدث ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اشارة الى ان الميت يتألم (مرقات) اشارہ ہے کہ میت کو تکلیف ہوتی ہے۔ بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ میں برابر ہیں لیکن دونوں باتوں میں تعارض نہیں گناہ میں بھی برابر ہیں اور تکلیف ہونے میں بھی برابر ہیں اور ظاہر ہے کہ تکلیف کا احساس تب ہو سکتا ہے جب اس

میں حیات ہو تو اس سے بھی قبر میں حیات ثابت ہوئی۔

ششم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھا جائے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں مگر نکیر وہ سوال کرتے ہیں۔ مومن صحیح جواب دیتا ہے تو اس کی قبر ستر در ستر گز وسیع کردی جاتی ہے اور منور کردی جاتی ہے اور منافق ہو تو کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا تو زمین کو حکم ہوتا ہے۔ اس پر سمٹ جا تو زمین تنگ کردی جاتی ہے اور اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں وہ قیامت کے دن اٹھنے تک قبر میں سزا پاتا رہے گا۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: فيقال للارص التسمى عليه فتلتئم عليه فتختلف اضلاعه فلا يزال فيها معذبا حتى يبعثه الله من مضجعه ذالك (اور مومن سے متعلق لفظ ہیں) ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعا في سبعين ثم ينور له فيه الحديث (ترمذی ج ۱ ص ۷۲۱، الروح ص ۷۸)

قبر کی زمین یہی قبرستان والی ہے اور پسلیاں جسم عنصری کی ہیں یہ حدیث صحیح دلیل ہے کہ جسم عنصری اور بدن کو بھی عذاب ہوتا ہے (الروح ص ۷۸) اور جب تک اس میں حیات نہ ہو جسم عنصری کیسے عذاب پاسکتا ہے؟ تو یہ متفرق روایات قبر میں حیات کی واضح دلیل ہیں اور جب فیض از قبور کا مدار آپ کے نزدیک حیات اور سماع پر ہے تو دونوں باتیں ثابت ہو گئیں تو فیض از قبور میں بھی کوئی اشکال نہ رہا۔

ہفتم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذکر کرنے والوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے نقشتهم الرحمة وتنزلت عليهم السكينة (ابن ماجہ ص ۲۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والوں سے متعلق فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت کردی تو ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ ان میں فلاں شخص بھی تھا جو ان میں سے نہیں مگر اپنی حاجت کے لئے آیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ایسے اہل مجلس ہیں کہ ان کا ہم مجلس بھی محروم نہیں ہوتا۔ (میں نے اس کو بھی بخش دیا) (بخاری ج ۲ ص ۹۳۸)

معلوم ہوا کہ اللہ والوں پر رحمت اور سکینہ نازل ہوتی ہے اور ان کا ہم مجلس بھی محروم نہیں رہتا اس لئے جو صاحب نسبت ہوں ان کو بزرگوں کی قبروں سے بھی فیض حاصل ہوتا ہے لیکن جو صاحب نسبت نہ ہوں ان کو فیض حاصل ہونا مشکل ہے جیسے عطار کے پاس بیٹھنے والا صاحب نسبت نہ ہو تو اس کے سر میں درد ہونے لگتا ہے اور عوام نے جو فیض سمجھ رکھا ہے وہ غلط سمجھا ہے مثلاً اس مردہ سے مرادیں مانگنا، حاجتیں اس کے سامنے پیش کرنا، مشکلات کا حل چاہنا، وغیرہ! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسی صحابی نے قبر پر خیمہ گاڑ دیا اس کو معلوم نہ تھا کہ قبر ہے تو وہاں نیچے سے سنا کہ ایک آدمی ہے جو سورہ ملک پڑھتا ہے اور ختم کرتا ہے وہ صحابی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا قصہ عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورت عذاب سے بچانے والی اور رکاوٹ ہے جس نے اس کو عذاب قبر سے نجات دلائی۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۲، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۹۶، مشکوٰۃ ص ۱۸۸، ۱۸۷)

اسی کا نام فیض اور کشف قبور ہے اور اس حدیث سے فیض کے ساتھ قبر کی زندگی بھی ثابت ہے۔ الغرض! کوئی آیت مبارکہ یا حدیث نبوی فیض کے خلاف نہیں ہاں عوام کو فساد اعتقاد کی وجہ سے بطور سد باب علماء منع کرتے ہیں۔

منور صاحب کے دلائل

منور صاحب نے اس موضوع پر کچھ شبہات اور دلائل پیش کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ مثلاً آیت: اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتٰی وَغَیْرَہِ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں تو یہ ہے کہ قبروں میں پڑے ہوئے تو سن بھی نہیں سکتے۔ ”وَمَا اَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِنْ فِی الْقُبُوْرِ“ (سورہ فاطر) اور تم انہیں نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔

جواب: اس آیت کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔

اول: یہ ہے کہ پوری آیت اس طرح ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَسْمَعُ مَنْ یَّشَاءُ وَ مَا اَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِنْ فِی الْقُبُوْرِ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنا تا ہے اور آپ قبروں میں پڑے ہوؤں کو نہیں سنا سکتے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کے سنانے کا اور نبی کریم ﷺ کے نہ سنانے کا ذکر ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مردوں کو سنانا نبی یا غیر نبی کسی انسان کا کام نہیں اللہ تعالیٰ ہی سناتے ہیں اور مردے اللہ تعالیٰ کے سنانے سے کہنے والے کی بات سنتے ہیں بلکہ مردے تو کیا ہم زندہ لوگ بھی اللہ ہی کے سنانے سے سنتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نہ سنائے تو ہم زندہ بھی نہیں سن سکتے لیکن آیت سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ مردے سنتے بھی نہیں جیسے آدمی کسی کو کوئی بات سمجھائے مگر نہ سمجھا سکے تو کہے میں تجھے نہیں سمجھا سکتا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مخاطب سمجھ سے عاری ہے اس میں عقل و فہم نہیں ایسے ہی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ نبی جو قبروں میں پڑے ہوں ان کو نہیں سنا سکتے تو ان میں سننے کی طاقت نہیں کیونکہ سنانے کی نفی ہے سننے کی نفی نہیں ہے۔

دوم: جو کام نبی کریم ﷺ نے کیا ہو یا کرنے کا ارادہ کیا ہو اسی کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ہدایات دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبروں میں پڑے ہوئے مردوں کو وعظ و نصیحت سنانے کا عمل کبھی نہیں کیا نہ اس کا ارادہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ آپ قبروں میں پڑے ہوؤں کو وعظ و نصیحت نہیں سنا سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں وہی مردے مراد ہیں جن کو آپ ﷺ نے وعظ و نصیحت کی یا ارادہ کیا اور وہ حقیقی مردے نہیں بلکہ دل کے مردے یعنی جہالت کے گڑھوں میں پڑے ہوئے کافر مردے ہیں۔

چنانچہ علامہ جلال الدین محلی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وَمَا اَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِنْ فِی الْقُبُوْرِ اٰی الْکُفَّارِ شَبَّہُمْ بِالْمَوْتِی (جلالین) آپ نہیں سنا سکتے قبروں میں پڑے ہوؤں کو یعنی کافروں کو اللہ تعالیٰ نے ان کو مردوں سے تشبیہ دی ہے۔ علامہ محمود آلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تَرْشِیْحٌ لِّمَثَلِ الْمَصْرِیْنَ عَلٰی الْکُفْرِ بِالْاَمْوَاتِ “

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۸۶)

کفر پر ہٹ دھرمی کرنے والوں کو بطور استعارہ ترشچہ مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

علامہ ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”وَ اِیْضًا الْاٰیۃُ فِی الْکُفْرِ“ (حاشیہ علی النساء ص ۱۱ ج ۴ طبع بیروت)

آیت کافروں کے بارے میں ہے اور ظاہر ہے کہ کافر سنتے تو تھے لیکن یہاں ان کو سنانے کی نفی کی گئی

ہے جب کہ دوسری کئی آیات میں ان کے سننے کی بھی نفی ہے۔ مثلاً: وَفِیْ اِذْ اَنْهَمْ وَقَرَأْ اَنْ کَانَ فِیْ ذٰلِکَ۔

(انعام ص ۵۱) وہ خود بھی کہتے ہیں کہ: وَفِیْ اِذْ اَنْهَمْ وَقَرَأْ اَنْ کَانَ فِیْ ذٰلِکَ۔ (حم سجدہ: ۵۱) اور وَلَهُمْ اِذْ اَنْهَمْ

لَا یَسْمَعُوْنَ بَہَا اِنْ کَانَ فِیْ جَنِّ سَیِّئٍ۔ (اعراف: ۱۷۹) صَمٌّ بِکُمْ عَمٰی فَہُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ بِہَرِّے گونگے

وانذہم۔ (بقرہ ۱۷۱، ۱۸) کافر اندھے اور بہرے ہیں اور مومن پینا اور سننے والا۔ (حدود ۲۴) مَا کَانَ

یستطیعون السمع“ سن نہیں سکتے تھے۔ (حدود ۲۰) کانوا الاستطیعون سمعاً سن نہیں سکتے تھے۔ (کہف: ۱۰۱) فہم لا یسمعون وہ سنتے نہیں تھے۔ (حم سجدہ ۴) اس نہ سننے سے مراد مفید اور نفع مند نہ سننا ہے تو کافروں کو جو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ جس طرح مردے سنتے تو ہیں لیکن اب ان کو وعظ و نصیحت سنانا مفید نہیں۔ کیونکہ کافر مردے ایمان نہیں لاسکتے اور فاسق و بے عمل عمل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ضدی کافروں کو سنانا بھی مفید نہیں کہ وہ بھی اپنے ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لاسکتے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

منور صاحب لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آ کر سلام کر کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے قبر والو تم کو کچھ خبر بھی ہے یا تم بالکل غافل ہو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ قول سن کر اس سے دریافت کیا کہ قبر والوں نے کچھ جواب دیا؟ وہ بولا کہ نہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر کہا تجھ پر پھٹکا تیرے دونوں ہاتھ گرد آلود ہو جائیں تو ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو نہ جواب ہی دے سکتے ہیں اور نہ وہ کسی چیز کے مالک ہی ہیں اور نہ ہی آواز سن سکتے ہیں۔ پھر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ”و ما انت بمسمع من فی القبور“ (تفہیم المسائل ص ۱۷۲)

جواب: منور صاحب نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے یعنی تفہیم المسائل نہ یہ کتاب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے نہ ان کے کسی شاگرد نے لکھی ہے نہ کسی حنفی بزرگ نے لکھی ہے غیر حنفی، غیر مقلد مولانا بشیر الدین قنوجی نے لکھی ہے یہ واقعہ غلط اور حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوتا تو امام صاحب کے کسی شاگرد کو معلوم ہوتا یا کتب فقہ حنفیہ میں نقل ہوتا جب کہ علماء کرام احناف فرماتے ہیں کہ مسئلہ سماع موتی کے بارے میں امام صاحب سے کوئی تصریح منقول نہیں اور جو نقل ہیں وہ شاذ ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۲۷، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۶۱ فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷ وغیرہ)

نفع و نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے

منور صاحب نے وہ آیات بھی لکھی ہیں جن میں ہے کہ نفع و نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک و مختار اور نفع و نقصان کا مالک ہے نبی ہو یا غیر نبی نفع و نقصان کے مالک نہیں جو حضرات فیض کے قائل ہیں وہ جس طرح اہل قبور سے فیض کے قائل ہیں اسی طرح زندوں سے بھی فیض کے قائل ہیں حالانکہ علم استاذ سے جو علم حاصل کرتا ہے یہ فیض حاصل کرتا ہے جاہل عالم سے فیض لیتا ہے لیکن جس طرح طالب علم استاذ کو نفع و نقصان کا مالک نہیں سمجھتا جاہل عالم کو نفع و نقصان کا مالک نہیں سمجھتا ایسے ہی قبروں سے فیض حاصل کرنے والا بھی اہل قبور کو نفع و نقصان کا مالک نہیں سمجھتا کوئی سمجھتا ہے تو وہ گمراہ اور غلط عقیدہ رکھتا ہے۔

بعض مفاسد اور خرابیاں

منور صاحب فیض کی بحث میں بعض مفاسد اور خرابیاں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہیں سے قبر پرستی کی ابتداء ہوئی ہے لوگ قبر والوں سے حصول فیض کی تمنا میں مجاور بن کر بیٹھے جاتے ہیں اولاد، وسعت رزق، ذریعہ معاش

اللہ سے مانگنے کے بجائے بے جان مردوں سے مانگ کر اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۴۴) جواب یہ ہے کہ جو مجاور بنے بیٹھے ہیں انہیں فیض کا علم تک نہیں نہ حصول فیض کی تمنا میں جا بیٹھتے ہیں دنیا اور دولت کے پجاری وہاں لوگوں سے پیسے بٹورنے کے لئے مجاور بن بیٹھتے ہیں اور جتنے لوگ بھی اولاد وغیرہ مانگتے ہیں وہ بھی فیض سے جاہل اور اس کی الف ہا سے ناواقف ہیں۔ درحقیقت انہوں نے اپنی جہالت اور علماء سوء کی تعلیمات سے ان کو مختار کل، حاجت روا، مشکل کشا اور اولاد کے خزانوں کا مالک، نفع و نقصان کا اختیار رکھنے والا سمجھ رکھا ہے انہی عقائد کی وجہ سے وہ قبروں پر جا کر ایسا کرتے ہیں ورنہ فیض تو زندہ ولیوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ عوام زندوں کے ہاں اتنا ہجوم کیوں نہیں کرتے جتنا قبروں پر ہوتا ہے پھر وہ اولیاء کرام بھی ہیں جنہوں نے زندگی میں توحید کی تبلیغ کی ان کی قبروں پر کیوں ایسا نہیں ہوتا؟ تو اس کی وجہ صرف علماء سوء کی تعلیمات ہیں اگر فیض کے عقیدہ کی خرابی ہوتی تو علماء دیوبند کی قبروں پر بھی دیوبندی عوام جمع ہوتے۔ بہر حال ہمارے اکابر نے کبھی عوام کو فیض کا مسئلہ نہیں سمجھایا اہل علم ہی کی حد تک محدود ہے اور ہمارے نزدیک اہل قبور سے حاجت روائی و مشکل کشائی اور اولاد مانگنا شرک ہے۔

جو قبروں میں دفن نہیں ہوئے ان کی جزا و سزا

اس بحث میں منور صاحب لکھتے ہیں یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر مردہ قبر میں جا کر زندہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ لاکھوں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو یہ دنیاوی قبر مٹی بھی نہیں ہندو اپنے مردے جلا دیتے ہیں مجوسی گوشت خور پرندوں کی نذر کر دیتے ہیں ہزاروں لوگ آگ میں جل کر خاک ہو جاتے ہیں جنگلوں اور دیگر ہولناک حادثات میں ہلاک ہو جانے والوں کی بوٹی بھی نہیں ملتی وغیرہ وغیرہ فرعون کی لاش مصر کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے اور قرآن میں ہے کہ: ”النار یعرضون علیہا غدوا و عشیا“ انہیں صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور قوم نوح کا یہ انجام ہوا کہ: ”مما خطیئاتہم اغرقوا فادخلوا ناراً“ اپنے گناہوں کے سبب غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے ہیں اور اللہ فرما رہے ہیں کہ جہنم کی آگ میں ڈال دیئے تو پھر وہ کوئی آگ ہے جو پانی میں جلتی ہے۔ الخ! (اسلام یا مسلک پرستی ص ۴۹)

جواب: منور صاحب اور مماتی لوگ یہ تقریر اس طرح کرتے ہیں جیسے قبر کا عذاب انہی کے سپرد ہو یا انسانوں نے دینا ہو اور سوچتے ہیں کہ جب جسم راکھ ہو گیا یا پرندوں یا درندوں کے پیٹ میں چلا گیا یا کلڑے ہو کر فضا میں گھر گیا تو کئے جس کو عذاب ہونا مانیں گے، لہذا فیصلہ کر لیا کہ یہی کہیں کہ عذاب صرف اور صرف روح کو ہی ہوتا ہے جسم کو ہوتا ہی نہیں۔ آخر کیوں ایسا سوچنے کی ضرورت ہوئی؟ عذاب اللہ تعالیٰ نے ہی دینا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی نورانی مخلوق فرشتے ایسی لطیف مخلوق بنائی ہے جس کے لئے کوئی رکاوٹ رکاوٹ ہی نہیں پھر خود اللہ تعالیٰ کی ذات کی قدرت کے آگے کون سی رکاوٹیں ہیں جن کی وجہ سے وہ جسم کے ذرے ذرے تک عذاب نہیں پہنچا سکے گا؟

علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین النیسابوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”عن الضحاک کانوا یغرقون من جانب و یحرقون من جانب و ہکذا حال من مات من المجرمین فی ماء او نار او فی جوف سبع اصابہ ما یصیب المقبور من العذاب العقلی و هو ظاہر و العذاب الجسمی و هو غیر بعید فی قدرۃ اللہ تعالیٰ“

(تفسیر غرائب القرآن برہامش ابن جریر ج ۲۹ ص ۵۳ طبع مطبعہ مہدیہ مصر)

یعنی امام ضحاک فرماتے ہیں قوم نوح علیہم السلام ایک طرف سے غرق ہو رہے تھے اور دوسری طرف سے جلائے جا رہے تھے۔ یہی حال ہر اس مجرم کا ہے جو پانی میں یا آگ میں یا درندہ کے پیٹ میں مر جائے اس کو بھی اس طرح عذاب ہوگا جیسے قبر میں دفن کئے ہوئے کو ہوتا ہے۔ عذاب عقلی روحانی ہوتا تو ظاہر ہے اور عذاب جسمانی بھی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ولا يمنع من ذالک کون المیت قد تفرقت اجزائه کما يشاهد فی العادة او اكلته السباع او الطيور و حيتان البحر کما ان الله تعالى يعيده للحشر و هو سبحانه و تعالى قادر علی ذالک فلا یسعد تعلق روح الشخص الواحد فی آن واحد بکل واحد من اجزائه المتفرقة فی المشارق و المغرب الخ! (ارشاد الساری شرح بخاری ج ۲ ص ۷۶ طبع ہند)

اور عذاب قبر سے یہ بات رکاوٹ نہیں کہ میت کے اجزاء جدا جدا ہو گئے ہوں جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہے یا اس کو درندے اور پرندے اور دریا کی مچھلیاں کھا گئی ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ اس کو روز محشر میں اٹھائے گا اور وہ قادر ہے ایسے ہی یہ بعید نہ سمجھا جائے کہ ایک آدمی کی روح کا ایک ہی وقت میں مشرقوں اور مغربوں میں منتشر اجزاء میں سے ہر ایک جز سے تعلق ہو۔

علامہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فکل من مات و هو مستحق للعذاب ناله نصيبه منه قبر او لم یقبر فلو اكلته السباع او احرق حتى صار رمادا او نسف فی الهواء او صلب او غرق فی البحر و وصل الی روحه و بدنه من العذاب ما یصل الی المقبور (الروح ص ۸۱ طبع بیروت) جو آدمی بھی مرا اور وہ عذاب کا مستحق ہو، اس کو اپنا عذاب کا حصہ پہنچے گا چاہے قبر میں دفن ہو یا نہ ہو۔ لہذا اگر درندے کھا گئے ہوں یا جلا کر راکھ کر دیا گیا ہو یا راکھ کر کے ہوا میں اڑا دی گئی ہو یا سولی پر چڑھا دیا گیا ہو یا دریا میں ڈوب گیا ہو۔ اس کے روح اور جسم تک وہ عذاب پہنچے گا جو قبر میں دفن کئے ہوئے آدمی تک پہنچتا ہے۔

علامہ محمد بن عبدالسعید بن شعیب ابوالشکور السالمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فاذا کان الروح متصلا بالشخص سواء کان عظما او لحما او ترابا یتألم (التمہید ص ۱۳۶ طبع مطبع فاروقی دہلی) جب روح کا جسم سے تعلق ہوگا تو بدن چاہے ہڈی ہو جائے یا گوشت یا مٹی وہ تکلیف محسوس کرے گا۔

منور صاحب فرماتے ہیں: قوم نوح علیہم السلام اپنے گناہوں کے سبب ہی غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے لاشیں ان کی تو پانی میں ڈوبی ہیں اور اللہ فرما رہا ہے کہ جہنم کی آگ میں ڈال دیئے گئے تو پھر وہ کوئی کہے جو پانی میں جلتی ہے؟

جناب! یہاں کونسا لفظ ہے جس کا ترجمہ نام کی آگ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مطلق آگ فرمایا ہے پھر جناب پوچھتے ہیں کون سی آگ ہے جو پانی میں جلتی ہے؟ جناب والا! یہ آگ کسی انسان نے نہیں جلائی جو پانی سے بجھ جائے یہ اس ذات نے جلائی ہے جو آگ اور پانی کا خالق و مالک ہے۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہی نار البرزخ والمراد عذاب القبر و من مات فی ماء او نار او اكلته السباع او الطر مثلا اصابه ما یصیب المقبور من العذاب (روح المعانی ص ۹۰ ج ۲۹) یہ برزخ کی آگ ہے مراد عذاب قبر ہے اور جو بھی پانی میں یا آگ میں مر جائے یا اس کو درندے یا پرندے کھا جائیں اس کو بھی وہ عذاب پہنچے

کا جو قبر میں مدفون آدمی کو پہنچتا ہے۔ پھر ایک شعر ابن الاباری رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کر کے سمجھاتے ہیں کہ یہ آگ پانی میں تھی۔

لا تعجبین لا ضداد اذا اجتمعت فالله يجمع بين الماء والنار
جب کئی ضدیں اکٹھی ہو جائیں تو حیران نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی پانی اور آگ کو جمع کرتا ہے۔ اب منور صاحب سوچیں اللہ تعالیٰ کی آگ پانی میں جل سکتی ہے یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ عالم برزخ اور قبر میں اصل عذاب روح کو ہوتا ہے اور بالتبع جسم کو ہوتا ہے جیسے دنیا میں اصل عذاب جسم کو اور روح کو ہوتا ہے تو ہم اگرچہ ذرات ہو کر بکھر جائے لیکن بکھرے ہوئے ذرات کی شکل میں اس کے اجزاء تو موجود ہوں گے تو روح کے عذاب کا احساس ان اجزاء تک ضرور پہنچے گا جسے عالم خواب میں آدمی ڈراؤنا خواب دیکھے تو پہلے روح پر اثر ہوتا ہے پھر جسم میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور خوش کن خواب دیکھے تو پہلے روح پر خوشی کا اثر ہوتا ہے پھر جسم پر بھی ظاہر ہوتا ہے عالم خواب اور عالم برزخ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

کیا قبر کی زمین سب جسموں کو کھا جاتی ہے؟

منور صاحب کہتے ہیں۔ موت کے کئی کئی دن بعد قبر کھود کر اش باہر نکالی جاتی ہے لیکن لاش ہمیشہ بے جان ہیں نکلتی ہے سستا ہوا تاجیتا جاگتا زندہ جسم کبھی برآمد نہیں ہوتا گلا سڑا بدن ہی نکلتا ہے جس کا لعفن سارے قبرستان میں پھیل جاتا ہے کیونکہ ہمیشہ رہنے والے ہم اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیئے۔ قانون یہی ہے کہ انسان کے جسم میں کوئی چیز نہیں جو برباد نہ ہو جائے سوائے ایک ہڈی ”عجب الذنب“ کے اور اسی سے روز قیامت جسم انسان دوبارہ بنایا جائے گا۔ الخ! (اسلام ص ۵۰) یعنی منور صاحب کہتے ہیں کہ میں احادیث نبویہ کے بجائے مشاہدہ چاہتا ہوں کہ دکھائی دے کہ سستا، جاگتا، بولتا زندہ جسم برآمد ہو (اس قسم کے واقعات آگے ذکر ہونے والے ہیں ان شاء اللہ) لیکن ظاہر ہے کہ پھر ایمان بالغیب تو نہ ہوگا منور صاحب مانتے ہیں کہ ان کی کھوپڑی میں مغز کے اندر عقل ہے مگر اس کا مشاہدہ دکھوپڑی توڑ کر بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دکھائی دینے والے مغز کا نام منتقل نہیں ہے اس لئے کہ مغز تو پاگلوں کا بھی ہوتا ہے مغز کے اندر مشاہدہ نہ کی جانے والی قوت عقلیہ اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے تو اب اس کا جب تک مشاہدہ نہ کیا جائے۔ کیا تب تک انسان کو بے عقل ماننا چاہئے؟

انسانی جسم میں روح ہے مگر روح دکھائی نہیں دیتی صرف اس کے آثار دکھائی دیتے ہیں تو کیا مشاہدہ کئے بغیر انسان کو چلتا پھرتا مردہ اور بے روح سمجھیں؟ تو یہاں مشاہدہ کی ضرورت نہیں تو قبر کے حالات میں احادیث نبویہ کے مقابلہ میں مشاہدہ کیوں ضروری ہے؟

انبیاء کرام وغیرہم علیہم السلام کے اجسام محفوظ ہوتے ہیں

جناب کہتے ہیں: قانون تو یہی ہے کہ ہر انسان کا جسم عجب الذنب ہڈی کے سوا گل سڑ جاتا ہے منور صاحب انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کا صحیح سلامت رہنا نہیں مانتے اور ان کو بھی حدیث نبوی کل ابن آدم یا کله التراب کے تحت داخل کہتے ہیں حالانکہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو حدیث ان اللہ حرم علی الارض ان تا کل اجساد الانبیاء بھی صحیح ہے مگر اس کو ہیچ نہیں مانتے کیونکہ اس حدیث کے جملہ فنی فی اللہ حی برزق کو بھی ماننا پڑے گا۔ حالانکہ مذکور حدیث سے انبیاء کرام اور ان کے خاص متبعین مستثنیٰ ہیں۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”انت تعلم ان الاخير صحت بقاء عجب الذنب من الانسان ليست كبدائه وكذا روى ان الله تعالى عز وجل حرم ولي الارض اجساد الانبياء وهو حديث حسن عند البن العربي وقال غيره صحيح وجاؤا نحو ذلك في المودنين احتسابا وحديثهم في الطبراني وفي حملة القرآن وحديث ابن مندہ وفي من لم يعمل خطيئته قط وحديثهم عن المروزي فلا تغفل“

(روح المعانی ج ۱۷ ص ۱۰۲)

آپ کو معلوم ہے کہ انسان کی عجب الذنب باقی رہنے کی صحیح روایات ہیں اس لئے دوبارہ پیدا ہونا پہلی بار پیدا ہونے کی طرح نہیں ہوگا اسی طرح مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے جس کی حدیث کو امام ابن عربی حسن اور دوسرے محدثین صحیح قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح طبرانی کی روایت ہے کہ ان کے جسم بھی محفوظ ہوتے ہیں جو ثواب کے لئے اذان دیتے ہیں اور امام ابن مندہ کی روایت میں ہے کہ حاملین قرآن مجید (حفاظ و قراء و قرآن مجید کی خدمت کرنے والے) کے جسم بھی محفوظ ہوتے ہیں اور امام مروزی کی روایت میں ہے کہ اس کا جسم بھی محفوظ ہوگا جس نے کوئی بھی گناہ کبھی نہ کیا ہو لہذا غافل نہ ہوں (کہ ان سب کے جسم محفوظ ہوتے ہیں) علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فان الصواب ان الانبياء علیہم السلام لا تغيرهم الارض - درست یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں زمین تبدیلی نہیں کرتی۔ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۹۵)

علامہ عبد الرحمن بن جوزی نے اس پر مستقل عنوان قائم فرمایا ہے: الباب السادس والاربعون في انه لا يبلى عليه السلام - چھالیسواں باب: اس بیان میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوسیدہ نہ ہونگے۔ (الوفاء ص ۸۰۹)

امام ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان الانبياء لا يبلون، ولا تاكل الارض منهم شيئا - انبياء علیہم السلام بوسیدہ نہیں ہوتے اور زمین ان کا کچھ حصہ بھی نہیں کھاتی۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۶، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۹)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء - بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کیا ہے۔ (الاعتقاد ص ۱۸۸، طبع معمر)

علامہ محمد بن عبد الرحمن سخاوی فرماتے ہیں: نحن نؤمن ونصدق بانه صلی اللہ علیہ وسلم حي يرزق في قبره وان جسده الشريف لا تاكله الارض والاجماع على هذا - ہمارا ایمان ہے اور تصدیق کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں قبر شریف میں آپ کو رزق ملتا ہے اور یہ کہ آپ کے جسم اطہر کو زمین نہیں کھاتی اور اس پر اجماع ہے۔ (القول البدیع ص ۱۷۲، طبع بیروت)

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں: ای والحال انه اليوم كما وضع لان الارض لا تاكل اجساد الانبياء علیہم السلام - (یعنی شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۶)

یعنی حال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اسی طرح محفوظ ہیں جس طرح رکھے گئے اس لئے کہ زمین انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔

امام محمد بن احمد الذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وانما معانص على انه لا يبلى وان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء علیہم السلام بل ويقع هذا البعض الشهداء رضی اللہ عنہم - ہمارے پاس اس پر نص موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوسیدہ نہ ہوں گے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے بلکہ یہ حفاظت بعض شہداء کے لئے بھی ہوتی ہے۔ (میزان الاعتدال، بیروت ج ۲ ص ۶۵۰)

علامہ محمد طاہر ہندی رحمۃ اللہ علیہ منور صاحب کی پیش کردہ حدیث کے تحت فرماتے ہیں: وخص منه الانبياء عليہم السلام فانہ حرمت اجسادہم علی الارض۔ اس سے انبیاء عليہم السلام مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے جسم زمین پر حرام ہیں۔

(مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۴۹)

امام ابوالحسن سندھی مذکور حدیث کے تحت فرماتے ہیں: والقضية جزئية بالنظر الى افراد ابن آدم ضرورة ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء۔ (یعنی کل ابن آدم کا معنی ہے انسان کے سب اعضاء سوائے عجب الذنب کے) کیونکہ انسان کے افراد کے لحاظ سے یہ قضیہ جزئیہ ہے (کلیہ نہیں) اس لئے کہ یہ بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء عليہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ (حاشیہ طلی النساکی ج ۴ ص ۱۱۲ طبع بیروت) معلوم ہوا کہ منور صاحب کی پیش کردہ حدیث اوّل تو انسان کے اعضاء کے بارے میں ہے افراد کے بارے میں نہیں دوم اگر افراد کے بارے میں ہو تو انبیاء عليہم السلام اور ان کے خاص متبعین مستثنیٰ ہیں۔

مرنے کے بعد کے بعض خاص واقعات

منور صاحب نے اس بحث کے ضمن میں بزرگوں کے کئی واقعات تحریر کر کے مسخرہ کیا ہے ان واقعات کا

خلاصہ یہ ہے۔

۱..... مرنے کے بعد گفتگو: شیخ نجم الدین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کے جنازے میں شریک ہوئے جب اس بزرگ کو لوگ دفن کر چکے تو تلقین کرنے والے نے تلقین کی وہ میت بزرگ کہنے لگے حیرت کی بات ہے ایک مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔

۲..... مرنے کے بعد اونٹ ذبح کرنا: عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کی قبر کی زیارت کو کئی رات وہاں میرے اسی میں سے ایک شخص کو صاحب قبر خواب میں ملا اور کہا اپنا اونٹ میرے بختی اونٹ کے بدلے میں فروخت کر دے اس نے خواب میں اونٹ فروخت کر دیا قبر والے نے اٹھ کر اونٹ ذبح کیا جب اونٹ والا اٹھا تو اس کے اونٹ کا خون جاری تھا فوراً ذبح کیا اور گوشت تقسیم کیا اور کھایا، پکا یا یہ لوگ وہاں سے دوسری منزل پر پہنچے تو اس سخی کا بیٹا سختی اونٹ لے کر وہاں پہنچ گیا اور کہا میرے والد نے فلاں شخص کو یہ اونٹ دینے کا خواب میں حکم دیا ہے۔ (فضائل حج و فضائل صدقات)

۳..... میت بزرگ نے پیش گوئی کی: شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے مراقبہ کیا خواجہ صاحب نے فرمایا تمہاری بیوی حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ (انفاس العارفین)

۴..... صاحب قبر کی گفتگو: ایک صاحب کشف حافظ ضامن شہید کی قبر پر فاتحہ پڑھنے لگے تو حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کسی مردہ پر فاتحہ پڑھو یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو۔ (حکایات اولیاء) نیز شاہ عبدالرحیم کا واقعہ ہے کہ چند احباب کے ساتھ ایک سفر کیا دوران سفر ایک درخت کے نیچے احباب سو گئے شاہ عبدالرحیم جاگتے رہے چند سورتیں تلاوت کیں وہاں قبریں تھیں۔ ایک صاحب قبر بات کرنے لگا اور قرآن سننے کی درخواست کی شاہ صاحب

ملاوت کرتے رہے ساتھ بھائی سوئے ہوئے تھے ان کو صاحب قبر نے خواب میں کہا کہ ان کو کہو ملاوت کریں۔ انہوں نے بیدار ہو کر ملاوت کا کہا میت بہت خوش ہوا پھر اس سے عالم برزخ کے حالات پوچھے۔ (انفاس العارفین) شاہ عبدالرحیم کہتے ہیں کہ شیخ محمد کی قبر کے پاس بیٹھوں تو مجھ سے علوم و معارف سنتے ہیں اور ان کی روح نماز میں میری اقتداء کرتی ہے۔ (انفاس العارفین)

منور صاحب کے نزدیک اس قسم کے واقعات ناممکن ہیں ظاہر ہے کہ جب ایک آدمی عقل سے کام لے گا اور نقل پر اعتماد نہیں کرے گا یا عقل کو ہی سب کچھ سمجھے گا اور نقل کو بھی عقل کے تابع کرے گا تو اس قسم کے واقعات ماننا مشکل ہی ہے اور اگر طے کر لے کہ نقل صحیح کے مقابلہ میں اگر میری عقل تسلیم نہ کرے تو نقل کے پیچھے چلوں گا تو اس قسم کے واقعات تسلیم کرنا آسان ہوگا۔

اس قسم کے بہت سے واقعات پر بحث تصوف کے عنوان کے تحت بیان ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! دراصل ایسے واقعات کا تعلق کرامات سے ہے یا مردہ کی کرامت ہوتی ہے یا زندہ کی اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر فعل پر قادر ہے قانون کے مطابق کرے یا قانون کے خلاف کرے ان واقعات کا انکار وہ کرے جو قدرت الہی کا انکاری ہو۔ اس بحث کو ختم کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کی عبارت پر اختتام کرتا ہوں۔ حضرت علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: والذی یبغی ان یعول علیہ مع ما ذکر ان الارواح وان اختلف مستقرها بمعنی محلها الذی اعطیہ بفضل اللہ تعالیٰ جزاء عملها لکن لها جو لا نافی ملک اللہ تعالیٰ حیث شاء جل جلالہ ولا یكون الا بعد الاذن وہی متفاوتہ فی ذالک حسب تفاوتہا فی القرب والزلفی من اللہ تعالیٰ حتی ان بعض الارواح الطاہرة لتظهر فیہا من شاء اللہ تعالیٰ من الاحیاء یقظة وان ارواح الموتی تلاقى وتزاور وتتذاکرو وقد تتلاقى ارواح الاموات والاحیاء مناما ولا ینکر ذالک الا من یجعل الرویا خیالات لا اصل لها و ذالک لا یلتفت الیہ۔۔۔ و ربما یؤذن لارواح بعض الناس فی زیارة اہلیہم کما ورد فی بعض الآثار۔۔۔ ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل ہی متصلۃ مشرقۃ علی سائر اجزائہ وان تفرقت وکان جزء بالمشرق و جزء بالمغرب (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳)

قابل اعتماد بات یہ ہے کہ روحوں کے ٹھکانے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اعمال کے بدلے میں ملتے ہیں اگرچہ مختلف ہیں لیکن جہاں اللہ تعالیٰ چاہے اللہ کی اجازت سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں ان کو چکر لگانے کی اجازت ہے اور جتنا اللہ تعالیٰ سے قرب اور مرتبہ ان کا مختلف ہوتا ہے اتنا ہی چکر لگانا بھی مختلف ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض پاک روحوں ظاہر ہو جاتی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے زندہ آدمی دیکھ لیتے ہیں اور مردوں کی روحوں باہم ملاقات کرتی اور زیارت کرتی اور تبادلہ خیالات کرتی ہیں اور کبھی مردوں اور زندوں کی روحوں کی خواب میں ملاقات ہوتی ہے اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو خواب کو محض بے بنیاد خیالات سمجھے اور انکاری کا یہ خیال قابل توجہ ہی نہیں اور بعض اوقات بعض لوگوں کی روحوں کو اجازت ہوتی ہے کہ اپنے گھر والوں کو مل آئیں جیسا کہ روایات وارد ہوئی ہیں پھر آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ (مرنے کے بعد) روح کا جسم سے تعلق ایسا نہیں کہ ایک جزء سے ہو دوسری سے نہ ہو بلکہ پورے جسم کے سب اجزاء سے تعلق ہوتا ہے۔ اگرچہ اس طرح جدا ہو چکے ہوں کہ ایک جزء مغرب میں ہو اور ایک جزء مشرق میں ہو۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (الحديث)

عقيدہ حیات النبی ﷺ

اور

مستقیم
صراط

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تالیف:

مولانا مجیب الرحمن مدظلہ

استاد جامعہ محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ

عقیدہ حیات النبی ﷺ

اور

صراط مستقیم

تالیف

جامع المعقول والمنقول

مولانا مجیب الرحمن صاحب

ناشر

مکتبہ امتدادیہ مسلمان ہاؤس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلی فہرست

۵۱	(حرفے چند) مولانا مجیب الرحمن مدظلہ
۵۴	باب اول: قرآن مجید اور عقیدہ حیات النبی ﷺ
۵۸	۵۷ شہداء کی زندگی روح و جسم دونوں کی ہے
۵۹	۵۹ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پٹوں میں ہونے کی روایت
۶۶	باب دوم: حیات النبی ﷺ اور احادیث نبویہ
۱۰۰	تیسرا باب: اکابرین امت اور عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام
	۱۱۰ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ حیات برزخی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(حرفے چند)

مولانا مجیب الرحمن مدظلہ

ڈیرہ اسماعیل خان کے عالم دین مولانا مجیب الرحمن صاحب نے ”عقیدہ حیات النبی ﷺ اور صراط مستقیم“ کتاب ۱۴۳۵ھ میں لکھی جو مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہوئی۔ اس میں چار آیات، سترہ احادیث مبارکہ اور اجماع سے حیات النبی ﷺ کو ثابت کیا۔

اور عقیدہ حیات النبی ﷺ پر کراچی کی عثمانی جماعت اور اشاعت التوحید کے دوستوں کے اعتراضات کے جوابات تحریر کئے جس سے یہ ایک دستاویز بن گئی جو اس مجموعہ میں شامل اشاعت ہے۔ (ناشر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً ومصلیاً ومسلماً: اما بعد!

قارئین کرام! مسئلہ حیات النبی ﷺ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے، پاکستان بننے کے گیارہ سال بعد اس مسئلہ کا انکار کیا گیا، بعض نے اس کو شرک کا چور دروازہ، بعض نے شرک قرار دیا ہے۔ اسی وقت سے اکابرین نے اس مسئلہ پر مختلف کتابیں اور رسائل لکھے۔

پیش نظر کتاب ”عقیدہ حیات النبی ﷺ اور صراط مستقیم“ مؤلفہ حضرت مولانا مجیب الرحمن صاحب مدظلہ آپ کے سامنے ہے۔

مؤلف نے اس مسئلہ کو چار آیات اور سترہ احادیث اور اجماع اہل سنت سے ثابت کیا ہے، احادیث پر فنی بحث کر کے ان کی صحیح اور مفہوم احادیث پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اور آخر میں منکرین کے رسالہ اعلان حق کا بھی مدلل جواب تحریر کیا ہے اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی عبارات پر اور دوسرے بعض بزرگوں کی عبارات پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔
بندہ نے چیدہ چیدہ مقامات سے اس کو دیکھا ہے، انتہائی مفید مضامین ہیں، اہل حق مسلک حق میں پھنسی اہل زلیغ کے لئے یہ نسخہ شفا ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس فرض کفایہ کی ادائیگی پر سب مسلمانوں کی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین!

کتبہ محمد انور اوکاڑوی

مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ المهتدین وعلی من

تبعہم واحبہم اجمعین الی یوم الدین اما بعد۔

عقیدہ اور ایمان ایک چیز ہے جو تمام ضروریات دین کو ماننے کا نام ہے کسی ضروری بات کے انکار سے آدمی ایمان کھو کر کفر میں چلا جاتا ہے، اور جو ضروریات کے درجہ میں ثابت نہ ہو مگر نصوص ظنیہ سے ثابت ہو اس کو ماننا بھی ضروری ہے مگر اس کے انکار سے ایمان ختم نہ ہوگا بلکہ منکر فاسق اور بدعتی ہوگا، ایمانیات میں سے تین اصل ہیں اللہ تعالیٰ پر اور رسول کریم ﷺ پر اور قیامت پر ایمان، باقی چیزیں ان اصولوں کے تحت ہیں، اللہ تعالیٰ پر ایمان اللہ تعالیٰ کے لئے تمام صفات کمال ماننا اور تمام عیوب اور نقائص سے پاک ماننا ہے، اور رسول کریم ﷺ پر ایمان یہ ہے کہ آپ ﷺ جب سے بھیجے گئے تب سے اب تک اور قیامت قائم ہونے تک آپ ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں وفات سے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت ختم نہیں ہوئی، آپ آخری نبی ہیں آپ ﷺ جو کچھ بھی لے کر آئے ہیں سب حق ہے چاہے قرآن مجید کی صورت میں ہو یا حدیث نبوی کی صورت میں ہو عقل میں آئے یا نہ آئے، اور قیامت حق ہے، موت کے بعد عالم برزخ کی زندگی جو موت سے شروع ہوتی ہے ہر شخص کی قیامت کا ابتدائی مرحلہ اور قیامت

صغریٰ ہے جیسے حضرت انس وغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک میں ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ (کتاب ذکر الموت لابن ابی الدنیا ص ۱۷۳، القاصد الحسبہ ص ۴۳۵) جس نے وفات پائی اس کی قیامت قائم ہو گئی ہے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ان القبر اول منزل من منازل الآخرة (مصالح السعہ ج ۱ ص ۲۸ حدیث نمبر ۹۱) بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

گویا مجرم کے لئے تھانہ اور مہمان کے لئے اترنے کا اڈہ ہے اس کے بعد جب قیامت کبریٰ قائم ہوگی تو مجرم کے لئے جہنم والی جیل اور مہمان کے لئے جنت کا مہمان خانہ ہوگا، نہ تھانے اور استقبالی اڈے کا انکار جائز ہے نہ جیل اور مہمان خانے کا انکار جائز ہے کیونکہ یہ بھی قیامت کے حصہ کا انکار ہوگا اس لئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے: بالجملة انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نہ باشد در الحاد بودن او شبہ نیست (فتاویٰ مزیزی ج ۱ ص ۸۸ بحوالہ سماع الموتی) حاصل یہ ہے کہ مردوں کے شعور و ادراک کا انکار کرنا اگر کفر نہ ہو تو اس کے الحاد (بے دینی) ہونے میں شک نہیں ہے۔

اور کئی فقہاء نے لکھا ہے: لا تجوز الصلوة خلف من ينكر ... عذاب القبر لانه كافر (لطفاً علی مرآتی الفلاح وغیرہ) جو عذاب قبر کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہے۔ اور عذاب قبر اور راحت قبر کے لئے ضروری ہے کہ قبر میں زندگی ہو کیونکہ عذاب و راحت کا ادراک حس کے بغیر نہیں ہو سکتا اور حس زندگی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اس لئے حضرات فقہاء نے کتاب الیمین میں مسئلہ ضرب میں صاف تحریر کیا ہے۔ و من يعذب في القبر يوضع فيه الحياة في قول العامة (ہدایہ وغیرہ) جس کو قبر میں عذاب ہوگا جمہور علماء کے نزدیک اس میں زندگی ڈالی جائے گی۔

اسلاف کے واضح ارشادات موجود ہونے کے باوجود آج وہ طبقہ پیدا ہو گیا جو اپنے اہل سنت والجماعت بلکہ دیوبند میں سے ہونے کے دعویٰ کے باوجود معتزلہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلاف سے بیزار ہو کر کہتا ہے کہ قبر میں بالکل زندگی نہیں ہے، عذاب و راحت صرف روح کے لئے ہے، اور روح عظیمین یا عجمین میں ہوتی ہے، اور جسم عنصری سے اس کا کوئی تعلق نہیں نہ جسم عنصری کو عذاب و ثواب ہوتا ہے نہ نبی ﷺ کی قبر میں ان کے جسم عنصری کی حیات ہے نہ کسی اور کی قبر میں حیات ہے، اور بڑے دھڑلے سے کہتے ہیں کہ ہم صرف وہی عقیدہ مانتے ہیں جو قرآن مجید کی غیر محتمل آیات میں ہو یا احادیث متواترہ میں ہو، اگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بھی قرآن مجید کے خلاف ہوگا ہم اس کو بھی تسلیم نہیں کریں گے، نام قرآن مجید کا لیتے ہیں لیکن مراد ان کی اپنی سمجھ اور من مانی تفسیر کے مطابق ہوتا ہے، اس کو قرآن کا نام دیتے ہیں حالانکہ قرآن و حدیث ہی اسلاف کی پیروی کی ہدایت دیتے ہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی تعلیم پہلی سورت میں دی گئی اور اس میں صراطِ مستقیم اسلاف کی راہ کو فرمایا گیا اور ایک جگہ فرمایا گیا۔

و من يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيراً۔ جو واضح ہو جانے والی ہدایت کے بعد رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا اور مؤمنین کے راہ کو چھوڑ کر چلے گا ہم اس کو ادھر ہی جانے دیں گے جدھر کو جائے گا، اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔

اس آیت میں مؤمنین کی راہ پر چلنے پر جنت میں پہنچنے کی خوش خبری اور اس کو چھوڑنے پر جہنم میں پہنچنے کی وعید ہے، تو جنت میں جب پہنچنا ہوگا جب اسلاف کی راہ پر چلیں، یہ لوگ اس کے جواب میں وہ آیات پیش کرنے لگتے ہیں جن میں دور جاہلیت کے بے دین اسلاف کی پیروی کی مذمت کی گئی ہے، اور کہتے ہیں ہمیں قرآن مجید کی پیروی کا حکم ہے: اتبعوا ما انزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه اولياء۔

جواب یہ ہے کہ جن کی پیروی کی برائی ذکر ہوئی وہاں فرمایا گیا: اولو کان آباؤہم لا یعقلون شنیاء ولا یہتدون کیا تب بھی اپنے آباء کی ہی اقتداء کریں گے جب آباء نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ راہِ راست پر ہوں۔

تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے اسلاف، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور فقہاء و مفسرین و محدثین مسیحی بھی جاہلیت کے اسلاف کفار کی طرح تھے؟ شاباش! تم نے اسلاف کو لا یعقلون اور لا یتدون سمجھا؟ یہاں تو ان اسلاف کی پیروی کی خدمت ہے جو لا یعقلون اور لا یتدون ہیں ہمارے اسلاف تو ایسے نہ تھے وہ یعقلون اور یتدون (یعنی سیدھی راہ پر اور دین کی سمجھ رکھنے والے) تھے، بہر حال ایسے نالائق اخلاف اپنے اسلاف سے کٹنے والے پیدا ہو گئے جو عقائد میں اسلاف کی سمجھ کو معتبر نہیں سمجھتے ان میں سے جمعیت اشاعت بھی ہے جس کی بنیاد تو حید و سنت کی خدمت کے نام پر رکھی گئی مگر انہوں نے تقاریر کا موضوع اکابرین علماء اہل سنت و علماء دیوبند کے متفقہ اجماعی عقائد و نظریات کو بنالیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں زندہ نہیں مردہ ہیں (معاذ اللہ) اور حضور ﷺ قبر اطہر کے پاس پڑھا ہوا صلاۃ و سلام نہیں سنتے حالانکہ آج تک کوئی بھی اہل حق انبیاء علیہم السلام کی قبور کی زندگی اور حضور ﷺ کے عند القبر سماع صلاۃ و سلام کا منکر نہیں ہوا ہے، اس رسالہ میں ہمارا موضوع سخن یہی مضمون ہے ہم نے الحمد للہ ثابت کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نبی کریم ﷺ اپنی قبر اطہر کے پاس پڑھا جانے والا درود و سلام سنتے ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور ان کے سماع پر زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ عام مردوں کی حیات اور سماع ثابت ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور سماع بطریق اولیٰ ثابت ہے، کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام فضیلت میں دوسرے انسانوں سے بڑھ کر ہیں تو جو فضیلت ادنیٰ کے لئے ثابت ہوگی اعلیٰ کے لئے بطریق اولیٰ ثابت ہوگی، بہر حال ناموس رسالت میں حصہ ڈالنے کے لئے اس کو ثابت کرتے ہوئے چند دلائل بطور اتمام حجت درج کئے گئے ہیں۔

باب اول:.....قرآن مجید اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

پہلی آیت: قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احياء و لكن لا تشعرون (بقرہ: ۱۵۴) جو اللہ کے راستہ میں مارے جائیں ان کو نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

دوسری آیت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ اموات بل احياء عند ربہم یرزقون (آل عمران: ۱۶۹) جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے ان کے متعلق مردے ہونے کا گمان بھی نہ کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے مقرب ہیں ان کو روزی ملتی ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کی زندگی بیان فرمائی ہے جو ان کی فضیلت ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام شہداء سے بھی درجہ میں بڑھ کر ہیں تو ان کی زندگی آیت کریمہ سے بطریق اولیٰ بدلات الحس ثابت ہوگی کیوں کہ قرآن مجید نے بتایا کہ انسانوں میں اول درجہ کے اللہ کے مقرب انسان انبیاء دوم صدیقین سوم شہداء چوتھے صالحین ہیں، جب تیسرے درجہ والوں کو مرنے کے بعد زندگی حاصل ہے تو اول، دوم درجہ والے بطریق اولیٰ زندہ ہیں، اسی وجہ سے اس آیت کے تحت اکابرین انبیاء علیہم السلام کی زندگی بیان کرتے اور آیات شہداء کو دلیل بناتے ہیں۔

.....۱ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حضرات انبیاء کرام علیہم السلام (موت کے بعد کی زندگی میں) شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر ظاہری اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواجِ احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا پس اس حیات میں قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مردے، البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء صالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں۔“ (بیان القرآن ج ۲ ص ۷۸، ۷۹ طبع مطبع مجبائی دہلی)

حکیم الامت ہے فرماتے ہیں: ایک شخص نے حیات نبوی علم میں مجھ سے گفتگو کی میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے بل احیاء عند ربہم اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیونکر زندہ نہ ہوں گے؟ اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں اس میں حدیث صریح موجود ہے اور یہ تائید کے درجہ میں ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۳۵۷ طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ)

.....۲ علامہ شمس الدین سخاوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ومن ادلة ذلك ايضا قوله تعالى ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون الخ! (القول الہدی ج ۱ ص ۱۷۳)

قبر میں حیات النبی ﷺ کے دلائل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے یعنی آیت حیات شہداء۔

.....۳ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ويدل على ذلك ان الشهداء بعد قتلهم وموتهم احياء يرزقون فرحين مستبشرين وهذه صفة الاحياء في الدنيا واذا كان هذا في الشهداء. فالانبياء احق بذلك واولى، (انباء الاذکماء، الحاوی ج ۲ ص ۱۴۹) اور (حیات انبیاء کے دلائل میں سے) یہ بھی دلیل ہے کہ شہداء شہادت اور وفات کے بعد زندہ اور رزق کھاتے اور خوش ہیں اور (زندوں کو) خوشخبریاں دیتے ہیں اور یہ باتیں دنیا کے زندوں کی صفت ہیں اور جب شہداء میں یہ باتیں ہیں تو انبیاء علیہم السلام اس کے زیادہ حقدار اور لائق ہیں۔

.....۴ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: وقد قال تعالى في الشهداء ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون والانبياء اولى بذلك فهم اجل واعظم ومانبي الا وقد جمع مع النبوة وصف الشهادة فيدخلون في عموم لفظ الآية (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۸ طبع دار الكتب العلمیہ بیروت) اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا ہے اور جو اللہ کے راستہ میں مارے جائیں ان کو مردے نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں رب کے مقرب ہیں اور ان کو روزی ملتی ہے اور انبیاء علیہم السلام اس کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ وہ بڑے مرتبہ اور عظمت والے ہیں اور جو نبی بھی ہے اس نے نبوت کے ساتھ شہادت کی خوبی بھی جمع کی ہوئی ہے تو وہ بھی آیت کے عموم میں داخل ہوں گے۔

.....۵ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فان ارواح الشهداء مع ان مرتبتهم دون مرتبة الانبياء اذا كانت في اجواف طير خضر تسرح في رياض الجنة ثم تعود الى قناديل معلقة تحت العرش كما هو مقرر في محله محرر مع انه لم يقل احد ان قبورهم خالية عن اجسادهم و ارواحهم غير متعلقة باجسامهم لنلا يسمعو السلام من يسلم عليهم و كذا ورد ان الانبياء يلبسون ويحجون لبينا اولى بهذه الكرامات“ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۳۰۰) بے شک شہداء کی رو میں باوجود کے کہ ان کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے درجہ سے کم ہے جب وہ

سبز پردوں کے پوٹوں میں ہو کر جنت کے باغات میں چرتی اور پھر عرش کے نیچے کی قدیلوں میں لوٹ آتی ہیں جیسا کہ ثابت ہے اور اپنے موقع میں تحریر ہے، باوجودیکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ ان کی قبریں ان کے جسموں سے خالی ہیں، اور ان کی روحوں کا ان کے جسموں سے تعلق نہیں تاکہ سلام کرنے والے کے سلام کو نہ سنے ایسے ہی منقول ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیہ پڑھتے اور حج کرتے ہیں تو ہمارے نبی کریم ﷺ ان اعزازات کے بطریقِ اولی لائق ہیں۔

۶..... علامہ قاضی ثناء اللہ بانی پتی فرماتے ہیں: وایں حکم مخصوص بشہد انیست انبیاء وصدیقین از شہداء افضل اندو اولیاء ہم حکم شہداء اند کہ جہاد بالنفس خود کردہ اند کہ جہاد اکبر است (تذکرۃ الموتی والقبور ص ۳۰) اور یہ حکم شہداء سے خاص نہیں انبیاء وصدیقین شہداء سے افضل ہیں (تو وہ بھی داخل ہیں) اور اولیاء کا حکم بھی شہداء کا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے نفس سے جہاد کیا جو جہاد اکبر ہے۔

۷..... حضرت مولانا سعید احمد دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عالم برزخ کی زندگی ہر شخص کے ادراک میں نہیں آسکتی لیکن یہ یقینی ہے کہ مرنے کے بعد زندگی ضرور ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس عالم کی زندگی کے مختلف مدارج ہیں ایک انبیاء کی زندگی ہے ایک وہ زندگی ہے جو شہداء کو حاصل ہے ایک وہ زندگی ہے جو علماء کو حاصل ہے ایک وہ زندگی ہے۔ جو حافظ قرآن کو حاصل ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ ہے، انبیاء کی زندگی اتنی قوی ہے کہ اس کا اثر اس عالم میں پایا جاتا ہے مثلاً ان کی بیویوں سے نکاح نہ کرنا، ان کے ورثہ کا تقسیم نہ ہونا، ان کے جسم کا قبر میں محفوظ رہنا (ان کی ارواح کا جسم کے ساتھ قائم رہنا) قبر پر جا کر سلام کرنے والے کے سلام کو سننا اور اس کا جواب دینا، شہداء کی زندگی ان سے کم درجہ ہے۔ (کشف الرحمن ص ۱۳۴ کا ضمیمہ، مکتبہ رشیدیہ کراچی) اکابر کی یہ عبارات اپنے مفہوم میں واضح ہیں، ان حضرات نے شہداء کی آیت سے صرف انبیاء علیہم السلام کی حیات ثابت نہیں کی بلکہ موت کے بعد ہر آدمی کی حیات کو بیان کیا ہے، اب یہ کہ شہداء کی حیات صرف روحانی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ جسم وروح دونوں کی حیات ہے، اس وجہ سے کہ آیت میں مقتول کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا ہے اور مقتول کا اطلاق جسم وعضوی پر ہوتا ہے نہ کہ روح پر اس لئے کہ قتل جسم عضوی کو کیا جاتا ہے نہ جسم مثالی کو اور نہ روح کو، بلکہ روح پر تو موت بھی نہیں آتی، اس کا صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہوتا ہے، اس لئے نہ روحانی زندگی آیت کا مصداق ہو سکتی ہے نہ جسم مثالی کی زندگی، بلکہ جسم عضوی کی زندگی ہی مصداق ہے۔

نیز اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو رزق ملتا ہے اور حضرت تھانوی اور مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس رزق سے مراد رزق حسی ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ رزق حسی مراد ہونا ظاہر و متبادر کہتے ہیں۔

(مرقات ج ۳ ص ۴۱۵)

مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمہ اللہ نے بھی حاشیہ مشکوٰۃ میں رزق سے حسی مراد لیا ہے، اور یہ جو فرمایا کہ خوش ہوتے ہیں، یہ ان کا رزق معنوی ہے، اور ظاہر ہے کہ رزق حسی کی ضرورت حسی چیز کو ہے جو کہ جسم ہے اور رزق معنوی کی ضرورت معنوی چیز کو ہے جو کہ روح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے جسموں کو بھی رزق ملتا ہے اور روحوں کو بھی اور جسم کو رزق ملنا جسمانی حیات کی دلیل ہے، تو اس تفصیل کے مطابق ان کی روحانی اور جسمانی دونوں زندگیاں قرآن مجید سے ثابت ہوئیں اور جسم کی زندگی تعلق روح کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لئے روحوں کا ان کے جسموں سے تعلق ثابت ہوا۔

شہداء کی زندگی روح و جسم دونوں کی ہے

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”واختلف فی هذه الحیاة فذهب کثیر من السلف الی انها حقیقة بالروح والجسد ولكن لا ندر کها فی هذه النشأة۔ وذهب البعض الی انها روحانية، ولا یخفی ان هذه الاقوال ماعدا الاولین فی غایة الضعف بل نهاية البطلان والمشهور ترجیح القول الاول“

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۰)

”شہداء کی اس حیات میں اختلاف ہے بہت سے اسلاف کا مذہب یہ ہے کہ یہ حیات حقیقی اور روح و جسم دونوں سے ہے لیکن ہم اس زندگی میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے، اور بعض نے کہا کہ یہ روحانی حیات ہے (بعض نے کہا یہ حیات ابھی نہیں قیامت میں ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ زندگی سے مراد محض اطاعت اختیار کرنے اور ہدایات حاصل ہونے کی زندگی ہے، ایک قول صرف حکماً حیات کا ہے) اور یہ بات ظاہر ہے کہ پہلے دو قولوں کے سوا باقی اقوال ضعیف بلکہ انتہائی باطل ہیں اور مشہور یہ ہے کہ پہلا قول رائج ہے۔“

۲..... مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”(شہداء کی حیات کے متعلق) ایک گروہ نے کہا ہے کہ حیات صرف روحانی ہوتی ہے لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی و روحانی دونوں کو ہوتی ہے۔“

(تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۵۹ طبع تاج کہنی)

اور جب شہداء کی حیات میں رائج یہ ہے کہ روحانی جسمانی دونوں طرح حیات ہے تو یہی بلکہ اس سے زیادہ روحانی و جسمانی زندگی انبیاء علیہم السلام کی ثابت ہوئی۔

۳..... مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جمہور علماء کے نزدیک شہداء کی حیات جسمانی ہے کیونکہ موت اور قتل کا تعلق جسم سے ہے۔“

۴..... امام ابو حیان نحوی مفسر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اختلف الناس فی هذه الحیاة فقال قول معناه بقاء ارواحهم

دون اجسادهم لاننا شاهد فسادها وفناءها وذهب آخرون الی ان الشہید حی الجسد والروح ولا یقدر فی ذالک عدم شعور نابه فنحن نراهم علی صفة الاموات وهم احياء۔ (شرح الصدور ص ۱۷۷، ۱۷۸ بحوالہ تفسیر بحر محیط)۔ ”علماء نے شہداء کی اس حیات میں اختلاف کیا، تو کچھ علماء نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ ان کی روہیں باقی رہتی ہیں جسم نہیں رہتے کیونکہ جسموں کے خراب اور فناء ہونے کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، اور دوسرے حضرات اس طرف گئے ہیں کہ شہید جسم و روح دونوں سے زندہ اور ہمیں شعور نہ ہونا اس کو عیب نہیں لگاتا تو ہم ان (کے جسموں) کو مردوں کی صفت پر دیکھتے ہیں لیکن وہ زندہ ہیں (پھر اسی قول کو دلائل سے ترجیح دی ہے)“

۵..... مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے بحث کرتے ہوئے شہداء کی روحانی جنتی حیات بھی ذکر فرمائی مگر صرف روحانی نہیں فرمائی بلکہ جسم عنصری کی حیات بھی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہاں ہمہ شہید جسمانی طور پر بھی زندہ ہے اسے مردہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ لمن یتکل فی سبیل اللہ کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ قتل و شہید فی سبیل اللہ وجود اور جسم ہے، لہذا شہید کے وجود اور جسم کو بھی مردہ نہیں کہہ سکتے، وہ زندہ ہے ایک تو اگر انا دوسرے جسم کے ساتھ روح کے تعلق ہونے کی وجہ سے، اور روح کا یہ تعلق ہر میت کے ساتھ ہے۔ (حیات الاموات ص ۸۸)

شہداء کی جسم عنصری والی زندگی کے مختلف شواہد

شہداء کے اجسام عنصریہ میں زندگی ہونے کے مختلف شواہد بھی موجود ہیں جن سے روح کے تعلق سے ان کی جسم عنصری کی زندگی کی واضح تائید ہوتی ہے۔

۱..... مروان بن حکم کے عالمانہ ہاتھوں سے عشرہ مبشرہ میں سے شہید ہونے والے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی قبر کے قریب تھی، بالآخر پانی ان کے جسم تک پہنچ گیا تھا تو انہوں نے خواب میں اپنے گھرانہ کے فرد یا اپنے آزاد کردہ غلام کو اپنی تکلیف کی اطلاع کی: الاتریحونی من هذا الماء.. کاندہ یشکو اجسم عنصری الیہ البرد.... حولونی عن قبری فقد آذانی الماء (الاستیعاب ج ۲ ص ۱۰۴) فرمایا مجھے اس پانی سے راحت کیوں نہیں پہنچاتے ہو؟ پانی سے ٹھنڈ پہنچنے کی شکایت کر رہے تھے، فرمایا میری قبر یہاں سے تبدیل کرو مجھے پانی نے تکلیف پہنچا رکھی ہے۔ چنانچہ ان کی قبر کھودی گئی، تو زمین سے ملا ہوا جسم کا حصہ سبز ہو رہا تھا آنکھوں کے درمیان لگائی ہوئی کافور تک تبدیل نہ ہوئی تھی، یہاں غور فرمائیں کہ پانی ان کے جسم کو لگ رہا تھا جس سے ان کو تکلیف ہو رہی تھی، ٹھنڈ لگ رہی تھی تو اگر جسم میں کچھ حس و ادراک نہیں تھا تو تکلیف اور ٹھنڈ محسوس کرنا چہ معنی؟ خوب غور کریں؟

۲..... حضرت عبداللہ بن تامر جس کا واقعہ سورہ بروج میں اصحاب اخدود کے تحت بیان ہوا ان کے متعلق حضرت عبداللہ بن ابوبکر ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں المل نجران میں سے ایک شخص نے نجران کی زمین کی کوئی جگہ کھودی تو وہاں حضرت عبداللہ بن تامر شہید دفن تھے، بیٹھے ہوئے حال میں تھے، اپنا ہاتھ سر میں لگی ہوئی چوٹ پر رکھ رکھا تھا، ہاتھ کے ذریعہ خون بہنے کو روکے ہوئے تھے، جب ان کا ہاتھ ہٹایا جاتا تو خون بہنا شروع ہو جاتا، اور جب ہاتھ چھوڑا جاتا تو ہاتھ اسی جگہ جاتکٹا اور اس کا خون روک دیتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کی گئی تو حکم فرمایا کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۹۵، روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۰۱ مختصراً، تفسیر ابواللیث سرقدنی ج ۳ ص ۴۶۵ طبع مکتبہ رحیمیہ اکوڑہ ملنگ) حضرت عبداللہ بن تامر کا اپنے خون کو روکنے کے لئے زخمی جگہ پر ہاتھ رکھے ہوئے ہونا، ہاتھ دور کرنے سے خون بہنا شروع ہو جانا، ہاتھ چھوڑنے سے دوبارہ ہاتھ کا زخمی جگہ پر خود جا پہنچنا اور خون تھم جانا یہ سب جسم عنصری کی حیات کے بغیر ممکن ہی کیسے ہے؟

۳..... امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ (شہداء احد) کی قبروں کو سیلاب نے کھود لیا تھا، قبریں سیلابی زمین کے متصل تھیں، پھر ان کی قبروں کی جگہ بدلنے کے لئے قبریں کھودیں گئیں فوجد الم یتغیرا کانما ماتا بالامس و کان احدهما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن و هو کذا لک فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کانت (موطأ ص ۴۸۲، ۴۸۳) تو ان دونوں حضرات میں کچھ تبدیلی نہیں آئی تھی ایسے لگتا تھا جیسے کل فوت ہوئے ہوں، ان میں سے ایک زخمی ہوا تھا اور اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا تھا تو اسی حال میں وہ دفن کر دیا گیا تھا تو اس کا ہاتھ اس کے زخم سے دور کیا گیا پھر چھوڑا گیا تو اسی حال پر لوٹ گیا جس حال پر تھا، ان کے دفن اور اس واقعہ کے درمیان چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزرا تھا، ان کا زخم پر ہاتھ رکھا رہنا اور اس سے خون تھما رہنا اور دور کئے جانے کے بعد ہاتھ چھوڑنے پر ہاتھ کا اسی جگہ پر جانا جس پر پہلے تھا، اگر جسم عنصری کی حیات کی واضح دلیل نہیں تو کیا ہے؟

۴..... حضور ﷺ کے صحابی حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، ان کی شہادت کے بعد ایک مسلمان ان کے پاس سے گزرا اس نے ان کے جسم سے عمدہ ذرہ اتاری اور گھر میں ذرہ چھپادی، اس پر چکی رکھ دی، چکی کے اوپر پالان رکھ دیا، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ خواب میں ایک ساتھی کو ملے، بتایا کہ فلاں مسلمان میرے پاس سے گزرا تھا اس نے میری ذرہ چرائی، گھر کی فلاں جگہ فلاں طریقہ سے رکھی ہے، اس سے لے لو، اور اس کو محض خواب سمجھ کر بے پرواہی نہ کرنا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عرض کرنا کہ وہ ذرہ بیچ کر رقم مساکین پر خرچ کر دیں، اور میرے اوپر اتنا قرض ہے اور میرا فلاں فلاں غلام آزاد ہے، چنانچہ وہ ذرہ وصول کی گی، اور قرض ادا کیا گیا اور غلام آزاد کر دیئے گئے۔ (الاستیعاب ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱۔ روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳ و صحیح آل لوسی)

شہید کے جسم سے ذرہ اتارنے والے کو شہید کا جان لینا اور اس کا گھر تک معلوم کر لینا اور بتانا کہ ذرہ کہاں اور کس کیفیت سے رکھی ہوئی ہے؟ (یہ عرض اعمال کے ذریعہ علم ہو سکتا ہے) یہ سب شہید کی جسم عنصری والی حیات اور ادراک و شعور کے بغیر کیسے اور کیوں ہو سکتا ہے؟ باقی مرنے کے بعد کی ہوئی وصیت کا نفاذ صرف ان کی خصوصیت ہے۔ تو ان آیات کریمہ سے ان کی جسم عنصری والی قبر کی زندگی ثابت ہوئی۔

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا مسلک

یہاں شبہ ڈالا جاتا ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تو شہداء کی صرف روحانی زندگی مانتے ہیں جسم عنصری کی زندگی نہیں مانتے چنانچہ فرماتے ہیں: ہر چہ بادیاد بعد موت نہ ارواح شہداء کو ان ابدان کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے نہ ارواح اور مؤمنین کو اتنا فرق ہے کہ بجز انقطاع علاقہ جسد اول یا بعد چندے شہداء کی ارواح کو تو اور ابدان کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے، اور اس حساب سے ان کو حیات روحانی و جسمانی دونوں حاصل ہو جاتی ہیں۔۔۔ بہر حال ابدان دنیا سے دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔ (آب حیات ص ۱۶۸)

جواب: یہ ہے کہ حضرت نانوتوی کی مختلف عبارات سامنے رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس خاص تعلق کی نفی کرتے ہیں جو دنیا میں ارواح کا ابدان سے تھا ورنہ موت کے بعد بھی جسم عنصری سے ایک قسم کا تعلق مانتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں: ”القصد زمین بھی (زندہ شخص کی) آواز کو (میت تک) پہنچاتی ہے مگر بہت کم ادھر بعد مرگ روح کو جسم خاکی سے بہت کم علاقہ رہ گیا۔ الغرض ادھر تو روح کو جسم سے وہ تعلق ضعیف ہو گیا۔ پر بایں ہمہ تعلق بھی موجود ہے تو ضعیف ہے۔“ (جمال قاسمی ص ۱۱)

روح کو ایسے لوگوں کے اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا جو وقت حیات تھا۔

(جمال قاسمی ص ۱۲ طبع مکتبہ صدیقیہ حضرات)

معلوم ہوا کہ وہ اس تعلق کی نفی کرتے ہیں جو وقت حیات تھا اور موت کے بعد دنیا والے تعلق سے ضعیف تعلق روح کا جسم سے مانتے ہیں، اس لئے ان کی عبارت سے یہ مطلب لینا بالکل درست نہیں کہ شہداء اور عام مومنین کی زندگی صرف روحوں کی ہے اور جسم بالکل مردہ ہیں۔

شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہونے کی روایت

اس آیت کی تفسیر میں مکرین (اعمش کی سند سے جس پر جرح کرتے ہیں مگر آنکھیں بند کر کے اس

سے مروی) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کر دیا کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں سوار ہو کر جنت کی سیر کرتی اور وہاں کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے ساتھ لٹکی قندیلوں میں آکر رہائش کرتی ہیں، اور یہ حدیث آیت کی تفسیر کے طور پر وارد ہوئی ہے، لہذا اس حدیث کے مطابق شہداء کی زندگی صرف روحانی ہے جسم عنصری کی زندگی نہیں ہے۔

لیکن یہ غلط فہمی ہے کیونکہ حدیث میں روحوں کا مقام بتایا گیا ہے کہ وہ جنت میں اور عرش کے نیچے کے قندیلوں میں رہتی اور چکر لگاتی ہیں، اس میں یہ بات کہاں سے ثابت ہوئی کہ جسم عنصری مردہ ہے اس میں زندگی نہیں؟ بحث تو اس میں ہے، اور یہ حدیث جمہور کے مسلک کے خلاف تب ہے جب روح کے جسم سے تعلق کی نفی ہو، جب کہ روح دوسری جگہ رہ کر تعلق رکھ سکتی ہے، جیسے نیند کی حالت میں آدمی خواب دیکھتا ہے کہ مثلاً مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ گیا اور خواب الہی سنت کے نزدیک ایک حقیقت ہے اس پر قرآن و سنت نص ہے، (راہ حق میں تفصیل دیکھیں) تو خواب میں مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ روح گئی مگر جسم سے اس طرح لا تعلق نہیں ہوئی کہ جسم مردہ ہو بلکہ تعلق رہا، ایسے ہی شہداء کی یا عام مسلمان مردوں کی روحیں جنت کی سیر کریں عرش کے نیچے رہیں تو بھی جسم مکمل طور پر مردہ نہیں ہوتا بلکہ روح کا اس سے تعلق رہتا ہے اور تعلق رہنے کی ایک دلیل یہی آیت شہداء ہے جو جسم عنصری کی زندگی بتاتی ہے جیسا کہ تفصیل سے ذکر ہو گیا ہے (دوسرے بھی بکثرت دلائل ہیں جو اگلے مضمون میں ذکر ہوں گے ان شاء اللہ البتہ وہ زندگی عالم غیب کی ہے اور عالم غیب کا حال اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ جتنا بتایا ہے اس پر ایمان اللہ و رسول ﷺ پر اور ان کے احکام پر ایمان ہے بندہ جب عالم غیب میں پہنچے گا تب اسے دیکھ لے گا اس سے پہلے بن دیکھے ایمان ضروری ہے اس کے بغیر ایمان نہیں ہو سکتا)

علامہ ابن عبدالبہادی رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے: ”وقول اهل السنة من الفقهاء والمحدثين وغيرهم ان الروح تحس وتدرک وتاكل وتشرب في البرزخ من الجنة کم دلت عليه السنة الصحيحة في ارواح الشهداء خصوصاً والمؤمنين عموماً ومع هذا فلها شان آخر غير شان البدن فانها تكون في الملاء الاعلى فوق السموات وقد تعلق بالبدن تعلقاً يقتضي رد السلام على من سلم وهي في مستقرها مع الرفيق الاعلى وقد مر النبي ﷺ ليلة الاسراء على موسى قائماً يصلي في قبره ثم راه في السماء السادسة ولم تكن صلاة موسى في قبره بموجبة مفارقة روحه للسماء السادسة وحلولها في القبر بل هي في مستقرها ولها تعلق بالبدن قوى حتى حمله على الصلاة واذا كان النائم تقوى نفسه وفعالها في حال النوم حتى تحرك البدن وتقيمه وتؤثر فيه فما الظن بارواح الانبياء وقت ثبت في الصحيح ان ارواح الشهداء في حواصل طير خضر۔ وهذا شانها حتى يعثها الله سبحانه الى اجسادها ومع هذا فاذا زارهم المسلم وسلم عليهم عرفوا به وردوا عليه السلام بل ونسمة المؤمن كذا لك.....“ (الصارم المنکلی ص ۲۱۷)

اہل سنت فقہاء محدثین وغیرہم اس کے قائل ہیں کہ روح محسوس کرتی اور ادراک کرتی ہے اور برزخ میں جنت سے کھاتی پیتی ہے جیسا کہ شہداء کی روحوں سے متعلق خصوصاً اور سب مؤمنین کی روحوں سے متعلق عموماً سنت صحیحہ دلالت کرتی ہے، اس کے ساتھ یہ ہے کہ روح کی شان بدن کی شان کے علاوہ ہے کہ روح طلاء اعلیٰ میں آسمانوں سے اوپر ہوتی ہے جب کہ اس کا بدن سے بھی ایسا تعلق ہوتا ہے جو روح کے رفیق اعلیٰ اپنے مستقر میں رہتے ہوئے سلام

کرنے والے کے سلام کے جواب کا مقتضی ہوتا ہے نبی کریم ﷺ معراج کی رات موکدہ ﷺ کے پاس سے گزرے کہ قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے جب کہ ان کو چھٹے آسمان پر بھی دیکھا ان کی قبر میں نماز اس طرح نہ تھی کہ روح اپنے مستقر سے الگ ہو گئی ہو اور قبر میں حلول کر گئی (داخل ہو گئی) ہو بلکہ اپنے مستقر میں تھی مگر اس کا بدن سے بھی ایسا قوی تعلق تھا جس نے اس کو نماز پر کھڑا کیا اور جب نیند والے کی روح اس کی جان کو قوت دی رہی ہوتی اور نیند میں جان میں کام کر رہی ہوتی ہے حتیٰ کہ بدن کو متحرک کرتی اور کھڑا کرتی اور اس میں اثر ڈالتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی روحوں سے تعلق تیرا کیا گمان ہے؟ اور صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ شہداء کی روحوں میں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہو کر جنت سے کھاتی پیتی اور عرش سے لکھی قدیلوں میں ٹھہرتی ہیں اور قیامت کے دن ان کے جسموں کی طرف روحوں کو بھیجے تک یہی حال ہوگا لیکن اس کے باوجود جب مسلمان ان کی زیارت کرے اور سلام کرے وہ اس کو پہچان لیتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور یہی حال عام مؤمن کی روح کا ہے۔

اوپر حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت بھی ہم لکھ آئے ہیں: ”فان ارواح الشهداء اذا كانت في اجواف طير خضر تسرح في رياض الجنة ثم تعود الى قناديل معلقة تحت العرش مع انه لم يقل احداً... اور احہم غیر متعلقہ باجسامہم لنلا یسمعو اسلام من یسلم علیہم“ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۳۰۰) بے شک شہداء کی روحوں میں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہو کر جنت کے باغات میں چرتی پھر عرش کے نیچے لکھی قدیلوں کی طرف واپس ہوتی ہیں۔ اگر کوئی اس کا قائل نہیں کہ ان کی روحوں کا جسموں سے تعلق نہیں ہے تا کہ سلام کرنے والے کا سلام نہ سنیں۔ تو شہداء کی روحوں جنت میں سیر کرتی اور عرش سے لکھی قدیلوں میں ٹھہرتی بھی ہیں اور جسموں سے تعلق ہو کر جسمِ عنصری کی زندگی بھی ہے تو حدیث نبوی اور آیت مبارکہ اور اہل حق کے عقیدہ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

تیسری آیت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفرلہم الرسول لوجدوا اللہ تواباً رحیماً“ (النساء) اگر ایسا ہوتا کہ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے گناہ کی مغفرت مانگتے اور ان کے لئے رسول اللہ ﷺ بھی گناہ کی بخشش مانگتے تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا پاتے۔“

حضرات اکابرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آج بھی ہے کہ جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے پاس حاضری دینے اور اللہ سے مغفرت مانگنے اور حضور ﷺ سے دعاء مغفرت کی درخواست کرنے پر گناہ کی بخشش کا وعدہ ہوا، ایسے ہی روضہ مبارکہ پر حاضری اور توبہ کرنے اور حضور ﷺ سے دعاء مغفرت کرانے پر بھی اللہ تعالیٰ بخشش فرمائیں گے اور یہ سب حضور ﷺ کی قبر اطہر میں حیات کی دلیل ہے کیوں کہ زندہ ہیں تب ہی درخواست سنیں گے، اور دعا فرمائیں گے، واضح ہوا کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور درخواست سنتے ہیں اور دعاء مغفرت فرماتے ہیں۔ چنانچہ:

..... حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”احتج القائلون بانہا مندوبۃ بقولہ تعالیٰ (ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفرلہم الرسول) الایۃ ووجہ الاستدلال بہا انہ ﷺ حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث ”الانبیاء احیاء فی قبورہم“ وقد صححہ البیہقی والفقہ فی ذالک جزاً قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حی بعد وفاتہ انتہی۔ وقد صح عن ابی ایوب الانصاری رحمہ اللہ انہ قال لمن انکر علیہ وضع وجہہ علی القبر انما جنت رسول اللہ ﷺ ولم

آت اللبن او الحجر کما سیاتی فثبت ان حکم الآیۃ باق بعد وفاته ﷺ فینبغی لمن ظلم نفسه ان یزور قبره ویستغفر الله عند الله فیستغفر له الرسول“ (اطلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۰۴) جو زیارت قبر نبوی ﷺ کو مستحب کہتے ہیں انہوں نے آیت ولو انہم اذ ظلموا انفسہم کو بھی دلیل بنایا ہے، طرز استدلال اس طرح ہے کہ حضور ﷺ وفات کے بعد قبر شریف میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے صحیح کہا اور حیات پر ایک جز لکھا ہے، امام ابو منصور بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہی کہ ہمارے متکلمین محققین قائل ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ وفات کے بعد قبر میں زندہ ہیں، اور حضرت ابوالیوب انصاری رحمہ اللہ سے یہ قول صحیح ثابت ہے کہ قبر نبوی ﷺ پر انہوں نے اپنا چہرہ رکھا تو کسی نے اس پر نکیر کی تو فرمایا میں نے حضور ﷺ (کی قبر پر حاضر ہو کر حضور ﷺ) کی خدمت میں حاضری دی ہوئی ہے اینٹ یا پتھر کے پاس حاضر نہیں ہوں، تو ثابت ہوا کہ آیت کا یہ حکم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ لہذا جس نے اپنے اوپر ظلم کر لیا ہو، (گناہ ہو گیا) اس کو مناسب ہے کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کرے اور آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اللہ سے استغفار کرے (اور آپ ﷺ سے درخواست کرے) تو آپ ﷺ اس کے لئے دعا مغفرت کریں گے۔“

۲..... حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مدظلہ فرماتے ہیں: ”واستدلوا علی انہا مندوبۃ بقولہ تعالیٰ ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول الآیۃ والنبی ﷺ حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احياء فی قبورہم وقد صححہ البیہقی والفقہ فی ذالک جزأ قال ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون ان نبیاً ﷺ حی بعد وفاتہ الخ، واذ ثبت انہ ﷺ حی بعد وفاتہ فالمجنی الیہ بعد وفاتہ کالمجنی الیہ قبلہ“ (ادجز المسالک ج ۲ ص ۲۶۲ طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، الکتر الخوار ج ۶ ص ۵۱۱) زیارت قبر نبوی ﷺ کے قائلین آیت ”ولو انہم اذ ظلموا انفسہم“ سے بھی زیارت مستحب ہونے پر استدلال کرتے ہیں، اور حضور ﷺ قبر شریف میں وفات کے بعد زندہ ہیں جس کو امام بیہقی نے صحیح کہا ہے اور اس بارے میں جز تحریر کیا ہے، ابو منصور بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محققین متکلمین قائل ہیں کہ حضور ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں، اور جب ثابت ہوا کہ وفات کے بعد آپ ﷺ زندہ ہیں تو وفات کے بعد آپ ﷺ کے پاس آنے والا وفات سے پہلے آنے والے کی طرح ہے۔“

۳..... مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ فرماتے ہیں یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ ﷺ اس کے لئے دعاء مغفرت کر دیں، اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۵۹ طبع ادارہ المعارف کراچی)

۴..... علامہ نور الدین سمہودی مدظلہ فرماتے ہیں: ثم یقول یارسول اللہ! ان اللہ تعالیٰ قال فیما انزل علیک ولو انہم اذ ظلموا انفسہم وقد ظلمت نفسی وایتیت بجهلی وغفلی امر اکبیر او قد وفدت علیک زائر او بک مستجیر او جنتک مستغفر امن ذنبی سائلنا منک ان تشفع لی الی ربی وانت شفیع المذنبین الخ! (خلاصۃ الوفا ص ۵۹ طبع مکہ مکرمہ) زیارت کرنے والا جو قبر نبوی ﷺ پر حاضر ہو) کہے کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنی

کتاب میں فرمایا ہے: ”و لو انهم اذ ظلموا انفسهم“ اور میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور جہالت و غفلت سے بڑا گناہ کیا ہے اور آپ ﷺ کی خدمت میں زیارت کو آیا ہوں اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے پناہ چاہتا ہوں اور گناہ کی بخشش کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور درخواست ہے کہ میرے لئے اللہ کے ہاں شفاعت فرمائیں اور آپ ﷺ شفیع المذنبین ہیں۔

۵..... علامہ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وتخصیص قوله تعالى و لو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفر الله واستغفر لهم الرسول لوجود الله توابا رحيما بما قبل الموت تخصیص بدون حجة عن هوى و ترك المطلق على اطلاقه مما اتفق عليه اهل الحق و التقييد لا يكون الا بحجة و لا حجة هنا تفيد الآية بل فقهاء المذاهب حتى الحنابلة على شمول الآية ما بعد الموت و الانبياء احياء في قبورهم (مقالات الکوثری ص ۲۹۲) یعنی آیت مبارکہ و لو انهم اذ ظلموا انفسهم کو وفات سے پہلے کے وقت کے ساتھ خاص کرنا بغیر دلیل اپنی خواہش سے خاص کرنا ہے جب کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھنے پر سب اہل حق متفق ہیں اور مقید کرنا دلیل کے بغیر نہیں ہو سکتا اور یہاں اس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ سب مذاہب کے فقہاء حتی کہ حنبلی حضرات بھی اسی موقف پر ہیں کہ آیت کا حکم وفات کے بعد بھی ہے اور (کیوں نہ ہو جب کہ) انبیاء علیہم السلام اپنی مبارک قبروں میں زندہ ہیں۔“

۶..... قاسم العلوم حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”(حیات النبی ﷺ پر آیات بھی دلیل ہیں) رہی آیتیں سوان میں سے یہ آیت ہے: ”و لو انهم اذ ظلموا انفسهم“ کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ ﷺ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ ﷺ کا وجود تربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ ﷺ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا جب ہی متصور ہے کہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہوں۔“ (آب حیات ص ۴۰)

نیز امام ابو عبد اللہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المستوعب میں (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۹۷) اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے (جوبند جید ان سے منقول ہے، وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۹۴، الشفاء ج ۲ ص ۴۰) اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے (نشر الطیب ص ۲۵۴) اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰) اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے (الاذکار ص ۲۰۹) اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے (الشفاء ج ۲ ص ۴۱) اور علامہ احمد خفاجی مصری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے (لیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸) اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حنفی نے (شرح شفاء ج ۳ ص ۳۹۸) اور علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے (لباب المناسک، تسکین الصدور ص ۳۷۴) اور مولانا عبد القادر فاکھی رحمۃ اللہ علیہ نے (حسن التوسل برہامش خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۴) اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (ماجبت بالنص ص ۶۴) وغیرہم نے اس آیت کا حکم آپ ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت بھی مانا ہے، اس آیت سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ کی قبر میں حیات حق اور قرآن مجید سے ثابت ہے، ذہن میں رہے کہ ہم نے اس سلسلہ میں نقل ہونے والے واقعات کو اپنا اصل متدل نہیں بنایا ہے، اصل متدل ان مفسرین و علماء رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ہے ہاں اس متدل کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے، جو نقل کئے جاتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اگر اس آیت سے اس انداز پر یہ بات ثابت کرتے ہو تو ”فلا وربک لایؤمنون حتی یحکمواک“ کے مطابق جھگڑے اور مقدمات بھی خدمت نبوی میں پیش کر کے فیصلے کراؤ؟

جواب یہ ہے کہ یہ بات درست نہیں کیونکہ فیصلوں کے لئے آپ ﷺ کی شریعت و احکام آج موجود ہیں لیکن آپ ﷺ کی ذات کا قائم مقام کوئی نہیں ہے، اور نصوص اور علماء امت نے بتایا کہ آپ روضہ مبارکہ میں زندہ ہیں اور سنتے ہیں تو جب عرضی آپ کی خدمت میں پیش کی جاسکتی ہے تو گنہگار اس نسخہ خداوندی سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں؟ مزید تفاسیر اٹھالیں کہ مفسرین فرماتے ہیں کہ ”فان تنازعتم فی شئی فردوه الی اللہ“ کا مطلب قرآن مجید کی طرف رجوع اور ”والرسل“ کا مطلب آپ کے تشریف لے جانے کے بعد حدیث شریف کی طرف رجوع کرنا ہے، یہی مطلب آیت فلا وربک لا یؤمنون کا ہوگا۔

چوتھی آیت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”یا ایہا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا له بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون“ (المحجرات) اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو“ (بیان القرآن)

حضرات اکابرین فرماتے ہیں کہ یہ حکم جیسے آپ کی زندگی میں تھا ایسے ہی وفات کے بعد قبر اطہر پر حاضری کے وقت بھی یہی حکم ہے کہ کوئی زیادہ بلند آواز سے بات نہ کرے، اور نہ درود و سلام زیادہ بلند آواز سے پڑھے بلکہ درمیانہ آواز سے پڑھے چنانچہ:

۱..... علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”واستدل العلماء بالآیۃ علی المنع من رفع الصوت عند قبرہ الشریف و عند قراۃ حدیثہ علیہ الصلاۃ والسلام لان حرمتہ میتاً کحرمتہ حیا“ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۳۷)

حضرات علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آپ کی قبر شریف کے پاس بھی آواز اونچی کرنا ایسے ہی آپ کی حدیث پڑھتے وقت بھی آواز اونچی کرنا منع ہے (قبر شریف کے پاس) اس لئے منع ہے کہ وفات کے بعد بھی آپ کا احترام دیا ہے جیسا آپ کی زندگی میں تھا۔“

۲..... حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (معارف القرآن ج ۸ ص ۱۰۱) فرماتے ہیں: ”قاضی ابوبکر بن ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسے ہی واجب ہے جیسے حیات میں تھا اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔“

۴..... علامہ نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فانہ کما قال فی الاحیاء عالم بحضورک و قیامک و زیارتک لہ قال فمثل صورۃ الکریمۃ فی خیالک موضوعا فی اللحد بازانک و احضر عظیم رتبہ فی قلبک انتہی ثم سلم مقتصدا من غیر رفع صوت و لاء اخفاء“ (خلاصۃ الوقاء ص ۵۷) اے زائر! نبی کریم جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۳ طبع نولکھور) میں فرماتے ہیں تیرے حاضر ہونے، قیام اور زیارت کو جان رہے ہیں، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تو آپ کی صورت کریمہ کا خیال باندھ، کہ آپ قبر اطہر میں تیرے سامنے تشریف رکھتے ہیں، اور آپ کا عظیم رجبہ اپنے دل میں لا، پھر درمیانہ آواز سے سلام عرض کر، نہ بلند آواز سے ہو، اور نہ بالکل آہستہ آواز سے۔

۵..... فقہ حنفی کے مستند و معتبر (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۲) میں ہے: ”ویقف کما یقف فی الصلوٰۃ ویمثل صورته الکریمۃ البھیة کانه نانم فی لحدہ عالم به یسمع کلامه کدافی الاختیار شرح المختار“ روضہ مبارکہ پر اس طرح کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے، اور آپ کی نورانی صورت مبارکہ کا اس طرح خیال لائے گویا کہ آپ قبر مبارک میں آرام فرما ہیں اور مجھے جان رہے ہیں میری گفتگوں رہے ہیں، جیسا کہ کتاب اختیار شرح مختار میں ہے۔“

۶..... امام محمد غزالیؒ فرماتے ہیں: ”واعلم انه عالم بحضورک و قیامک و زیارتک و انه یبلغہ سلامک و صلاحک“ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۳ طبع دکنور) یقین کر کہ نبی کریم تیری حاضری اور کھڑے ہونے اور زیارت کرنے کو جان رہے ہیں اور (دور رہتے وقت) آپ تک تیرا صلاۃ و سلام پہنچتا رہا ہے۔“

۷..... علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ”ونقل عن مالک بن انس ان احترام النبی بعد وفاته ایضا کما کان فی حیاته“ (انفناء ج ۲ ص ۴۱ وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۹۷ بسند جید من مالک، بسند صحیح نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸) وفی البیہقی عن انس و صحبه و وافقه الحافظ فی المجلد السادس ان الانبیاء احياء فی قبورهم۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴) ملا علی قاریؒ نے امام مالک بن انسؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ کا احترام وفات کے بعد بھی ویسا ہے جیسا آپ کی زندگی میں تھا (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۹۷) امام بیہقیؒ نے حضرت انسؓ کی حدیث روایت کی ہے اور صحیح قرار دی، اور ابن حجرؒ نے بھی ان کی موافقت کی کہ انبیاءؑ بیہیہ اپنی قبور میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں (اس کے بعد حیات النبی کی تفصیلی بحث کی ہے)

اس بارے میں مولانا عبدالقادر فاکھیؒ کی ایک تفصیلی عبارت عبارت اکابر کے تحت آرہی ہے ان شاء اللہ! روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت اتنی تعظیم اور یہ تصورات اور آہستہ سے سلام عرض کرنا سب حیات النبی کی دلیل ہیں کیونکہ جو وجہ ان آداب کی آپ کی ظاہری زندگی کے وقت کی ہے وہی وجہ روضہ مبارکہ کی حاضری کے وقت کی ہے، اکابر نے فرمایا ہے کہ اس کی وجہ دنیا میں یہ تھی کہ بعض اوقات زور سے بولنا آپ کو ناگوار ہو کر آپ کی بے ادبی اور تکلیف کا باعث ہوتا حضرت تھانوی اور مولانا سعید احمد دہلوی اور مفتی محمد شفیعؒ وغیرہم نے یہی وجہ لکھی ہے۔ (بیان القرآن، کشف الرحمن، معارف القرآن وغیرہ)

تو اللہ تعالیٰ نے ادب سکھلایا کہ آہستہ بولا کرو، ورنہ آپ کی ناگواری کی وجہ سے باعث اذیت ہوگا اور اس بے ادبی پر تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ اور تمہیں آپ کی تکلیف ہونے کا علم نہ ہوگا تو اعمال کے ضیاع کا بھی علم نہ ہوگا۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ بھی صاف فرماتے ہیں: ”آں حضرت حیات ہیں اور ایسی (ادنیٰ) آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذاء کا سبب ہے لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے۔“ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۹۹)

تو اس سے معلوم ہوا کہ اس ادب (آہستہ کے حکم) کی وجہ آپ کی اذیت ہے تو آج زیارت کے وقت بھی زور سے بولنا تب ہی باعث اذیت ہوگا کہ آپ سنیں اور اس کی وجہ سے تکلیف محسوس کریں اور یہ سب تب ہوگا کہ آپ زندہ ہوں اور آواز سنیں، اس لئے تو اس ادب کے ذکر میں حضرت کشمیریؒ نے حیات النبی کو بیان فرمایا تو ان آیات سے آپ کی قبر اطہر میں حیات بھی ثابت ہوتی ہے اور سماع عند القبر بھی ثابت ہوتا ہے۔

باب دوم..... حیات النبی ﷺ اور احادیث نبویہ

اس بارے میں بہت سی احادیث طیبہ وارد ہیں۔

پہلی حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور مطہرہ میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۸۶ رقم ۳۸۱۲ طبع دار الفکر بحوالہ مسند ابی یعلیٰ ج ۳ ص ۲۱۶ حدیث نمبر ۳۴۱۲ و مسند بزار حدیث نمبر ۶۸۸۸ تا شرموع اناج الاسلام، و خلاصۃ الوفاء بحوالہ کامل ابن عدی و حیاۃ الانبیاء للشمعی ص ۹، ۸ طبع ادارة المعارف الاسلامیہ سیالکوٹ، ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء)

.....! امام بیہقی فرماتے ہیں: ”رواہ ابو یعلیٰ و البزار و رجال ابی یعلیٰ ثقات“ اس حدیث کو یعلیٰ اور بزار نے روایت کیا ہے اور ابو یعلیٰ کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۸۶)

.....۲، ۳ علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: ”رواہ ابو یعلیٰ برجال ثقات قد صححہ البیہقی“ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۰۴) اس حدیث کا ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے صحیح کہا ہے۔

.....۴ علامہ سمہودی فرماتے ہیں۔ ”رواہ ابو یعلیٰ برجال ثقات“ (وفاء الوفاء ج ۳ ص ۱۷۹) ابو یعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثقہ راویوں کے طریق سے روایت کی ہے۔

.....۵ علامہ سخاوی فرماتے ہیں: (القول البدیع ص ۱۷۲)

.....۶ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۸ طبع دار الفکر)

.....۷ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں ابو یعلیٰ یثقل ثقات از روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آورده۔ (مدارج النہو ج ۲ ص ۵۷۵) امام ابو یعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثقہ راویوں کے واسطے سے روایت کی ہے۔

.....۸ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا فرماتے ہیں: ”وقد صححہ البیہقی“ اس کو امام بیہقی نے بھی صحیح کہا ہے۔ (ادب السالک ج ۲ ص ۲۶۲، فضائل درود شریف ص ۴۲)

.....۹ حضرت طاعی قاری فرماتے ہیں: ”صح خبر الانبياء احياء في قبورهم“ (مرقات ج ۳ ص ۴۱۵ حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۲۱) یعنی یہ حدیث صحیح ہے۔

.....۱۰ علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں امام بیہقی اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں اس حدیث کی صحت نقل کرتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴) بلکہ صراحۃً فرماتے ہیں: ”وازیں طرف“ الانبياء احياء في قبورهم يصلون ”ثابت شدہ“ (خاتم النبیین ص ۷۴ طبع مجلس تحفظ ختم نبوت) ادھر یہ حدیث کہ ”انبياء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔“ ثابت ہے۔

.....۱۱ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: ”وصح انه قال الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۶۳) یعنی یہ حدیث صحیح ہے، اور (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۸۵ حدیث نمبر ۳۹۸۹ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت طبع ۲۰۰۸ء) میں امام ابو یعلیٰ سے نقل فرما کر حسن کہتے ہیں۔

.....۱۲ علامہ عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں: ”وهو حديث صحيح“ ”یہ صحیح ہے۔“ (فیض القدر شرح الجامع

الصغیر ج ۳ ص ۲۳۷ طبع مکتبہ مصر الجہاد) جس بات کا صحیح ثابت ہونا بارہ آدمی بیان کریں اس کو جھوٹ وہی کہہ سکتا ہے جو جھوٹ کے مرض میں خود مبتلا ہے، اس کے باوجود کئی لوگ اس روایت پر کئی خدشات ظاہر کرتے ہیں۔

پہلا شبہ: ڈاکٹر عثمانی لکھتا ہے کہ ”ابو یعلیٰ کی روایت میں تو مستم بن سعید اور حجاج بن الاسود دونوں ضعیف ہیں“ مستم بن سعید کے متعلق ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ربما وہم یعنی کبھی کبھی وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (تقریب) شعبہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس کو دو حدیثیں بھی یاد ہیں۔ (تہذیب التہذیب) اور حجاج بن اسود ثابت بنانی سے منکر روایت نقل کرتے ہیں یہ لکھ کر ابن حجر اور ذہبی رحمہما نے یہی روایت ثبوت کے طور پر لکھی ہے۔

(لسان المیزان، میزان الاحوال، یہ قریب اور آستانیں ص ۱۳)

مولوی امیر عبد اللہ صاحب لکھتے ہیں: ”اس کا راوی ازرق بن علی وہ شخص ہے جس نے عبد اللہ بن مسعود رحمہ اللہ پر الزام لگایا کہ حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ سورہ قلن اور سورہ ناس کو قرآن نہیں سمجھتے تھے، اور مستم بن سعید کے متعلق ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صدوق ربما وہم“ یہ سچا تو ہے لیکن بہت وہمی ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں یہ شخص بہت زیادہ حق کی مخالفت کرتا ہے۔“

جواب: ہم ترتیب داران راویوں کی حیثیت واضح کرتے ہیں:

..... ۱۔ مستم بن سعید کے متعلق علامہ سخاوی رحمہ اللہ ضعف کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وثقة احمد و ابن حبان“ امام احمد اور ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے۔“ (القول البدیع ص ۱۷۲) اور یہی بات علامہ ابن حجر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۸) ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم نوا جناب مولوی امیر عبد اللہ صاحب نے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے لفظ ”صدوق ربما وہم“ کو جرح سمجھ کر جہالت کا اظہار کیا ہے کم از کم انہیں جرح و تعدیل کے لفظ یاد کرنا چاہئیں۔ یہ لفظ جرح میں نہیں تعدیل میں استعمال ہوتے ہیں، جرح کے الفاظ میں ان کا ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ درجات تعدیل لکھتے ہوئے پانچویں درجہ کے الفاظ میں ”صدوق ہم صدوق لہ اوہام، صدوق یخطئی“ لکھتے ہیں، اس سے اوپر الفاظ تعدیل کا چھٹا درجہ بھی ذکر کرتے ہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث مع اطاء السنن ص ۸۹۷، ۸۹۸) علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے مولانا ظفر احمد رحمہ اللہ کے ذکر کئے ہوئے چھٹے درجہ کو تعدیل کا آخری اور ادنیٰ درجہ قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ ”صدوق ربما وہم“ کا مصداق راوی ادنیٰ درجہ کے ثقہ راوی سے بھی ایک درجہ اوپر کا ثقہ راوی ہے، ڈاکٹر صاحب نے تو ”ربما“ کا ترجمہ ”کبھی کبھی“ سے کیا، اور امیر عبد اللہ صاحب نے اس لفظ کی پوزیشن بڑھانے کے لئے بہت وہمی سے ترجمہ کر دیا، حالانکہ شرح جامی میں ہے کہ لفظ ربم تقلیل کے لئے آتا ہے اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ ما کا فہم تقلیل کے لئے آتی ہے۔ (روح المعانی ج ۱۳) تو اس کا مفہوم یہی ہے کہ کبھی کبھی وہم میں مبتلا ہوتا ہے نہ کہ بہت وہمی ہے، اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”قال ابن المبارک من ذا سلم من الوهم وقال ابن معین لست اعجب ممن يحدث فيخطئ انما اعجب ممن يحدث فيصيب قلت وهذا ايضا مما ينبغي ان يتوقف فيه فاذا جرح الرجل بكونه اخطا في حديث او وهم او تفرد لا يكون ذالك جرحا مستقرا ولا يرد به حديثه“ (لسان المیزان ج ۱ ص ۱۸، ۱۷) حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، وہم سے کون سلامت رہا ہے، امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو حدیث بیان کرتے ہوئے غلطی

کر لے مجھے اس پر تعجب نہیں مجھے تو اس پر تعجب ہوتا ہے جو حدیث بیان کرے اور ٹھیک بیان کرے، میں کہتا ہوں اس بارے میں بھی واقفیت ہونی چاہئے، تو جب کسی پر جرح ہو کہ اس نے حدیث میں خطا کی یا وہم میں مبتلا ہوا یا متفرد ہے تو یہ مضبوط جرح نہیں ہے، اور نہ ایسے کی حدیث رد ہوگی۔“ لہذا علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے الفاظ لے کر جرح کرتے ہوئے مکڑی کے جالے پر بھروسہ کرنے کا مصداق نہ بنیں کہ یہ جرح نہیں ہے کیونکہ خود علامہ ابن حجر امام احمد و ابن حبان رحمہ اللہ سے ثقہ ہونا نقل کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۸)

ڈاکٹر عثمانی نے شعبہ کا جو قول نقل کیا کہ مجھے خیال بھی نہ تھا کہ اس کو دو حدیثیں بھی یاد ہیں، اس کی اصل صورت حال یہ ہے کہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ ہمیں حجاج اعمور نے بیان کیا کہ شعبہ سے کہا گیا کہ مستم بن سعید نے لفظ حدیث میں آپ کی مخالفت کی ہے (آپ کے بیان کئے ہوئے الفاظ کے خلاف الفاظ بیان کئے) تو شعبہ نے کہا کہ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ اس کو دو حدیثیں بھی یاد ہیں، یہ ذکر کر کے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں صحیح مستم کا قول ہی ہے اور شعبہ نے غلطی کی (اپنی غلطی ماننے کے بجائے مستم کے سر پر غلطی ڈال دی) (تہذیب العہد ج ۷ ص ۱۰) مستم کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں ذکر کیا اور فرمایا کہ کبھی دوسرے راویوں کے خلاف روایت کرتا ہے، اسی کو مولوی صاحب نے یوں بنادیا کہ بہت زیادہ حق کی مخالفت کرتا ہے (اور دوسرے راویوں کے خلاف روایت کرنے سے ضعف نہیں آتا)

۲..... حجاج بن اسود بن زیاد بصری رحمہ اللہ کے متعلق علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وفد وثقه احمد و ابن معین“ اس کو امام احمد اور ابن معین رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے۔ (القول البدیع ص ۱۷۲) علامہ ابن حجر رحمہ اللہ امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ ثقہ اور صالح آدمی ہے اور ابو حاتم فرماتے ہیں صالح الحدیث ہے امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (لسان المیزان ج ۲ ص ۱۷۵) باقی امام ذہبی رحمہ اللہ نے میزان میں جو فرمایا کہ مجہول ہے، اور اس منکر روایت کو اس نے روایت کیا ہے، تو اولاً علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ذہبی کی یہ بات نقل کر کے لسان میں اس کو ثقہ ثابت کیا جیسا کہ ابھی حوالہ ذکر ہوا، ثانیاً خود امام ذہبی تلخیص المسند رک (مع المسند رک ج ۵ ص ۲۵۰) میں حجاج بن اسود کے بارے میں فرماتے ہیں ”حجاج ثقہ“ کہ حجاج ثقہ ہے، ممکن ہے کہ میزان میں اس سے ذہول ہو گیا ہو، منکر کا لفظ اس حدیث پر بھی بولا جاتا ہے جس کو کوئی ایک ثقہ راوی روایت کرے، اس لئے لفظ منکر سے حدیث کو ضعیف ثابت نہیں کیا جاسکتا، (جب تک راوی ضعیف نہ ہو) جب کہ اتنے محدثین اس کو صحیح کہہ رہے ہیں اس لئے تو خود لسان المیزان والے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۸) میں اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔

۳..... ازرق بن علی ابوالجہم کے متعلق علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”صدوق یغرب“ سچا راوی ہے غریب حدیث لاتا ہے (تقریب ج ۱ ص ۷۴) اور صدوق یغرب“ جرح کے لفظ نہیں ہیں تعدیل کے لفظ ہیں، اس لئے اس سے اس راوی کی روایت ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا، رہی یہ بات کہ ازرق بن علی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر سورہ فلق اور سورہ ناس کے قرآن مین سے نہ ہونے کا الزام لگایا ہے تو جواب یہ ہے کہ ازرق پر الزام لگانے کا الزام لگانا تب صحیح ہے جب ازرق اکیلا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بات نقل کرنے والا ہو جب کہ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۷۱) ملاحظہ کر لیں یہ بات روایت کرنے والے اور بھی بہت ہیں اس روایت کی ایسی سندیں بھی ہیں جن میں ازرق کا نام و نشان نہیں ہے (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے معوذتین کے انکار کے علماء نے کئی جواب دیئے ہیں ایک یہ

کہ انہوں نے ان سورتوں کو دم سمجھا تھا قرآن مجید کا حصہ نہ سمجھتے تھے کیونکہ آپ کو ان کے ذریعہ دم کرتے دیکھا مگر بعد میں تحقیق ہونے پر اس سے رجوع کر لیا تھا) لہذا یہ جرح غیر معتبر ہے۔

دوسرا شبہ: اس حدیث پر یہ کیا جاتا ہے یہ حدیث آیت قرآنی کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں ”واعبد ربک حتی یأتیک الیقین“ اے میرے پیغمبر! اپنے رب کی عبادت کر موت آنے تک“ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو عبادت کا حکم موت تک ہے اس کے بعد کے لئے حکم نہیں اور نماز عبادت ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے اور جو روایت قرآن مجید کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی؟

جواب: اس آیت اور حدیث میں قطعاً تعارض اور مخالفت نہیں، اولاً اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے آیت کا مفہوم مخالف لے کر آیت کو حدیث کے خلاف کہہ دیا حالانکہ جو حضرات مفہوم مخالف کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی مفہوم مخالف اتنا حجت نہیں ہے کہ اس میں اتنی طاقت ہو کہ حدیث صحیح کو مفہوم مخالف کے خلاف کے خلاف دیکھ کر رد کر دیا جائے اور مفہوم مخالف کا نام قرآن کی نص قطعی رکھ دیا جائے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ مفہوم مخالف سے متعلق فرماتے ہیں: ”شرط الحجة به ان لا يعارضه المنطوق (توجیه القاری الی القواعد والفوائد الاصولیة والحديثیة والاسنادیة فی فتح الباری مع الفتح ج ۱ ص ۲۸) مفہوم مخالف کے حجت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ منطوق نص اس سے معارض نہ ہو۔“

جب کہ ہاں منطوق نص یہی حدیث اور کئی دوسری احادیث صحیحہ جن میں مسلم شریف کی حدیث ہے کہ موکی رحمہ اللہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے یہ نصوص اس مفہوم مخالف کے خلاف ہیں تو یہ کیسے حجت ہے؟ تو یہ آیت کا مفہوم مخالف ہے کہ چونکہ موت تک عبادت کا حکم ہے، لہذا موت کے بعد عبادت کی نفی ہے حالانکہ یہاں مفہوم مخالف حجت نہیں ہے۔

مثال ۱: یہ لوگ ذکر اللہ کو بھی یقیناً عبادت سمجھتے ہوں گے، بلکہ ذکر اللہ ہر عبادت کا مغز ہے تو اگر آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد عبادت نہیں ہے تو موت کے بعد کا زمانہ وہ بھی تو ہے جب یہ موت کا شکار ہو جانے والے قیامت میں اٹھنے کے بعد جنت میں جانے والے ہوں گے، تو جنت میں بھی جا کر ذکر کریں گے تو اگر عبادت موت کے بعد منع ہے تو جنت میں بھی ذکر نہ ہونا چاہئے کیونکہ عبادت کا حکم موت تک ہے۔ حالانکہ قرآن و سنت کی نصوص صریحہ دلالت کرتی ہیں کہ جنت میں ذکر و تسبیح و تحمید وغیرہ ہوگی تو وہ بھی اس آیت کے خلاف ہے تو جو جواب وہاں ہوگا وہی یہاں ہوگا۔

مثال ۲: اس آیت میں امر ہے ”اعبد“ موت تک عبادت کا امر واجب ہے، اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد امر واجب ختم ہو جائے گا یعنی نبی کریم رحمہ اللہ یا دوسرے موت کے بعد عبادت وغیرہ احکام کے مکلف نہیں رہتے لیکن عبادت کر بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ انہیں عبادت کرنے کی اجازت ہوتی ہے یا ممانعت ہو جاتی ہے؟ اس آیت میں اثبات نفی کسی پہلو سے اس کی بحث نہیں، اور احادیث طیبہ سے معلوم ہوا کہ خاص بندوں کو اجازت ہوتی ہے۔

یوسف بن عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص) حضرت ثابت بن اسلم بنانی رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد) حمید طویل سے پوچھا: ”هل بلغک یا ابا عبید ان احدا یصلی فی قبرہ الا الانبیاء؟“ قال لا، قال اللهم ان اذنت لاحد ان یصلی فی قبرہ فاذن لثابت ان یصلی فی قبرہ“ (طیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۶۲، شرح الصدور ص ۱۶۳) اے ابو عبید! کیا آپ تک کوئی ایسی روایت پہنچی ہے کہ انبیاء رحمہم اللہ

کے سوا کسی کو قبر میں نماز کی اجازت ملی ہو؟ فرمایا نہیں پہنچی، تو ثابت بنانی ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ! اگر آپ نے کسی کو قبر میں نماز کی اجازت دی ہو تو ثابت کو بھی قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرماتا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو قبر میں نماز کی اجازت عطا ہونا مشہور و معروف تھا، اور حضرت ثابت بنانی اور ابو حمید تابعی ﷺ اس کا عقیدہ رکھتے تھے، اور کیوں نہ یہ عقیدہ رکھتے جب کہ ان کے استاذ الحدیث ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی یہ روایت نقل کرنے کے ساتھ خود اپنا عقیدہ بھی یہ بیان کرتے تھے: ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ (جزء حیات الانبياء للکلبی ص ۹) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔“

البتہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کو نماز کی اجازت ملنا معلوم نہ تھا، اس لئے ثابت بنانی نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، شبان بن جسر کے والد جسر اور ربیع بن صبیح فرماتے ہیں کہ ہم نے جب ثابت بنانی پر اینٹیں برابر کر لیں تو ایک اینٹ گر گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، میں نے ساتھ والے ساتھی سے کہا کیا تو دیکھ رہا ہے؟ اس نے کہا خاموش، فارغ ہو کر ہم نے ان کی بیٹی سے حال معلوم کیا تو بیٹی نے بتایا کہ پچاس سال تک رات کا قیام کرتے رہے جب سحر کا وقت ہوتا تو دعاء میں کہا کرتے اے اللہ! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی عطا فرماتا، تو اللہ تعالیٰ ایسے نہ تھے کہ ان کی دعا رد فرما دیتے۔ (مذہب الصنۃ ج ۲ ص ۱۳۳ طبع مکتبہ عصریہ بیدت، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۶۲، احوال القوم ص ۷۰، کتاب القبور لابن ابی الدنیر رقم ۱۳۲)

تو جب امتی کو نماز سے اتنا شوق ہے تو نبی کو کتنا شوق ہوگا جب کہ آپ فرماتے ہیں: ”جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ“ (الجامع الصغیر حدیث نمبر ۳۶۶۹، مسند البزار ۶۸۶۹ من انس حدیث انس) ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔“

اور جب امتی کو قبر میں نماز کی اجازت ہے اگرچہ اس پر ثواب نہیں ملتا تو نبی کریم اور انبیاء علیہم السلام کو کیوں اجازت نہیں جب کہ احادیث صحیحہ اجازت ثابت کر رہی ہیں؟

علامہ ابن حجر مبین ایک جگہ تفصیلی بحث میں فرماتے ہیں: ”ان الانبياء افضل من الشهداء والشهداء احياء عن ربهم فكذلك الانبياء فلا يبعد ان يصلوا ويحجوا ويتقربوا الى الله بما استطاعوا مادامت الدنيا“ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۸) ”بے شک انبیاء علیہم السلام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء زندہ اور اپنے رب کے مقرب ہیں تو انبیاء علیہم السلام بھی ایسے ہی زندہ ہیں، تو یہ کوئی بعید بات نہیں کہ نماز پڑھیں اور حج کریں اور دنیا باقی رہنے تک جو کر سکیں اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔“

تو عبادت کی اجازت کی احادیث قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہیں۔ مولانا اور میں کاندھلوی ﷺ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم ﷺ محدثین فرماتے ہیں: ”والدی انقطع فیہا وجوب العمل لا نفس العمل لذۃ“ مرفوع در اں جہاں وجوب است نہ وجود آں (امداد اللغات ج ۴ ص ۵۶۲، التعلیق الصبح ج ۷ ص ۱۴۶ وغیرہ) اس جہاں میں جانے سے عمل کا وجوب ختم ہو گیا ہے خود عمل بطور لذت کرنا ختم نہیں ہوا۔

تیسرا شبہ: ایک شبہ مولانا امیر عبد اللہ صاحب کو پیش آیا وہ یہ ہے کہ کہتے ہیں: ”اس حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء نماز پڑھتے ہیں کیا نماز میں وقفہ کرتے ہیں یا نہیں؟ دلیل سے جواب دینا، نماز پڑھنے کی حالت میں سلام کا

جواب: یہ دیتے ہیں؟ رزق بھی ملتا ہے تمام لذتوں سے متمتع ہوتے ہیں ان تمام چیزوں کے اوقات مقرر ہیں یا ایک وقت سب کام کرتے ہیں؟“

(اعلان حق ص ۵۱)

جواب: اس شبہ پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ عقل کے ہیضہ کی پیداوار ہے، مولوی صاحب فرمائیں کہ یہ ساری تقریر قرآن کی کوئی آیت کا ترجمہ ہے؟ جناب والا! حضور دنیا میں جہاد، وفود سے ملنا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم، ذکر اللہ، نماز، بیان، ازواج مطہرات کے حقوق وغیرہ سارے کام کیسے کرتے تھے؟ جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”کان یدکر اللہ علی کل احسانہ“ (الجامع الصغیر حدیث نمبر ۷۰۲۶) یعنی آپ کے سارے اوقات ذکر اللہ میں صرف ہوتے تھے تو کیا حدیث کا یہ مطلب لیں گے کہ نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے بات کرتے، نہ ازواج کے حقوق ادا کرتے، اور نہ وفود سے بات کرتے، نہ کسی کے سوال کا جواب دیتے تھے، بس ہر وقت زبان پر ذکر ہوتا تھا؟

جناب کا شبہ دیا ہے جیسے غیر مقلدین کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ جو چالیس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے تو بیوی کے پاس کون سے وقت جاتے تھے یا کیا ان پر سے بیوی کے حقوق معاف ہو گئے تھے؟ ایک حدیث کے مطابق جنت میں عمر دنیا کے بقدر آدمی بیوی سے ہم بستر ہوگا اور حور کے صرف دیدار میں چالیس سال لگیں گے (الترغیب والترہیب رقم الحدیث ۵۷۰۲، ۵۷۷۱) تو وہاں بھی یہ شبہ پڑے گا کہ باقی کام کب کرے گا، اللہ تعالیٰ کا دیدار، کھانے پینے کا وقت کیسے نکالے گا، جنت کی دیکھ بھال، خادموں سے خدمت لینے کا وقت، دوستوں کو ملنے، اور انبیاء و اولیاء رضی اللہ عنہم کی زیارت کب کرے گا؟

ایمان کا تقاضہ تو یہ ہے کہ فرمان نبوی سن کر اس پر ایمان لایا جائے چاہے جتنے عقلی شبہات پیش آئیں، پتھر پڑیں ایسی عقل اور اس کی سمجھ پر جو سمجھ نہ آنے پر تردد میں رہے، کیا نصوص کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہے ان شبہوں کی؟ کیا یہ شبہات خبر واحد ضعیف جتنا وزن بھی رکھتے ہیں؟ جب کہ جناب بھی کہتے ہیں کہ عقیدہ کے باب میں خبر واحد صحیح سے بھی کام نہیں چلتا تو ان شبہات کا کتنا وزن ہے؟ گزارش ہے کہ ایسی عقلی باتیں کر کے نصوص کو جھٹلانے کی تعلیم لوگوں کو نہ دیجئے۔ بس حضور رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی سلام پڑھے میں سنوں گا اور میری روح کی توجہ اللہ اس کی طرف کر دیں گے، تو آپ نماز بھی پڑھتے ہیں اور یہ سب کچھ بھی ہوتا ہے، اس سب پر ہمارا ایمان ہے کسی وقت کے ساتھ آپ نے خاص نہیں کیا، ہم بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں خاص وقت جواب دیتے ہیں جیسے آپ نے کسی وقت سے خاص نہیں کیا، مجھے اور جناب کو خاص کرنے کا حق کہاں سے ہے؟

چوتھا شبہ: مولوی امیر عبد اللہ صاحب لکھتے ہیں: ”اس حدیث کو صحاح ستہ میں نقل نہیں کیا گیا صرف چوتھی صدی کے ابو یعلیٰ نے نقل کیا کیا ہے، جس کی کتاب طبقہ ثالثہ سے ہے، اس طبقہ کی احادیث کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے عقیدہ میں عمل میں۔“

(عالمہ نافہ، حجۃ اللہ البالغہ، راہ سنت ص ۱۶۵)

جواب: کہ یہ اس حدیث کی بات ہے جو صرف اسی طبقہ میں ہو اور اس کی تائید قرآن مجید یا صحاح ستہ کی احادیث سے نہ ہوتی ہو جب کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے، اور صحاح ستہ میں سے مسلم شریف کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور ابن ماجہ کی صریح حدیث تائید کرتی ہے ”فسبی اللہ حی یرزق“ اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق دیا جاتا ہے، اور صحاح ستہ کی وہ احادیث بھی تائید کرتی ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے ان شاء اللہ

پھر طبقہ ثالثہ کی احادیث محض طبقہ ثالثہ میں ہونے سے رد کرنے کے قابل نہیں ہوتیں، بلکہ مولانا ابو محمد عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں: ”ان طبقہ (طبقہ ثالثہ والوں) کی احادیث بعض صحیح بعض حسن بعض ضعیف بعض موضوع بنائی ہوئی ہیں۔“ (عقائد اسلام ص ۱۰۳)

معلوم ہوا کہ طبقہ ثالثہ کی سب حدیثیں ضعیف اور من گھڑت نہیں ہوتیں، اس لئے یہ محض وہم اور طبقہ ثالثہ کی کتب احادیث سے الرجی ہے، محققین طبقہ ثالثہ ہو یا رابعہ ان کی جن احادیث کو صحیح کہیں ان سے بلاوجہ خارج کھانے کی ضرورت نہیں ہے اور اس حدیث کو بکثرت محققین نے صحیح کہا ہے۔

دوسری حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا: ”مردت بموسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکئیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبرہ“ (مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، سنن نسائی ج ۳ ص ۲۱۵ رقم ۱۶۱۹، ۱۶۲۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰، ۱۳۸، کتاب الزہد۔ امام احمد ص ۱۱۰، صحیح ابن حبان، الاحسان رقم الحدیث ۴۹، ۵۰۔ مصنف عبد الرزاق ۱۶۲۷، مسند البزار حدیث نمبر ۶۹۹۰) میں معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے (بیت المقدس کے پاس) سرخ ٹیلے کے نزدیک گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔“

یہی روایت حضرت انسؓ ”عن بعض اصحاب النبی“ بھی روایت کرتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۹) اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی مروی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۴۰۳، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۷۶، بحوالہ طبرانی و بزار، و فی سندہ ما ضعف) اور امام محمد بن اسحاقؒ صحیح حضرت حسن بصریؒ سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن اسحاق ص ۳۱۱، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

ظاہر ہے کہ بیت المقدس بھی زمین پر ہے اور اس کے پاس سرخ ٹیلہ بھی زمین پر ہے اور زمین والی قبر میں جسم عنصری ہوتا ہے اور حضورؐ کو بھی قبر میں مدفون جسم عنصری کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام نماز میں مصروف نظر آئے ہیں تو یہ دلیل ہے کہ نبی قبر میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

ایک شبہ: اس حدیث کے اعتبار سے منکرین کچھ اعتراض نہ کر سکے لیکن آخر صحیح حدیث سے کسی طرح جان چھڑانے کی کوشش کی، ڈاکٹر عثمانی اور مولوی امیر عبد اللہ وغیرہ کہنے لگے کہ معراج کی رات آپؐ نے ان کو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بیت المقدس میں بھی دیکھا آسمانوں پر بھی دیکھا قبر میں بھی دیکھا لہذا حقیقت یہ ہے کہ ارواح کی مثالی اشکال آپ کو دکھائی گئیں خود نبی کریمؐ نے فرمایا ”مثل لی النبیون فصلیت بہم“ (بیضاوی) ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام کو مثالی شکل میں دیکھا۔ (اعلان حق ص ۵۲ وغیرہ)

جواب: اس شبہ کی کچھ بھی حقیقت نہیں اولاً اس لئے کہ معراج کی رات آپؐ نے بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی ہے۔ احادیث صحیحہ میں لفظ انبیاء اور نبیون آیا ہے اور اس لفظ کا اطلاق عام طور پر جسم مثالی پر نہیں ہوتا اس لئے جسم مثالی مراد نہیں، چونکہ معراج کا سارا واقعہ خرق عادت ہے اس لئے یہ سب ممکن ہے اور یہی ماننا رائج ہے کہ خلاف عادت حضرات انبیاء علیہم السلام کو اجسام عنصریہ سمیت قبروں سے نکال کر بیت المقدس لایا گیا اور آپؐ نے امام الانبیاء بن کر ان کی امامت کرائی، کیونکہ ان میں یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ (کیونکہ حدیث میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو ”صلی حلفک، کذبی بعثہ اللہ“ آپ کے پیچھے تمام مبعوث نبیوں نے نماز پڑھی ہے ”فاد النبیون اجمعون یصلون معہ“ (تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳)

اور عیسیٰ علیہ السلام جس جسم کے ساتھ آسمان پر تھے اسی جسم کے ساتھ خلاف عادت زمین پر اترے، تو ان کی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی حقیقتہً لائے گئے ہیں اور پھر جس اللہ کے حکم سے آئے اسی اللہ کے حکم سے اپنے اپنے مقام پر چلے گئے۔

(۱) حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی روح و جسم دونوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے حاضر ہونے کو ترجیح دی ہے۔ (مرقاۃ ج ۱۰ ص ۵۷۰، ۵۷۱ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ: ”ظاہر یہی ہے کہ انبیاء کرام کی یہ ملاقات روح اور جسم دونوں کے ساتھ تھی جیسا کہ

(۳) شیخ نور الحق دہلوی نے (تیسیر القاری شرح بخاری ج ۳ ص ۳۱۲) میں لکھا ہے: ”ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرات انبیاء ان ہی ابدانِ دنیویہ کے ساتھ جو ان کی قبروں میں محفوظ اور صحیح سالم ہیں آپ کی ملاقات کے لئے جمع ہوئے ہوں قدرتِ قدیمہ کے لحاظ سے تمام روحانی و جسمانی اور زمینی اور آسمانی اور ہر قسم کا نقل مکانی سب برابر ہیں محض استبعاد عقلی سے احادیثِ نبویہ کو رد کرنا بے عقلی اور بے دینی کی دلیل ہے۔“ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۳۵۳، ۳۵۴)

(۴) مولانا محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ (انبیاء کرام علیہم السلام کی) روح مع الجسد سے ملاقات و گفتگو ہوئی، روح مع الجسد سب نے اقتداء کیا۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱ ص ۵۳۵)

مولوی صاحب نے تفسیر بیضاوی سے جو روایت لکھی ہے کہ میرے لئے انبیاء علیہم السلام مثالی جسموں میں لائے گئے اور میں نے ان کی امامت کرائی، مولوی صاحب نے تو اس کے لئے صرف بیضاوی کا حوالہ دیا ہے، جب کہ تفسیر (جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۹۴) میں بیضاوی و مظہری سے بحوالہ مسند ابویعلیٰ و طبرانی کبیر ذکر کی گئی ہے، جب مولوی صاحب مسند ابویعلیٰ کی صحیح سند والی روایت عقیدے کے باب میں حجت نہیں مانتے تو ان کی مسند ابویعلیٰ و طبرانی کی روایت کیسے حجت ہے جب کہ ان کا اپنا اصول ہے کہ مسند ابویعلیٰ طبقہ ثالثہ میں سے ہے جس کی حدیث قابل قبول نہیں ہوتی تو یہاں کیوں قبول ہے؟ پھر سند کیا ہے؟ معلوم نہیں، نیز بیضاوی کا طبقہ کون سا ہے؟

دوسرا شبہ: دوسرا شبہ مما تہوں کو یہ پیش آیا کہ کہتے ہیں کہ معراج کا سارا واقعہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے اس لئے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں دیکھنا بھی معجزہ ہے۔

جواب: یہ شبہ بھی بے حیثیت ہے کیونکہ قبر کے اوپر سے قبر کے اندر تک نگاہ پہنچنا اور دیکھ لینا تو معجزہ ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا معجزہ نہیں ہے۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے اندر جسمِ عنصری کی حیات کی دلیل ہے۔

تیسری حدیث: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دونوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ تو اس میں مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو، ”فان صلوتکم معروضۃ علی“ کیونکہ تمہارا درود شریف مجھ پر پیش ہوتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر ہمارا درود اس وقت کیسے پیش ہوگا جب آپ (وفات کے بعد) بوسیدہ ہو جائیں گے؟ فرمایا: ”ان الله عز وجل حرم على الارض ان تاكل احساد الانبياء“ (ابن ماجہ ص ۱۱۸، مسند احمد ج ۸، ۸۰۴ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰، سنن نسائی حدیث نمبر ۱۳۶۲، سنن الکبریٰ للبخاری ج ۳ ص ۲۴۸، شعب الایمان ج ۳ ص ۱۱۰، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت، السنن الصغیر ج ۱ ص ۱۸۶ حدیث نمبر ۶۰۷، سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴۵، متدرک ج ۵ ص ۴۵۷، معجم ابن خزیمہ ج ۲ ص ۸۳۸، ۸۳۹، رقم الحدیث ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، طبع الکتب الاسلامی

بیروت۔ صحیح ابن حبان، الاحسان رقم الحدیث ۹۱۰، طبع دار المعرفہ بیروت، المجمع الکبیر حدیث نمبر ۵۸۹ باب الالف)
بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کھانا حرام کر دیا ہے (تو بوسیدہ نہ ہوں گا جسم محفوظ ہوگا اور درود شریف پیش ہوگا)

(۲، ۱) علامہ سمہودی رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: ”آخر جہ ابو داؤد ابن ماجہ و ابن حبان فی صحیحہ و الحاکم و صححہ“
(وفاء الوفاء ج ۳ ص ۱۸۰)

اس کو ابو داؤد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے (مستدرک ج ۱ ص ۳۸۷، ج ۵ ص ۴۵۷) میں ”صحیح علی شرط الشیخین“ کہا ہے۔ (۳) علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام حاکم اس کو صحیح علی شرط البخاری کہتے ہیں اور (۴) امام نووی بھی اسانید صحیحہ کے ساتھ مروی کہتے ہیں۔ (ریاض الصالحین ص ۵۲۹، الاذکار ص ۱۲۸) (۵) حافظ عبد الغنی رحمہ اللہ بھی حسن کہتے ہیں۔ (۶) امام منذری رحمہ اللہ بھی صحیح کہتے ہیں۔ (الترغیب رقم ۱۰۴۵) اور (۷) ابن دحیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح محفوظ ہے عادل راویوں سے روایت کی ہے۔ (القول البدیع ص ۱۶۳) (۸) علامہ محمد بن علی نیموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ص ۲۹۵) (۹) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو اس سند میں غور کرے گا وہ اس کے صحیح ہونے میں شک نہیں کرے گا کیونکہ اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں جن کی روایات ائمہ نے قبول کی ہیں۔ (جلاء الافہام ص ۳۳) (۱۰) علامہ محمد مہدی فاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اسانید صحیحہ سے مروی ہے اور (۱۱) فرماتے ہیں کہ امام ابن خزیمہ اور (۱۲) ابن حبان اور (۱۳) امام دارقطنی رحمہ اللہ بھی صحیح کہتے ہیں۔ (مطالع السیرات ص ۳۲، ۳۳) (۱۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (مدارج النبوة ج ۲ ص ۵۷۶) (۱۵) امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (تفہیم المسند رک مع المسند رک ج ۵ ص ۴۵۷) (۱۶) امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ حسن کہتے ہیں۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۴۹، ۱۵۰ طبع دار الکتب العلمیہ) (۱۷) محقق عبدالرزاق بھی صحیح کہتے ہیں۔ (محقق علی الاذکار ص ۱۲۸) (۱۸) علامہ احمد خفاجی مصری فرماتے ہیں ”صححوہ“ محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (لیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۲) (۱۹) صحیح ابن خزیمہ کے محقق علامہ محمد مصطفیٰ اعظمی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (محقق علی ابن خزیمہ ج ۲ ص ۸۳۸، ۸۳۹) (۲۰) علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ کافی تفصیل سے گفتگو کے آخر میں فرماتے ہیں ”الحديث الذي رواه حسين الجعفي عن ابن جابر عن ابي الاشعث عن اوس حديثا صحيحان رواه كلهم مشهورون بالصدق والامامة والعدالة“ (الصارم المنكح ص ۲۰۰) یعنی یہ صحیح حدیث ہے کہ کیونکہ اس کے سب راوی سچے امانت دار اور ثقہ و عادل ہیں۔ (۲۱) علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے امام حاکم اور ابن حجر اور نووی اور ابن دحیہ رحمہ اللہ سے اس حدیث کی صحت نقل کر کے فرمایا: ”ومن قال انه منكر او غريب لعله خفية به فقد استروح لان الدار قطنی ردھا“ (مرقات ج ۳ ص ۴۱۰) جس نے کہا کہ یہ حدیث مخفی علت کی وجہ سے منکر یا غریب ہے تو اس نے سامان راحت حاصل کر لیا ہے کیونکہ امام دارقطنی نے اس مخفی علت کو رد کیا ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم محفوظ ہیں ان کو مٹی نہیں کھا سکتی، اور معلوم ہوا کہ ہمارا درود و سلام رسول اللہ کی دربار میں پیش کیا جاتا ہے اور یہ پیش ہونا صرف روح پر نہیں بلکہ جسم مبارک پر بھی ہوتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ نے یہ ارشاد فرمایا تو صحابہ جن رضی اللہ عنہم نے جسم پر پیش ہونا ہی سمجھا اس لئے سوال کیا کہ وفات کے بعد

جسم تو بوسیدہ ہو جائے گا پھر تو پیش نہ ہو سکے گا، آپ نے فرمایا نہیں جسم سلامت رہے گا اس لئے جسم پر پیش ہو سکے گا اور ظاہر ہے کہ جسم غصری میں حیات ہو تب ہی اس پر درود شریف پیش ہو سکتا ہے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال اور حضور کے جواب سے ظاہر اور واضح ہے کہ دنیا میں ہوتے ہوئے بھی آپ پر درود روح و جسم کے مجموعہ پر پیش ہوتا تھا، اور اب وفات کے بعد روضہ مبارکہ کے اندر بھی روح کے علاوہ جسم غصری پر بھی درود پیش ہوگا، اور یہ روح کے تعلق کے بغیر نہیں ہو سکتا، تو اسی حدیث سے جسم غصری کے ساتھ روح مبارکہ کا تعلق بھی ثابت ہے۔

درود شریف پہنچنے کا معنی اور ایک شبہ: درود شریف پہنچنا اور پیش ہونا ایک بات ہے یہاں مولوی امیر عبد اللہ اور ڈاکٹر عثمانی کو شبہ پیش آیا ہے کہتے ہیں ”درود شریف کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رحمت خاصہ کی دعا ہے کہ اے اللہ! اپنی شان اور نبی کریم کی شان کے مطابق آپ پر رحم فرما، یہ رحمت خاصہ آپ تک ہر صورت میں پہنچ جاتی ہے۔ (درود شریف کے الفاظ پہنچنا مراد نہیں) اگر الفاظ درود کا پہنچنا ہوتا تو صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مکہ سے پہنچنا۔“ (اعلان حق ص ۲۷، یہ قبریں)

جواب: اگر نبی کریم کی نبوت اور آپ کے پاس وحی آنے کا منکر آپ والا سوال کر دے کہ تم مسلمان کہتے ہو کہ حضور کے پاس وحی آتی تھی تو جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق خبر پہنچی کہ وہ شہید ہو گئے ہیں تو باوجودیکہ خبر غلط تھی آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت کیوں لے لی؟ آپ کے پاس وحی کیوں نہیں آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے؟ جس سے ثابت ہوا کہ آپ کے پاس وحی آنے کا مسلمانوں کا دعویٰ غلط ہے تو آپ ہی کے استدلال جیسے اس سوال کا جو جواب ہوگا وہی جواب آپ کے استدلال کا ہے، دراصل اللہ تعالیٰ نے سارے ذرائع ابلاغ بند کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان لیا اور اسی کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ ہوئی، اور اسی کے نتیجہ میں سورۃ فتح کی آیات نازل ہوئیں، اگر وحی کے ذریعے یا درود شریف پہنچنے کے ذریعے اطلاع کر دی جاتی تو یہ سب کیسے ہوتا؟ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے مقدر ایسا کیا تھا کہ ایسا واقعہ ہو اور بیعت رضوان ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے انعام کا اعلان ہو اور فتح مکہ کی راہیں ہموار ہوں، اس ایک جزئی واقعہ سے جناب والا عقیدہ اور قاعدہ کلیہ کیسے بنا رہے ہو؟

مولوی صاحب نے پہنچنے کا جو معنی بیان کیا کسی ایک بزرگ دیوبند سے بھی پیش نہیں کیا جاسکتا اور اس پر کوئی حدیث متواتر بلکہ خبر واحد بھی نہیں پیش کی، ہم چیلنج کرتے ہیں کہ یہ جناب کا عقیدہ ہے اس کے ثبوت میں صرف اور صرف ایک حدیث متواتر پڑھئے کسی ایک بھی عالم دین کا قول ہرگز حجت نہیں کیونکہ معاملہ عالم غیب کا ہے۔

اور ہم نے یہ روایات ذکر کر دیں کہ دور سے درود شریف پڑھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے درود شریف خدمت نبوی میں پہنچاتے ہیں اور فرشتوں کے درود پہنچانے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہونا نہیں کہتے ورنہ کیا وہ فرشتے اللہ کی رحمت اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں، اور جا کر روضہ مبارکہ پر برسادیتے ہیں اور اس بارے میں حضرات اکابرین کی بے شمار عبارات پیش کی جاسکتی ہیں کہ فرشتے خدمت نبوی میں درود و سلام پہنچاتے ہیں بعض روایات اور عبارات کے مطابق حضور کو پڑھنے والے کا نام تک بتاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عقیدہ اور روایت یہ ہے: ”لیس احد من امة محمد یصلی علی محمد او یسلم علیہ الا بلغه یصلی علیک فلان ویسلم علیک فلان“

(مسند اسحاق بن راہویہ ص ۳۸۷، جزء حیات الانبیاء للکرمی ص ۱۸، والخواجہ لابن مندہ الاصلہ فی ج ۱ ص ۲۰۹، حدیث نمبر ۶۴۳)

نبی کریمؐ کا جوامتی بھی آپ پر درود و سلام پڑھتا ہے آپ تک پہنچاتا جاتا ہے کہ فلاں نے آپ پر درود یا سلام پڑھا۔ اور ایسی روایات کم از کم مولوی صاحب کی پیش کردہ روایات سے بہت درجہ قوی ہیں۔

چوتھی حدیث: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھا کرو کیونکہ وہ دن فرشتوں کی حاضری کا دن ہے اور جو بھی مجھ پر درود شریف پڑھے اس کا درود اس کی (درود سے) فراغت میرے پاس پہنچتا رہتا ہے، میں نے عرض کیا وفات کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: ”ان الله حزم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فنبى الله حى يرزق“ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاءؑ کے جسموں کو کھائے، تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق ملتا ہے، (ابن ماجہ ص ۱۱۸)

اس حدیث کے متعلق (۱) علامہ محمد مہدی فاسیؒ فرماتے ہیں: ”قال الدمیری و رجال اسنادہ کلہم ثقات“ (مطالع السرات ص ۳۲) (۲) کہ علامہ دمیری سے رجالہ ثقات نقل کیا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں پھر اس پر تنقید نہیں کی یعنی تائید کردی کہ واقعی ثقہ راوی ہیں۔ (لیض القدیر ج ۲ ص ۱۱۶) (۳) مولانا بدر عالم میرٹھی فرماتے ہیں کہ صحیح ہے۔ (ترجمان السنہ ج ۳ ص ۲۹۷) (۵) امام منذریؒ فرماتے ہیں اس کی سند عمدہ ہے باسناد جید۔ (الترغیب ج ۱ ص ۴۳۰) (۶) علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں: ”باسناد جید کما قال المنذری“ عمدہ سند سے ہے جیسا کہ منذری نے فرمایا (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۸۰، خلاصۃ الوفاء ص ۴۵) (۷) محقق عبدالرزاق فرماتے ہیں: ”باسناد صحیح“ (محقق علی الاذکار ص ۱۲۸) (۸) امام سیوطی حسن قرار دیتے ہیں۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۸۷) (۹) علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں ”رجالہ ثقات الا انه منقطع“ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر منقطع ہے۔ (القول البدیع ص ۱۶۳) (۱۰) حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ”باسناد جید ولہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفۃ“ ابن ماجہ نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کی مختلف الفاظ سے متعدد سندیں ہیں۔ (مرقات ج ۳ ص ۴۱۵) (۱۱) علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”رجالہ ثقات لکن قال البخاری زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی مرسل“ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ”زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی“ روایت مرسل (یعنی منقطع) ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۶۰۴)

یاد رہے کہ منقطع و مرسل ہونے روایت کی حیثیت پر اثر نہیں پڑتا اول اس لئے کہ علامہ ابن حجرؒ نے عبادہ بن نسی الکندی کے ذکر میں فرمایا کہ اس نے ابو الدرداءؓ سے روایت حاصل کی ہے اور عبادہ سے زید بن ایمن اور سعید بن ابی ہلال نے روایت حاصل کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۵۳۲) تو انقطاع نہ ہوا، اگر بالفرض انقطاع ہو بھی تو منقطع و مرسل روایت کا حکم ایک ہے کہ جمہور ائمہ کے نزدیک حجت ہے۔

ایک شبہ: ایک مؤلف کہتا ہے کہ اس میں راوی سعید بن ابی ہلال کو ابن حزم نے ضعیف کہا ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے؟

جواب: ابن حزم اس جرح میں اکیلے ہیں کوئی محدث ان کا ساتھ نہیں دیتا اور ان کی جرح بھی غیر مفسر ہے، یہ صحاح ستہ کا راوی ہے ابو حاتم ”لاباس بہ“ اور ابن سعد ”ثقة ان شاء اللہ“ اور ساجی سچا کہتے ہیں علی اور ان خزیمہ، دارقطنی، بیہقی، خطیب، ابن عبد البر وغیرہم بھی ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰۶، ۱۰۷ وغیرہ) لہذا ان کی جرح انہی پر لوٹی۔

دوسرا شبہ: اس حدیث کے راوی زید بن ایمن کے بارے میں علامہ ابن عبد الہادیؒ (اور مولوی یونس نعمانی) فرماتے ہیں کہ مجہول ہے۔ (الصارم السنی ص ۳۰۳، تقاریر مناظرہ قلمی)

جواب: ابن حبان نے اس کو ثقات راویوں (کی کتاب) میں ذکر کیا، علامہ ابن حجر وغیرہ حضرات نے اس کے راویوں کو ثقہ کہہ کر زید کے ثقہ ہونے کو ظاہر کیا (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۶۰۴) ابن حجر فرماتے ہیں مقبول راوی ہے۔ (التہذیب ج ۱ ص ۳۲۶) تو زید کی ثقاہت ثابت ہو گئی اور لاعلمی پر علم کو ترجیح ہے اس لئے جو زید کو نہیں جانتے اس کے مقابلہ میں جاننے والے کی بات رائج ہے۔

پانچویں حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: ”ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام“ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۱، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۳، ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۲۸، سنن داری ج ۲ ص ۴۰۹، شعب الایمان حدیث نمبر ۱۵۸۲، الزہد لابن المبارک ص ۴۰۳، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵۹۵، صحیح ابن حبان، الاحسان رقم الحدیث ۹۱۴، مشکوٰۃ حدیث ۹۲۴، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۴۲، طبع دار الکتب العلمیہ، المعجم الکبیر ج ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، باب العین)

”زمین میں چلنے والے اللہ کے ایسے فرشتے بھی جو مجھ تک میری امت کے سلام پہنچاتے ہیں“ اس حدیث کے متعلق (۱) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”اسناد صحیح“ یہ صحیح سند والی ہے۔ (جلاء الالہام ص ۲۲) (۲) امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”رواہ البزار و رجالہ رجال الصحیح“ کہ اس کو بزار نے روایت کیا اور بزاری سند کے روای ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵۹۵) (۳) علامہ سمہودی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحیح سند سے ہے، بخاری کے راوی ہیں۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۶، وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۷۸، ۱۸۰) (۵) علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے بھی صحیح نقل کی ہے۔ (القول البدیع ص ۱۵۹) (۶) علامہ جزری رحمہ اللہ نے اس روایت کو (حسن حصین ص ۲۰۴) میں نقل کیا ہے اور ذکر کیا کہ میں نے وہ روایات ذکر کیں جو صحیح ہیں تو یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ (۷) علامہ احمد خفاجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رواہ احمد و النسائی و البیهقی و الدارمی و ابن حبان و ابو نعیم و الخلعی بسند صحیح“ (لیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۰) اس حدیث کو امام احمد و نسائی و بیہقی و داری و ابن حبان و خلعی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (۸) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ صحیح کہتے ہیں۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۴۲) (۹) علامہ ابن عبدالبہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مختلف طریقوں سے صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ (الصارم ص ۱۹۲) (۱۰) علامہ عبدالروف مناوی رحمہ اللہ نے بھی حاکم (۱۱) و ذہبی و (۱۲) حافظ عراقی رحمہ اللہ سے صحیح ہونا نقل کیا۔ (فیض القدر ج ۲ ص ۶۱۷) (۱۳) ملا علی قاری رحمہ اللہ نے (۱۴) علامہ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس روایت کو امام احمد اور ابو نعیم اور بیہقی نے روایت کیا اور ابن عساکر نے متعدد سندیں ذکر کیں اور بعض سندوں کو حسن بتایا ہے۔ (مرقات ج ۳ ص ۹) اس حدیث سے بھی وہی فوائد حاصل ہوتے ہیں جو حضرت اوس اور ابودرداء رحمہ اللہ کی حدیث سے حاصل ہوئے کہ فرشتوں کا آپ کی خدمت میں درود شریف پیش کرنا آپ کے جسم اطہر پر بھی ہوتا ہے جس سے جسم اطہر کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ **ایک شبہ:** ڈاکٹر عثمانی کہتا ہے کہ ”اس میں زاذان راوی ہے جس کے متعلق تقریب میں ہے کہ اس میں شیعیت ہے، تہذیب التہذیب کے مطابق حکم کہتے ہیں کہ یہ راوی باتیں بہت کرتا ہے، ابن حبان کہتے ہیں بکثرت غلطیاں کرتا تھا، ابواحمد حاکم کہتے ہیں المل علم کے نزدیک مضبوط نہیں۔“ (ایمان خالص ق ۲ ص ۱۵، ۱۷)

جواب: امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ زاذان ایسا ثقہ ہے کہ اس جیسے کے بارے میں پوچھا ہی نہ جائے، ابن عدی فرماتے ہیں کہ جب اس سے ثقہ راوی روایت کر رہا ہو تو اس کی احادیث ”لاباس بہا“ ہیں۔

(تہذیب العہد ج ۲ ص ۵۳۱) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں سچا راوی ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۳۰۷) علامہ ابن قیم فرماتے ہیں ثقہ ہے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات لیتا ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کی روایت لی ہے، حمید بن ہلال کہتے ہیں کہ ایسا ثقہ ہے جس کے بارے میں پوچھا ہی نہ جائے۔ (الروح ص ۶۹) علامہ ابن عبدالبہادی فرماتے ہیں کہ اذان کی روایت امام مسلم نے لی ہے اور یحییٰ بن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ (الصارم ص ۱۹۲) ابن سعد کہتے ہیں ثقہ اور کثیر الحدیث ہے، خطیب کہتے ہیں ثقہ ہے غلی کہتے ہیں کوئی تابعی اور ثقہ ہے۔ (تہذیب العہد ج ۲ ص ۵۳۱) امام ابو نعیم اصفہانی اور ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس کا تذکرہ اولیاء کی فہرست میں کیا ہے اور فرمایا کہ انہوں نے حضرت علی، ابن مسعود، جریر بن عبد اللہ، سلمان فارسی، براء بن عازب وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسند حدیثیں بیان کی ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۲۰ تا ۲۲۷، صفحہ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۶) ابن جوزی نے ابن نمیر سے نقل کیا ہے (زا اذان ایسے مقبول آدمی تھے) کہ ایک دفعہ عرض کیا میرے اللہ میں بھوکا ہوں تو روشن دان سے ان پر روٹی آگری۔

باقی رہا اس کا شیعہ ہونا تو یہ تابعی بزرگ ہیں ان کا شیعہ بمعنی رافضی ہونا مسلم نہیں کیونکہ رافضی حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نہیں بیان کرتا جب کہ یہ ان سے روایت لیتے ہیں ہاں اس معنی میں شیعہ ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھیں تو ایسا شیعہ ہونے سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور باتیں زیادہ کرنا ایسا عیب نہیں کہ روایت میں ضعیف ہو جائیں، اور ابن حبان متعدد ہیں ان کی جرح دوسروں کی تعدیل کے مقابلہ میں حجت نہیں، اور ابواحمد حاکم رحمہ اللہ کا جو قول ہے ”لیس بالمتین عندہم“ تو علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ جرح کے ادنیٰ درجہ کے الفاظ میں سے ہیں، ایسے کی روایت لکھی جائے گی، اور امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے عدالت ختم نہیں ہوتی (قواعد فی علوم الحدیث مع اعلام السنن ج ۱۸، ص ۸۹۷) پھر تعدیل کرنے والے محدثین کے مقابلہ میں ایک محدث کی بات کتنا وزن رکھتی ہے؟

درود شریف کا پہنچنا: فائدہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم پر درود و سلام پڑھنے والے امتیوں کا درود و سلام فرشتے آپ کے پاس پہنچاتے ہیں اور یہ کہ دور سے پڑھا جانے والا درود پہنچایا جاتا ہے، یہ مضمون بکثرت حدیثوں میں آیا ہے۔ (۱) حضرت ابوامامہ (شعب الایمان ”بسن لا باس بہ“ (مطالع السرات ص ۳۲) (۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ (جلاء الانہام ص ۳۷) (۳) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ (ایضاً ص ۳۸) (۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (ایضاً) (۵) علی رضی اللہ عنہ۔ (القول البدیع ص ۱۵۹) (۶) ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ۔ (ایضاً ص ۶۳۴) (۷) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (ایضاً) (۸) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۹) خالد بن معدان رضی اللہ عنہ۔ (ایضاً) اور حضرت اوس و ابوداؤد و ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ابھی ذکر ہو چکیں کہ یہ پہنچنا جسم اطہر پر بھی ہوتا ہے جو جسم غصری کی حیات کا صریح اور واضح ثبوت ہے۔

چھٹی حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے: ”ما من احد یسلم

علی الار د اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام“ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۹، مسند احمد ج ۲ ص ۵۶۷، شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱۷، مسند اسحاق بن راہویہ ص ۲۰۴، رقم ۵۲۰، مسند ابن شیبہ ج ۲۶۹، الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۶)

”جو بھی مجھ پر سلام کرے گا (دور ہو یا نزدیک) اللہ تعالیٰ میری روح (کی توجہ) مجھ پر لوٹا دیں گے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں گا“ یعنی چاہے قبر پر حاضر ہو کر کوئی سلام پڑھے یا دور سے وہ سلام جب مجھ تک پہنچے گا میں سلام کا جواب دوں گا۔“

(۱) علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۷۷) (۲) امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”رواہ احمد و ابو داؤد و الطبرانی و البیہقی باسناد حسن و قال شیخنا رواہ ثقات“ (القول الہدیٰ ص ۱۶۱) امام احمد و ابو داؤد و طبرانی و بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور (۳) ہمارے استاد علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹) (۴) علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وقد صحح اسناد هذا الحديث“ اس کی سند صحیح ہے۔ (جلاء الافہام ص ۱۸) (۵) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”باسناد صحیح“ یہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ (الاذکار ص ۱۲۹، ریاض الصالحین ص ۵۳۰) (۶) محقق علامہ عبدالرزاق المہدی فرماتے ہیں ”باسناد جید“ عمدہ سند ہے۔ (تحقیق علی الاذکار ص ۱۲۹) (۷) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ (شرح الشفاء ج ۳ ص ۴۹۹) اور فرماتے ہیں ”قال ابن حجر و رواہ الطبرانی و ابن عساکر و سندہ حسن بل صححہ النووی فی الاذکار و غیرہ“ (مرقات ج ۳ ص ۱۰) کہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام طبرانی اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (۸) علامہ احمد خفاجی رحمۃ اللہ علیہ اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔ (لیم الریاض ج ۳ ص ۴۹۸) (۹) علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”قال فی الاذکار و الریاض اسنادہ صحیح و قال ابن حجر و رواہ ثقات“ امام نووی نے اذکار اور ریاض الصالحین میں فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے راوی کے ثقہ ہیں۔ (فیض القدر ج ۵ ص ۶۰۶)

شعبہ: ڈاکٹر عثمانی کہتا ہے کہ اس کے راوی یزید بن عبداللہ بن قسیط رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ابن حبان کہتا ہے کہ کبھی کبھی غلطی کرتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”لیس ہناک“ یعنی قوی نہیں، ابن حبان ایک جگہ کہتے ہیں خراب حافظہ کا مالک تھا، امام رازی کہتے ہیں میرے باپ نے کہا قوی نے کہا قوی نہیں ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں قوی نہیں ہے۔ (ایمان خالص ق ۲ ص ۱۹)

جواب: حضرت یزید بن عبداللہ قسیط رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة من الرابعة

مات سنة اثنتين وعشرين وله تسعون سنة“ (تقریب ج ۲ ص ۳۲۷) ثقہ اور چوتھے طبقہ کا راوی ہے۔ ۱۲۲ھ کو نوے سال کی عمر میں وفات پائی، صحاح ستہ کا راوی ہے، اور فرماتے ہیں ”وثقة النسائی“ (لسان المیزان ج ۷ ص ۴۴۲) امام نسائی نے ثقہ کہا ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمر و سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لیتا ہے اور ان سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت روایت کرتی ہے اور امام محمد بن اسحاق فرماتے ہیں یہ فقیہ وثقہ تھے، امام ابن معین نے اس کو صالح فرمایا (میزان الاحوال ج ۴ ص ۴۳۰، ۴۳۱) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جرح و تعدیل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ”محتاج بہ فی الصحاح“ صحاح میں ان سے حجت لی گئی ہے۔ اور فرماتے ہیں شیخ مالک ”ثقة مشہور“ امام مالک کے استاذ اور مشہور ثقہ راوی ہیں۔ (المغنی ج ۲ ص ۵۳۹ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وثقة النسائی و ابن سعد“ نسائی اور ابن سعد نے ان کو ثقہ کہا ہے (اسعاف المہامع الموطا ص ۷۸۰) ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا، ابن عدی فرماتے ہیں محدثین کے ہاں صالح الروایات یعنی درست روایات والا ہے، ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مواقع میں اس کی روایت سے حجت پکڑی ہے اور ثقات میں سے ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۸، ۹) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک غلطی کے موقع پر ”لیس ہناک“ کہہ کر صرف اس موقع پر غلطی کرنے والا کہا نہ کہ ضعیف کہا۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۸) ابن حبان وغیرہ جارحین متشدد ہیں ان کی جرح مردود ہے، اول تو محدثین ذکر

کر رہے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت لی ہے۔ (کیونکہ جب ان کی ولادت ۳۲ھ ہوتی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ ۵۸ھ) میں وفات پاتے ہیں اور دونوں مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہیں تو ملاقات ہونا کیوں ناممکن ہے؟) دوم اگر بالفرض براہ راست نہ سنا ہو تو انقطاع میں حرج نہیں ہم احتاف کے نزدیک منقطع روایت بھی حجت ہوتی ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث) لیکن صحیح یہی ہے کہ منقطع نہیں مندرجہ متصل صحیح حدیث ہے۔

شبیہ: اس روایت پر مشہور عقلی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کے مطابق آپ کو ہر سلام کرنے والے کے سلام کے وقت توجہ کرنا اور جواب دینا باعث تکلیف ہے۔

جواب: یہ آخرت کا معاملہ جس کو دنیا کے معاملات پر قیاس کر کے نہیں سمجھا جاسکتا، علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”وقد اشکل ذالک من جهة اخرى وهو انه يستلزم استغراق الزمان كله في ذالک لاتصال الصلوة والسلام عليه في اقطار الارض ممن لا يحصى كثرة واجيب بان امور الآخرة لا تدرك بالعقل واحوال البرزخ الآخرة“ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹، ۱۳۰) اور دوسرے طریقہ سے بھی اشکال کیا گیا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کا سارا وقت ہی سلام کے جواب دینے میں خرچ ہوتا ہوگا؟ کیونکہ زمین کے بکثرت اطراف سے آپ کو صلاۃ و سلام پہنچتا ہوگا جو گننے و شمار سے باہر ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آخرت کے معاملات عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے ہیں، اور برزخ کے حالات آخرت کے حالات کے مشابہ ہیں۔ (تو وہ بھی عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے بس ایمان لانا ضروری ہے) امام بیضاوی کے الفاظ بھی اسی قسم کے موقع کے ہیں فرماتے ہیں: ”فان قياس ذالک العالم واحواله على مانجده ونشاهده من نقص العقل وضعف البصيرة“ (سورۃ بقرہ آیہ ہم لہما خالدون) اس جہان اور اس کے حالات کو موجود اور مشاہدہ کئے ہوئے حالات پر قیاس کرنا کم عقلی اور ضعف بصیرت کی بات ہے۔“

یہی شبہ مولوی امیر عبد اللہ صاحب کو پیش آیا ہے اور اسی شبہ میں جتلا ہو کر حیات النبیؐ کے منکر ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ ”نماز کی حالت میں سلام کا جواب کیسے دیتے ہیں، رزق بھی ملتا ہے تمام لذتوں سے متمتع ہوتے ہیں، ان تمام چیزوں کے اوقات مقرر ہیں یا بیک وقت سب کام کرتے ہیں؟“

محترم قارئین! یہ مشکلات اس وقت پیش آتی ہیں جب، ہر وقت سننے اور جواب دینے کا قانون تسلیم کیا جائے اور ہر وقت رزق ملنے اور تمام عبادتوں اور لذتوں سے متمتع ہونے کا قانون بنایا جائے، اگر آپ برزخی اعلیٰ زندگی تسلیم کر لیں جب اللہ تعالیٰ چاہے سلام و کلام سنانے کا قانون تسلیم کریں، تو کوئی اشکال نہیں۔ (اعلان حق ص ۵۱) جناب والا! اگر آپ اپنی عقل سے کہہ دیں کہ تو مان یا نہ مان مجھے ان احادیث کے بعد تجھ سے سوچنے کی ضرورت نہیں بس تسلیم ہے، تو سب اشکال ختم ہو جائیں گے نہ کہ آپ کی فرض کی ہوئی کیفیت والی برزخی روحانی زندگی مان لینے سے اشکال ختم ہوں گے، اسی عقل نے ان باتوں کے ماننے سے جناب اور جناب کے ہم خیالوں کو روک رکھا ہے، اس کو کھلا جواب دیجئے، ورنہ جیسے دودھ پیتا بچہ دودھ چھوڑنے سے انکاری ہوتا ہے اس کی طرح اس نے بھی انکار ہی کرتے رہنا ہے۔

ساتویں حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ”من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اعلمته“ (جلاء الافہام ص ۱۸، شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱۸) ”جو آدمی مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے وہ میں سنتا ہوں (یعنی سنوں گا) اور جو دور سے درود پڑھے وہ مجھ کو بتلایا جاتا ہے۔ (یعنی بتلایا جائے گا)“

(۱) علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”قلت وسندہ جید کما افادہ شیخنا“ (القول الہدیٰ ص ۱۶۰) میں کہتا ہوں اس کی سند عمدہ ہے جیسا کہ (۲) ہمارے استاذ (علامہ ابن حجر رحمہ اللہ) نے یہی ظاہر فرمایا (علامہ ابن حجر نے فرمایا ہے۔ ”اخرجه ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید“ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹) کہ ابو الشیخ نے اس کو عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔ (۳) علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”اخرجه ابو الشیخ ابن حیان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید“ (المحرز العین ص ۴۷۷، مرقات ج ۲ ص ۳۲۷ مکتبہ امدادیہ، ج ۳ ص ۱۸ طبع کوئٹہ) ابو الشیخ ابن حیان نے کتاب ثواب الاعمال میں اس کو عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔

شبہات: اس روایت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں راوی محمد بن مروان سدی ہے جو متروک و ضعیف قسم کا راوی ہے، اس کے لئے حوالہ شعب الایمان دیا جاتا ہے، شعب الایمان بیروت سے چھپ چکی ہے اس میں ہم نے یہ دیکھا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”(۱) اخبرنا ابو الحسن بن بشر ان انا ابو جعفر محمد بن عمرو بن البختری ثنا عیسیٰ بن عبداللہ الطیالسی ثنا العلاء بن عمرو الحنفی ثنا ابو عبدالرحمن عن الاعمش (ح) (۲) واخبرنا ابو الحسن بن الفضل القطان انا ابو الحسن احمد بن عثمان الآدمی ثنا محمد بن یونس بن موسیٰ ثنا الصمعی ثنا محمد بن مروان السدی عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ من صلی علی عندقبری وکل بہا ملک یبلغنی وکفی بہا امر دنیاہ وآخرتہ وکنت لہ شہیدا وشفیعاً هذا اللفظ حدیث الاصمعی، وفی رواۃ الحنفی قال عن النبی قال من صلی علی عندقبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته“ (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱۸ رقم الحدیث ۱۵۸۳)

ذرا اچھی طرح غور کریں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ اس حدیث کی دو سندیں اور دو متن ذکر فرما رہے ہیں ایک سند میں ”علاء بن عمرو حنفی ابو عبدالرحمن“ سے اور وہ اعمش سے روایت کرتے ہیں، دوسری سند میں اصمعی محمد بن مروان سے اور وہ اعمش سے روایت کرتے ہیں، امام بیہقی ایک سند دے کر حدیث کا متن یہ ذکر کرتے ہیں ”من صلی علی عندقبری وکل بہا ملک یبلغنی الحدیث“ اور فرماتے ہیں ”هذا اللفظ حدیث الاصمعی“ کہ یہ اصمعی کی حدیث کے الفاظ ہیں، اور دوسری سند کا متن ”من صلی علی عندقبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته“ ذکر کرنے سے پہلے فرماتے ہیں ”وفی رواۃ الحنفی قال عن النبی قال من صلی علی عندقبری الحدیث“ کہ حدیث: ”من صلی علی عندقبری“ کا متن علاء بن عمرو بن حنفی سے مروی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ متن حدیث جس سے شاید مماتی فرقہ کو مفہوم مخالف کی ڈنڈی مار کر تائید ملے کہ قبر کے پاس بھی وہاں مقرر فرشتہ صلاۃ و سلام خدمت نبوی میں پہنچاتا ہے (حضور خود نہیں سنتے) اس کو روایت کرنے والا ان کا مدوح محمد بن مروان سدی ہے، جب کہ اہل سنت کی مؤید روایت کی سند میں محمد بن مروان نہیں بلکہ ابو عبدالرحمن عن الاعمش ہے، اب ابو عبدالرحمن کون ہے؟

امام بیہقی رحمہ اللہ نے جزء حیات الانبیاء (ص ۱۸) میں فرمایا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ ابو عبدالرحمن وہی سدی ہے، علامہ سمہودی نے بھی امام بیہقی کی بات لے کر سدی اور ابو عبدالرحمن ایک بنایا ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۴) مگر کتب اسماء الرجال میں محمد بن مروان کا ذکر ہے لیکن اس کی کنیت ہمارے پاس موجود کتابوں میں ابو عبدالرحمن یا کوئی اور موجود ہی نہیں، جب کہ خود امام بیہقی شعب الایمان ہی میں ایک جگہ سند ابو عبدالرحمن الکوفی ”عن سلیمان الاعمش“ ذکر

کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں ”ابو عبد الرحمن الکوفی مجهول“ (ج ۴ ص ۳۸۰) کہ ابو عبد الرحمن کوفہ کا رہنے والا اور مجهول ہے، تو اس ابو عبد الرحمن کو ابن مردانہ صدی قرار دینا درست ہی نہیں، امام بیہقی بھی محض اندازہ سے کہہ رہے ہیں ان کو بھی اطمینان نہیں ہے، تو یہ مجهول ہے، لیکن اس کی جہالت سے اس روایت پر کوئی بڑا اثر نہیں پڑتا کیونکہ جس روایت پر استدلال کی بنیاد ہے وہ امام ابو الشیخ اصفہانی رحمہ اللہ کی کتاب ثواب الاعمال کی سند ہے جس کو محدثین عمدہ سند قرار دے رہے ہیں، مماتی لوگ محمد بن مردانہ والی سند پر اکابرین کی جرح اور حکم وضع نقل کر کے خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم نے حدیث کو ضعیف یا موضوع ثابت کر دیا لیکن ”غالب دل کے بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے“ سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں، ذرا ابو الشیخ کی سند صحیح پر کسی محدث کا کوئی کلام نقل کریں، ہاں میزان الاعتدال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی ایک سند وہ بھی ہے جس میں صدی ہے، تو اس طرح اس حدیث کی تین سندیں ہو جائیں گی، ایک صحیح سند جو ابو الشیخ کی ہے، اور وہ ضعیف سندیں یعنی صدی اور عبد الرحمن والی، اور یہ دونوں صحیح سند کو مزید قوی کرنے میں معاون اور متابع کا کام دیں گی اور حدیث کی صحت یقینی ہو جائے گی۔

حدیث کا غریب ہونا جرح نہیں، اور بعض راویوں پر جرح کا جواب: بعض حضرات علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کے اس قول پر کہ یہ روایت غریب ہے نازاں ہوتے اور ضعیف کہتے ہیں، لیکن اسکی حیثیت بھی ڈوبنے کو تنکے کے سہارے سے زیادہ نہیں کیونکہ غریب کا معنی ضعیف نہیں، بلکہ اس حدیث کو غریب کہتے ہیں جس کے روایت کرنے میں کوئی راوی اکیلا ہو اور ثقہ راوی ایک ہو تو روایت ضعیف نہیں ہوتی، مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ مقدمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں ”ان الغرابة لا تنافی الصحة ويجوز ان يكون الحديث صحيحا غريبا“ (ص ۶) کہ غرابت صحت کے منافی نہیں، ایسا ہو سکتا ہے کہ صحیح حدیث غریب ہو، علامہ ظفر احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غریب حدیث کا راوی ثقہ ہو تو صحیح ہوتی ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث مع اطلال السنن ۸۸۶۵) حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں ”والغرابة لا تنافی الصحة والحسن“ (جمع الوسائل ج ۱ ص ۳۰۶-ج ۲ ص ۲۳۴) غرابت صحیح اور حسن ہونے کے منافی نہیں ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ڈیرہ کے مہاتموں کی ایک تحریر میں میں نے خود لکھا ہوا دیکھا کہ اس کو ابو الشیخ نے گھڑ لیا کیونکہ ان سے پہلے کسی نے یہ روایت نہیں کی۔ ظالمو! اگر امام ابو الشیخ ابن حیان رحمہ اللہ پر وضع کا الزام لگاتے ہو تو اس کا کوئی ثبوت تو دو کہ ابو الشیخ حدیثیں گھڑنے والے تھے، حالانکہ تذکرۃ الحفاظ میں انکا تذکرہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے بہت اچھے انداز سے کیا، اور ”حافظ اصبہان مسند الزمان“ اور الامام اور ”صاحب المصنفات السائرة“ فرمایا ہے۔ (ج ۳ ص ۱۰۵) کیا انہوں نے یہ حدیث باسند نقل کر کے جرم کیا ہے؟ پھر ایروں غیروں کی ایسی بے ثبوت جرح کو تسلیم کر لیا جائے تو ایسی جرحوں سے کون محدث اور امام و فقیہ محفوظ رہ سکے گا؟

(یاد رہے کہ ابو الشیخ ابن حبان رحمہ اللہ ج کے بعد ب کے ساتھ نہیں بلکہ ابن حبان ج کے بعدی کے ساتھ ہے۔ (الرسالۃ المستلک ص ۳۷ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام اعمش سلیمان بن مہران پر جرح: مولانا امیر عبد اللہ کہتے ہیں کہ اس میں اعمش مدلس اور شیعہ ہے، خود مولانا سرفراز فرماتے ہیں کہ ”ان میں تشیع تھا“ (تسکین الصدوح ص ۱۸۵) حافظ ابن حجر نے اعمش کو تدلیس الترویہ کا مرتکب بتایا جو کہ بدترین تدلیس ہے مدلس راوی کی روایت قبول نہیں ہوتی۔ (اعلان حق ص ۳۸)

جناب! صرف شافعی محدثین کی تحقیق پر اعتماد کر کے تیر نہ چلائیے، احناف سے بھی پوچھا کیجئے کہ یہاں

اصول کیا ہے؟ سنیہ! احناف کہتے ہیں کہ تدلیس سرے سے جرح ہی نہیں، احناف کے سرخیل علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الاصح ان التدلیس ليس بجرح“ (قواعد فی علوم الحدیث مع اطاء السنن ج ۱۸ ص ۸۹۳۲) صحیح یہ ہے کہ تدلیس سرے سے جرح ہی نہیں ہے۔“

علامہ محمد حسن سنہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اما التدلیس فهو غير جرح عند الحنفية“ (تسبیح النظام حاشیہ مسند الامام ص ۶۹) تدلیس احناف کے نزدیک جرح ہی نہیں ہے۔“

جب تدلیس جرح ہی نہ ہوئی تو مدرس راوی کی روایت کیوں قبول قبول نہیں ہوگی؟

اور آپ کہتے ہیں کہ ابن حجر نے ”تدلیس التسویہ“ کا مرتکب بتایا ہے۔ (معلوم نہیں کہاں کا حوالہ ہے؟)

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تو عثمان بن سعید دارمی سے ان کے متعلق تدلیس التسویہ ہونا ذکر کر کے رد کرتے ہیں اور فرماتے

ہیں کہ: ”وسليمان بن مهران الاعمش ذكره الحافظ في طبقات المدلسين في الدرجة الثانية وهم من احتمل الائمة تدليسه و اخر جواله في الصحيح لامامته وقلة تدليسه“ (اطلاء السنن ج ۱۲ ص ۶۰۳۱) ”یعنی امام اعمش سلیمان بن مهران کو علامہ ابن حجر نے مدلسین کے دوسرے درجہ میں ذکر کیا ہے، اور دوسرے درجہ والے وہ ہیں جن کی تدلیس کو ائمہ نے برداشت کیا ہے اور صحیح روایات کے ذیل میں اس کی روایات لی ہیں کیونکہ اعمش امام ہیں اور قلیل التدلیس ہیں۔“

معلوم ہوا کہ ان کی تدلیس معضری نہیں، اور استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ امام اعمش ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس مطلقاً معضری نہیں ہے، دیکھئے (توجیہ النظر ص ۲۵۱، تسکین الصدور ص ۳۳۰) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جن شیوخ سے اعمش نے بکثرت روایت کی ہے جیسے ابراہیم اور ابن ابی وائل اور ابوصالح السمان ان حضرات سے اگر ”عن“ سے بھی روایت کرے تو بھی وہ اتصال پر محمول ہے۔ (کہ ان سے روایت میں تدلیس نہیں کہ بلکہ خود سنا ہے) (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۲۳) اور یہاں ابوصالح السمان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے لہذا روایت متصل ہے، اس میں ہرگز تدلیس نہیں ہے۔

یہ درست ہے کہ استاذنا المکرم مولانا محمد سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ (امام عجل کے بقول) اعمش میں تشیع تھا، مگر اس کی وضاحت دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ کہ امام عجل کے علاوہ اور کسی نے ان پر تشیع کا الزام نہیں لگایا اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کے ہاں مشہور دس قراتوں میں سے ایک قرات کے مسلم امام ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۱۰۸) امام خرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان صاحب سنة“ امام اعمش سنی تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۲۰)

تشیع کیا ہے؟ اور شیعہ راوی کی روایت کا حکم: پھر یہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ تشیع کس کو کہتے ہیں؟ تابعین کا تشیع بمعنی رفض نہیں ہے اور نہ تشیع سے ان کی روایت رد ہے، ان کا تشیع یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سے سمجھتے تھے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علی رضی اللہ عنہ علی عثمان وان علیا کان مصیبا فی حروبه وان مخالفه مخطی مع تقدیم الشیخین وتفضیلہما وربما اعتقد بعضهم ان علیا افضل الخلق بعد رسول الله واذا کان معتقد ذالک ورعادینا صادقا مجتهدا فلا ترد روايته بهذا“ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۲۹ ترجمہ ابان بن تغلب) حقد مین کی اصطلاح میں تشیع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھنا ہے، اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگوں میں درست رائے رکھنے والے اور ان کے مخالفین خطا کرنے والے تھے، جب کہ ایسا شخص حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھتا ہے، کبھی ان میں سے بعض یہ

عقیدہ رکھتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ کے بعد سب سے افضل تھے، جب اس اعتقاد والا پرہیزگار دین دار سچ بولنے والا مجتہد ہو تو اس اعتقاد کی وجہ سے اس کی روایت رد نہیں کی جائے گی۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”التشیع محبة علی و تقدیمہ علی الصحابة فمن قدمہ علی ابی بکر و عمر فهو غال فی التشیع و یطلق علیہ رافضی و الافشعی (قواعد فی علوم الحدیث بحث الارحاء علی نوعین و التشیع علی نوعین)“ ”تشیع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس کو مقدم کرنا ہے، پھر جو ان کو حضرت ابو بکر عمر رضی اللہ عنہما پر بھی مقدم کرے تو تشیع میں غالی ہے، اور اس کو رافضی کہا جاتا ہے، ورنہ شیعہ ہے۔“

امام ذہبی اور ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”البدعة علی ضربین فبدعة صغری کغلو التشیع او کاتشیع بلا غلو ولا تحرف فهذا کثیر فی التابعین واتباعهم مع الدین والورع والصدق فلورد حدیث هؤلاء لذهب جملة من الآثار النبویة وهذه مفسدة بینة“ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵، لسان المیزان ج ۱ ص ۹) ”بدعت دو قسم کی ہے، ایک چھوٹی بدعت ہے جیسے تشیع میں غلو ہونا یا غلو اور تحرف کے بغیر تشیع، تو یہ بدعت دین داری، پرہیز گاری، سچائی کے ساتھ تابعین اور تبع تابعین میں بکثرت ہے تو اگر ان لوگوں کی حدیث رد کی جائے تو بہت سی احادیث نبویہ ختم ہو جائیں گی اور یہ واضح خرابی ہے۔“

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”فالغلو فی التشیع لیس بجرح اذا کان الراوی ثقة“ (تواعد فی علوم الحدیث مع اطاء السنن ص ۹۰۵۸، بحث الغلو فی التشیع) تشیع میں غلو بھی جرح نہیں ہے جب راوی ثقہ ہو۔“

تو امام اعمش بھی اگر بالفرض شیعہ ہو تو بھی اس کی روایت رد نہیں ہو سکتی، یہ تابعی بزرگ ہیں، امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ادرك الاعمش جماعة من الصحابة وعاصرهم ورائ انس بن مالک“ (مقدمة الصفوة ج ۳ ص ۵۶) امام اعمش نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو پایا اور ان کے ہم عصر ہوئے اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے (تو تابعیت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہم پلہ ہوئے) جب کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے استاذ بھی ہیں۔

ابوصالح اور اس پر جرح: مزید امیر عبداللہ کہتے ہیں: ”ابوصالح والکلبی اور محمد بن مردان السدی صغیر متروک الحدیث راوی ہیں نیز اعمش کی ملاقات ابوصالح سے نہیں ہے۔“

جواب: اس کی سند میں نہ کلبی ہے نہ صحیح سند میں سدی صغیر ہے رہا ابوصالح تو ”اعمش عن ابی صالح عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ“ بخاری شریف کی سند اور بخاری کے راوی ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۳۵) تو یہ بخاری شریف کا راوی ابوصالح کون ہے؟ محدثین نے اس کا نام ذکوان زیارت السمان لکھا ہے، اوپر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا حوالہ ذکر ہوا کہ اعمش کے شیوخ میں ابوصالح السمان ہے، خود امام اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”سمعت من ابی صالح الف حدیث“ میں نے ابوصالح ذکوان السمان سے ایک ہزار حدیث سنی ہے۔“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۹) ابوصالح السمان کے متعلق علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کا رہنے والا ثقہ و مثبت راوی ہے کوفہ تیل لے جایا کرتا تھا۔ (اس لئے زیات لقب ہو گیا) تیسرے طبقہ کا راوی ہے، ۱۰۱ھ میں فوت ہوا، صحاح ستہ کا راوی ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۲۸۷) علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”ذکرہ احمد فقال ثقة ثقة من اجل الناس واثقهم“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۹) امام احمد رحمہ اللہ نے ابوصالح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ثقہ ہے، ثقہ ہے، جلیل القدر اور سب سے بڑھ کر ثقہ لوگوں میں سے ہے (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۶۰، ۴۶۱ میں) سب محدثین سے ان کی توثیق نقل ہے)

بعض مماتی لوگ کہتے ہیں کہ یہ ابو صالح ذکوان الزیات نہیں ہے بلکہ ابو صالح مولی التوامہ ہے جس کا نام مہمان ہے، اور وہ متروک الحدیث ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ مماتیوں کی ضد سے زیادہ کچھ قابل وقعت بات نہیں کیونکہ ابو صالح مہمان سے روایت کرنے والا صرف سالم ابو العضر مذکور ہے، اعمش وغیرہ کا کچھ تذکرہ نہیں ملتا (تہذیب) اگر بالفرض (کفرض الحال) یہ مولی التوامہ ہی ہو تو مہمان مولی التوامہ بھی اتنا گیا گزرا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے روایت ضعیف ہو، چہ جائے کہ موضوع ہو، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مولی التوامہ مقبول اور تیسرے درجہ کا راوی ہے امام بخاری نے اس کی روایات لی ہیں۔ (تقریب ج ۲ ص ۲۴۰)

بعض مماتیوں نے کہا کہ یہ ابو صالح مولی ام ہانی ہے جس کا نام بازام یا باذان ہے جس پر کئی محدثین نے جرح کی ہے لیکن امام یحییٰ بن معین اس کو ثقہ کہتے ہیں۔ (میزان ج ۱ ص ۲۹۶) اور قطان کہتے ہیں میں نے اپنے محدثین ساتھیوں میں سے کوئی ایسا نہیں دیکھا جس نے اس کو ترک کر دیا ہو (روایت نہ لیتا ہو) اور محدثین میں سے کسی سے اس میں کلام کرتا نہیں سنا، امام عجل نے بھی اس کو ثقہ کہا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۱۹) لیکن یہ راوی مراد لینا بھی غلط ہے کیونکہ اس کے متعلق امام اعمش فرماتے ہیں ”کننا نأتی مجاہدا فامر علی ابی صالح و عندہ بضعة عشر غلاما مانری ان عندہ شینا“ کہ (جب) ہم حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے پاس آتے تو اس ابو صالح کے پاس سے گزرتے ان کے پاس دس سے اوپر لڑکے ہوتے ہم نہیں سمجھتے تھے کہ اس کے پاس کچھ علم ہے۔ (میزان ج ۱ ص ۲۹۶) تو جب اس ابو صالح کی پوزیشن امام اعمش کی نظروں میں یہ تھی تو وہ اس سے روایت لے کر آگے کیسے نقل کرتے حالانکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ اس کے پاس کچھ علم نہ ہوتا تھا؟ لہذا اس کو مراد لینا ضد اور جہالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ابو معاویہ راوی: نیلوی صاحب نے اس کے راوی ابو معاویہ محمد بن حازم کو بھی مجروح ٹھہرانے کی کوشش کی ہے، کہتے ہیں: ”سید امیر علی مفسر طبع آبادی نے حاشیہ تقریب میں فرمایا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ شاید حضرت امام ذہبی رحمہ اللہ کو ابن خراش کے علاوہ دیگر علماء محدثین کی جرح ثبوت تک نہیں پہنچی، عجل نے کہا ثقہ تو ہے مگر مرجحہ کا عقیدہ رکھتا تھا، ابوداؤد، وابن حبان و ابوزرعمہ وغیرہ نے بھی مرجحہ عقیدہ والا بتایا ہے۔“

امام حاکم نے فرمایا کہ ابو معاویہ ایک غالی شیعہ ہوا ہے۔ (خلاصہ، احسن العوائد ص ۱۱۸، ۱۱۹)

جواب: امام عجل فرماتے ہیں کوفہ کا رہنے والا اور ثقہ ہے، یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں ثقہ راویوں میں سے ہے کبھی تدلیس کر لیتا ہے، ابن خراش کہتے ہیں سچا راوی اور اعمش میں ثقہ ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کر کے فرمایا حافظ اور مضبوط راوی ہے، ابن سعد فرماتے ہیں ثقہ کثیر الحدیث ہے تدلیس بھی کرتا تھا، نسائی فرماتے ہیں اعمش سے روایت میں ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۱۸، ۲۱۹) امام ذہبی اس کو ”الحافظ الثبت“ کہتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۵) امام حاکم کہتے ہیں کہ بخاری مسلم نے اس سے حجت لی ہے جب کہ اس کے بارے میں تشیع میں غلو کی شہرت ہوئی ہے۔ (مختصر میزان ج ۴ ص ۵۷۵) تو ابو معاویہ کے بارے میں کسی بھی محدث نے ضعیف کا ادنیٰ جرح والا کلمہ بھی نہیں کہا نہ جھوٹ یا وضع کی تہمت لگائی، رہا ان کا مرجحہ ہونا تو مرجحہ ہونے کی جرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر بھی ثابت ہے، تو اگر ابو معاویہ کی حدیث ارجاء کی وجہ سے ضعیف ہے تو امام اعظم کی روایت بھی ضعیف ہے والا فلا، (مرجحہ کی ایک قسم مرجحہ اہل سنت بھی ہے) اور رہا ان کا تشیع میں غلو تو ذرا انصاف سے کہئے کہ شیعہ بمعنی رافضی اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھ سکتا ہے جب کہ ان کے بیٹے کا نام معاویہ ہے؟ یہ غالی فی التشیع

اس اعتبار سے ہو سکتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے اور ان کے مخالفین کو خطا پر سمجھتے ہوں گے، اسی نظریہ میں ان کو غلو ہوگا۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی یہ عبارت ذکر ہوگئی ہے: ”فالغلو فی التشیع لیس بجرح اذا کان الراوی ثقة“ (قواعد فی علوم الحدیث بحث الغلو فی التصحیح) تشیع میں غلو بھی جرح نہیں ہے جب راوی ثقہ ہو۔
امام اعمش کے تذکرہ میں بحوالہ امام ذہبی وغیرہ اس کی تفصیل گزر گئی کہ ایسوں کی حدیث ضعیف و مردود نہیں ہے، اور ابو معاویہ کا کبھی تدلیس کرنا بھی حدیث کو ضعیف نہیں بناتا کیوں کہ اول تو احناف کے ہاں تدلیس جرح نہیں، دوم اعمش سے ابو معاویہ نے بکثرت احادیث حاصل کی ہیں تو اعمش اور ابو معاویہ کے درمیان کسی اور راوی کا احتمال نہیں ہے جس کو چھوڑ کر ابو معاویہ نے تدلیس کی ہو، نیز اس حدیث میں ابو معاویہ عن سے روایت نہیں کر رہے ”حدثنا الاعمش“ کہہ رہے ہیں اس لئے بھی تدلیس نہیں ہے۔

عبدالرحمن بن احمد العراج مجہول ہے؟: نیلوی صاحب لکھتے ہیں ”زیر بحث روایت میں حسن بن صباح کے شاگرد کا نام عبدالرحمن بن احمد الاعرج ہے جو کہ صاحب کتاب الثواب ابوالشیخ..... کے استاذ تھے اور ایران کے مشہور شہر اصفہان میں عہدہ قضاء پر فائز تھے۔ ابوالشیخ نے اپنی دوسری کتب طبقات الاصفہانیین ص ۱۳۳ میں..... کہا ہے کہ قاضی عبدالرحمن بن احمد مجہول ہے..... مجہول اس راوی کو کہتے ہیں جس کا صرف ایک شاگرد ہو..... مجہول کی روایت قابل التفات و قابل استدلال نہیں ہوتی، تاہم حضرت محدث دارقطنی اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ اگر مجہول مروی عنہ سے ایک کے بجائے دو عادل محدث روایت نقل کریں تو اس صورت میں اس سے جہالت رفع ہو کر عدالت ثابت ہو جاتی ہے (العلیق الحسن) لیکن جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ صرف دو عادل راویوں کی روایت سے اگرچہ مجہول کی جہالت عین یا جہالت اسی تو زائل ہو جاتی ہے لیکن جہالت وصفی زائل نہیں ہوتی یعنی اس کی عدالت ثابت نہیں ہو سکتی، اس لئے جب تک مروی عنہ کی عدالت عند الجمہور ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کی روایت کو صحیح نہیں کہا جاسکتا..... اب چونکہ عبدالرحمن بن احمد الاعرج کے ایک شاگرد کا نام ابوالشیخ..... ہے..... اور اس کے دوسرے شاگرد کا نام..... قاضی ابو محمد بن احمد بن ابراہیم ہے..... تو اگر..... عبدالرحمن کے دو شاگرد ہونے کی بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس صورت میں دارقطنی اور ابن حبان کے علاوہ جمہور محدثین کے قاعدہ کی رو سے وہ مجہول العدالت تو بہر حال رہے گا..... مجہول اور مستور کی روایت اس طرح مردود اور ناقابل استدلال ہے جس طرح کسی فاسق راوی کی روایت مردود سمجھی جاتی ہے۔“ (خلاصہ، احسن العطاء ص ۱۲۰، ۱۲۱)

نیلوی صاحب کی تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ عبدالرحمن کے دو شاگرد ہیں جس سے اس کا مجہول العین ہونا تو ختم نہ ہوا لیکن عادل ہونا دارقطنی و ابن حبان کے نزدیک تو ثابت ہوا مگر (بحوالہ انہاء السکن) جمہور کے نزدیک عادل ثابت نہ ہوئے، اس بارے میں کچھ تفصیل سمجھیں۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”و مدار جہالة العین و معرفتها عند المحدثین علی الرواة عنه فمن روى عنه واحد فقط فهو مجهول العین عندہم ومن روى عنه عدلان صار معروفاً وارتفعت جہالة عینہ... ثم اعلم ان مجهول العین وهو الذي روى عنه واحد لیس بمردود الروایة عند المحدثین اتفاقاً بل فیہ اختلاف...“ (قواعد فی علوم الحدیث مع اطاء السنن ص ۸۹۶۰) جہالت عین کا مدار محدثین کے نزدیک اس سے

روایت کرنے والوں پر ہے، تو جس سے صرف ایک روایت کرے تو محدثین کے ہاں مجہول العین ہے، اور جس سے دو عادل روایت کریں وہ معروف ہوگا اور اس کی جہالت ختم ہو جائے گی (اس کو مستور کہتے ہیں)..... پھر جان لیں کہ مجہول العین یعنی جس سے صرف ایک روایت کرے محدثین کے نزدیک بالافتاق مردود الروایہ نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کی روایت مطلقاً قبول نہ ہوگی، دوسرا یہ کہ مطلقاً قبول ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیلوی صاحب کا یہ اصول کہ مجہول العین کی روایت بالافتاق مردود ہے غلط ہے بلکہ مجہول کی روایت قبول ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، اور معلوم ہوا کہ عبدالرحمن سے روایت لینے والوں کے دو ہونے سے عبدالرحمن مستور راوی ہے، اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ ”و لعلک علمت . بهذا موافقة كثير من المحدثين لا بي حنيفة في قبول رواية المستور“ شاید اس سے تجھے معلوم ہو گیا ہوگا کہ بہت سے محدثین نے مستور کی روایت قبول کرنے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے، یعنی امام صاحب اور بہت سے محدثین کے نزدیک مستور کی روایت قابل قبول ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقد قال بقبوله بعض الشافعيين ورجح ذلك سليم بن ايوب الفقيه ووافقه ابن الصلاح (الهاثم الحثيف ص ۴۸) بعض شوافع مستور کی روایت کے مقبول ہونے کے قائل ہوئے، اور اسی کو سلیم بن ایوب رازی نے راجح ٹھہرایا اور ابن صلاح نے بھی اسے اتفاق کیا ہے۔“

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ مستور کی روایت کو ایک جماعت محدثین نے (امام ابوحنیفہ، ابن حبان نے حاشیہ) مطلقاً قبول کیا اور جمہور نے رد کیا لیکن تحقیق (قول فیصل) یہ ہے کہ مستور اور اس جیسے کی روایت جس میں (ہر طرح) احتمال ہو نہ مطلقاً قبول ہوگی نہ مطلقاً مردود ہوگی۔ بل ہی موقوفۃ الی استبانۃ حالہ کما جزم بہ امام الحرمین (نہضۃ النظر ص ۸۷) بلکہ وہ راوی کے حال ظاہر ہونے پر موقوف ہوگی جیسا کہ اس کو امام الحرمین نے یقینی بتایا ہے۔

تو جمعیت اشاعت والوں کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث فقیہ کے مقلد ہونے اور ان کو محدث اعظم ماننے کی وجہ سے دوسرے محدثین سے قطع نظر ان سے ثابت تصریح کی پیروی کر کے مستور کی روایت کو قبول کرنا چاہئے نہ کہ رد کرنا چاہئے، اور امام الحرمین اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول فیصل کے مطابق مستور کی روایت بالکلیہ مردود نہیں بلکہ اس میں توقف ہوگا، اگر تحقیق سے قابل قبول نکلی تو مقبول ہوگی، اور اگر تحقیق سے ناقابل قبول ثابت ہوگی تو رد ہوگی، تو جب اس حدیث کے مضمون کو جمعیت اشاعت کی پیدائش سے پہلے کی پوری امت نے قبول کیا، اور خود اس حدیث کی سند کو بہت سے محدثین نے عمدہ قرار دیا، تو خواہ مخواہ اس صحیح حدیث کو من گھڑت اور ضعیف ثابت کرنے کے لئے اور اس کے مضمون کا انکار کرتے ہوئے اپنے اوقات زندگی ضائع نہ کریں۔

نیز اس بحث سے ثابت ہوا کہ نیلوی صاحب کا بلا حوالہ یہ کہنا کہ مستور کی روایت محدثین و فقہاء دونوں کے اصول سے بالافتاق ناقابل قبول ہے (احسن العائد ص ۱۳) یہ ان کی غلط فہمی اور کم علمی ہے کیونکہ خصوصاً فقیہ اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو قبول کرتے ہیں اور کئی محدثین نے ان کی موافقت کی ہے۔

مما تہوں کی چند غلط بیانیوں اور خیانتیں: مزید مولانا امیر عبداللہ کہتے ہیں امام ابن عبدالہادی نے فیصلہ فرما دیا کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ پر گھڑی گئی ہے، امام عقیلی فرماتے ہیں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، امام محمد طاہر بن علی نے اپنی کتاب تذکرۃ الموضوعات میں لکھ کر اسے موضوع یعنی من گھڑت قرار دیا، امام ابن کثیر فرماتے

ہیں یہ حدیث متروک ہے یعنی ناقابلِ عمل ہے صحیح نہیں، علامہ محمد شریف کشمیری نے اس کو ضعیف اور موضوع قرار دیا ہے۔ (مختصر اعلان حق ص ۳۹، ۳۸)

جواب: بددیانتی اور خیانت کرنا بدترین گناہ ہے اور خود کو عالمِ دین کہلانے والے کے لئے زیادہ جرم ہے۔
علامہ ابن عبدالبہادی کا حوالہ: علامہ ابن عبدالبہادی کی آدمی بات مولوی صاحب نے نقل کی ہے پوری بات نقل نہ کرنا کون سی دیانتداری ہے؟ یہ درست ہے کہ ابن عبدالبہادی نے سند پر بحث کی ہے لیکن حدیث کا جو مفہوم ہے کہ آپ عالم قبر کے پاس درود شریف سنتے ہیں جو حیات کی دلیل ہے اس کو سچ مانتے ہیں، فرماتے ہیں: فاما ذاك الحديث وان كان معناه صحيحاً فاسناده لا يحتج به وانما ثبت معناه باحدیث آخر (الصارم المنکھی ص ۱۴۶) اس حدیث کا مفہوم ومعنی اگر صحیح ہے۔ لیکن سند قابلِ احتجاج نہیں جب کہ یہی مفہوم دوسری احادیث سے ثابت ہے۔“

اور فرماتے ہیں: فهذه الاحادیث المعروفة عند اهل العلم التي جاءت من وجوه حسان تصدق بعضها بعضاً وهي متفقة على ان من صلى عليه وسلم من امته فان ذالك يبلغه ويعرض عليه ومعلوم انه اراد بذالك الصلاة والسلام الذي امر الله به سواء صلى عليه وسلم في مسجده او مدينته او مكان آخر فعلم ان ما امر الله به من ذالك فانه يبلغه واما من سلم عليه عند قبره فانه يرد عليه وذاك كالسلام على سائر المؤمنين (الصارم المنکھی ص ۱۴۵) یہ احادیث جو علماء کے نزدیک مشہور ہیں جو بہتر سندوں سے آئی ہیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ متفق ہیں کہ جو امتی بھی آپ ﷺ پر درود شریف پڑھے آپ سلام تک پہنچتا ہے اور پیش کیا جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ اس سے مراد وہی درود و سلام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے چاہے یہ درود آپ ﷺ پر (دور سے) مسجد نبوی میں پڑھا جائے یا مدینہ طیبہ میں یا کسی اور جگہ میں تو معلوم ہوا کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا وہ آپ ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے لیکن آپ سلام کی قبر شریف کے پاس جو سلام عرض کرے آپ ﷺ (سن کر) اس کا جواب بھی دیتے ہیں اور یہ ایسے ہے جیسے سب مسلمانوں پر سلام کی صورت ہے (کہ سب مؤمنین مردے سلام سنتے ہیں)
ابن عبدالبہادی کا وہم: علامہ ابن عبدالبہادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کی سند میں ابو معاویہ کا ذکر کیا ہے جو انتہائی تحش غلطی ہے ابو معاویہ سند میں نہیں ہے محمد بن مروان متفرد ہے۔

(الصارم المنکھی ص ۲۸۳، اعلان حق ص ۳۸)

علامہ سیوطی کا حوالہ: مگر یہ ابن عبدالبہادی رحمہ اللہ کا اپنا وہم ہے کیونکہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ جو ابن عبدالبہادی رحمہ اللہ کے بعد ہوئے ہیں انہوں نے فرمایا: لم وجدت لمحمد بن مروان متابعا على الاعمش الخرجه ابو الشيخ في الثواب حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاوية عن الاعمش به (اللاالی المصنوعة ج ۱ ص ۲۵۹) یعنی پھر میں نے اعمش کی روایت میں سدی کا متابع پایا اور وہ ابو الشیخ کی کتاب الثواب میں ابو معاویہ ہے جو اعمش سے روایت کر رہا ہے۔

تو امام سیوطی رحمہ اللہ نے سدی کا متابع ابو معاویہ کو بتا کر ظاہر کیا کہ روایت میں سدی متفرد نہیں بلکہ دوسری سند ابو معاویہ والی بھی ہے تو ابو معاویہ والی سند وہم نہیں ہے بلکہ یہ ابن عبدالبہادی رحمہ اللہ کا وہم ہے، اور وہم ہر کسی کو ہو سکتا ہے یہ ابن عبدالبہادی کی بے ادبی نہیں ہے،

علامہ محمد طاہر کا حوالہ: اور علامہ محمد طاہر ہندی نے بھی اس حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا،

بلکہ وہ حدیث کے ایک دوسرے متن کے متعلق بحث کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: ”من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا و کل اللہ ملکاً یبلغنی و کفی امر دنیاہ و آخرتہ و کنت لہ شہیداً او شفیعا فیہ السدی الصغیر کذاب لہ شواہد کحدیث ان للہ ملائکتہ سیاحین یبلغونی عن امتی السلام“ (تذکرۃ الموضوعات ص ۹۰) یعنی متن ”من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا و کل اللہ ملکاً یبلغنی“ کی سند میں محمد بن مروان سدی صغیر کذاب ہے لیکن اس حدیث کی شواہد کئی احادیث ہیں جیسے حدیث ”ان للہ ملائکتہ سیاحین یبلغونی عن امتی السلام“ دیکھئے وہ اس حدیث کے دوسرے متن کو ذکر کر کے اس کے شواہد مان کر اس کو حسن ٹھہرا رہے ہیں کیونکہ حدیث شواہد سے حسن بن جاتی ہے، اس دوسرے متن کا مفہوم اگرچہ ہماری بیان کی ہوئی روایت والا ہے مگر ہماری بیان کی ہوئی متدل حدیث پر کلام نہیں ہے پھر اس دوسرے متن کے متعلق بحث کی مگر اس کو بھی موضوع نہیں کہا۔

علامہ ابن جوزی اور امام عقیلی کا حوالہ: ایسے ہی علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی حدیث کا یہی متن ذکر

کیا: من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیا و کل اللہ عز و جل ملکاً یبلغنی و کفی امر دنیاہ و آخرتہ و کنت لہ شہیداً او شفیعا (الموضوعات ج ۱ ص ۳۰۳)

اور اسی متن کے متعلق فرمایا: ”هذا حدیث لا یصح و محمد بن مروان هو السدی.... قال العقیلی الاصل لهذا الحدیث من حدیث الاعمش و لیس بمحفوظ“ (الموضوعات ج ۱ ص ۳۰۳) یہ حدیث صحیح ثابت نہیں ہے، اور محمد بن مروان سے سدی مراد ہے۔ (۳) اسی متن کے متعلق امام عقیلی کہتے ہیں کہ اعمش کی حدیث سے اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ محفوظ نہیں ہے۔ مما تیوں نے ہماری متدل حدیث کے متن کے ساتھ ان اقوال کو جوڑ کر اسکو موضوع ثابت کرنے کی جھوٹی کوشش کی ہے۔

شعب الایمان میں غلطی: یہاں ذہن میں رہے کہ سدی کی سند سے شعب الایمان میں حدیث کا جو

متن ہے: من صلی علی عند قبری و کل بہا ملک یبلغنی و کفی بہا امر دنیاہ و آخرتہ و کنت لہ شہیداً او شفیعا علامہ محمد طاہر ہندی اور ابن جوزی اور سیوطی وغیرہم کے مذکورہ بالا حوالوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس متن میں غلطی ہو گئی ہے (کیونکہ اللالی المصنوعہ وغیرہ میں یہی سند ہے، اور اس میں) صحیح متن یوں ہے: ”من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیا و کل اللہ عز و جل ملکاً یبلغنی و کفی امر دنیاہ و آخرتہ و کنت لہ شہیداً او شفیعا“ (اللالی ج ۱ ص ۲۵۸، الموضوعات ج ۱ ص ۳۰۳ تذکرۃ الموضوعات ص ۹۰)

اس لئے اس غلط متن سے مماتی یہ استدلال نہ کریں کہ قبر مبارک کے پاس بھی فرشتہ مقرر ہے جو آپ ﷺ کو صلاۃ و سلام پہنچاتا ہے اور آپ ﷺ خود نہیں سنتے فافہم۔

امام ابن کثیر کا حوالہ: (۴) امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ہماری متدل حدیث کو متروک نہیں کہا بلکہ

فرماتے ہیں ففی استادہ نظر تفر د بہ محمد بن مروان السدی الصغیر و هو متروک عن الاعمش الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۵) اس کی سند میں محمد بن مروان سدی صغیر ہے اور وہ روایت میں (ان کے علم کے مطابق) اکیلا ہے، اور یہ سدی متروک ہے جو اعمش سے روایت کرتا ہے تو وہ سدی کو متروک کہتے ہیں، اور مولوی صاحب حدیث کو متروک اور ناقابل عمل بتاتے ہیں کیونکہ نہ اپنا دل روضہ مبارکہ پر حاضری چاہتا ہے، اور نہ دوسروں کا وہاں جانا ان کو پسند ہے اس لئے کہتے ہیں یہ حدیث ناقابل عمل ہے یعنی روضہ مبارکہ پر حاضری کا عمل نہیں کرنا چاہئے۔

مولانا محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ کا حوالہ: (۵) اور علامہ محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ تقریر ترمذی میں باقاعدہ حیات النبی ﷺ کو ثابت کرتے تھے اور اس حدیث کو دلائل کی فہرست میں (پانچویں دلیل) لکھواتے تھے وہ ہرگز اس کو موضوع نہیں قرار دیتے تھے، مولانا حنیف جالندھری حفظہ اللہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ان کی تقریر ترمذی آج بھی ملتی ہے دیکھ لیا جائے، اور مولانا حسین علی بھی محمد بن مروان کی سند ضعیف کہتے ہیں، انہیں دوسری سند کا علم ہی نہیں ہوا، اور ہمیں محمد بن مروان کی صفائی دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی سند ہمارا مستدل نہیں۔

ابوالشیخ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: آج کل ایک بات یہ کہی جا رہی ہے کہ تم لوگ حنفی کہلاتے ہو اور ابوالشیخ کی روایت پیش کرتے ہو حالانکہ ابوالشیخ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو ضال مضل کہتا ہے۔ (بحوالہ تاریخ بغداد، اعلان حق طبع دوم) ہم عرض کرتے ہیں کہ (۱) تم حنفی کہلاتے ہو اور امام ابو یعلیٰ حنفی رحمہ اللہ کی روایت سے تم کیوں ناراض ہو؟ (۲) ہم نے تانیب الخطیب پڑھی ہے وہاں سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہ قول امام ابوالشیخ رحمہ اللہ کا نہیں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اس لئے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی اس سے بری ہیں۔ (تانیب الخطیب ص ۱۳۶ مکتبہ امدادیہ) اگر بالفرض انہوں نے امام صاحب پر جرح کی ہو تو امام صاحب کے خلاف امام ابن ابی شیبہ نے مستقل کتاب الرد علی ابی حنیفہ لکھی اور امام دارقطنی نے امام صاحب کو ضعیف کہا۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۳۵) تو کیا ابن ابی شیبہ اور دارقطنی کی سندیں امام صاحب پر جرح کی وجہ سے کمزور ہو جائیں گی؟ کیا محدثین نے یہ اصول لکھا ہے کہ امام صاحب پر جرح سے جارح محدث کی روایت مجروح ہو جاتی ہے؟

راوی الحسن بن صباح یا الحسین بن صباح؟: مولوی امیر عبد اللہ صاحب (اعلان حق طبع دوم ص ۵۱) میں لکھتے ہیں: ”دوسری تحریف (مولانا صفدر نے) یہ کی ہے کہ جلاء الافہام میں راوی تو الحسین بن الصباح ہے اور مولانا نے اس کی جگہ الحسن بن الصباح لکھ دیا ہے؟“

جواب: یہ ہے کہ استاد مکرم رحمہ اللہ سے ہرگز خیانت اور تحریف نہیں ہوئی نہ شعوری طور پر اور نہ غیر شعوری طور پر کیونکہ اگرچہ (جلاء الافہام ص ۱۸ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت) میں راوی الحسین بن الصباح لکھا ہے، لیکن یہ طباعت کی غلطی ہے صحیح الحسن بن الصباح ہے استاذ محترم رحمہ اللہ کے پاس جلاء الافہام کا صحیح نسخہ ہوگا جس میں الحسن ذکر ہوا ہو، چنانچہ اما سیوطی (اللائی المصنوعہ ج ۱ ص ۲۵۹ طبع دارالکتب العلمیہ) میں ابوالشیخ کی سند ذکر کرتے ہوئے ”عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح“ لکھتے ہیں، ایسے ہی مماثلتوں کے شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی نے بھی راوی حسن بن الصباح ذکر کرتے ہوئے روایت کی تحقیق کی کوشش کی ہے، اور حدیث کی مکمل سند ذکر کرتے ہوئے بھی ”عن الحسن بن الصباح“ کی تصریح کی ہے۔ (احسن العطاء مد حصہ شفاء العی ص ۱۱۶ تا ۱۱۹)

آٹھویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لیہبطن

عیسیٰ ابن مریم حکما عدلا امام مقسطا ویسلکن فجاءا حجا او معتمرا ولیاتین قبری حتی یسلم علی ولاردن علیہ“ (متدرک حاکم ج ۳ ص ۱۹۷، رقم ۴۲۱۴) ”عن ابی الطیب محمد بن احمد الحیری ثنا محمد بن عبد الوہاب ثنا یعلیٰ بن عبید ثنا محمد بن اسحاق عن سعید بن ابی سعید المقبری عن عطاء مولیٰ ام حبیبہ قال سمعت ابا ہریرہ، قلت رواۃ ثقات“ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۶۲ بحوالہ ابن عساکر منتخب کنز العمال برمسند احمد ج ۶ ص ۵۵) البتہ ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حاکم عادل و مصنف بادشاہ ہو کر اتریں گے پھر مقام فج سے

احرام باندھ کر حج یا عمرہ کے ارادے سے آئیں گے، اور میری قبر پر ضرور آئیں گے حتیٰ کہ مجھ پر سلام کریں گے میں ان کے سلام کا ضرور جواب دوں گا۔ اس حدیث کے متعلق امام حاکم اور ذہبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ”ہذا حدیث صحیح الاسناد“ یہ حدیث صحیح سند والی ہے، امام جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ بھی صحیح کہتے ہیں۔ (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۴۷۳، رقم ۷۷۴۲) علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہما اللہ بھی فرماتے ہیں ”قال الحاکم صحیح، وقال الذہبی اسنادہ صالح وهو غریب“ امام حاکم نے فرمایا کہ صحیح حدیث ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صالح ہے اور یہ غریب حدیث ہے۔ (فیض القدر ج ۵ ص ۵۱۹)

شعبہ: مولوی امیر عبداللہ صاحب کہتے ہیں اُس میں محمد بن اسحاق راوی ہے جس کے متعلق امام مالک رحمہما اللہ نے فرمایا: ”دجال من الدجاجلہ“ یہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے سلیمان تیمی کہتے ہیں میں اس بات کو ابھی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۲، احسن الکلام ج ۲ ص ۱۷۱ (اعلان حق ص ۳۹)

جواب: یہ درست ہے کہ محمد بن اسحاق پر کئی محدثین نے جرح کی ہے لیکن بہت سے محدثین اس کو ثقہ وغیرہ کے الفاظ تعدیل سے ذکر کرتے ہیں اصح یہ ہے کہ اتنا ضعیف راوی نہیں ہے جتنا سمجھا جاتا ہے جس میزان کا مولوی صاحب نے حوالہ دیا ہے اسی میزان کا مصنف رحمہما اللہ تلخیص المستدرک میں محمد بن اسحاق موجود ہونے کے باوجود اس کو صحیح سند والی کہہ رہا ہے، اور اسی میں ہے کہ امام ذہبی رحمہما اللہ اس جرح کو رد کرتے ہیں۔ (ج ۲ ص ۴۷۱) اور کہتے ہیں کہ میری تحقیق میں یہ ظاہر ہوا کہ محمد بن اسحاق حسن الحدیث ہے۔ (ج ۳ ص ۴۷۵) امام علی بن مدینی رحمہما اللہ امام مالک اور ہشام کی جرح کو بے وقعت ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہیب اور قطان نے بھی جرح میں ہشام اور امام مالک کی تقلید کر لی (تو وہ جرح بھی مردود ہے) اور سلیمان تیمی اہل جرح و تعدیل میں سے نہیں ہے۔ (ج ۳ ص ۴۷۵، تہذیب ج ۶ ص ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸) ابن حبان نے بھی فرمایا کہ ہشام کا قول ابن اسحاق کو مجروح نہیں کرتا اور امام مالک نے صرف ایک دفعہ جرح کر دی پھر اس سے رجوع کر لیا اور وہ بھی حدیث کی وجہ سے طعن نہیں کرتے تھے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۳۸) ایسے ہی علامہ عبدالحی اس جرح کو ناقابل قبول قرار دیتے ہیں۔ (الرفع والتکمیل ص ۲۹) امام ابن عبدالبر رحمہما اللہ کو معاصرین کی ایک دوسرے پر جرح ٹھہرا کر ناقابل قبول کہتے ہیں اور امام احمد اور عبداللہ بن زیاد بن سمعان رحمہما اللہ سے بھی یہی نقل کرتے ہیں کہ یہ مقبول جرح نہیں ”لا یقبل قول بعضهم فی بعض“ اور فرماتے ہیں: ”فکان صدوقا حافظا اثنی علیہ ابن شہاب و وثقہ شعبۃ و الثوری و ابن عیینہ و جماعة جلۃ“ (جامع بیان العلم ص ۳۹۱) محمد بن اسحاق سچا اور حافظ (حدیث محفوظ کرنے والا) تھا ابن شہاب نے اس کی تعریف کی ہے اور شعبہ و ثوری و ابن عیینہ اور جلیل القدر جماعت نے اس کو ثقہ کہا ہے۔“

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں میں ستر سال سے محمد بن اسحاق کا ہم مجلس ہوا ”مارئیت احدا“ (من اهل المدینہ) ”یتهم ابن اسحاق“ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو ابن اسحاق کو متہم کرتا ہو۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۳۴) امام شعبہ کہتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہے۔ یزید بن ہارون فرماتے ہیں اگر میری بادشاہی ہوتی تو میں محمد بن اسحاق کو محدثین پر امیر مقرر کرتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۰) ابو زرہ دمشقی فرماتے ہیں ”قد اجمع الکبراء من اهل العلم علی الاخذ عنه“ اکابرین علماء کا محمد بن اسحاق سے حدیث لینے پر اجماع ہے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۳۵) علامہ ابن قیم رحمہما اللہ فرماتے ہیں ”ابن اسحاق ثقة لم یجرح بما یوجب ترک الاحتجاج به وقد وثقہ کبار

الائمة واثنوا عليه بالحفظ والعدالة الذين همار كنا الرواية“ (جلاء الافهام ص ۶ حدیث ابی مسعود) محمد بن اسحاق ثقہ ہے، اس پر ایسی جرح نہیں ہوئی جو اس سے حجت نہ لینے کو لازم کرے جب کہ بڑے بڑے ائمہ نے اس کو ثقہ کہا اور حفظ و عدالت کے ساتھ تعریف کی اور روایت کے یہی دور کن ہیں، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: ”احتجوا فی عدة من الاحكام“ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۵۶) محمد بن اسحاق کی سند سے فقہاء نے متعدد احکام میں حجت لی ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں میں نے محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں ایسی کوئی نہیں پائی جس پر ضعف کا قطعی حکم لگ سکے ہاں کبھی خطاء یا وہم میں مبتلا ہو جاتے تھے جیسے دوسرے مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس میں جرح نہیں۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۳۷) علامہ عینی فرماتے ہیں محمد بن اسحاق مدنی تابعی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے بخاری میں بخاری نے اس سے استشہاد کا ی اور کتاب القراءۃ خلف الامام میں اس سے روایت لی اور مسلم نے متابعات میں اس کی روایت لی، اور سنن اربعہ والوں نے کی اس کی حدیث سے حجت لی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۹۷، ۹۸)

(۱) ابن نمیر فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق جب ان معروف حضرات سے حدیث بیان کرے جن سے سنی ہے (اور سعید المقبری بھی انہی میں سے ہیں) تو محمد بن اسحاق حسن الحدیث ہے سچا ہے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۳۵) (۲) امام ذہبی میزان ج ۳ ص ۷۵ (۳) میں اور (۳) امام احمد (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۰) اور (۴) امام بیہقی بن معین اور (۵) ابن البرقی سب محدثین کے حوالہ سے اور (۶) محمد بن یحییٰ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۳۲ تا ۱۳۸) اور (۷) علامہ عبدالرؤف مناوی (شرح شمائل ج ۱ ص ۱۲۹) (۸) اور منذری (ترغیب ج ۴ ص ۹۰۹) اور (۹) ملا علی قاری (شرح الشفاء مع نسیم الریاض ج ۱ ص ۱۵۲) اور (۱۰) علامہ احمد شہاب الدین الخفاجی مصری (نسیم الریاض ج ۱ ص ۱۵۲) اور (۱۱) علامہ ظفر احمد عثمانی (اعلاء السنن ج ۲ ص ۵۸۴) اور (۱۲) مولانا ادیس کاندھلوی رحمہ اللہ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۱ ص ۹۷) (۱۳) الشیخ ابراہیم بجوری (مواہب لدنیہ ص ۶۴) وغیرہم رحمہم اللہ ابن اسحاق کو حسن حدیث والا اور کئی حضرات اس کی حدیث کو حسن سے اوپر کہتے ہیں لہذا حدیث کے حسن ہونے میں کوئی قابل وقعت شبہ نہیں ہے۔

نویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق فرمایا: ”ثم لنن قال علی قبری فقال یا محمد لا جبینہ“ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۸۷ رقم ۳۸۱۳) ”او قال الہیثمی رواہ ابو یعلی“ (ج ۵ ص ۴۹۷ رقم ۶۵۵۳) ”ورجالہ (احمد بن عیسیٰ حدثنا ابن وہب عن ابی صخر ان سعید المقبری اخبرہ انه سمع ابا ہریرۃ رضی اللہ عنہ و کلہم) رجال الصحیح ولم يضعفہ المحقق عبد اللہ محمد درویش“ وہ اگر میری قبر پر کھڑے ہو کر یا محمد! کہیں گے تو میں ضرور جواب دوں گا۔“

فائدہ: امت کو حکم ہے کہ نبی کریم کو یا محمد! کہہ کر خطاب نہ کریں لیکن حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو کبھی یا محمد سے خطاب فرماتے تھے۔ (حدیث جبرائیل) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یا محمد کہہ سکنا اس حدیث سے ثابت ہوا تو یہ حضرات اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے، یہ اس طرح ہے جیسے حضور کا امت کو حکم یہ ہے کہ کافروں کے ساتھ لڑائی سے پہلے ان کو پیغام بھیجو کہ اسلام لائیں یا جزیہ ادا کریں یا پھر لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں، تو قتال سے پہلے صلح اور جزیہ ادا کرنے کی بات امت کے لئے ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ اور صلح کی صورت ختم کر دیں گے کہ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا: ”ویضع الجزیۃ“ وہ جزیہ ختم کریں گے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۹۸) ان کا ایسا کرنا شریعت کے خلاف نہ ہوگا بلکہ اسی حدیث سے ثابت ہوا کہ ان کے لئے یہی حکم ہوگا، ایسے ہی ان کو یا محمد کہنے کی اجازت اس

حدیث سے ثابت ہوئی البتہ امت یہ نہ کہا کرے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی کی ہو مقصود محض نبی کریم ﷺ سے ان کا کلام کرنا اور آپ کا سن کر جواب دینا ہے۔

دسویں حدیث: حضرت مالک الدار اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ”اصاب الناس قحط فی زمن عمر فجاء رجل الى قبر رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله استسق لامتك فانهم قد هلكوا، قال فاتاه رسول الله ﷺ في المنام وقال انت عمر فمره يستسقى للناس فانهم سيسقون وقل له عليك الكيس الكيس الحديث“ (الرياض النضر ج ۱، ص ۲۰۳ بحوالہ فضائل الصحابة للبخاری وابی عمر، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۸۲، ۲۸۳ کتاب الفضائل باب فضائل عمر، روضة الاحباب ط ہند ج ۲ ص ۱۷۰، ۱۷۱، منتخب کنز العمال برمسند احمد ج ۳ ص ۳۲۳، الاستیعاب ج ۲ ص ۲۳۰)، ”وقال العلامة الكوثري اخرج ابن ابی شیبہ بسند صحيح كما في فتح الباری“ (ج ۳ ص ۱۴۳، کتاب الاستقام) باب سوال الناس الامام الاستقام اذا قتلوا (مقالات الكوثري ص ۲۸۸، ۲۹۳) ”قلت رجاله (ابو معاوية عن الاعمش عن ابی صالح عن مالک الدار) رجال الجماعة سوا مالک الدار وهو خازن عمر رضی اللہ عنہ علی الطعام ثقة كما قاله ابن حجر رحمہ اللہ وتابعه انس بن مالک رضی اللہ عنہ“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں پر قحط ہوا تو ایک آدمی (حضرت بلال بن حارث مزی رضی اللہ عنہ) نبی کریم ﷺ کی قبر پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! امت کے لئے اللہ سے بارش مانگیں کہ وہ تو ہلاک ہو رہے ہیں، تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کو حکم کرو کہ لوگوں کے لئے بارش مانگیں اور بارش ہوگی، اور اس کو کہو ہوشیاری سے کام لیں ہوشیاری سے کام لیں۔

علامہ کوثری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے اس عمل پر کسی دوسرے صحابی نے نکیر نہیں کی (بلکہ جب حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بجائے ان کو جھٹلانے اور خواب کو غلط ٹھہرانے کے اس کو سچا سمجھے اور رونے لگے) تو یہ روایت صحیحہ ظاہر کرتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کو قبر مبارک میں زندہ سمجھتے تھے۔

اس حدیث کو علامہ کوثری اور ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے، اور اس کے راویوں میں سے کسی پر معتبر کلام نہیں کی گئی ہے، سوائے مالک الدار کے سب صحاح ستہ کے راوی ہیں اور مالک ثقہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے غلہ پر خزانچی تھے، معلوم نہیں کہ مولوی امیر عبد اللہ نے کہاں سے یہ نقل مار کر لکھا کہ: ”اس روایت کا راوی سیف بن عمر النخعی ہے جو بالاتفاق ضعیف اور زندیق ہے۔“ (اعلان حق دوم ص ۸۴)

اور لکھا کہ: ”اس واقعہ کو کسی محدث نے نہیں لیا، تاریخ کی کتابوں سے مسائل ثابت نہیں ہوتے“ (ص ۸۴) شاید ان کے نزدیک فتح الباری اور مصنف ابن ابی شیبہ حدیث کی کتاب نہیں ہے۔

گیارہویں حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”كنت ادخل بيتي الذي فيه رسول الله وابي فاضع ثوبي واقول انما هو زوجي وابي فلما دفن عمر معهم فوالله ما دخلته الا وانا مشدودة على ثيابي حياء من عمر رضی اللہ عنہ“ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۲، مشکوٰۃ ص ۱۵۴ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۱۵) ”وقال الهيثمي رواه احمد ورجاله رجال الصحيح خلاصة الوفا ص ۳۵ او قال الهيثمي رواه احمد ورجاله رجال صحيح على شرط الشيخين، وهو كما قال اخرج عن حماد بن اسامة (وهو حافظ حجة امام احد الاثبات سمع من هشام قال احمد كان ثبتا لا يكاد يخطئ قال الذهبي لتقت الامة حديثه بالقبول لحفظه ودينه“ (تذكرة

المحافظ ج ۱ ص ۲۳۴، ۲۳۵ و میزان ج ۱ ص ۵۸۸) ”وہو عن هشام بن عروہ (وہو ثقة فقیہ من رواة الستة کما فی التقریب وقال الذہبی هو شیخ الاسلام احد العلام حجة امام قال وهيب كان هشام مثل الحسن وابن سيرين كذا فی تذکرة الحفاظ واثناہ کلہم) عن ابيه (عروہ بن الزبیر ثقة فقیہ من رواة الستة) عن عائشة رضی اللہ عنہا وھولاء کلہم ثقات“ میرے جس کمرے میں رسول اللہ ﷺ اور میرے والد ہیں میں اس میں یوں ہی داخل ہوتی اور لباس میں خاص اہتمام نہ کرتی، اور کہتی کہ یہ آقا اور والد ہی تو ہیں، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دفن ہوئے اللہ کی قسم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کی وجہ سے کپڑے خوب سمیٹ کر جاتی۔

یہ روایت صحیحہ واضح کرتی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان حضرات کو زندہ سمجھتی تھیں کیونکہ اس قدر حیا اور اہتمام زندہ سے کیا جاتا ہے نہ کہ بے جان مردہ سے، اس روایت کی تاویل میں مماتی لوگ ناقص العقل عورتوں سے بھی زیادہ ناقص العقل ہیں۔

شیخ: ڈاکٹر عثمانی اس حدیث کے راوی ابواسامہ حماد بن اسامہ کو تغافل برتنے والا اور اپنے طور پر ضعیف بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے (ایمان خالص ص ۴، یہ قبریں یہ آستانے ص ۱۸، ۱۹)

لیکن یہ ان کی خواہ مخواہ کی بھڑک ہے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حافظ اور مضبوط راویوں میں سے ایک راوی ہے، اس پر ازدی نے جرح کا کوئی کلمہ کہا تو ذہبی اس کو رد کرتے اور قول باطل قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں امام احمد نے اس کو ثقہ اور کوفہ میں سب سے زیادہ علم والا اور هشام سے سب سے زیادہ روایات لینے والا اور سب سے مضبوط قرار دیا اور فرمایا یہ غلطی کر ہی نہ سکتا تھا (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۸۸) اور فرماتے ہیں الحافظ الحجۃ ہے، اور اس کے حافظہ و دیانتداری کی وجہ سے امت نے اس کی حدیث کو قبول کرتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۴، ۲۳۵) علامہ محمد طاہر ہندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اتفقوا علی توثیقہ و شد الازدی بتضعیفہ (قانون الموضوعات ص ۲۵۲) سب محدثین اس کے ثقہ قرار دینے پر متفق ہیں صرف ازدی ضعیف کہتا ہے جو قول شاذ ہے (قابل قبول نہیں ہے) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ازدی نے یہ جرح بروایت سفیان بن وکیع سفیان ثوری سے نقل کی ہے خود یہ ناقل سفیان بن وکیع ضعیف ہے۔ (لہذا جرح مردود اور غیر ثابت ہے) (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۶۹)

بارہویں حدیث: حضرت داؤد بن ابی صالح فرماتے ہیں: ”اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه ولی القبر فقال اتدری مات صنع؟ فاقبل علیہ فاذا هو ابو ایوب فقال نعم جنت رسول اللہ ﷺ ولم آت الحجر (رواہ احمد ج ۵ ص ۴۲۲) وداؤد لم يضعفه احد“ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۶۷) ”قلت رجال احمد عبد الملک بن عمرو القیسی العقیدی البصری من رواة الصحاح الستة وثقة کلہم و کثیر بن زید الاسلمی من رواة جزء القراءة للبخاری وابی داؤد الترمذی وابن ماجہ صدوق یخطئی وثقه احمد وابن عمار الموصلی وابن عدی وغیرہم وضعفه البعض والتعدیل مقدم وداؤد بن ابی صالح الحجازی قال ابن حجر مقبول“ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۲۲ رقم ۳۰۶۲) ”وقال صححه الحاكم والذهبی، وقال السهوي رواه احمد بسند حسن“

مروان ایک دن آیا تو دیکھا ایک آدمی قبر نبوی پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے ہے تو کہنے لگا کیا تو جانتا ہے کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے فرمایا ہاں (میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا

ہوں) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کوئی پتھر کے پاس نہیں حاضر ہوا۔ (کہ آپ پتھر کی طرح بے جان نہیں ہیں زندہ ہیں) اس سے بھی ظاہر ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کو پتھر جیسا بے جان نہیں سمجھتے تھے بلکہ زندہ سمجھتے تھے۔

علامہ ظفر احمد مسند فرماتے ہیں: ”وقد صح عن ابی ایوب الانصاری انه قال لمن انکر علیہ وضع وجهہ علی القبر انما جنت رسول اللہ ﷺ ولم آت اللین او الحجر“ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۰۴) یعنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ جس نے ان پر قبر نبوی ﷺ پر چہرہ رکھنے پر نکیر کی انہیں فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کوئی اینٹ یا پتھر پاس نہیں آیا ہوں۔ علامہ ظفر احمد مسند دوسری جگہ اس کو بسند حسن کہتے ہیں۔“ (ج ۷ ص ۳۶۱۶)

تیسری حدیث: امام دارمی مروان بن محمد سے اور وہ سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں: ”لما کان ایام الحرۃ لم یؤذن فی مسجد النبی ثلاثا ولم یقم ولم یرح سعید بن المسیب من المسجد وکان لا یعرف وقت الصلاة الا بهممة یسمعها من قبر النبی ﷺ“ (سنن دارمی ج ۱ ص ۵۶، ۵۷، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۸ دلائل النبوة لابی نعیم ص ۲۳، ”اخبار المدينة لزبیر بن بکار و طبقات ابن سعد خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۰“) جب واقعہ حرہ کے دن تھے تو تین دن تک نہ مسجد نبوی میں اذان ہوئی نہ اقامت، اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ وہاں سے نہ نکلے ان کو نماز کا وقت ایک دھیمی آواز سے معلوم ہوتا تھا جو وہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے اندر سے سنتے تھے۔

کئی روایات میں وضاحت ہے کہ وہ آواز اذان و اقامت کی ہوتی تھی حضرت سعید بن مسیب کا بیان ہے ”لم ازل اسمع الاذان والاقامة فی قبر رسول اللہ ﷺ“ میں نبی کریم ﷺ کی قبر میں سے اذان و اقامت سنتا رہا ہوں، یہ آپ کی قبر اطہر میں حیات کی واضح دلیل ہے۔

اس روایت کے سنن دارمی کے راوی مروان بن محمد دمشق طاطری ثقہ و امام ہیں علامہ ذہبی الحافظ العلامۃ کہتے ہیں، امام ابو حاتم نے ثقہ کہا، امام احمد اس کی اور اس کے علم کی اچھی تعریف کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۵) یہ مسلم و سنن اربعہ کے راوی ہیں سب محدثین نے ثقہ کہا ہے، اکیلے ابن حزم نے ابن قانع کی جرح پر قناعت کر کے بلا ثبوت ضعیف کہا جو مردود جرح ہے اور ابن قانع قناعت کرنے کے قابل نہیں۔ (تقریب ج ۲ ص ۱۷۲، میزان ج ۲ ص ۹۳، تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۶۵۴) اور سعید بن عبدالعزیز دمشق مفتی دمشق امام وثقہ ہے، علامہ ذہبی ”الامام فقیہ اہل دمشق“ سے یاد کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۱) امام احمد نے اس کو امام اوزاعی کے برابر اور ابو مسہر نے اوزاعی سے اونچے درجہ کا قرار دیا۔ (میزان ج ۲ ص ۱۴۹) اور امام احمد فرماتے ہیں شام میں ان سے بڑھ کر حدیث کی صحت میں کوئی نہ تھا، امام حاکم کہتے ہیں سعید مقدم ہونے میں اور فقہ میں اہل شام کے لئے ایسے ہیں جیسے امام مالک اہل حجاز کے لئے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۱) امام ابن معین اس کو حجت کہتے ہیں، امام ذہبی نے ثقہ ہونا راجح ٹھہرایا ہے۔ (میزان ج ۲ ص ۱۴۹) عجل اور ابو حاتم اور ابن سعد اور ولید بن مسلم اور نسائی ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۷۸، ۷۷) تو یہ روایت بالکل صحیح ہے اور حسن سے تو کم درجہ نہیں ہے۔

چودھویں حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق صحیح سند سے مروی ہے کہ سفر کے لئے جاتے وقت اور واپسی کے وقت ضرور نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر پر حاضری دیتے اور خطاباً نہ الفاظ سے عرض کرتے ”السلام علیکم

علیک یا رسول اللہ . السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا ابتاہ“ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۱۸ بحوالہ عبد الرزاق ج ۶ ص ۶۷۲، ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۲۲، ہاشد مکی وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۸۳) اس حدیث سے بھی آپ ﷺ کی حیات ثابت ہوتی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر خطاب کے انداز سے سلام عرض کرتے تھے، اور سلام میں خطاب اس کو ہوتا ہے جو سنے جیسا کہ سلام اہل قبور کے تحت علماء نے واضح تحریر کیا ہے۔ و ہذا خطاب لمن یسمع و یعقل یہ ایسے کو خطاب ہے جو سنتا سمجھتا ہو (جیسا کہ اگلے مضمون میں بحث سماع موتی میں حوالے درج ہیں) اور یہ حوالے پہلے ذکر ہوئے ہیں کہ حاضر ہونے والا آپ ﷺ کو سننے والا سمجھے۔

چند روایں حدیث: امام نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ”قال من السنة ان تأتي قبر النبی ﷺ من قبل القبلة و تجعل ظہرک الی القبلة و تستقبل القبر بوجهک ثم تقول السلام علیک ایہا النبی و رحمة اللہ و برکاتہ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۱۸ رقم ۳۰۶۰ بحوالہ مسند امام اعظم للحافظ طلحہ بن محمد بن صالح بن احمد بن عثمان بن سعید عن ابی عبد الرحمن النمیری عن ابی حمید عن نافع، وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۸۳، ۱۸۴) کہ سنت (صحابہ رضی اللہ عنہم) اس طرح ہے کہ قبر نبوی ﷺ پر قبلہ کی جانب سے آؤ، اپنی پیٹھ قبلہ کی جانب کرو، اور چہرہ قبر شریف کی طرف کرو، اور کہو السلام علیک ایہا النبی و رحمة اللہ و برکاتہ۔

اس سے بھی ظاہر ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خطابانہ انداز سے سلام عرض کرتے تھے کیونکہ یہاں سنت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ مراد ہو سکتا ہے، مماتی لوگ اول تو روضہ مبارکہ پر حاضر ہونے سے کتراتے ہیں اور اپنے متعلقین کو مدینہ طیبہ کی حاضری سے اعراض کی ترغیب دیتے ہیں، اور جائیں تو خطاب کے انداز کے سلام سے انہیں مروڑ ہوتی ہے۔

سولہویں روایت: (۱) حضرت حاتم بن وردان رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن جعفر سے روایت ہے: ”کان عمر بن عبد العزیز یوجہ بالبرید قاصدا الی المدینة لیقری عنہ النبی السلام“ (معجم الایمان ج ۳ ص ۴۹۱، ۴۹۲) ”عن عبد اللہ بن یوسف الاصفہانی انا ابراهیم بن فراس بمکة حدثنی محمد بن صالح الرازی نا زیاد بن یحییٰ (ابن زیاد بن حسان البصری ثقة من رواة الستة) عن ہاتم بن وردان (السعدی البصری امام مسجد ایوب ثقة من رواة الصحیحین و الترمذی و النسائی)“ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۱۵، القول البدیع ص ۲۱۲) ”قال السمعونی قد استفاض عن عمر بن عبد العزیز، ممن ذکرہ عنہ الامام ابو بکر بن عاصم النبیل فی مناسلکہ الذی التزم لہ الثبوت“ (یعنی الصحیح) (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۸۳) حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ ایک آدمی قاصد بنا کر (ملک شام سے) صرف اس لئے بھیجتے کہ ان کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرے۔

قائدہ: علامہ ابن عبد البہادی نے یہ شبہ ظاہر کیا کہ راوی حاتم بن وردان کی حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے تو روایت مرسل ہے حضرت عمر بن عبد العزیز ۱۰۱ھ کو اور حاتم ۱۸۴ھ کو فوت ہوئے جب کہ حاتم کے بڑے استاذ ایوب سختیانی ۱۳۱ھ کو فوت ہوئے ہیں۔ (الصارم المنکلی ص ۲۳۸)

جواب: یہ ہے کہ اگر اس سے انقطاع ثابت ہو تو بھی حرج نہیں کیوں کہ وہ براہ راست حضرت عمر بن عبد العزیز سے نقل نہیں کر رہے بلکہ چونکہ حاکم کا کوئی عمل بالخصوص اس قسم کا عمل مخفی نہیں ہوتا مشہور ہوتا ہے جس کے بیان کرنے والے بکثرت ہوتے ہیں تو مشہور عام ہونے کی وجہ سے سنا ہوا یہ عمل انہوں نے روایت کیا، تو یہ مرسل صحیح روایت ہوئی جس کے حجت ہونے میں شبہ نہیں۔

(۲) حضرت یزید بن ابی سعید الخدری (یا الخمری) سے روایت ہے کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا وہ اس وقت ملک شام میں خلیفہ تھے جب میں نے الوداع کہا تو فرمایا مجھے تجھ سے کام ہے وہ یہ کہ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرے گا تو آپ ﷺ کو میرا سلام عرض کر دینا ”فاقرأه منی السلام“ (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۲، بسندہ عن ابن ابی الدنیا قال حدثنی یاسحاق بن حاتم المدائنی (کتب عنه ابو حاتم ببغداد وقال الخطیب ثقة کذا فی تعلیقات مصطفیٰ عبدالقادر عطا علی کتاب الرضا عن الله لابن ابی الدنیا رقم الحدیث ۵) ثنا (محمد بن اسماعیل) ابن ابی فدیك (الحافظ الکبیر محدث المدینة وثقة غیر واحد کذا فی تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۲) عن (ابی رباح) رباح بن بشیر (او بشر) (قال ابو حاتم مجهول، لسان المیزان) عن یزید بن ابی سعید ولا باس بجهالة راویة رباح غاية ما فيه الضعف وهو شاهد للاول “حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ تابعی بزرگ ہیں ان کا یہ عمل آپ ﷺ کی حیات کے حقیقہ کا اشارہ دیتا ہے کیوں کہ دوسری جگہ موجود ایسے شخص کو سلام بھیجا جاتا ہے جو زندہ ہو کبھی کسی نے کسی مردہ کو سلام نہیں بھیجا، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سمجھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور اس طرح میرا سلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ضرور پہنچے گا کیونکہ اس بھیجے ہوئے شخص کی زبان سے سن لیں گے کہ عمر بن عبدالعزیزؓ نے سلام بھیجے ہیں ورنہ اس قدر اہتمام کی کیا ضرورت ہے، اور کتب فقہ حنفی میں ہے کہ روضہ مبارکہ پر حاضر ہونے والا شخص اس آدمی کی طرف سے بھی سلام پہنچائے جس نے سلام عرض کرنے کا کہا ہو۔ (نور الایضاح لمطالعی وغیرہ)

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ”اور جس کا سلام کہنا ہو عرض کرے ”السلام علیک یا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك الى ربك“ یا رسول الله! فلاں کے بیٹے فلاں کی طرف سے آپ ﷺ کو سلام ہو وہ آپ ﷺ کے ذریعہ آپ ﷺ کے رب کی طرف شفاعت کا خواہش مند ہے) (زبدۃ المناک، تالیفات رشیدیہ ص ۶۵۰) ستر ہوں روایت: حضرت سلیمان بن حکیم مدنیؒ (جو ثقہ ہیں او خلافت منصور میں وفات پائی) فرماتے ہیں: ”رايت النبي في النوم قلت يا رسول الله هؤلاء الذين يأتونك فيسلمون عليك اتفقوا سلامهم؟ قال نعم وارض عليهم (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳ بحوالہ ابن ابی الدنیا وشعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۱) مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ جو لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور سلام عرض کرتے ہیں تو کیا آپ ﷺ ان کا سلام سمجھ لیتے ہیں؟ فرمایا ہاں سمجھتا ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں۔

اس کے راوی (۱) سدید بن سعید بن سہل کی روایت سے مسلم نے حجت لی ہے، علامہ ذہبی الحافظ الرحال المعمر سے ذکر کرتے ہیں، امام بغویؒ فرماتے ہیں حفاظ حدیث میں سے ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں کہ سچا راوی اور بکثرت تدلیس کرنے والا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۲) (یہاں تدلیس کا شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیثی سے بیان کر رہے ہیں) امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں قوی ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۴۵۸) امام احمد نے صالح یا ثقہ کہا، ابو حاتم کہتے ہیں سچا ہے، تدلیس بہت کرتا ہے۔ (تہذیب العہد ج ۳ ص ۲۶۲) امام بخاری وغیرہ نے ذکر کیا کہ تاثرنا ہونے کے بعد اس کو تلقین کی جاتی تھی، مگر امام حاکم ابو احمد کہتے ہیں کہ جس سے یتاکی کی حالت میں اس نے روایت لی اس سے اس کی حدیث حسن ہے۔ (تہذیب العہد ج ۳ ص ۲۶۲) تو یہ راوی حسن الحدیث کے درجہ سے کم درجہ نہیں۔ (۲) عبدالرحمن بن ابی الرجال راوی بھی ثقہ راوی ہے، امام ابن معین، احمد، مفصل غلابی اور دارقطنی ثقہ

کہتے ہیں، ابوداؤد لا باس بہ کہتے ہیں ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا اور کہا کبھی غلطی کرتا ہے۔ (تہذیب العہد ج ۲ ص ۲۹۸) اور ابن عدی کہتے ہیں کہ امید ہے کہ لا باس بہ ہے۔ (میزان ج ۲ ص ۵۶۰) محدثین کی ایک جماعت نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۶۰۱) بعض نے جرح کی ہے، مگر علامہ ابن حجر عساکر نے قول فیصل یہ ہے کہ سچا راوی ہے البتہ کبھی غلطی کرتا ہے (تقریب) تو یہ راوی بھی حسن درجہ کا ہے۔

بے شک یہ خواب ہے مگر شریعت اسلامی میں یہ نہیں ہے کہ خواب سن کر رد کر دیا جائے بلکہ دیکھا جائے اگر خواب موافق شرع ہو تو قبول کیا جائے ورنہ رد کیا جاسکتا ہے، اور یہ خواب بالکل موافق شرع ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث صحیحہ (جو ذکر ہو چکی ہیں) اس کی تائید کرتی ہیں، لہذا خواب کہہ کر رد کرنا نا انصافی ہے، اہل سنت کے نزدیک خواب کی حقیقت ہوتی ہے قدیم معتزلہ کے نزدیک خواب بے حقیقت ہوتا ہے (راہ حق میں ہم نے اس کی تفصیل ذکر کر دی ہے)

بعض دیگر روایات و حکایات جو مزید تائید کرتی ہیں: کئی اور روایات بھی بکثرت ہیں جو اوپر ذکر کی ہوئی احادیث اور ان سے ثابت ہونے والے عقیدہ حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کی تقویت و تائید کا فائدہ پہنچاتی ہیں چاہے سب صحیح نہ ہوں، چونکہ بطور شاہدان کا ذکر مناسب ہے اس لئے ان میں سے چند یہاں ہم درج کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خطیب بغدادی نے کتاب ”رواۃ مالک“ میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو وصیت کی کہ مجھے نبی کریم ﷺ کی قبر پر لے جانا اور اجازت مانگنا اور کہنا یہ ابوبکر ہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے ساتھ دفن ہونا چاہتے ہیں، تو اگر تمہیں اجازت ملے تو مجھے دفن کر دینا ورنہ مجھے جنت البقیع لے جانا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دروازے پر لایا گیا اور کہا گیا یہ ابوبکر حاضر ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس دفن ہونے کی خواہش کرتے ہیں اور ہمیں وصیت فرمائی ہے، تو اگر ہمیں اجازت ہو تو ہم حجرہ میں داخل کریں ورنہ ہم واپس ہوں، تو آواز دی گئی ادخلوا کرامۃ عزت کے ساتھ داخل کر لو ہم نے آواز سنی لیکن کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۴۹۲، ۴۹۱ قال الخطیب غریب جدا) بروایت ابن عساکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آواز آئی ”ادخلوا الحبيب الى الحبيب فان الحبيب الى الحبيب مشتاق“ دوست کو دوست کے پاس داخل کر دو کیونکہ دوست دوست کا خواہش مند ہے۔ (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۴۹۲ وقال ابن عساکر حدیث منکر و فی اسنادہ ابو الطاهر موسى بن محمد بن عطاء المقدسي کذاب عن عبد الجليل و هو مجهول، قلت هو شاهد للاول)

(۲) یحییٰ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن عبد الملک بن ماضون نے بیان کیا کہ خالد بن ولید بن حارث بن حکم بن العاص ابن مطیرہ (حاکم) رسول اللہ ﷺ کے منبر پر جمعہ کے دن کھڑا ہوا، کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جانتے ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خائن ہیں، ان کو عامل بنایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سفارش حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کر دی تھی، حضرت داؤد بن قیس روضہ مبارکہ میں تھے وہ کھڑے ہوئے اور چپ کرانا چاہا تو ان کی قمیص لوگوں نے پھاڑ دی، اس کو تکلیف دی، اور حاکم کی طرف سے ان کی جان کے خطرے سے بٹھا دیا، داؤد نے بتایا کہ میں نے دیکھا کہ قبر نبوی سے ہاتھ ظاہر ہوا، اور آپ ﷺ فرما رہے تھے اے اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ بولا، اے ناشکرے! تو نے جھوٹ بولا، کئی بار فرمایا۔

(۳) (۱) حضرت ابراہیم بن بشار کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا اور پھر مدینہ طیبہ حاضر ہوا رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو میں نے حجرے کے اندر سے سنا و علیک السلام سلام کا جواب سننا

اولیاء اور صالحین کی ایک جماعت سے منقول ہے (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۷۹، فیض القدر شرح جامع صغیر ج ۲ ص ۶۱۷، القول البدیع ۱۶۵ نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۲) (۲) سید نور الدین بن العصفی الاصبہانی نے بھی روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض کیا تھا تو اس کا جواب قبر شریف کے اندر سے سنا تھا وعلیک السلام یا ولدی (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۲، ۵۰۳، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۱ بحوالہ عجم الشیخ برہان الدین البقائی) (۳) شیخ ابوالضر عبد الواحد بن عبد الملک صوفی کرخی فرماتے ہیں کہ میں نے حج کیا اور نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو میں حجرہ کے پاس حاضر تھا کہ حضرت ابوبکر الدیار بکری آئے اور آپ ﷺ کے حجرہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ تو میں نے بھی اور دوسرے حاضرین نے بھی حجرہ کے اندر سے آواز سنی وعلیک السلام یا ابابکر (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۱ بحوالہ تاریخ ابن نجار) (۴) صرف کی کئی کتابوں کے مصنف مولانا مشتاق احمد چہ تھا ولیؒ نے مدینہ طیبہ میں سنا کہ ایک ہندی شخص کو روضہ مبارکہ سے آواز بلند سلام کا جواب بایں الفاظ ملا وعلیک السلام یا ولدی انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ ہندی شخص حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ہیں، حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے معلوم کیا تو حضرت مدنیؒ نے واقعہ کی تصدیق کی (الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر) (۵) حضرت خواجہ آدم بنوریؒ سے متعلق مولانا سید محمد میاں صاحبؒ لکھتے ہیں: ”حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اپنے نانا کی برکات کو سمیٹنا شروع کیا زیارت روضہ سید المرسلین کے بعد واپسی کا قصد کیا، اجازت کے لئے روضہ انور پر حاضر ہوئے لیکن ایک عجیب و غریب واقعہ حضرت شیخ اور آپ کے رفقاء نے مشاہدہ کیا، مرقد اطہر سے دودست مبارک ظاہر ہوئے حضرت شیخ نے بہزار شوق آگے بڑھ کر مصافحہ کیا بوسہ دیا۔ (طوائف ہند کا شاندار ماضی مکمل ص ۱۷۳، ۱۷۴) (۴) امام اقصیریؒ اپنی سند سے بروایت ابن ابی الدنیا بیان کرتے ہیں (راوی حسن بن عبد العزیز حارث بن سلیمان ابن وہب) کہ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ ابو حازم نے مجھے بیان کیا کہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور مجھے بتایا کہ میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی آپ ابو حازم سے (یعنی مجھے) فرما رہے تھے کہ: انت الماری معروضاً لا تقف تسلم علی (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۲۱۹، المناہات لابن ابی الدنیا رقم ۳۲۳) تو میرے پاس سے منہ موڑ کر گزر جاتا ہے اور مجھے سلام کرنے کے لئے بھی نہیں ٹھہرتا؟ اس کے بعد ابو حازم نے کبھی گزرتے ہوئے سلام عرض کرنا نہیں چھوڑا۔

(۵) ابوالخیر قطع کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ اس حال میں آیا کہ میں فاقہ سے تھا تو پانچ دن اس حال میں رہا کہ کچھ نہ چکھا تو قبر شریف کے پاس حاضر ہوا، اور آپ ﷺ کو اور حضرت ابوبکر و عمرؓ کو سلام عرض کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں آج رات آپ ﷺ کا مہمان ہوں، پھر قبر شریف سے ایک طرف ہوا اور منبر کے پیچھے سو گیا، تو میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے دائیں جانب اور عمرؓ بائیں جانب تھے اور حضرت علیؓ آگے تھے مجھے حضرت علیؓ نے بلایا کہ کھڑے ہو جاؤ رسول اللہ ﷺ تشریف لارہے ہیں، میں کھڑا ہوا رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا آپ ﷺ نے مجھے ایک روٹی دی میں نے آدمی کھائی تھی کہ جاگ اٹھا تو آدمی میری ہاتھ میں موجود تھی۔ (القول البدیع ص ۱۶۶)

(۶) امام ابو صادق (محمد باقر) کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن کے تین دن بعد

ایک دیہاتی آیا وہ قبر نبوی پر اپنے کو ڈال رہا تھا اور سر پر مٹی ڈالنا تھا، عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا اور ہم نے آپ ﷺ کا فرمان سنا اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی کلام محفوظ کی، اور جو وحی آپ ﷺ پر اتری اس میں ہے ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا اللہ الایۃ اور میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ آپ ﷺ میرے لئے استغفار فرمائیں تو قبر کے اندر سے آواز آئی تیری مغفرت ہوگئی (وقفہ الوقافہ ج ۳ ص ۸۶) اور ابوالحسن علی بن ابراہیم بن عبد اللہ الکبریٰ عن علی بن محمد بن علی قال حدثنا احمد بن محمد بن محمد بن الہیثم الطائی قال حدثنی ابی عن ایبہ عن سلمۃ بن کھیل عن ابی صادق، الحاوی ج ۲ ص ۲۶۱ بحوالہ کتاب الدلائل ابن السمعانی بسندہ)

حیات انبیاء علیہم السلام کی احادیث متواتر ہیں: اوپر بکثرت احادیث ذکر ہوئیں جن سے حضرات انبیاء علیہم السلام کا قبور مبارک میں زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے یہ مضمون صحابہ تابعین جنہم سے متعدد روایات سے منقول ہے، ان روایات کے متواتر جواز قدر مشترک یا جواز متر معنوی ہونے میں شک نہیں ہے، اور دس راویوں سے جو مضمون مروی ہو وہ متواتر ہوتا ہے (بیان القرآن ج ۱ ص ۲۲) جب کہ یہ مضمون دس سے اوپر صحابہ جنہم سے مروی ہے اس لئے علماء نے تصریح کی ہے کہ حیات انبیاء کی احادیث متواتر ہیں۔

(۱) امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: ”حیۃ النبی ﷺ فی قبرہ ہو و سائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعنا لما قام عندنا من الأدلة فی ذالک وتواترت بہ الاخبار“ (رسالہ انباء الاذکیما ص ۱۳۷) (لغات ج ۲ ص ۱۳۷) الاذنی آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں حیات اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی حیات ہمارے علم میں علم قطعی کے ساتھ معلوم ہوئی ہے کیونکہ بہت سے دلائل اس پر قائم ہیں اور اس کی احادیث متواتر ہیں۔

(۲) علامہ داؤد بن سلیمان بغدادی نے بھی متواتر کہنے میں امام سیوطیؒ کی تائید کی ہے۔

(المحیۃ الوہیہ ص ۱۱ طبع استنبول بحوالہ تسکین الصدور ص ۲۴۳)

(۳) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: غرض یہ کہ انبیاء کرام کی حیات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ احادیث متواترہ سے انبیاء کرام کی جو حیات ثابت ہے وہ حیات فی القبور ہے نہ کہ حیات فی السموات (سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۳۵۲) اب دعویٰ تواتر میں امام سیوطیؒ اکیلے نہیں ہیں اور اجماع کی تصریحات اس کے علاوہ ہیں۔

تیسرا باب:..... اکابرین امت اور عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام

اس بارے میں حضرات اکابرین کی عبارات بہت زیادہ ہیں یہاں چند اکابرین کی اور خصوصاً ایسے اکابرین کی عبارات پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کی عبارات قطع و برید کر کے مماتی پیش کرتے ہیں۔ یا جن کو ماننے کا اظہار کرتے ہیں، اُن کے علاوہ علماء کی عبارات بھی ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ: (۱) حضرت علامہ احمد بن علی ابن حجرؒ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے

ہیں: ”ان حیاته فی القبر لا یتعقبها موت بل یستمر حیاء الانبیاء احیاء فی قبورہم“ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۷ طبع دار الفکر) آپ ﷺ کی قبر مبارک کی حیات ایسی ہے کہ اس پر موت نہیں آئے گی بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور ایک حدیث کی توجیہ میں فرماتے ہیں: ”انه یستفرق فی امور الملائع الأعلیٰ فاذا سلم علیہ رجع

الیہ فہمہ لیجب من سلم علیہ“ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹) آپ ﷺ ملأ اطل کے امور (کے مشاہدات) میں مستغرق رہتے ہیں تو جب کوئی آپ ﷺ پر سلام عرض کرتا ہے تو آپ ﷺ کی فہم آپ ﷺ کی طرف لوٹا دی جاتی ہے تاکہ آپ ﷺ سلام کرنے والے کا جواب دیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ: (۲) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

”حياة النبي في قبره هو وسانو الانبياء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام عندنا من الادلة في ذلك وتواترت به الاخبار“ (رسالہ انباء الازکماء مندرج فی الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۷) آپ ﷺ کی اپنی قبر مبارک میں حیات اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی حیات ہمارے علم میں علم قطعی کے ساتھ معلوم ہوئی ہے کیونکہ بہت سے دلائل اس پر قائم ہیں اور اس کی احادیث متواتر ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مستقل رسالہ انباء الازکماء تحریر کیا ہے جو ان کے فتاویٰ الحاوی میں درج ہے مذکورہ عبارت اسی رسالہ کے ابتدائی الفاظ ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ: (۳) حضرت امام احمد بن حنبل بنی شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۵ھ) فرماتے ہیں:

”وقد رای نبینا جماعة منهم ليلة المعراج وامر بالصلاة عليه والسلام عليه واخبر وخبره صدق ان صلاتنا معروضة عليه وان سلامنا يبلغه وان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء وقد افر دنا لاثبات حیاتهم کتاباً“ (الاعتقاد ص ۱۸۷، ۱۸۸ باب القول فی اثبات نبوة محمد المصطفى طبع مصر)

حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی رو میں ان کی طرف لوٹا دی گئی (یعنی ان کی روحوں کا تعلق دوبارہ ان سے قائم کر دیا گیا ہے) تو وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں جیسے شہداء (بلکہ ان سے بھی بڑھ کر زندگی ہے) اور ہمارے نبی نے انبیاء کی ایک جماعت کو معراج کی رات دیکھا، اور آپ نے درود و سلام کا حکم فرمایا اور یہ بتایا اور آپ کی خبر گئی ہے کہ ہمارا درود آپ ﷺ پر پیش ہوتا ہے اور سلام آپ ﷺ تک پہنچتا ہے، اور اللہ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے اور اس موضوع پر ہم نے مستقل کتاب لکھی ہے۔

امام بنی حنبل رحمہ اللہ کا مستقل رسالہ جرم حیات الانبیاء اور امام سیوطی کا انباء الازکماء وغیرہ ایک کتابچہ کی شکل میں ادارۃ المعارف الاسلامیہ سیالکوٹ نے ۱۹۶۶ء کو شائع کیا تھا۔

مولانا عبدالقادر فاضل رحمہ اللہ: (۴) مولانا عبدالقادر فاضل رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے

ہیں: ”ملاحظا انه حی کسائر الانبياء في قبره يراه ويجب له من الاحترام ماله قبل موته ومنه عدم رفع الصوت بحضرته حتى قيل ان من انتهك شيئاً من حرمة ولو برفع الصوت حبط عمله ولذا قالوا الادب للمسلم والداعي والمستشفع الاقتصار في صوته فانه يسمعه وان اسر و يراه وان بعد“ (حسن التوسل برہامش خلاصۃ الوفا ص ۱۱۳ مکہ مکرمہ) زیارت کرنے والا یہ تصور کرے کہ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح باقی انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور سمجھے کہ آپ ﷺ مجھے دیکھ رہے ہیں اور آپ ﷺ کا وہی احترام ضروری ہے جو وفات سے پہلے تھا، اور آداب میں سے ہے کہ آواز اونچی نہ کرے یہاں تک کہ کہا گیا کہ جس نے آپ ﷺ کی کچھ بھی بے ادبی کی اگرچہ آواز اونچی کر کے تو بھی اس کے اعمال تباہ ہو جائیں گے اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ سلام و دعا اور شفاعت کی درخواست کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ آواز نیچی کرے کیونکہ آپ ﷺ سنتے ہیں چاہے (ذرا) آہستہ کہے اور (نزدیک سے) دیکھتے ہیں چاہے (کچھ) دور ہو۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ: (۵) علامہ ظفر احمد عثمانی حنفی دیوبندی مجدد (متوفی ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں:

فان روحہ الشریف مشغول بشہود الحضرة والملا الأعلی عن هذا العالم فاذا سلم علیہ اقبل روحہ علی هذا العالم لتدرك السلام ویرد علی المسلم قالہ السبکی “ (اطلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۱۲) آپ ﷺ کی روح مبارک اس عالم کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حاضری اور ملاحظہ کے مشاہدہ میں مصروف ہوتی ہے جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو روح اس عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے تاکہ سلام حاصل کرے اور آپ ﷺ سلام کرنے والے کو جواب دیں۔

”وَمِیاتی ما یدل علی انه یسمع من یسلم علیہ عند قبرہ ویرد علیہ عالماً بحضورہ (ج ۷ ص ۳۶۱۳)“ عنقریب ذکر ہونے والا ہے جو دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ اس کا سلام سنتے ہیں جو قبر کے پاس سلام عرض کرے، اور جواب بھی دیتے ہیں، اور آدمی کے حاضر ہونے کو جانتے ہیں۔“

”وإذا کان من جاء قبرہ کمن جاء رسول اللہ فای مؤمن یرضی نفسہ بان لا یجنی رسول اللہ وهو یقدر علی ذالک ولو یبذل النفس والروح؟ ومن الذی یمنع من شد الرحال لاجل ذالک؟ وهو یعلم ان رسول اللہ حی فی قبرہ وما جاء قبرہ فقد جاء رسول اللہ وانما ینکر ذالک من انکر حیاته فی قبرہ ولم یفرغ معہ قول ابی ایوب جنت رسول اللہ ولم آت الحجر او کان فؤادہ فارغاً من حبه وعقلہ خالیاً من لہ واما المجنون فلا تسئل عنہم فواللہ انہم لا یاتون القبر وانما یاتون رسول اللہ الخ“ (اطلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۲۳) جب بات یہ ہے کہ جو قبر مبارک پر آیا وہ رسول اللہ کی ذات کے پاس آیا تو کون مؤمن ہے جو پسند کرے کہ وہ جان و روح خرچ کر کے اگر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو سکے تو حاضر نہ ہو؟ اور کون ہے جو اس کی خاطر سفر کرنے سے رکے گا؟ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ رسول اللہ قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور یہ کہ جو قبر پر حاضر ہوا وہ رسول اللہ کے پاس حاضر ہوا، اور اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو قبر میں حیات النبی کا منکر ہو، اور اپنے کانوں میں حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ کا قول نہ بٹھاسکے کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کوئی پتھر کے پاس حاضر نہیں ہوا ہوں، یا اس کا دل آپ کی محبت سے اور دماغ عقل سے خالی ہوگا، اور جو آپ کا دیوانہ ہو اس کا تونہ پوچھ، اللہ کی قسم وہ تو قبر پر حاضر نہ ہو رہا ہوگا بلکہ رسول اللہ کی ذات کے پاس حاضر ہو رہا ہوگا۔

اللہ اکبر! حضرت مولانا ظفر احمد رحمہ اللہ کے یہ الفاظ کتنے درد دل و عشق نبوت سے بھرپور ہیں؟ اور مہماتوں کے لئے سیف قاطع سے کم نہیں ہیں۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ: (۲) علامہ ابوالفرج ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) آیت ”فصعق

من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ شہداء مستثنیٰ ہیں اور ”وہذا یدل علی ان للشہداء حیاۃ یشر کون فیہا الاحیاء وقد قیل فی الانبیاء مثل ذالک ایضاً۔۔ ولان حیاۃ الانبیاء اکمل من حیاۃ الشہداء بلاریب فشملمہم حکم الاحیاء ایضاً ویصعقون مع الاحیاء حینئذ لکن صعقة غشی لا صعقة موت“ (احوال القہور و احوال اہلہما الی القہور ص ۲۰۶ طدار الکتاب العربی بیروت سن طبع ۱۹۹۲ء، ۱۴۱۳ھ)

یہ بات دلالت کرتی ہے کہ شہداء کو اتنی زندگی حاصل ہے کہ وہ (صعقہ کے موقع پر) اس کیفیت میں زندوں کے ساتھ شریک ہوں گے اور یہی قول انبیاء علیہم السلام کے متعلق بھی کہا گیا ہے۔ کیونکہ بلا شک انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ کامل ہے تو انبیاء کو بھی زندوں والا حکم شامل ہوگا، اور وہ صعقہ کے وقت بے ہوش ہوں گے لیکن یہ بے ہوشی غشی کی سی ہوگی موت والی نہ ہوگی۔“

اور فرماتے ہیں: ”بعض اہل البرزخ یکرّمہ اللہ باعمالہ الصالحۃ علیہ فی البرزخ وان لم یکن له ثواب تلک الاعمال لانقطاع عملہ بالموت لکن انما یبقی عملہ علیہ لیتنعم بذکر اللہ و طاعته کما یتنعم بذالک الملائکۃ و اہل الجنۃ وان لم یکن لہم علی ذالک ثواب لان نفس الذکر والطاعۃ اعظم نعیما عند اہلہا من نعیم جمیع اہل الدنیا ولذا تھا فماتنعم المتنعمون بمثل ذکر اللہ و طاعته“ (احوال القبور ص ۶۸، ۶۹) کئی برزخ والوں کا اللہ تعالیٰ اس طرح اکرام کرتے ہیں کہ ان کو اعمالِ صالحہ کی اجازت ہوتی ہے اگرچہ ان اعمال کا ان کو ثواب نہیں ہوتا کیونکہ موت سے عمل (کا ثواب) ختم ہو گیا لیکن ان کا یہ عمل اس لئے رہتا ہے تاکہ طاعت اور ذکر اللہ سے لطف اندوز ہوں جیسے فرشتے اور جنت والے جنت میں اسے لطف اندوز ہوں گے اگرچہ انہیں ثواب نہیں ہوگا کیونکہ بذاتِ خود ذکر و طاعت بھی اہل لوگوں کے ہاں دنیا کی ساری نعمتوں و لذتوں سے بڑھ کر بہت بڑی لطف کی باعث ہوتی ہے، اور ذکر اللہ و طاعت جیسی چیز سے لطف اندوز ہونے والوں کو خوب لطف حاصل ہوتا ہے۔“

پھر علامہ رحمہ اللہ نے اس کے تحت لطف اندوز ہونے کے کئی اعمال ذکر کئے مثلاً قبر میں قرآن مجید پڑھنا، اور نماز پڑھنا، اذان کا جواب دینا وغیرہ (مذکورہ کتاب ملاحظہ کریں) تو انبیاء علیہم السلام کا قبروں میں نماز پڑھنا بطریقِ اولیٰ ہے۔

اور فرماتے ہیں: و اما السلام علی اہل القبور فلا یدل علی استقرار ارواحہم علی افنیۃ قبورہم فانہ یسلم علی قبور الانبیاء و الشهداء و ارواحہم فی اعلیٰ علیین و لکن مع ذالک لہا اتصال سریع فی الجسد ولا یعلم کنہ ذالک و کیفیتہ علی الحقیقۃ الا اللہ عز و جل (احوال القبور ص ۱۹۰، ۱۹۱) اور اہل قبور کو سلام کرنا اس بات کی دلیل نہیں بتاتا کہ ان کی روہیں قبروں کے آس پاس ہیں کیونکہ سلام تو انبیاء اور شہداء علیہم السلام کی قبروں پر بھی عرض کیا جاتا ہے حالانکہ ان کی روہیں اعلیٰ علیین میں ہیں ہاں لیکن روح کا جسم کے ساتھ تیز تر تعلق ہے جس کی کنہ و کیفیت کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اور علامہ نے اس پر مستقل باب باندھا ہے کہ مردے زیارت کرنے والے اور سلام کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور ذکر فرمایا کہ روح و جسم دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔ (احوال القبور ص ۱۳۰، ۱۳۱)

یاد رہے کہ یہ ابنِ رجب وہی ہیں جن کے قول سے مولوی امیر عبد اللہ نے (اطلاق حق ص ۴۷ میں) اور ڈاکٹر عثمانی نے (ایمان خالص ص ۲۸ میں) سند پکڑی ہے اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کا پورا عقیدہ قارئین کے سامنے لایا جائے۔

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ: (۷) حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۳ھ) فرماتے ہیں: ”ورد

فی کثیر من الاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ بانہم احياء فی قبورہم مشغولون بعبادۃ ربہم وقد افرد السیوطی رسالۃ فی هذا الباب“ (الحرزاغین شرح حسن حسین ص ۴۷۷)

بکثرت احادیث صحیحہ صریحہ اس بارے میں وارد ہوئی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہیں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تو اس بارے میں مستقل رسالہ تحریر کیا ہے۔

”مع ان المعتقد انہ و سائر الانبیاء علیہم السلام فی قبورہم من الاحیاء فانہم اولیٰ بذالک من الشهداء“

(شرح شفاء ج ۳ ص ۵۱۴ طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان) جب کہ یہ بھی عقیدہ ہے کہ آپ اور سب انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں کیونکہ وہ تو شہداء سے بڑھ کر زندگی کے لائق ہیں۔“

”فای مانع من التردد علی بابہ والتوسل الی جنابہ ﷺ انه قد ثبت من صلی علیہ نائیا بلغه ومن صلی علیہ عند قبرہ سمعه“ (شرح فہام ج ۳ ص ۵۲۳) آپ ﷺ کے دروازے پر بار بار حاضری اور ذات اقدس کے وسیلہ سے کون سی چیز مانع ہے جب کہ یہ ثابت ہے کہ جو آپ ﷺ پر دور سے درود شریف پڑھے وہ آپ کے پاس پہنچایا جاتا ہے اور جو قبر مبارک کے پاس پڑھے وہ آپ سنتے ہیں۔“

علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ: (۸) علامہ حافظ ابن القیم جوزی حنبلی سیّد (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے

ہیں: ”ہذا مع القطع بان روحہ الکریمۃ فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علیین مع ارواح الانبیاء وقد صبح عنہ انہ رای موسیٰ قائما یصلیٰ فی قبرہ لیلۃ الاسراء وراہ فی السماء السادسة والسابعة فالروح کانت ہناک ولہا اتصال بالبدن فی القبر و اشراق علیہ وتعلق بہ بحیث یصلیٰ فی قبرہ ویرد سلام من سلم وہی فی الرفیق الاعلیٰ ولا تنافی بین الامرین فان شان الارواح غیر شان الابدان“ (الروح ص ۶۳ ط دار الکتب العلمیہ بیروت) یہ بات یقینی ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارکہ اعلیٰ علیین میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے جب کہ آپ ﷺ سے یہ حدیث بھی صحیح ثابت ہے کہ معراج کی رات آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے اور ان کو چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا تو بات یہ ہے کہ روح تو وہیں ہے لیکن اس کا قبر شریف میں بدن مبارک سے تعلق ہے اور اس پر روح کا پرتو (عکس) ہے اور اس طرح کا تعلق ہے کہ قبر مبارک میں آپ ﷺ نماز بھی پڑھتے ہیں اور سلام عرض کرنے والے کو سلام کا جواب بھی دیتے ہیں جب کہ روح تو رفیقِ اعلیٰ میں ہے، اور ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ روحوں کا معاملہ جسموں کے معاملہ سے الگ ہے۔

کتاب الروح علامہ ابن قیم سیّد کی اپنی لکھی ہوئی کتاب ہے: مولانا امیر عبد اللہ صاحب نے

کتاب الروح کے متعلق کہا ہے کہ حقیقت میں ابن القیم کی نہیں ہے۔ (اعلان حق ص ۱۶)

جان کی خلاصی کا یہ آسان نسخہ ہے جس کو ممتا ہیوں نے بہت جگہ استعمال کیا اور یوں گویا جان چھوٹ گئی، لیکن یہ ان کا بھولا پن ہے اس سے جان نہیں چھوٹی علامہ سیوطی (شرح الصدور ص ۲۷۲) علامہ محمود آلوسی (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۵، ۱۶۳) علامہ ابن عابدین شامی (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۶ طبع مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ، مجموعہ رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۱۷۵ طبع مکتبہ محمودیہ کوئٹہ) علامہ عبد الحمٰی لکھنوی (تذکرۃ الراشد ص ۴۶ طبع لکھنؤ) الشیخ عبدالرزاق المہدی (مقدمہ زاد المعاد ج ۱ ص ۷) علامہ محمد بن احمد بن سالم سفار بنی حنبلی سیّد (شرح ثلاثیات السند الامام احمد ج ۱ ص ۵۸۳، ۶۷۰، ۷۳۳) علامہ انور شاہ کشمیری (تحیۃ الاسلام ص ۱۲ طبع مجلس علمی ڈابھیل) علامہ محمد ادریس کاندھلوی (الطریق الصیح ص ۱۷۶ ج ۱) اور مولانا نور الحسن شاہ بخاری (حیات الاموات ۸۹، ۹۰) وغیرہ علیہم السلام حضرات علماء نے کتاب الروح کو علامہ ابن القیم کی کتاب کہا ہے۔

اور علامہ ابن القیم سیّد فرماتے ہیں: ”وبعد وفاتہ استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیہم الصلاة والسلام ومع هذا فلہا اشراق علی البدن و اشراق وتعلق بہ بحیث یرد السلام علی من سلم علیہ“ (زاد المعاد فی حدی خیر العباد جلد ۱ جز ۲ ص ۴۲۷ وحیدی کتب خانہ پشاور) وفات کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارک دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رفیقِ اعلیٰ میں موجود ہے لیکن اس کے ساتھ اس کا جسم اطہر پر اس طرح کا پرتو اور شعاع اور تعلق ہے جس سے سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

علامہ احمد خفاجی حنفی سیّد: (۹) علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری سیّد (متوفی ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں:

”من زارني بعد موتی فکأنما زارني في حياتي لانه حي في قبره يدري بمن يزوره ويرد سلامه“ (نیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۲ طبع تالیفات اشرفیہ ۶۰ ن) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی ایسا سمجھے کہ میری زندگی میں میری زیارت کی کیونکہ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زیارت کرنے والے کو جان لیتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ”وفیه دليل على انه حي حياة مستمرة لان الكون لا يخلو من مسلم يسلم عليه في كل لحظة وقد ثبت بالاحاديث الصحيحة انه وسائر الانبياء احياء حياة حقيقة كالشهداء وان كان حال البرزخ لا يقاس على حال الدنيا“ (نیم الریاض ج ۳ ص ۴۹۹) اس حدیث میں دلیل ہے کہ آپ ﷺ دائمی حیات کے ساتھ (قبر مبارک میں) زندہ ہیں کیونکہ دنیا کا ہر لمحہ کسی سلام کرنے والے سے خالی نہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اور سب انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح (بلکہ اُن سے بڑھ کر حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اگرچہ برزخ کا حال دنیا کے حال پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، ”وبما تقرر في هذه الاحاديث علم انه تبلغه الصلوة و السلام عليه اذا صدر من بعيد ويسمعهما اذا كانا عند قبره الشريف بلا واسطة سواء ليلة الجمعة وغيرها“ (نیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۳) گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ جب درود و سلام دور سے پڑھا جائے آپ ﷺ تک پہنچتا ہے، اور جب قبر شریف کے پاس پڑھا جائے تو آپ ﷺ بلا واسطہ سنتے ہیں چاہے جمعہ کی رات ہو یا کوئی اور وقت۔

علامہ محمد سخاوی رحمہ اللہ: (۱۰) علامہ محمد بن عبدالرحمن سخاوی رحمہ اللہ (متوفی ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں: یؤخذ

من هذه الاحاديث انه حي على الدوام وذلك لانه محال عادة ان يخلو الوجود كله من واحد يسلم عليه في ليل ونهار ونحن نؤمن ونصدق بانه حي يرزق في قبره وان جسده الشريف لا تاكله الارض والاجماع على هذا (القول البدیع ص ۱۷۲) ان احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ داعما زندہ ہیں کیونکہ یہ محال ہے کہ دنیا رات دن کے کسی وقت میں آپ ﷺ پر سلام پڑھنے والے سے خالی ہو اور یہ حدیثیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو ان احادیث سے آپ ﷺ کا ہمیشہ زندہ ہونا ثابت ہے (اور اس پر ہمارا ایمان ہے اور تصدیق کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو رزق ملتا ہے اور آپ ﷺ کے جسم اطہر کو زمین نہیں کھاتی اور اس پر اجماع ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ: (۱۱) علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں: ”والمراد

بتلك الحياة نوع من الحياه غير معقول لنا وهي فوق حياة الشهداء بكثير وحياة نبينا اكمل واتم من حياة سائرهم عليهم السلام۔۔۔ ثم ان تلك الحياة في القبر وان كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحياة في الدنيا المعروفة لنا من الصلاة والاذان والاقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك الا انها لا يترتب عليها كل ما يمكن ان يترتب على تلك الحياة المعروفة ولا يحس بها ولا يدركها كل احد فلو فرض انكشاف قبر نبي من الانبياء عليهم السلام لا يرى الناس النبي فيه الا كما يرون سائر الاموات الذين لم تاكل الارض اجسادهم“ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۸) انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی سے مراد خاص زندگی ہے جو ہماری سمجھ میں نہ آنے والی ہے اور وہ شہداء کی زندگی سے بہت درجے بڑھ کر ہے، اور نبی کریم کی زندگی سب انبیاء علیہم السلام کی زندگی سے اتم و اکمل ہے۔ پھر قبر کی اس زندگی پر اگرچہ بعض وہ احکام مرتب ہیں جو ہماری دنیا والی زندگی کے مشہور احکام ہیں یعنی نماز، اذان، اقامت، سلام سن کر اس کا جواب دینا وغیرہ (کہ یہ سب نبی علیہم السلام کے لئے ثابت ہے)

مگر ایسا نہیں کہ جو بھی حکم دنیا والی زندگی پر لاگو ہوتا ہے ایسا ہر حکم اس زندگی پر لاگو ہوتا ہو، اور نہ اس زندگی کو محسوس کیا جاسکتا ہے نہ کوئی معلوم کر سکتا ہے کیونکہ اگر بالفرض کسی نبی کی قبر کھل بھی جائے تو بھی لوگ نبی کو ویسا دیکھیں گے جیسا ان عام مردوں کو دیکھیں جن کے جسموں کو زمین نے نہ کھایا ہو۔

علامہ علی خازن رحمہ اللہ: (۱۲) علامہ علی بن محمد خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث ذکر فرما کر فرماتے ہیں: ”واما صلاة الانبياء وهم في الآخرة فهم في حكم الشهداء بل افضل منهم وقد قال الله سبحانه وتعالى ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء فالانبياء احياء بعد الموت واما حكم صلاتهم فيحتمل انها الذكر والدعاء وذلك من اعمال الآخرة فان الله تعالى قال دعواهم فيها سبحانه اللهم الخ!“ (تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۱۲ طبع مطبعة التقدم العلمية مصر ۱۳۳۲ھ) ربی انبیاء علیہم السلام کی آخرت میں رہ کر نماز تو بات یہ ہے کہ وہ شہداء کے حکم میں ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں، اور شہداء کے حق میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردے خیال بھی نہ کرو بلکہ زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام بھی وفات کے بعد زندہ ہیں، اور ان کی نماز کا حکم یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ ذکر و دعاء کی قسم سے ہو، اور یہ آخرت کے اعمال میں سے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت میں ان کی دعاء سبحانه اللهم ہوگی، اور تسبیح پڑھیں گے۔

مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ: (۱۳) حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۵ھ) فرماتے ہیں: ”اہل جنت کی حیات اور دائمی عبادت و ذکر حدیث سے ثابت ہے، حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی وفات کے بعد بھی عبادت اور نیک اعمال سے معطل نہیں رہتے بلکہ دوسروں کی درود بھی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے، ان کے جسموں کو زمین نقصان نہیں پہنچاتی، اور ان کو رزق بھی ملتا ہے، جملہ صفات حیات کی صفات ہیں، اس لئے ان کی حیات اور عبادت اس عالم میں بھی اہل جنت کی حیات اور عبادت کی شان رکھتی ہے (اور فرماتے ہیں) جو لوگ خود حاضر ہو کر آپ ﷺ پر درود و سلام پیش کرتے ہیں وہ تو آپ ﷺ بنفس نفیس سنتے ہیں اور جو دور سے درود و سلام پڑھتے ہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے معین فرمادیئے ہیں وہ اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں، یہی طریقہ دنیا میں ہے، اپنی موجودگی میں سلام کی سنت خود ادا کرتے ہیں اور غائب ہو کر کسی دوسرے شخص کی معرفت اپنا سلام بھیجتے ہیں، چونکہ وفات کے بعد یہ طریقہ قائم نہیں رہ سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس خدمت کے لئے یہاں ملائکہ اللہ مقرر فرمادیئے ہیں جو اس خدمت کو انجام دیتے ہیں، اگر انبیاء علیہم السلام میں آثار حیات نہیں تو پھر یہ کس لئے ہوتا ہے؟ اور اگر یہاں حضور و غیبت کا کچھ فرق نہیں تو پھر فرشتوں کا یہ تقرر کس لئے ہے؟ اس لئے نہ یہ صحیح ہے کہ ان کی حیات کو عام لوگوں کی حیات کے برابر سمجھا جائے اور نہ اس کو بڑھاتے بڑھاتے اتنے مبالغہ کی ضرورت ہے کہ العیاذ باللہ حاضر و ناظر کی صفت ان کے لئے ثابت کر دی جائے۔“

(ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۰۱، ۳۰۲ طبع دارالاشاعت کراچی)

مولانا نواب قطب الدین رحمہ اللہ: (۱۴) مولانا نواب قطب الدین دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۹ھ)

شاگرد رشید حضرت مولانا محمد اسحاق محدث دہلوی فرماتے ہیں: ”زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے نہ کہ حیات معنوی روحانی جیسی کہ شہداء کو ہے۔“ (مظاہر حق طبع لکھنؤ ص ۷۳)

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی مدظلہ: (۱۵) حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی مدظلہ (متوفی

۱۳۲۵ھ) فرماتے ہیں: ”ان النبی حی فی قبرہ ولذا لک لم یورث ولم ینتم ازواجہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ من صلی علی عند قری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته الخ“ (التفسیر المنظم ج ۷ ص ۷۳) نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں، اس لئے آپ ﷺ کی وراثت نہیں چلی اور آپ کی ازواج بیوہ نہیں ہوئیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے مجھ پر درود شریف پڑھا میری قبر کے پاس میں اس کو سنوں گا اور جس نے مجھ پر درود سے درود شریف پڑھا وہ مجھ کو پہنچایا جائے گا۔“

اور حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے اس پر مستقل عنوان قائم کیا ہے ”باب در بیان آنکہ انبیاء و اولیاء در قبور خود نماز و ذکر خدا مشغول و حلالہ ذبا شد الخ“ (تذکرۃ الموتی والقور ص ۲۴) یعنی باب اس بیان میں کہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز اور ذکر الہی میں مشغول اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ: (۱۶) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ (متوفی

۱۳۶۳ھ) فرماتے ہیں: ”اگر نظر کو اور وسیع کیا جائے تو حضور ﷺ کے لئے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع ہیں دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور ﷺ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی اور حدیثوں میں صلاۃ و سلام کا سامع وارد ہوا ہے۔“

(مواعظ میلاد النبی ﷺ ص ۳۷ وعظ الظہور طبع مکتبہ اشرفیہ لاہور، ص ۳۱ طبع تالیفات اشرفیہ ملتان سن اشاعت ۱۴۳۰ھ)

اور فرماتے ہیں: ”امام مالک کا قول ہے ”یکرہ قول الرجل زرت قبر النبی“ یعنی امام مالک مدظلہ فرماتے ہیں کہ یہ بات کہنی مکروہ ہے کہ میں نے قبر شریف کی زیارت کی۔“ امام مالک کا یہ قول اول تو ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو ان کا یہ مطلب نہیں جو تم کہتے ہو۔ بلکہ ان کا مطلب تو یہ ہے کہ چونکہ حضور ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں اس لئے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں نے قبر کی زیارت کی کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں (اس نے گویا حضور ﷺ کی زیارت کی) غرض دنیا میں ایسے خشک مزاق بھی موجود ہیں جن کو زیارت قبر کا خود تو کیا شوق ہوتا اس کو حرام کر کے دوسروں کو بھی روکنا چاہتے ہیں مگر جو زیارت کر چکے ہیں ان سے پوچھو کس قدر برکات حاصل ہوتے ہیں، بس اب میں بیان کو ایک واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارت قبر شریف کے برکات اور حضور ﷺ کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا۔

سید احمد رفاعی مدظلہ کا واقعہ ہے کہ جب مزار شریف پر حاضر ہوئے عرض کیا السلام علیک یا جدی جواب مسوع ہوا (سنائی دیا) و علیک السلام یا ولدی اس پر وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها تقبل الارض عیوہی نابتی

فہذہ دولۃ الاشباہ قد حضرت فامدد یمینک کی تخطی بہا شفتی

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی مائع تھا باہر نکلا انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر

اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے۔ (اشرف الجواب ص ۱۴۹ بحوالہ وعظ شکر العتمہ بذکر الرحمۃ)

اور فرماتے ہیں: ”حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود یعنی جسد مع طہس الروح (روح کے جسم کے ساتھ تعلق کے ساتھ) اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر تعلق ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ الخ!“ (اشرف الجواب ص ۲۳۶، ۲۳۵ طبع تالیفات اشرفیہ، خطبات میلاد النبی ص ۲۷۳)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا سیّدی: (۱۷) حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا سیّدی کی عبارت پہلے نقل ہو چکی ہے کہ آیت ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم“ سے بھی علماء نے قبر نبوی کی زیارت کا استحباب ثابت کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں وفات کے بعد زندہ ہیں جیسا کہ حدیث ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں اس کو امام بیہقی نے صحیح کہا ہے اور اس پر ایک جزء کتاب لکھی ہے اور ابو منصور بغدادی سیّدی متکلمین علماء سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں، اور جب آپ ﷺ زندہ ہیں تو وفات کے بعد آپ ﷺ کے پاس آنے والا وفات سے پہلے آنے والے کی طرح ہے۔ الخ!

(ادجزالسا لک ج ۲ ص ۲۶۲ طبع اداره تالیفات اشرفیہ ملتان)

اس بارے میں حضرت شیخ الحدیث نے اپنی محبوب کتاب فضائل درود شریف میں جتنا وضاحت سے لکھا ہے اس سے زیادہ اس مسئلہ کی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں رہتی اس وجہ سے یہ کتاب مہاتموں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، اس میں حضرت شیخ الحدیث سیّدی فرماتے ہیں: ”اس روایت میں حضور اقدس ﷺ خود سننے میں کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔“ (مجموع فضائل اعمال میں مندرج فضائل درود شریف ص ۲۱ طبع دارالاشاعت کراچی)

علامہ حسن شرمیلالی حنفی سیّدی: (۱۸) علامہ شیخ حسن بن عمار بن علی شرمیلالی حنفی (متوفی ۱۰۶۹ھ)

فرماتے ہیں: ”ولما هو مقرر عند الحققین انه حی یرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات غیر انه احجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات“ (نور الایضاح ص ۱۸۷ طبع قدیمی کتب خانہ، مراقی الفلاح ص ۱۹۲ طبع مکتبہ امدادیہ) یاد رہے کہ یہاں لذتوں سے مراد اخروی لذتیں ہیں نہ کہ دنیاوی آخرت کی ساری لذتیں قبر میں جمع کر دی گئیں ہیں، استاذ مکرم مولانا سرفراز خان صفدر سیّدی نے یہی عبارت نقل کر کے اس کا محض ترجمہ کیا ہے مگر مولوی امیر عبد اللہ صاحب یہ بتائے بغیر کہ یہ ایک حنفی محقق کی عبارت ہے استاذ مکرم پر جرح کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”یہ ظالمانہ حوالہ لکھ کر کیا مولانا صاحب نے دیوبندیوں کے مذہب کا خون نہیں کیا؟ اکابرین دیوبند کا ایسے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ (اطلان حق ص ۱۲)

جناب والا! دیوبند کے اکابرین کا اپنا کوئی الگ مذہب نہیں، یہ حنفی ہیں، اور یہ عبارت فقہ حنفی کی کتاب کی ہے، اب یوں کہیں کہ جی علماء احناف کا ایسے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، مگر اس جرات سے پہلے علامہ شرمیلالی سیّدی کو ذرا حوالہ پیش کر کے احناف کی صف سے نکالنے، اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی سماع عند القبر لکھا ہے اس کے مرتبین پر بھی یہی تبصرہ فرمائیں یہی علم جناب نے استاذ صاحب کی دوسری عبارات پر بھی کیا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری: (۱۹) فقہ حنفی کے معتمد فتاویٰ عالمگیری (جس کو تقریباً ۵۰۰ علماء کی جماعت نے

مرتب کیا اس) میں ہے کہ روضہ مبارکہ پر حاضر ہونے والا مسلمان یوں سمجھے: ”کناہ نانم فی لحدہ عالم بہ یسمع کلامہ کذا فی الاختیار شرح المختار“ (فتاویٰ مالکیری ج ۱ ص ۲۷۲) گویا کہ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں سوئے ہوئے اور حاضر ہونے والے کو جان رہے ہیں اور اس کا کلام سن رہے ہیں، جیسا کہ کتاب اختیار شرح مختار میں ہے۔ یاد رہے کہ الاختیار شرح مختار بھی فقہ حنفی کی کتاب ہے اس حوالے میں فقہ حنفی کے دو حوالے پیش ہو گئے۔

علامہ احمد طحاوی رحمہ اللہ: (۲۰) فقہ علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحاوی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۳۱ھ)

فرماتے ہیں: ”فانہ ﷺ یسمعہا ای اذا کانت بالقرب منه قوله وتبلغ الیه ای یبلغها الملك الیه اذا کان المصلی بعیدا“ (حاشیہ الطحاوی علی مراقی الفلاح ص ۷۳۶) یعنی آپ ﷺ اس وقت درود شریف سنتے ہیں جب پڑھنا قریب سے ہو، اور آپ ﷺ تک درود شریف پہنچتا ہے یعنی فرشتے پہنچاتے ہیں جب درود شریف پڑھنے والا دور ہو۔ یہ بھی فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے اس کے بعد بھی کوئی اپنے کو حنفی اور دیوبندی بھی کہلائے اور اس کا قائل نہ ہو یہ ایسا عی ہے جیسے کئی لوگ بدعت کر کے بھی اپنے کو سنی کہتے ہیں بلکہ اصلی سنی کہتے ہیں اور اہل حق کو بدعتی اور اہل ہوا کہتے ہیں۔

چیلنج: کوئی بھی مماتی فقہ حنفی کے کسی بھی معتبر فتاویٰ میں وہ چھوٹا ہو یا بڑا ایسی صریح عبارت دکھا دے کہ آپ ﷺ روضہ مبارکہ پر حاضر شخص کا سلام نہیں سنتے؟؟ مولوی امیر عبد اللہ نے بدعتیوں کی طرح عموماً کا اور مفہوم مخالف کا سہارا لیکر اپنا مسلک ثابت کرنے کی کوشش تو کی ہے مگر ایک بھی صریح عبارت عدم سماع کی پیش نہیں کی، نہ عی پیش کر سکیں گے ان شاء اللہ؟؟ آگے مولوی صاحب کے رسالے پر تبصرہ آنے والا ہے، ان شاء اللہ۔

مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ علماء دیوبند کا مسلک: (۲۱) حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ فرماتے

ہیں: ”وہ (یعنی علماء دیوبند) برزخ میں آپ ﷺ کی جسمانی (جسم عنصری کے ساتھ) حیات کے قائل ہیں لیکن وہاں معاشرت دنیوی کے قائل نہیں وہ اس کے اقراری ہیں کہ آج بھی امت کے ایمان کا تحفظ گنبد خضراء عی کے منبع ایمانی سے ہو رہا ہے لیکن پھر بھی وہ آپ کی کو حاضر و ناظر نہیں جانتے۔ (مسلک علماء دیوبند ص ۲۴ طبع دارالاشاعت)

مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ: (۲۲) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جماہیر امت

محمد یہ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ قبر اطہر میں حیات مخصوص کے ساتھ حیات ہیں، باقی یہ بات کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ حضرت حق کو ہی معلوم ہے وہ حیات حضور انور ﷺ پر میت کے اطلاق کے منافی نہیں۔“ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۹۱) اور فرماتے ہیں: ”انبیاء علیہم السلام کے سوا اور کسی آدمی کی قبر پر سلام کرنا اور یہ سمجھنا کہ وہ سنتے ہیں درست نہیں۔“ محمد کفایت اللہ کان اللہ۔ (ارشاد الاصابہ ص ۱۰ مرتب مولوی سجاد بخاری)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی اس قدر حیات کے قائل ہیں کہ قبر کے پاس سنتا مانتے ہیں، البتہ دوسرے مردوں کے سماع کا انکار فرمایا۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ: (۲۳) اس سلسلے میں آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد بن عبد

الوہاب مجددی کا اور اس کی جماعت کا موقف بھی بیان ہو جائے چنانچہ شیخ کے بیٹے عبد اللہ صاحب کہتے ہیں: ”ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا درجہ اور مرتبہ تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ والفضل ہے اور آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی یہ حیات برزخی حیات ہے اور یہ شہداء کرام کی حیات سے زیادہ بلند

درجہ کی ہے کیونکہ بلا شک و شبہ آپ ﷺ شہداء سے افضل ہیں اور آپ ﷺ سلام عرض کرنے والے کا سلام سننے میں اور آپ ﷺ کی زیارت مسنون ہے۔“

(فتح محمد بن عبدالوہاب، موائد مولانا محمد منظور نعمانی پبلیکیشن بحوالہ سنی محمد ص ۴۱ کتب از فتح عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب)

ایک مغالطہ: (ہدایہ ج ۱ ص ۱۶۰) میں ہے وہو الیوم کما وضع آپ ﷺ آج بھی ویسے ہیں جیسے رکے گئے ہیں، اس عبارت کا مطلب مماتی غلط لیتے ہیں کہ آج بھی ویسے ہی (معاذ اللہ) بغیر روح اور تعلق روح کے ہیں جیسے رکے گئے ہیں، حالانکہ عبارت کا یہ مطلب بالکل غلط اور توجیہ القول بمالایرضی بہ القائل ہے علامہ عینی رحمہ اللہ اس عبارت کے متعلق فرماتے ہیں: ای والحال انه الیوم کما وضع لان الارض لا تاكل اجساد الانبياء عليهم السلام (البنیہ ج ۱ ص ۱۸۶) یعنی حال یہ ہے کہ آپ ﷺ آج بھی اسی طرح ہیں جیسے رکے گئے ہیں کیونکہ زمین انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ عبارت صرف جسم مبارک کے بارے میں ہے نہ کہ روح مبارک کے بارے میں، ہدایہ میں جس بحث میں درج ہے وہ بحث بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ یہ جسم اطہر کے بارے میں ہے، خواجہ خواہ اس کو روح کے تعلق ہونے یا نہ ہونے سے جوڑنا دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں ہے، کیونکہ ہدایہ کتاب الایمان باب الیمین بالہتل والضرب میں قبر کے اندر عذاب دیئے جانے والے سے متعلق ذکر ہے ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیاة فی قول العامة (کتاب الیمین) جس کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ اس میں حیات ڈالی جاتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ عذاب کے بجائے راحت دیئے جانے والے میں بھی راحت محسوس کرنے کیلئے حیات ڈالی جاتی ہے، اور سب سے بڑھ کر راحت انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے تو صاحب ہدایہ کافر کے جسم میں زندگی مانتے ہیں تو کیا انبیاء علیہم السلام میں زندگی نہ ہونے کے قائل ہیں؟

انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ حیات برزخی ہے

انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق یہ اختلاف بھی چلا اور مولوی امیر عبداللہ اور مماتوں نے اس کو کچھ زیادہ ہی ہوا دینے کی کوشش کی، اور تاثر یہ دیا کہ ہمارا اور ان دیوبندیوں کا اختلاف گویا بس یہی ہے کہ دیوبندی کہلانے والے نبی کریم ﷺ کی ۶۳ سال کی دنیاوی زندگی کے بعد بھی ویسی ہی دنیاوی زندگی مانتے ہیں، حالانکہ دنیاوی کہنا اور برزخی کہنا محض لفظی اختلاف کہا جاسکتا ہے، اصل بات جسم عصری کی حیات کی ہے۔

دنیاوی حیات کہنے والوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ روح کے اپنے مقام میں رہتے ہوئے جسم سے تعلق ہونے کی وجہ سے دنیا والے جسم عصری میں بھی زندگی ہے، فتح عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ نواب قطب الدین دہلوی رحمہما اللہ وغیرہ نے دنیاوی حیات فرمایا اور کئی اکابر نے برزخی قرار دیا، دونوں کا ایک ہی مطلب ہے کہ روح مبارک کے تعلق سے جسم عصری میں برزخی حیات حاصل ہے لیکن صرف روح مبارک یا صرف جسم مثالی کی حیات کا اکابرین میں سے کوئی بھی قائل نہیں رہا ہے، اگر یہ لوگ اس کا دعویٰ کرتے ہیں تو صرف ایک بزرگ کی صاف صریح عبارت پیش کریں ”ولا یاتون بہ، ولو کان بعضهم لبعض ظہیرا، وفی ہذہ کفایۃ لمن لہ الہدایۃ“

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (الحديث)

اظہار حق

بجواب

اعلان حق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تصنيف:

مولانا مجيب الرحمن مدظلہ
استاد جامعہ محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

مستقیم
صراط

تالیف

جامع العقول والمنقول

مولانا مجیب الرحمن صاحب

ناشر

مکتبہ امکا امیہ مسلمان ہاؤس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلی فہرست

۱۱۵	(حرفے چند) مولانا مجیب الرحمن مدظلہ		
۱۱۶	ابتدائی جمہیدی باتیں	۱۱۶	مسلک دیوبند اور جمعیت اشاعت
۱۱۷	تعلی علماء دیوبند	۱۱۷	بذل الجہود کی عہارت پر گستاخانہ تبصرہ
۱۱۸	المہد کی حقیقت	۱۱۷	منشا اختلاف اور علماء دیوبند پر الزامات
۱۱۹	عقیدہ اور اس کا ثبوت	۱۱۹	امت کا اجماع
۱۲۰	قبر دنیاوی اور برزخی زندگی	۱۲۱	نبی کریم مسلم کی روح و جسم عصری دونوں جنت میں ہیں
۱۲۱	آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہی نزدیک سے درود و سلام سنتے ہیں مگر جواب کامل مسلمان کو ملتا ہے	۱۲۱	مؤمنین موتی بنتے ہیں
۱۲۲	حضور ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہوتا سب اکابر دیوبند کا عقیدہ ہے اس کو علم غیب کہنا جہالت ہے	۱۲۲	حضور ﷺ کی خدمت میں شفاعت کی درخواست کرنا ایسے ہی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے حضور ﷺ کی خدمت میں درخواست شفاعت کرنا سب اہل حق کے نزدیک جائز ہے
۱۲۳	جسم اطہر سلامت بھی ہے اور جسم اطہر میں زندگی بھی ہے	۱۲۳	جمعیت اشاعت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ
۱۲۴	کیا عقیدہ حیات اور سماع شرک ہے؟	۱۲۴	امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ کی عہارات میں غلطیوں کا جواب
۱۲۵	نبی کریم ﷺ کے لئے علم غیب ماننے کا طعن	۱۲۴	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اہانت کا طعن
۱۲۷	موت کے بعد روحوں اور جسموں دونوں کی زندگی	۱۲۷	قبر اطہر میں زندگی کی کیفیت
۱۲۸	مردوں کے سننے کی بحث	۱۲۸	کیا عقیدہ سماع موتی شرک ہے؟
۱۳۰	حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کی عہارت سے دھوکہ دہی	۱۳۰	مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کی عہارت سے دھوکہ دہی
۱۳۱	حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی عہارت سے دھوکہ	۱۳۱	مولانا حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ کی عہارت سے دھوکہ
۱۳۲	کیا قرآن مجید میں ہے کہ عقیدہ سماع شرک ہے؟	۱۳۲	مردوں کے نہ سننے پر مولوی صاحب کے دلائل
۱۳۳	صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع	۱۳۳	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی خاموشی
۱۳۵	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع	۱۳۵	جمہور کا عقیدہ
۱۳۷	کتاب الغرائب، امام اعظم رحمہ اللہ کا حوالہ	۱۳۷	امام اعظم رحمہ اللہ اور سماع موتی
۱۳۸	مولانا احمد سعید دہلوی کا حوالہ	۱۳۸	علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا عزیز الرحمن کا حوالہ

۱۳۹	مولانا غلام اللہ خان کا حوالہ	۱۳۸	حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا حوالہ
۱۳۹	حضرت گنگوہی رحمہ اللہ	۱۳۹	مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کا حوالہ
۱۴۰	امام شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ	۱۴۰	امام احمد رحمہ اللہ بن حنبل کا حوالہ
۱۴۰	آیت میں تشبیہ کی صورت	۱۴۰	الجامع الصغیر کے حوالہ میں جھوٹ
۱۴۳	آیت کے شان نزول میں حضرت ابن عباس کی روایت	۱۴۲	ایک بہترین قابل غور نکتہ
۱۴۹	عدم سماع موتی پر احادیث سے دلائل اور جواب		
۱۵۵	امام زین العابدین رحمہ اللہ کا حوالہ	۱۵۲	حضور ﷺ کے نزدیک سے نہ سننے کے دلائل
۱۵۶	حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کا حوالہ	۱۵۵	حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا حوالہ
۱۵۷	غیر مجتہد کا جاہلانہ قیاس اور قیاسی دلیل	۱۵۶	استاد کرم رحمہ اللہ کا دعویٰ اجماع
۱۵۸	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عقیدہ سماع	۱۵۸	مولانا ظہیر احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کا حوالہ؟
۱۶۱	حضرت نابغہ جعدی رحمہ اللہ کے اشعار	۱۶۰	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سماع موتی
۱۶۲	سماع موتی اور حقد میں و متاخرین کے اقوال	۱۶۱	حضرت قتیلہ بن عقیق کے اشعار
۱۶۲	واقعہ قلب بدر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اور کیا قلب والوں کا سننا معجزہ تھا؟	۱۶۲	مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ کی عبارت پر طعن
۱۶۳	مختلف مفسرین کے اقوال کا مجموعہ	۱۶۳	امام محمد باقر بن علی بن حسین رحمہ اللہ
۱۶۵	مسئلہ یمن سے استدلال	۱۶۴	علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ
۱۶۶	مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ	۱۶۶	علماء دیوبند اور سماع موتی
۱۶۶	مولانا مفتی ظفر الدین رحمہ اللہ کا حوالہ	۱۶۶	مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ
۱۶۸	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ	۱۶۶	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ
۱۶۸	مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ	۱۶۸	شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ
۱۶۹	سماع موتی کی احادیث متواتر	۱۶۹	مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ
۱۷۱	کتاب ”فاتحہ کا صحیح طریقہ“ کا حوالہ	۱۷۰	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ
۱۷۲	عدم سماع موتی قانون؟	۱۷۱	دلیل مدعی کے ذمہ؟
۱۷۳	آپ ﷺ کے سماع عند الغبر پر اجماع	۱۷۳	فتاویٰ رشیدیہ کے ایک فتویٰ پر مولوی صاحب کا تبصرہ
۱۷۴	مابلی حدیث کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتا ہے	۱۷۴	سماع موتی اور احادیث
۱۷۷	قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ	۱۷۵	صحیح بخاری کی سب احادیث صحیح ہیں
۱۸۳	فقہ حنفی اور سماع موتی	۱۸۱	اہل قہور کو سلام کرنے کی احادیث اور سماع موتی

۱۸۴	مولوی صاحب کے استاد محترم مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں	۱۸۴	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف روحانی برزخی زندگی پر مولوی صاحب کے دلائل
۱۸۶	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف روح کی زندگی اور مولوی صاحب کے دلائل	۱۸۵	مقتول کا معنی اور حیات شہداء
۱۹۴	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کا مقام اور اقوال علامہ کھام رحمۃ اللہ علیہ	۱۹۴	علامہ نسفی اور علامہ آلوسی اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب
۱۹۵	علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب	۱۹۵	حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ
۱۹۶	حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۹۶	مولانا مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ
۱۹۷	حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب	۱۹۷	حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب
۱۹۸	حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب	۱۹۸	حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب
۱۹۹	حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب	۱۹۹	مولانا ابو محمد عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب
۲۰۰	سب مردوں کی رعوں کا ان کے اجسام غصریہ سے تعلق ہوتا ہے	۲۰۰	رعوں کے جسموں سے تعلق کے دلائل
۲۰۲	مما تہوں کا اللہ تبارک و تعالیٰ سے استدلال	۲۰۲	مولوی صاحب کا چیلنج
۲۰۵	عذاب قبر اور اس کی کیفیت	۲۰۵	اہل سنت اور حنفی فقہاء کی تصریحات
۲۰۶	مولوی صاحب کے دلائل کا ایک جائزہ	۲۰۶	مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ
۲۰۹	قبر سے کوئی قبر مراد ہوتی ہے؟	۲۰۹	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سماع سلام عند القبر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(حرفے چند)

مولانا مجیب الرحمن مدظلہ

اشاعت التوحید کے رہنما مولانا امیر عبداللہ صاحب نے ”اعلان حق“ کے نام سے انکار حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اشکالات و اعتراضات کو جمع کیا۔ مولانا مجیب الرحمن صاحب ڈیرہ اسماعیل خان نے ”اعلہار حق بجواب اعلان حق“ کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ جو اس مجموعہ میں شامل اشاعت ہے۔ (ناشر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى اله واصحابه

اجمعين وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين وعلينا معهم برحمة الرحيم: اما بعد:

مولوی امیر عبد اللہ صاحب نے اعلان حق کے نام سے (جو حقیقت میں اعلان باطل ہے اور کتاب الہدیٰ فی رد اہل الہوی نہیں بلکہ کتاب النواہی فی رد اہل الہدایہ ہے) ۶۰ اور اب دوسرا ایڈیشن (۹۰) صفحاتی کتابچہ لکھ کر اپنے طور پر اپنے موقف کی وضاحت کرنا چاہی اور خود کو اصل دیوبندی اور اصل علماء دیوبند کو جعلی اور نقلی اور کئی قسم القاب دینا چاہے ہیں، قارئین کو بحث کے دوران اس کا مشاہدہ خوب ہوگا کہ مولوی امیر عبد اللہ صاحب (ایسے ہی ان کے جماعتی مبلغین و مصنفین) حد سے بڑھ کر خیانت اور غلط بیانی کے ارتکاب میں ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے، اگلے صفحات کی بحثوں تک اس کی انتظار فرمائیں۔

نوٹ: یاد رہے کہ مولوی صاحب باادب نہیں ہیں، ان کے رسالہ میں نبی کریم ﷺ کے لئے درود شریف اور بزرگوں کے لئے مسید اور تعظیمی کلمات بہت ہی کم ملیں گے مثلاً رشید احمد گنگوہی، اشرف علی تھانوی نہ مولانا، نہ مسید وغیرہ، میں نے اکثر جگہ ان کے رسالہ کی عبارت کو اپنے حال پر باقی رکھتے ہوئے ذکر کئے ہیں، تعظیمی کلمات چھوڑ دیئے ہیں، البتہ جواب میں ضرور ذکر کئے ہیں۔

ابتدائی تمہیدی باتیں: مولوی صاحب کے رسالہ کی تقاریف لکھنے والوں نے اہل حق کو کئی القاب سے نوازنے کی کوشش کی ہے مفتی عبد الحکیم صاحب وغیرہ لکھتے ہیں کہ مولوی امیر عبد اللہ صاحب نے مسائل مختلفہ کو دلائل سے بیان کر کے احقاق حق اور ابطال باطل کیا ہے؟

جواب: مولوی امیر عبد اللہ نے جو عقائد لکھے ہیں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور اکابرین علماء دیوبند کے عقائد اور تصریحات اس کے خلاف ہیں یعنی پھر علماء دیوبند اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند باطل ہے، ملاحظہ کریں:

مسئلہ دیوبند اور جمعیت اشاعت: (۱) مولوی صاحب تلقین بعد الدفن جائز نہیں مانتے کیونکہ سماع موتی کے قائل نہیں جب کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے تلقین بعد الدفن کو فقہاء نے جائز رکھا ہے۔ (ج ۵ ص ۳۹۲)

(۲) مولوی صاحب بمع جماعت روح کا جسم عصری سے تعلق نہیں مانتے اور عذاب و ثواب صرف روح کے لئے مانتے ہیں جب کہ علماء دیوبند کافر تک کی روح کا جسم سے تعلق مانتے اور روح و جسم دونوں کو عذاب و خواب مانتے ہیں فتاویٰ دارالعلوم میں ہے ”قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور عذاب روح پر مع جسم کے ہوتا ہے۔ (ج ۵ ص ۴۲۶، ۴۲۷)

(۳) مولوی صاحب اور اس کی جماعت سماع موتی میں اختلاف نہیں مانتے بلکہ عدم سماع موتی پر اجتماع مانتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کو بھی منکرین سماع میں شامل کرتے ہیں جب کہ فتاویٰ دارالعلوم میں ہے ”سماع موتی میں اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے اور امام صاحب سے کوئی تصریح نقل نہیں۔ (ج ۵ ص ۴۶۱، تالیفات رشیدیہ ص ۲۳۳)

(۴) مولوی صاحب اور اس کی جماعت وسیلہ کی منکر اور اس کو شرک تک ٹھہراتی ہے جب کہ فتاویٰ دارالعلوم میں ہے ”اور اس طرح دعا مانگنا درست ہے کہ یا اللہ ببرکت اپنے نیک بندوں کے میری حاجت پوری فرما۔ (ج ۵ ص ۴۳۱)

اگر ان بزرگوں کے ذریعہ سے اپنی حاجات کے پورا ہونے کے لئے بھی دعا کرے تو مضائقہ نہیں، حصن

حصین میں مذکور ہے کہ صالحین کے وسیلہ سے دعاء کرنا مستحب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرماوے۔

(ج ۵ ص ۴۴۱، ۴۴۲)

تقلی علماء دیوبند: قاری حسین احمد نے دنیاوی جسم کے ساتھ حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کے

قائلین علماء دیوبند کو تقلی علماء دیوبند کہا ہے (ص ۲)

جس سے دارالعلوم کے فضلاء اور متعلقین بھی تقلی علماء دیوبند میں سے ٹھہرتے ہیں تعجب ہے کہ اصلی علماء دیوبند کو یہ حضرت تقلی کہہ رہے ہیں ہاں مگر آج کل کا طریقہ کار ہی یہی چل چکا ہے کہ تقلی اہل سنت نے باوجود بدعات کے ارتکاب کے خود کو اصلی اہل سنت قرار دیا ہوا ہے اور دشمنان اہل بیت نے خود کو اصل مہمان اہل بیت اور ہمیں دشمنان اہل بیت قرار دیا ہے اور لکھ رکھا ہے ”علی! دشمن مرئین“ اور اصل اہل حدیث کو غیر مقلدین نے تارکین حدیث اور خو کو اہل حدیث قرار دیا ہے، آج کل ایک چیز بنانے والی اصل کہنی بھی یہ لکھتی ہے کہ نقالوں سے ہوشیار رہیں اور نقال بھی چیز بنا کر لکھتے ہیں کہ نقالوں سے ہوشیار رہیں یہ انوکھی بات نہیں، زمانہ کا ایک فراڈ ہے، قارئین کو معلوم ہو جائے گا اور معلوم ہے کہ اصلی کون ہے اور تقلی کون ہے؟ حق پر کون اور باطل پر کون ہے؟

بذل الجہود کی عبارت پر گستاخانہ تبصرہ: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ”ایک رسالہ سرگودھا سے شائع ہو کر

یہاں تقسیم ہوا جس میں لکھا ”یقیناً نبی اہنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر رہیں یا پردہ میں ہوں، جیسے آپ دنیاوی زندگی میں حضور اور غائب ہونے میں زندہ تھے ایسے ہی قبر میں زندہ ہیں اور ہم سے غائب ہیں۔“ (علماء دیوبند اور حیات النبی ص ۷، اعلان حق ص ۶)

جواب: مولوی صاحب سے بڑا خائن شاید دنیا نہ دیکھے گی، مولوی صاحب سرگودھا کے علماء دیوبند کی

اس عبارت پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ بات نہیں بتاتے کہ سرگودھا والوں نے کس کی عبارت نقل کی ہے اور واقعی اس بزرگ کی یہ عبارت ہے بھی یا ان کے ذمہ لگائی گئی؟ یہ عبارت تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ علی ان نبی اللہ ﷺ حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احياء فی قبورہم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابہا کما لا فرق فی حضورہ وغیبتہ فی زمان حیاتہ۔ (بذل الجہود ج ۲ ص ۱۱۷ باب التعمد) علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ دوسرے انبیاء کرامؑ بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ نبی زمین کے اوپر ہو یا اس کے پردہ کے نیچے ہو جیسے آپ ﷺ کے زمانہ حیات میں آپ ﷺ کے موجود اور غائب ہونے میں فرق نہ تھا۔“

اگر یہ عقیدہ غلط ہے تو مولوی صاحب سرگودھا والوں کے بجائے حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ پر تبصرہ کریں اور اگر عبارت سے کوئی غلط مطلب نکلنے کا خطرہ ہے تو صحیح توجیہ کر لیں یہ کونسی دیانت داری ہے کہ تنقید قائل کے بجائے ناقل پر کی جائے؟

المہند کی حقیقت: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ”المہند نام سے ایک کتاب کو علماء دیوبند کا عقیدہ قرار دیا،

حالانکہ مولانا خلیل احمد نے خط لکھا تھا پتہ نہیں کس نے چھاپا، حضرت نے تو اپنی زندگی تک اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔“ (ص ۶)

جواب: اگر اس کا اظہار نہیں کیا تھا تو اس کے خط ہونے کا علم جناب کو کیسے ہو گیا؟ پھر یہ کھلا جھوٹ ہے کہ

انہوں نے زندگی تک اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ حالانکہ بذل الجہود انہوں نے زندگی میں لکھی اور اس کے اختتام پر مدینہ

طیبہ میں بڑی دعوت کی، ان کی زندگی میں اس پر تقریظ لکھنے والوں میں حضرت مدنی رحمہ اللہ بھی ہیں وہ لکھتے ہیں: ”و للمؤلف دَامَ مَجْدُهُ و علاہ تصانیف عديدة في مهمات المسائل فمنها المهند على المفند ذكر فيها معتقداته و معتقدات مشائخه الكرام“ (مقدمہ بذل الجہود ج ۱ ص ۳۹) بذل الجہود کے مؤلف دَامَ مَجْدُهُ کی اہم مسائل میں متعدد تصانیف ہیں، ان میں سے المہند علی المفند بھی ہے جس میں اپنے عقائد اور اپنے مشائخ کرام کے عقائد ذکر فرمائے ہیں۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ان الفاظ میں حضرت سہارن پوری کے لئے لفظ دَامَ مَجْدُهُ آئے ہیں اور یہ زندہ بزرگ کے لئے بولے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے مقدمہ اور یہ الفاظ حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ کی زندگی میں لکھے ہیں اور معلوم ہوا کہ المہند حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ کی زندگی میں چھپی تھی اور حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اس کو پڑھا تھا، تو کیا مولوی صاحب نے حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ کے ساتھ زندگی گزاری ہے جو کہتے ہیں کہ انہوں نے زندگی میں اس کا اظہار نہیں کیا تھا؟ ایسے ہی مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ بھی المہند کا ذکر کرتے ہیں، (مقدمہ بذل الجہود ج ۱ ص ۱۷) فتاویٰ خلیفہ مطبوعہ ہے، اس میں بھی المہند درج ہے، میں نہ مانوں گا کوئی علاج نہیں۔

کہتے ہیں کہ (المہند پر) جن حضرات کے دستخط ہیں ان کی اپنی کتابیں اس کے خلاف ہیں اس میں لکھا ہے حیوۃ رحمہ اللہ دنیویۃ لا برزخیۃ آپ رحمہ اللہ کی زندگی دنیویہ ہے برزخی نہیں ہے، جیسے مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے مایہ ناز فتاویٰ کفایت المفتی ص ۶۸ میں فرمایا آپ رحمہ اللہ کی زندگی برزخی ہے دنیاوی نہیں۔ (ص ۶)

جواب: حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نبی کریم رحمہ اللہ کو قبر شریف میں زندہ مانتے ہیں یعنی جسم اطہر میں زندگی مانتے ہیں اور قبر کے اندرون کا تعلق برزخ سے ہے، اس لئے اس کو برزخی کہتے ہیں اور چونکہ جسم عنصری دنیاوی میں بھی حیات ہے اس لئے علماء اس کو دنیاوی بھی کہہ دیتے ہیں مگر دنیاوی برزخی کے خلاف نہیں، اس لئے یہ کہنا عقل کی خرابی ہے کہ مفتی صاحب فتاویٰ میں کہتے ہیں دنیاوی نہیں اور المہند میں ہے دنیاوی ہے برزخی نہیں، اس کا تو مطلب یہ ہے کہ صرف برزخی یعنی صرف روحانی نہیں ہے دنیاوی یعنی جسمانی بھی ہے تو دونوں باتوں میں نہ تضاد ہے نہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں، یہ ان لوگوں کے دماغ کا تضاد ہے۔

اور جدید ایڈیشن میں لکھتے ہیں: ”اس کتاب پر عرب کے علماء کے دستخط اور مہریں ہیں ان میں تاریخ جو مہر پر ہے ۱۳۲۵ھ سے پہلے کی ہے کیا انہوں نے کتاب لکھنے سے پہلے دستخط اور مہریں لگا دی تھیں؟ (اعلان حق دوم ص ۷۲) **جواب:** نہیں جناب کتاب لکھے جانے سے پہلے مہریں لگائیں نہیں تھیں ہاں کتاب لکھے جانے سے پہلے مہریں بنائی تھیں اور اس وقت اکابرین مہریں بناتے وقت کی تاریخ لکھ دیا کرتے تھے تو وہ تاریخ مہریں بنانے کی ہے مہریں لگانے کی نہیں ہے، اگر آپ کو پھر بھی تسلی نہ ہو تو آپ کو یقین ہوگا کہ حضرت تھانوی کی کتاب حیلہ ناجزہ انہی کی ہے اور معتبر کتاب ہے اور جن حضرات نے تقریظات لکھیں وہ تقریظات بھی نقلی نہیں ہیں اس میں تقریظات کی مہریں ملاحظہ کریں تو کتاب لکھے جانے سے پہلے کی تاریخیں لکھی موجود ہیں، تو فرمائیں کہ وہ کتاب اور تقریظات جعلی ہوئیں؟ ہرگز نہیں، تو مہروں کی تاریخ مقدم ہونے سے کتاب غیر معتبر ہوتا ثابت نہ کیجیے جناب! کہتے ہیں کہ اگر یقین نہ آئے تو آج عرب علماء کے پاس المہند بھیج دیں۔ (اور وہ اس کی تصدیق کر دیں)

جواب: یہ ہے کہ جن علماء نے تقریظات لکھی تھیں اگر وہ آج زندہ ہوتے اور تقریظات کی تکذیب کرتے تب تو یہ بات درست ہوتی، آج کے علماء کی تقریظات تو نہیں کہ ان سے تصدیق کرائیں، یہ تو آپ نے رضا خانیوں

والی بات کی ہے، آج وہاں غیر مقلدوں کا تسلط ہے تو وہ اس بارے میں آپ کے ہم خیال ہیں وہ کیسے تصدیق کر دیں گے؟ انہی غیر مقلدوں سلفی کہلانے والوں کا فتاویٰ بلد الحرام بھی آپ لئے پھرتے ہیں۔

منشا اختلاف اور علماء دیوبند پر الزامات: مولوی صاحب نے باب اول کا عنوان قائم کر کے اس

کے تحت منشا اختلاف بیان کیا ہے کہ علماء دیوبند سے ہمارا کن باتوں میں اختلاف ہے؟

عقیدہ اور اس کا ثبوت: کہتے ہیں ہم وہ عقیدہ تسلیم نہیں کرتے جس کا ثبوت قرآن یا حدیث متواتر سے

نہ ہو، ہمارے مخالفین اپنا عقیدہ ضعیف روایتوں سے، پمفلٹوں رسالوں سے ثابت کرتے ہیں۔ (اعلان حق ص ۷)

مولوی صاحب کی اس بات پر اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ بہت سے عقائد وہ بھی ہیں جو قرآن مجید کی

نصوص قطعی الدلالت سے یا کسی ایک حدیث متواتر سے ثابت نہیں تاہم وہ عقائد بھی ہیں جیسے ہم اہل سنت کے عقیدہ کا

مسئلہ ہے کہ (۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں پھر حضرت عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہ اور (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سب انبیاء علیہم السلام سے مرتبہ میں افضل ہیں اور (۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر قبر مبارک میں صحیح سلامت اور محفوظ ہے

(۴) اور ایصال ثواب کرنے سے مسلمان مردوں کو ثواب پہنچتا ہے (۵) نماز وتر کے واجب سمجھنے کا عقیدہ (۶) بیت

المقدس سے آگے معراج نبوی کا عقیدہ (۷) سب صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں (۸) موزوں پر مسح جائز ہونے کا عقیدہ وغیرہ

ان عقائد میں سے ہر عقیدہ کے بارے میں کوئی ایک حدیث متواتر پیش نہیں کی جاسکتی بلکہ کئی اخبار آحاد مل کر تواتر بقدر

مشترک یا تواتر معنوی کے ساتھ متواتر بنتی ہیں یا کہیں تو متواتر بتواتر قدر مشترک بھی نہیں بلکہ آحاد ہیں، ایسے ہی عقیدہ

حیات النبی کے لئے بھی کوئی ایک حدیث متواتر نہیں پیش ہو سکتی مگر اس بارے میں مروی متعدد اخبار آحاد تواتر

قدر مشترک کے ساتھ متواتر ہیں، جیسے ان عقائد کا انکار فسق اور گمراہی ہے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار بھی فسق و

بدعت اور گمراہی ہے، ایسے ہی (۹) قرآن مجید اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق علیین اور عجمین

اعمال ناموں کی جگہیں ہیں مگر تم لوگوں کا بھی عقیدہ ہے کہ انبیاء اور مسلمانوں کی روحمیں مرنے کے بعد علیین میں رہتی

ہیں اس کے بارے میں اخبار آحاد اتنی بھی نہیں جو تواتر قدر مشترک تک پہنچیں مگر تم لوگوں کا یہ عقیدہ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جیسے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”فان الفرض کما یثبت بالقطعی

کذا لک یثبت بالظنی حتی بالقیاس ایضا فیجوز للمجتہد ان یقول ان هذا الجزء مثل هذا الجزء

المنصوص عندی فیکون فرضا مثله الا ان الفرق بین الفرضین ان الفرض الثابت من القاطع فیکون قطعیا

والثابت بالقیاس او بظنی اخر فیکون ظنیاً“ (فیض الباری ج ۳ ص ۴۱۴ کتاب الوصایا، باب قول اللہ عزوجل ان الدین

یا کلون اموال الیتامی ظلماً) جان لیں کہ بعض ذہنوں کی طرف یہ بات گئی کہ فرض صرف دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے،

لیکن یہ صحیح نہیں) کیونکہ فرض جیسے قطعی سے ثابت ہوتا ہے ایسے ہی ظنی سے حتیٰ کہ قیاس سے بھی ثابت ہوتا ہے تو مجتہد

کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ میرے نزدیک یہ جزء اس جزء کی مثل ہے تو وہ بھی اس کی طرح فرض ہوگا، مگر دونوں

فرضوں میں فرق یہ ہوگا کہ دلیل قطعی سے ثابت قطعی ہوگا اور قیاس یا ظنی سے ثابت ظنی ہوگا۔

تو جیسے فرض کی دو قسمیں ہیں قطعی اور ظنی ایسے ہی عقیدہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عقیدہ قطعیہ (۲) عقیدہ

ظنیہ۔ قطعیہ دلائل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور ظنیہ کے لیے دلائل ظنیہ کافی ہوتے ہیں عکسین (نہ اس مع شرح العقائد

ص ۲۹۲، ۲۹۵، بحث معراج من الارض الی السماء، ص ۳۰۱ بحث تفصیل خلفاء راشدین، ص ۳۵۸ بحث تفصیل بین الملائکۃ وعامة

البشر، نہ اس ص ۲۸۲، بحث الظن فی باب الاعتقادات)

عقیدہ قطعہ کا منکر کا فر ہوتا ہے اور عقیدہ ظنیہ کا منکر کا فر تو نہیں ہوتا مگر گمراہ ٹھہرتا ہے، ہاں بعض ظنی عقائد ایسے بھی ہیں جن کے دونوں جانب حق ہیں اور رائج مرجوح کا فرق ہونے کی وجہ سے گمراہی کا فتویٰ بھی نہیں لگ سکتا جیسے عام مردوں کے سننے نہ سننے کا عقیدہ کہ یہ ایسا نہیں ہے کہ معجزین سماع نافین کو یا نافین سماع معجزین کو کا فر یا گمراہ کہہ سکیں۔ مگر آج افراط و تفریط کا شکار ہو کر اس قسم کے مسئلہ میں بھی اشاعتی سماع موتی کے قائلین پر فتوے لگاتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے، یہی ہمارے اکابر کا نظریہ ہے جس کو ہم آگے ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ!

(دیکھیں جمال قاسمی، تفسیر معارف القرآن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند وغیرہ)

لیکن جب مولوی امیر عبد اللہ صاحب دلیل ظنی سے ثابت عقیدہ نہیں مانتے تو کیا نبی کریم ﷺ کی سب انبیاء سے افضلیت اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سب صحابہ سے افضلیت اور وتر کے وجوب وغیرہ جیسے عقائد کے جناب والا منکر ہیں؟ اگر ہاں تو ذرا کھل کر اظہار فرمائیں چھپے چھپے نہ رہیں عوام میں بر ملا اس قسم کے عقائد کی نفی فرمائیں؟ اور اگر قائل ہیں تو ہر ایک پر کونسی آیت قطعی الدلالت یا حدیث متواتر رکھتے ہیں؟

امت کا اجماع: کہتے ہیں کہ ہم اجماع کو حجت مانتے ہیں لیکن امت کا اجماع قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہو سکتا، ہمارے مخالفین صرف علاقہ کے اکثر لوگوں کے عقائد کا نام اجماع رکھ دیتے ہیں۔ (ص ۷)

جواب: ہم اپنے عقیدہ حیات النبی ﷺ اور سماع النبی عند القبر پر اجماع مانتے ہیں اور عذاب قبر کے روح و جسم دونوں کو ہونے پر اجماع اور اس کے مخالف کو شاذ اور بدعتی قرار دیتے ہیں۔

(۱) مولانا نور الحسن شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ”حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے (حیات الاموات ص ۹۰) بایں ہمہ قبر شریف میں آپ ﷺ کی جسمانی زندگی کا انکار نہیں کیا جا سکتا تمام اہل حق اور جمیع ائمہ دین مزار پر انوار میں حیات النبی ﷺ کے قائل و مثبت ہیں۔ (ص ۱۱۶)

(۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ (خطبات میلاد النبی ﷺ ص ۲۷۳)

اور فرماتے ہیں: ”روضہ مبارکہ پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلا واسطہ حضور ﷺ پر پیش ہوتا ہے اور آپ ﷺ اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۱۰، ۱۱۲، تسکین الصدور ص ۴۳)

(۳) مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باز نہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں حکم ہو تو آسکتے ہیں اور (دور سے) صلاۃ و سلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔“ (براہین قاطعہ ۲۰۳، ۲۰۴ طبع دارالاشاعت)

(۴) ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مع انہ لم یقل احد ان ارواحهم غیر متعلقہ باجسامهم“ (جمع الوسائل ج ۴ ص ۳۰۴) کوئی اہل حق اس کا قائل نہیں ہوا ہے کہ ان کی روحوں کا ان کے جسموں سے تعلق نہیں ہے۔

تو یہ حضرات اتفاق اور اجماع نقل کر رہے ہیں اور اجماع نام ہے اختلاف نہ ہونے کا، جناب کسی ایک مسلم بزرگ سے قبر میں نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر کا مردہ ہونا اور روح مبارکہ کا تعلق نہ ہونا اور قبر شریف کے پاس کا درود و سلام نہ سننا ثابت کیجئے (چیلنج ہے) تب ہی یہ اجماع ٹوٹے گا، یہ علاقہ کے لوگوں کا اجماع نہیں جمعیت اشاعت کی پیدائش سے پہلے کے پوری دنیا کے سلفاً و خلفاً مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور یہ اجماع واقعی قرآن و سنت کے خلاف نہیں کیونکہ قرآن و سنت کے خلاف اجماع نہیں ہو سکتا۔ ہاں! جناب کی من مانی تفسیر و تشریح کے

خلاف ہو سکتا ہے، اس کو قرآن و سنت کے خلاف نہیں کہا جاسکتا۔

قبر دنیاوی اور برزخی زندگی: کہتے ہیں ہم پیغمبر ﷺ کی دنیوی زندگی تقریباً تریسٹھ (۶۳) سال مانتے ہیں اس کے بعد صرف برزخی زندگی کے قائل ہیں، جو دنیا کی زندگی سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے مخالفین آج تک دنیوی یا دنیا کی سی زندگی مانتے ہیں۔ (ص ۷)

جواب: مولوی صاحب اور سب مما تہوں نے دنیوی یا دنیا کی سی کی غلط تعبیر ہمارے ذمہ لگا کر بہت بڑی غلط بیانی کی ہے جس کو یہ دنیوی کہہ رہے ہیں ہمارے سب اکابرین اور سب مسلمان اس کے منکر ہیں، وہ تو قبر کے اندر دنیا والے جسم عنصری کی زندگی ہونے کی وجہ سے دنیوی کہہ دیتے ہیں نہ یہ کہ اب ویسی دنیوی حیات ہے جیسے آپ ﷺ ۶۳ سال والی گزار گئے، یہ طریقہ واردات اہل بدعت کا ہے کہ ہمارے اکابرین کے خلاف ان کی عبارات کے غلط معانی و مفہیم گھڑ کر گستاخ رسول وغیرہ مختلف فتوے لگاتے ہیں ان اہل بدعت کی مخالفت کرنے کے باوجود انہی کا طریقہ مماتی برادری نے سیکھ کر اہل حق کی عبارات کا غلط مفہوم لے کر طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ آمین!

نبی کریم مسلم کی روح و جسم عنصری دونوں جنت میں ہیں: (۳) کہتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کی روح پاک کو اعلیٰ علیین اور جنت المادی میں مانتے ہیں ہمارے مخالفین نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کو جنت میں نہیں مانتے مدینہ شریف والی قبر مبارک میں مانتے ہیں۔ (ص ۷)

جواب: یہ بھی غلط بیانی ہے ہم نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کو اعلیٰ علیین اور جنت میں مانتے ہیں (جب کہ جسم اطہر سے روح پاک کا تعلق مانتے ہیں) اور اس کے ساتھ جسم عنصری کو بھی جنت میں مانتے ہیں جب کہ مولوی صاحب بمع جماعت کے جسم اطہر کو جنت میں نہیں مانتے اور روضہ مبارکہ کو روضۃ من ریاض الجنۃ نہیں مانتے ہیں محض مٹی کا گڑھا ٹھہراتے ہیں۔

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہی نزدیک سے درود و سلام سنتے ہیں مگر جواب کامل مسلمان کو ملتا ہے (۴) کہتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے پیغمبر ﷺ پر پڑھا جانے والا درود شریف جب اللہ چاہے جس کا چاہے سنا دے۔ ہمارے مخالفین کہتے ہیں جو شخص (خواہ شیعہ ہو یا مرزائی سنی ہو کوئی بھی ہو) قبر کے نزدیک درود پڑھتا ہے آپ ﷺ اس کا درود شریف سنتے ہیں جواب بھی دیتے ہیں خواہ اللہ چاہے یا نہ چاہے۔ (ص ۸، ۷)

جواب: سب اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ قریب سے ہر ایک کا سنتے ہیں مگر سننا کوئی عیب نہیں کہ شیعہ یا مرزائی خبیث کا نہ سنیں اور مسلمانوں کا ہی سنیں، ہاں جواب صرف صحیح العقیدہ مسلمان کو ملتا ہے، ہر کسی کو نہیں ملتا اور اللہ ہی سناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سنائے بغیر تو زندہ بھی نہیں سنتے مگر اللہ کا نام لے کر جناب کا مقصد اچھا نہیں ہوتا بلکہ کلمۃ حق ارید بھا الباطل والی بات ہوتی ہے۔

مؤمنین موتی سنتے ہیں: (۵) کہتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے جو شخص اس جہان سے چلا جائے (خواہ نبی یا ولی کیوں نہ ہو) اس کو اس جہان کی باتوں کا علم نہیں ہوتا ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور بتا دے تو اور بات ہے۔ ہمارے مخالفین کہتے ہیں ہر مردہ (خواہ کافر بھی ہو) قبر پر گزرنے والے کو پہچانتا ہے اور قبر پر سلام کرنے والے کا سلام سن کر جواب بھی دیتا ہے۔ (ص ۸)

جواب: ہمارے نزدیک سلام سننا جواب دینا پہچاننا مسلمان کے حق میں ہے کافر کے حق میں سننا وغیرہ

مسکوت عنہ ہے، اس بارے میں کوئی نص نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے ہمیں معلوم نہیں، استاذ مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی بات نواب صدیق حسن خان غیر مقلد سے نقل کی ہے اور اس کی تائید کی نہ تردید بلکہ فرمایا ”بقول نواب صاحب میت کو زائر کے سلام وغیرہ کا ادراک و شعور ہو جاتا ہے اور اس صفت میں مؤمن و کافر سب برابر ہیں کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔“ اس قول سے استاذ مکرم رحمۃ اللہ علیہ محض غیر مقلدین پر اتمام حجت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں، اس تحقیق کے ہوتے ہوئے ایک غیر ذمہ دار غیر مقلد بھائی کا یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ الخ! (تسکین الصدور ص ۲۱۰، ۲۰۹)

بہر حال یہ حال مسلمان کا تو ہے کافر کے متعلق یقینی علم نہیں ہے نہ کچھ کہا جاسکتا ہے، اگر کافر بھی سلام سن لیتے ہوں تو اس سننے سے کافر کو کوئی اعزاز حاصل نہ ہو جائے گا کہ انکار کرنے کی ضرورت ہو مگر کافر کو سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا منع ہے، واقعہ قلب بدر کے سوا کافر کے سننے کے بارے میں کوئی صریح نص نظر سے نہیں گزری۔ واللہ اعلم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش ہونا سب اکابر دیوبند کا عقیدہ ہے اس کو علم غیب کہنا جہالت

ہے: (۶) کہتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں اس لئے امت کے تمام اعمال آپ پر پیش نہیں ہوتے، ہمارے مخالفین کہتے ہیں امت کے تمام اعمال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں۔ (ص ۸)

جواب: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب عالم الغیب کا معنی بھی نہیں جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اگر امت کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہو جائیں گے، حالاں کہ عالم الغیب اس کو نہیں کہتے جس کو اللہ تعالیٰ بتائیں یہی غلطی مولوی صاحب کر رہے ہیں یہ تو حید و سنت کے مبلغ ہیں مگر تو حید و شرک کی تعریف نہیں آتی، امت کے اعمال پیش ہونے کا عقیدہ سب علماء دیوبند کا ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۲ کتاب المغازی) اور علامہ آلوسی (روح المعانی ج ۱۳ ص ۲۱۳) علامہ عبدالرؤف مناوی (شرح العمال ج ۲ ص ۲۷۹) حضرت مفتی محمد شفیع (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۲۱) اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (تفسیر عثمانی ۳۵۸ نحل: ۸۹) اور مولانا خلیل احمد سہارن پوری (براہین قاطعہ ص ۲۰۴) حضرت تھانوی (خطبات میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۹۸، ۴۰۸) (پیش) وغیرہم سب حضرات کی خدمت میں امت کے اعمال پیش ہونے کے قائل ہیں یہ سب مولوی صاحب کے مخالفین ہیں اور ان کے بقول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنے والے اور مشرک ہیں۔ (معاذ اللہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شفاعت کی درخواست کرنا ایسے ہی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست شفاعت کرنا سب اہل حق کے نزدیک جائز ہے: (۷) کہتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے فوت شدہ بزرگوں کو سفارشی بنا کر پکارنا ناجائز ہے، ہمارے مخالفین کہتے ہیں فوت شدہ بزرگ ہمارا وسیلہ ہیں۔

جواب: ہمارے سب مسلم بزرگ اور فقہاء احناف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شفاعت کی درخواست کرنے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سفارشی بننے کی درخواست کرنے کے قائل ہیں اور ان کا وسیلہ پیش کر کے دعاء کرنے کے صرف قائل ہی نہیں مصر ہیں۔ (دیکھیں علامہ ابن الہمام، فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۸، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۸۲، علامہ بحر العلوم رسائل الارکان ص ۲۸۱، علامہ شرمطالی نور الایضاح ص ۱۹۱، مراقی الفلاح ص ۱۹۳، علامہ عبدالرحمن آفندی مجمع الانہار ج ۱ ص ۳۱۳، بحوالہ تسکین الصدور) امام نووی الاذکار ص ۲۰۸، امام مالک بسند جید، الشفاء ج ۲ ص ۴۱، علامہ احمد خانجی نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸، ملا علی قاری شرح شفاء ج ۳ ص ۳۹۸، مولانا عبدالقادر فاکھی کی حسن التوسل ص ۱۳۴، حضرت گنگوہی زبدۃ المناسک، تالیفات رشیدیہ ۱۳۴، ۶۵۰ وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم) اکیلے آپ لوگوں کے منکر ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔

جسم اطہر سلامت بھی ہے اور جسم اطہر میں زندگی بھی ہے: کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کی گستاخی کو ہم

کفر سمجھتے ہیں؟

جواب: مگر جو فضیلت ثابت ہو اسکو نہ ماننا بھی گستاخی ہے کیونکہ یہ فضیلت اور شان کو کھٹاتا ہے تو جسم عصری کی زندگی اور سماع عند القبر کی فضیلت کا انکار بھی یقیناً گستاخی ہے گو کفر کے درجہ کی نہ ہو۔

کہتے ہیں، جو شخص قبر اقدس میں جسم مبارک کو صحیح سالم نہیں سمجھتا ہم اس کو گستاخ سمجھتے ہیں۔

جواب: لیکن جو جسم اطہر کو برزخی زندگی کے ساتھ زندہ نہیں سمجھتا اس کو بھی گستاخ سمجھو، پھر (اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں مگر تم اپنی منطق کے مطابق) یہ بھی بتاؤ کہ نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر کے صحیح سلامت رہنے کا ثبوت کس حدیث متواتر میں ہے؟

جمعیت اشاعت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ: کہتے ہیں ہمارا وہی عقیدہ ہے جس عقیدہ کے ساتھ

صحابہ کرام نے حضور اکرم ﷺ کو دفن کیا، اب تک آپ اسی حالت میں موجود ہیں الان کما وضع، جو شخص اس میں کمی بیشی کرتا ہے وہ گستاخ ہے۔ (ص ۸)

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دنیا کے اعتبار سے وفات یافتہ سمجھ کر دفن کیا اور اس دنیا کی زندگی سے وفات پانا ہر مسلمان مانتا ہے، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دفن کے بعد قبر اطہر میں برزخی زندگی کے ساتھ زندہ مانتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عمر کا خطاباً نہ سلام عرض کرنا اور بلال بن حارث مزی رضی اللہ عنہ کا بارش کی دعا کی درخواست کرنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم بمع خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان کی تائید کرنا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حیا کرنا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا شہداء کو سلام کرنا اور سلام کے جواب دینے کو ماننا صحیح احادیث سے ثابت ہے، مگر جناب صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقیدہ سے ہٹے ہوئے گستاخ ہیں ہدایہ میں الان کما وضع جسم کے صحیح سلامت ہونے کے متعلق ہے روح کے جسم سے تعلق ہونے نہ ہونے کی کچھ بحث نہیں۔

کون کافر؟ کہتے ہیں اور جو شخص آپ ﷺ کو قبر مبارک میں پتھریا پتھر کی طرح سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ (ص ۸)

یعنی کیا پھر آپ کافر ہیں جو نبی کریم ﷺ کو قبر اطہر میں پتھر کی طرح جماد بے جان سمجھتے ہیں؟ خوب فتویٰ

دیا جناب نے سبحان اللہ۔

کیا عقیدہ حیات اور سماع شرک ہے؟ کہتے ہیں اکابرین علماء دیوبند رحمہ اللہ کے مجموعی مسلک سے

ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے، جس مسئلہ کی تعبیر میں اگر ان میں کوئی اختلاف ہوا ہے تو ہم مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا حسین علی اور مفتی عزیز الرحمن، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مفتی کفایت اللہ، کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں ہمارا اختلاف صرف معاصرین سے ہے جو دیوبند کے روپ میں شرک و بدعت پھیلاتا چاہتے ہیں اور اکابرین علماء دیوبند کو بدنام کرتے ہیں۔ (ص ۹)

جواب: عملی طور پر آپ کا کوئی معاصر بدعت عملی کرے تو چاہے دیوبندی کہلائے اس سے ہمیں بھی

اختلاف ہے مگر عقیدہ حیات اور سماع عند القبر کو آپ شرک نہیں کہہ سکتے، آپ لوگ کہتے ہیں کہ زندہ ماننا اللہ تعالیٰ کی صفت حیا میں شرک ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لئے جو صفت حی استعمال ہوئی اس کا اردو میں آسان ترجمہ زندہ سے کیا جاسکتا تھا اس لئے زندہ سے ترجمہ کر دیا گیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے حی کا معنی ہمیشہ رہنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر غیر اللہ کو زندہ ماننا شرک ہے تو آج سے ہم عقیدہ رکھیں کہ مماتی لوگ چلتے پھرتے مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور نزدیک

سے سننے کو آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع میں شرک کہتے ہیں حالانکہ صفت سمیع کا مطلب تو ہے بغیر کانوں کی محتاجی کے ہر وقت ہر ایک کی ہر بات کو سننے والا، اگر قریب سے سننے کو ماننا شرک ہے تو آج سے ہم عقیدہ رکھیں کہ مماتی لوگ کانوں اور کانوں کے اندر قوت سماع کے باوجود بہرے ہیں، مولوی صاحب نے جن اکابر کی تصریحات کو ترجیح دینے کی بات کی ہے ان میں سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات مسئلہ وسیلہ اور سماع نبی عند القبر اور قبر مبارک کے پاس شفاعت کی درخواست کرنا اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بھی سفارش کرنے کی درخواست کرنا وغیرہ مسائل و عقائد میں مماثلت کے خلاف ہیں صرف عام مردوں کے عدم سماع کو انہوں نے رائج ٹھہرایا مگر سماع کو بھی مذہب قوی قرار دیا، تو اس مسئلہ میں بھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی آدمی بات مماتی لیتے ہیں اور آدمی سے آنکھیں اور کان بند کر دیتے ہیں، دوسرے اکابرین میں سے بھی اکثر حضرات کی کئی آدمی تصریحات لیتے ہیں اور کئی عبارات خلاف مطلب ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں۔

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات میں غلطیوں کا جواب: مولوی صاحب

نے دوسرے باب کے عنوان کے تحت استاذ مکرم مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بعض عبارات پر گرفت کی ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ماننے کا طعن: (۱) سماع موتی ص ۳۶ میں سرفراز صاحب لکھتے ہیں:
 ”روئے پر حاضر ہونے والا ادب خشوع اور تواضع کو لازم پکڑے اور ہیبت کے مقام پر اپنی نگاہ کو نیچی رکھے جیسا کہ آپ کے سامنے زندگی میں کرتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اس بات کو ذہن میں حاضر رکھے کہ آپ آنے والے کے اپنے ساتھ کھڑا ہونے اور اس کے سلام کو سنتے ہیں، جیسا کہ آپ کی زندگی کی حالت میں تھا اس لئے آپ کی موت و حیات میں اپنی امت کے مشاہدہ اور ان کے احوال و نیات و عزائم اور خیالات کو پہچاننے میں کوئی فرق نہیں اور یہ بات آپ کی بالکل روشن اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی خفا نہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اطلاع دیتا ہے۔“
 ناظرین کرام! محض اللہ کے واسطے مندرجہ بالا عبارت کو بار بار پڑھیں۔ یقیناً آپ اس بات پر پہنچ جائیں گے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے تمام حالات نیا ت کا علم ہے۔

علماء دیوبند کے اکابرین میں سے ذرا نشان دہی کریں کہ کس کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالات و نیا ت کو جانتے ہیں یعنی عالم الغیب ہیں۔ اگر اس سے مراد کوئی اور تاویل ہو جیسا کہ مولانا آگے نقل فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہے اطلاع دے تو یہی بات پھر صلاۃ و سلام اور زندہ ہونے میں کیوں نہیں؟ مولانا صاحب خود صلاۃ و سلام کے سننے کے قانون بنانے پر کیوں مصر ہیں؟

جواب: امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے تو علامہ احمد بن محمد قسطلانی اور علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ذکر کی اور اس کا ترجمہ کیا ہے، مولوی صاحب کو دیانت داری کا خیال کرتے ہوئے یہ تبصرہ اور بریلویت کی تائید کا طعن ان حضرات پر کرنا چاہیے تھا نہ کہ ناقل پر، پھر مولانا محمد سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ نے جب خود توجیہ کر دی کہ اللہ تعالیٰ اطلاع کرے اور نیا ت یا حالات بتا دے تو یہ سب ہو سکتا ہے اور یہ کہ اہل بدعت کا اس سے عالم الغیب ثابت کرنے کا استدلال بھی غلط ہے۔

تو اب تبصرہ کرنے اور صفت عالم الغیب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے کے طعن کا کیا جواز نکلتا ہے؟ علماء دیوبند سے نشان دہی کرنے کی ضرورت کیا ہے، کیا علماء دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اطلاع کریں تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جان سکتے؟ اور صلاۃ و سلام کے سماع کے عقیدہ میں آپ کا نظریہ اپنا گھڑن تو ہے قرآن

وسنت کا نظریہ نہیں ہے۔ کہ وہاں کہا جائے کہ آپ ﷺ سنتے تو نہیں ہاں خلاف قانون اللہ تعالیٰ چاہے تو سنا دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اہانت کا طعن: (۲) کہتے ہیں کہ (مولانا سرفراز خان عسکری نے لکھا ہے)

جمہور امت نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس رائے کی تائید نہیں کی، ایسے مقام پر ان کے بارے میں لکھا ہے اما رأیہا فرأى النساء۔“ (سماع الموتی ص ۲۸۶)

یہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مولانا نے اپنے دل کا غبار نکالا کہ اس نے آیت انک لا تسمع الموتی کی تفسیر عدم سماع والی کیوں کی، جمہور امت کی تائید سے حضرت عائشہ محروم ہو گئیں ان کی رائے عام عورتوں کی طرح ہو گئی ہے جن میں دین ناقص ہوتا ہے عقل کم ہوتی ہے۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین ہے۔ اکابر دیوبند صحابہ کرام کو معیار حق مانتے ہیں۔

جواب: سماع موتی کی ابتدائی اشاعتوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں الفاظ درج ہیں یہ

درست ہے کہ ان الفاظ میں نقل ہے مگر مناسب ہے کہ دونوں حضرات کے مقام کی رعایت کی خاطر درست مطلب لیا جائے کہ مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ کی مراد صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہما کا باہم تقابل ہے کیونکہ سماع موتی کے بعد کے نسخوں میں اس سے ملتے جلتے الفاظ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے نقل ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ صحابہ اور صحابیات کا تقابل کر رہے ہیں نہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور عام عورتوں کے درمیان تقابل ہے چنانچہ سماع موتی طبع چہارم میں یہ لفظ ہیں: ”جمہور کی تحقیق کو نظر انداز کر کے کس کس کے وہم کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے (یعنی یہی سمجھ لیا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہم ہوا کیونکہ اس سے کوئی بڑی خرابی لازم نہیں آتی) جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ فرمایا تھا ”واتعلمون ان وھن النساء و ضعف رأیھن الی التلاشی (الامامة والسياسة لابن قتيبة ج ۱ ص ۶۷) اور تم جانتے ہو کہ بے شک عورتیں کمزور اور ان کی رائے بھی ضعیف و معطل ہوتی ہے۔“ (سماع الموتی ص ۲۸۲)

ظاہر ہے کہ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں کہی جا رہی ہے یعنی ایک طرف قلیب بدر کی روایت کرنے والے حضرت ابن عمر و عمر و ابو طلحہ و ابن مسعود وغیرہم رضی اللہ عنہم مرد صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے حضرت عمر و ابو طلحہ رضی اللہ عنہما واقعہ کے وقت موجود تھے اور موجود شخص کو وہم ہو سکنے کے احتمال کو قوی بنانے کے بجائے کیوں نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہہ دیا جائے کہ ان سے وہم ہو گیا جب کہ جمہور بھی کہہ رہے ہیں کہ صحیح حضرت ابن عمر کی حدیث ہے؟ مزید اپنی طرف سے کہنے کے بجائے استاد مکرم رحمہ اللہ سے نقل پیش کرنا زیادہ موزوں ہے۔ استاد مکرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بہت اونچا مقام ہے لاشک فیہ لیکن آنحضرت ﷺ کا درجہ تو سب مخلوق سے اعلیٰ و ارفع ہے لاریب فیہ۔“

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دن کے بعد جب لوگ واپس آتے ہیں تو مردہ (جس میں جان پڑ چکی ہوتی ہے) قرع نعال سنا ہے بخاری مسلم وغیرہ اور جب کوئی زائر سلام کرتا ہے تو مردہ سنا ہے اور جواب دیتا ہے صحیح حدیث ہے سماع الموتی وغیرہ میں دیکھیں اس کے برعکس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نہیں سنا، انصاف سے فرمائیں کہ ہم نے آں حضرت ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا؟ بات کس کی مانیں؟ فیصلہ سامعین پر ہے۔

فتح الباری عمدۃ القاری اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں تصریح ہے کہ خالصاً جمہور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور جمہور امت نے اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے۔ اب غور سے فرمائیں کہ جمہور کا ساتھ دیں یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ مجتہدہ تھیں اور مجتہد سے غلطی بھی صادر ہو جائے تو اسے گناہ نہیں ہوتا بلکہ اجر ملتا ہے۔ (بخاری و مسلم کی حدیث ہے) اور غیر مجتہد دلائل واضح ہو چکنے کے بعد غلط بات کو لے تو گناہ گار ہوتا ہے اس کی ضد سے گناہ نہیں ملتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں نماز پوری پڑھتی تھیں یہ فرماتے ہوئے کہ میں مومنوں کی ماں ہوں میں مسافر نہیں اور آں حضرت رضی اللہ عنہا نے کبھی بھی سفر میں رباعی نماز نہیں پڑھی اور امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پوری پڑھنے والا گناہ گار ہوگا، اس مسئلہ میں یہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ کیا وجہ ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے غلام ذکوان رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھتی تھیں اور وہ قرآن کے حافظ نہ تھے قرآن کھول کر اس سے پڑھتے تھے۔ (بخاری ج ۱ ص ۶۹) اس مسئلہ میں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیروی نہیں کرتے، ان کے علماء سے کہیں کہ کم از کم رمضان مبارک میں اس مسئلہ پر عمل کریں پھر عوام کا رد عمل دیکھیں، فقہ حنفی کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ عمل کثیر ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، دیکھئے حاشیہ بخاری ص ۹۶ وغیرہ۔

محترم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کافی تفردات ہیں اور ان (تفردات) کو نہ ماننے سے ان کی توہین نہیں ہوتی وہ مجتہدہ تھیں۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جنگ جمل کے لئے روانہ ہوئیں تو اس موقع پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں مجمع عام کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیروی سے معذرت فرمائی اور یہ فرمایا: ”و تعلمون و هن النساء و ضعف رأیہن الی التلاشی و من اجل ذالک جعل اللہ الرجال قوامین علی النساء“ (الامامة والسياسة لابن قتيبة ج ۱ ص ۶۷) یعنی تم عورتوں کی خلقی کمزوری اور ان کی رائے کا ضعف بخوبی جانتے ہو کہ کبھی ان کی رائے مفرد رجہ کی ہوتی ہے۔ (ماہنامہ المصطفیٰ بہاولپور امام السنن نمبر ص ۷۵۷، ۷۵۶)

الحاصل استاد مکرم رحمہ اللہ کا مقصد یہ نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عام اور محض عام عورتوں کی طرح ہیں اور ان کی رائے عام عورتوں کی طرح ہے (کیونکہ عام عورتیں مجتہدہ کہاں؟ جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ ہیں) بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ان کی رائے (اُس دور کی) عام عورتوں کی طرح ہے، بے شک صحابہ رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں مگر کیا صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا حضرت عمر و ابن عمر وغیرہم اور بلال بن حارث اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی معیار حق ہیں؟ جب دونوں معیار حق ہیں تو دونوں کی رائے حق ہے اس لئے تو عام مردوں کے سننے نہ سننے کے مسئلہ کو ہم حق و باطل کا مسئلہ نہیں بناتے رائج مرجوح کا مسئلہ کہتے ہیں، یہ صرف مماتی ہیں جو اس کو حق و باطل کا مسئلہ ٹھہراتے ہیں اور اس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو حق پر اور دوسری کو باطل پر ٹھہرا کر بھی معیار حق ہونے کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ معاذ اللہ! کبھی بعض مماتی کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں تو جو ماں کی بات نہ مانے وہ کون ہوتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ (۱) واقعہ قلیب بدر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقابلہ میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور معراج کی رات حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونے کے مسئلہ میں ان کے مقابلہ میں حضرت ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم ہیں اور جنگ جمل میں ان کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت میں شامل بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں تو یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت سے کیا بنے؟ جو ان پر فتویٰ لگاؤ ہم بھی اس کے مستحق ہیں اور یہ ہماری سعادت کی بات ہوگی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور نبی کریم ﷺ نے احادیث طیبہ میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور نبی کریم ﷺ کے مقابلہ میں والدین کی بات کی اتباع جائز نہیں ہے تو ہم نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے کے خلاف کو ترجیح دے رہے ہیں اور یہ عین اتباع قرآن و سنت ہے۔

موت کے بعد روحوں اور جسموں دونوں کی زندگی: (۳) لکھتے ہیں (کہ مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ

نے لکھا ہے) بلاشبہ تمام مردوں کا اپنی قبروں میں اپنے ارواح اور اجسام کے ساتھ زندہ ہونا شک سے بالاتر ہے۔

(تسکین الصدور ص ۷۰)

یہ عبارت علماء دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے، اکابرین میں سے کسی عالم کی ایسی عبارت ہو تو دکھا

دیں۔ جو تمام مردوں کو روحوں اور جسموں کے ساتھ قبر میں زندہ مانتا ہو،

جواب: معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب اردو کلام سے بھی پوری طرح واقف نہیں ہیں تو یہ عربی کلام کو کیسے

اچھی طرح سمجھیں، مولانا کی عبارت میں لفظ ”ساتھ“ کا غلط مطلب نکالا ہے، ان کی عبارت کا صرف یہ مطلب ہے کہ

روح و جسم دونوں کے ذریعہ قبروں میں زندگی حاصل ہے یعنی جسم سے روح کے تعلق سے زندہ ہیں نہ یہ کہ جیسے جسم

قبروں میں ہیں روحمیں بھی قبروں میں ہیں، بلکہ روحمیں اپنے مقام میں رہ کر جسموں سے تعلق رکھتی ہیں اور روحوں

کے جسموں سے تعلق کا عقیدہ سب علماء دیوبند کا اور سب اہل سنت کا ہے یہ بحث اپنے مقام پر آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ!

اور لکھتے ہیں تمام مفسرین نے اس حدیث صحیح کو نقل فرمایا کہ شہیدوں کی روحمیں سبز پرندوں کی شکل میں

جنت میں کھاتی پتی ہیں اور قیامت میں واپس اپنے اجسام میں داخل ہوں گی، علماء دیوبند میں ایک ایسا بھی عالم نہیں

جس نے اس حدیث کا انکار کیا ہو یا شہیدوں کی روحوں کو جنت میں نہ مانتا ہو۔

جواب: اس کا انکار مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نہیں کیا نہ ہی ان کے شاگردوں نے انکار کیا بلکہ ہم

پورے قرآن مجید اور سب احادیث صحیحہ کے قائل ہیں، یہ تم لوگ ہو جو نہ تو قرآن مجید کی سب نصوص کو مانتے ہو اور نہ

سب احادیث صحیحہ کو مانتے ہو، جی چاہتا ہے تو حضرت براء رضی اللہ عنہ کی صرف اتنی حدیث مانتے ہو کہ علیین ساتویں آسمان

کے اوپر ایک مقام ہے (ص ۴۶) اور مرضی ہو تو اس کا یہ حصہ نہیں مانتے کہ مردہ (کافر ہو یا مؤمن اس) کی روح اس

کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے (یعنی تعلق دوبارہ قائم کیا جاتا ہے) پھر فرشتے سوالات کرنے آتے ہیں اور یہ بھی کہ

مردہ جو توں کی کھسکا ہٹ سنا ہے، قرآن مجید کے کلمہ بل احياء (مقتول یعنی جسم زندہ ہیں) کا انکار کرتے ہو اور مذکور

حدیث کو مانتے ہو افتؤ منون ببعض الكتاب۔

قبر اطہر میں زندگی کی کیفیت: (۴) لکھتے ہیں کہ (مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں) محققین کے

نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آں حضرت رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ تمام لذتوں اور عبادتوں

سے متمتع ہوتے ہیں۔

یہ مسلک تو بریلویوں کا ہے احمد رضا خان صاحب کہتے ہیں ازواج مطہرات آپ پر پیش کی جاتی ہیں اور

آپ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں جب آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ تمام لذتوں سے متمتع ہیں کیا دنیا کے تمام رزق وہاں

پہنچتے ہیں اور تمام عبادتوں سے متمتع ہوتے ہیں کیا تبلیغ، جہاد، امامت بھی کرتے ہیں، کیا حج کو بھی آتے ہیں رمضان کا

روزہ بھی رکھتے ہیں۔ اکابرین دیوبند کا ایسے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جواب: مولوی صاحب خیانت کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں بتاتے کہ یہ علامہ حسن بن علی شرمبلائی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی

عبارت اور ان کا عقیدہ ہے؟ استاذ مکرم رحمۃ اللہ علیہ تو محض ناقل ہیں ان پر تبصرہ کے بجائے علامہ شرمبلائی رحمۃ اللہ علیہ پر تبصرہ کریں۔

پھر اس عبارت میں لفظ تمام لذتوں کا ہے (عربی عبارت میں بجمع الملاذ ہے) جناب نے اس سے

دنیا کی لذتیں کیوں مراد لیں؟ عقل سے کام لیں کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ دوسرے جہان میں ہیں اور لذتیں دنیا کی حاصل کرتے

ہیں؟ اس جہان کی لذتوں کے مقابلہ میں اس جہان کی لذتوں کی کیا حیثیت ہے؟ جناب دنیا کے رزق شمار کرنے لگے تو شہداء کے لئے یرزقون سے بھی جناب کی عقل ناقص میں دنیا کا رزق آتا ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ جناب کا عقیدہ یہ ہے کہ شہداء کو تو رزق ملتا ہے مگر نبی کریم ﷺ اور انبیاء علیہم السلام رزق سے محروم ہیں؟ اعاذنا اللہ من سوء الاعتقاد آمین عبادتوں کے ذکر میں لفظ تمام نہیں (عربی الفاظ میں بھی فقط والعبادات ہے) تو آپ دنیا کی سب عبادتیں کیوں شمار کرنے لگے ہیں؟ احادیث میں نماز کا ذکر آیا ہے اور معراج میں سب انبیاء علیہم السلام کا حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنا اور بعض احادیث سے انبیاء علیہم السلام میں سے خصوصاً حضرت موسیٰ اور یونس علیہم السلام کا حج کو آنا ثابت ہے، علماء دیوبند ہر گز ان چیزوں کے منکر نہیں ہیں اور جناب جیسے منکر ہر گز دیوبندی اور سنی نہیں ہیں۔

مردوں کے سننے کی بحث: تیسرا باب مولوی صاحب نے مردوں کے سننے کے بارے میں قائم کیا ہے،

شروع میں تین قول بیان کے ہیں:

(۱) مردہ کے لئے سننے کا قانون ہے جو بھی جس وقت چاہے جو کلام بھی کرے ہر کلام کو مردہ سنا بھی ہے، سلام کلام کرنے والے کو پہچان بھی لیتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام ہر وقت قبر پر پڑھا جانے والا سلام سن لیتے ہیں اور ہر ایک کو جواب بھی دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش بھی کرتے ہیں، بغیر اسباب کے ہر وقت ان کے لئے سننے کا قانون ہے۔ (۲) فی الجملہ مردہ سنا ہے یعنی کسی نہ کسی کے کلام کو جیسے منکر نکیر کا سوال، برزخ میں پہنچ جانے والوں کا، یا خرق عادت جیسے قلیب بدر والے مردوں نے صرف حضور ﷺ کا کلام سنا، یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔

(۳) مردہ دنیا والوں کے کلام و سلام کو نہیں سنا منکر نکیر کے کلام کو سنا ہے، اس جہان والوں کے لئے صرف اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جس فوت شدہ ہستی کو خواہ نبی ہو یا ولی دنیا والوں کا جو کلام و سلام سنانا چاہے سنا دیتا ہے۔ (ص ۱۳) اس بحث سے قطع نظر کہ مولوی صاحب نے جو تین نظریات بیان کئے یہ حقیقت ہیں یا ان میں کافی غلط بیانی کی گئی ہے، مولوی صاحب کا نظریہ کہ کوئی بھی میت ہو وہ دنیا والوں کا کوئی کلام بھی نہیں سنا سلام ہو یا کچھ اور باقی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو کچھ سنا دے یہ محض ایک ڈھال ہے۔ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ کر سکتا ہے خلاف قانون ہو یا موافق قانون، قانون کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے اور خلاف قانون کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے، تو یہ صاحب نبی کریم ﷺ کے لئے قبر مبارک میں جسم اطہر کی زندگی کے بھی منکر ہیں اور قبر کے پاس صلاۃ و سلام سننے کے بھی منکر ہیں اور عام مردوں کے لئے بھی اجسام عنصریہ میں زندگی کے منکر ہیں اور السلام علیکم یا اہل القبور سننے کے منکر ہیں۔

ہمارا اور سب اہل حق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور عام مردوں سب کو جملہ ارواح اجسام عنصریہ کی زندگی بھی حاصل ہے اور جو کچھ نصوص سے سننا ثابت ہے اس سب کا عند القبور بھی حاصل ہے اور یہ ثابت سماع قانونی اور عادی طریقہ پر ہے، البتہ اس قانون و عادت کے برخلاف کبھی وہ چیز جس کا سماع ثابت ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو سنا نا بند کرے اور جس چیز کا سماع ثابت نہیں اس کے سماع اور عدم سماع کے بارے میں ہم سکوت اختیار کرتے ہیں ممکن ہے سن لیں اور ممکن ہے کہ نہ سنیں یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے چونکہ ہمیں نہیں بتایا اور اس کا تعلق عالم غیب سے ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا اس لئے نصوص کی خاموشی کی وجہ سے ہم بھی خاموش ہیں، جیسا کہ علماء نے فرمایا ابھموا ما ابھمہ اللہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا تم بھی اس کو مبہم چھوڑ دو۔

یہ مولوی صاحب بمع جماعت کا کام ہے کہ قرآن و حدیث کو متعارض مان کر نصوص سے ثابت کے بھی منکر

بیش، بل کذبو ابما لم یحیطوا بعلمہ (اس کو جھٹلایا جس کے علم کا احاطہ نہ کر سکے) ہم غیر منصوص کے نہ منکر بنتے ہیں نہ مثبت بس ساکت ہیں۔

مزید مولوی صاحب کہتے ہیں: ”بعض اکابر سماع فی الجملہ کے قائل ہیں، جن بزرگوں کی طرف سماع کی نسبت ہے وہ قانون سماع کی نہیں بلکہ سماع فی الجملہ کی۔ بعض اکابر مطلقاً سماع موتی کی نفی فرماتے ہیں اس وجہ سے کہہ دیتے ہیں سماع موتی میں اختلاف ہے، ورنہ سماع موتی کی سورت اوّل کا امت میں کوئی شخص قائل نہیں رہا۔ (ص ۱۳) مولوی صاحب بات کو گول مول کرنے کے عادی ہیں جو مطلب سماع فی الجملہ کا لیا ہے وہ بھی عدم سماع ہے۔ جو حضرات سماع کے قائل ہیں وہ مولوی صاحب کے بیان کردہ سماع فی الجملہ کے نہیں بلکہ اس سماع کے قائل ہیں جس کے ہم قائل ہیں (کہ جہاں سننا ثابت ہے وہاں مانتے ہیں اور جہاں ثابت نہیں وہاں خاموش ہوتے ہیں) اور جو سماع موتی کے منکر ہیں وہ بھی منصوص میں سماع مانتے ہیں اور مسکوت عنہ میں سماع کے نافی ہیں۔

کیا عقیدہ سماع موتی شرک ہے؟ اس باب کی پہلی فصل میں عقیدہ سماع کو شرک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”سماع موتی فی الجملہ جو ہم نے دوسری صورت میں نقل کر دیا شرک نہیں ہے لیکن ایک شخص کسی نبی یا ولی، عام آدمی کے لئے بغیر اسباب کے سننے کا قائل ہے تو یقیناً مشرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت سماع میں شریک بناتا ہے سمیع اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بغیر اسباب کے اللہ تعالیٰ سننا ہے، بغیر اسباب کے کسی نبی یا ولی کو سننے والا سمعنا اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع میں شریک کرنا ہے، دور ہونے کی وجہ سے اسباب کٹ جائیں تو کسی کو سننے والا سمعنا شرک ہے۔“ (اعلان حق ص ۱۴) مولوی صاحب اور اس کی جماعت توحید کی داعی اور شرک کی قاطع ہونے کی دعویدار ہے، توحید اور شرک باہم ضد ہیں ایک کو سمعنا دوسرے کو سمعنے پر موقوف ہے مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات سے پوری طرح واقف ہی نہیں۔

صفت سمیع کا مطلب ہے؟ ”انہ المدرك للاصوات التي يدر كها المخلوقون باذانهم من غير ان يكون له اذن وذالك راجع الى ان الاصوات لا تخفى عليه وان كان غير موصوف بالحس المركب في الاذن“ (الاسماء والصفات للشيخ ص ۵۸) اللہ تعالیٰ وہ ہے جو کان ہونے کے بغیر ان آوازوں کا ادراک کر لیتا ہے جن کا ادراک مخلوق کانوں سے کرتے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آوازیں مخفی نہیں رہتیں اگرچہ کانوں میں موجود حس مرکب سے اللہ تعالیٰ موصوف نہیں۔

یعنی مخلوق اسباب سے آوازیں سنتی ہے اور وہ اسباب کان اور کانوں میں حس ہے اور اللہ تعالیٰ کان اور کانوں میں حس کا محتاج نہیں اس کے بغیر آوازیں سننا ہے، تو جب صفت سمیع کا معنی یہ ہوا اور زندہ ہوں یا مردہ سب ہی صرف قریب کی آواز اسباب کے ذریعہ ہی سنتے ہیں بغیر اسباب نہیں سنتے تو صفت سمیع میں شرک کیسے ہوا؟ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی رحمہما اللہ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سماع قلب بدر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تبصرہ سے متعلق فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہوگا انہم لیعلمون الان ان مشرکین کو مر کر اب علم ہو گیا ہوگا کہ جو میں کہتا تھا وہ حق ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”و اذا جاز ان یکونوا فی تلك الحال عالمین جاز ان یکونوا سامعین اما باذان رؤسهم كما هو قول الجمهور“ (فتح الباری ج ۳ ص ۴۶۵ کتاب الجنائز، عمدة القاری ج ۸ ص ۲۹۲، ج ۱ ص ۱۷۵، وکذا فی التخریجات) ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے فرمان کے مطابق جب وہ اس حال میں جان لینے والے ہو سکتے ہیں تو سننے والے بھی ہو سکتے ہیں یہ سننا جمہور کے قول کے مطابق سر کے کانوں سے ہوتا ہے۔

تو جب زندوں کی طرح مردوں کا قریب سے سننا سر کے کانوں اور ان میں حس کے ذریعہ ہوتا ہے تو ان کا سماع ماننے سے صفت سمیع میں شرک کیسے ہو گیا اور مردے سمیع کیسے بن گئے؟ اور جب سماع کے قائلین علماء دیوبند نزدیک سے سننے کے قائل ہیں اور دور سے سننے کے منکر ہیں تو شرک کیسے ہے؟

حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کی عبارت سے دھوکہ دہی: حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے صفت سمیع کی تعریف میں فرمایا کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری باتوں کو دور و نزدیک سے سن لیتے ہیں۔ سب شرک ہے۔

جب قائلین سماع دور و نزدیک سے قائل نہیں صرف نزدیک سے قائل ہیں تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تشریح بھی نزدیک سے سماع موتی ماننے کو شرک ثابت نہیں کرتی۔

مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ کی عبارت سے دھوکہ دہی: ایسے ہی حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت سے قائلین سماع پر شرک کا فتویٰ لگانا دھوکہ دہی ہے وہ فرماتے ہیں: ”یہ عقیدہ اتفاقی ہے نہ اور خطاب اگر فخر عالم کو اس عقیدہ سے کرے کہ آپ ﷺ استقلالاً بلا واسطہ سن لیتے ہیں شرک ہے خواہ بغض من صلاۃ و سلام ہو یا بغیر اس کے۔

اس عبارت کو مولوی صاحب نے بددیانتی سے کام لیتے ہوئے عقیدہ سماع صلاۃ و سلام عند القبر کے شرک ہونے کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیا لیکن اول تو قارئین خود دیکھیں کہ یہاں عند القبر کے الفاظ کہاں ہیں؟ دوم اگر پھر بھی مولوی صاحب کی چالاکی قارئین کو سمجھ نہ آئے تو میں وضاحت کرتا ہوں کہ قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ کتاب براہین قاطعہ مولوی عبد السمیع کی کتاب انوار ساطعہ کا جواب ہے اور ظاہر ہے کہ جواب میں اس بات کا رد ہوتا ہے جس کا ذکر مدعی نے کیا ہو، اب سمجھیں کہ مولوی عبد السمیع بریلوی ندائے یا رسول اللہ کی غائبانہ صورت کو (نہ کہ عند القبر یا رسول اللہ کہنے کو جائز ثابت کرنے کی بحث کرتے ہیں جیسا کہ بریلوی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے غائبانہ یا رسول اللہ اور خطاب کو رسول اللہ ﷺ دور سے سنتے ہیں، مولوی عبد السمیع نے لمحہ سادسہ کا عنوان قائم کیا اور اس میں اس کا جواب دیا کہ: ”یہ اعتراض کہ محفل میلاد شریف میں اشعار مخاطب حاضر کے پڑھتے ہیں بہ نسبت رسول اللہ ﷺ کے حالانکہ آپ غائب ہیں نظر سے، یہ شرع میں جائز نہیں بلکہ کفر ہے۔“ (ص ۲۲۰)

ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ مولوی عبد السمیع ثابت کرے کہ آپ ﷺ سے غائبانہ حال میں خطاب درست ہے، چنانچہ اس بات کو انہوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی، وضاحت کے لئے ان کی یہ عبارات بھی پڑھ لیں: ”الحاصل دیکھیے کہ رسول اللہ ﷺ نظر سے غائب ہیں پھر بھی (نمازیوں کے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے سے) آپ ﷺ کو خطاب حاضر ہو رہا ہے نماز میں۔“ (انوار ساطعہ مع براہین قاطعہ ص ۲۲۱)

اب دیکھنا چاہیے کہ یہ سب مقبولین باوجود حالت غیبت کے خطاب کرنے والے رسول اللہ ﷺ کے معاذ اللہ منکرین کے نزدیک کافر ہیں؟

تو بحث غائبانہ خطاب کے بارے میں ہی ہے اور اسی غائبانہ خطاب کے بارے میں مولوی عبد السمیع کے جواب میں حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ عقیدہ اتفاقی ہے کہ نداء و خطاب اگر فخر عالم ﷺ کو اس عقیدہ سے کرے کہ آپ ﷺ بلا واسطہ استقلالاً سنتے ہیں شرک ہے خواہ بغض من صلاۃ ہو خواہ بغیر اس کے کسی وجہ سے ہو۔

(براہین قاطعہ ص ۲۲۰ طبع دارالاشاعت)

اب قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ غائبانہ خطاب ونداء کی بحث ہے جس میں بذات خود سن لینے کا عقیدہ شرک ہے، قبر شریف کے پاس خطاب ونداء کو شرک نہیں کہہ رہے کیونکہ حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ بذل الجہود میں فرماتے ہیں: فہی دائما تعرض علیہ بواسطۃ الملک الا عند روضۃ فیسمعہا بحضرۃ (بذل الجہود ج ۲ ص ۲۹۷ طبع مکتبۃ الشیخ کراچی) درود و سلام ہمیشہ فرشتہ کے ذریعہ آپ پر پیش ہوتا ہے مگر روضہ مبارکہ کے پاس آپ رحمۃ اللہ علیہ بذات خود سنتے ہیں۔ تو اگر ان کی براہین قاطعہ کی عبارت میں سماع عند القبر کو شک کہا گیا ہو تو کیا یہاں خود عقیدہ شرکیہ اختیار کر لیا ہے؟ حیف اس علم اور سمجھ پر۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے دھوکہ: ایسے ہی بعض مماتی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت سے دھوکہ دیتے ہیں؟ ”اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود خطاب سلام کا سنتے ہیں وہ کفر ہے (آگے کی یہ عبارت پیش نہیں کرتے) خواہ السلام علیک کہے یا السلام علی النبی کہے اور جس کا عقیدہ یہ ہے کہ سلام و صلوٰۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا جاتا ہے، ایک جماعت ملائکہ کی اس کام کے واسطے مقرر ہے جیسا احادیث میں آیا ہے تو دونوں طرح پڑھنا مباح ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، تالیفات رشیدیہ ص ۱۰۳)

یہ عبارت غائبانہ خطاب سے متعلق ہے جس کی دلیل سوال ہے:

سوال: بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تشہد میں صیغہ خطاب السلام علیک ایہا النبی کی بجائے السلام علی النبی صیغہ خطاب سے بدل لیا تھا تو معلوم ہوا کہ خطاب غائب کو یا ناجائز ہے یا اولی نہیں؟ (تو یہ جواب دیا)

تو یہ تشہد وغیرہ کے السلام علیک ایہا النبی غائبانہ خطاب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غائبانہ خطاب کرنے والا اگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام سننے کا عقیدہ رکھے تو کفر ہے، اس کو قبر پر حاضر ہو کر الصلاۃ و السلام علیک یا رسول اللہ یا السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ کے متعلق قرار دینا دجل اور بہت بڑی غلط بیانی ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت بھی یہی واضح کرتی ہے؟ ”جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا، اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں تو درست ہے۔ (فتاویٰ، تالیفات ص ۷۲)

اور یہ عبارتیں مماتوں کے بھی خلاف ہیں کیونکہ یہ لوگ ملائکہ سیاحین کی حدیث کے اور فرشتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک درود پہنچنے کے منکر ہیں۔

مولانا حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے دھوکہ: مماتوں کے شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی صاحب نے مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت نقل کی اور ترجمہ نہیں کیا یہ بھی دور سے متعلق ہے: ”منہم الذین یدعون الانبیاء و الاولیاء عند الحوائج و المصائب باعتقاد ان ارواحہم تسمع النداء و تعلم الحوائج و ذالک شرک قبیح و جہل صریح“ (احسن العباد ص ۷)

کئی لوگ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کو حاجات اور مصائب کے وقت اس عقیدہ سے پکارتے ہیں کہ ان کی روحمیں پکار سنتی اور حاجات جانتی ہیں اور یہ نتیجہ شرک اور صاف جہالت ہے۔ اس عبارت میں حاجات وغیرہ کے وقت دور سے پکارنے اور سننے، جاننے کا عقیدہ رکھنے کو شرک اور جہالت فرمایا گیا انبیاء علیہم السلام کی قبور مبارکہ کے نزدیک سننے کے عقیدہ کو شرک نہیں کہا گیا۔

کیا قرآن مجید میں ہے کہ عقیدہ سماع شرک ہے؟ مولوی صاحب کہتے ہیں: ”قرآن مجید نے بھی

ایسے سماع کو شرک قرار دیا ہے مثلاً ان تدعوہم لا یسمعو ادعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم و یوم القیامۃ یکفرون بشرکم، یہ خطاب مشرکین کو ہے جو بتوں کے ذریعے نیک لوگوں کو بغیر اسباب کے پکارتے تھے اور ان یہود و نصاریٰ کو ہے جو انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر جا کر انہیں پکارتے تھے اور ان قبائل عرب کو جو غائبانہ طور پر فرشتوں اور جنوں کو پکارتے ہیں۔

یہاں مولوی صاحب نے قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول کر کئی غلط بیانیوں کی ہیں (۱) اگر بتوں کے ذریعے نیک لوگوں کو پکارتے تھے تو ان نیکوں کو غائبانہ پکارنا ہوا تو جناب نے جنوں اور فرشتوں کو پکارنے کی صورت غائبانہ لکھی اور بتوں کے ذریعے پکارنے کو غائبانہ پکارنا کیوں نہ لکھا؟ کیا وہ بزرگ ان بتوں میں یا بتوں کے نزدیک ہوتے تھے؟ اور ظاہر ہے کہ جب نیکوں کو پکارنا غائبانہ تھا اور جنوں اور فرشتوں کو پکارنا بھی غائبانہ تھا تو انبیاء علیہم السلام کو پکارنا بھی غائبانہ تھا نہ کہ قبروں کے پاس، اگر بالفرض قبروں کے پاس پکارنا مراد ہو تو وہ اس لئے نہ سنتے تھے کہ وہ عالم برزخ میں عیش و سکون میں ہیں جہاں تکلیف نہیں اور ان کو دنیا میں غیر اللہ کی پکار سے تکلیف ہوتی تھی تو اب خود ان کو پکارنے پر بھی ان کو تکلیف ہوگی تو اللہ تعالیٰ تکلیف سے محفوظ رکھنے کے لئے پکار نہیں سناتے اور صلاۃ و سلام تو کوئی باعث تکلیف نہیں کہ وہ بھی نہ سنائیں مزید تفصیل آیت کی آگے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ!

(۲) مولوی صاحب نے لفظ بشر ککم سے عقیدہ سماع کا شرک ہونا مراد لے کر اللہ تعالیٰ کی کلام میں تحریف معنوی کر کے اللہ تعالیٰ پر غلط بیانی کی اور بہت بڑا ظلم کیا ہے، یہاں شرک سے مراد وہی شرک ہے جو مشرکین کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے برابر کرنا اور بتوں کی عبادت کرنا۔ کہتے ہیں ”دوری کی وجہ سے اسباب کٹ جائیں یا دوسرے جہان میں ہونے کی وجہ سے اسباب کٹ جائیں یا بہرہ ہونے کی وجہ سے سبب کٹ جائے تو بغیر اسباب کے کسی کے لئے سننے کا قانون بنانا شرک ہے۔

جواب: بشرطیکہ یہ بھی قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ دوسرے جہان میں جانے کی وجہ سے سننے کے اسباب کٹ جاتے ہیں پھر بغیر اسباب کے سننے کا عقیدہ شرک ہوگا اور جب احادیث سے سماع ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ دوسرے جہان میں جانے کی وجہ سے سننے کے اسباب نہیں کٹتے تو مردے اسباب کے ذریعہ سنتے ہیں جیسے زندے اسباب کے ذریعہ سنتے ہیں اور یہ شرک نہیں ہے، تفصیل آرہی ہے۔ ان شاء اللہ!

اس فصل کے آخر میں (فتح الملہم ج ۲ ص ۷۹) کے حوالہ سے علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا:

”انما الضابطۃ عدم السماع (اعلان حق طبع دوم ص ۲۳) قانون مردوں کے نہ سننے کا ہے۔

یہ علامہ عثمانی رحمہ اللہ سے لغزش ہوئی ہے حضرت کشمیری رحمہ اللہ عدم سماع کو قانون نہیں بناتے جیسا کہ آگے تفصیل سے آرہا ہے ان شاء اللہ! بلکہ یہ بات علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کے حوالہ سے بیان کرنا درست تھی لیکن علامہ ابن ہمام بھی جو بتوں کی کھسکاہٹ وغیرہ کے قائل ہیں ان کے علاوہ غیر منصوص میں عدم سماع قانون مانتے ہیں لیکن علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے ذمہ یہ بات لگانے میں حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے۔

مردوں کے نہ سننے پر مولوی صاحب کے دلائل: تیسرے باب کی دوسری فصل میں مولوی صاحب نے

مردوں کے نہ سننے پر دلائل پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے عموم میں نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء علیہم السلام کو داخل کیا ہے جیسے شیعہ لوگ آیت یو صیکم اللہ پڑھ کر نبی کریم ﷺ کو بھی داخل کرتے ہیں اور مرزائی قد خلت من قبلہ الرسل پڑھ کر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے اور دوبارہ تشریف نہ لانے کا ثبوت دیتے ہیں اور بریلوی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما پڑھ کر اذان کے بعد اور پہلے کا صلاۃ و سلام اس میں داخل کرتے ہیں اور مہارز فناہم ینفقون پڑھ کر گیارہویں اور تیجہ وغیرہ اس میں داخل کرتے ہیں اور مسعودی کل ابن آدم یا کله التراب پڑھ کر انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا بھی بوسیدہ ہو جانا ثابت کرتے ہیں اور غیر مقلدین صلوا کما راہتمونی اصلی پڑھ کر عورتوں کو بھی مردوں جیسی نماز پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں، عموم سے استدلال کی گنجائش تو وہاں ہے جہاں خصوص اور استثناء وارد نہ ہوا ہو اور جہاں استثناء اور خصوص وارد ہو (چاہے ضعیف روایات ہی کیوں نہ ہوں) تو مقابلہ میں بھی دلیل خاص پیش ہونی چاہیے۔

پہلی دلیل: مولوی صاحب سب سے پہلی دلیل آیت: انک لا تسمع الموتی اور آیت: و ما انت بمسمع من فی القبور پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان آیات کو بطور دلیل عدم سماع موتی پر پیش فرمایا بخاری شریف۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع: اور مولوی صاحب نے مردوں کے نہ سننے پر اجماع ہونا بھی نقل کر دیا کہ جی جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے آئی انہوں نے اس کو رد کیا اور آیت قرآنی سے استدلال کیا۔ امت کی اکثریت نے حضرت عائشہ کے مسلک کو قبول کرتے ہوئے مطلق سماع موتی کی نفی فرمائی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین سلف صالحین رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کی تردید نہیں فرمائی، سماع موتی کے قانون پر اجماع سکوتی اختیار فرمایا۔ (اعلان حق ص ۴۱)

خلاصہ: حضرت عائشہ نے جو تفسیر فرمائی باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر سکوت فرمایا تو اس تفسیر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہوا۔ (ص ۱۷)

جواب: مولوی صاحب نے نداء حق وغیرہ سے یہ ساری نقل ماری ہے، عام مردوں کے سننے نہ سننے کے بارے میں ہمارے سب اکابر نے تصریح کی ہے کہ دونوں پہلو درست ہیں جو جس پہلو کو دلائل سے رائج ٹھہرائے وہ حق پر ہی ہوگا، اگر کسی نے دلائل سے مردوں کے سننے کو رائج ٹھہرایا تو یہ بھی ٹھیک ہے اور اگر کسی نے مردوں کے نہ سننے کو رائج ٹھہرایا یہ بھی ٹھیک ہے، اس مسئلہ کا کوئی پہلو باطل نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ کیونکہ دونوں رائے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ایک جانب کو باطل ٹھہرانے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کسی ایک جماعت کو باطل پر ٹھہرانا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے اور مستلزم باطل باطل ہوتا ہے لہذا دونوں رائے حق ہیں کسی رائے کو باطل ٹھہرانا باطل ہے۔

مولوی صاحب نے جو آیت: ”انک لا تسمع الموتی اور ما انت بمسمع من فی القبور“ سے استدلال کیا ہے تو یہ درست ہے کہ جو اکابرین سماع موتی کے منکر ہیں ان کا استدلال اس قسم کی آیات سے ہے، لیکن دوسرے کئی اکابرین نے ان آیات سے عدم سماع موتی ثابت ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ انک لا تسمع الموتی (نمل: ۸۱، ۸۰) کے تحت تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے، مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں؟

یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہم اختلاف رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہ اس کی نفی کرتی ہیں اسی لئے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین ان میں بھی دو گروہ ہو گئے، بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے اور قرآن کریم

میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورہ نمل میں آیا ہے دوسرے سورہ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورہ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے: مَا نَتَّبِعُ فِي الْقُبُورِ يَعْنِي أَفَإِنْ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ جَوَازِ قُبُورٍ مِّنْ هُنَّ، ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے نہیں سن سکتے۔ (تفصیلی بحث کے آخر میں فرماتے ہیں) اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے کا عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے یہ قطعی نفی کی۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۶۰۲ تا ۶۰۴)

حضرت مفتی صاحب نے صاف فرمایا کہ ان سب آیات میں یہ بالکل نہیں کہ مردے نہیں سنتے، بلکہ یہ تینوں آیات اس سے خاموش ہیں۔ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: ”ان آیات میں تو عدم سماع کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ اس لئے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے۔“ (تفسیر حقانی ج ۶ ص ۴۱، فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۱۵۱) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنا دو کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اس سے انکار کوئی مؤمن نہیں کر سکتا، اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائے گا اس حد تک ہم کو سماع موتی کا قائل ہونا چاہیے محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو ان کے تحت نہیں لاسکتے، بہر حال آیت میں سماع کی نفی سے مطلق سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ (جس کو ماقی ثابت کرتے ہیں۔ مرتب) (تفسیر عثمانی ص ۵۳۱) ظاہر ہوا کہ آیت میں صرف یہ بیان ہے کہ چونکہ مردوں کو سنانا اسباب عادیہ سے باہر ہے اس لئے تم نہیں سنا سکتے لیکن یہ نہیں کہ وہ سن بھی نہیں سکتے بلکہ سن سکتے ہیں، تو جن باتوں کے سننے کا نصوص میں ذکر آ گیا وہ تو سنتے ہی ہیں اور جن کا ذکر نہیں آیا ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

روم: اگر مان لیں کہ آیت سے سماع موتی کی نفی ہے تو مطلق سماع کی نفی نہیں سماع نافع کی نفی ہے۔ (سب علماء دیوبند و اہل سنت نے یہی توجیہ لکھی ہے جیسا کہ آگے ذکر ہوگا) مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ دارالعمل سے چلے گئے ہیں تو اب ان کو نصیحت بیکار ہے نافع نہیں، سن تو لیں گے لیکن تمہاری نصیحت پر عمل نہیں کر سکیں گے، ایسے ہی یہ مشبہ کا فرض اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نصیحت سنتے ہیں لیکن ضد کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں سماع نافع کی نفی ہے مطلق سماع کی نفی نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی خاموشی: رہی یہ بات کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیات مذکورہ کی تفسیر عدم سماع موتی سے کی ہے تو صورت حال یہ ہے کہ ہمارے سامنے یہ بات آئی ہے کہ بخاری شریف میں ایک جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عمر کی روایت: ”گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔“ اس پر جو تبصرہ فرمایا وہاں پر یہ ذکر ہے: ”قال ابن أبي مليكة والله ما قال ابن عمر عنه شيئاً (تحت حدیث نمبر ۱۲۸۸) ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: ”اللہ کی قسم (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات سن کر) حضرت ابن عمر نے کچھ نہ کہا۔“

اس کے تحت علامہ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”قال الزين بن منير رحمۃ اللہ علیہ سکوته لا يدل على الاذعان فلعله كره المجادلة في ذالك المقام وقال القرطبي ليس سكوته لشك طراله بعد ما صرح برفع الحديث ولكن احتمل عنده ان يكون الحديث قابلاً للتأويل ولم يتعين له محمل يحمله عليه اذ ذاك او كان المجلس لا يقبل المماراة ولم تتعين الحاجة الى ذالك حينئذ“ (فتح الباری ج ۳ ص ۹۲، عمدة القاری ج ۸)

ص ۱۱۷) امام زین بن میر فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خاموشی ان کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات پر (یقین کرنے پر دلالت نہیں کرتی شاید انہوں نے اس موقع پر بحث ناپسند کی ہو اور امام قرطبی فرماتے ہیں ان کی خاموشی (اپنی روایت کے بارے میں) پیدا ہو جانے والے شک کی وجہ سے نہیں جب کہ پہلے وہ مرفوع حدیث صاف بیان کر چکے بلکہ ان کے سامنے حدیث کے قابل تاویل ہونے کا احتمال پیدا ہوا ہو گا لیکن حدیث کا کوئی محمل متعین نہ کر سکے جس پر اسی وقت محمول کرتے، یا وہ مجلس بحث کے مناسب نہ تھی اور نہ ان کو اس وقت اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”قلت لا دلالة في السكوت على الاذعان بل ترك المجادلة كما هو شأن ارباب العرفان“ (مرقات ج ۴ ص ۱۹۹) میں کہتا ہوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خاموشی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات مان لینے پر دلیل نہیں ہے بلکہ انہوں نے مجادلہ چھوڑ دیا جیسے اصحاب معرفت کی شان ہے۔

تو جب ایک حدیث (المیت يعذب ببكاء اهله عليه) پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تبصرہ سننے پر خاموشی تائید کرنے پر محمول نہیں ہو سکتی تو اگر حدیث قلیب بدر پر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تبصرہ سنا ہو (اور تبصرہ کو سننے کا ثبوت مولوی صاحب جمع جماعت پر لازم ہے) اور خاموش ہو گئے ہوں تو وہ خاموشی تائید کے حق میں کیسے مانی جاسکتی ہے؟ جناب تو بلا حوالہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تبصرہ سن کر تسلیم کر لیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع: ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ بجائے اس کے کہ حضرت ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات تسلیم کرتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ان کی بات تسلیم کر لیتی ہیں اور حق یہی ہے کہ جب آدمی تک بات کی اصل حقیقت سامنے آئے وہ تسلیم کر لے، جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک صحیح صورت حال نہیں پہنچی تھی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو نہ آیت قرآنی انک لا تسمع الموتی کے خلاف سمجھا اور جب حقیقت کھلی تو کھل کر صحیح بات کا اعتراف کیا۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ومن الغريب ان في المغازی لابن اسحاق رواية يونس بن بكير باسناد جيد عن عائشة مثل حديث ابي طلحة وفيه ما انتم باسمع لما قول منهم واخرجه احمد باسناد حسن فان كان محفوظاً فكانها رجعت عن الانكار لما ثبت عندها من روايات هؤلاء الصحابة لكونها لم تشهد القصة (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷ باب قتل ابی جمل) اور زالی بات یہ ہے کہ ابن اسحاق کے مغازی میں یونس بن بکیر کی سند سے عمدہ سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت ہے جیسے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں ”ما انتم باسمع لما قول منهم“ کے الفاظ ہیں اور امام احمد نے بھی حسن سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے، تو اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں (اور سند سے یہی ظاہر ہے) تو یہ دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات ثابت ہونے پر سماع موتی کے انکار سے رجوع کر لیا کیونکہ واقعہ کے وقت خود موجود نہیں تھیں۔

علامہ محمد بن احمد بن سالم سفارینی حنبلی رحمہ اللہ (م ۱۱۸۸ھ) بھی امام احمد مہلبی کی سند کو حسن اور مغازی ابن اسحاق کی سند کو جید کہتے ہیں (شرح ثلاثیات مسند الامام احمد ج ۱ ص ۶۷۰ طبع الکتب الاسلامی) اس پر مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رجوع کی صراحت کسی کتاب میں نہیں (اعلان حق دوم ص ۲۵) صاف دن میں لکھے ہوئے سورج کو جھٹلانے والے کی طرح ہے۔

جمہور کا عقیدہ: اس کے بعد اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے دعوے کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے؟ جب کہ حضرات علماء نے لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تائید نہیں کی تھی۔

علامہ عبدالحی عسکریؒ فرماتے ہیں: ”واما رد عائشة بعض تلك الاحاديث فلم يعتد به جمهور الصحابة ومن بعدهم“ (عمدة الرعاية ج ۲ ص ۲۵۴ سماع الموتى ۲۹۱) رہی یہ بات کہ حضرت عائشہؓ نے ان بعض حدیثوں کو رد کیا، تو بات یہ ہے کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے جمہور نے ان کے رد کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: ”لكن الجمهور خالفوها في ذلك وقبلوا حديث ابن عمر رضي الله عنهما لموافقة من رواه غيره عليه“ (عمدة القاری ج ۸ ص ۲۹۲) لیکن جمہور نے حضرت عائشہؓ کی مخالفت کی ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کو قبول کیا ہے کیونکہ دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس روایت میں ابن عمرؓ کی موافقت کرتے ہیں۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”وقد خالفها الجمهور في ذلك وقبلوا حديث ابن عمر“ (فتح الباری ج ۳ ص ۴۶۵ کتاب البناء باب ماجاء فی عذاب القبر) تحقیق جمہور نے حضرت عائشہؓ کی مخالفت کی ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کو قبول کیا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ”والصحيح عند العلماء رواية عبد الله بن عمر لما لها من الشواهد على صحتها من وجوه كثيرة“ (تفسير ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸) علماء کے نزدیک (حضرت عائشہؓ کی روایت کے مقابلہ میں) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ علامہ ابن رجب حنبلی اور سفارینی دو مذہب بیان کرتے ہیں، پہلا سماع موتی کی نفی کا، اس میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ علماء کی ایک جماعت کا ذکر کر کے تائید کرنے والوں میں قاضی ابویعلیٰ کا ذکر کرتے ہیں پھر دوسرا مذہب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وذهب (ذهب) طوائف من اهل العلم وهم الاكثرون وهو اختيار الطبري وغيره“ (احوال القبور ص ۱۳۳، روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۵ بحوالہ الجوز الزاخر للسفارینی) علماء کی بہت سی جماعتیں اس طرف گئی ہیں اور وہی اکثر ہیں اور یہی طبری وغیرہ کا پسندیدہ مذہب ہے۔ پہلے قول کے لیے فرما رہے ہیں: ”طائفة من العلماء اور دوسرے قول کے لئے طوائف من العلماء وہم الاكثرون فرما رہے ہیں۔ فرق واضح ہے، دیکھیں کہ جمہور کس طرف ہیں؟

امام ابن عبد البرؒ بھی فرماتے ہیں: ”ان الاكثرين على ذلك وهو اختيار ابن جرير الطبري وكذا ذكر ابن قتيبة وغيره“ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۵) اکثریت مردوں کے سننے قائل ہے۔ یہی ابن جریر طبری کا پسندیدہ مذہب ہے اور ایسے ہی ابن قتیبة وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

مولوی صاحب نے کہا کہ جمہور امت نے حضرت عائشہؓ کی بات لی ہے، حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جیسا کہ ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ جمہور نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث لی ہے، بلکہ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کو بھی اقرار ہے کہ باقی سب صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابن عمرؓ کی تائید کرتے ہیں: ”قالت عائشة والناس يقولون لقد سمعوا ما قلت لهم و انما قال رسول الله الله لقد علموا“ (مسند احمد ج ۲۶۸۹۳) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ لوگ (یعنی صحابہ) تو یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے وہ سن لیا جو میں نے ان کو کہا، حالانکہ آپ نے فرمایا ہوگا کہ انہوں نے جان لیا۔

تو جب ام المؤمنین اقراری ہیں کہ سب صحابہ ابن عمرؓ کے تائیدی ہیں اور ام المؤمنین اکیلی ہیں تو مولوی صاحب کو ام المؤمنین کی یہ بات بھی مان لینی چاہیے کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہؓ کی تائید نہیں کی بلکہ مخالفت کی ہے، بہر حال مولوی صاحب ان شاء اللہ کسی ایک مستند بزرگ سے بھی نقل نہیں کر سکتے جو کہے کہ جمہور علماء

امت سماع موتی کے منکر ہیں؟

کتاب الغرائب، امام اعظم رحمہ اللہ کا حوالہ: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ”امام اعظم ابوحنیفہ نے اس آیت سے عدم سماع موتی ثابت کیا، غرائب فی تحقیق المذاهب میں ہے ”کہ ایک شخص قبر پر سلام کر رہا تھا اور مردہ کو خطاب اور اس سے کلام کر رہا تھا، حضرت امام ابوحنیفہ نے دیکھ کر فرمایا تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں کیا یہ تیری بات سن رہے ہیں وہ تو کسی آواز کو نہیں سنتے پھر فرمایا: ما انت بمسمع من فی القبور، (سراج الایمان ص ۶) بشیر الدین قنوجی نے اپنی کتاب میں یہی بات لکھی ہے۔

جواب: اولاً امام اعظم رحمہ اللہ کے متعلق یہ واقعہ منگھڑت ہے۔ غیر مقلد بشیر الدین قنوجی وغیرہ نے یہ حوالہ الغرائب کا دیا اور ممتاویوں نے لے لیا۔

امام اعظم رحمہ اللہ اور سماع موتی: اگر امام صاحب نے ایسی کوئی تصریح کی ہوتی تو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ والے کیوں لکھتے کہ امام صاحب سے اس بارے میں کوئی تصریح نہیں اور جو نقل ہیں شاذ ہیں؟ بلکہ ہمارے اکابر میں سے علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں: ”و فی رسالۃ غیر مطبوعۃ لعلی القاری ان احدا من المتناہم یذهب الی انکارھا و انما استنبطوھا من مسئلۃ فی باب الایمان وھی حلف رجل ان لا یکلم فلاناً فکلمہ بعد ما دفن لا یحدث قال القاری ولا دلیل فیہا علی ما قالوا فان مبنی الایمان علی العرف و ہم لا یسمونہ کلاماً“ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) ملا علی قاری رحمہ اللہ کے ایک غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ہمارے ائمہ میں سے کوئی بھی سماع موتی کے انکار کی طرف نہیں گیا ہے، علماء نے اس کو کتاب الایمان کے مسئلہ سے استنباط کر لیا اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے قسم کھائی کہ فلاں سے نہیں بولوں گا، پھر اس کے دفن ہونے کے بعد کلام کی تو حانث نہیں ہوگا، ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں تو منکرین کی دلیل نہیں ہے کیونکہ ایمان کا دار و مدار تو عرف پر ہے اور اہل عرف دفن کے بعد کی کلام کو کلام نہیں کہتے۔ (اس لئے حانث نہیں ہوتا نہ اس لئے کہ سنا نہیں) ”مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ ملا علی قاری کا مسئلہ یمین کو عرف پر مبنی کہنا درست نہیں کیونکہ دوسرے احناف ملا علی قاری رحمہ اللہ کا ساتھ نہیں دیتے، لیکن مولوی صاحب کی یہ بات بالکل غلط ہے حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کے کئی تائیدی ہم ذکر کرتے ہیں۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اقول خذا منہم مبنی علی ان مبنی الایمان علی العرف فلا یلزم منہ نفی حقیقۃ السماع کما قالوا فیمن حلف لا یاکل اللحم فاکل السمک مع ان الله سماہ لحما طریاً“ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۶۹ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا یہ مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ قسموں کا مدار عرف پر ہے، اس لیے اس سے حقیقت سماع کی نفی لازم نہیں آتی، جس طرح فقہاء نے کہا کہ جو قسم کھائے کہ گوشت نہ کھائے گا پھر مچھلی کا گوشت کھالیا تو حانث نہ ہوگا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کا نام تازہ گوشت ذکر کیا ہے۔ (جیسے وہاں عرف کی وجہ سے حانث نہیں ہوتا ایسے اس مسئلہ میں عرف کی وجہ سے حانث نہیں ہوتا نہ اس وجہ سے کہ مردے نہیں سنتے) علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے بھی ملا علی قاری رحمہ اللہ سے یہ نقل کر کے کہ مسئلہ یمین عرف پر مبنی ہے اور یہ کہ ہمارا کوئی حنفی امام سماع موتی کے انکار کی طرف نہیں گیا۔ اس کی کوئی تردید نہیں کی، تو اس میں ان کی بھی تائید ہوئی۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی اسی کے جواب میں فرماتے ہیں: ”و بنائے ایمان بر حرف و

عادت است نہ بر حقیقت فافہم (افہم المعانی ج ۳ ص ۲۱) قسموں کا مدار عرف و عادت پر ہے نہ کہ حقیقت پر سمجھ لو۔

مولانا احمد سعید دہلوی کا حوالہ: لکھتے ہیں: سبحان الہند احمد سعید (کشف الرحمن ص ۶۵۳ میں) فرماتے

ہیں۔ حضرت عائشہ نے اس آیت سے مردوں کے نہ سننے کا استدلال کیا ہے، (طبع دوم ص ۲۹)

جواب: جی ہاں اور ساتھ لکھا ہے کہ: ”اور یہی اکثر مشائخ حنفیہ کا مسلک ہے۔“ (یعنی کئی احناف سماع

موتی کے قائل بھی ہیں، مرتب) اور دوسری آیت کے تحت یہ بھی لکھتے ہیں: ”اور فرمایا تو نہیں سنا تا قبروں میں پڑوں

کو، حدیث میں آیا ہے کہ مردوں سے سلام علیک کر وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے اس کی حقیقت

یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑوہ نہیں سنتا۔“ (کشف الرحمن ص ۶۹۷)

جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک روح قریب ہوتی ہے اور وہ سنتی ہے، اکیلے دھڑ میں سننے کی صلاحیت نہیں

ہے، تو دیکھیں وہ بھی سلام سننے کے قانون کے قائل ہیں کہ یہ نہیں فرما رہے کہ سن سکتے ہیں بلکہ فرما رہے ہیں کہ روح سنتی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا عزیز الرحمن کا حوالہ: باقی آیت کی تفسیر میں علامہ کشمیری نے جو یہ فرمایا

کہ مردے صرف اللہ تعالیٰ کے سنانے سے ہی سنتے ہیں خود نہیں سنتے تو اس سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں، ان کی متعدد

عبارات انشاء اللہ آگے آرہی ہیں وہ بھی مردوں کے سننے کے قائل ہیں نہ کہ مماتوں کی طرح بالکل نفی کرتے ہیں۔

ایسے ہی مولانا عزیز الرحمن کا یہ فرمان کہ آیت انک لا تسمع الموتی عدم سماع پر نص قطعی ہے تو ہم

تسلیم کرتے ہیں کہ بے شک قطعی الثبوت ہے مگر قطعی الدلالت ہرگز نہیں کیونکہ قطعی الثبوت مع قطعی الدلالت بات کا

منکر کافر ہو جاتا ہے تو لازم آئے گا کہ سماع موتی کے قائل کافر ہوں اور یہ خواہ مخواہ کی بڑ ہوگی۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا حوالہ: کہتے ہیں: ”عام کلام خطاب کے متعلق کوئی ضابطہ تو نہیں کہ ضرور

سنتے ہیں لیکن نہ سننا بھی ضروری نہیں (عدم سماع بھی قانون نہیں، مرتب) اگر حق تعالیٰ چاہیں تو سنا دیں، غرض ایسی

حالت نہیں جیسے زندگی میں بطور جریان عادت سننا ضروری ہوتا ہے۔ (فتاویٰ امداد المفتیین ص ۲۹۱، اعلان حق دوم ص ۳۰)

جواب: اس سے پہلے کی عبارت جناب نے ہضم کر لی، اس سے پہلے فرماتے ہیں: اعدل الاقوال اور

اصح مختار یہ ہے کہ جن جن مواقع میں میت کا کلام وغیرہ سنت منصوص ہے وہاں تو بلا تامل یقین کیا جاوے باقی عام کلام

خطاب کے متعلق کوئی ضابطہ تو نہیں۔ الخ!

مولوی صاحب تو وہاں بھی بلا تامل سماع نہیں مانتے جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے سماع بیان کیا ہے اور

مفتی صاحب عدم سماع قانون نہیں مانتے جب کہ مولوی صاحب نے قانون بنا رکھا ہے، تو مفتی صاحب رحمہ اللہ نے وہی

بات کی ہے جو ہم کہتے ہیں، اس سے زیادہ واضح عبارت ایک اور سنیں: ”فلا حادیث الصحیحۃ لما کانت ناطقۃ

بشیر السماع فی قتلی بدرو فی صیغۃ السلام لكل مسلم نطقنا به وہی ساکتۃ عن سائر الکلام فسکتنا عنه

ولکن لا سکوت الجحود والانکار بل سکوت من لا یعلم امرأ ممکن الوقوع هل وقع ام لا“ (احکام القرآن

ج ۵ ص ۱۰۶) تو احادیث صحیحہ نے جب بتایا کہ بدر کے مقتولین نے سنا اور ہر مسلمان سلام سنتا ہے تو ہم بھی اس کے

قائل ہیں باقی ہر ہر بات کے متعلق ہم خاموش ہیں لیکن یہ خاموشی انکار کی نہیں ہے (جیسے مولوی صاحب کرتے ہیں)

بلکہ اس شخص جیسی خاموشی ہے جو ممکن الوقوع بات سے متعلق یہ نہیں جانتا کہ اس کا وقوع ہوا یا نہ؟

مولوی صاحب اس کے صاف انکاری ہیں کہ جہاں سماع ثابت ہے وہاں بھی قانون سماع نہیں مانتے اور

جہاں سماع نہ نفیاً نہ اثباتاً ثابت ہے وہاں سکوت کے بجائے قانون عدم سماع مانتے ہیں (جیسے وہاں نہ سن لینے کی وجہ

ان پر اترتی ہے کیونکہ یہ عالم غیب سے متعلق ہے جہاں بغیر وحی کچھ کہا نہیں جاسکتا (اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت ابھی اوپر آیت کی تفسیر میں ذکر ہوئی، مولوی صاحب نے ادھوری ذکر کرتے ہوئے کھلی خیانت کی ہے۔

مولانا غلام اللہ خان کا حوالہ: ایسے ہی شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کی جواہر القرآن کی عبارت (جس کی ہر بات کا مولانا غلام اللہ کی بات ہونا یقینی نہیں) مولوی صاحب نے آدمی پیش کی ہے پوری عبارت یوں ہے۔ ”سماع موتی کا مسئلہ زمان صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے، یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں، جن کی نفی یا اثبات علمی و تحقیقی بحث ہے جس میں بحث و تمحیص اور نظر و تحقیق کی گنجائش ہے، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دورائے رہی ہیں علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں، جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے جب کہ قائلین سماع بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ (جواہر القرآن تفسیر سورہ روم، حیات الاموات ص ۵۵، ۵۴) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ (۱) صحابہ رضی اللہ عنہم سے آج تک مسئلہ سماع موتی میں اختلاف چلا آرہا ہے کبھی بھی نہ سماع پر اجماع ہوا نہ عدم سماع پر اجماع (سکوئی) ہوا (۲) سماع اور عدم سماع کوئی بھی باطل نہیں، سماع موتی کے قائلین پر شرک و کفر کا اور عام موتی کے عدم سماع کے قائلین پر بھی کسی قسم کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ (۳) سماع موتی کے قائلین کے پاس بھی صحیح احادیث دلائل ہیں، یہ ساری باتیں مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کے دعویدار مولوی امیر عبد اللہ صاحب کے نظریہ کے خلاف ہیں اور ہمارے حق میں ہیں۔

مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ: ایسے ہی مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ میں بھی مولوی صاحب نے خیانت کرتے ہوئے صرف مطلب کی عبارت پیش کی ہے۔ (ص ۲۱)

مولانا نور الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”تو اہل قبور جس کسی کی آواز سلام سنتے ہیں وہ صاحب سلام کی طاقت نہیں کہ سنا سکیں نہ اہل قبور کی طاقت ہے کہ سن سکیں سنانے والے خود اللہ رب العزت ہیں، جن مواقع میں سماع موتی ثابت ہے۔ سماع موتی اصلاً تو خرق عادت ہے مگر ان مواضع مخصوصہ میں (جن کا سننا احادیث سے ثابت ہے) اللہ رب العزت نے اسے عادت و معمول بنا دیا ہے یہ نہیں کہ مردہ ولی کا کلام و سلام سنے اور عام آدمیوں کا نہیں، یا مردہ ولی تو زائر کا سلام سنے اور غیر ولی نہ سنے۔ الخ“ (حیات الاموات ص ۶۱)

دیکھیں یہ تو وہی کہ رہے ہیں جو ہم کہتے ہیں آپ کی طرح ثابت موقعوں میں سماع خرق عادت نہیں مانتے بلکہ عادت اور قانون مانتے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت مولوی صاحب نے ادھوری تحریر کی ہے حضرت گنگوہی فرماتے ہیں: ”مسئلہ سماع موتی کا قرن اول میں مختلف ہوا ہے اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں۔ حسب قاعدہ مرجع جانب عدم سماع ہے۔ الحاصل ارجح مذہب عدم سماع ہے پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے۔“ (لطائف رشیدیہ، تالیفات رشیدیہ ص ۶۷۶، ۶۷۷)

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ (۱) حضرت گنگوہی کے نزدیک مسئلہ سماع موتی میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے اختلاف چلا آرہا ہے ان کا عدم سماع پر کوئی اجماع (سکوئی) نہیں ہوا (۲) مسئلہ سماع موتی میں اختلاف رائج مرجوح کا ہے کفر و اسلام اور توحید و شرک کا اختلاف نہیں ہے (۳) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عدم سماع زیادہ رائج ہے یعنی ترجیح سماع کو بھی دی جاسکتی ہے مگر ارجح عدم سماع ہے (۴) مردوں کے سننے کا مذہب بھی ضعیف یا باطل نہیں بلکہ قوی

مذہب ہے، یہ چاروں باتیں مولوی صاحب کے رسالہ کے خلاف ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ بن حنبل کا حوالہ: کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (مکملہ المجموع شرح المہذب ص ۹۰ جلد

۱۸) میں ہے امام احمد سے کسی نے پوچھا کہ کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا، اگر اس نے مرنے کے بعد کلام کی، کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی؟ تو امام صاحب نے فرمایا نہیں ٹوٹے گی کیونکہ فرمان اللہ تعالیٰ کا ہے مانت بمسمع من فی القبور۔ (اعلان حق اول ص ۱۷، ۱۸)

جواب: یہ کتاب ہمارے پاس نہیں اور ان شاء اللہ مولوی صاحب کے پاس بھی نہ ہوگی یہ ناقل ہیں، مولانا

نیلوی صاحب کی کتاب سے اس حوالہ کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے صرف اتنی بات فرمائی کہ اگر آواز دیا ہو امیت یا غائب یا بے ہوش یا وہ بہرہ ہے جو اپنے ساتھ گفتگو کو نہیں جانتا تو قسم اٹھانے والا حانث نہ ہوگا، اس سے آگے امام احمد رحمہ اللہ نے کچھ نہیں فرمایا جب کہ حنبلی حضرات میں سے قاضی ابوبکر وغیرہ نے فرمایا کہ میت کو آواز دینے سے حانث ہو جائے گا کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے مردوں سے کلام کی ہے اور ان کو آواز دی ہے اور ما انتہم باسمع لما قول منہم فرمایا ہے۔ پھر مکملہ کے مصنف رحمہ اللہ نے اپنی طرف سے قاضی ابوبکر کی اس بات پر اعتراض بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: و مانت بمسمع من فی القبور سے اس پر اعتراض پڑتا ہے، پھر اس کا مکملہ والے نے کوئی جواب دیا یا نہ؟ آگے عبارت نیلوی صاحب بھی نہیں بتاتے، شاید کوئی چھپاراز کھل جائے (دیکھیں احسن العائد ص ۱۰) تو ثابت ہوا کہ امام احمد نے اس کی کوئی وجہ نہیں بیان فرمائی نہ عدم سماع اور نہ آیت پڑھی اس لئے امام صاحب کے ذمہ لگانا گھڑن تو بات ہے، حانث نہ ہونے کی وجہ وہی ہے کہ میت سے کلام کرنے کو کلام نہیں کہتے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ: کہتے ہیں (المغنی لابن قدامہ ص ۸۳۰ جلد ۸) میں امام شافعی کے بارے میں

یہی کچھ لکھا ہوا ہے کہ میت سے کلام کرنے سے قسم نہیں ٹوٹتی، اس کی دلیل نقل فرمائی، و مانت بمسمع من فی القبور۔“ (اعلان حق ص ۱۸)

اس کے متعلق بھی نیلوی صاحب کی کتاب سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے صرف مسئلہ بیان فرمایا،

آگے دلیل نہیں دی، پھر امام ابوبکر سے حانث ہونا ذکر کر کے ان کا حدیث قلیب بدر سے استدلال ذکر کیا، پھر خود ابن قدامہ نے حانث نہ ہونے کی دلیل اپنی طرف سے و مانت بمسمع من فی القبور بیان کی ہے، (احسن العائد ص ۱۰) اس لئے امام احمد و شافعی رحمہ اللہ کے ذمہ یہ لگانا کہ انہوں نے اس آیت سے عدم سماع موتی پر استدلال کیا غلط بیانی ہے۔

الجامع الصغیر کے حوالہ میں جھوٹ: ایسے ہی مولوی صاحب نے جو لکھا کہ امام محمد اپنی کتاب الجامع

الصغیر میں فرماتے ہیں کہ کوئی قسم اٹھائے کہ میں فلاں کے ساتھ کلام نہیں کروں گا اس کے مرنے کے بعد اس کے ساتھ کلام کرنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ کلام سے مراد اس کو سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس کے منافی ہے۔ (ص ۱۸)

تو امام محمد رحمہ اللہ کی اصل عربی عبارت میں وہ الفاظ جو مولوی صاحب کا مستدل ہیں موجود نہیں ہیں، ایسا

ہی الجامع الکبیر میں یہ مسئلہ ذکر ہے مگر وجہ ذکر نہیں، مولوی صاحب نے بہت سے مواقع میں حوالوں میں اپنی طرف سے پیوند کاری کی ہے۔

آیت میں تشبیہ کی صورت: مولوی صاحب نے سماع موتی کے قائلین کا یہ سوال ذکر کیا کہ آیت میں کفار

مراد ہیں مردے مراد نہیں، کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی تو جیسے کفار سنتے ہیں مردے سنتے ہیں، پھر اس کے جواب میں کہا کہ تشبیہ کی صورت یہ ہے کہ استعارہ کی صورت میں مشبہ میں وجہ شبہ اذعاء اور مشبہ بہ میں حقیقتہً ہوتی ہے تو یہاں کفار

اور مردوں میں وجہ شبہ عدم سماع ہے تو مطلب ہے کہ مردے حقیقۃً اور کفار ادعاء نہیں سنتے، جیسے کفار کو بہروں سے تشبیہ دی گئی تو مطلب ہے کہ بہرے حقیقۃً اور کفار ادعاء نہیں سنتے اور اندھوں سے تشبیہ دی گئی تو مطلب ہے کہ اندھے حقیقۃً اور کفار ادعاء نہیں دیکھتے، اس تقریر کے مطابق آیت سے مردوں کا نہ سننا ثابت ہے یہی تقریر لطائف رشیدیہ میں ہے، (علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۳۵) میں اور خازن نے تفسیر میں کی ہے۔ (اعلان حق ص ۲۱، ۲۲)

جواب: یہ درست ہے کہ استعارہ کی وہی تقریر ہے جو مولوی صاحب نے کی ہے کہ اس تشبیہ کے مطابق مردے بھی نہیں سنتے اور کفار ادعاء نہیں سنتے مگر دونوں میں جس سماع کی نفی ہے وہ سماع نافع ہے، مطلب یہ ہے کہ مردے حقیقۃً سماع نافع نہیں کر سکتے اور کفار ادعاء سماع نافع نہیں کر سکتے مردے حقیقۃً اس لئے کہ اب جو نصیحت بھی سنیں اس پر عمل کے جہان سے چلے گئے ہیں، تو (بے عمل اور بے ایمان مردے) عمل نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں، تو سماع نافع واقعۃً منفی ہے اور چونکہ کفار ابھی دارالعمل میں ہیں اس لئے ان کے لئے سماع نافع ممکن تو ہے مگر ان کا سماع نافع ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اس لیے ان سے سماع نافع محض ادعاء منفی ہے نہ کہ حقیقۃً منفی ہے، اس توجیہ کی تائید اور ثبوت اسلاف کی اس قسم کی عبارات سے ہے۔

(۱) ”وانما شبہوا بالموتی علی ما قیل لعدم تأثرهم بما یتلی علیہم من القوارع“ (کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی کیونکہ جو وعیدات ان پر پڑی جاتیں ان سے متاثر نہ ہوتے تھے)۔ ”او شبہوا بالموتی لانہم لا ینتفعون بما یتلی علیہم (یا اس لئے کہ ان پر جو پڑھا جائے اس سے نفع نہیں اٹھاتے) (روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۹) سماع تدبر و قبول (مراد ہے) (روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۸۶) ”لا تسمعہم سماعاً ینفعہم و قد ینفی الشیء الانتفاع فائدتہ و ثمرتہ“ (یعنی آپ ﷺ ان کو نفع والا سننا نہیں سنا سکتے، کبھی شئی کا فائدہ اور ثمرہ منفعی ہونے سے شئی کی نفی کر دی جاتی ہے)

(۲) ”المنفی ہو الاسماع دون السماع، وتقریرہ ان الآیۃ تنفی السماع الذی یترب علی الاسباب“ (سنانے کی نفی ہے سننے کی نہیں ہے، وضاحت یہ ہے کہ وہ سماع منفی ہے جو اسباب پر مرتب ہو) (صرف اسباب کے ذریعہ نہیں سن سکتے بلکہ اسباب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے سنتے ہیں) (فیض الباری ج ۲ ص ۴۷) ”وہو بظاہرہ یدل علی النفی مطلقاً فقیل بالفرق بین السماع والاسماع و المنفی ہو الثانی دون الاول“ (بظاہر مطلقاً سماع کی نفی ہے تو ایک قول یہ ہے کہ سماع اور اسماع میں فرق ہے اور نفی اسماع کی ہے سماع کی نہیں) ”واجاب عنہ السیوطی وآیۃ النفی معناها سماع ہدی“ (امام سیوطی نے جواب یہ دیا کہ نفی سماع سے سبب ہدایت بننے والے سماع کی نفی مراد ہے) ”فلیس الغرض منه نفی السماع بل نفی الانتفاع، قلت عدم السماع والسمع والاستماع کلہا بمعنی عدم العمل“ (تو غرض آیت سے سماع کی نفی نہیں نفع اٹھانے کی نفی ہے، میں کہتا ہوں سماع، سمع، استماع سب ایک معنی میں ہے یعنی عمل نہ کرنا) (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸، ۴۶۷)

(۳) ”لا تقدر علی اسماعہم اسماعاً ینتفعون بہ“ (یعنی آپ وہ سنانا نہیں سنا سکتے جس سے نفع حاصل کریں) (کتاب الروح ص ۶۵)

(۴) ”فان السماع یطلق ویراد بہ ادراک الکلام وفہمہ ویراد بہ ایضاً الانتفاع بہ والاستجابة لہ والمراد بہذہ الآیات نفی الثانی دون الاول“ (سماع بول کر کلام کا ادراک اور سمجھنا بھی مراد ہوتا ہے اور سماع سے نفع حاصل کرنے اور قبول کرنے کا سننا بھی مراد ہوتا ہے یہاں دوسرا معنی مراد ہے پہلا مراد نہیں) (احوال القبور ص ۱۳۵)

(۶،۵) ”و النفی منصب علی نفی النفع لا علی مطلق السمع أو علی نفی الجواب المترتب علی السمع“ (نفع کے سننے کی نفی ہے مطلق سننے کی نفی نہیں، یا قبول کرنے کی نفی ہے جو سننے پر مرتب ہوتا ہے)

(العلیق الصبح ج ۲ ص ۳۶۹، مرقات ج ۷ ص ۷۵)

(۷) ”ای لا تفہمہم لکونہم کالموتی“ (یعنی آپ ان کو نہیں سمجھا سکتے کیونکہ وہ مردوں کی طرح

(مفردات الراغب ص ۲۴۹)

(ہیں)

(۸) و مراد بسمع عدم اجابت است (سننے کی نفی) سے مراد قبول نہ کرنا ہے (احمد اللغات ج ۳ ص ۴۲۱)

(۹) سماع سے مراد سماع نافع ہے۔ (الکشف ۶۴۱، بیان القرآن ج ۸ ص ۹۶)

(۱۰) آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۳۱)

ان سب عبارات کا حاصل یہ ہے کہ آیات میں سنانے کی نفی ہے سننے کی نفی نہیں، یعنی آپ یا کوئی اور مردوں کو نہیں سنا سکتا اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت سے سنا سکتا اور سنا تا ہے، اگر سنانے کی نفی سے سننے کی نفی بھی مانیں تو سماع قبول اور سماع نافع کی نفی ہوگی کہ کافر قبول نہیں کر سکتے، مردے بھی قبول نہیں کر سکتے اور عمل نہیں کر سکتے تو مردوں سے مطلقاً سماع کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔

ایک بہترین قابل غور نکتہ: جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جب حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی کہ نبی کریم ﷺ نے قلیب بدر کے مقتول مشرکین کے گڑھے میں ڈالے جانے کے تین دن بعد ان سے خطاب کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”انہم لیسمعون الان ان ما کنت اقول لہم حق“ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۷) بے شک وہ ابھی سن رہے ہیں کہ جو میں کہتا ہوں وہ حق ہے۔

یہ حدیث سن کر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”انما قال النبی لانہم الان لیعلمون ان الذی کنت

اقول لہم هو الحق ثم قرأت انک لا تسمع الموتی حتی قرأت الایۃ“ (ج ۲ ص ۵۶۷) حضور ﷺ نے تو یہ فرمایا ہوگا کہ وہ ابھی جان رہے ہیں کہ میں جو ان کو کہا کرتا تھا وہ حق ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت انک لا تسمع الموتی تلاوت فرمائی۔

اس روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اجتہاد سے حضرت ابن عمر کی حدیث کو آیت کریمہ کے

خلاف سمجھا اور حدیث کے الفاظ میں تاویل کی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت سے مردوں کا نہ سننا سمجھا ہے (جس کا جواب گزر چکا ہے) اسی مضمون کی روایت کو مسند احمد میں ذکر کیا گیا تو وہاں یہ بات ذکر ہے کہ

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو خطاب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی آواز سنی تو عرض کیا: ”یا رسول اللہ! اتنادیہم

بعد ثلاث؟“ وہم یسمعون؟“ یقول اللہ عز وجل انک لا تسمع الموتی، فقال والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع

منہم و لکنہم لا یستطیعون ان یجیروا“ (مسند احمد ج ۱۰ ص ۱۴۱۱) یا رسول اللہ کیا آپ ان کو تین دن کے بعد آواز دے

رہے ہیں؟ کیا وہ سنتے بھی ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انک لا تسمع الموتی؟ تو فرمایا اس ذات کی قسم جس

کے قبضہ میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو (تم اور وہ سننے میں برابر ہو) لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انک لا تسمع الموتی سے مردوں کا نہ سننا سمجھتے تھے اس

لیے آیت پیش کر کے کلام کرنے پر اٹھال عرض کیا تو آپ نے اپنے فرمان میں ان مردوں کا سماع بیان کیا، پھر سماع

پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اٹھال نہیں کیا گویا حضور نے ظاہر فرمایا کہ یہ آیت مردوں کے سننے کے خلاف نہیں، اس

آیت میں ہے کہ میں (نبی) نہیں سنا سکتا اللہ تعالیٰ ہی سنا سکتے اور سناتے ہیں اور قلیب بدر والوں نے بھی سنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سنا ہے۔ اس لیے آیت سے مردوں کا نہ سننا ثابت نہیں ہوتا، اس اسلوب سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اگر اپنا اشکال حضور کے سامنے رکھتیں تو آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بھی مردوں کے سن سکنے کو بیان فرماتے، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی رائے کو حضور کے سامنے نہیں رکھا تو آیت سے عدم سماع موتی سمجھیں، بہر حال حضور کے فرمان سے ظاہر ہوا کہ آیت مردوں کے سن لینے کے خلاف نہیں ہے، چاہے جو توجیہ بھی کریں یا مراد کافر لیں یا سماع نافع کی نفی مراد لیں یا یہ کہ اسماع کی نفی سے سماع کی نفی نہیں ہوتی یا یہ کہ آیت میں ہے کہ تمہارے سنانے سے نہیں سنتے اور احادیث سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سن لیتے ہیں۔

یاد رہے کہ مولوی عبداللہ صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پوری پڑھی نہیں اس لیے نئے ایڈیشن میں لکھتے ہیں: ”یہ موقع تھا کہ (حضور ﷺ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصلاح فرماتے کہ ہر مردہ سننا ہے آپ کو اشکال کیسے پیدا ہو گیا۔“ (ص ۴۱)

بات قلیب بدر والوں کی تھی تو آپ نے جواب میں قلیب والوں کا زندوں کے برابر نہ بیان فرما دیا، نہ ہر مردہ کے سننے کے متعلق سوال تھا نہ جواب میں ہر مردہ کے سماع کی بات کی ضرورت تھی، مگر جواب میں مردوں کے سن لینے کا سننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نہ سننے کا عقیدہ رکھنا رسول اللہ کی مخالفت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہرگز نہیں ہو سکتی، اس لیے شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی صاحب کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مردوں کے عدم سماع کے قائلین میں ذکر کرنا بالکل غلط بیانی ہے۔ (احسن العطاء ص ۵۹)

آیت کے شان نزول میں حضرت ابن عباس کی روایت: مولوی صاحب نے رسالہ کے دوسرے ایڈیشن کے ص ۲۵ میں لکھا ہے کہ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیات قلیب بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہیں۔

جواب: اگر آیات ”انک لاتسمع الموتی“ وغیرہ کا نزول قلیب بدر والوں کے بارے میں ہوتا تو اس موقع پر حضور ﷺ کے خطاب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آیت انک لاتسمع الموتی کیسے پڑھتے؟ ان کا پڑھنا صاف دلیل ہے کہ یہ آیات اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھیں، پھر اسی واقعہ کی حضرت ابن عمر کی روایت سن کر اس کے خلاف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ آیت کیسے پڑھتیں؟ معلوم ہوا کہ یہ آیات واقعہ قلیب بدر سے پہلے نازل ہو چکی تھیں نہ یہ کہ اس موقع پر نازل ہوئیں، (یہ آیات مکی ہیں اور واقعہ قلیب بدر مدنی ہے)

تفسیر درمنثور میں بحوالہ تفسیر ابن مردویہ حضرت ابن عباس کی روایت کے راوی آپ کے دوست کلبی اور ابوصالح ہیں جن کے متعلق آپ بھی لکھتے ہیں: ”ابوصالح والکلبی اور محمد بن مردان السدی صغیر سب متروک الحدیث راوی ہیں۔“ (کتاب الاسماء والصفات ص ۲۹۴، اعلان حق ص ۳۸)

تو جناب نے مطلب کی خاطر طبقہ ثالثہ سے اوپر کے طبقہ رابعہ کے درجہ کی کتاب تفسیر ابن مردویہ کا حوالہ دینے کی تکلیف فرمائی، آپ کے بانٹ قوم شعیب والے ہیں دینے کے لئے اور اور لینے کے لئے اور ہیں۔

نیز اسی روایت کو سامنے رکھ کر نیلوی صاحب کا بھی حضرت ابن عباس کو منکرین سماع موتی میں شامل کرنا غلط بیانی ہے۔ (احسن العطاء ص ۵۹)

باقی مولانا بشیر الدین قنوجی کا کہنا کہ اس قسم کی روایات حضرت اوس اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے بھی منقول

ہیں، تو جب تک جناب باسند پیش نہ کریں، دلیل بنانے کا حق نہیں، روایت حدیث کی کتاب سے بیان کی جاتی ہے، فتوحی کی کتاب کس طبقہ حدیث میں داخل ہے؟ مولانا بشیر الدین آپ کی طرح آزاد خیال کے غیر مقلد اور اپنے کو درجہ اجتہاد پر بٹھانے والے آدمی ہیں، وہ آپ کو مبارک ہوں علماء دیوبند کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری دلیل: (۲) ”انما يستجيب الذين يسمعون و الموتى يبعثهم الله ثم اليه يرجعون“ بے

شک وہ جواب دیتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ زندہ کرے گا پھر اس کی طرف پھیرے جائیں گئے۔

اس آیت سے بھی مولوی صاحب نے مردوں کا نہ سننا ثابت کیا ہے لیکن خود مولوی صاحب نے وضاحت میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جو آیت کی وہ تفسیر ظاہر کرتے ہیں جو مولوی صاحب کے مطلب کے خلاف ہے لکھتے ہیں: ”یعنی آپ کی تبلیغ کا فائدہ ان کو ہو سکتا ہے جو سنتے ہیں جو کافر مردوں کے حکم میں آچکے ہیں آپ کی تبلیغ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔“ (اعلان حق ص ۲۲)

معلوم ہوا کہ اگر آیت میں سماع کی نفی مان لی جائے تو سماع نافع کی نفی ہے مطلق سماع کی نفی نہیں ہے، علامہ آلوسی رحمہ اللہ بھی اس کے تحت یہی فرماتے ہیں: ”والمراد بالسماع الفرد الكامل وهو سماع الفهم والتدبر“ (روح المعانی ج ۷ ص ۱۴۱) یہاں سماع سے فرد کامل یعنی تدبر و فہم والا سماع مراد ہے اور موتی سے کافر مراد ہے۔ ”یعنی مطلق سماع کی نفی نہیں سماع خاص کی نفی ہے جو نہ کافروں میں ہے نہ مردوں میں ہو سکتا ہے یعنی اب تدبر کر سکیں ایسا نہیں ہو سکتا ہے، مولوی صاحب کی تقریر کے مطابق مردوں سے سماع تدبر کی نفی حقیقتہً ہے اور کافروں سے ادعاء ہے، مطلق سماع بہر حال منفی نہیں ہے۔

علامہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”قال الزجاج يعني يسمع سماع قابل“ (تفسير السمرقندي ج ۱ ص ۸۳) امام زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں قبول کرنے والے کا سماع مراد ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الذين يسمعون سماع تفهم واعتبار و الموتى اى الكفار شبههم بهم فى عدم السماع“ (جلالین) بس وہی قبول کرتے ہیں جو سماع تفہم و سماع عبرت سے سنتے ہیں اور جو مردے ہیں یعنی کافر، ان کو مردوں کے ساتھ (خاص) سماع نہ ہونے میں تشبیہ دی ہے۔

پہلے ”الذين يسمعون“ میں جس سماع کا ذکر ہوا ”عدم السماع“ میں سماع پر الف لام تعریف داخل کر کے اسی خاص سماع کو مراد لیا ہے یعنی کفار مردوں کی طرح ہیں سماع تفہم و سماع اعتبار نہ کر سکنے میں۔

آیت: ”انك لا تسمع الموتى“ کی تفسیر جامع البیان میں ہے: ”اى الكفار فانهم كالموتى فى عدم الانتفاع بما يسمعون“ (ص ۳۳۴) موتی سے کفار مراد ہیں کہ وہ مردوں کی طرح ہیں سنے ہوئے سے نفع نہ اٹھانے میں۔

معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نے جامع البیان کا جو حوالہ دیا ہے اس میں سماع کی نفی سے مراد سماع نافع کی نفی ہے۔ بہر حال اس آیت میں بھی سماع تدبر کی نفی ہے کافروں اور مردوں سے، کافروں سے نفی ادعاء اور مردوں سے نفی حقیقتہً ہے۔

فائدہ: مولوی صاحب اور ان کے تقریریں لکھنے والوں کو علم نحو سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اس موقع پر جامع البیان کے حوالے سے جو عبارت اور اس کا ترجمہ لکھا گیا ہے وہ سراسر ترکیب نحوی کے خلاف ہے عجیب بات یہ ہے کہ مولوی صاحب کے رسالہ کے دوسرے ایڈیشن میں بھی یہی غلطی ہے عبارت اور صحیح ترجمہ یوں ہے ”الکفار الذين كالموتى لا يسمعون“ وہ کفار جو مردوں کی طرح ہیں نہیں سنتے۔

ترکیب نحوی کے اعتبار سے الکفار مبتداء، موصوف الذین کالموتی صفت ہے۔ (موصوف صفت مل کر

مبتداء) لا یسمعون مبتداء کی خبر ہے، مولوی صاحب نے ترجمہ کرتے ہوئے الکفار کو مبتداء، الذین موصول کے بعد کالموتی لا یسمعون پورے کو صلہ بنا کر خبر بنایا (جب کہ خبر جملہ میں الکفار مبتداء کے عائد بھی نہ رہا) اور الموتی کو موصوف اور لا یسمعون کو صفت بنا دیا (حالانکہ صفت جملہ ہو تو اس میں بھی عائد ضروری ہے اور یہاں عائد نہیں) اور ترجمہ کیا ”کفار ان مردوں کی طرح ہیں جو نہیں سنتے۔“ (اعلان حق ص ۲۲ طبع اول)

فائدہ: تفسیر ابو السعود اور رازی کے حوالہ سے مولوی صاحب نے عبارت لکھی ہے ”لا سبیل الی استماعہم“ ان کے سننے کی کوئی صورت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ استماعہم کی ضمیر مضاف الیہ کافروں کی طرف راجع ہے نہ کہ مردوں کی طرف کہ کافروں کے سن لینے کی کوئی صورت نہیں، قیامت میں کھڑے ہوں گے تب سنیں گے، ان تفاسیر کو اٹھا کر ملاحظہ کر لیں یہی اور اس سے بڑھ کر غلط بیانی اس کے فیض الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی صاحب نے بھی کی ہے۔ (احسن العقائد) تفسیر کشاف میں بھی اسی طرح کی عبارت ہے اور استماعہم یا استماعہ کی ضمیر کا مرجع کافر ہیں، نہ کہ مردے۔

تیسری دلیل: مولوی صاحب نے تیسری دلیل یہ آیت پیش کی ہے: ”ان تدعوہم لا یسمعوادعائکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم“ اگر تم ان معبودوں کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنتے اگر سن بھی لیں تو تمہاری فریادری نہ کر سکیں اور قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا انکار کریں گے۔ (خط کشیدہ عبارت کسی کلمہ کا ترجمہ نہیں) یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو نیک لوگوں کو بتوں کے ذریعے یا قبر کے ذریعے یا غائبانہ طور پر پکارتے ہیں، فرمایا کہ وہ بزرگ بغیر اسباب کے نہیں سنتے اور پکار سننے کا قیامت کے دن انکار کریں گے، کہ کسی کو بغیر اسباب کے پکارنا اور عقیدہ رکھنا کہ وہ سنتا ہے اس شرک کا انکار کریں گے، یہی تفسیر مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری اور روح المعانی والے نے کی ہے۔ (اعلان حق ص ۲۳)

جواب: اولاً آیت پکار کے بارے میں ہے اور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس درود و سلام اور مسلمان میت کو سلام عرض کرنا ہرگز نہیں، ورنہ نہ تو عام مردوں کو ”السلام علیکم یا اہل القبور“ کہنے کی اجازت دی جاتی، نہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر سلام کی اجازت ہوتی، اس لیے درود و سلام جب پکار نہیں تو آیت میں درود و سلام سننے نہ سننے کی کوئی بات نہیں، صرف پکار نہ سننے کی بات ہے اور پکار نہ سننا یا تو اس وجہ سے ہے کہ پکار نزدیک سے نہیں ہوتی دور سے ہوتی ہے (جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے عرض کیا ”اقرب ربنا فنناجیہ ام بعید فننادیہ؟“ کیا ہمارا رب قریب ہے تو ہم اس سے سرگوشیاں کریں گے، یا دور ہے تو ہم اس کو پکاریں گے؟ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۸)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے قریب ہونے کی صورت میں لفظ نناجی ک (کان میں آہستہ بات کرنا) بولے ہیں اور دور ہونے کی صورت میں لفظ نادی (پکارنا) استعمال کئے ہیں معلوم ہوا کہ پکارنے کی اصل صورت دور سے ہوتی ہے نہ کہ نزدیک سے) تو آیت میں فرمایا گیا کہ تم جو دور سے پکارتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے ہیں، اگر بالفرض سنیں بھی تو تمہاری پکار پر مدد کو نہیں پہنچ سکتے اور ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ آپ اور انبیاء علیہم السلام دور سے نہیں سنتے، ہاں بطور معجزہ سن لینا خرق عادت اور بحث سے خارج ہے۔

ثانیاً: اگر بالفرض ہر طرح سننے کی نفی مان لی جائے تو مراد یہ ہے کہ وہ مشغولیت کی وجہ سے مشغول ہونے کے وقت نہیں سنتے ہاں اس وقت سن سکتے ہیں، جب ادھر توجہ ہو اور مشغولی نہ رہے اور چونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی امتی مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف کر دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کے سلام کا

جواب دیتا ہوں، تو اس سے معلوم ہوا کہ سلام کے وقت آپ کی توجہ دوسری مشغولیت سے ہٹا کر سلام کی طرف کر دیئے جانے کی وجہ سے آپ سنتے ہیں ایسے ہی احادیث کے مطابق دوسرے مردے بھی توجہ سے سن لیتے ہیں، تو آیت اس کے خلاف ہرگز نہیں اور یہی تفسیر حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ کر رہے ہیں: ”بانہ جماد لیس من شانہ السماع هذا اذا كان الكلام مع عبدة الاصنام ويحتمل ان يكون مع عبدتها وعبدة الملائكة وعيسى وغيرهم من المقربين وعدم السماع حينئذ اما لان المعبود ليس من شانہ ذالك كالا صنام واما لانه في شغل شاغل وبعد بعيد عن عابده كعيسى عليه السلام وروى هذا عن البلخي او لان الله عز وجل حفظ سمعه من ان يصل اليه مثل هذا الدعاء لغاية قبحة وثقله على سمع من هو في غاية العبودية لله سبحانه“ (روح المعاني ج ۲۲ ص ۱۸۲) یا اس لیے نہیں سنتے کہ جماد ہیں سننا جس کی شان سے نہیں ہے، یہ اس وقت تفسیر ہے جب یہ خطاب بت پرستوں کو ہو جب کہ یہ بھی احتمال ہے کہ بت پرستوں کو بھی خطاب ہو تو پھر بتوں کے حق میں نہ سننا اس لیے ہے کہ سننا ان کی شان نہیں اور بتوں کے علاوہ فرشتوں اور عیسیٰ عليه السلام وغیرہ کا نہ سننا اس لئے ہو گا کہ وہ ایک مشغولی میں اور اپنی عبادت کرنے والے دور ہیں جیسے حضرت عیسیٰ، یہ بلخی رحمہ اللہ کا قول ہے اور یا اس لیے نہیں سنتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی پکار کے سننے سے ان کے کان محفوظ کئے ہیں کیونکہ یہ انتہائی برا کام ہے اور جو اللہ کا بندہ بندگی میں اونچے درجہ پر ہو اس کے کانوں پر بھی یہ بوجھ ہے (جس سے ان کو تکلیف ہوگی اور دوسرے جہاں میں جہاں ان کو راحت حاصل ہے یہ تکلیف ہونا راحت کے خلاف ہے اس لیے اللہ نہیں سناتے اور کیا کوئی مماتی کہہ سکتا ہے کہ درود و سلام بھی باعث تکلیف ہے؟)

اس عبارت سے بات پورے طور پر واضح ہو گئی ہے کہ صرف بت ہیں جن کی شان نہیں کہ سنیں، بتوں کے سوا مقربین کا حال ایسا نہیں ہے کہ سننا ان کی شان نہ ہو بلکہ خارجی رکاوٹیں نہ سننے کا باعث بن سکتی ہیں مثلاً ان سے دور ہونا رکاوٹ ہے، ایسے ہی وہ بات جس سے انہیں تکلیف ہو سکے اس بات کا باعث تکلیف ہونا بھی سننے سے رکاوٹ ہے اور ان کو حاجت روائی مشکل کشائی اور نفع نقصان کے لیے پکارنا بھی تکلیف کا باعث ہونے کی وجہ سے سننے سے مانع ہے کیوں کہ ان حضرات کو دنیا میں غیر اللہ کی پکار سے نفرت و تکلیف ہوتی تھی تو اب بھی سن کر تکلیف ہوگی اس لیے خود اللہ تعالیٰ سماع سے رکاوٹ ڈال دیتے ہیں اور نہیں سننے دیتے، ورنہ وہ خود سننے کی صلاحیت و قوت رکھتے ہیں تو اس سے صرف پکار نہ سننا ثابت ہوا کیونکہ باعث تکلیف ہے اور درود و سلام کا سننا چونکہ باعث تکلیف ہے ہی نہیں اس لیے اس کا نہ سننا ثابت ہی نہیں ہوتا، محض ضد کر جانے کا علاج نہیں ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقربین کا آیت میں داخل ہونا محض احتمالی ہے یقینی نہیں ہے، تو جناب مولوی صاحب! یہ آیت جناب کے عقیدہ کے ثبوت میں قطعی الدلالت نہیں ہے محض ظنی ہے اور غیر محتمل نہیں محتمل ہے تو فرمائیے پھر نص ظنی الدلالہ اور آیت قتملہ سے جناب کا عقیدہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے جب کہ عقیدہ کے باب میں دلیل قطعی ہی ضروری ہے؟ بس وہ شرط صرف ہمارے لئے مولوی صاحب اور اس کی جماعت نے بطور ہتھیار رکھی ہوئی ہے مولوی صاحب کا اپنا عقیدہ تو بے سند روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے اس کے لئے سند کی بھی ضرورت نہیں چہ جائے کہ قطعیت ضروری ہو۔

فائدہ: اس آیت کی تفسیر میں اس کو بتوں سے متعلق ٹھہراتے ہوئے امام قرطبی نے لکھا: ”لا يسمعوا دعاءكم لانها جمادات لا تبصر ولا تسمع“ وہ پکار نہیں سنتے کیونکہ وہ جماد ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔

اس عبارت کو مہماتوں کے شیخ الحدیث محمد حسین نیلوی صاحب نے مردوں کے حق میں فٹ کیا اور ساری بات مردوں کے متعلق ٹھہرا کر امام قرطبی کو مردوں کے نہ سننے کا عقیدہ رکھنے والا ٹھہرا کر دھوکہ دیا ہے (احسن العائد ص ۶۸) امام قرطبی کے عقیدہ کو سمجھنے کے لئے ان کی کتاب التذکرہ ملاحظہ کریں معلوم ہو جائے گا کہ مہماتوں کے چھوٹے بڑے کتنی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔

چوتھی دلیل: کہتے ہیں حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ جو تیسرے پارے میں ذکر ہے جو سو سال مردہ حالت میں رہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کم لبثت؟ آپ کتنی دیر رہے ہیں، فرمایا لبثت یوماً او بعض یوم میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل لبثت مائتہ عام آپ سو سال رہے ہیں، حضرت عزیر اس جہاں میں سو سال رہے اس کو اپنے حالات کا پتہ نہیں، حالانکہ سورج کا لٹکنا بادلوں کا گر جانا اوقات کے گزرنے کا پتہ ہونا چاہئے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور دلیل کے فرمایا کہ جو لوگ اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس جہاں میں جا کر انبیاء علیہم السلام ہمارے کلام و سلام سنتے ہیں ان کے لئے حضرت عزیر علیہ السلام دلیل ہیں۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ فرماتے ہیں: ”اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے۔“ (اعلان ص ۲۳، ۲۴)

جواب: مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ مفسر کے درجہ میں نہ تھے ان کا درجہ مفسرین سے ناقل کا ہے اور یہ تفسیر وہ کسی مفسر سے نقل نہیں کرتے اس لئے اس تفسیر کی حیثیت خبر واحد ضعیف جتنی بھی نہیں، چہ جائے کہ قطعی ہو اور عقیدہ قطعہ کا اثبات کرے، مولوی صاحب کو آیات قرآنیہ کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے کم از کم خدا سے خوف کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی وہ مراد بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہی نہیں ہے، کیا حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ کے وقت حیات النبی اور سماع عند القبر کے مسئلے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کے واقعہ کو سماع کے انکاریوں کی دلیل کے طور پر وفات دے دی اور سماع ثابت کرنے والوں پر حجت قائم فرمائی؟ پھر اللہ تعالیٰ کا سوال یہ تھا کہ کتنی مدت تم یہاں رہے ہو؟ آپ علیہ السلام کو مدت کا علم نہ تھا جس سے معلوم ہوا کہ برزخ میں رہنے والوں کو قیامت کے دن برزخ کی مدت معلوم نہ ہوگی (تفسیر کشف الرحمن مولانا سعید احمد رحمہ اللہ چنانچہ ایک جگہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کم لبثتم فی الارض عدد سنین زمین میں تم کتنے سال رہے ہو؟ وہ وہی جواب دیں گے جو حضرت عزیر علیہ السلام نے دیا لبثنا یوماً او بعض یوم ہم ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہے ہیں، بلکہ قرآن مجید سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ کافروں کو اپنے دنیا میں رہنے کی مدت بھی معلوم نہ ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”کانہم یوم یرونہا لم یلبثوا الا عشیۃ او صبحھا“ (نازعات) جس دن قیامت کو دیکھیں گے ایسا سمجھیں گے کہ (دنیا میں) نہ رہے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح۔

تو جب ان کو دنیا کی مدت کی خبر نہ ہوگی تو کیا وہ دنیا میں سننے دیکھنے اور سمجھنے والے نہ تھے؟ اصل بات یہ ہے کہ کسی ایک طرف کی مشغولی آدمی کو دوسری طرف سے غافل کر دیتی ہے نوجوان کی شادی کی پہلی رات کا وقت اس کو چند لمحے معلوم ہوتا ہے حالانکہ کئی گھنٹے گزر گئے ہوتے ہیں تو اس وقت وہ وقت سے غافل ہوتا ہے مگر وقت سے غفلت اس کے سماع و حیات وغیرہ کی نفی کی دلیل نہیں بنتی، حضرت عزیر علیہ السلام بھی دوسرے جہاں کی نعمتوں اور عطایا الہی میں مشغول ہونے کی وجہ سے وقت نہ جانتے تھے، نبی کریم ﷺ بھی عالم بالا میں مستغرق ہوتے ہیں لیکن جب امتی صلاۃ و سلام پڑھے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی توجہ سلام کی طرف کر دیتے ہیں تب ہی آپ ﷺ باخبر ہوتے ہیں ایسے ہی دوسرے مسلمان مردوں کو اللہ تعالیٰ متوجہ کرتے ہیں اور سن لیتے ہیں۔

مولوی صاحب کہتے ہیں ان کو بادلوں کا گر جانا معلوم نہ تھا مولوی صاحب ہی مہربانی کر کے ارشاد فرمائیں

یہ آیت کے کس جملہ کا ترجمہ یا مطلب ہے؟ یا کس حدیث میں ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ان سے بادلوں کی گرج بھی پوچھی تھی؟ یہ سب مولوی احمد سعید کی تقریر ہے جو مولوی صاحب نقل کر رہے ہیں قرآنی مراد نہیں اور یہاں مولوی صاحب کو تفسیر عثمانی میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے الفاظ بھی دیکھنے چاہئے تھے کہ وہ فرماتے ہیں: ”سو برس تک اسی حال میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آکر دیکھا نہ ان کی خبر ہوئی“ الخ (تفسیر عثمانی ص ۵۵)

تو جناب! جب وہاں کوئی نہیں آیا تو آپ کو کس اسرائیلی یا یہودی نے آکر خبر دی کہ میں نے انہیں آواز دی تھی اور انہوں نے نہ سنا تھا نہ جواب دیا تھا؟ شاید کسی اسرائیلی ذہن نے یہ بات ڈال دی اور تم لوگوں نے اسے پلے باندھ لیا ہے۔

یہاں ہم مودبانہ عرض کریں گے کہ جو سوال اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام سے کیا وہی سوال ہم جناب مولوی صاحب سے کرتے ہیں کہ جناب والا! آپ تو ابھی زندہ ہی ہیں مرے نہیں اور سنتے بھی ہیں، تو آپ اپنے متعلق ہی ارشاد فرمائیے کم لبت آپ دنیا میں اب تک کتنے دن رہے ہو؟ چلو بلوغت کے بعد کے دن ہی بتا دیجئے، مگر خیال: ہمارے سوال کے بعد اپنی زندگی کے دنوں کا کاغذ قلم سے یا حساب دانی کے آلات سے حساب کر کے نہ بتانا فوری جواب دیجئے؟؟ جب آپ جواب نہیں دے سکتے تو کیا ہم یہی کہہ دیں کہ جناب اب تک مردہ تھے اور اب تک نہ سنتے تھے؟ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے بعد کی زندگی کے دنوں کی تعداد بھی جناب والا کو یاد رہ کر جناب زندہ اور سننے والے ہوں گے یا نہیں؟ تو جب جناب کی لاعلمی عدم سماع کی دلیل نہیں، تو حضرت عزیر علیہ السلام کی لاعلمی کیوں عدم سماع کی دلیل ہے؟ بار بار سوچ کر جواب دیجئے گا۔

پانچویں دلیل: ”یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا“ جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرمائے گا سو پوچھے گا تم کیسے مانے گئے؟ وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں، تو ہی علام الغیوب ہے۔ (ص ۲۴) انبیاء فرمائیں گے ہمیں (وفات کے بعد) کوئی علم نہیں نہ کلام سنا نہ سلام نہ دور کا نہ نزدیک کا (اعلان حق ص ۲۶) اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں لیکن سب سے بے غبار تفسیر یہ ہے کہ تمہاری وفات کے بعد تمہیں لوگوں نے کیسے مانا؟ کوئی کہتا ہے ہمارے حالات جانتے ہیں، ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہمارا سلام سنتے ہیں ہمیں اس معاملہ میں کوئی علم نہیں کون ہمارے قبر پر آیا کس نے سلام کیا؟ الخ (ص ۲۴)

جواب: مولوی صاحب نے آیت کی یہ تفسیر ایسے بیان کی ہے جیسے مجلس وعظ میں بیٹھے ہوں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کے لئے استاد مکرم رحمہ اللہ کی کتاب ازالۃ الریب کا حوالہ بھی دیتے ہیں، اگر آیت کی تفسیر یہی ہوتی تو خود ازالۃ الریب والے عقیدہ سماع کیوں رکھتے تھے، ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہوگا کہ آیت کا تعلق عند القبر سماع سے بھی ہے، وہ فرماتے ہیں:

حضرات مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اگرچہ یہ معلوم تھا کہ ہماری حیات میں فلاں فلاں نے ہماری دعوت پر لبیک کہا تھا اور ہمارا دین قبول کیا تھا لیکن ان کو پورے طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں سے کون اس پر قائم رہا اور کس کا انجام کیسا ہوا اور کس نے کیا، کیا نئی بدعات نکالیں، اس لئے وہ فرمائیں گے کہ لاعلم لنا ہم کو ان کے انجام اور ہماری وفات کے بعد کے حالات کا علم نہیں ہے اور جزا سزا کا تعلق خاتمہ ہی سے ہے۔

اس قول سے بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی امتوں پر جو جو احوال طاری ہوئے ان کا تفصیلی علم ان کو نہ تھا۔ (ازالۃ الریب ص ۱۹۶)

اس پوری عبارت سے صاف عیاں ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام اپنی وفات کے بعد کے امتیوں کے حالات سے بے خبری کا اظہار کریں گے تو ایسے حالات کے تفصیلی علم سے بے خبری کا اظہار ہوگا جو قبروں سے دور رہ کر اپنے طور پر لوگ کرتے ہوں گے اور یہ بالکل تحریف معنوی ہے کہ اس میں کل حالات مراد ہیں جن میں عند القبر کا حال بھی داخل ہو، نہیں نوم از کم وہ تو یقیناً مستثنیٰ ہوگا جس کو حضور ﷺ اپنے ارشاد سے مستثنیٰ کر رہے ہیں یعنی قبر کے پاس سلام سنا وغیرہ مولوی صاحب نے جو اس کو بھی لاعلمی میں گھسیڑ دیا تو بتائیں آیت میں یا حدیث میں کہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے قبر کے پاس کا حال پوچھ رہے ہوں گے؟ صرف اور صرف ایک حدیث متواتر نہ سہی خبر واحد صحیح بلکہ ضعیف کا یا قول صحابی یا تابعی یا تبع تابعی کا صریح حوالہ دیجئے۔

اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف معنوی کرتے ہوئے اکابرین کی عبارات میں بھی مولوی صاحب کو اپنی طرف سے بین القوسین اس قسم کے الفاظ بڑھانے پڑے ان کے پیچھے جو کچھ (سلام و کلام) ہوتا رہا (طبع دوم ص ۳۵) کوئی اس مولوی صاحب سے پوچھے کہ یہ بین القوسین لفظ آپ نے کیوں بڑھائے ہیں؟ اکابر کی عبارات میں اس قسم کے الفاظ صاف دکھائیں اور انعام لیں، قارئین یہ ہے ان کا قرآن اور یہ ہیں ان کی عدم سماع موتی و عدم سماع انبیاء علیہم السلام پر قطعی دلیلیں، غور فرمائیں کہ یہ قطعیات ہیں یا تحریفات؟

فائدہ: مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب کی طرف صلاۃ و سلام کے سماع کی جو نسبت ہے یہ غلط ہے، ہم اس کے بارے میں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب دامت برکاتہم نے مولوی عطاء اللہ بند یا لوی وغیرہ جیسوں کے اس قسم کے پروپیگنڈا کے جواب میں مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے اس کو ملاحظہ کر کے آنکھوں کو روشن کریں اور ان اندھوں پر دھول جھونکیں۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے تیسری فصل قائم کر کے بزعم خود سماع موتی کی نفی کی احادیث پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

عدم سماع موتی پر احادیث سے دلائل اور جواب

پہلی دلیل: (۱) کہتے ہیں صاحب قبر اگر کوئی نیک ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: ”نم کنوۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اہلہ حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالک“ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص ۲۵) سو جاسیے دلہن، جس کو صرف محبوب شخص جگائے گا یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کرے گا، جو نیند میں ہو وہ جاگنے سے پہلے نہیں سنا مردہ کو (سوئے شخص سے) تشبیہ دی گئی ہے وہ بھی زندہ ہونے تک نہیں سنا۔ (اعلان ص ۲۵)

جواب: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو مکمل ذکر کیا جائے کیونکہ یہ حدیث ہمارے خلاف تو نہیں مگر مولوی صاحب کے مسلک کی جڑ کاٹتی ہے: ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ اذا قبر المیت او قال احدکم اتاہ ملک ان اسود ان ازرق ان یقال لاحدہم المنکر والاخر النکیر فیقولون ما کنت تقول فی ہذا الرجل؟ فیقول ما کان یقول ہو عبد اللہ ورسولہ اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبده ورسولہ فیقولون قد کنا نعلم انک تقول ہذا ثم یفسح لہ فی قبرہ سبعون ذراعا فی سبعین ثم ینور لہ فیہ ثم یقال لہ نم فیقول ارجع الی اہلی فاخبرہم فیقولان نم کنوۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اہلہ حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالک، وان کان منافقا قال سمعت الناس یقولون فقلت مثله لا ادری فیقولان قد کنا نعلم انک تقول

ذالک فیقال للارض التمی علیہ فتلتنام علیہ فتختلف اضلاعہ فلا یزال فیہا معذبا حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالک“ (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کرتے ہیں کہ جب میت یا تم میں سے کوئی قبر میں رکھا جاتا ہے اس کے پاس دو فرشتے کالی اور نیلی آنکھوں والے آ جاتے ہیں ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ وہ وہی کہے گا جو دنیا میں کہتا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، میں اللہ کے مستحق عبادت ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اور بندہ ہونے کی گواہی دیتا ہوں، وہ کہتے ہیں ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا، پھر اس کی قبر ستر در ستر گز وسیع کر دی جاتی ہے اور روشن کر دی جاتی ہے پھر اس کو کہا جاتا ہے سو جا، وہ کہتا ہے میں گھر واپس جا کر ان کو حال بتلاتا ہوں فرشتے کہتے ہیں سو جا جیسے دلہن سوتی ہے جس کو بس اس کے گھرانے کا محبوب بندہ ہی جگاتا ہے سونے کا یہ حکم قیامت کے دن اپنی اسی آرام گاہ سے اللہ تعالیٰ کے اٹھانے تک ہے اور اگر میت منافق ہو تو وہ کہتا ہے کہ میں لوگوں سے جو سنا کرتا تھا وہی کہتا تھا مجھے معلوم نہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا، تو زمین کو حکم ہوتا ہے کہ اس پر سمٹ جا، تو اس پر زمین سمٹ جاتی ہے اور اس کی پسلیاں آپس میں گھس جاتی ہیں، قیامت کے دن اسی رہنے کی جگہ سے اس کو اٹھانے تک وہ عذاب میں رہے گا۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوا کہ (۱) (اقبر المیت) قبر وہی ہے جس میں میت دفناتے ہیں (۲) منکر نکیر اسی دفن گاہ قبر میں میت (جسم) کے پاس آتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کے پاس آنا اور اس سے سوال و جواب اس کے علم و شعور ادراک و حیات کی واضح دلیل ہے کیونکہ روح نہیں سوتی میت یعنی جسم سوتا ہے تو باقی یہ سب حال بھی اسی جسم سے متعلق ہے اور اگر جسم نہیں ہوتا تو یہ سب حال بھی جسم کے لئے نہیں ہوتا روح کے لئے ہوتا ہے مگر مولوی صاحب سونا جسم کے لئے مانتے ہیں تو باقی حال جسم کے لئے کیوں نہیں مانتے روح کے لئے کیوں مانتے ہیں جب کہ اس تفریق کی کوئی دلیل نہیں ہے؟ تو یہ حدیث جسم غضری کی زندگی اور روح کے جسم سے تعلق کی واضح دلیل ہے (۳) جس قبر میں سوال و جواب ہوتا ہے وہی قبر مؤمن کے لئے وسیع ہوتی ہے اور کافر کے لئے تنگ ہوتی ہے کیونکہ پسلیاں جسم غضری کی سمجھ آتی ہیں اور ارض قبر کی زمین ہے۔ اس سے جسم غضری کے عذاب و راحت میں ہونے کا بھی ثبوت ہے جس سے جسم غضری کے ساتھ روح کا تعلق ثابت ہوتا ہے۔ (۴) قیامت تک میت کو اسی قبر میں عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ (۵) یہ قبر مفتح لیٹنے کی جگہ ہے اس میں مومن سویا ہوا راحت میں ہوتا ہے اور کافر عذاب میں ہوتا ہے (۶) جب میت نیند میں ہے اور سویا ہوا مکمل زندہ نہیں ہوتا نہ مکمل مردہ ہوتا ہے تو میت کو بھی قبر میں ایک قسم کی زندگی حاصل ہوتی ہے وہ نہ دنیا و آخرت کی طرح کامل زندگی کے ساتھ زندہ ہے نہ موت کے وقت کی (روح کلیۃً نکل جانے کی) طرح مردہ ہے۔ (۷) جیسے نیند میں روح قبض ہو جاتی ہے مگر قوی تعلق جسم غضری سے ہوتا ہے موت کے بعد بھی روح قبض رہتی ہے مگر خاص تعلق جسم غضری سے بھی رہتا ہے (۸) جیسے نیند والے کی توجہ اللہ تعالیٰ کسی آواز کی طرف کرتے ہیں تو سن لیتا ہے توجہ نہ ہو تو نہیں سنتا میت بھی (اور میت کی کیا تخصیص بعض اوقات زندہ بھی اسباب ہوتے ہوئے) اللہ تعالیٰ کی مشیت اور توجہ کے بغیر نہیں سنتا جہاں سنتا آیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ توجہ پھیرتے ہیں اور سن لیتا ہے، یہ باتیں مولوی صاحب کے مسلک کے خلاف ہیں۔ باقی مولوی صاحب کا بالکل یہ سماع کی نفی کا استدلال غلط ہے کیونکہ سویا ہوا مثلاً آلا رم سن کر اٹھتا ہے، نہ کہ اٹھ کر آلا رم سنتا ہے۔ وغیرہ!

اس حدیث پاک کی تشریح میں حضرت علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ تقریر کا ذکر کرنا موزوں لگتا ہے وہ فرماتے ہیں: ”یستفاد منه ان القبور معطلة عن الاعمال مع ان كثير من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عن الدارمی وقرأة القرآن عند الترمذی والحج عند البخاری وراجع له شرح الصدور للسيوطی وهکذا فی القرآن۔ فی سورة يس من بعثنا من مرقدنا فهذا يدل على انه لا احساس فی القبر و کلهم نائمون وفي آية اخرى النار يعرفون عليها غذا وعشيا فهذا يدل بخلافه والوجه فيه عندی ان هذا البرزخ تختلف على حد اختلاف عمل العاملين فی حياتهم فمنهم نائمون فی قبورهم ومنهم متلذذون فيه“ (فیض الباری ج ۱) اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبریں اعمال سے خالی ہیں حالانکہ بہت سے اعمال کرنا قبروں میں ثابت ہے جیسے سنن دارمی میں اذان و اقامت اور ترمذی میں قرآن مجید (سورہ ملک) پڑھنا اور بخاری میں موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام وغیرہم انبیاء علیہم السلام کا حج کرنا ذکر ہے اس بحث کے لئے امام سیوطی کی شرح الصدور کی طرف رجوع کرو، ایسے قرآن مجید میں سورہ یس میں قبر کو نیند کی جگہ فرمایا جب کہ دوسری آیت میں ہے کہ ان کو صبح شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے، تو یہ نیند کے برخلاف ظاہر کرتی ہے، میرے نزدیک اس میں تطبیق یہ ہے کہ دنیا میں عمل کرنے والوں کے عمل مختلف ہونے کے اعتبار سے برزخ مختلف ہے کوئی تو اپنی قبروں میں سوئے ہوئے ہیں اور کوئی قبروں میں لذتوں سے لطف اندوز ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر قبر والے کا حال نیند کا نہیں ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ولها تعلق بجسده ايضا تعلقا کلیاً بحيث یقرأ القرآن فی قبره ویصلی ویستنعم وینام کنومة العروس وینظر الی منازلہ فی الجنة بحسب مقامه ومرتبتہ فامر الروح و احوال البرزخ والاخرة کلها علی خوارق العادات فلا یشکل شیء منها علی المؤمن بالآیات“ (مرقات ج ۴ ص ۸۶ کوئٹہ) روح کا اس طرح اپنے جسم سے پورا پورا تعلق رہتا ہے کہ میت قبر میں قرآن مجید بھی پڑھتا ہے، نماز بھی پڑھتا ہے اور نعمتیں بھی حاصل کرتا ہے اور دلہن کی طرح سوتا بھی ہے اور اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق جنت میں اپنی منزلیں بھی دیکھتا ہے، تو روح کے اور برزخ و آخرت کے حالات کے سب معاملات خلاف عادات ہیں تو احکام الہی ماننے والے مؤمن کو ان میں سے کسی بات پر اٹھکا ل نہیں ہو سکتا۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر میت نیند میں ہوتا ہے مگر اس کے باوجود برزخ کے دوسرے سب حالات بھی پیش آتے ہیں، تو سلام سننا اور جواب دے سکرنا بھی ہوتا ہے ہاں مگر اللہ تعالیٰ کے متوجہ کرنے سے سنتا ہے، لہذا جہاں جہاں سننا ثابت ہے وہاں اللہ تعالیٰ سناتے ہیں۔

(۲) اس حدیث سے مولوی صاحب کا استدلال قیاس سے ہے کہ جب حدیث میں میت کو قبر میں سویا فرمایا گیا تو میت سوئے کی طرح ہے جیسے سویا نہیں سنتا میت نہیں سنتا، یہ قیاس ہے اور قیاس سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، نیز قیاس بھی غلط ہے کیونکہ سویا بھی توجہ ہونے سے سن لیتا ہے مردہ بھی سن لیتا ہے۔

(۳) یہ حدیث امام ترمذی کے بقول غریب ہے اور غریب حدیث کے متعلق مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ: ”امام احمد فرماتے ہیں کہ غریب حدیثوں سے بچو، امام مالک فرماتے ہیں بدترین علم غریب حدیث ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جس نے غریب حدیث کو طلب کیا وہ جھوٹا ہے۔“ (اعلان حق طبع دوم ص ۵۱) یعنی پھر آپ بھی جھوٹے ہوئے۔

دوسری دلیل: لکھتے ہیں: ”وہ تمام احادیث جن میں ارواح موتی علیین اور جنت میں جانے کا ثبوت ہے۔ جب روحمیں یہاں نہیں تو سماع کیسے، اگر دور سے سن لیتی ہیں تو بغیر اسباب کے سنا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یا جسم کے ساتھ اس کا تعلق ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے روح سنتی ہے تو اس کے لئے دلیل قطعی قرآن و حدیث سے ہونی چاہئے اس باب میں اقوال حجت نہیں۔“ (اعلان حق ص ۲۵)

جواب: یعنی اگر روح کا جسم سے تعلق ثابت ہو جائے تب میت کے سماع کا عقیدہ درست ہوگا، تو ہمارے علم میں روح کا جسم سے تعلق ثابت ہے تو سماع بھی ثابت ہے، اس تعلق کے ثبوت کی انتظار کریں روحوں کے جسموں سے تعلق والی بحث کے آخر میں ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

تیسری دلیل: ”وہ احادیث جن میں خود پیغمبر علیہ السلام نے دیکھا تمام زانیوں کو ایک تنور میں عذاب دیا جا رہا ہے، جو معذب ہو وہ کیسے سن سکتا ہے۔“ (اعلان حق ص ۲۵، ۲۶)

جواب: یہ روحمیں نہیں تھیں بلکہ زانیوں کو عذاب ہونے کی مثالی صورت دکھائی گئی ہے، کہ آپ کی امت میں جوزنا کریں گے ان کو یوں سزا ہوگی، ورنہ آپ کو ماننا پڑے گا کہ یہ وہ لوگ ہوں جو حضور ﷺ کے یہ منظر دیکھنے سے پہلے مر گئے پھر متعین کریں کہ وہ کون ہو سکتے ہیں؟ مکہ کے کافر یا حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم؟ اور وہ دونوں نہیں ہو سکتے تو ماننا پڑے گا کہ یہ محض مثالی صورتیں تھیں۔ باقی جو میت عذاب میں مبتلا ہو وہ سن لیتا ہے یا نہ؟ باقاعدہ کسی حدیث میں ایسی تصریح نہیں ملی تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ قلب بدر والے کافر مردوں نے اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سن لیا تو عذاب میں مبتلا کا بھی اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سنا ممکن ہے، محض امتناع بالغیر لازم آئے گا اور امکان بالذات تو موجود ہوگا اور ہمارا ایمان ہے کہ جن باتوں کا سنا نصوص سے ثابت ہے وہاں اللہ تعالیٰ مردوں کی توجہ ادھر کرتے ہیں تب ہی سنتے ہیں۔

حضور ﷺ کے نزدیک سے نہ سننے کے دلائل: قبر اطہر کے نزدیک آپ ﷺ کے سلام نہ سننے کے جو دلائل مولوی صاحب نے دیئے ہیں وہ اس قابل نہیں کہ انہیں اس عقیدہ کے دلائل کہا جاسکے، اس کے لئے مولوی صاحب نے اس باب کی چوتھی فصل قائم کی ہے اس کے تحت ذکر کردہ دلائل اور جواب ملاحظہ ہوں:

پہلی دلیل: (۱) ”یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتہم قالو الا علم لنا“ جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرمائے گا سو پوچھے گا تم کیسے مانے گئے، وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں، تو ہی علام الغیوب ہے (ص ۲۴) انبیاء علیہم السلام فرمائیں گے ہمیں (وفات کے بعد) کوئی علم نہیں نہ کلام سنا نہ سلام نہ دور کا نہ نزدیک کا۔ (اعلان ص ۲۶) اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں لیکن سب سے بے غبار تفسیر یہ ہے کہ تمہاری وفات کے بعد تمہیں لوگوں نے کیسے مانا کوئی کہتا ہے ہمارے حالات جانتے ہیں، ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہمارا سلام سنتے ہیں، ہمیں اس معاملہ میں کوئی علم نہیں کون ہمارے قبور پر آیا کس نے سلام کیا؟ الخ! (ص ۲۴)

جواب: اس آیت کا جواب اوپر ذکر ہو گیا دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں، مولوی صاحب نے تکرار سے کام لیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں قبروں سے دور اپنی اپنی جگہ کئے جانے والے کرتوتوں سے لاعلمی کا اظہار کریں گے، قبر کے پاس کے حالات کا کچھ ذکر نہیں، اگر مولوی صاحب بعقد ہوں تو (مولانا نور محمد تونسوی صاحب سے مطالبہ کی طرح) ہم مولوی صاحب سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ آیت کی تفسیر کسی صحابی یا تابعی یا تابعی یا امام مجتہد سے صحیح نہیں بلکہ ضعیف سند سے ہی ثابت کر دیجئے۔

دوسری دلیل: (۲) ”بخاری شریف ص ۳۷۳ ج ۱ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کچھ لوگوں کو حوض کوثر کی بائیں جانب سے پکڑا جائے گا تو میں کہوں گا کہ میرے ساتھی ہیں، تو کہا جائے گا یہ لوگ پھر گئے تھے، تو میں وہی بات کہوں گا جو نیک بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”كنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتي كنت انت الرقيب عليهم الاية“ میں حق کی گواہی دیتا رہا جب تک ان میں رہا، جب تو نے مجھے وفات دے دی تو ہی ان کا نگران تھا مجھے ان کا کوئی پتہ نہیں۔ معلوم ہوا آپ امت کے ہر قسم کے اعمال کے علم کی نفی فرمائیں گے خواہ سلام ہو یا کلام نزدیک سے ہو یا دور سے۔“ (اعلان ص ۲۶)

جواب: یہ حدیث اوپر کی آیت کی وضاحت کرتی ہے کہ آپ ﷺ ان بدعات کرنے والے اور مرتد ہو جانے والے امتیوں کی بدعات اور ارتداد کے تفصیلی علم سے لاعلم ہوں گے، ظاہر ہے کہ ان امتیوں نے یہ بدعات کوئی قبر نبوی پر حاضری کے وقت تو نہیں کی ہوں گی اور نہ وہاں کسی کو کرنے کی جرأت ہو سکتی ہے، وہ بدعات تو ہر کوئی اپنے مقام پر کرتا رہا، اس لئے آپ ﷺ کو ان کا تفصیلی علم نہیں ہو گا یا ان بدعتیوں کی ذات کو آپ ﷺ نے نہیں پہچانا ہو گا، اس کا اور کچھ مطلب نہیں ہے بدعتیوں کی طرح مولوی صاحب نے عموم کو خوب کھول کر عند القبر صلاۃ و سلام کو بھی کھینچ تان کر خواہ مخواہ گھسیڑ دیا، مولوی صاحب کے اس تحریفی مطلب نکالنے پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے بس اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ آمین!

تیسری دلیل: (۳) کہتے ہیں: (مختصراً) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری قبر کو میلہ گاہ نہ بناؤ مجھ پر درود پڑھو تمہارا درود پہنچتا ہے جہاں بھی تم ہو، حدیث شریف کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ قبر کے نزدیک ہو یا دور آپ ﷺ پر پڑھا جانے والا درود شریف آپ تک پہنچتا ہے۔ اس حدیث میں واضح ثبوت ہے کہ قبر مبارک کے نزدیک پڑھا جانے والا درود شریف آپ ﷺ نہیں سنتے بلکہ آپ تک پہنچ جاتا ہے۔ (اعلان حق ص ۲۷، ۲۸)

جواب: اولاً عقیدہ کے ثبوت کے لئے حدیث متواتر کا اپنا قانون جناب بھول گئے اور اخبار آحاد پلے باندھنا اور پیش کرنا شروع کر دیں، اس حدیث کا متواتر ہونا ثابت کیجیے۔

ثانیاً: جناب کو اس روایت سے دلیل لینا درست ہی نہیں کہ اس روایت کا راوی عبداللہ بن نافع الصائغ متکلم فیہ ہے امام احمد فرماتے ہیں صاحب حدیث نہ تھا تنگی حدیث کا شکار تھا، ابو حاتم کہتے ہیں حدیث محفوظ کرنے والا نہیں ہے اس کے حافظہ میں کمزوری تھی البتہ اس کا لکھا ہوا درست ہوتا تھا، امام بخاری کہتے ہیں اس کے حافظہ میں کمزوری تھی، ابو احمد حاکم کہتے ہیں محدثین کے نزدیک حدیث محفوظ کرنے والا نہ تھا خلیل کہتے ہیں کہ محدثین اس کے حافظہ سے خوش نہ تھے البتہ ثقہ ہے (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۹۱، ۱۹۲) امام احمد فرماتے ہیں، حدیث میں قوی نہ تھا۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۳، المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۵۷۴)

ثالثاً: یہاں پھر آپ نے مفہوم مخالف کی ڈنڈی مارتے ہوئے مطلب یہ نکالا کہ جب درود پہنچتا ہے تو مطلب ہے کہ سنتے نہیں، حالانکہ پہنچنے کا معنی ہی یہ ہے کہ دور سے پہنچتا ہے، نزدیک کی بات ہی نہیں، جیسے آپ کا دوست آپ کو ملے تو اس کو آمنے سامنے ہو کر سلام کرتے ہو تو وہاں یہ نہیں کہتے کہ آپ کو میرا سلام پہنچا اور نہ یہ کہا جاتا ہے اور جب دوست دور ہو اور آپ کسی کے ذریعہ سلام بھیجو تو کہتے ہو کہ فلاں کو میرا سلام پہنچانا اور پھر ملاقات پر اس کو کہتے ہو آپ کو میرے سلام پہنچے تھے یا نہ؟ جناب والا پہلے اردو محاورات تو سیکھ لو، اردو محاورے نہ جانیں تو عربی کیا جانیں وہ تو اردو سے بھی دور ہے، بہر حال اس حدیث میں دور کی بات فرمائی گئی ہے نہ کہ نزدیک کی بات۔

چنانچہ علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ انہی احادیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: ”و بما تقرر فی هذه الاحادیث علم انه تبلغه الصلاة والسلام عليه اذا صدر ا من بعد ويسمعهما اذا كانا عند قبره الشريف بلا واسطة“ (لیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۳) ابھی جو احادیث ذکر ہوئیں ان سے معلوم ہوا کہ جب درود و سلام دور سے پڑھے گئے ہوں تو پہنچتے ہیں اور جب قبر شریف کے پاس پڑھے جائیں آپ ﷺ بلا واسطہ سنتے ہیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی احادیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: ”انه قد ثبت من صلی علیہ نائياً بلغه ومن صلی علیہ عند قبره سمعه“ (شرح الشفاج ج ۳ ص ۵۲۳) اور یہ ثابت ہے کہ جو دور سے درود شریف پڑھے وہ آپ ﷺ کو پہنچتا ہے اور جو قبر شریف کے پاس پڑھے وہ آپ ﷺ سنتے ہیں۔

امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فانه يسمعها ای اذا كانت بالقرب منه، و تبلغ اليه ای يبلغها الملك اليه اذا كان المصلي بعيداً“ (حاشیہ علی الراتی ص ۷۴۶) آپ ﷺ اس وقت تو سنتے ہیں جب قریب سے درود شریف پڑھا جائے اور آپ ﷺ تک فرشتہ پہنچاتا ہے جب درود پڑھنے والا دور ہو۔

علامہ خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فهی دائماً تعرض عليه بواسطة الملك الا عند روضة فيسمعها بحضرته“ (بذل الجہود ج ۲ ص ۱۶۰ طبع مکتبہ الشیخ کراچی) درود شریف ہمیشہ آپ ﷺ پر فرشتہ کے واسطہ سے پیش ہوتا ہے، مگر روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔

علامہ ابن عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فعلم ان ما امر الله به من ذلك فانه يبلغه و اما من سلم عليه عند قبره فانه يرد عليه“ (الصارم الممکنی ص ۱۸۸ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

معلوم ہوا کہ جس درود شریف کا اللہ نے حکم فرمایا ہے وہ آپ ﷺ تک پہنچتا ہے لیکن جو آپ ﷺ کی قبر کے پاس سلام عرض کرے آپ ﷺ (سن کر) جواب دیتے ہیں۔ ان سب اکابرین نے ان احادیث کا یہی مطلب لیا ہے کہ پہنچنا دور سے ہوتا ہے اور قریب سے سننا ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل: (۴) کہتے ہیں: ”حسن بن حسن بن علی نے ایک شخص کو بار بار قبر مبارک پر آتے ہوئے دیکھ کر یہ حدیث سنائی اور فرمایا تو اور جو شخص اندلس میں ہے آپ ﷺ پر درود پڑھنے میں برابر ہے، دونوں کا درود شریف پہنچتا ہے سننے کی بات نہیں، آٹھویں صدی کے مایہ ناز مفسر امام ابن کثیر نے اس حدیث کو اس واقعہ کے ساتھ مبنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔“ (اعلان حق ص ۲۷)

جواب: یہ روایت بھی متواتر تو کیا جناب کے اصول جرح و تعدیل کے مطابق بھی خبر واحد صحیح بھی معلوم نہیں ہوئی، (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۵) میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اور علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے (القول البدیع ص ۱۶۱ میں) تو اس کو بلا سند ذکر کیا ہے، البتہ علامہ ابن عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ کی (الصارم الممکنی ص ۱۴۴) سے اس کی سند معلوم ہوئی کہ اس کو حضرت امام سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے عبد العزیز بن محمد سے انہوں نے سہیل بن ابی سہیل سے روایت کیا ہے کہ امام حسن نے اسی سہیل کو قبر نبوی ﷺ پر آتے جاتے دیکھا تو حدیث سنائی اور اپنی طرف سے یہ فرمایا: ”ما انتم ومن بالاندلس منه الا سواء“ تم اور اندلس میں رہنے والے حضور ﷺ سے نسبت میں برابر ہو۔

اس کی سند کے راوی (۱) عبد العزیز بن محمد بن عبیدر اور دی کے متعلق امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”صدوق غیرہ القوی منہ“ سچا راوی ہے مگر اس کا غیر اس سے زیادہ قوی ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اذا حدث من حفظه يهم ليس هو بشيء جاء ببواطيل واذا حدث من كتابه فنعم“ یہ اپنے حافظہ سے بیان

کرے تو وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بے حیثیت راوی ہے، باطل روایتیں لاتا ہے ہاں جب کتاب سے دیکھ کر بیان کرے تو ٹھیک ہے (اور یہ ثابت کرنا استدلال کے ذمہ ہے کہ انہوں نے یہ روایت کتاب سے دیکھ کر بیان کی) اور ابو حاتم فرماتے ہیں کہ: ”لا یحتج بہ“ اس سے حجت نہیں لی جاسکتی، امام ابو زرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سنی الحفظ خراب حافظے والا راوی ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۶۳۳، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۳۳، ۶۳۴) علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صدوق کان یحدث من کتب غیرہ فی خطی“ سچا راوی ہے لیکن دوسروں کی کتابوں سے بیان کرتے ہوئے غلطی کر لیتا تھا۔ (تقریب ج ۱ ص ۶۰۷) ابن حبان کہتے ہیں غلطی کیا کرتا تھا، عجلی کہتے ہیں سچا اور امین تو ہے مگر بہت وہم میں مبتلا ہونے والا ہے۔ کثیر الوہم! (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۵۸)

(۲) سہیل بن ابی سہیل راوی کون ہے؟ کتب اسماء الرجال جو پاس موجود ہیں ان میں ہمیں اس کا حال اور تذکرہ نہیں ملا تو یہ مجہول راوی ہے (۳) حسن بن حسن بن علی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روایت بیان کر رہے ہیں اور ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع نہیں ہے، ممکن ہے اپنے آباء سے سنی ہو اور ممکن ہے کہ کسی اور سے سنی ہو تو روایت منقطع بھی ہے، تو جناب کے دعوے تو بڑے اور دلیل ایسی سند والی روایت! کچھ مطابقت بھی ہے؟ یاد رہے کہ اس روایت میں یہ لفظ ”سننے کی بات نہیں“ مولوی صاحب کی اپنی پیوند کاری ہے روایت کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کا حوالہ: مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شیعہ سنی دونوں کے متفقہ بزرگ ہیں، اس حدیث کے معنی فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ و سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست نہیں سنتے صرف پہنچایا جاتا ہے۔ (الصارم المکفی، اعلان حق ص ۲۸) جواب: یہاں بھی مولوی صاحب نے پوری خیانت اور غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام علی بن حسین (زین العابدین علیہ السلام) نے فرمایا میں تمہیں ایک حدیث سناؤں جو میں نے اپنے والد سے عن جدی سنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لا تتخذوا قبری عبد او لابیو تکم قبور افان تسلیمتکم یبلغنی اینما کنتم“ (الصارم المکفی ص ۱۱۱) میری قبر کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ بے شک تمہارا اسلام جہاں بھی تم ہو مجھے پہنچتا ہے۔

دیکھیں! اس روایت میں کہاں لفظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام نہیں سنتے لفظ ”صرف“ کون سے کا معنی ہے؟ پھر اس روایت کی سند کے راویوں کی تحقیق کی جائے تو (۱) جعفر بن ابراہیم (من اولاد ذی الجناحین) مجہول ہے جس کا تذکرہ کتب اسماء الرجال میں نہیں مل رہا اور (۲) علی بن عمر بن حسین مستور الحال ہے (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۷۰۰) تو جناب کی ڈیگیں بڑی اونچی ہیں اور ثبوت ضعیف روایات سے دیتے ہیں۔ فیا سبحان اللہ!

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا حوالہ: آپ فرماتے ہیں یہ حدیث ہے کہ میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ تم درود بھیجو تمہارا درود نزدیک اور دور سے پہنچتا ہے۔ (یعنی سننے کی بات نہیں) اور فرمایا اس حدیث صحیح میں واضح اشارہ ہے کہ (قبر سے نہیں سنتے) بلکہ درود پہنچتا ہے۔ (البلاغ امین ص ۱۵)

جواب: اولاً البلاغ البین شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی نہیں ہے غیر مقلدوں وغیرہ جیسے لوگوں نے کئی کتابیں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے شائع کر دیں جن میں سے ایک البلاغ البین بھی ہے۔

(مقدمہ شرح الفوز الکبیر مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ)

ثانیاً: پہنچنے کا ذکر ہے سننے نہ سننے کا کچھ ذکر نہیں، جناب اپنی طرف سے قرآن و سنت اور اقوال علماء میں مفہوم مخالف کی ڈنڈی مار کر مطلب نکالتے ہیں اور اس حدیث کے صحیح ہونے کا حال اوپر ظاہر ہو گیا ہے، مولوی صاحب خواہ مخواہ ضعیف روایت کو صحیح بنانے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، نبی کریم ﷺ کے نزدیک سے نہ سننے کے ثبوت کی بس یہی حدیثیں مولوی صاحب کی دلیل ہیں، اب علماء کے اقوال میں شروع ہوتے ہیں۔

حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کا حوالہ: لکھتے ہیں: (حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ) اپنے مایہ ناز

فتاویٰ کفایت المفتی ص ۱۴۳ کے کتاب العقائد میں فرماتے ہیں:

سوال: ایک صاحب کہتے ہیں کہ جب درود شریف پڑھا جاوے تو آنحضرت ﷺ بذات خود سنتے ہیں اور پڑھنے والے کو پہچانتے ہیں (حاشیہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں، سوال کی طرز بتا رہی ہے کہ قبر کے نزدیک سے پڑھے جانے والے درود شریف کے متعلق سوال ہے)

جواب: حضور اکرم ﷺ کا بذات خود درود شریف سننا ثابت نہیں ملائکہ سیاحین کے ذریعہ آپ کو درود شریف پہنچایا جاتا ہے (اگر سننے کی بات ہوتی یہاں ضرور فرماتے کہ قریب سے سنتے ہیں) (ص ۲۷، ۲۸)

جواب: مولوی صاحب نے اپنا سہارا تلاش کرنے کے لئے کیسی کیسی حاشیہ آرائی کر کے مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ذمہ غلط بات لگادی، عبارت میں نہ سوال میں قبر کے پاس کا لفظ ہے نہ جواب میں، سوال ہندوستان والا ہندوستان میں پڑھے ہوئے درود شریف کے بارے میں کرتا ہے نہ کہ قبر کے پاس پڑھے جانے والے درود شریف کا سوال کرتا ہے، پھر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ ملائکہ سیاحین کے ذریعہ پہنچائے جانے کی بات کر کے ظاہر کرتے ہیں کہ ملائکہ سیاحین کے ذریعہ دور سے پہنچنے کی حدیث صحیح ہے جس کو مولوی صاحب نہیں مانتے اور یہ کہ ملائکہ سیاحین کی ڈیوٹی دور سے درود شریف پہنچانے سے متعلق ہے ورنہ کیا وہ قبر شریف کے پاس ٹہلتے رہتے اور درود پہنچاتے رہتے ہیں؟ پہنچانے کی ضرورت دور سے ہوتی ہے، نیز مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ملائکہ سیاحین کی حدیث سے ظاہر کیا کہ درود شریف پہنچنے کا معنی محض رحمت نازل ہونا نہیں ہے جیسا کہ مولوی صاحب کا عقیدہ ہے بلکہ امتی کی طرف سے عرض کیا جاتا ہے کہ فلاں نے درود شریف پڑھا ہے۔

قارئین! ملاحظہ فرمائیں مولوی صاحب کو قبر مبارک کے نزدیک نہ سننے کا صاف حوالہ نہیں ملا اس لئے حدیث میں بھی اور اکابر کی عبارات میں بھی اپنی طرف سے یعنی یعنی کہہ کر اور حاشیہ لگا کر بات نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ نزدیک سے نہ سننے کا ایک بھی صریح حوالہ نہ ان کے پاس ہے نہ ان کی پوری جماعت کے پاس ہے۔

ایسے ہی مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ دور سے پہنچنے کا ذکر کر رہے ہیں نزدیک سے نہ سننے کا کچھ ذکر نہیں کرتے اور ناصر الدین البانی کا حوالہ اشاعتیوں کو ہی مبارک ہو کیونکہ یہ بھی ان کی طرح اکابر سے ہٹے ہوئے اور مجتہد ہونے کے دعویدار غیر مقلد ہیں اور وہ بھی قبر کے پاس سے نہ سننے کی بات نہیں کر رہے بلکہ درود پہنچانے والے فرشتوں کی ڈیوٹی کے ذکر سے ظاہر ہوا کہ دور سے پہنچنے کی بات کر رہے ہیں اور مولوی صاحب ملائکہ کے پہنچانے اور اس کی حدیث کے منکر ہیں۔

استاد مکرم رحمہ اللہ کا دعویٰ اجماع: مولوی صاحب کہتے ہیں: ”ان حوالوں سے مولانا سرفراز صاحب کی اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ فرماتے ہیں کہ امت میں سماع النبی کا کسی نے انکار نہیں کیا بغیر دلیل کے اجماع کا دعویٰ کر دیا۔ ایسی واضح احادیث صحیحہ اور اکابرین کی واضح عبارتوں کے خلاف دعویٰ اجماع کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔“ (اعلان حق ص ۲۸: ۲۹)

جواب: مولوی صاحب! اگر آپ میں دیانت داری ہوتی تو آپ اقرار کرتے کہ استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ ایسا دعویٰ کر گئے ہیں جس کا جواب نہ جناب سے ہوا نہ آپ کے کسی بھی جماعتی سے ان شاء اللہ ہوگا، بتائیے آپ نے کون سا واضح حوالہ دیا ہے جو استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ کے دعویٰ کو ہلا سکا ہو؟ دعویٰ اب بھی موجود ہے اور تادم موت آپ پر اور دائماً آپ کی جماعت پر قرض رہے گا۔ ان شاء اللہ!

پانچویں دلیل: (۵) لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”انی لارجوان طال بی عمران القی عیسیٰ بن مریم (ع) وان عجل بی موت فمن لقیہ فلیقر امنی السلام“ (مسند احمد، درمنثور ص ۲۷۳) اگر میری عمر لمبی ہوئی تو میں امید کرتا ہوں عیسیٰ علیہ السلام کو سلام کروں گا، اگر موت کا فیصلہ پہلے ہو گیا تو امت میں سے جس کو ملے میری طرف سے سلام کہہ دینا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روضہ مبارک میں دفن ہوں گے اگر ہر ایک کے سلام کا جواب دینے کا قانون ہوتا تو آپ یہ وصیت نہ فرماتے۔“ (اعلان ص ۲۹)

جواب: مولوی صاحب اپنی طرف سے حدیث میں لفظ بڑھاتے ہیں اور کہتے محمد بن اسحاق کو مکار اور دجال ہیں اور پھر ان لفظوں کا ترجمہ حدیث میں کر دیا یہ ”من کذب علی متعمدا“ کی وعید میں یقیناً داخل ہے اور مولوی صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غلط بیانی کر رہے ہیں (عجیب بات یہ کہ دونوں ایڈیشنوں میں یہی کیا) مگر مولوی صاحب کو اس کی کیا پروا؟ مذہب ثابت ہو چاہے جہنم میں جانا بھی پڑے، حدیث میں لفظ ہیں: ”ان طال بی عمران القی عیسیٰ بن مریم علیہ“ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۷۷ مسند احمد ج ۷، ۷۹۵۸) اگر میری زندگی دراز ہوئی تو امید ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کروں گا اور اگر جلد موت آگئی تو جس کو میں میری طرف سے سلام کہہ دینا۔

مولوی صاحب نے لفظ بتائے ”ان القی عیسیٰ بن مریم“ (علیہ السلام) یہ بین القوسین الفاظ اپنی طرف سے حدیث میں گھسیڑ کر معنی کیا میں عیسیٰ علیہ السلام کو سلام کروں گا لا حول ولا قوۃ الا باللہ، اگر بالفرض واقعی روایت میں کہیں علیہ السلام کے لفظ لکھے ہوئے ہوں تو یہ راوی نے ان کے لئے دعائیہ کلمہ کے طور پر لکھے ہوں گے نہ یہ کہ یہ فرمان نبوی کا حصہ ہو کر فعل القی کے متعلق ہیں، یہ ہے مولوی صاحب کی علمیت اور دیانت، پھر یہ روایت مرفوع اور موقوف دونوں طرح آئی ہے تو قطعی اور یقینی بات نہ ہوئی کہ یہ فرمان نبوی ہے، موقوف ہو کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہوگا اور اس شبہ کے ساتھ ساتھ حدیث متواتر بھی تو نہیں، جب کہ عقیدہ کے باب میں مولوی صاحب متواتر حدیث ہونا شرط ٹھہراتے ہیں۔

ثانیاً یہ بھی اردو محاورات سے نابلد ہونے کا ثبوت ہے اگر آپ کسی کو کہیں کہ فلاں کو میرے سلام عرض کرنا، تو کیا اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جب اس کی آپ سے ملاقات ہو تو آپ اس کا سلام نہیں سنیں گے؟ افسوس اس سمجھ پر، آدمی کا مطلب تو صرف یہ ہوتا ہے کہ میرا سلام کہہ دینا کیونکہ اس وقت ہماری ملاقات نہیں ہو سکتی ہاں ممکن ہے کہ بعد میں بالمشافہ ملاقات ہو اور ہم ایک دوسرے کو سلام کہہ بھی سکیں اور ایک دوسرے کا سلام براہ راست سنیں بھی، مگر اب سلام میں تم واسطہ بن جاؤ، تو مطلب یہ ہوا کہ جب ملاقات ہو تو ان کو میرا سلام کہہ دینا اور پھر وہ میری قبر پر جب حاضر ہوں گے تو مجھے وہ سلام عرض کریں گے اور میں جواب دوں گا۔

مولوی صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے کی حدیث کے راوی محمد بن اسحاق پر جو جرح کی ہے اس کا تفصیلی جواب الصراط السوی میں ذکر ہو گیا ہے، محمد بن اسحاق حسن الحدیث راوی ہے۔

غیر مجتہد کا جاہلانہ قیاس اور قیاسی دلیل: مولوی صاحب نے ذکر کیا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے

حضور ﷺ کو آہستہ سے سلام کا جواب دیا مگر حضور ﷺ نے نہ سنا، ایسے ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آہستہ بولتے تو حضور ﷺ نہ سنتے آپ ﷺ کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تو جب قریب سے اس وقت آپ ﷺ نہ سنتے تھے تو اب کیسے سنتے ہیں؟ یہ مولوی صاحب کی دلیل کا خلاصہ ہے۔ (اعلان حق ص ۲۹)

جواب: شکر ہے کہ مولوی صاحب مجتہد نہیں ہوئے ورنہ ایسے قیاسات خوب ہوتے مولوی صاحب کا قیاس بعینہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ جی جب بیوی اور ماں ایک جیسی ہیں تو دونوں حلال ہوں گی، جب بھینس کی بھی چار ٹانگیں ہیں اور کتیا کی بھی چار تو بھینس کا دودھ حلال ہے تو کتیا کا کیوں حرام ہوگا؟ کہتے ہیں کہ جب دنیا میں نہ سنتے تو قبر میں کیسے سنتے ہیں؟ مولوی صاحب یہ بھی کہہ دیں کہ عالم برزخ جا کر پیشاب پاخانہ بھی کرتے ہوں گے کیونکہ دنیا میں کرتے تھے، جناب یہ قیاسات اپنے پاس رکھو جب خبر واحد عقیدہ کے باب میں نہیں چلتی تو یہ قیاسات کوئی نبی کے قیاسات ہیں کہ چلیں؟ دورنگی دیکھئے، رد کریں تو خبر واحد قبول نہ ہوا زرا مانیں تو قیاس کام کا بن جائے۔

یہاں بھی حضرت قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی بات سامنے رہے فرمایا کہ ”اُس جہاں اور اس کے حالات کو دنیا میں موجود اور مشاہدہ کئے ہوئے حالات پر قیاس کرنا کم عقلی اور نادانی ہے“ (تفسیر بیضاوی آیت ہم فیہا خالدون) ممانی لوگ رسول اللہ ﷺ کی توہین میں کم عقلی اور نادانی میں دن بدن ترقی کر رہے ہیں۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کا حوالہ؟ کہتے ہیں، پتہ نہیں مولانا سرفراز نے مولانا خلیل احمد کی طرف غیر معصوم قول کیوں جڑ دیا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام کیا جائے حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں۔ (تسکین الصدور ۱۹۵) آخر یہ عقیدہ کس حدیث سے لیا۔ (اعلان حق ص ۳۰)

جواب: جناب کو اپنے اسلاف کی سوانح پڑھنے کی توفیق ہو تو حوالہ ملے، تذکرۃ الرشید اور تذکرۃ التحلیل لکھنے والے حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کے حاضر باش خادم حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی جو بے شک معصوم نہ تھے مگر نیکی اور دینداری میں آپ سے آگے ہوں گے اور اسفار حج میں ساتھ ہوتے تھے اور درج ذیل واقعہ ان کا اپنا مشاہدہ ہے، اگر ان کی روایت غلط ہے تو ذرا مولوی صاحب علماء دیوبند کے ایک بزرگ سے ان پر جرح پیش کریں بہر حال وہ لکھتے ہیں: ”مواجهہ شریف کے قریب یا مقابل بھی آپ (حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ) کھڑے نہیں ہوتے تھے، خوف زدہ مودبانہ دبے پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دور کھڑے ہوتے، بکمال خشوع و سلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے، زائرین جو بے باکانہ اونچی آواز سے صلاۃ و سلام پڑھتے اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت ﷺ حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ ﷺ کی ایذاء کا سبب ہے، لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے؟ اس کو آں حضرت ﷺ خود سنتے ہیں، ایک صاحب نے اس پر اشکال کیا کہ جسد مبارک تو چند دیواروں میں محفوظ ہے پست آواز سے کس طرح مسوع ہوگی؟ فرمایا یہ اشکال تو چیخنے چلانے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، اس وجہ سے کہ قبر کے اندر تو کتنا ہی کوئی باہر سے چلائے اور پکارے مگر آواز نہیں پہنچے گی بھائی! یہ تو خصوصیات میں سے ہے جس پر یہاں کا (یعنی دنیا کا) قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔ (تذکرۃ التحلیل ص ۳۹۹ طبع مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عقیدہ سماع: اس کے بعد مولوی صاحب نے پانچویں فصل قائم کی اور اس میں اپنے زعم باطل کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے سب مردوں کا چاہے انبیاء علیہم السلام ہوں یا اولیاء یا عام مردے ان کا نہ سننا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

پہلا ثبوت: کہتے ہیں حضرت محمد بن مسکد فرماتے ہیں میں حضرت جابر کی موت کے وقت حاضر ہوا عرض کیا میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو سلام پہنچا دینا (مسکوٰۃ شریف ص ۲۳، ابن ماجہ) یہ مدینہ کا واقعہ ہے اگر براہ راست آپ ﷺ سنتے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرما دیتے جا کر قبر پر سلام کہہ دو آپ ﷺ بذات خود سن لیں گے میرے پہنچانے کی ضرورت نہیں۔ (اعلان حق ص ۳۱)

جواب: کیا یہ حدیث متواتر ہے؟ پھر اس سے نہ سننے کا ثبوت جناب مفہوم مخالف سے ثابت کر رہے ہیں حالانکہ مفہوم مخالف یہاں معتبر نہیں ہے نہ قطعیت کا فائدہ دیتا ہے اور نہ عقیدہ میں حجت بن سکتا ہے، جناب! یہاں سلام عرض کرنے کی وہ صورت ہے جو فوت ہونے والا فوت شدہ حضرات سے ملاقات پر عرض کرے، تو حضرت محمد بن مسکد اس انداز کا سلام عرض کرنا کہہ رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ محمد بن مسکد تو فوت نہیں ہو رہے کہ اس انداز کا سلام وہ خود عرض کر سکیں، یا حضرت جابر رضی اللہ عنہ ان کو عرض کرنے کا کہیں، چونکہ وفات پانے والے جنتی مسلمان کی ملاقات پہلے فوت شدہ مسلمانوں سے ہوتی ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ملاقات بھی رسول اللہ ﷺ سے ہونی تھی اس لئے آپ ﷺ کو سلام عرض کرنے کا کہہ دیا بس، بہر حال جناب کے عقیدہ کے ثبوت میں یہ روایت نہ قطعی الثبوت ہے نہ قطعی الدلالة ہے اور ظنی دلیل عقیدہ کے باب میں حجت ہی نہیں۔

دوسری دلیل: کہتے ہیں اگر تمام صحابہ کا عقیدہ ہوتا کہ حضور اکرم ﷺ قبر مبارک میں خود سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں، تو ہر نماز پر قبر مبارک پر ضرور حاضری دیتے حالانکہ ایسا نہیں تھا، صرف عبد اللہ بن عمر، جب باہر سے آتے تو سلام کرتے تھے یا کسی نہ کسی وقت کوئی صحابی آجاتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ان کا عقیدہ سلام سننے کا نہ تھا صرف پہنچنے کا تھا جو وہ ہر وقت حسب موقع صلوٰۃ و سلام پڑھتے رہتے تھے۔ (اعلان حق ص ۳۱)

جواب: اوّل تو نہ یہ قرآن مجید کی دلیل ہے نہ خبر متواتر یا خبر واحد صحیح کی محض احتمالی اور عقلی و قیاسی دلیل ہے جس سے عقیدہ کا ثبوت نہ ہونا آپ مانتے ہیں۔

دوم آپ کی بات سے اتنا تو صاف ہی واضح ہوا کہ جو حضرات حاضری دیتے تو حاضری دیتے ہی اس لئے کہ حیات النبی ﷺ اور سماع سلام کے قائل ہوتے، تو ثابت ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا کبھی کبھی حاضری دینا اور سلام عرض کرنا حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کے عقیدہ سے تھا کیونکہ جناب نے کہا کہ اگر ان کا حیات النبی ﷺ کا عقیدہ ہوتا تو ہر نماز کے بعد حاضری دیتے تو معلوم ہوا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا حاضری دینا اور سلام عرض کرنا ان کے عقیدہ حیات و سماع کی دلیل ہے۔

سوم: حقیقت یہ ہے کہ جیسے (۱) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی وہی حاضری دیتے تھے اور خطابانہ انداز سے سلام عرض کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۲) ایسے ہی دوسرے حضرات سے بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری اور آپ کو سلام عرض کرنا اور خطابانہ الفاظ سے گفتگو کرنا مروی ہے۔ (۲) جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قبر پر حاضر ہونا اور رونا۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۱) اور (۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قبر پر حاضر ہو کر رونا۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۷) (۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ سے سلام عرض کرنا۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۷) (۵) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت اور آپ ﷺ کا اس کو حاضر نہ ہونے کا گلہ کرنا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سفر کر کے قبر اطہر پر حاضری اور روتے رہنا اور قبر اطہر پر چہرہ ملتے رہنا۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۷) (۶) امام جعفر صادق علیہ السلام کا حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کرنا۔

(خلاصہ الوقایہ ص ۴۷) (۷) اہل مدینہ کا عام معمول کہ مدینہ طیبہ سے سفر کو جاتے اور آتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتا۔ (الغناء ج ۲ ص ۸۸) یہ سب منقول ہے تو آپ کی منطق کے مطابق بھی الحمد للہ ثابت ہوا کہ یہ حضرات حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کے قائل تھے اس لئے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعتقاد بھی یہی تھا کہ آپ ﷺ قبر اطہر میں زندہ ہیں، (حفظ الایمان، مواظب میلاد النبی) بہر حال جناب کی یہ دلیل جناب کے اپنے خلاف ہے کہ اگر صحابہ سننے کا عقیدہ رکھتے تو ہر نماز کے بعد حاضری دیتے اب چاہے ہر نماز کے بعد حاضری نہ دیں مگر کبھی بھی حاضری دے دینا سماع کے عقیدہ کی دلیل ہے، یہ ہر نماز کی قید لگانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی دنیا والی زندگی میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب ہر نماز کے بعد حاضری نہیں دیتے تھے تو اب ان کے لئے ہر نماز کے بعد حاضری دینا کیوں ضروری ہوتا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سماع موتی: مولوی صاحب لکھتے ہیں الکوکب الدری میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام اعظم مکرین سماع کی دلیل ”انک لا تسمع الموتی“ ہے۔ (اعلان حق ص ۳۱)

جواب: مولوی صاحب کے لئے عقیدہ کے باب میں حدیث متواتر ہونے کی بات تو ختم ہوئی گئی، اب تو بے سند بات بھی عقیدہ کے باب میں حجت ہو گئی ہے، ہم مولوی صاحب سے مؤدبانہ عرض کریں گے کہ جناب والا! کوکب دری میں یہ بات باسند ذکر نہیں ہے آپ کوکب دری کے بجائے حدیث کی کی چھوٹی سی کتاب سے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مسلک ثابت کیجئے اور انعام وصول کیجئے؟ (ہمارے پاس کوکب دری نہیں اگر کوکب دری میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے تو) ہمیں درجہ یقین میں یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ یہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی بات نہیں لگتی، بلکہ بلا بر گردن راوی یا کاتب فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت بقول جناب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی نہیں تو حجت نہیں تو کوکب دری بھی ان کی لکھی ہوئی نہیں تو حجت کیوں ہے؟ آپ ایک طرف اتنے سخت ہوتے ہیں دوسری طرف لکیر کے فقیر بنتے ہیں، اگر آپ اس کو گستاخی سمجھیں تو فرمائیں کوکب دری کی بات و نقل کیا قرآن کریم کی طرح قطعیت کا درجہ رکھتی ہے؟ اگر نہیں اور واقعی نہیں تو ظنی اور بلا سند روایت کا عقیدہ کے باب میں کیا عمل دخل؟

یہاں ہم یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں جو مولوی صاحب نے اسد کار اور تمہید میں مروی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سماع میت کی حدیث سے متعلق کہا ہے، کہتے ہیں: ”اس روایت کا وجود ساڑھے چار سو سال تک دنیا کی کسی کتاب میں نہیں تھا سب سے پہلے علامہ ابن عبد البر جو کہ پانچویں صدی کے بزرگ ہیں اس کو مؤطا کی شرح التہمید یا الاستدکار میں نقل کیا ہے۔“ (اعلان حق دوم ص ۵۷)

تو جناب! علم کے میدان میں علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی حیثیت حضرت گنگوہی سے بہت بڑھیا ہے، اگر ابن عبد البر کی باسند مروی حدیث ساڑھے چار سو سال تک کسی کتاب میں نہ ہونے کی وجہ سے قابل رد ہے تو ۱۲۰۰ سال تک دنیا کی کسی کتاب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر نہ ہونے کی وجہ سے کیوں قابل قبول ہے؟

ایسے ہی مولوی صاحب نے اعلان حق ص ۳۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو قول نقل کیا لا یسمعون و لا یحییون لانہم اموات غیر احیاء، اس کا حوالہ مولوی صاحب نے پیش نہیں کیا لیکن ان کے محدث جناب مولوی محمد حسین نیلوی صاحب کی کتاب احسن العقائد سے معلوم ہوا کہ یہ عبارت تنویر المقیاس تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے۔ (احسن العقائد ص ۶۷)

اس کی حقیقت یہ ہے کہ تنویر المقیاس پوری تفسیر کی سند ابتدائی صفحات میں جو لکھی ہوئی ہے تو ماشاء اللہ اس کے راوی سدی، کلبی، ابو صالح من ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور مولوی صاحب اور ان کی جماعت خوب جانتی ہے کہ ان کی سند سلسلۃ الکذب کہلاتی ہے مگر اس سند سے ان حضرات کے کام کی چیز ملے تو بخوشی قبول فرما لیتے ہیں اور کلبی اور ابو صالح دوستوں کو نہیں چھیڑتے کیوں کہ یہ ان حضرات کے ہم عادت ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امام اعظم رحمہ اللہ کے مسلک سے متعلق دوسری جگہ وضاحت ہو گئی ہے اور حماسہ سے نہار بن توسعہ عبدی کا جو شعر نقل کیا ہے کہ تجھ پر ایک دن ایسا آئے گا، تو کچھ نہیں سن سکے گا، اس کے متعلق یہ ثبوت ضروری ہے کہ انہوں نے یہ شعر زمانہ اسلام میں کہے ہیں یا اس سے پہلے، پھر سند کیا ہے؟ دیوان حماسہ حدیث کے کس طبقہ کی کتاب ہے؟ اور یہ اشعار بھی عام مردے سے متعلق ہیں۔

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ کے اشعار: مہاتوں کے شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی نے (احسن العائد ص ۶۰ میں) حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ کے اشعار (بحوالہ کلام الملوک) میں سے ایک شعر پیش کرتے ہوئے عدم سماع نبی ﷺ پر دلیل پیش کرتے ہوئے عدم سماع نبی ﷺ پر دلیل پیش کی ہے۔

فیا قبر النبی وصاحبه الا یا غوثنا لو تسمعونا
اے نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبر وا اگر تم ہستیاں سنتی تو ہم آپ کے آگے فریاد کرتے۔ حالانکہ یہ اشعار حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی قبر پر نہیں کہے بلکہ بصرہ میں رہتے ہوئے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے تادمی کوڑے لگنے پر دور کہے ہیں، تو اتنا ہی ثابت ہوا کہ آپ ﷺ دور سے نہیں سنتے، نہ نزدیک کی بات ہے نہ ہی نزدیک کا واقعہ ہے دیکھیں۔
(الاستیعاب لابن عبد البر ج ۳ ص ۲۵۵)

حضرت قتیبہ بن سنان رضی اللہ عنہ کے اشعار: مولانا محمد حسین نیلوی صاحب نے منکرین سماع میں حضرت قتیبہ رضی اللہ عنہ کو ذکر کرتے ہوئے ان کو نصر بن حارث عہد ری کی زوجہ لکھا حالانکہ وہ نصر بن حارث کی زوجہ نہیں بلکہ ان کی بیٹی ہیں، بدر میں ان کے باپ نصر بن حارث کو قتل کر دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ کی طرف اشعار لکھ بھیجے اور ابھی اسلام نہیں لائی تھیں ان اشعار میں یہ شعر بھی تھا۔

هل تسمعن النضران ناديته بل كيف تسمع ميتا لا ينطق
اے سوار کیا تو نصر کو اگر آواز دے تو سنا دے گا، بلکہ اس کو کیسے سنا لے گا جب کہ وہ ایسے میت بن گئے جو نہ بولیں۔
(الاستیعاب ج ۳ ص ۱۸۸)

اول تو علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ محدث زبیر بن بکار رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: ”قال الزبير و سمعت بعض أهل العلم يغمز ابياتها هذه ويذکر انها مصنوعة“ (الاستیعاب ج ۳ ص ۱۸۸) میں نے بعض اہل علم سے سنا وہ اس کے ان اشعار پر طعن کرتے اور فرماتے کہ یہ بناوٹی ہیں۔“

تو جب بناوٹی ہوں تو ان کی کچھ حقیقت نہ ہوگی تا معلوم کس نے کہے؟ دوم اگر صحیح ثابت ہوں تو حضرت قتیبہ رضی اللہ عنہ کا یہ خیال زمانہ اسلام کا نہیں زمانہ کفر کا ہے، یہ واقعہ بدر کے موقع پر ہے اور وہ فتح مکہ والے دن اسلام لائیں، سوم کافر میت کے بارے میں ہے مؤمن کے بارے میں نہیں اور کافر کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے ہماری بحث مؤمن کے بارے میں ہے، چہارم دیوان حماسہ میں شعریوں ہے۔

هل يسمعن النضران ناديته ان كان يسمع ميتا وينطق

اگر میت سنا یا بولا ہو تو ضرور نعر بھی سن لے گا اگر تو اس کو آواز دے گا۔ (ص ۱۶۶)

اس کو یقینی علم نہیں تو حکم کا اظہار کرتی ہوئی کہتی ہیں کہ اگر میت سنتی ہو تو نعر بھی ضرور سنے گا۔

بہر حال جب یہ اشعار ہی زمانہ اسلام کے نہیں، زمانہ کفر کے ہیں تو گویا کافر یہ کہہ رہا ہے تو کیا کافر کے کلام سے عقیدہ ثابت ہوتا ہے؟ باقی یہ بات غلط ہے کہ اس نے یہ کلام حضور ﷺ کے سامنے کہی ہے بلکہ لکھ کر بھیجے اور جب آپ ﷺ تک یہ اشعار پہنچے تو آپ ﷺ رونے لگے، مگر آپ ﷺ کا ان اشعار کے خلاف کچھ نہ کہنا اور خاموش ہونا نہ تائید ہے نہ تردید ہے، فقط سکوت ہے اور وہ موقع سکوت کا تھا نہ کہ اشعار پر تبصرہ کا موقع تھا آپ کی طرح کوئی مناظر موجود ہوتا تو ضرور تبصرہ کرتا مگر حضور ﷺ کی دانائی کا تقاضہ خاموشی تھی، کیونکہ جس کا آدمی قتل ہو گیا ہوا اگر وہ سامنے موجود ہو اور اس قسم کی بات کہہ دے تو اس کے دکھ میں شریک ہونا پڑتا ہے نہ کہ اس کی گفتگو کی اصلاح شروع کر دی جاتی ہے اور جب دور ہو تو تبصرہ کرنے کا فائدہ نہیں کیوں کہ مخاطب سامنے نہیں ہے۔

سماع مولیٰ اور معتدین و متاخرین کے اقوال: اس کے بعد چھٹی فصل میں مولوی صاحب نے مردوں کے نہ سننے پر اکابرین کے اقوال سے دلائل دینے کی کوشش کی ہے، ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اکابرین دونوں طرف ہیں کئی مردوں کے سننے کے قائل ہیں اور کئی نہ سننے کے قائل ہیں، رائج مرجوح کا مسئلہ ہے اس لئے جن اکابرین نے عام مردوں کے نہ سننے کی بات لکھی ہے انہوں نے سننے کے قائلین پر کوئی سخت یا نرم فتویٰ نہیں لگایا، لیکن مولوی صاحب نے اکابرین کی عبارات میں کافی خیانتیں کیں اور ان کو اپنا ہم نوا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے ان اقوال کے بارے میں حقیقت سامنے لانا از حد ضروری ہے۔

مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ کی عبارت پر طعن: مولوی صاحب نے آگے چلنے سے پہلے ضروری سمجھا کہ مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ پر طعن کرتا جاؤں لکھتا ہے: ”(مولانا سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ) کہتے ہیں تمام مردے عام اس سے کہ وہ مومن ہو یا کافر علم و شعور ادراک سننے، اعمال کے پیش ہونے اور زیارت کنندگان کو سلام کا جواب دینے میں برابر اور یکساں ہیں اس میں حضرات انبیاء اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں۔ (تسکین الصدور ص ۹۸) ماشاء اللہ اب تو کافروں پر بھی اعمال پیش ہونے لگے ہیں۔ الخ“ (ص ۳۲)

جواب: مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ نے روح کا جسم عنصری سے تعلق ثابت کرنے کے لئے غیر مقلدین پر بطور اتمام حجت نواب صدیق حسن خان کی یہ عبارت پیش کی ہے نہ یہ کہ مولانا صاحب رحمہ اللہ اس سے بالکل متفق ہیں مولانا سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ نے اس لئے یہ لفظ ذکر فرمائے ہیں: ”بقول نواب صاحب میت کو زائر کے سلام وغیرہ کا ادراک و شعور ہو جاتا ہے اور اس صفت میں مومن و کافر سب برابر ہیں۔ اس تحقیق کے ہوتے ہوئے ایک غیر ذمہ دار غیر مقلد بھائی کا یہ کہنا کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۱۰)

تو یہ لفظ بقول بتا رہا ہے کہ محض اتمام حجت کے طور پر یہ قول پیش کیا ہے مگر اس کے ہر ہر جزء سے اتفاق نہیں ہے۔

واقعہ قلیب بدر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اور کیا قلیب والوں کا سننا معجزہ تھا؟ (لکھتے ہیں) حضرت

قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قلیب بدر میں مردوں کا سننا معجزہ تھا۔ (بخاری ص ۵۶۶) معلوم ہوا عام قانون نہیں۔ (ص ۳۲)

جواب: روایت کے الفاظ ایسے نہیں ہیں جن کا ترجمہ وہ ہو جو مولوی صاحب نے ذکر کیا، صرف یہ لفظ

ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے قلیب بدر سے خطاب کے بارے میں یہ لفظ فرمائے: ”احیاءہم اللہ حتی اسمعہم قولہ تو بیخاؤ تصغیر أو نقمة وحسرة وندما“ (بخاری حدیث نمبر ۳۹۷۶) اللہ تعالیٰ نے ان کو زندگی دے کر

حضور ﷺ کی گفتگو بطور ڈانٹ، ذلت، رسوائی، حسرت و عداوت کے سنوائی۔ تو اس میں یہ کہاں ہے کہ صرف قلیب بدر والوں کا سننا معجزہ کے طور پر تھا؟ یہ ٹھیک ہے کہ امام مازری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے قول سے صرف قلیب بدر والوں کا سن لینا یعنی معجزہ سمجھا لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وكان المازري اخذ الاختصاص من هذا القول وهو خلاف الجمهور“ (مرقات ج ۷ ص ۴۷۶ کوئٹہ) لگتا ہے کہ مازری نے قتادہ رحمہ اللہ کے قول سے خصوصیت سمجھی لیکن یہ جمہور کے قول کے خلاف ہے۔ (کہ جمہور کے نزدیک یہ قلیب بدر والوں کی خصوصیت اور معجزہ نہیں، دوسرے مردے بھی سنتے ہیں)

اور علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں: ”واما ان ذالك خاص بكلام النبي فليس كذلك (احوال فقہور ص ۱۳۴) اور یہ کہنا کہ یہ (قلیب بدر والوں کا سن لینا) حضور ﷺ کی کلام کے ساتھ خاص ہے تو ایسی بات نہیں (کیونکہ مردے سنتے ہیں جیسے جوتوں کی کھسکاہٹ سننا صحیحین میں آیا ہے اور آگے ذکر ہوگا کہ مردے سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں، ابن رجب)

جب کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تو قتادہ کے قول سے متعلق یہ فرما رہے ہیں: ”واراد قتادة بهذا التأويل الرد على من انكر انهم يسمعون كما جاء عن عائشة“ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۶) حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے اس تاویل سے قلیب بدر والوں کے سننے کا انکار کرنے والوں پر رد کرنا چاہا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہوا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ سماع موتی کے قانون کا انکار نہیں کر رہے اور نہ ہی قلیب بدر والوں کے سن لینے کو حضور ﷺ کا معجزہ ٹھہرا رہے ہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ جنہوں نے قلیب بدر والوں کے سننے کا انکار کیا ان کا رد کرتے ہوئے حضرت ابن عمر کی تائید کر رہے ہیں اور یہ درست ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے اس کو باب المعجزات میں ذکر کیا ہے تو ممکن ہے کہ انہوں نے صرف قلیب بدر والوں کا سن لینا معجزہ مانا ہو، مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لمعات میں اس موقع پر اہل قلیب کے سن لینے کو معجزہ قرار دینے والوں کا قول ذکر کر کے باب الجہاد میں بحث کی تفصیل کا حوالہ دے دیا اور اس موقع پر تفصیل نہیں کی لمعات نایاب ہونے کی وجہ سے اس کا باب الجہاد دیکھا نہیں جاسکتا مگر اضعاف اللغات کے اسی مقام میں انہوں نے بحث کرتے ہوئے معجزہ ہونے کو رد کیا ہے۔

پوشیدہ نمائند کہ حمل بریں مجرد احتمال و تاویل است کہ حمل نمی توان کرد بر دے تا قائم نشود دلیل بر استحال سماع، (افہم اللغات ج ۳ ص ۴۲۱) مخفی نہ رہے کہ اس کو معجزہ اور حضور ﷺ کے ساتھ ان کے سماع کے مخصوص ٹھہرانے پر محمول کرنا محض احتمال اور تاویل ہے حالانکہ اس پر تب تک محمول نہیں کر سکتے جب تک مردوں کے سننے کے محال ہونے پر دلیل قائم نہ ہو جائے۔ (جب کہ مردوں کا سن لینا ثابت ہے تو محال کیسے ہوا؟)

امام محمد باقر بن علی بن حسین رحمہ اللہ لکھتے ہیں محمد بن باقر بن علی بن حسین رحمہ اللہ (فرماتے ہیں) سنانا زندوں کو ہوتا ہے مردوں کو نہیں۔ (عوارف المعارف ط ۱ ہاشم احیاء العلوم ص ۳۸، اعلان حق ۳۲)

جواب: مولوی صاحب عوارف المعارف صوفی بزرگ کی تصوف کی کتاب ہے نہ تو حدیث کی کتاب ہے نہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی، جناب اس قول کی سند پیش فرما کر ایک سو روپیہ انعام حاصل کیجیے، یہ بھی فرمائیے کہ یہ کس طبقہ کی کتاب ہے؟ اور یہ کہ اس طبقہ والی کتاب کی روایات معتبر ہوتی ہیں یا نہ؟

مختلف مفسرین کے اقوال کا مجموعہ: علامہ زمخشری فرماتے ہیں: ”الموتى لا يسمعون“ مردے نہیں سنتے۔ (ص ۱۲) یہی الفاظ عیسا پوری جامع البیان، بیضاوی، امام رازی، تفسیر کبیر، ابوسعود، خازن المیت لا

یسمع ولا یتکلم، میت نہ سنا ہے نہ بولتا ہے، وقال البغوی فی معالم التنزیل المیت الذی لا سبیل الی سماعہ مردے کے سننے کی کوئی صورت نہیں۔ تفسیر مدارک اما قبل ذالک فلا یعنی دوبارہ زندہ ہونے سے پہلے نہیں سن سکتے، کذا قال ابن عباس لا یسمعون ولا یجیبون نہ وہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں، کیونکہ وہ مردہ ہیں ان میں روح نہیں۔ (اعلان حق ص ۳۳)

یہ اقوال آیات کی تفسیر میں اور ادمورے ہیں ان کے متعلق ان آیات کے تحت بحث ہو گئی جن کو مردوں کے نہ سننے کی دلیل کے طور پر مولوی صاحب نے پیش کیا کہ خاص سماع کی نفی ہے یعنی سماع نافع، سماع قبول، عمل کا سنا، یا با اختیار خود نہیں سنتے اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سنتے ہیں، حضرت ابن عباس کے قول کی صحیح سند ضروری ہے۔ اور مولوی صاحب نے علامہ آلوسی سے نقل کیا ہے کہ مردہ زندہ کے برابر ادراک نہیں کر سکتا، حضرت آلوسی رحمہ اللہ نے یہ بات آیت وما یستوی الاحیاء ولا الاموات کے تحت ذکر کی ہے مگر مراد یہ ہے کہ دنیا کی چیزوں اور حالات وغیرہ کا ادراک مردہ نہیں کر سکتا، زندہ کر سکتا ہے، اس قسم عبارتیں آیت انما یتعجب الذین یسمعون کے تحت کشاف وغیرہ میں ہیں اور ان میں مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے: ”وهؤلاء الموتی یعنی الکفرۃ یتعجبہم اللہ ثم الیہ یرجعون فحينئذ یسمعون و اما قبل ذالک فلا سبیل الی استماعہم“ (تفسیر کشاف) ان مردوں یعنی کافر لوگوں کو اللہ تعالیٰ (مرنے کے بعد) اٹھائے گا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے، تب سنیں گے، اس سے پہلے ان کافر مردوں کے سن لینے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس قسم کے حوالہ میں مولوی صاحب اور نیلوی صاحب نے صرف عبارت کا اتنا حصہ نقل کر کے مطلب نکالا و اما قبل ذالک فلا سبیل الی استماعہم اور یہ نہ بتایا کہ استماع کی ضمیر کا مرجع کون ہیں؟ یہ لوگ اس قسم خیانت کے عادی مجرم ہیں، ایسے ہی تفسیر جامع البیان وغیرہ میں پوری عبارت یہ ہے: ای الکفار الذین کالموتی لا یسمعون یعنی کافر جو مردوں کی طرح ہیں نہیں سنتے، مولوی صاحب نے اور ان کے شیخ الحدیث بزرگ محمد حسین نیلوی صاحب نے (احسن العائد ص ۶۶) نیشاپوری اور جامع البیان اور ابوالسعود وغیرہ سے صرف یہ حصہ نقل کیا الموتی لا یسمعون باقی حوالوں کا بھی یہی حال ہے۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ: مولوی صاحب اور شیخ الحدیث محمد حسین نیلوی صاحب نے علامہ آلوسی رحمہ اللہ کو بھی اپنا ہم خیال ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خیانت سے بھی گریز نہیں کیا، کہتے ہیں کہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ المیت لیس من شانہ السماع، ولا یتحقق منه السماع الامعجزۃ کسماع اهل القلب مردوں کی شان نہیں کہ وہ سنیں ہاں معجزہ ہو تو اور بات ہے۔ (احسن العائد ص ۶۶، ۶۷، اعلان حق اول ص ۳۳) اور سماع بغیر معجزہ کے ثابت نہیں۔ (اعلان حق اول ص ۴۱)

حالانکہ علامہ آلوسی کی پوری عبارت اس طرح ہے: ”وقبل لان المیت لیس من شانہ السماع الامعجزۃ ولا یتحقق منه سماع الامعجزۃ کسماع اهل القلب وفي هذا کلام تقدم بعضه“ (روح المعانی ج ۷ ص ۲۶) ایک قول یہ ہے کہ سنا میت کی شان سے نہیں ہے مگر معجزہ کے طور پر اور اس سے سماع متحقق نہیں ہو سکتا مگر بطور معجزہ جیسے قلب بدر والوں کا سنا ہے، لیکن اس قول میں کلام ہے جس پر کچھ گفتگو کر چکی ہے۔

انصاف فرمائیں! کہ اس قول کو اول تو آپ جیسے عقلمند کو سمجھانے کے لئے قیل سے ذکر کیا، یہ بھی اس قول کے کمزور ہونے کی علامت تھی مگر شاید انہیں الہام ہوا ہو کہ اپنے کو مناظر اور شیخ الحدیث والتفسیر کہنے والے بھی میری

بات نہ سمجھ سکیں گے اس لئے پھر صراحت کے ساتھ فرمایا ”وہی ہذا کلام“ یہ قول کل اشکال میں ہے، کیا اس کے بعد بھی یہ عبارت سماع موتی کے انکار کی طرف جاتی ہے؟ اور انہیں مما تہوں کے ساتھ شمار کرنے کی گنجائش ہے؟

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں: ”وَعَوْلُ بَعْضِ الْمُحَقِّقِينَ عَلَى أَنَّ الْأَرْوَاحَ حَيْثُ كَانَتْ لَهَا اتِّصَالٌ لَا يَعْلَمُ حَقِيقَةَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى وَبِذَلِكَ تَرُدُّ السَّلَامَ وَتَعْرِفُ الْمُسْلِمَ“ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۱) کئی محققین نے یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ روحیں جہاں ہوں ان کا جسم سے ایسا تعلق ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور اس تعلق کی وجہ سے میت سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور سلام کرنے والے کو پہچانتا بھی ہے۔

اور فرماتے ہیں: ”فَيَقْتَصِرُ عَلَى الْقَوْلِ بِسَمَاعِ مَا وَرَدَ السَّمْعَ بِسَمَاعِهِ مِنَ السَّلَامِ وَنَحْوِهِ وَهَذَا الْوَجْهُ هُوَ الَّذِي يَتَرَجَّحُ عِنْدِي“ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۸) جس بات کے سننے کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے اس کے سننے کے قول پر اکتفاء کر لی جائے جیسے سلام اور اس جیسی چیزیں یہی میرے نزدیک رائج ہے۔“ تو وہ بھی سماع موتی کے قائل ہیں نہ کہ منکر، ان کی کئی عبارات متعدد جگہوں پر ذکر ہو گئی ہیں۔

مسئلہ یمین سے استدلال: لکھتے ہیں: ”تمام فقہانے مسئلہ قسم میں لکھا ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا، اس نے مرنے کے بعد اس کے ساتھ کلام کی تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ مردے میں سمجھ نہیں، مردہ نہیں سنا۔“ (ص ۳۳، ۳۴)

جواب: اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ یہ مسئلہ قسم عرف پر مبنی ہے کہ عرف میں مرنے کے بعد کی کلام کو کلام نہیں کہتے اس لئے حادث نہ ہوگا، نہ اس لئے کہ مردہ نہیں سنا، جن حضرات نے لا یسمع ولا یفہم وجہ ذکر کی ہے اول تو وہ سب فقہاء نہیں ہیں، امام محمد کی جامع صغیر اور ہدایہ کے حوالہ سے یہ بات ذکر کرنا غلط بیانی ہے اور فقہ کی دوسری کئی کتابوں میں بھی وجہ ذکر نہیں ہے فقط مسئلہ ہے، دوم اس سننے اور سمجھنے سے مراد بھی وہ سننا سمجھنا ہے جو کلام سے مقصود ہوتا ہے اور وہ ہے کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے پر آمادہ ہو جانا اور عمل میں لانا اور وہ مرنے کے بعد حاصل نہیں ہوتا۔

فائدہ: علامہ طحاوی مسئلہ یمین کی تشریح میں تو ”والمیت لیس كذلك لعدم السماع“ کہتے ہیں (حاشیہ مراقی ص ۵۶۱) لیکن باب زیارت قبور میں کہتے ہیں: ”وقال ابن القيم الاحادیث والاثار تدل علی ان الزائرتی جاء علم به المزور وسمع سلامه وأنس به ورد عليه وهذا عام فی حق الشهداء وغيرهم وانه لا توقیت فی ذالك قال وهو اصح من اثر الضحاك الدال علی التوقیت“ (ص ۶۲۰) ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احادیث اور آثار دلالت کرتے ہیں کہ قبروں کی زیارت کرنے والا جب آئے میت اس کا آنا جان لیتا ہے اور اس کا سلام سنا ہے اور اس سے مانوس ہوتا اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور یہ بات شہداء اور غیر شہداء کے لئے عام ہے۔

اور اس میں کوئی وقت مقرر نہیں ہے (ہر وقت اموات کے لئے یہ بات ہے) یہی بات ضحاک کی اس روایت سے زیادہ صحیح ہے جو وقت (جمعہ کی رات یا دن) مقرر ہونے پر دال ہے اور کہتے ہیں: ”وخرج ابن عبد البر فی الاستذکار و التمهید بسند صحیح عن ابن عباس قوله قال رسول الله ما من احد يمر بقبر اخيه المؤمن كان يعرفه فی الدنيا فیسلم علیه الا عرفه ورد علیه السلام“ (حاشیہ مراقی ص ۶۲۱) ابن عبد البر رحمہ اللہ نے استدکار اور تمہید میں صحیح سند سے حضرت ابن عباس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان روایت کیا ہے کہ جو بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جو دنیا میں اس کو پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرے تو میت اس کو پہچان بھی لیتا ہے اور اس کو سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ سلام وغیرہ (جو کچھ نصوص سے ثابت ہے اس) کے سننے اور میت کے پہچان لینے اور مانوس ہونے کے قائل ہیں اور شاید غیر منصوص میں سماع کے مکر ہیں تو مہماتوں کی طرح وہ سماع موتی کے بالکل مکر نہیں ہیں۔
علماء دیوبند اور سماع موتی: اس کے بعد ساتویں فصل میں علماء دیوبند کے حوالوں سے سماع موتی ثابت نہ ہونے کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور اکثر ادھوری عباراتیں ذکر کی ہیں،

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ: مولوی صاحب اور ان کے سب ہم جماعت مولانا کی چھوٹی سی ایسی عبارت نقل کرتے ہیں جس میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سننے یا نہ سننے کا اپنا موقف ذکر نہیں کیا ہے عبارت یہ ہے: ”اگر اس زمانہ میں امکان استماع کا چرچا کیا جائے (درمیان میں اپنے الفاظ لکھ مارے) یعنی مردے سننے تو نہیں لیکن مردوں کا سننا ممکن ہے) تو اس غل سے نفع دینی تو کچھ متصور نہیں البتہ مضامین شرکیہ کا گمان غالب ہے۔“

(جمال قاسمی، اعلان حق ۳۴)

اس عبارت میں صرف اتنا فرمایا کہ سد الذریعہ آج کے دور میں استماع اموات کا عوام میں ذکر نہ کیا جائے، اب اصل بات کیا ہے کہ سن سکتے ہیں یا نہ؟ مولوی صاحب کی ذکر کردہ عبارت سے پہلے عبارت میں فرماتے ہیں: ”اپنے خیال نارسا کے موافق سمع اموات حد استماع سے تو پرے ہے پر استماع اموات ممکن ہے، یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا نے تو انک لا تسمع الموتی فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے باوجود اس کے سلام اہل قبور مسنون کر دیا، اگر استماع ممکن نہیں تو یہ بے ہودہ حرکت یعنی سلام اہل قبور محمدوں کی زبان درازی کے لئے کافی ہے۔“

(جمال قاسمی ص ۹ طبع مکتبہ صدیقیہ حیدرآباد)

پھر مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے استماع اموات کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ ان کی توجہ ادھر ہو جائے تو سن لیتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ توجہ ہی نہ ہونے دے تو اور بات ہے، یعنی ان میں سننے کی طاقت ہے اور سن سکتے ہیں۔

مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ: فرماتے ہیں وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو موت کے بعد نزدیک سے

پکارتے ہیں وہ بھی مشرک ہیں۔ (تفسیر بے نظیر ص ۱۸۰)

جواب: اگر حوالہ ٹھیک ہو اور مولوی صاحب نے کوئی خیانت نہ کی ہو تو اس عبارت کا مسئلہ سماع سے کوئی تعلق بھی نہیں کیونکہ اس میں تو حاجات کے لئے پکارنے کو شرک کہا گیا اور درود و سلام پڑھنا پکار نہیں اور نہ عقیدہ سماع شرک ہے، اس کا کچھ ذکر نہیں۔

مولانا مفتی ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ: لکھتے ہیں کہ (مولانا ظفر الدین فرماتے ہیں) ان قصوں میں نہ پڑیں کسی عالم سے سمجھ لیں اور یہ مسئلہ جان لیں کہ قرآن شریف میں سماع موتی کا انکار کیا گیا ہے لہذا حدیث میں تاویل مناسب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۴۴۱ جلد ۵، اعلان حق ص ۳۵)

مولوی صاحب کا کام بھی مطلب برآری ہے اس سے پہلے عبارت میں مولانا ظفر الدین نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے اختلاف چلا آ رہا ہے اور اس میں فیصلہ ممکن نہیں ہے، وہ عام مردوں کے سننے کو حق و باطل کا مسئلہ نہیں بناتے رائج مرجوح کا مسئلہ سمجھتے ہیں، اس لئے تو اس کی بحث میں پڑنے سے منع کرتے ہیں اور مولوی صاحب اختلاف صحابہ مانتے ہی نہیں ہیں اور اس کو توحید و شرک کا مسئلہ بناتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ: مولوی صاحب نے حضرت تھانوی کی بھی ادھوری عبارت نقل کی ہے کہ اگر اس کی اصلاح بدوں انکار سماع کے نہ ہو سکے تو انکار سماع واجب ہے۔ (الکشف ص ۴۲۷)

پوری عبارت یوں ہے: ”یہ مسئلہ اختلافی ہے، بعض نے اس حدیث سے اثبات کیا ہے اور بعض نے آیت: لا تسمع الموتی سے نفی کی ہے مہتممین نے آیت کا جواب دیا ہے کہ یہاں موتی سے مراد کفار ہیں کہ استعارۃً ان کو موتی کہہ دیا۔ تاہم مہتممین نے اس کا جواب دیا کہ گو آیت میں استعارہ ہے مگر مستعار منہ میں تو معنی حقیقی کا تحقق ضروری ہے پر موتی بالمعنی الحقیقی کے لئے عدم سماع ثابت ہو گیا، مہتممین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس قاعدہ سے صرف اتنا لازم آتا ہے کہ موتی پر موتی کا صدق بالمعنی الحقیقی ہونا چاہئے، اس سے لسمع کا حقیقت پر محمول ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اس میں مجاز اطلاق المطلق علی المقید ہے اور سماع سے سماع نافع ہے، پس معنی یہ ہیں کہ موتی بالمعنی الحقیقی سے سماع نافع منفی ہے اور ضرورت اس حمل علی المجاز کی جمع بین النصومین ہے اور قرینہ اس کا خود مشاہدہ ہے کفار میں نفس سماع کے منفی نہ ہونے کا، بلکہ سماع نافع کے منفی ہونے کا، غرض اس طرح جانبین میں کلام طویل ہے اور دونوں شقوں میں وسعت ہے، البتہ عوام کا سا اعتقاد اس بات پر کہ اس کو حاضر و ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں یہ صریح ضلالت ہے، اگر اس کی اصلاح بدوں انکار سماع کے نہ ہو سکے تو انکار واجب ہے۔ (الکھف طبع جدید ص ۶۳۱)

اس عبارت سے کئی باتیں واضح ہیں، (۱) یہ کہ سماع موتی کے بارے میں علماء کے دونوں قول ہیں مولوی صاحب کے اس دعویٰ کی کوئی حقیقت نہیں کہ عدم سماع اتفاقی و اجتماعی بات ہے، (۲) یہ کہ سماع کے منکر جو دلیلین دیتے ہیں ان کا سماع کے قائل حضرات کے پاس معقول جواب ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے طرز سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ بھی سماع موتی کے قائل ہیں کیونکہ اس عبارت میں منکرین کے دلائل کے جواب دیئے اور قائلین کے دلائل منکرین کے جواب کے بغیر ذکر فرما کر جانب سماع کو ترجیح دیکر سکوت فرمایا، اس کے علاوہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی دوسری عبارات بھی سماع کی مؤید ہیں، (۳) یہ کہ عوام کے اعتقاد درست رکھنے کیلئے جو مردوں کو متصرف متارکل سمجھیں اگر ان کی اصلاح بغیر انکار سماع نہ ہو سکے تو سدا للذریعہ سماع کا انکار کر لیا جائے، تو اس میں بھی سدا للذریعہ سماع کی نفی کرنے کی تعلیم فرمائی ہے لیکن یہ تو نہیں فرمایا کہ سنتے بھی نہیں، اس بارے میں ان کی چند ایک عبارات سنئے: ”پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہے اس چشم سے لینا چاہئے جس کو کشنی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تو وہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اهل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے۔“

(المصالح العہدیہ ج ۳ ص ۳۲۰)

”ایک وجہ تو یہ ہے کہ بعد موت کے بھی روح کو کسی قدر تعلق جسم سے رہتا ہے، نیز اس تعلق کا یہ اثر بھی ہے کہ قبر کے پاس جا کر سلام و دعا جو کچھ کی جاتی ہے مردہ اس کو سنتا ہے اور شہداء میں یہ تعلق عام مومنین سے زیادہ ہوتا ہے۔ نیز اس تعلق سے بعض اولیاء کو مرنے کے بعد قوت تصرف بھی عطا ہوتی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ان کے مزاروں پر جا کر ان سے مرادیں مانگا کریں کہ شرعاً یہ بالکل ناجائز ہے اور اولیاء سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو اپنے اجسام سے تعلق رہتا ہے۔“ (خطبات دین و دنیا عند الکمال فی الدین ج ۳ ص ۱۸۳، ۱۸۴)

حضرت تھانوی نے ایک اور عجیب بات بھی لکھی ہے جو نہایت ہی عجیب ہے مگر مولوی صاحب فتویٰ لگانے سے پہلے غور کریں اور خیال کریں کہ فتویٰ ہم پر نہیں حضرت تھانوی پر لگے گا ہم تو محض ناقل ہیں (اور ہمیں اس بارے میں تحقیق نہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو ہے، وہ) فرماتے ہیں: ”جو قبرستان وقف ہیں ان کا استعمال (اپنی ضروریات میں) بالکل حرام ہے ان میں کسی کو مکان بنانا جائز نہیں اور اکثر قبرستان وقف ہی ہیں اس لئے اسے بچنا چاہیے اور اس میں آخرت کا ضرر تو ہے ہی کہ گناہ ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ دنیوی ضرر بھی ہوتا ہے کہ بعض مردے پٹک

بھی دیتے ہیں چنانچہ ایسے واقعات اکٹروں نے گئے ہیں میں یہ نہیں دعویٰ کرتا کہ سب حکایات صحیح ہیں مگر بہت سے سند صحیح ہے ثابت بھی ہیں۔“

(وعظ الکمال دین و دنیا ج ۳ ص ۱۸۵)

غور کریں اور بار بار غور کریں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہاں کیا کہہ گئے ہیں؟
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ: مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”ہمارے اکابر علماء حضرت امام اعظم کی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسلک کو رائج اور قوی سمجھتے ہیں۔

(سہ ضروریہ بحوالہ نداء حق، اعلان حق دوم ص ۴۵، اول ص ۳۵)

جواب: مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ پہلے عام مردوں کے سننے کے منکر تھے (نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع کے) اور یہ حوالہ بھی اسی دور کا ہے مگر بعد میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر انکار سے رجوع کر کے سماع موتی کے قائل ہو گئے تھے، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: ”سماع موتی کا مسئلہ صحابہ کے زمانہ سے مختلف فیہ رہا ہے، حضرت شاہ صاحب کا اس بارے میں جو نقطہ نظر فیض الباری میں نقل کیا گیا ہے وہ اس عاجز کے نزدیک صحیح اور قائل قبول ہے۔“

(ماہنامہ الفرقان ہائی الفرقان نمبر اپریل سنہ ۱۹۹۸ء ص ۴۹۷)

اور سماع صلاۃ و سلام عند القبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پہلے سے مانتے ہیں اس کے لئے معارف الحدیث پڑھیں (آخر میں اس کا حوالہ درج ہے)

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ: لکھتے ہیں (فرماتے ہیں بہت سی آیات سماع موتی کی نفی کرتی

(جواہر القرآن، ص ۲۵ طبع دوم)

ہیں۔

جواب: مگر یہ بھی فرماتے ہیں ”سماع موتی کا مسئلہ زمان صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے (نہ کہ اجماع سکوتی ہے) یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی و اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے (کہ سماع عند القبر ماننے والے مشرک ہوں) بلکہ یہ ایک علمی و تحقیقی بحث ہے۔ امت محمدیہ کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دورائیں رہی ہیں (نہ کہ اجماع ہو گیا) علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے جب کہ قائلین سماع بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔“

(جواہر القرآن تفسیر سورہ روم، حیات الاموات ص ۵۵)

مگر یہ سب باتیں مولوی صاحب کو ہضم نہیں ہوتیں، عدم سماع پر ہی زور ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کا استثناء نہیں ہے، مولانا غلام اللہ خان کے عقیدہ کے لئے مولانا عبدالمعبد کی کتاب عقیدہ شیخ القرآن پڑھ کر قارئین اپنی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں۔

مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ: لکھتے ہیں (ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند فرماتے ہیں مردے میں سننے کی

(کشف الرحمان ص ۵۸)

صلاحیت نہیں۔

جواب: اس سے پہلے کی عبارت بھی لکھنی چاہیے تھی، فرماتے ہیں: ”فرمایا تو نہیں سنا تا قبروں میں پڑوں

کو، حدیث میں آیا ہے کہ مردوں سے سلام ملے کہ وہ سننے میں ہیں اور بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سستی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑوہ نہیں سن سکتا۔“

(کشف الرحمان ج ۲ ص ۶۹۷)

اس سے ظاہر ہوا کہ وہ مردہ کی روح کے سلام سننے کے قائل ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ روح قریب ہوگی تب سننے کی تو وہ ظاہر کر رہے ہیں کہ سماع عند القبر ہوتا ہے اور اس سماع میں روح اصل ہے اکیلا جسم عنصری خود نہیں سنا اور

یہ جو فرمایا کہ مردے میں سننے کی صلاحیت نہیں اس سے جسم غصری مراد ہے، جس کو دنیا کے اعتبار سے میت کہتے ہیں اگرچہ برزخی حیات سے زندہ ہے۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ: مجموعۃ الفتاویٰ کے حوالے سے ان کی ایک عبارت مولوی صاحب نے (اور نیلوی صاحب نے احسن العقائد میں) نقل کی ہے ”سماع موتی ثابت نیست“ اس عبارت کو تلاش کرنے میں کافی دقت ہوئی آخر الحمد للہ! ہم نے پالی، حقیقت یہ ظاہر ہوئی کہ مولوی صاحب نے اتنی بات تو سچ کہی ہے کہ یہ مجموعۃ الفتاویٰ میں ہے مگر یہ غلط بیانی کی ہے کہ مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دراصل ایک سائل نے نو سوال بھیجے جن کا جواب مولوی محمد اسحاق بڑوسری بہاری نے دیا ان جوابات کے شروع میں لکھا ہوا ہے: ”جوابات مولوی محمد اسحاق صاحب“ اور جوابات کے اختتام پر تحریر ہے: ”حررہ محمد اسحاق بڑوسری بہاری“ سائل کے ان سوالات میں دوسرے سوال کے جواب کے درمیان میں مسئلہ تلقین ذکر ہے اس کے متعلق مولوی اسحاق صاحب نے ذکر کیا: ”بناء علیہ فقہاء حنفیہ ما دریں بارہ مختلف انداکثر قائل عدم جواز اند بریں بناء کہ سماع موتی ثابت نیست و واضح باد کہ ہمیں مذہب اکثر فقہاء قائل فتویٰ زمانہ ماسمت چہ کہ دریں احتیاط است۔“

(مجموعۃ الفتاویٰ بر حاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۲ جزء ۴ ص ۳۳۳ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی بناء پر ہمارے فقہاء احناف کا اس میں اختلاف ہے اکثر تلقین کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں اس بناء پر کہ سماع موتی ثابت نہیں ہے۔ واضح ہو کہ یہی اکثر فقہاء کا مذہب ہمارے زمانہ میں فتویٰ کے قائل ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے۔

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ تلقین کے بارے میں احناف میں اختلاف ہے جو تلقین کو ناجائز کہتے ہیں وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ سماع موتی ثابت نہیں ہے، یعنی تلقین کو جائز کہنے والوں کے نزدیک سماع ثابت ہے، پہلا قول اکثر احناف کا ہے نہ کہ اکثر امت کا اور دوسرا قول متعدد احناف کا ہے، آج کے دور میں بناء بر احتیاط تلقین ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا جائے، اس سے ظاہر ہوا کہ مولوی اسحاق کے نزدیک بھی سماع موتی کے ایک پہلو عدم سماع پر اجماع نہیں جیسے مولوی صاحب کا دعویٰ ہے، نیز ثابت ہوا کہ وہ احناف بھی ہیں جو سماع موتی کے قائل ہیں، تو یہ فتویٰ پوری طرح مولوی صاحب مع جماعت کے حق میں نہیں، بہر حال یہ نہ مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے اور نہ مولوی اسحاق کے اس فتویٰ پر مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ کی تصدیق الجواب صحیح وغیرہ الفاظ سے ہے پھر نامعلوم اس کو مجموعۃ الفتاویٰ مولانا عبدالحئی میں کیوں درج کیا گیا؟ اب مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ کا مسلک کیا ہے؟

سماع موتی کی احادیث متواتر ہیں: (۱) مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الرشید میں سماع موتی کے اثبات پر تفصیل سے بحث کی ہے بحث کے آخر کی یہ عبارت ذرا جگر تھام کر سنیں وہ فرماتے ہیں: ”فانظر الی هذه الاموات کیف انکر و اسماع الاموات و حسہم و نطقہم و شعورہم و ادراکہم و شبہوہم بالجمادات الخالیة عن مطلق الادراکات مع ثبوت ذالك بما يبلغ بمجموعه الی حد التواتر المعنوی وان لم یکن شیء منه متواتر ابعینہ بالتواتر اللفظی الخ“ (تذکرۃ الرشید ص ۴۶۶، ۴۶۷ طبع انوار محمدی لکھنؤ طبع ۱۳۰۱ھ) ان (سماع موتی کے منکر) مردوں کو دیکھو کہ کیسے مردوں کے سننے اور ان کے احساس اور بولنے کا اور ادراک کا انکار کرتے ہیں اور ان کو ان جمادات سے تشبیہ دیتے ہیں جو مطلق ادراکات سے خالی ہیں؟ حالانکہ اتنی روایات ثابت ہیں جو مجموعہ کے لحاظ سے تواتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں اگرچہ طبعہ طور پر ان میں سے کوئی معین تواتر لفظی کو نہیں پہنچی ہوئی ہے۔“

یہاں (۲) علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا فرمان بھی اسی کی مناسبت سے ذکر کرنا مناسب ہے فرماتے: ”اقول والاحادیث فی سماع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر“ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں کہتا ہوں کہ مردوں کے سننے کے بارے میں احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

(۳) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ سے بھی علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں: ”وقد تواترنا لأخبار عنهم بذلك“ (فیض القدر ج ۲ ص ۵۱۴) مردوں کے سننے کی احادیث متواتر ہیں۔

(۴) مولانا نور الحسن شاہ صاحب رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں: ”عام موتی عالم برزخ میں سلام کرنے والے کا سلام سننے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور یہ سب کچھ حد تواتر کو پہنچی ہوئی احادیث سے ثابت ہے۔“ (حیات الاموات ص ۱۲۷) عقلمند کے لئے مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کے لفظ کافی اور خوب ہیں کیا اس کے بعد بھی ان کو منکر سماع قرار دیا جاسکتا ہے؟ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ: رسالہ کے طبع دوم میں مولوی صاحب نے شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ: ”اصل تو یہی ہے کہ اموات کا مستقل سننا ثابت نہیں، انک لا تسمع الموتی و لا تسمع الصم الدعاء الا یہ آیت قرآن اس بارے میں نص ہے، اگر کسی جگہ کوئی خاص واقعہ سننے کا ثبوت مل جائے تو وہ خرق عادت اور کرامت پر محمول ہوگا۔“ (کتب فضائل پراشکالات اور ان کے جوابات ص ۱۱۴)

جواب: مولوی صاحب نے یہاں بھی کچھ خیانت کر لی ہے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ آیت قرآنی اس بارے میں نص ہے اور اسی وجہ سے مشائخ کی قبور پر جا کر ان کو مخاطب کر کے ان سے طلب کو ناجائز کہتے ہیں البتہ براہ راست اگر اللہ جل شانہ سے ان کے وسیلہ سے کوئی دعا مانگی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں، اس کے علاوہ اگر کسی جگہ خاص کوئی واقعہ سننے کا ثبوت مل جائے تو وہ خرق عادت اور کرامت پر محمول ہوگا جس کو حجت یا سبب جگہ جاری نہیں کیا جاسکتا، آپ کا یہ کہنا کہ حضرت خواجہ صاحب کا اپنی قبر میں زندہ ہونے میں کیا اشکال ہے؟ واقعی حضرت خواجہ صاحب اور دیگر بزرگان دین کے علو شان میں تو کوئی انکار نہیں، لیکن احادیث میں صرف انبیاء کی خصوصیت آئی ہے۔“ (کتب فضائل پراشکالات ص ۱۴۴، ۱۴۵)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ”(خواب کے واقعہ میں) میت نے یہ کہا کہ جواب دینے کی اجازت نہیں ہوئی تھی، اس سے خود سمجھ میں آ گیا کہ سننے کی اجازت ہوگی، یہی حقیقت ہے ہمارے اکابر کے نزدیک اموات کے سننے کی کہ اللہ کی اجازت پر موقوف ہے وہ چاہے تو سنو ادے، نہ چاہے تو نہ سنو، اس خواب کے قصہ سے زیادہ صاف و رواضح تو بخاری شریف کی وہ حدیث ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ”ان الميت لیسمع قرع نعالہم“ وارد ہوا ہے، کہ میت جو توں کی آہٹ بھی سنتی ہے اور خود حضور اقدس ﷺ کا بدر کے مقتولین کو جو کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تھے خطاب فرمانا اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ اشکال کیا کہ آپ اموات سے خطاب کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے ان (کفار) کے متعلق خوب سننا بیان فرمایا اور اسی قسم کی اور روایات حدیث جن سے اموات کا سننا معلوم ہوتا ہے۔

اگرچہ دوسری نصوص سے مردوں کا نہ سننا بھی معلوم ہوتا ہے، اسی وجہ سے یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے برابر اختلافی چلا آ رہا ہے، صحابہ کی ایک بڑی جماعت مردوں کے سننے کی قائل ہے اور دوسری ایک جماعت صحابہ کرام کی اس کا انکار کرتی ہے اور اس کے بعد سے اب تک علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہوتا چلا آیا ہے۔ اسی بناء پر ہمارے اکابر نے مختلف نصوص میں اس طرح جمع کیا ہے کہ یہ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ چاہے تو کسی بزرگ کو بلکہ کسی عامی مسلمان کو بھی سنو ادے۔“ (کتب فضائل پراشکالات ص ۱۴۱، ۱۴۲ طبع مکتبہ ظلیل لاہور)

ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ (۱) دعائیں وسیلہ جائز ہے (۲) مسئلہ سماع موتی عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے اب تک اختلافی چلا آرہا ہے، کسی جانب پر اجماع (سکوت) نہیں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سماع ثابت مانتی ہے دوسری ثانی ہے (۳) رائج مرجوح کا مسئلہ ہے کفر و اسلام، توحید و شرک کا مسئلہ نہیں یہ باتیں مولوی صاحب کے مسلک کے بالکل خلاف ہیں (۴) البتہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے عام مردوں کے سماع نہ ہونے کو رائج ٹھہراتے ہوئے اصل اور قانون قرار دیا تاہم جوتوں کی آہٹ سننے کو تسلیم کیا اور جہاں سماع کے ثبوت کا کوئی واقعہ ہوا اس کو خرق عادت ٹھہرایا، لیکن یہ بات عام مردوں کے بارے میں ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ انبیاء علیہم السلام کا سماع مانتے ہوئے ان کو اس قانون سے خارج کرتے ہیں جیسا کہ فضائل درود شریف اور اوجز المسالک وغیرہ میں تفصیل سے گفتگو فرمائی جس کے حوالے الصراط السوی میں ذکر ہو گئے ہیں اور یہاں بھی فرمادیا کہ احادیث میں انبیاء کرام کی خصوصیت آئی ہے۔

کتاب ”فاتحہ کا صحیح طریقہ“ کا حوالہ: لکھتے ہیں علماء دیوبند کی متفقہ کتاب بمع ضمیمہ میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جب چاہے کسی زندے کا کلام مردے کو سنا سکتا ہے البتہ عام قانون یہی ہے کہ مردے نہیں سن سکتے دنیا کے سب سے افضل اور برتر انسان حضرت محمد ﷺ کے لئے عام قانون بھی یہی ہے وہی اس آیت ربانی کے مخاطب ہیں۔ (فاتحہ کا صحیح طریقہ ص ۱۱۰ مطبوعہ دیوبند، اعلان حق ص ۳۸)

جواب: فاتحہ کا صحیح طریقہ کتاب کے مصنف مولانا قاضی محمد اسماعیل ہیں اور اس کتاب کے مندرجات پر جو اعتراضات کئے گئے اور ان کا جواب لکھا گیا اس کے مصنف بھی وہی ہیں، علماء دیوبند نے اصل کتاب کی تصدیق کی ہے لیکن جس حصہ میں محولہ بالا عبارت درج ہے، وہ علماء دیوبند کے مصدقہ حصہ سے خارج اور اضافی ہے جس کے لکھنے والے مولوی ریاست علی ہیں، وہ حصہ ہرگز علماء دیوبند کا مصدقہ نہیں ہے اور مولوی ریاست علی پر شاید مماتیت کی چھاپ ہے جو اپنی طرف سے بلا ثبوت اس قانون کو عام بتا رہے ہیں، جناب اپنے متعلق لکھتے ہیں: ”ہم وہ عقیدہ تسلیم نہیں کرتے جس کا ثبوت قرآن یا حدیث متواتر سے نہ ہو، ہمارے مخالفین اپنا عقیدہ ضعیف روایتوں سے پھفلٹوں، رسالوں سے ثابت کرتے ہیں۔“ (ص ۷)

تو کیا فاتحہ کا صحیح طریقہ کا وہ حصہ قرآن مجید ہے یا حدیث متواتر ہے؟ اب آپ جناب بھی مخالفین کی طرح پھفلٹوں اور رسالوں سے اپنا عقیدہ ثابت کرنے لگے ہیں تو آپ کے عقیدہ کے لئے پھفلٹ اور رسالہ قرآن یا حدیث متواتر کا حکم رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں، قرآن مجید کی ایک نص قطعی الدلالت یا ایک بھی حدیث متواتر قطعی الثبوت والدلالت یا خبر واحد نہیں ہے جو نبی کریم ﷺ کے سماع عند القبر کی نفی کرے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللغات ج ۳ ص ۴۲۳) اور حضرت گنگوہی اور مولانا نور الحسن شاہ صاحب (حیات الاموات) کی تصریحات ذکر ہو گئی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا سماع عند القبر اختلافی نہیں بلکہ اجماعی ہے، تو مولوی ریاست علی کی بات اس اجماع کے مقابلہ میں کتنی پوزیشن رکھتی ہے؟

دلیل مدعی کے ذمہ؟ کہتے ہیں مشہور حدیث ہے کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہے تو دلیل آپ کے ذمہ ہے، کیونکہ آپ حضرات نبی کریم ﷺ کے عند القبر سماع کے مدعی ہیں، تو آپ پر لازم ہے کہ عقیدہ پر قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کریں یا حدیث متواتر پیش کریں یا بطور تائید کے تمام صحابہ کرام میں سے کسی صحابی کا عقیدہ صحیح سند کے ساتھ پیش کریں، یا ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کا مستند حوالہ چاہئے جس نے سماع عند القبر کو عقیدہ بنایا ہو۔ (اعلان طبع دوم ص ۴۶، ۴۷)

جواب: اپنی جان چھڑانے کا یہ آسان نسخہ آپ کے ہاتھ لگا اس لئے تو سرگودھا مناظرہ میں آپ اپنا دعویٰ اور عقیدہ لکھنے تک کو تیار نہ ہوئے اور بھاگ آئے (۱) اگر صرف ہم مدعی ہیں اور آپ منکر محض ہیں اور کوئی دعویٰ

نہیں رکھتے اور آپ کے ذمہ دلیل نہیں تو آپ نے حدیث نبوی کی مخالفت کر کے اپنے عقیدہ کو حق ثابت کرنے کے لئے یہ رسالہ کیوں تحریر کیا؟

(۲) جناب والا! ہر فریق ایک اعتبار سے مدعی ہے اور ایک اعتبار سے منکر ہے، جناب اس اعتبار سے مدعی ہیں کہ قبر میں نبی کریم ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کو مردہ بے جان کہتے ہیں اور عدم سماع عند القبر قانون مانتے ہیں اور اس اعتبار سے منکر ہیں کہ ہمارے دعویٰ حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کے منکر ہیں۔

(۳) ایک منکر بلا دلیل ہوتا ہے اور ایک منکر بالدلیل ہوتا ہے، جو منکر بالدلیل ہو وہ بھی من وجہ مدعی ہوتی ہے تو جناب بھی من وجہ مدعی ہیں اس لئے جناب سے عدم سماع عند القبر کی دلیل کا مطالبہ کرنا حق ہے حدیث کے خلاف نہیں۔ باقی ہم نے اپنے مسلک کے دلائل اور حوالے ذکر کر دیئے ہیں، دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں (اور عام مردوں کے سننے کی احادیث آگے ذکر ہوں گی۔ ان شاء اللہ)

مزید لکھتے ہیں: ”قرآن و حدیث میں جب عام قانون بیان ہوتا ہے تو وہ قانون اپنے ماتحتوں کو شامل ہوتا ہے، جب تک اس قانون کی کسی خاص صورت کا عقیدہ یا عملاً خلاف ورزی کا اظہار نہ ہو تو اس وقت تک امت میں اس عقیدہ یا عمل کی تردید سامنے نہیں آتی۔“ (ص ۷۷)

جواب: (۱) اگر سب مردوں کے نہ سننے کا قانون قطعی ثابت ہوتا تو ہرگز امت میں عہد اول سے آج تک اختلاف نہ ہوتا، یہ اختلاف دلیل ہے کہ عدم سماع موتی کا قانون قطعی نہیں ہے،

(۲) اگر بالفرض یہ قانون ہو تو متعدد نصوص صحیحہ نبی کریم ﷺ کو اس قانون سے خارج کرنے والی موجود ہیں (جیسے حدیث ”من صلی علی عند قبری سمعته اور حدیث و لیسلمن علی و لاردن علیہ“ اور حضرت بلال بن حارث مزی اور حضرت ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر سلام و خطاب اور سب اسلاف کی تصریحات موجود ہیں اور اجماع نقل ہو گیا اور ایک مستند بزرگ بھی یہ لکھنے والا آج تک نہیں ہوا کہ آپ ﷺ قبر مبارک کے پاس حاضر شخص کا صلاۃ و سلام نہیں سنتے) اگر ان نصوص صحیحہ کے بعد بھی کوئی شخص حضور ﷺ کو اس قانون میں داخل کرتا ہے تو اس کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ثبوت دے، اگر ہمیشہ سے ایک زمین زید کے قبضہ میں ہے اور اس کے پاس کاغذات بھی ہیں پھر کوئی شخص کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ یہ زمین زید کی نہیں اور اس کے کاغذات جعلی ہیں تو اب عدالت اس سے ثبوت مانگے گی، کیونکہ زید کی ملکیت کا ثبوت تو پہلے سے چلا آ رہا ہے، اب یہ شخص کہے کہ جی ثبوت زید کے ذمہ ہے، میرے ذمہ نہیں اور زید جو ثبوت دیتا ہے تو یہ اس کو جعلی مانتا ہے تو اب عدالت اسی سے اس کے دعویٰ کا ثبوت مانگے گی کہ جناب زید کے کاغذوں کا جعلی ہونا اور اس کی ملکیت نہ ہونا ثابت کرو۔

عدم سماع موتی قانون؟ لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس قانون کی وضاحت یوں فرمائی ان الله یسمع من یشاء و ما انت بمسمع من فی القبور، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سنا دے آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون کی ہیں۔ (اعلان حق طبع دوم ص ۸۸)

جواب: اس آیت کے ترجمہ سے بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اور ایسے ہی انک لا تسمع الموتی میں عدم سماع کا قانون بیان نہیں فرمایا بلکہ اپنی قدرت عامہ کا اثبات اور نبی کریم ﷺ سے قدرت عامہ کی نفی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے جس کو سنائے اور حضور ﷺ کو قدرت نہیں کہ جس کو سنانا چاہے سنا دے، جیسے انک لا تہدی من احببت و لکن الله یہدی من یشاء میں اللہ تعالیٰ کی قدرت عامہ کا اثبات اور نبی کریم ﷺ کی

قدرت عامہ کی نفی ہے، تو اس میں قدرت کا ذکر ہے نہ کہ قانون کا۔

اس کے بعد چوتھے باب میں مولوی صاحب نے سماع موتی کے قائلین کے شبہات کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، ان میں سے جو باتیں الصراط السوی میں ذکر ہو گئیں ان کو ہم نہیں دہراتے۔

فتاویٰ رشیدیہ کے ایک فتویٰ پر مولوی صاحب کا تبصرہ: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ”(جو مولانا)

رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں، (فتاویٰ رشیدیہ ۹۹) یہ عبارت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہے، پھر مولوی صاحب نے اس کے ثبوت میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۳۱۳ھ میں ان کی پینائی چلی گئی تھی اس کے بعد فتاویٰ کا جواب مولانا تکلی دیا کرتے تھے، سماع موتی کا جو مسئلہ فتاویٰ میں درج ہے مولانا عزیز الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی کا فتویٰ اس کے خلاف نقل کرتے ہیں، تو فتاویٰ رشیدیہ کا مسئلہ سماع موتی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ نہیں پس اجماع کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (نیروی صاحب نے بھی اسی کا سہارا لیا ہے۔)

جواب: فتاویٰ رشیدیہ میں یہ فتویٰ دو جگہ درج ہے ایک جگہ لکھنے والے مولانا محمد حسن مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں

یہ ۱۳۰۵ھ میں لکھا جس پر حضرت گنگوہی کے دستخط ان الفاظ میں ہیں: ”الجواب بهذا التفصیل صحیح رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (ص ۶۰) تو یہ ۱۳۱۳ھ سے پہلے کا فتویٰ ہے دوسرے فتوے کو خود حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اور دستخط ہیں رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (ص ۱۱۲) اس کا سن معلوم نہ ہوا، یقینی بات ہے کہ دستخط بتاتے ہیں کہ یہ بھی ۱۳۱۳ھ سے پہلے کا ہے، رہا حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان تو اس میں مسئلہ سماع موتی کا حوالہ دیا گیا ہے نہ کہ مسئلہ استمداد از اہل قبور کا اور یہ عبارت تو مسئلہ استمداد کی ہے نہ کہ مسئلہ سماع موتی کی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سماع عند القبر پر اجماع: اور اجماع کی جہاں تک بات ہے تو وہ جناب کے سر پر سوار

ہے اور سوار رہے گا۔ ان شاء اللہ! اجماع کی دلیل اختلاف نہ ہونا ہے نہ کہ صرف حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ، جناب بیع پارٹی کو چیلنج تھا اور ہے اور رہے گا کہ صرف اور صرف ایک مستند بزرگ کا حوالہ لائیے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع کا انکار ہی ہو تب ہی اجماع ٹوٹے گا اور ایسا حوالہ قرض تھا اور ہے اور رہے گا۔ ان شاء اللہ!

جناب کی مسلم کتاب میں حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اگر حق وعدل کی

نگاہ سے دیکھا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع سلام و جواب سلام کے انکار کا اصولی طور پر بھی کوئی جواز نہیں، اگر اس مسئلہ میں کوئی خاص دوسری دلیل نہ بھی ہو تو بھی عمومی دلائل کتاب و سنت اور اجماع امت سے سماع و جواب سلام ثابت اور حق ہے چہ جائے کہ اس موضوع پر دوسرے دلائل بھی موجود ہیں اور کتب احادیث میں متعدد احادیث اس باب میں مروی و منقول ہیں۔“

دیکھئے جناب مولانا نور الحسن رحمۃ اللہ علیہ امت کا اجماع نقل فرما رہے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: ”باید دانست کہ اختلاف در غیر انبیاء ست صلوات اللہ

سلامہ علیہم اجمعین۔“ (افہام المعانی ج ۳ ص ۲۲۳)

جاننا چاہیے کہ سماع موتی کا اختلاف انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے مردوں کے بارے میں ہے۔

(انبیاء علیہم السلام کے سماع میں اختلاف نہیں)

اب یک نحد متعدد شد ذرا ایک صاف صریح حوالہ دے کر ہلایئے اس کو تو بات ہو اور ہم بلا جھجک یہ کہتے

ہیں کہ ان کی پوری جماعت ایک حوالہ بھی پیش کرنے سے اب تک قاصر ہے اور انشاء اللہ قاصر رہے گی۔ مگر ہدایت بھی تب ملے گی جب ضد چھوڑیں گے۔

سماع موتی اور احادیث: سماع موتی کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان میں سے بعض پر مولوی صاحب نے جرح کی ہے، ان کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی حدیث کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتا ہے: (۱) بخاری مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ مردہ جوتوں کی آہٹ سنتا ہے لفظ ہیں انہ یسمع قرع نعالمہم (کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے سانھی چلے جاتے ہیں ابھی) وہ جانے والوں کی جوتیوں کی کھسکاہٹ سن رہا ہوتا ہے (کہ اچانک دوفرشتے آ جاتے ہیں) (بخاری ج ۱ ص ۱۷۸، مسلم ج ۲ ص ۳۸۶، ابوداؤد ص ۱۰۴، مسیح ابن حبان، الاحسان رقم الحدیث ۳۱۲۰)

اس کے جواب میں مولوی صاحب نے کئی باتیں کی ہیں:

(۱) قطب العالم حضرت رشید احمد گنگوہی نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ اس سے فرشتوں کی جلد آمد مراد ہے سرعت اتیان ملائکہ سے کنایہ ہے یعنی انہ یسمع قرع نعالمہم مجہول صیغہ ہے البتہ جوتیوں کی آہٹ سنائی جاسکتی ہے یعنی جوتیوں کی آہٹ وہاں باقی ہوتی ہے کہ حساب کتاب شروع ہو جاتا ہے۔

جواب: (۱) اگر فتاویٰ رشیدیہ میں مسئلہ سماع موتی وغیرہ مولانا یحییٰ کالکھا ہوا مستند نہیں تو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کو کب دری کیوں مستند ہے؟

(۲) حضرت گنگوہی کی عبارت سے صرف مجموعہ حدیث کا مطلب ظاہر ہو رہا ہے کہ لوگوں کی جوتیوں کی آہٹ ابھی قبرستان میں موجود ہوتی ہے کہ فرشتے آ جاتے ہیں اور حساب کتاب شروع ہو جاتا ہے، حضرت گنگوہی کی عبارت میں یہ بات کہیں نہیں ہے کہ یسمع معروف کے بجائے یسمع مجہول ہے اس لئے جناب کو یہ مطلب اپنی طرف سے بار بار یعنی یعنی کہہ کر نکالنا پڑا اور کسی بھی محدث نے مجہول روایت نہیں کیا، تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ باب کے عنوان میں معروف ہونا ظاہر کرتے ہیں باب الميت یسمع خفق النعال باب اس بیان میں کہ مردہ لوگوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے، علامہ عینی (عمدة القاری ج ۲ ص ۱۵۷) اور ابن القیم (الروح ص ۱۰) اور محمد طاہر گجراتی (مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۳۶۱) اور قسطلانی (ارشاد الساری ج ۲ ص ۳۵۵) اور مولانا عبدالحق محدث دہلوی (احمد الممعات ج ۱ ص ۱۲۴) وغیرہم رحمہم اللہ معروف بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس تاویل کو رد کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا انہ الان یسمع خفق نعالمکم مردہ ابھی تمہارے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۱۵) اس میں فرشتوں کا کچھ بھی ذکر نہیں تو یہ تاویل یہاں کیسے فٹ کر دے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث بھی اس تاویل کو رد کرتی ہے ان الميت اذا دفن سمع خفق نعالمہم اذا ولوا عند منصرفین، میت جب دفن کر دی جائے وہ اس وقت لوگوں کی جوتوں کی کھسکاہٹ سنتی ہے جب لوگ اس سے منہ پھیر کر واپس ہوتے ہیں۔ (الجامع الصغیر ج ۵ ص ۲۱۳ طبرانی کبیر حدیث حسن، قال الہیثمی رجالہ ثقات، فیض القدیر) علامہ مناوی فرماتے ہیں ای قعقة نعالمہم ای المشیعین لہ (فیض القدیر ج ۲ ص ۵۱۴) یعنی میت کو رخصت کرنے والوں کی جوتوں کی آہٹ میت سنتی ہے۔

(۲) دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ اس میں عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ شیعہ راوی ہے یہ وہی راوی ہے جس کی

ابن ماجہ میں قرآن مجید بکری کے کھا جانے کی روایت مذکور ہے جس میں آیت رجم بھی اور مسئلہ رضاعت تھا محمد بن سعد نے فرمایا یس بالقی (میزان الاعتدال) اور ایک روایت میں قتادہ بن دعامہ ہے جو مدلس اور قدری تھا، نیز ابن العابدین نے فرمایا کہ یہ حدیث قرآن کے مخالف ہے۔ (اعلان حق ص ۴۲)

جواب: مولوی صاحب پوری بات نقل نہ کرنا اپنی دیانت سمجھتے ہیں، لیجئے سنیں! کہ عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ

کون ہے؟ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں البصری السامی ابو محمد ثقة من الثامنة مات سنة تسع وثمانين ع۔ (تقریب ج ۱ ص ۵۵۱) بصرہ کا رہنے والا اور السامی ہے ابو محمد کنیت ہے ثقہ ہے آٹھویں طبقہ کا ہے۔ ۸۹ھ کو فوت ہوا صحاح ستہ کا راوی ہے، علامہ محمد طاہر ہندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رمی بالقدرو ثقہ جماعة واحتج به کلہم (قانون الموضوعات ص ۲۶۷) فرقہ قدریہ ہونے سے متہم ہے جب کہ ایک جماعت نے اس کو ثقہ کہا ہے اور سب محدثین نے اس کی روایات قابل حجت سمجھی ہیں، علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وثقہ یحییٰ بن معین وقال محمد بن سعد لم یکن بالقوی وقال احمد کان یری القدر حضرت یحییٰ بن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے جب کہ محمد بن سعد نے کہا قوی نہیں اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرقہ قدریہ کی رائے رکھتا تھا، امام ذہبی فرماتے ہیں صدوق صاحب حدیث و معرفة سچا راوی ہے اور محدث اور معرفت حدیث رکھنے والا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۳۱) اور تذکرۃ الحفاظ (ج ۱ ص ۲۱۷) میں الحدیث العالم کے الفاظ سے ان کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں حدیث فی الكتب الستة وثقة غیر واحد اس کی حدیث صحاح ستہ میں ہے اس کو بہت سے علماء نے ثقہ کہا ہے اور (المغنی ج ۱ ص ۵۸۲) میں فرماتے ہیں صدوق یہ سچ بولنے والا راوی ہے، ابن معین، ابو زرہ، عجل، نسائی، ابن حبان، ابن نمیر، ابن وضاح وغیرہ نے ثقہ اور لا باس بہ کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۳۰) اور فرقہ قدریہ سے تعلق ہونے سے ان کی روایت پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا، ایسے ہی موقع پر علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فلنا صدقه وعلیه بدعتہ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵) ہمارے لئے تو اس کی سچائی ہے اور اس کی بدعت اسی پر ہے اور بکری کے قرآن کھا جانے کی روایت میں ممکن ہے کہ کسی اور راوی سے غلطی ہوئی ہو اور اگر وہ روایت صحیح بھی ہو تو بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بھی صحائف تھے تو ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعت کبیر اور آیت رجم والے صحیفے کو بکری نے کھایا ہو تو اہل سنت کا کیا بگڑا؟ بہر حال جب سب محدثین نے اس کی احادیث سے حجت لی ہے تو ایک ابن سعد کی جرح کو محدثین نے قبول نہیں کیا ہے، بالخصوص وہ حدیث جو بخاری شریف میں ہے اس کو مولوی صاحب ضعیف کہہ کر بخاری شریف کے خلاف تحریک عدم اعتماد چلانے والے منکرین حدیث کی کمر مضبوط کر رہے ہیں، جب کہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے اکابرین اہل سنت کیا فرما رہے ہیں۔

صحیح بخاری کی سب احادیث صحیح ہیں: حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں: ”فہذا

ینافی ما علیہ العلماء من الحكم بتصحيح جميع ما اورده البخاري في كتابه وهذا الذي قاله تخيل فاسد“ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۵ کتاب مناقب الانصار باب القسامۃ فی الجاہلیۃ) بخاری کی روایت پر طعن علماء کے اس اتفاق کے خلاف ہے کہ بخاری کی سب مروی احادیث صحیح ہیں، لہذا تشکیک پیدا کرنے کا قول منخیل فاسد ہے۔ (قائل کی دماغ خرابی ہے)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ائمہ حدیث براین امر اتفاق کردہ اند کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری باز صحیح مسلم است و بریں امر ہم اتفاق کردہ اند کہ جملہ رواۃ صحیحین قابل قبول و متبع شرائط قبول ہستند۔

الح ۱

(مجموعۃ التتادی بر حاشیہ خلاصۃ التتادی طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج ۱ ص ۶۰، ۶۱)

محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب کتابوں سے اصح بخاری پھر مسلم ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم کے سب راوی قابل قبول ہیں جن میں قبول کرنے کی سب شرطیں موجود ہیں، صرف چند راویوں پر دارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے لیکن شارحین حدیث خصوصاً علامہ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں ان جرحوں کو رد کیا ہے۔

پھر یہ دیکھنا بھی لازم ہے کہ کیا اس حدیث کی سند بس ایک ہے؟ صحیح یہ ہے کہ اس حدیث کی سندیں ایک سے زیادہ ہیں، ابوداؤد کی سند میں راوی محمد بن سلیمان اباری، عبد الوہاب بن عطاء، سعید، قتادہ رضی اللہ عنہ ثقہ راوی ہیں، ان میں کہیں عبد الاعلیٰ نہیں ہے، صحیح ابن حبان کے راوی حسن بن سفیان شیبانی، عباس بن ولید نرسی، یزید بن زریج، سعید، قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں ان میں بھی کوئی عبد الاعلیٰ نہیں ہے، امام ابن ابی حاتم نے بسند عباس بن ولید نرسی یزید بن زریج سے روایت کی ہے۔ (السعصعہ ص ۲۰۵ ج ۸۸۹) نسائی (حدیث نمبر ۲۰۲۸) میں امام نسائی کے استاذ راوی احمد بن ابی عبد اللہ الوراق یزید بن زریج سے روایت کرتے ہیں، دوسری سند یہ بھی ذکر فرمائی کہ دو حضرات محمد بن عبد اللہ بن مبارک اور ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق یونس بن محمد سے وہ شیبان سے وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں ان سندوں میں بھی عبد الاعلیٰ راوی نہیں ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (جامع مغیرج ص ۱۷۷ رقم الحدیث ۲۰۷۲) میں مسند احمد، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کر کے اس کو صحیح کہتے ہیں۔

نیز امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی دو سندوں سے روایت کیا ہے اور فرماتے ہیں: ”هذا حديث صحيح على شرط مسلم“ (مستدرک ج ۱ ص ۲۸۸، ۲۸۹) کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تلخیص المستدرک میں امام حاکم کی تائید کی ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ طبرانی اوسط کے حوالے سے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر فرما کر فرماتے ہیں ”اسنادہ حسن“ کہ اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۷۴ رقم الحدیث ۲۲۶۹ طبع دار الفکر بیروت طبع ۲۰۰۵ء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت سماع قرع نعال والی بحوالہ مسند بزار ذکر فرما کر علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس کی سند کو بھی حسن کہتے ہیں اور ان دونوں میں فرشتوں کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۷۹، ۸۰ رقم الحدیث ۲۲۷۹، مسند اسحاق بن راہویہ مطبوعہ جلد ۱۳۶ رقم الحدیث ۲۹۶) امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مصنف (ج ۳ ص ۲۵۸ طبع طیب اکیڈمی ملتان) میں بسند صحیح حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے جس کے راوی یزید بن ہارون، محمد بن عمرو بن علقمہ اور ابوسلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ ہیں جو سب صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ اور سچے ہیں۔ (تقریب ملاحظہ ہو)

ایک اور روایت بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بحوالہ طبرانی اوسط امام بیہقی نے ذکر فرمائی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہ الان یسمع خفق نعالکم ابھی میت تمہارے جوتوں کی کھسکاہٹ سن رہا ہے، اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے جس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مقامات میں اور کئی محدثین نے حسن الحدیث کہا ہے۔ (ج ۳ ص ۱۷۷، ۱۷۸) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی سند صحیح سے حدیث ابو ہریرہ روایت کی ہے۔ (الاعتقاد ص ۱۳۳) اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ طبرانی کبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث سمع قرع نعال ذکر فرما کر اس کے متعلق فرماتے ہیں ”رجالہ ثقات“ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۷۸ رقم الحدیث ۲۲۷۷) نیز حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ

کی طویل حدیث جو ابوداؤد اور امام احمد رحمہما اللہ وغیرہ نے روایت کی ہے اور سند صحیح ہے۔ (اور معارف القرآن کے حوالے سے مولانا امیر عبد اللہ نے اس کو ذکر کرتے ہوئے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ (اعلان حق ص ۴۶)) اس میں بھی ”انہ لیسمع خفق نعالہم“ کے الفاظ ہیں (عمدة القاری ج ۸ ص ۲۰۶ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۶ طبع مکتبہ حقانیہ ملتان) تو حدیث مع قرع نعال کے راوی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چار صحابی (حضرت انس ابو ہریرہ، ابن عباس، براء بن عازب رضی اللہ عنہم) ہیں تو حدیث مشہور کی تعریف میں داخل ہوئی۔ (الباعث الحسین ص ۸۷، قواعد فی علوم الحدیث) جس کے مضمون کا انکار بعض نے کفر کہا لیکن رائج یہ ہے کہ اس کا انکار فسق اور گمراہی ہے۔

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۱۶۶ طبع قدیمی کتب خانہ)

علامہ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وانکار الخبر المشهور بدعة وضلالة“ (حاشیہ علی المسائرہ ص ۲۲۳) خبر مشہور کا انکار بدعت اور گمراہی ہے۔

قنادہ بن دعامہ رضی اللہ عنہ: اور حدیث مع قرع نعال کے ایک راوی قنادہ کے بارے میں مولوی صاحب لکھتے ہیں: ”ایک روایت میں قنادہ بن دعامہ ہے جو مدلس اور قدری تھا۔“ (اعلان حق دوم ص ۵۵)

جواب: اس سے پہلے تو آپ انہیں بزرگوں میں لکھ کر ”حضرت قنادہ“ کہتے ہیں۔ (اعلان حق ص ۳۲) قنادہ صحاح ستہ کا راوی ہے امام ذہبی اس کو الحافظ العلامہ کہتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۲) اور یہ کہ حافظ ثقہ ثبت ہے لیکن مدلس ہے اور فرقہ قدریہ سے ہونے سے متہم ہے مگر اس کے باوجود صحاح ستہ والے حضرات نے اس کی حدیث کو حجت بنایا ہے بالخصوص جب حدیث کا کہے۔ (میزان ج ۳ ص ۳۸۵) امام ابن سیرین فرماتے ہیں قنادہ سب سے زیادہ حافظ حدیث ہے۔ (تہذیب ج ۵ ص ۶۵۷) علامہ ابن حجر کہتے ہیں ثقہ و ثبت ہے۔ (تقریب ج ۲ ص ۲۶) امام ابراہیم بن یعقوب جوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قنادہ ان راویوں میں سے ہے کہ جنہوں نے تقدیر میں کلام کیا مگر ان کی انتہائی دین داری سچائی اور حدیث میں ائین ہونے کی وجہ سے محدثین نے ان کی حدیث لی، بری رائے کے باوجود ان پر جھوٹ کا وہم تک نہیں کیا جاسکتا (احوال الرجال ص ۱۸۲، ۱۸۷) امام احمد بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گزشتہ لوگوں میں قنادہ سے آگے تو کم پائے گا ہاں رحمہ اللہ کا مثل شاید پالے، امام بیہقی بن معین فرماتے ہیں ثقہ ہے، ابن سعد کہتے ہیں کہ قنادہ ثقہ قابل اعتماد اور حدیث میں بخت تھے (تہذیب ج ۵ ص ۶۵۹، ۶۵۸) علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ومع هذا الاعتقاد الردي ماتاخر احد عن الاحتجاج بحديثه (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۳) اس کے فرقہ قدریہ سے ہونے کے برے عقیدہ کے باوجود اس کی حدیث سے حجت پکڑنے سے کوئی محدث پیچھے نہیں ہٹا۔

رہی علامہ شامی رحمہ اللہ کی بات تو ایک جگہ آپ نے لکھا ہے کہ: ”بعض کی صحیح سند پر بحث کئے بغیر کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔“ (اعلان حق ص ۴۳) ہم کہتے ہیں ایسے ہی کسی کی حدیث پر جرح سند پر بحث کئے بغیر کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ احادیث کے بارے میں ان کی بات پر تسلی نہیں کی جاسکتی جب کہ کوئی ایک محدث بھی ان کی اس بات میں مؤید نہیں ہے، بہر حال یہ حدیث صحیح ہے کوئی شک نہیں، معلول کہنا اپنے اجتہاد سے ہے اتنے محدثین کے مقابلہ میں ان کا اجتہاد کچھ وزن نہیں رکھتا۔

دوسری حدیث: (۲) ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس پر بھی مولوی صاحب نے جرح کی ہے وہ حدیث یوں ہے: ”ما من احد مر بقبر اخيه المؤمن كان يعرفه في الدنيا فسلم عليه الا عرفه ورد عليه السلام“ (الاستدکار ج ۱ ص ۱۸۵ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت قال ابن تیمیہ رحمہ ابن عبد البر وقال الحافظ عبد الحق استادہ

صحیح الصارم المنکھی ص ۲۱۴) جو بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے اور وہ اس کو دنیا میں پہچانتا تھا اور گزرنے والا سلام کرے تو وہ اس سلام کرنے والے کو پہچان بھی لیتا ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔“

کئی بزرگوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، علامہ محمد بن احمد بن عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وقال الحافظ ابو محمد عبد الحق الاشبیلی فی کتاب العاقبة ذکر ابو عمر بن عبد البر من حدیث ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ان قال وهو صحيح الاسناد“ (الصارم المنکھی ص ۲۱۴) یعنی حافظ عبد الحق رحمہ اللہ نے کتاب العاقبة میں اس روایت کو ابن عبد البر رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ صحیح سند والی ہے۔

امام عبد الحق رحمہ اللہ کی یہ عبارت ذکر کر کے علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے بھی اس کو رد نہیں کیا جو ان کے تسلیم کرنے کی دلیل ہے، نیز امام ابن تیمیہ سے نقل کیا کہ اسکو ابن عبد البر نے خود بھی صحیح کہا ہے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ اس روایت کو ”الخبر الصحيح“ کہتے ہیں یعنی صحیح حدیث ہے۔

(لیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۰)

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ حافظ عراقی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: ”ابن عبد البر خرجہ فی التمهید و الاستذکار باسناد صحيح“ (فیض القدیر ج ۵ ص ۶۳۲) ابن عبد البر نے تمہید اور استذکار میں صحیح سند کے ساتھ تخریج کی ہے۔“

امام مناوی نے اس کو رد نہیں کیا تو وہ بھی صحیح سند والی سمجھتے ہیں۔

علامہ طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اخرج ابن عبد البر فی الاستذکار و التمهید بسند صحيح“ (حاشیہ مراقی ص ۶۲۱) یعنی ابن عبد البر نے یہ روایت صحیح سند سے روایت کی ہے۔ معلوم ہوا کہ سب راوی ثقہ ہیں اور روایت صحیح ہے۔

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ حنبلی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں: ”قال عبد الحق الاشبیلی اسنادہ صحيح يشير الى ان رواه كلهم ثقات وهو كذا لك الا انه غريب بل منكر“ (احوال القوم ص ۱۴۱) عبد الحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور واقعی سب راوی ثقہ ہیں مگر غریب بلکہ منکر ہے۔

یہاں غریب و منکر سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ ضعیف ہے بلکہ غریب و منکر کا اطلاق اس روایت پر بھی ہوتا ہے جس کا راوی کوئی ایک ہو یعنی صرف ایک سند ہو۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الامام احمد و البر دیجی و غیرہما یطلقون المنکر علی الحدیث الفرد الذی لا متابع له سواء تفرد به الثقة او غیره“ (توجیہ القاری الی القواعد والفوائد الاصولیة والحديثیة والاسنادیة فی فتح الباری ج ۱۵ ص ۶۷) امام احمد اور بردیجی اور دوسرے کئی محدثین منکر اس مفرد حدیث کو بھی کہہ دیتے ہیں جس کا کوئی متابع نہ ہو چاہے اس میں تفرد ثقہ راوی کا ہو یا غیر ثقہ کا۔

علامہ ظفر احمد ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”والقدماء کثیرا ما یطلقونه علی مجرد ما تفرد به راویہ وان کان من الثقات فیکون حدیثه صحیحاً غریباً“ (قواعد فی علوم الحدیث بحث فی الفرق بین قولہم حدیث منکر و منکر الحدیث ویروی المناکیر) متقدمین حدیث منکر کا بکثرت اطلاق محض اس پر کر دیتے ہیں جس کا راوی اکیلا ہوا اگرچہ ثقہ ہو، تو (جب راوی ثقہ ہو چاہے اکیلا ہو) ایسے کی حدیث صحیح غریب ہوگی۔

تو سند اور راوی ایک ہوتا روایت کے ضعف کی دلیل نہیں لہذا کوئی اس لفظ سے حدیث کے ضعیف قرار دینے کی جرات نہ کرے، علامہ آلوسی نے علامہ ابن رجب سے ضعیف منکر کا حکم نقل کرنے میں غلطی کی ہے، ابن رجب ضعیف منکر نہیں کہہ رہے بلکہ غریب منکر کہہ رہے ہیں۔

اس حدیث کے جواب میں مولوی صاحب نے دو باتیں کیں ایک یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا مسلک اس کے خلاف ہے، اس کا جواب گزر چکا ہے کہ یہ بے سند بات ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مسلک مولوی صاحب باندھ بیٹھ کر ہیں (کو کب دری میں کوئی سند ذکر نہیں) دوسری بات یہ کہ اس کی سند میں راوی ابن سمعان کذاب اور یحییٰ بن ییمان مجروح راوی ہے۔ (اعلان حق ص ۴۳)

لیجئے اس کی سند دیکھ لیں: ”اخبرنا ابو عبد الله عبيد بن محمد بن محمد قراءة مني عليه سنة تسعين وثلاثمائة في ربيع الأول قال املت علينا فاطمة بنت الريان المستملية في دارها بمصر في شوال سنة اثنتين واربعين وثلاث مئة قالت حدثنا الربيع بن سليمان المؤذن صاحب الشافعي قال حدثنا بشير بن بكير عن الاوزاعي عن عطاء عن عبيد بن عمير عن ابن عباس رضی اللہ عنہما“ الخ! اس سند میں نہ کوئی ابن سمعان ہے نہ یحییٰ بن ییمان ہے، جب یہ راوی ہی سند میں موجود نہیں تو مولوی صاحب کی جرح انہی پر لوٹی، معلوم نہیں مولوی صاحب نے کہاں سے نقل ماری ہے۔

اور اس روایت کی تائید دوسری کئی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً:

تیسری حدیث: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یوم شہداء احد کے پاس ٹھہرے اور فرمایا قیامت کے دن ان شہداء کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دینا۔

”فایتوهم وزوروهم وسلموا عليهم فوالذي نفسي بيده لا يسلم عليهم احد الى يوم القيامة الارادوا عليه“ (مسند ابن الجعد ص ۴۳۳ ح ۲۹۴ و سندہ صحیح و رواہ محمد بن حبيب الجارودي ناعبد العزيز بن ابي حازم المخزومي عن ابيه سلمة بن دينار الاعرج المدني عن سهل بن سعد وهؤلاء ثقات رواة الصحاح الستة غير محمد بن حبيب الجارودي وهو ثقة صدوق كما قال البخاري في القول البدیع ص ۱۱۸ والقاصد الحسن ص ۳۶۵، حرف الميم حدیث ۹۲۸) ان کے پاس حاضر ہوا کرو اور زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی ان کو سلام کرے گا یہ لوگ اس کو سلام کا جواب دیں گے۔

چوتھی حدیث: حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی قبروں کی زیارت کی اور فرمایا: ”اللهم ان عبدك ونيك يشهد ان هؤلاء شهداء وانه من زارهم وسلم عليهم الى يوم القيامة ردوا عليه“ (متدرک ج ۳ ص ۲۵۱ ح ۴۳۷، وقال اسناد صحيح وقال الذمى مرسل ج ۲ ص ۳۶۵ ح ۳۰۲، وصححه، شرح الصدور ۱۷۶، حلية الاولياء ج ۱ ص ۱۵۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۹۰ من نجم الكبير وفي سندہ ابو بلال مرداس الاشعري ضعفه الدارقطني قلت لكن ذكره ابن حبان في الثقات ووثقه، لسان الميزان ج ۷ ص ۲۲) اے اللہ! تیرا بندہ اور نبی ﷺ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو ان کی زیارت کرے گا اور ان کو سلام عرض کرے گا یہ سن کر اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

فائدہ: ہمارے مطالعہ کے مطابق اس روایت کا راوی (۱) ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل ترمذی صدوق یعنی سچا راوی ہے۔ (تقریب ج ۲ ص ۵۶) (۲) عبد العزیز بن عبد اللہ اویسی بخاری ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ وغیرہ کا راوی

ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں سچا راوی ہے، ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا، دارقطنی فرماتے ہیں حجت ہے علی فرماتے ہیں ثقہ اور متفق علیہ ہے، (تہذیب ج ۴ ص ۴۵۱) ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۶۰۵) (۳) سلیمان بن بلال تیمی مدنی ثقہ صحاح ستہ کا راوی ہے۔ (۴) عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ بن ابی فروہ سے متعلق ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ اور فقیہ ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۵۵۱) (۵) قطن بن وہب بن عویمر لیثی کے متعلق فرماتے ہیں صدوق یعنی سچا راوی ہے۔ (تقریب ج ۲ ص ۳۱) اور (۶) عبید بن عمیر اگر ابو عثمان اسمعیلی ہو تو مقبول راوی ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۶۳۶) اور اگر ابو عامر مکی ہو تو بھی صحاح ستہ کا راوی ہے اور اس کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۶۳۵)

پانچویں حدیث: حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے متعلق فرماتے ہیں: ”انہ کان یرجع من ضیعتہ فیمر بقبور الشهداء فیقول السلام علیکم وانا بکم للاحقون، ثم یقول لاصحابہ الاتسلمون علی الشهداء فیردون علیکم“ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۲۱ بسند عبید اللہ بن موسیٰ بن ابی المختار، محمد بن عبد الرحمن بن مغیرہ، قرۃ بن خالد السدوسی عامر بن سعد بن ابی وقاص، ولا شک فی صحۃ سندہ ورواہ ثقات) وہ اپنی زمین سے واپس ہوتے تو شہداء کی قبروں کے پاس سے گزرتے اور کہتے السلام علیکم وانا بحکم للاحقون، پھر ساتھ والوں سے فرماتے شہداء کو سلام کیوں نہیں کرتے ہوتا کہ وہ سن کر تمہیں سلام کا جواب دیں۔

چھٹی حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرا راستہ قبرستان سے گزرتا ہے تو کیا گزرتے وقت کوئی کلام ان کو کہا کروں؟ فرمایا السلام علیکم یا اہل القبور من المسلمین و المؤمنین انتم لنا سلف ونحن لکم تبع وانا ان شاء اللہ بکم للاحقون کہا کر۔ عرض کیا یا رسول اللہ؟ کیا وہ سنتے ہیں؟ فرمایا ہاں سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے (یعنی ایسا جواب جو تم سن سکو ورنہ جواب دیتے ہیں) اس روایت کو امام عقیلی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے لیکن فرمایا کہ اس کی سند میں راوی محمد بن اشعث نسب وروایت میں مجہول ہے اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔ (احوال القمور ص ۱۴۱) تو یہ روایت سند ضعیف ہونے کی وجہ سے شاہد ہے۔

ساتویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ما من عبد یمر علی قبر رجل مسلم یرفعہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ وورد علیہ السلام“ (احوال القمور ص ۱۴۲ کنز العمال ج ۲۵۹۵ طبع نشر الملتان من تمام والخطیب وابن مساکر وابن النجار) جو بندہ مسلمان کی قبر کے پاس سے گزرے اور وہ قبر والا دنیا میں اس کو پہچانتا تھا اور سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

اس کی سند میں راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم ہے اگرچہ کئی محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں مگر امام ابن عدی اور منذری رحمہما نے صالح الحدیث کہا ہے، امام حاکم نے اس کی حدیث مستدرک میں ذکر کر کے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (ج ۳ ص ۲۱۶ ح ۲۲۸۱) علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ فرماتے ہیں لیس ممن یرد خبرہ مطلقاً (مقالات ص ۲۹۵) یہ ان راویوں میں سے نہیں جس کی حدیث بالکل رد کی جاسکے، تو یہ روایت حسن درجہ کی ہے، کنز العمال میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے وسندہ جید اس حدیث کی سند عمدہ ہے اور کنز العمال میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بحوالہ ابوالشیخ ودیلمی ان الفاظ میں مذکور ہے۔ ”ما من رجل یزور قبر حمیمہ فیسلم علیہ ویقع عندہ الا یرد علیہ السلام وآنس بہ حتی یقوم من عندہ“ (حدیث ۴۲۵۹۴) جو آدمی بھی اپنے دوست کی قبر کی زیارت کرے اور سلام کرے اور اس کے پاس بیٹھے وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور مانوس ہوتا ہے حتیٰ کہ آدمی اس کے پاس سے اٹھ جائے۔“

آٹھویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: ”اذا امر

الرجل بقبر يعرفه فسلم عليه ورد عليه السلام وعرفه واذا امر بقبر لا يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام“ (شرح الصدور ص ۱۷۵ بحوالہ ابن ابی الدینا شعب الایمان ج ۷ ص ۱۷۶ ج ۹۲، کنز العمال ج ۲۹۸۶) جب آدمی ایسے کی قبر کے پاس سے گزرے اس کو جانتا ہو اور سلام کرے تو وہ سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور (آواز سے) پہچان بھی لیتا ہے اور اگر ایسے کی قبر کے پاس سے گزرے جو اس کو نہیں پہچانتا تھا اور سلام کرے تو بس وہ سلام کا جواب دیتا ہے (پہچانتا نہیں)

نویں حدیث، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان: اور ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے: ”ما من رجل

یزور قبر اخيه ويجلس عنده الاستانس ورد عليه السلام“ (شرح الصدور ص ۱۷۵ بحوالہ ابن ابی الدینا کتاب القبور) جو آدمی اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس بیٹھے وہ اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس کی سند میں عبداللہ بن زیاد بن سمعان فقیہ مدنی ہے جو ضعیف ہے لیکن روایات مذکورہ کے متن کی شاہد بن سکتی ہے۔

دسویں حدیث: حضرت عبید بن مرزوق سے مرسل صحیح حدیث ہے (جس کو امام منذری رحمہ اللہ صحیح مانتے

ہوئے صحت کی علامت لگاتے ہیں) کہ مدینہ طیبہ میں ایک عورت تھی جس کو ام حنین کہتے تھے مسجد نبوی کی صفائی کرتی تھی، فوت ہو گئی، نبی کریم ﷺ کو علم نہ ہوا آپ ﷺ اس کی قبر کے پاس سے گزرے تو پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا تو آپ ﷺ نے اس کی قبر کے پاس صفیں بندھوا کر اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ ﷺ اس عورت سے مخاطب ہوئے کہ کونسا عمل تو نے افضل پایا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ: کیا سنتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سنتے ہو (یعنی سننے میں تم اور وہ برابر ہو) پھر فرمایا کہ اس عورت نے مجھے جواب دیا کہ مسجد کی صفائی میں نے افضل عمل پایا۔ (احوال القبور ص ۱۳۲، الترغیب للمندری و صحیح ج ۱ ص ۷۹ بحوالہ ابوالشیخ المنہانی) علامہ ابن رجب رحمہ اللہ اس کو اور حدیث قلیب بدر کو ذکر فرما کر فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہو کہ یہ نبی کریم سے خاص یعنی آپ ﷺ کا معجزہ ہے تو یہ بات درست نہیں ہے۔ (احوال القبور ص ۱۳۲)

اہل قبور کو سلام کرنے کی احادیث اور سماع موتی: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ”یقیناً قبرستان میں

السلام علیکم یا اہل القبور کہنا چاہیے لیکن صحیح حدیثوں میں سماع کا تذکرہ تک نہیں ہے، خطاب کرنے سے ضروری نہیں ہے کہ مخاطب اس کو سننے نماز میں السلام علیک ایھا النبی سے خطاب ہے کیا پیغمبر علیہ السلام ہر نمازی کا یہ سلام سنتے ہیں؟ زیارت قبور کی دعا ہے سلام تحیہ نہیں کہ مردہ اس کا جواب بھی دے کیونکہ جواب ثواب کا عمل ہوگا۔ اس لئے سلام سننا ضروری نہیں ہے اور نہ جواب دینا ضروری ہے خطاب کے لئے سماع لازمی نہیں۔ (اعلان حق ص ۴۳)

جواب: ٹھیک ہے کہ خطاب سے سماع ضروری نہیں مگر سماع نہ ہونا بھی تو ضروری نہیں ہے، مگر محال بھی

نہیں اور سماع ممکن تو ہے، جب اوپر ذکر کی ہوئی متعدد حدیثوں سے ثابت ہوا کہ میت سلام سنتا ہے پھر اکابرین نے بھی تصریح کی ہے کہ سلام سنتے ہیں اور حضرت ابو رزین کی حدیث بطور دلیل پیش کی ہے۔ (دیکھیں مرقات ج ۴ ص ۲۲۱، روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۸، شرح الصدور) تو سلام و خطاب کون لینا حق ہے۔

امام ابن کثیر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وقد شرع السلام علی الموتی والسلام علی من لم يشعر

ولا يعلم بالمسلم محال وقد علم النبي امته ازار او القبور ان يقولوا اسلام عليكم فهذا السلام والخطاب والنداء لموجود يسمع ويعقل ويرد وان لم يسمع المسلم الرد“ (تفسیر ابن کثیر ج ۳

ص ۴۳۹) اور مردوں کو سلام شرعی حکم ہے اور اس کو سلام کرنا جس میں شعور نہ ہو اور سلام کرنے والے کو نہ جانے محال ہے، جب کہ نبی کریم ﷺ نے امت کو تعلیم دی کہ جب قبر دیکھیں تو ان کو سلام کہیں، تو یہ سلام اور خطاب اور آواز ایسے موجود کو ہے جو سنا ہے اور مخاطب بنا ہے اور سمجھتا ہے اور جواب دیتا ہے چاہے سلام کرنے والا اس کا جواب نہ سنے۔

علامہ ابن قیم حنبلیؒ فرماتے ہیں: ”وقد شرع النبی الامتہ اذا سلموا علی اهل القبور ان یسلموا علیہم سلام من یخاطبونه فیقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین و هذا خطاب لمن یسمع و یعقل و لولا ذالک لکان هذا الخطاب بمنزلة خطاب المعدم و الجماد“ (الروح ص ۱۰) نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے لئے یہ شرعی حکم بنا دیا کہ جب اہل قبور کو سلام کریں تو اس شخص کو سلام کرنے جیسا سلام کریں جس کو مخاطب بنا سکیں تو آدمی کہے تم پر سلام ہوا ہے مؤمنین لوگوں کے گھرانے کے لوگو! اور یہ خطاب ہے اس کو جو سنے اور سمجھے، اگر ایسا نہ ہو تو یہ خطاب معدم اور جماد (بے حس شئی) کو خطاب جیسا ہوگا۔ (جو غیر معقول ہے، معلوم ہوا کہ اموات جماد نہیں)

مولانا عبدالقادر رافعی حنفیؒ فرماتے ہیں: ”ان سمع الموتی لکلام الاحیاء متحقق و لولا ذلک لما کان لقوله علیہ الصلوۃ والسلام السلام علیکم دار قوم مؤمنین معنی“ (تحریر الحق اراد الحق المعروف تقریرات رافعی ج ۲ ص ۳۳ طبع مصر) بے شک مردوں کا زندوں کی کلام سنا ثابت ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان السلام علیکم دار قوم مؤمنین کا کوئی مطلب نہیں۔ (فضول کلام ہے)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفیؒ فرماتے ہیں: ”وہم چنین آنکہ در زیارت آنحضرت ﷺ اہل بیت را آمدہ کہ سلام کرد برایشاں و خطاب کرد مرایشاں و گفت سلام بر شما اے اہل دار مسلمانان آمد شما آنچہ وعدہ کردہ شدہ بودید و ما نیز ان شاء اللہ تعالیٰ می ہوندیم بشما زیرا کہ خطاب باکے کہ نھنود و قللمد معقول نیست و نزدیک است کہ شمار کردہ شود از جملہ عبث (افعالہ المعات ج ۳ ص ۴۲۱، ۴۲۰) ایسے ہی یہ بات بھی سماع موتی کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے جنت البقیع والوں کی زیارت کے وقت ان کے پاس آکر ان کو سلام کیا اور خطاب کیا اور فرمایا سلام تم پر اے مسلمانوں کے گھرانہ والو! تم وعدہ کی ہوئی چیزوں تک پہنچ گئے اور ہم بھی انشاء اللہ تمہیں ملنے والے ہیں، یہ (سماع کی دلیل ہے) اس لئے کہ اس کو خطاب کرنا جو نہ سنے نہ سمجھے معقول بات نہیں ہے اور بیکار کاموں میں سے شمار ہو سکتی ہے۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: ”بل یكون ذالک فی السلام عند الزیارة مطلقاً فال میت یسمع اللہ تعالیٰ روحہ السلام علیہ من زائرہ فی ای وقت کان ویقدرہ سبحانہ علی رد السلام کما جاء فی بعض الآثار و ما اخرجه العقيلي من انهم یسمعون السلام والا یستطیعون ردہ محمول علی نفی استطاعة الرد علی الوجه المعهود الذي یسمعه الاحیاء“ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۸) یہ سلام سنا مطلقاً زیارت کے وقت سلام کرنے میں ہوتا ہے تو میت کی روح کو اللہ تعالیٰ زیارت کرنے والے کا سلام سناتے ہیں جو نئے وقت میں بھی ہو اور اس کو جواب دینے کی طاقت دیتے ہیں جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے اور جو عقیلی نے روایت کیا کہ مردے سلام سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے وہ اس پر محمول ہے کہ مشہور طریقہ کا جواب جس کو زندہ سنیں نہیں دے سکتے۔ (ورنہ تو جواب دیتے ہیں، یہی توجیہ شرح الصدور ص ۱۸۶ میں ہے۔“

سردست اتنے حوالے کافی ہیں جن سے ثابت ہوا کہ یہ سب اکابر سلام اہل قبور سے سماع موتی ثابت مانتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ قبروں والے سلام سنتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ سلام خطاب نہیں دعاء ہے، تو علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: ”السلام الذی یعم الحی

والمیت هو الذي يقصد به التحية كالسلام عند تلاق او زيارة قبر“ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۸۶) جو سلام زندہ مردہ ہر دو کو عام ہے وہ وہی ہے جس سے تحیہ مقصود ہوتا ہے (نہ کہ صرف دعاء) جیسے ملاقات کے وقت سلام کرنا یا زیارت قبر کے وقت سلام کرنا یہ تحیہ ہے نہ کہ فقط دعاء)

باقی جناب! التحیات پڑھتے ہوئے آدمی کوئی قبر نبوی پر تھوڑا ہی حاضر ہوتا ہے کہ جناب اس سے ثابت کرتے ہیں کہ قبر کے پاس سلام میں خطاب مقصود نہیں ہوتا، یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب قبر پر حاضر نہ ہو تو السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته سے خطاب مقصود نہیں ہوتا، یہ غیر متنازع فیہ صورت ہے اس پر متنازع فیہ کو قیاس کرنا جناب جیسے عقل مند لوگوں کا ہی کام ہے۔

فقہ حنفی اور سماع موتی: یہاں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فقہ حنفی میں سماع موتی کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو اس بارے میں کتابوں میں ایک مسئلہ قسم کا آتا ہے جس سے منکرین سماع موتی عدم سماع پر استدلال کرتے ہیں اور ملا علی قاری حنفی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی وغیرہم رحمہم سے اس کے بارے میں وضاحت گزر چکی ہے کہ وہ عرف پر محمول ہے یعنی کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا پھر دفن ہو جانے کے بعد اس سے کلام کی تو حانث نہیں ہوگا، اس کے بارے میں ان حضرات نے فرمایا کہ مرنے کے بعد کلام کرنے کو کلام نہیں کہتے اس لئے یہ کلام کرنا کلام نہ کرنا ہے، اس لئے حانث نہیں ہوگا، اگر بعض حضرات نے وجہ یہ بیان کی کہ اس لئے حانث نہ ہوگا کہ مردہ سنا نہیں ہے، تو اگرچہ اس سے مراد بھی وہ سنا ہے جو کلام کا مقصود ہوتا ہے یعنی عمل کروانا، اگر بالفرض مطلق سنا مراد ہو تو اس سے عدم سماع کی رائے ظاہر ہوئی جب کہ اس کے علاوہ تین مسئلے اور ہمارے سامنے آئے ہیں۔

(۱) پہلا یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی قبرستان میں قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا چاہتا ہے اور قبرستان میں پڑھنے کی غرض یہ ہے کہ اس کی آواز سے مردے مانوس ہوں تو اس غرض سے قبرستان میں پڑھ سکتا ہے، الفاظ یہ ہیں: ”ان قرأ القرآن عند القبور ان نوى بذلك ان يؤنسهم صوت القرآن فانه يقرأ فان لم يقصد ذلك فالله تعالى يسمع قراءة القرآن حيث كان“ (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۷۶، ۷۵، ۷۴ فتاویٰ مالگیری ج ۴ ص ۲۳۰) اگر کوئی قبروں کے پاس قرآن شریف پڑھے تو اگر یہ نیت ہو کہ مردوں کو قرآن کی آواز سے مانوس کرے تو پڑھے اور اگر یہ غرض نہیں تو (جہاں ہو وہیں پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تلاوت سنتے ہیں جہاں بھی ہو۔“

اس مسئلہ کی عبارت میں صوت القرآن کے لفظ واضح ہیں کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتے کہ مردے قرآن مجید کی آواز سن لیتے ہیں اور ان کو انس حاصل ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ دفن کے بعد تلقین کا ہے کہ فقہ حنفی اس تلقین کو ناجائز نہیں کہتی بلکہ فقہ میں ہے کہ: ”و تلقينه بعد الدفن حسن واستحبه الشافعية“ (حاشیہ طحاوی علی المراتی ص ۶۱۶) میت کو دفن کے بعد تلقین کرنا اچھا ہے اور شوافع نے اس کو حدیث ابوامامہ کی وجہ سے مستحب کہا ہے، لا ینھی عن التلقین لانه لا ضرر فیہ بل فیہ نفع فان المیت یستأنس بالذکر (سماع موتی ص ۲۳۰ بحوالہ غنیۃ المستملی ص ۵۳۳، حاشیہ الطحاوی علی المراتی ص ۵۶۰) تلقین بعد دفن سے نہیں روکا جائے گا کیونکہ اس سے ضرر تو کچھ نہیں ہاں اس میں (میت کا) نفع ہے کیونکہ میت ذکر سے مانوس ہوتی ہے۔“

میت کا مانوس ہونا فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وصیت سے بھی ثابت ہے جو وفات کے وقت فرمائی کہ میرے دفن کے بعد میری قبر پر اتنی دیر تک ٹھہرنا جتنی دیر تک اونٹ ذبح ہو کر تقسیم ہو جائے حتیٰ استأنس

بکم تاکہ میں تمہارے ذریعہ سے مانوس رہوں۔

(مسلم ج ۱ ص ۷۶ کتاب التضرع من لابن ابی الدنیا رقم الحدیث ۱۰۷، الزہد لابن المبارک ص ۱۵۵، ۱۵۴)

اور ظاہر ہے کہ میت تب ہی مانوس ہو سکتا ہے جب اس میں اتنا علم و شعور و ادراک ہو جس سے پاس بیٹھنے والوں اور تلقین کرنے والوں کی تلقین سن سکے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”قال ابن القيم الحدیث نص فی ان المیت یسمع ویدرک وقد تواترت الاخبار عنہم بذالک واذا کان یسمع قرع النعال فهو یسمع التلقین..... المیت یسمع التلقین لوجود الاتصال المذکور“ (لمن القدر ج ۲ ص ۵۱۴)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث قرع نعال نص ہے اس بارے میں کہ میت سنتا اور ادراک کرتا ہے اور اموات کے متعلق سماع کی احادیث متواتر ہیں اور جب جو توں کی کھسکا ہٹ سنتا ہے تو تلقین بھی سنتا ہے۔ تو میت تلقین سنتا ہے کیونکہ روح کا جسم عنصری سے تعلق موجود ہے۔

مزید تفصیل استاد مکرم رحمہ اللہ کی کتاب (سماع الموتی ص ۲۳۰) میں دیکھیں۔

(۳) تیسرا مسئلہ اہل قبور و قبرستان میں خطاب کے الفاظ سے سلام کا ہے، جس کی احادیث بھی صحیح ہیں جیسا کہ مولوی صاحب نے مانا ہے، احناف شوافع حنابلہ اکابرین کی تصریحات بھی ذکر ہو گئیں کہ اس سلام کو سماع موتی کی دلیل بناتے ہیں اور سلام سنتا ثابت مانتے ہیں اور کئی احادیث بھی سماع سلام ثابت کرتی ہیں جیسا کہ ابھی تفصیل سے ذکر ہو گیا ہے۔

ہم مولوی صاحب سے گزارش کریں گے کہ جناب والا اپنے خیال کے مطابق عام مردوں کے سماع کے بارے میں اپنی رائے اور اس پر جو دلائل بھی رکھیں بے شک رکھیں لیکن اس کو رائج مرجوح کا مسئلہ بتائیں حق و باطل کا مسئلہ نہ بتائیں، ہم عام موتی کے عدم سماع میں جناب کو کوئی برا نہیں کہنا چاہتے نہ کہنا چاہئے مگر حد سے آگے نہ نکلیں (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور سماع کا انکار چھوڑ دیں) اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کاملہ عطا فرمائے آمین۔

مولوی صاحب کے استاذ محترم مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مولوی صاحب کے استاذ

مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے: ”یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے ترجیح میں اختلاف ہے بعض علماء عدم سماع کو رائج قرار دیتے ہیں اور بعض سماع کو، ہمارے ہاں قول ثانی رائج ہے (کہ عام مردے بھی سنتے ہیں)“

(فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۱۵۱، ۲۵۵)

متعدد احادیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ قبر شریف کے پاس صلوٰۃ و سلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

(فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۲۵۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف روحانی برزخی زندگی پر مولوی صاحب کے دلائل: مولوی صاحب نے

پانچویں باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے متعلق بحث کی ہے، علماء دیوبند کے متعلق کہتے ہیں کہ: ”ہمارے معاصرین اس مسئلہ میں عجیب پریشانی میں مبتلا ہیں، کبھی کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اعلیٰ علین میں ہے اور اس کا تعلق جسم مبارک سے ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ جسم کے اندر داخل ہے۔ (اعلان حق دوم ص ۶۰)

حالانکہ ہم میں سے کوئی بھی روح مبارک کے جسم کے اندر مکمل داخل رہنے کا قائل نہیں ہے نہ مولوی صاحب ایسی تصریح دکھا سکتے ہیں۔

استاذ مکرم مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ لکھتے ہیں: ”جہاں (قبر مبارک میں) آپ ﷺ کا جسد اطہر موجود اور حاضر ہے اور آپ ﷺ کی روح مبارک کا باوجود ملاً اعلیٰ اور علیین میں ہونے کے آپ ﷺ کے جسم مبارک سے ایسا اعلیٰ اور اکمل تعلق ہے جس سے بڑھ کر عالم برزخ میں تصور ہی نہیں کیا جاسکتا اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس جو شخص درود شریف پڑھتا ہے آپ بنفس نفیس سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ (ازالہ الريب ص ۳۷۵)

مولوی صاحب اپنے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”آپ ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے آپ ﷺ کی یہ زندگی برزخی ہے دنیا کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے، شہداء کی زندگی سے اعلیٰ ہے، تاہم وہ نہ دنیوی زندگی ہے اور نہ دنیا کی سی ہے بلکہ برزخی ہے۔“ (اعلان حق ص ۴۴)

ایک جگہ لکھتے ہیں: ”ہم نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کو اعلیٰ علیین اور جنة المأویٰ میں مانتے ہیں۔“ (ص ۷)

سوال یہ ہے کہ کیا علیین اور جنت ایک ہے، یا علیین جنت میں ہے؟ اس پر کوئی نص قطعی آیت قطعی الدلالت یا حدیث متواتر پیش فرمائیں؟ اور کیا نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کے اعلیٰ علیین میں ہونے پر مولوی صاحب کوئی آیت قطعی الدلالت یا حدیث متواتر پیش کر سکتے ہیں؟ پہلے سوال کا جواب تو مولوی صاحب کی ساری پارٹی ملکر بھی قطعی ثبوت کے ساتھ نہیں دے سکتی انشاء اللہ۔

نبی کریم ﷺ کی صرف روح کی زندگی اور مولوی صاحب کے دلائل؟ اور دوسرے کے جواب میں مولوی صاحب کی دلیل قطعی کونسی ہے؟ اس بارے میں ان کے دلائل کا خلاصہ اور جواب ملاحظہ ہو، قارئین کو واضح معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے پاس ایک اور صرف ایک بھی آیت قرآنی یا حدیث متواتر بلکہ خبر واحد صحیح کیا ضعیف اور کسی عالم دین کا کوئی صاف قول نہیں ہے کہ آپ ﷺ اور انبیاء علیہم السلام قبر مبارک میں مردہ ہیں آپ ﷺ کا جسم بے جان روح کے تعلق کے بغیر سالم پڑا ہے اور صرف روح زندہ ہے۔

پہلی دلیل: (۱) آیت و من ورنہم برزخ الی یوم یبعثون ہے حالانکہ اس میں صرف یہ ذکر ہے کہ وفات کے بعد وفات پانے والے برزخ میں ہیں، اس پر سوال یہ ہے کہ آپ کے نزدیک برزخ اور علیین و جہنم ایک جگہ ہے؟ اس پر نص قطعی الثبوت پیش فرمائیں؟ پھر اس سے یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے اور صرف روح کی زندگی ہے؟ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ برزخ میں ہیں اور صرف روح یا صرف جسم عنصری کے برزخ میں ہونے کا ذکر نہیں مطلق ہے، تو دونوں برزخ میں ہیں، برزخ دراصل زمانہ ہے پھر اس زمانہ کے اندر رہنے والوں کے لئے مکان بھی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے: ”البرزخ ما بین الموت الی البعث“ (الامالی للشمري ج ۲ ص ۴۰۶) برزخ موت کے بعد سے قیامت میں کھڑے ہونے تک کا زمانہ ہے۔

تو نبی کریم ﷺ کی ذات اطہر (مجموعہ روح و جسم) اور ہر میت برزخ میں ہے؟ اور چونکہ جسم اطہر قبر میں اور روح مبارک اپنے مقام میں ہے تو ہر ایک کا اپنا اپنا مقام برزخ ہے، تو قبر بھی تو برزخ کا حصہ ہے کوئی ایک بزرگ بھی قبر کے برزخ نہ ہونے کا قائل نہیں ہے۔

قبر بھی برزخ کا حصہ ہے: اس بارے میں بہت سے حوالے دیئے جاسکتے ہیں چند ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”ہی هذه القبور“ برزخ یہی قبریں ہیں۔ (احوال القبور ص ۱۶)

(۲) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”هذا برزخ“ یہ قبر برزخ ہے۔

(احوال القبور ص ۱۶، کتاب القبور لابن ابی الدنیا ج ۵۰)

(۳) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہی هذه القبور برزخ یحیی قبریں ہیں۔

(تفسیر السمر قدی ج ۲ ص ۴۲۱، احوال القبور ص ۱۶)

(۴) حضرت ابو صخر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں البرزخ المقابر برزخ قبریں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۶)

(۵) علامہ عبد الجلیل بن موسیٰ قسری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں قبر سے سچین و عیین تک سب برزخ ہے۔

(الحادی للعنادی ج ۲ ص ۱۸۵)

(۶) علامہ محمد طاہر ہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں برزخ قبر ہے۔ (مجمع بحار الانوار ص ۸۸)

(۷) علامہ ابن رجب برزخ بول کر قبر مراد لیتے ہیں۔ (احوال القبور ص ۶۸)

(۸) علامہ ابوالحسن علی بن عیسیٰ الرمائی (متوفی ۳۸۴ھ) قبر اور برزخ کو مترادف کہتے ہیں۔

(الالفاظ المترادفة مع دیوان الحماسہ ص ۱۲)

(۹) امام ابو بکر محمد بن عزیز جستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں برزخ یعنی القبر، آیت میں برزخ سے مراد قبر ہے۔

(نزہۃ القلوب فی تفسیر غرائب القرآن برہامش تفسیر مہیر الرحمن ج ۱ ص ۱۳۰)

(۱۰) مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قبر اس عالم برزخ کی پہلی منزل ہے گویا میت

کے لئے قبر اور برزخ دونوں ظرف ہیں برزخ ظرف زمان اور قبر ظرف مکان۔ (حیات الاموات ص ۹)

جناب! کوئی بھی نص قطعی پڑھو کہ قبر برزخ نہیں ہے کیونکہ حجت صرف قرآن یا حدیث متواتر ہے اور یہ

جناب کا عقیدہ ہے عقیدہ کو اپنی شرط کے مطابق ثابت کیجئے اور انعام حاصل کریں؟

دوسری دلیل: (۲) آیت ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات الایۃ ترجمہ مولوی صاحب کا یہ

ہے اور مت کہو ان لوگوں کے حق میں جو مارے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کہ یہ مردہ ہیں بلکہ وہ ایسی زندگی سے ممتاز ہیں جن کا تمہیں شعور نہیں۔

مولوی صاحب نے ولکن لا تشعرون کو احیاء کے ضمن میں مصدر حیاۃ کی صفت بنایا ہے حالانکہ یہ صفت

نہیں الگ جملہ اور عطف ہے اور یہ آیت تو ہماری دلیل ہے کہ جسم مقتول میں بھی زندگی ہے کیونکہ مقتول جسم عنصری

ہے نہ کہ روح اور مقتول کو اللہ تعالیٰ نے زندہ قرار دیا ہے تو مقتول یعنی جسم عنصری بھی زندہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان

ہے تم شعور نہیں رکھتے کیونکہ جسم عنصری کی زندگی تمہیں نہ نظر آ سکتی ہے نہ سمجھ میں آ سکتی ہے کہ تم تو انہیں کلڑے کیا

ہو ادیکھتے ہو، جب ہم کہہ رہے ہیں کہ زندہ ہیں تو تم عقل سے نہ سوچو ہماری مانو بس زندہ ہیں۔

مقتول کا معنی اور حیات شہداء: طبع دوم میں مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ مقتول اس کو کہتے ہیں جس

کے جسم سے روح جدا ہو جائے۔ (اعلان حق دوم ص ۶۱)

بلکہ مولوی صاحب کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ اس جسم کو کہنا چاہیے تھا کہ مقتول اس جسم کو کہتے ہیں جس سے

روح جدا ہو جائے، چنانچہ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اصل القتل ازالة الروح عن الجسد کالموت

لکن اذا اعتبر بفعل المتولی لذلك يقال قتل واذا اعتبر بفوت الحیاة يقال موت“ (المفردات ص ۳۹۴) قتل کا

بھی موت کی طرح اصل معنی ہے جسم سے روح کا الگ کر دینا لیکن جب ازالہ روح کسی کرنے والے بندے کے فعل

سے مانا جائے تو اس کو قتل کہتے ہیں اور جب حیات ختم ہونے سے مانا جائے تو اس کو موت کہتے ہیں۔

تو مقتول وہ جسم ہوا جس سے قاتل نے فعل قتل کے ذریعہ روح الگ کرنے کا فعل کیا، یعنی روح مقتول نہیں ہوا، تو جس جسم سے روح الگ کی گئی وہ مقتول ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے زندگی والا فرمایا کہ اگرچہ وہ جسم قتل ہو گیا یعنی قاتل نے اس سے روح دور کرنے کا عمل کیا ہے مگر وہی مقتول جسم زندہ ہے، قاتل نے اس کی روح الگ کرنے کی کوشش کر کے دنیا کی زندگی سے تو بظاہر محروم کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسی مقتول کو برزخ میں جسمانی روحانی زندگی بخش دی اور قاتل کے منہ میں خاک پڑی۔

حیات کا معنی: یہ تو مولوی صاحب نے مقتول کا معنی کر کے مغالطہ دینے کی کوشش کی مگر حیات کا بھی معنی کرتے کہ حیات کس کو کہتے ہیں؟ جب حیات کے معنی کا مطالبہ کیا جائے تو حیات کا معنی کرنے کے بجائے یہ لوگ حیات کی تقسیم شروع کر دیتے ہیں کہ جی حیات کئی قسم کی ہے، جناب! تقسیم بعد میں کر و تعریف پہلے کرو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک صاحب نقل کرتے ہیں: ”تحقیق یہ ہے کہ حیات کے معنی کیا ہیں؟ تعلق پکڑنا روح کا ساتھ بدن کے۔ (اکابر کا باغی کون ص ۱۰۵، مولوی خضر حیات بحوالہ تفسیر عزیزی اردو ص ۶۷ ج ۲) علامہ ابن ہمام اور کمال الدین محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”و الحیاء عرض لازم وجودہ فی البدن تعلق الروح بالبدن عادة“ (المسیرہ مع المسیرة ص ۲۲۲) حیات وہ عرض ہے جس کے بدن میں موجود ہونے کو روح کا بدن سے تعلق عادة لازم ہے۔

یعنی حیات عرض قائم بالبدن ہے اور حیات ہوتی ہے تو روح کا جسم سے تعلق لازماً ہوتا ہے تو حیات اور روح کا جسم سے تعلق لازم ملزوم ہیں، اب چاہے وہ تعلق دخول کے طریقہ کا ہو جیسے دنیاوی اور آخرت کی زندگی میں ہو گا یا دخول کے بغیر جسم سے دور رہ کر خاص قسم کا غیر معلوم الکفیت تعلق ہو جیسے برزخی زندگی میں ہوتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کو سمجھانے کے لئے یہ شعر پڑھتے ہیں:

كالشمس فی کبد السماء وضوءها یغشی البلاد مشارقاً ومغارباً
جیسے سورج آسمان کے اندر ہے لیکن اس کی روشنی مشرق و مغرب کے سب شہروں کو ڈھانپنے ہوئے ہے۔

(مواعظ دنیا و آخرت)

امام قاسم بن قطلوبغا حنفی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں: ”قال الامام القونوی و ارواح الکفار متصلہ باجسادھا فتعذب ارواحھا فیتألم ذالک الجسد کالشمس فی السماء ونورها فی الأرض واما ارواح المؤمنین فی علیین ونورها متصل بالجسد ویجوز مثل ذالک الاثری ان الشمس فی السماء ونورها فی الأرض و کذلک النائم تخرج روحه ومع هذا یتألم اذا کان به الم ویصیب به راحة حتی یسمع منه الضحک فی المنام“ (حافی علی المسیرة ص ۲۲۷) امام قونوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار کی روہیں ان کے جسموں سے تعلق رکھتی ہیں تو روہوں کو عذاب ہوتا ہے تو جسم تکلیف محسوس کرتا ہے جیسے سورج آسمان میں ہے اور اس کا نور زمین میں ہے اور مؤمنین کی روہیں علیین میں ہوتی ہیں اور ان کا نور جسم میں ہوتا ہے اور ایسا ہو سکتا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سورج آسمان میں ہے اور اس کا نور زمین میں ہے، اسی طرح سوئے ہوئے شخص کی روح نکل جاتی ہے اس کے باوجود جب اس کو درد پہنچے تو درد محسوس کرتا ہے اور اس کو راحت بھی پہنچتی ہے حتیٰ کہ نیند کے حال میں اس کا ہنسا سنا جاتا ہے۔

اور قرآن مجید کی نص سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف روحانی زندگی موت ہے نہ کہ زندگی ہے، ارشاد الہی ہے: وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْیَاکُمْ ثُمَّ مَرَدُّہُمْ ثُمَّ مِمَّا لِّلّٰہِ لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلٰی الْکٰفِرِینَ

واذا اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریعتهم میں مذکور عہد الست سے اور کئی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ روحمیں دنیا کے اندر انسان کے بسانے سے عرصہ پہلے پیدا ہو چکی تھیں، تو وہ عالم ارواح میں رہتی تھیں مگر جب تک دنیا والی روح و جسم کے مجموعہ کی زندگی نہیں ملتی تب تک کی صرف روحانی زندگی کو کنتہم اموات میں اللہ تعالیٰ نے موت فرمایا، لہذا شہداء کی زندگی یا انبیاء علیہم السلام وغیرہ کی زندگی صرف روح کی نہیں ہے، نیز چونکہ شعور کا تعلق حواس سے ہوتا ہے والمشاعر الحواس لاتشعرون ای لاتدر کونہ بالحواس (مفردات راغب ص ۲۶۵) مشاعر حواس ہیں، لاتشعرون کا معنی ہے تم حواس سے اور اک نہیں کر سکتے ہو۔

ظاہر ہے کہ روح کو دیکھنے اور اس کی زندگی، وغیرہ حالات کا حواس سے علم دنیا میں بھی نہیں ہو سکتا تھا تو برزخ میں بھی نہیں ہو سکتا، اگر لاتشعرون کا تعلق روح کی زندگی سے ہو تو اس کا شعور نہ ہو سکتا سب کو معلوم ہے، تو اس کے شعور نہ ہو سکنے کے ذکر سے تحصیل حاصل اور عبث لازم آتا ہے۔ یقیناً لاتشعرون کا تعلق اس کے حالات سے ہے جس کا حواس سے ادراک ہونا ممکن ہے اور وہ جسم عنصری ہے، تو اللہ تعالیٰ نے شہداء کی جسم عنصری کی زندگی بیان کر کے لاتشعرون فرما کر واضح کیا کہ اگرچہ اس کا حواس سے معلوم ہونا ممکن ہے مگر برزخ میں جا کر یہ امکان بھی ختم کر دیا گیا، ہاں یہ بات غلط ہے کہ ان کی زندگی دنیا کی زندگی کی طرح یوں ہے کہ روح و جسم اکٹھے ہیں بلکہ اپنے مقام میں رہ کر باہم تعلق ہے۔

اس لئے مولوی صاحب نے رسالہ کے طبع دوم میں مولانا نور محمد صاحب تونسوی دامت برکاتہم سے جو کہا کہ جناب آیت شہداء سے جو جسم عنصری کی زندگی ثابت کرتے ہیں یہ تفسیر کس حدیث میں ہے؟ یا کس صحابی سے ثابت ہے؟ یا ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے؟ مولوی صاحب کا یہ سوال غیر معقول ہے، دراصل جناب والاماتیت کے نشہ سے مخمور ہو کر یہ نہیں سمجھ رہے کہ یہ بات تو الفاظ قرآن سے صاف واضح ہو رہی ہے اس کے لئے تو کسی مفسر کی تفسیر دکھانے کی ضرورت بھی نہیں تاہم الصراط السوی کے شروع میں آیت شہداء کے تحت تفصیل سے بحث درج ہے کہ جسم عنصری کی زندگی کیسے ثابت ہے؟ دیکھ کر اپنے ضد کا علاج فرمائیں۔ کہتے ہیں آپ کو پتہ چل گیا کہ روح و جسم دونوں زندہ ہیں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پوچھنے پر نبی پاک ﷺ نے اس قسم کا جواب کیوں نہیں دیا؟ (دوم ص ۶۲) جواب: چونکہ وہاں اصل زندگی روح کی ہے اس لئے روح کی زندگی کی کیفیت بیان فرمائی جسم کی زندگی بالتبع اور خود بخود سمجھ میں آنے والی ہے اس کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ وہ آیت سے خود ظاہر ہو رہی تھی۔

یاللعجب: آیت شہداء کی تفسیر میں مولوی صاحب نے شہداء کے سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہونے کی روایات ذکر کیں، تشریح الصراط السوی میں کر دی گئی ہے یہاں یہ قابل تعجب بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ حضرت جن راویوں پر جرح کرتے ہیں مطلب کے وقت انہی کی روایات پیش کرتے ہیں: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بحوالہ مسلم اور ابن ماجہ ذکر کی کہ آیت کی تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے پوچھی تھی تو آپ ﷺ نے ذکر فرمایا کہ ان کی روحمیں سبز پرندوں میں سوار ہو کر جنت کی سیر کرتی اور وہاں کے درختوں کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے نیچے لٹکی قدیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ (اعلان حق ص ۶۱)

حالانکہ مسلم (ج ۲ ص ۱۳۵) اور ابن ماجہ (ص ۲۰۱) میں اس کی سند میں اعمش عن عبداللہ بن مرۃ ہے اور اعمش کے متعلق یہ صاحب اعلان حق (طبع اول ص ۳۸) میں لکھتے ہیں: ”اعمش مدلس اور شیعہ ہے، حافظ ابن حجر نے اعمش کو تدلیس التوسیہ کا مرتکب بتایا جو کہ بدترین تدلیس ہے، مدلس راوی کی روایت قبول نہیں ہوتی۔

تو جب مرکزی راوی اعمش ہے اور وہ شیعہ بھی ہے مدلس بھی ہے اور روایت بھی عن سے کر رہا ہے اور ہے بھی تدلیس التزویر کا مرتکب اور مدلس کی روایت قبول بھی نہیں ہوتی تو جناب نے قبول فرمانے کی تکلیف کیوں فرمائی ہے؟

تیسری دلیل: (۳) آیت: ”وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ أَمْوَاتٌ غَيْرِ أَحْيَاءِ أَلَا يَاقُونَ“ حق یہ ہے کہ درحقیقت یہ آیت بتوں سے متعلق قطعی الدلالت ہے۔ (اور بتوں کے علاوہ سے متعلق قطعی الدلالت ہرگز نہیں صرف ظنی الدلالت اور احتمالی ہے جو عقیدہ کے باب میں حجت نہیں) کیونکہ نزول قرآن کے وقت جو غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ بت پرست لوگ تھے اور یدعون کی ضمیر انہی کی طرف راجع ہے، علامہ سلیمان الجمل رحمہ اللہ (حاشیہ الجمل ج ۲ ص ۲۱۴) میں اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ (معارف القرآن ج ۸ ص ۵۱۶) میں اور ابن کثیر رحمہ اللہ (تفسیر ج ۲ ص ۵۶۵) میں اور مولانا ابواللیث سرمدی رحمہ اللہ (تفسیر ج ۲ ص ۲۳۲) میں وغیرہم اصنام یعنی بت مراد لیتے ہیں۔

اور جن حضرات نے اس کو عام ٹھہرایا ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ذوی العقول معبودین قبروں میں مردہ ہیں بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ ان پر بھی موت آئی ہے یا آئے گی تو وہ معبود بننے کے لائق نہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہیں۔

”وہ (معبودین) مردے بے جان ہیں (خواہ دواماً جیسے بت یا فی الحال جیسے جو مر چکے یا فی المال جو مریں گے مثلاً فرشتے اور جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم) زندہ (رہنے والے) نہیں۔ (بیان القرآن ج ۶ ص ۳۹) اس تفسیر سے واضح ہے کہ بتوں کے علاوہ سے متعلق غیر احياء کا معنی بے روح بے جان نہیں بلکہ معنی ہے: ”زندہ رہنے والے نہیں۔“ یعنی ایک دن مرنے والے ہیں یا یا ایک دن ان پر موت آچکی ہے اور جب بت مراد لیں گے تو معنی بے جان اور بے روح ہوگا کہ بت تو اب بھی مردہ ہیں اور پہلے بھی مردہ تھے اور جو بزرگ اب تک زندہ ہیں جیسے فرشتے اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ وہ فی المال مردہ ہوں گے یعنی مریں گے، ان پر موت آئے گی اور جو بزرگ وفات پا چکے ہیں وہ فی الحال مردہ ہیں۔ یعنی دنیا کے اعتبار سے مردوں کی فہرست میں ہیں۔ باقی ایسے مردہ ہوں کہ ان کی روحوں کا جسموں سے بالکل تعلق نہیں۔ اس کے قائل نہ حضرت تھانوی ہیں نہ مولانا شبیر احمد عثمانی اور نہ مفتی محمد شفیع وغیرہم رحمہم اللہ، ان عبارات میں اس بات کا کچھ ذکر نہیں اور اپنی طرف سے گھسیڑ کر ان حضرات کے ذمہ لگا دینا یہود کے کرتوتوں میں سے ہے اور اگر غیر احياء کا ترجمہ کسی معتبر مفسر نے بھی یہ کیا ہے کہ جن میں جان یعنی روح نہیں ہے تو ان کی مراد بت ہیں کیونکہ بت ہی وہ ہیں جن میں بالکل جان نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں: ”وَجُوزَ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ مِنَ الْمَخْبَرِ عَنْهُ بِمَا ذَكَرَ مَا يَتَنَاوَلُ جَمِيعَ مَعْبُودَاتِهِمْ مِنْ ذَوِي الْعُقُولِ وَغَيْرِهِمْ فَيُرْتَكَبُ فِي أَمْوَاتٍ عُمُومِ الْمَجَازِ لِيَشْمَلَ مَا كَانَ لَهُ حَيَاةٌ ثُمَّ مَاتَ كَعَزِيرٍ أَوْ سِيمُونٍ كَعِيسَى وَالْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَمَالِيسٍ مِنْ شَانِهِ الْحَيَاةُ أَصْلًا كَالْأَصْنَامِ“ (روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۲۰) اور یہ بھی جائز ٹھہرایا گیا ہے کہ مذکورہ خبر کے مخبر عنہ (اموات غیر احياء) کی مراد ایسی ہو جو تمام معبودین ذوی العقول ہوں یا غیر سب کو عام ہو تو اس صورت میں لفظ اموات میں عموم مجاز لیں گے تا کہ اس کو بھی شامل ہو جس میں حیات تھی پھر فوت ہو جیسے عزیر علیہ السلام یا آئندہ فوت ہو جیسے حضرت عیسیٰ اور فرشتے علیہم السلام اور اس کو بھی شامل ہو جس کی شان سے سرے سے زندگی ہے ہی نہیں جیسے بت۔

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ آیت میں ذوی العقول معبودین داخل کرنا احتمالی بات ہے یعنی آیت بتوں کے

حق میں حقیقت ہے، ان کے علاوہ ذوی العقول کے حق میں مجاز ہے حقیقت نہیں، تو جناب عقیدہ کے باب میں ظنی الدلالہ اور آیت حتمہ سے حجت لے رہے ہیں، کیا دلیل قطعی اور آیات غیر حتمہ پیش کرنے کی شرط صرف ہمارے لئے ہے؟

مولانا آلوسیؒ فرماتے ہیں: ”و معنی کونہم امواتا انہم لا بد لہم من الموت و کونہم غیر احياء غیر حیاة تامة حیاتہم و الحیاة التامة ہى الحیاة الذاتية التي لا یرد علیہا الموت“ (روح المعانی ج ۱۳ ص ۱۲۰) یعنی ان کے اموات ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے موت لازمی ہے اور غیر احياء سے مراد یہ ہے کہ حیات تامہ والے نہیں ہیں اور حیات تامہ وہ ذاتی حیات ہے جس پر موت وارد نہیں ہوتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں ذوی العقول معبودین کے لئے صرف موت آنے کا اور ہمیشہ کی ذاتی زندگی نہ ہونے کا ذکر ہے، موت کے بعد کیا حال ہوگا زندگی ملے گی یا نہ، ذوی العقول معبودین کی روحوں کے ساتھ ساتھ اجسام عنصریہ کی زندگی ہوگی یا نہ؟ اس کا کچھ ذکر نہیں اور ذکر نہ ہونے کا معنی نہ ہونا تو نہیں ہے۔ (ورنہ برزخی زندگی کی بھی نفی مانیں) نیز یہ کہ معبودین کے لئے غیر احياء سے صرف حیات تامہ یعنی حیات ذاتی کی نفی ہے مطلق حیات کی نفی نہیں ہے، ورنہ جو جو معبود آیت کا مصداق بنے وہ مصداق بنتے وقت بھی میت ہو زندہ نہ ہو، تو مولوی صاحب مرزائیوں کی طرح یہ مان لیں کہ حضرت عیسیٰؑ بھی مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں کیونکہ ان کو بھی اموات غیر احياء میں داخل کیا گیا ہے۔

الحاصل! اس سے زیادہ سے زیادہ صرف موت آنا ثابت ہوتا ہے اور یہ محل نزاع نہیں، محل نزاع تو روح کا جسم عنصری سے تعلق ہونا نہ ہونا اور قبر کی زندگی ہے اور جناب کا دعویٰ روح مبارکہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے کا ہے اور اسی دعویٰ کے ثبوت میں یہ آیت لکھ رہے ہیں تو آیت کے کون سے لفظ کا ترجمہ ہے کہ روح اعلیٰ علیین میں ہے اور جسم مردہ ہے؟

فائدہ: اس آیت اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ فی المال وفات پانے کی خبر دینے کے لئے زندہ پر بھی میت کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو انک میت میں میت اور آپ کے دور میں موجود لوگوں کو ان کی زندگی میں انہم میتوں میں میت فرمایا گیا جس کا معنی وفات پانے والے ہے، خود مولوی صاحب نے آیت ثم انکم بعد ذالک لمیتون میں میتون کا ترجمہ کیا ”مرنے والے“ (طبع دوم ص ۶۵) جس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم الفاظ میں محض وفات پانے کا ذکر ہوتا ہے، جسم عنصری کا بالکل مردہ ہونا یا روح کا جسم سے تعلق نہ ہونا وغیرہ کچھ ثابت نہیں ہوتا، اس لئے کسی نص میں یا علماء کی عبارت میں نبی وغیرہ کسی کے لئے محض میت کا اطلاق ہونے سے وفات کے بعد جسم عنصری مردہ ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا جب تک جسم عنصری کا صریح مردہ بے جان ہونا اور روح کا تعلق نہ ہونا ذکر نہ ہو۔

چوتھی دلیل: (۴) حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں آیت ہے و السلام علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیا سلام پہنچے جس دن پیدا ہوا اور جس دن انتقال کروں گا اور جس روز میں قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ (ترجمہ حضرت تھانوی)

پانچویں دلیل: (۵) حضرت یحییٰؑ کے بارے میں ہے سلام علیہ یوم ولد و یوم یموت و یوم یبعث حیا اور سلام پہنچے جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن انتقال کریں گے اور جس دن (قیامت میں) زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، ترجمہ از حضرت تھانوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر کے مطابق حضرت عیسیٰؑ اور یحییٰؑ فوت ہونے کے بعد قیامت کے دن زندہ ہوں گے، اس سے پہلے نہیں، کیا حضرت تھانویؒ نے قرآن نہیں سمجھا انہوں نے احادیث نہیں پڑھی تھیں جو تم نے پڑھ لی ہیں؟ (اعلان حق ص ۲۵)

مولوی صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے آیت کا ترجمہ نقل کر کے مفہوم مخالف کی ڈنڈی مار کر دھوکہ دینا چاہا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف یوم بعث کے یوم کی تعیین کرنا چاہی ہے کہ یہ جو فرمایا کہ جس دن اٹھایا جاؤں گا زندہ ہو کر اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اس سے زیادہ حضرت تھانوی کچھ نہیں فرمانا چاہتے، یہ مولوی صاحب کی اپنی تشریح اور اپنا بیان کردہ مفہوم مخالف ہے کہ قیامت سے پہلے بالکل زندہ نہ ہوں گے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نہیں، مولوی صاحب کو خوب یاد رکھنا چاہئے کہ مفہوم مخالف شوافع کے ہاں بھی منطوق صریح کے مقابلہ میں ذرا بھر حجت نہیں تو یہاں مفہوم مخالف کی ڈنڈی کیوں مارتے ہو کہ قیامت میں زندہ ہوں گے یعنی اس سے پہلے کوئی زندگی نہیں بلکہ مردہ ہوں گے؟

بالفرض مانا کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں ان کو زندگی حاصل نہ ہوگی تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ برزخ کی زندگی بھی حاصل نہ ہوگی (قیامت سے پہلے کی جس قسم کی زندگی بھی ہو اس کی نفی ہوگی) تو جناب جس برزخی زندگی کے قائل ہیں جناب کی تقریر کے مطابق اس کی بھی نفی ہے کہ وہ زندگی بھی نہیں ہے، تو جو جواب جناب دیں گے وہی جواب ہم دیں گے۔

بات تو یہ ہے کہ آیت میں دنیا والی زندگی کا ذکر یوم ولدت میں اور قیامت کے دن کی زندگی کا ذکر یوم البعث میں ہوا لیکن قبر کی زندگی کا صرف ذکر نہیں ہوائی تو نہیں ہے، جیسے وضو کی آیت میں وضو کے چار فرضوں کا ذکر ہوا سنتوں اور مستحبات کا ذکر نہیں ہوائی تو نہیں ہے، اپنی طرف سے خود نفی گھسیڑ کر منکرین حدیث کے رویہ کو اپناتے ہیں اور سوچتے بھی نہیں کہ جناب کس ڈگر پر چل رہے ہیں؟

نیز یہاں کامل زندگیوں کا ذکر ہوا ناقص زندگی کا ذکر چھوڑ دیا گیا اور کامل زندگیاں دو ہیں دنیا کی اور آخرت کی، قبر کی زندگی دنیا اور آخرت کی زندگی کی بہ نسبت ناقص ہے اس لئے ذکر نہیں ہوئی، یا بقول حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ قبر کی زندگی الگ زندگی نہیں یا دنیا کی زندگی کا تکملہ یا آخرت کی زندگی کا مقدمہ ہے اس لئے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۱۷۳) مولوی صاحب کو یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات کے بعد روضہ مبارکہ میں دفن ہوں گے جو جنت کے باغوں میں سے ہے کیا جنت کے باغوں میں مردہ رہا کریں گے؟ اور یہ بھی سوچنا چاہئے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے ہیں تو دوسرے شہید ہوں تو انہیں قیامت سے پہلے قبر کی زندگی مل جائے اور نبی شہید ہو تو وہ اس زندگی سے محروم رہتا ہے؟

شاید یہ کہہ دیں کہ بعض تفسیروں میں صاف آیا ہے وفی القبر میتا اور قبر میں مردہ ہو کر (اس پر سلامتی ہوگی) جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قبر میں کوئی زندگی ان کو حاصل نہ ہوگی اگر قبر میں زندگی نہیں تو قبر میں رہنے والے یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام پر سلامتی کا نزول کس چیز پر ہوگا؟ آخر سلامتی ایک ایسی چیز ہے جو قائم بالذات نہیں قائم بالغیر ہے تو وہ غیر کیا ہے جس پر قبر میں سلامتی ہوگی؟ نیز آپ لوگ جب قبر سے برزخ مراد لیتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہ السلام قبر یعنی برزخ میں مردہ ہوں گے، تو جناب والا ان کی برزخی زندگی کا بھی انکار کریں، بہر حال میتا کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات پا کر قبر میں پہنچنے پر بھی سلامتی ہوگی یعنی راحت قبر و راحت برزخ حاصل ہوگی عذاب قبر و قبر کے امتحان سے محفوظ ہوں گے۔

پھر مولوی صاحب کا دعویٰ نبی کی روح کے اعلیٰ علین میں ہونے کا ہے وہ آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہے جس سے استدلال کیا؟

چھٹی دلیل: (۶) مولوی صاحب نے رسالہ کے دوسرے ایڈیشن میں اس آیت سے بھی استدلال کیا:

”ثم انکم بعد ذالک لمیتون ثم انکم یوم القیامة تبعثون“ پھر اس کے بعد تم ضرور مرنے والے ہو، پھر تم قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے۔

مطلب یہ نکالا کہ یعنی قیامت سے پہلے زندہ نہیں ہو گے، کہتے ہیں: ”یہ (بزرگ) تو فرما رہے ہیں کہ سب نے قیامت کے دن زندہ ہونا ہے اور تم نے مردوں کو قیامت سے پہلے زندہ کرنا کیوں شروع کر دیا ہے؟“ (اعلان حق دوم ص ۶۵)

جواب: بے شک آیت کا ترجمہ یہی ہے اور ان بزرگوں نے یہی ترجمہ کیا کہ قیامت کے دن سب نے زندہ ہونا ہے، مگر یہ تو نہیں فرمایا کہ قیامت سے پہلے (قیامت کے دن جیسی زندگی نہ سہی) کچھ بھی زندگی نہیں، یہ جناب نے مفہوم مخالف استعمال کیا ہے، اسی طرح کی آیت سورہ بقرہ میں ہے: ”فاحیا کم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون“ اس کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف ایک حیات کا ذکر ہے جو قیامت کے روز ہونے والی ہے۔ (جیسے مولوی صاحب کی پیش کردہ آیت میں یہی بات ہے) قبر کی زندگی کا ذکر نہیں۔ (نہ یہ کہ نفی ہے جیسے مولوی صاحب کا مفہوم مخالف بتاتا ہے) وجہ یہ ہے کہ برزخی زندگی اس طرح کی زندگی نہیں ہے جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے یا آخرت میں پھر ہوگی بلکہ ایک درمیانی صورت مثل خواب کی زندگی کے ہے اس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی کہا جاسکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی اس لئے کوئی مستقل زندگی نہیں جس کا جدا گانہ ذکر کیا جائے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۱۷۳)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ مولوی صاحب کی متدل آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”ولم یدکر سبحانہ طور الحیات فی القبر لانہ من جنس الاعادة“ (روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۷) اللہ تعالیٰ نے قبر کی زندگی کا مرحلہ ذکر نہیں فرمایا (نہ یہ کہ اس کی نفی کی ہے) اس لئے کہ قبر کی زندگی اعادہ کی جنس سے ہے۔“

یعنی گویا وہی دنیا والی زندگی مل گئی یا یہ مطلب ہے کہ مستقل زندگی نہیں صرف روح کے اعادہ یعنی تعلق والی زندگی ہے، اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا اور مولوی صاحب کی یہ بات اللہ تعالیٰ پر اور بزرگوں پر غلط بیانی ہے، کہ قیامت سے پہلے (قبر) کی زندگی کی نفی کر دی۔

یہ تو آیات قرآنی تھیں جن سے مولوی صاحب نے نبی کریم ﷺ کی روح کے اعلیٰ علین میں ہونے اور صرف روحانی زندگی ہونے اور جسم عصری میں زندگی نہ ہونے کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی حالانکہ ان آیات سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ قارئین نے دیکھ لیا، اس کے بعد احادیث سے دلائل پیش کئے۔

ساتویں دلیل: (۷) مولوی صاحب لکھتے ہیں ”حضرت عائشہ فرماتی ہیں ’نوفی النبی ﷺ فی بیتی

بین سحری ونحری فرفع رأسہ وقال اللهم الرفیق الاعلیٰ وفی رواۃ ثم قبض وفی رواۃ فجعل یقول فی الرفیق الاعلیٰ حتی قبض“ (بخاری باب مرض النبی ﷺ ووفاته مشکوٰۃ، حیات الاموات مولانا نور الحسن بخاری ص ۱۱۲)

(اعلان حق ص ۴۶، ۴۵)

خلاصہ مطلب مولوی صاحب کا یہ ہے کہ آپ کا رفیق اعلیٰ مانگتے تھے اور رفیق اعلیٰ سے انبیاء شہداء صدیقین اولیاء ﷺ کی جماعت مراد ہے اور سندھی حاشیہ بخاری کے مطابق انبیاء وغیرہم اعلیٰ علین میں رہتے ہیں تو نبی کریم ﷺ بھی اعلیٰ علین میں ہیں۔

جواب: بے شک آپ ﷺ نے رفیق اعلیٰ کی دعا فرمائی اور بے شک قبول ہوئی اور واقعی رفیق اعلیٰ سے

انبیاء علیہم السلام کی جماعت مراد ہونا حدیث سے ثابت ہے، مگر حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس جہان کو اختیار کیا جہاں انبیاء اولیاء وغیرہم حضرات سے ملاقات ہو اور وفات کے بعد اموات کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے جیسے حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میرے گھرانے میں سے سب سے پہلے تو مجھے آکر ملے گی۔ (مشکوٰۃ، باب وفاة النبی ﷺ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے وقت فرماتے تھے: ”غدا نلقى الاحبة محمدًا وحزبه“ کل ہماری ملاقات نبی کریم ﷺ اور آپ کی جماعت سے ہوگی۔“

اور حضور ﷺ نے محاصرہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خواب میں فرمایا کہ کل جمعہ کا روزہ ہمارے پاس آکر افطار کرنا ہے۔ (الریاض الغریۃ) وغیرہ!

تو وفات کے بعد روحوں کی ملاقات ہو سکتی ہے، مگر حدیث کے کن الفاظ کا معنی ہے کہ روح مبارکہ اعلیٰ علیین میں ہے؟ اور علامہ سندھی رحمہ اللہ کی بات تو خبر واحد جتنا درجہ بھی نہیں رکھتی چہ جائے کہ اس کی تشریح کو لے کر آپ حضور ﷺ کی روح مبارکہ کا اعلیٰ علیین میں ہوتا اور وہاں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا ثابت کریں، سوچ کر بات کرنا کہ عقیدہ کے باب میں (آپ کے نزدیک بھی) دلیل قطعی قرآن و حدیث سے ہونی چاہئے اس باب میں اقوال حجت نہیں ہیں کیونکہ یہ غیب کی بات ہے۔ (اعلان حق ص ۲۵) نہ خبر واحد کا رآمد ہے؟

پھر نزاع تو اس میں ہے کہ روح مبارکہ کا جسم اطہر سے تعلق ہے یا نہ جس سے جسم عنصری کی حیات حاصل ہو؟ اس حدیث میں اس کا ذکر کس لفظ میں ہے؟ مفہوم مخالف ہر گرجت نہیں ہے اس کا سہارا چھوڑ دیجئے۔

اور مولوی صاحب کی دیانت داری ہے کہ مولانا نور الحسن کی حیات الاموات سے ثبوت دیتے ہیں مگر ان کی وہ بات جو مطلب کی نہ ہو اس کو چھپاتے جاتے ہیں، حالانکہ اسی بحث کو کئی صفحات میں ذکر کرنے کے بعد نتیجہ نکال کر اس نتیجہ کے ذکر کے بعد مولانا نور الحسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اب آپ ﷺ کے روح پاک کا مقصد و ماویٰ جنت الفردوس ہے آپ ﷺ کے رہنے کی جگہ آپ ﷺ کا مقام سکونت جنت الفردوس ہے، بایں ہمہ قبر شریف میں آپ ﷺ کی جسمانی زندگی کا انکار نہیں کیا جاسکتا، تمام اہل حق اور جمیع ائمہ دین مزار پر انوار میں حیات النبی ﷺ کے قائل و مثبت ہیں تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ ہو (وہی اگلا باب تو مولوی صاحب کے لئے زہر قاتل تھا)

(حیات الاموات ص ۱۱۶ و ۱۲۰)

ظاہر ہے کہ مزار پر انوار میں آپ ﷺ کا جسم اطہر عنصری ہے جس کی حیات کو مولانا نور الحسن سب اہل حق کا عقیدہ کہہ رہے ہیں کیا وہ اہل حق ان احادیث کو نہیں سمجھتے تھے؟ اور ظاہر ہے کہ جب وہ عقیدہ اہل حق کا ہے، تو جو اس عقیدہ پر نہ ہو وہ اہل باطل سے ہے۔

آٹھویں دلیل: (۸) لکھتے ہیں وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”یا ابتاہ من اجاب ربا

دعاہ، یا ابتاہ من جنت الفردوس ماواہ“ اے میرے ابا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بلا لیا آپ ﷺ نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا اور اے میرے ابا اب جنت الفردوس آپ ﷺ کا ٹھکانہ ہے۔ (اعلان حق ص ۲۶)

جواب: اولاً! جب عقیدہ کے باب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد ﷺ کا وہ فرمان جو خبر واحد کے طور

پر مروی ہو حجت نہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنا قول جو وہ بھی خبر واحد ہے کیسے حجت ہے کیا وہ دلیل قطعی ہے؟ اپنا بیان کردہ اصول کیوں بھول جاتے ہیں؟ کیا وہ ہمارے لئے رکھا ہے؟

ثانیاً اس قول میں آپ ﷺ کی ذات اطہر کا جنت میں ہونا ذکر ہے، آپ کا دعویٰ روح مبارکہ کے علیین میں ہونے کا ہے تو کیا جنت و علیین ایک ہے نص قطعی الثبوت والدلالہ پیش کرو؟ نیز اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ روح مبارکہ جنت الفردوس میں ہے، مگر کیا جسم عنصری بالکل مردہ ہے یا روح کا تعلق ہونے سے برزخی حیات سے زندہ ہے؟ اس کا ذکر نہ لگنی میں ہے نہ اثبات میں، ہم کہتے ہیں جیسے روح مبارکہ جنت میں ہے جسم اطہر بھی جنت سے اعلیٰ مقام قبر اطہر والی جنت میں ہے جو علماء دیوبند اور علماء اہل سنت کے نزدیک زمینی آسمانی سب خطوں سے افضل خطہ ہے (راہ حق میں کافی حوالے درج ہیں ملاحظہ کریں) آپ صرف روح کو جنت میں کیوں مانتے ہیں اور قبر اطہر کو جنت کا باغ اور جنت سے اعلیٰ کیوں نہیں مانتے نیز اس حدیث میں جسم اطہر کا مردہ ہونا اور اس سے روح کا تعلق نہ ہونا کون سے الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے؟ صریح لفظ بتائیے اور مفہوم مخالف نہ پیش کریں اس کی حیثیت تو معتبر عالم و مفسر کے قول جتنی بھی نہیں ہے؟

بس مولوی صاحب کے پاس آپ ﷺ کی روح مبارکہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے کی یہی دلیلیں ہیں۔ خود مولوی صاحب اور قارئین انصاف کریں گے کہ ان میں سے کوئی دلیل قطعی الدلالہ اور کوئی حدیث متواتر ہے؟ دوبارہ غور فرمائیں کہ ان میں سے کسی آیت اور حدیث میں روح مبارکہ کا علیین میں ہونا ذکر نہیں ہاں جنت میں ہونا ذکر ہے، جس کے ہم منکر نہیں ہیں، نیز صرف اور صرف روح کا زندہ ہونا اور جسم کا مردہ ہونا کسی آیت یا حدیث میں ذکر نہیں ہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے حضرات علماء کے کچھ اقوال بیان کئے جن سے روح مبارکہ کا اعلیٰ علیین میں ہونا ثابت کرتے ہیں حالانکہ علماء کے اقوال عالم غیب سے متعلق حجت بھی نہیں، جب علماء کے اقوال حجت نہیں تو وہ سب اقوال ذرا بھی دلیل اور ثبوت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور ان کے جواب کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی مگر ہم ان کا جواب دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں تاکہ ان سے دھوکہ نہ کھایا جاسکے، قارئین کو صاف نظر آئے گا کہ علماء کی عبارات میں مولوی صاحب نے کافی خیانت اور تحریف کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ بے نمازی کو ”لا تقربوا الصلوۃ“ سے کام ہے ”وانتم سکری“ کی ضرورت نہیں ہے یہی کام مولوی صاحب کا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی روح مبارکہ کا مقام اور اقوال علماء کرام علیہ

علامہ نسفی اور علامہ آلوسی اور ابن قیمؒ کا مذہب: (۱) کہتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کی روحوں بدنوں سے نکل کر مفک اور کافور کے مماثل جسموں کی طرح ہو کر جنت میں ہوتی ہیں کھاتی پیتی ہیں، (شرح الصدور، بشری الکلیب ص ۱۳۴، روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۲ وغیرہ۔ خضر حیات بکروڈی نے بھی اتنی نقل کی، اکابر کا باغی کون؟ ص ۱۸۲) یہ قول علامہ نسفیؒ کا بحوالہ بحر العلوم ہے، اولاً تو افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے یہاں بھی خیانت کا ارتکاب کیا ہے، چنانچہ اسی عبارت میں ساری بحث کرتے ہوئے علامہ نسفیؒ کا کفار تک سے متعلق فرما رہے ہیں: ”وہی متصلۃ باجسادھا“ اور یہ روحوں اپنے اجسام عنصریہ کے ساتھ بھی متعلق رہتی ہیں۔“

(شرح الصدور ص ۲۱۴ روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۲)

اور یہ عبارت مولوی صاحب کے نظریہ کی بیخ کنی کرتی ہے اس لئے نقل نہ کرنا مصلحت سمجھا۔

ثانیاً: روحوں کے جنت میں اس کیفیت کے ساتھ ہونے کا ذکر کوئی حدیث متواتر میں آیا ہے بلکہ کوئی

ضعیف حدیث ہی اس مضمون کی پیش کر دیں علامہ نسفی کا قول خبر تواتر کیا ضعیف حدیث جتنا درجہ بھی نہیں رکھتا؟

ثالثاً: علامہ محمود آلوسیؒ مختلف اقوال اور بحث ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ثم اعلم ان اتصال الروح

بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل هی متصلہ مشرقہ علی سائر اجزائه وان تفرقت و کان جزء بالمشرق و جزء بالمغرب“ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۲۳) پھر (روحوں کا اجسام عنصریہ سے تعلق ہوتا ہے اور) تمہیں جان لینا چاہئے کہ روح کا بدن سے ایسا تعلق نہیں کہ ایک جزء سے خاص ہو دوسرے جزء سے نہ ہو بلکہ روح تو جسم کے سب اجزاء کے ساتھ متصل اور پرتور کھنے والی ہوتی ہے اگر چہ اجزاء ایسے منتشر ہوں کہ ایک جزء مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہو۔“

اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ بھی علامہ ابن قیم رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”هذا مع القطع بان روحه فی اعلیٰ علیین مع ارواح الانبیاء وهو فی الرفیق الاعلیٰ فثبت بهذا انه لا منافاة بین کون الروح فی علیین او فی الجنة او فی السماء وان لها بالبدن اتصالاً بحيث تدرك وتسمع وتصلی و تقرأ“ (شرح الصدور ۲۰۷، بحکرونی نے صرف الرفیق الاطیٰ تک نقل کی ہے، اکابر کا باغی کون؟ ص ۱۸۲) یہ بات ثابت ہونے کے ساتھ یہ بھی یقینی ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارکہ انبیاء علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ہے اور رفیق اعلیٰ میں بھی ہے اس سے ثابت ہوا کہ روح کے علیین یا جنت یا آسمان میں ہونے کے درمیان کوئی تضاد نہیں اور روح مبارکہ کا جسم اطہر سے ایسا تعلق بھی ہے جس سے آپ ﷺ ادراک رکھتے اور سنتے ہیں اور نماز پڑھتے اور قرآن پڑھتے ہیں۔

اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”و بعد وفاته استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ومع هذا فلها اشراف علی البدن و اشراق وتعلق به بحيث یرد السلام علی من سلم علیہ“ (رد المعاد جلد ۲ ص ۲۲۷) وفات کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارکہ انبیاء علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں ہے مگر اس کے ساتھ جسم اطہر پر پرتو اور عکس اور اس طرح کا تعلق ہے کہ سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اسی تعلق کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا جب کہ ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کا مذہب: (۲) لکھتے ہیں۔ ”حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ انبیاء کی ارواح جنت میں ہیں۔“

جواب: مولوی صاحب کے یہ حوالے (اور ایسے ہی باقی حوالے بھی) بے نمازی کی دلیل لا تقر بوا الصلوٰۃ جیسے ہیں، علامہ ابن رجب حنبلی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وارواحهم فی اعلیٰ علیین ولكن مع ذالك لها اتصال سریع فی الجسد ولا یعلم کنه ذالك و کیفیتہ علی الحقیقۃ الا اللہ عز و جل“ (احوال القورص ۱۹۱) اور انبیاء علیہم السلام کی روحیں اعلیٰ علیین میں ہیں لیکن ان کا جسم عنصری میں تیز تر تعلق ہے جس کی حقیقت اور واقعی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا حوالہ ابھی اوپر عبارت میں آچکا ہے اور ان کی کتاب الروح اس بارے میں مما تیوں کے لئے سیف قاطع ہے اس لئے مولوی صاحب نے اس کے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ہونے کا ہی انکار کر دیا (الصراط السوی میں اس کا ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ہونا ثابت کیا گیا ہے)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا حوالہ: فتح العزیز ص ۹۹ میں فرماتے ہیں مقام علیین سات آسمانوں کے اوپر ہے اور عرش کے نیچے، نیک بندوں کی ارواح وہاں جاتی ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام وہاں رہتے ہیں۔ (اعلان حق دوم ص ۶۸)

جواب: جناب والا! خیانت کر کے آپ کون سا ثواب کھاتے ہیں؟ اسی جگہ پر (فارسی) تفسیر عزیزی میں

آگے ذکر ہے: ”وعلقہ ہر نیز ایں ارواح را می باشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگران بر قبر مطلع و مستانس می گردد“ (تفسیر پم ص ۱۲۳) اور ان روحوں کا قبر سے بھی تعلق ہوتا ہے، کہ زیارت کرنے والوں و اور رشتہ داروں اور دوسروں کے قبر پر حاضر ہونے پر مردے مطلع ہوتے اور مانوس ہوتے ہیں۔“

جناب! مانیں تو پوری بات مانیں یہ کیا کہ علین کے مقام اور وہاں روحوں رہنے کی ان کی بات درست ہے مگر جسم غصری سے تعلق کی بات اور آنے والوں کو جان لینے اور ان سے مانوس ہونے کی بات غلط ہے؟ افتؤ منون بعض الكتاب و تکفرون بعض؟

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کا حوالہ: مولوی صاحب قاضی صاحب سے نقل کرتے ہیں ”فرماتے ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی ارواح اعلیٰ علین میں رہتی ہیں۔“ (اعلان حق دوم ص ۶۸) جواب: یہ بھی فرماتے ہیں: ”ان مقرر ارواح المؤمنین فی علین اوفی السماء السابعة ونحو ذالک کما مر و مقرر ارواح الکفار فی سجن ومع ذالک لکل روح منها اتصال بجسده فی قبره لایذکر کنهہ الا اللہ تعالیٰ وبذالک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ویحس اللذة او الالم یسمع سلام الزائر ویجیب المنکر والنکیر ونحو ذالک مما ثبت بالکتاب والسنة قال الشعبي فی بحر الکلام هی متصلة باجسادها فتعذب الارواح وی تألم الاجساد منها کالشمس فی السماء ونورها فی الارض۔“ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۵) بے شک مؤمنین کی روحوں علین یا ساتویں آسمان وغیرہ پر اور کفار کی سجن میں رہتی ہیں، مگر اس کے ساتھ ہر روح کا قبر میں اس کے جسم کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے جس کی حقیقت صرف اللہ جانتا ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے جنت یا دوزخ کا ٹھکانہ روح و جسم کے مجموعہ انسان پر پیش ہو سکتا ہے اور لذت یا تکلیف محسوس کرتا ہے، زیارت کرنے والے کا سلام سنتا ہے، مگر نکیر کو جواب دیتا ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ کتاب و سنت سے ثابت ہے، امام شعبی بحر الکلام میں فرماتے ہیں روحوں اپنے جسموں سے تعلق رکھتی ہیں تو روحوں کو عذاب ہوتا ہے جس سے جسم بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں جیسے سورج آسمان میں ہے اور اس کی روشنی زمین میں ہے۔

اور فرماتے ہیں: ”ارواح ایشاں در زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند میروند و دوستان و معتقدان را در دنیا و آخرت مددگارے می نمایند“ (تذکرۃ الموتی والقبور ص ۳۰) انبیاء علیہم السلام کی روحوں زمین، آسمان، بہشت جہاں چاہیں جاتی ہیں اور دوستوں کی دنیا و آخرت کے معاملوں میں مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔

ان کی کتاب ”تذکرۃ الموتی والقبور“ ہے مولوی صاحب کو اس کا خوب مطالعہ کرنا چاہئے مگر یہ تیر نہ چلائیں کہ وہ ان کی کتاب ہی نہیں، ثابت کا انکار عاجزی کی دلیل ہے، حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب (کے ص ۲۴ طبع مطبع سلطان لاہور ۱۲۹۲ھ) میں مستقل باب قائم کیا ہے ”باب در بیان آنکہ انبیاء و اولیاء در قبور خود بنماز و ذکر خدا مشغول و محتلد ذبا شد“ باب اس بیان میں کہ انبیاء کرام اور اولیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز اور ذکر خداوندی میں مشغول ہوتے اور لذت حاصل کرتے ہیں اور اس کتاب میں انبیاء اور عام مردوں کی قبروں کے پاس سلام سننے اور جواب دینے کا ذکر فرمایا ہے اور فرمایا ہے: ”لیکن البتہ علاقہ باقی میماند کہ ازاں ادراک راحت و رنج کند (ص ۲۹) کہ ہر روح کا جسم غصری سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ راحت اور تکلیف محسوس کر سکے۔“

تو وہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی زمینی قبروں کی زندگی کے قائل ہیں اور عند القبر سلام سننے کے قائل ہیں جب کہ مولوی صاحب اس سب کے منکر ہیں؟

یہاں بھی جناب ساری بات مانو یہ کیا کہ ”میٹھا ہپ ہپ کڑوا تھو تھو۔“

مولانا مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ کا حوالہ: (فرماتے ہیں) سب ہی کو روحانی حیات حاصل رہتی ہے کیونکہ مدار ثواب و عقاب کا حیات روحانی پر ہے۔ جو مسلم ہے پھر اسی حیات روحانی میں درجات ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات قوی تر ہے، اس کے بعد شہداء کی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۷۶، ۷۷، اعلان حق دوم ص ۶۸) جواب: چونکہ اس حیات میں روح اصل ہے اس لئے اس کو حیات روحانی فرمایا مگر یہ مطلب نہیں کہ جسم عنصری میں کوئی حیات نہیں ہے کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں، قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصل اس کا علیین یا جبین ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۲۶، ۲۷، ۲۸)

حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کا مذہب: (۳) کہتے ہیں مفتی کفایت اللہ کا حوالہ گزر چکا ہے کہ وہ دنیوی حیات کے قائل نہیں۔

جواب: جناب والا! آپ اپنا دیا ہوا عنوان بھول گئے مفتی صاحب رحمہ اللہ کی کوئی عبارت میں ہے کہ روح مبارکہ اعلیٰ علیین یا جنت میں ہے اور جسم سے کوئی تعلق نہیں ہے؟

مفتی صاحب رحمہ اللہ ہرگز مماتی نہیں تھے وہ تو ہر مردے کے جسم عنصری سے روح کا تعلق مانتے ہیں چہ جائے کہ نبی کریم ﷺ کی روح مبارکہ کے تعلق کے منکر ہو کر مماتوں میں شامل ہوں، وہ فرماتے ہیں: ”ہاں میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ (مؤمن ہو تو) آرام یا (کافر ہو تو) تکلیف کو محسوس کر سکے۔ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۹۶ بحث سماع موتی)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا مذہب: (۴) کہتے ہیں مفتی محمد شفیع صاحب (معارف القرآن ص ۳۹۷ ج ۱) میں فرماتے ہیں اس برزخی حیات کے درجات مختلف ہیں ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے اور کچھ مخصوص درجے انبیاء و صالحین کے لئے مخصوص ہیں پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء پھر شہداء پھر معمولی مردے،

جواب: یہ درست ہے کہ اس عبارت میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس بات کو برزخی کیا ہے اور یہی بات مولوی صاحب کا مستدل ہے مگر یہ بات ہرگز اختلافی نہیں، اختلاف تو روح کے جسم اطہر سے تعلق سے قبر میں حیات اور سماع عند القبر میں ہے اور اسکے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں (قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے نقل فرماتے ہیں) یہ بات کچھ بعید نہیں کہ اصل مستقر ارواح کا علیین اور جبین ہی ہوں مگر ان ارواح کا ایک خاص رابطہ قبروں کے ساتھ بھی قائم ہو، اس رابطہ کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر جس طرح آفتاب ماہتاب آسمان میں ہیں اور ان کی شعاعیں زمین پر پڑ کر اس کو روشن بھی کر دیتی ہیں گرم بھی، اسی طرح علیین و جبین کی ارواح کا کوئی رابطہ معنویہ قبروں سے بھی ہو سکتا ہے، (معارف القرآن ج ۸ ص ۶۹۸)

اور فرماتے ہیں: ”روضہ اقدس کے سامنے الفاظ خطاب کے ساتھ سلام پڑھنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے کیونکہ وہاں براہ راست حضور ﷺ کا سلام سننا اور جواب دینا روایات حدیث سے ثابت ہے۔“

(جواہر المعاد ج ۱ ص ۲۱۵ طبع ادارۃ المعارف کراچی)

اور پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گنہگار مسلمان حضور ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت اور استغفار کرنے کی درخواست کرے۔ (معارف القرآن آیت و لو انهم اذ ظلموا) جس کو مولوی صاحب شرک کہتے ہیں اور تسکین الصدور پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تقریظ بھی چشمہ لگا کر دیکھ لیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا مذہب: (۵) کہتے ہیں ”حضرت تھانوی (فرماتے ہیں) آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ ﷺ کو رزق ملتا ہے مگر یہ یاد رہے کہ اس حیات سے مراد ناسوتی (دنوی یا دنیا کی سی) نہیں ہے وہ دوسرے قسم کی حیات ہے جس کو حیات برزخیہ کہتے ہیں۔ (عظا الظہور ص ۱۴۹ الخ، اعلان حق ص ۷۷)

جواب: حضرت تھانوی رحمہ اللہ قبر شریف میں حیات کا فرما رہے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہے اور وہاں جسم عصری ہے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ جسم عصری میں حیات کے قائل ہیں اور روح مبارک کے اتنے تعلق کے قائل ہیں جس سے قبر مبارک کے نزدیک پڑھے جانے والے درود و سلام کو سن کر آپ ﷺ جواب دیتے ہیں اور حضرت سید احمد رفاعی رحمہ اللہ کو روضہ مبارک کے اندر سے سلام کا جواب دینا ذکر کر کے اس واقعہ سے قبر اطہر میں جسم عصری کی زندگی اور سلام سننے اور جواب دینے کو مانتے ہیں، جیسا کہ گزشتہ مضمون میں باحوالہ ذکر ہوا (اشرف الجواب، حفظ الایمان) اور یہ سب مولوی صاحب کے لئے مان لینا ہر قائل سے کم نہیں تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو اپنے ساتھ جوڑنا ایسا ہے جیسے امام اہل سنت استاد مکرم مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ کو اپنا ہم نوا کہنا (جیسا کہ مہماتوں کی کئی کتابوں میں شرم کو بالائے طاق رکھ کر استاد مکرم رحمہ اللہ کے حوالوں سے اپنی تائید لکھی گئی) اور ناسوتی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایسی حیات نہیں کہ روح جسم عصری کے اندر داخل ہو۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا مذہب: (۱) کہتے ہیں ”حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) آپ ﷺ کی روح مبارک بعد از وفات دیگر انبیاء کے ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہے۔“

(فتح الملہم ج ۳ ص ۲۱، تسکین الصدور ۱۵۲ اعلان حق ص ۷۷)

جواب: یہاں بھی مولوی صاحب نے لا تقربوا الصلوة والا معاملہ کیا ہے کیونکہ اس کے بغیر مولوی صاحب کی گاڑی نہیں چلتی، پوری عبارت تو نقل کرتے تاکہ دیانتداروں کو سمجھ آ جاتی، بھکروی نے بھی یہی خیانت کی ہے (اکابر کا باغی کون ص ۱۸۲) پوری عبارت یوں ہے: ”واما بعد وفاته فروحه المقدسة قد استقرت في الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء عليهم الصلاة والسلام ولا يتوهم من هذا انكار حياته في قبره الشريف فان لروحه اشرفا على البدن وتعلق به وبدنه في ضريحه غير مفقود و اذا سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام كما ورد في الحديث الخ“ (فتح الملہم ج ۳ ص ۲۱ بحوالہ تسکین الصدور ۲۸۹) وفات کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارک دیگر انبیاء علیہم السلام کے ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہے اور اس سے (مماتی وہمیوں کی طرح) یہ وہم نہ کیا جائے کہ قبر شریف میں آپ ﷺ کی حیات کا اس سے انکار لازم آتا ہے کیونکہ آپ کی روح مبارک کا بدن مبارک پر عکس پر تو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ تعلق ہے اور آپ ﷺ کا بدن مبارک قبر شریف میں موجود رہتا ہے اور جب بھی کوئی سلام کہنے والا آپ ﷺ سے سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح مبارک (کی توجہ) کو آپ ﷺ پر لوٹا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

مولوی صاحب میں خوف خدا نام کی کوئی چیز ہوتی تو خیانت کا ایسا گناہ نہ کرتے جو اگر توبہ نہ کیا اور اپنی

تحریر سے صاف نہ کیا تو ان کے مرنے کے بعد بھی ان کے کھاتے میں لکھا رہے گا، حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مماتی نہ تھے وہ روح مبارک کے تعلق اور سلام سننے اور جواب دینے کے قائل ہیں جیسا کہ اسی عبارت میں صاف موجود ہے، اس کے باوجود بھی مولوی صاحب کا ان کو اپنا ہم نوا بنانا ایسی غلط بیانی ہے جیسے عبداللہ بن سا اور اس کی برادری حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا ہم خیال کہتے تھے۔ (لسان المیوان ج ۳ ص ۲۹۰)، مگر اس سے نہ مولوی صاحب کی توحید میں فرق آتا ہے نہ ایمان داری و امانت داری ہیں۔

حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: (۸) کہتے ہیں: ”مولانا نور الحسن شاہ

بخاری فرماتے ہیں الحمد للہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر اقدس میں حیات مبارکہ باجماع امت ثابت ہے، یہ حیات اخروی ہے روح پاک اعلیٰ علین رفیق اعلیٰ میں ہے، (حیات الاموات ص ۱۲۶) اس سے پہلے فرماتے ہیں، بات صاف ہو گئی کہ نہ تو روح پاک رفیق اعلیٰ علین سے جدا ہوئی اور نہ قبر اقدس کے اندر وجود پاک میں داخل ہوئی، آپ وفات کے بعد اگر چہ زندہ ہیں لیکن یہ اخروی حیات ہے دنیوی زندگی کے مشابہ نہیں۔ (حیات الاموات ص ۱۲۲)

جواب: مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب سے حوالے دے کر اپنا مطلب نکالنا ایسا

ہے جیسے تسکین الصدور کے حوالے دے کر اپنا مطلب نکالنا اور یہ بات بے شرمی کے سوا کچھ نہیں کہلا سکتی، مولانا نور الحسن شاہ صاحب کی پیش کردہ عبارتیں لے کر اپنا استدلال بے نمازی کے لا تقربوا الصلاۃ سے بھی بہت ہی زیادہ برا استدلال ہے، بے شک مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ روح مبارک اعلیٰ علین میں اور رفیق اعلیٰ میں ہے لیکن اس سے جناب کا مطلب اس لئے نہیں نکلتا کہ وہ فرماتے ہیں: ”توجب روح کا تعلق بدن شریف سے ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو زندہ بھی یہی بدن مبارک اور جسم اطہر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر انور میں جسمانی حیات حاصل ہے، تو یہ حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حیات پر امت کا اتفاق ہے وہ جسمانی (یعنی جسم غصری والی) ہے۔“ (حیات الاموات ص ۱۲۲، ۱۲۵ طبع مکتبہ مجیدیہ ملتان)

”جب دلائل سے یہ بات بتواتر ثابت ہو گئی کہ عام موتی حتیٰ کہ کفار و مشرکین و منافقین کو بھی قبر میں ایک نوع کی غیر حقیقی زندگی حاصل ہے اور فی الجملہ ان کے لئے قبر میں سماع بھی ثابت ہے عام موتی عالم برزخ میں سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور یہ سب کچھ حد تو اترا کو پہنچی ہوئی احادیث سے ثابت ہے، تو پھر قبر اقدس پر امام المرسلین سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع و جواب سلام میں بحث کا کیا جواز ہے۔ (ص ۱۲۷)

کوئی مسلمان حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اطہر کے ساتھ روح انور کے تعلق و اتصال یا مزار پر انوار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام سننے اور جواب دینے کا انکار بھی کیسے کر سکتا ہے جب کہ یہ دونوں باتیں عام موتی کے لئے ثابت ہیں؟ (ص ۱۳۳)

پھر یہ محقق ہے کہ روضہ اقدس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو فی الجملہ حیات حاصل ہے اور آپ زائر کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں تو اب روضہ اطہر پر الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا ایسا ہے جیسا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجلس اقدس میں حاضر ہو کر یا رسول اللہ کہنا پس جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بصیغہ یا خطاب شرک نہیں تو زائر کا یا کہنا کیوں شرک ہو گیا؟ (حیات الاموات ص ۱۳۵)

کیا ان واضح عبارات کے بعد بھی انہیں مولوی صاحب کا ہم نوا کہا جاسکتا ہے؟

مولانا ابو محمد عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ”مولانا عبد الحق حقانی عقائد اسلام جس پر رشید احمد گنگوہی اور نانوتوی کے دستخط ہیں ص ۶۰ میں فرماتے ہیں ”جیسا کہ انبیاء و صدیقین یا جس کو اللہ چاہے اس کو بھی (قیامت سے پہلے) جنت میں مقام ملتا ہے۔“ (اعلان حق ص ۴۸)

جواب: اس سے پہلے حضرت حقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”بعد قبض ہونے کے روح آسمان پر جاتی ہے اور وہاں سے منکر نکیر کے سوال و جواب کے لئے تھوڑی دیر بعد پھر قبر میں بدن سے ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے چنانچہ عباد روح فی جسدہ اس پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ تعلق حیات کے تعلق کی مانند نہیں ہوتا ہے تاکہ کوئی یوں نہ کہے کہ قبر میں مردہ اٹھتا بیٹھتا یا حرکت کرتا نہیں معلوم ہوتا، پس بعد جواب منکر نکیر کے علیین میں اس کے لئے رہنے کا حکم ہو جاتا ہے لیکن قبر سے پھر ایک طرح کا تعلق رہتا ہے کہ جو کوئی وہاں جا کر سلام علیک کہتا ہے وہ سن لیتا ہے اور چونکہ اس جسم سے فی الجملہ اس کو تعلق رہتا ہے خواہ جسم ریزہ ریزہ ہو جاوے الی قولہ پس یہ حال عام مؤمنین کا ہے اور شہیدوں کو قبل حشر کے بھی جنت میں جالمتی ہے اور اسی طرح جو شخص ان سے بھی زیادہ مرتبہ ہو جس طرح کہ صدیقین اور انبیاء ہیں یا جس کو اللہ چاہے اس کو بھی جنت میں مقام ملتا ہے۔ (عقائد الاسلام ص ۱۸۷، ۱۸۸ طبع مطبع انصاری دہلی مطبوعہ ۱۳۰۲ھ) (یاد رہے کہ یہ عبارت مطبع انصاری کے قدیم نسخہ کے علاوہ (جو ہمارے پاس کرم خوردہ ہے دوسرے نسخوں میں سے کاٹ دی گئی نا معلوم کس کی کارستانی کا فرما ہے؟ ادارہ اسلامیات نے بھی اسی غلطی والے نسخہ کی فوٹو نکال کر کتاب شائع کی ہے۔ مرتب)

دیکھیں! وہ سب مؤمنین کے روح کے علیین میں ہوتے ہوئے جسم غصری سے تعلق کو مانتے اور سلام سننے اور اس کا جواب دینے کے قائل ہیں تو وہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے جنت میں ہوتے ہوئے اجسام غصریہ سے تعلق کے منکر ہو سکتے ہیں؟

اسی طرح دوسرے حوالے مولوی صاحب کو ہرگز مفید نہیں کیونکہ جتنے اکابرین ہیں سب کے سب روح مبارکہ کے اپنے ٹھکانے پر ہونے کے باوجود جسم غصری سے تعلق اور جسم غصری میں حیات کے قائل ہیں، مولوی صاحب مفہوم مخالف کو چھوڑ کر صاف اور صریح صرف اور صرف ایک مستند بزرگ کا ایسا حوالہ پیش کر دیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم غصری کے ساتھ روح کے تعلق اور عند القبر سماع کا انکار کرے، چیلنج ہے؟ اور مماتی گروپ کو استاذ مکرم مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ چیلنج کر کے اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر نہ ان کی زندگی میں اس چیلنج کا جواب دیا گیا اور نہ قیامت تک دیا جاسکے گا ان شاء اللہ۔

سب مردوں کی روحوں کا ان کے اجسام غصریہ سے تعلق ہوتا ہے: مولوی صاحب (جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۹۳ کے حوالے سے) لکھتے ہیں: ”باقی رہا ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیح سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم)، تابعین، اتباع تابعین اور ائمہ مجتہدین (رضی اللہ عنہم) کے ارشادات و اقوال میں تعلق روح بجسم غصری کا کوئی لفظ یا اثبات مذکور ہے، البتہ چوتھی صدی کے بعد کے شارحین حدیث نے مختلف عنوانات سے تذکرہ کیا ہے۔“ (اعلان حق ص ۴۸)

جواب: یعنی چوتھی صدی کے بعد کے شارحین نے (جناب لوگوں کی طرح) اپنی طرف سے تعلق ہونے کو گھڑ لیا کیوں کہ وہ حدیث کے شارح تو بنے مگر قرآن و حدیث نہیں سمجھتے تھے؟ مجذوبانہ انداز میں کیا اہد کیسے کہہ دیا گیا؟

یہ تو ابن حزم کا عقیدہ ہے کہ سوال اور سماع بھی صرف روح کے لئے ہے اور روح کا جسم کی طرف بالکل اعادہ نہیں ہوتا۔ علامہ ابن قیمؒ نے یہ دو قول کہ زندگی لوٹائے بغیر کل اجزاء جسمانی یا بعض اجزاء میں تکلیف ولذت پیدا کر کے عذاب و انعام ملتا ہے یا روح جسم کی طرف نہیں لوٹتی اور نہ تعلق رکھتی ہے اور عذاب اور راحت صرف روح کو حاصل ہوتی ہے ذکر کر کے فرمایا: ”والسنة الصريحة المتواترة ترد قول هؤلاء وهؤلاء وتبين ان العذاب على الروح والجسد“ (الروح ص ۱۵۷ طبع بیروت) سنت صحیحہ متواترہ ان دونوں قولوں کو رد کرتی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ عذاب روح و جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے بھی یہ دونوں قول ذکر کر کے ان کو باطل ٹھہرایا۔ (احوال القبر ص ۲۰۷، ۲۰۸) اگر بالفرض اس بارے میں کوئی نص قرآنی یا حدیث صحیح بھی نہ ہو تو مماتی لوگ بھی قرآن و حدیث کے بعد اجماع امت کو عقیدہ کے اثبات کے لئے حجت ماننے کا دعویٰ رکھتے ہیں اور علماء نے عذاب و ثواب روح و جسم دونوں کو ملنے پر اجماع نقل کیا ہے۔

علامہ ابن ہمام اور کمال الدینؒ فرماتے ہیں: ”وبعد اتفاق اهل الحق على إعادة قدر ما يدرك به من الحياة“ (المسامرة مع المسامرة ص ۲۲۶) اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کے جسم میں اس قدر حیات کا اعادہ ہوتا ہے کہ جس سے میت تکلیف اور لذت کا ادراک کرے۔“

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: ”و محلہ الروح والبدن جميعا باتفاق اهل السنة وكذا القول في النعيم“ (شرح الصدور ص ۱۵۸) عذاب و انعام کا محل روح و جسم دونوں ہیں اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ”بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة“ (الروح ص ۷۲) بلکہ عذاب و انعام جسم و روح دونوں کو ہوتا ہے اس پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ تو جب روح و جسم دونوں کو عذاب و راحت ہونے اور روح کے جسم سے تعلق ہونے پر اجماع ہے تو اجماع بھی مستقل دلیل شرعی ہے جس سے عقیدہ ثابت ہوتا ہے، دوسرے بھی بکثرت اقوال اسلاف کے پہلے ذکر ہوئے ہیں اور عذاب قبر کی بحث میں بھی ذکر ہونے والے ہیں، مرنے کے بعد صرف روح کی زندگی اور صرف روح کو عذاب و ثواب ماننے والا بدعتی گمراہ ہے، اہل سنت میں سے نہیں ہے۔

روحوں کے جسموں سے تعلق کے دلائل: بہر حال حقیقت یہ ہے کہ: (۱) عذاب و ثواب قبر کی سب احادیث اجسام غصریہ سے روحوں کا تعلق ثابت کرتی ہیں کیونکہ روح و جسم کے مجموعہ سے نیک و بد عمل ہوئے تو سزا بھی مجموعہ پر ہونا انصاف ہے، اس لئے تو فقہاء نے لکھا کہ جس کو عذاب (اور یقینی بات ہے کہ ثواب بھی) ہوتا ہے اس میں زندگی ڈالی جاتی ہے، (ہدایہ وغیرہ) اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے کہ راحت یا تکلیف محسوس کرے۔ (کفایت المفتی، جوابو حنیفہ ہند میں مکران کو قرآن و حدیث اتنا بھی سمجھ نہ آیا جتنا مولوی امیر عبد اللہ اور اس کی جماعت کو) و تعلق بہ قبر نیز ایں ارواح رومی باشند، روحوں کا قبر سے بھی تعلق رہتا ہے۔ (تفسیر عزیزی پم سورہ مطہفین)

(۲) سماع موتی کی احادیث کثیرہ جو متواتر بتواتر معنوی ہیں وہ بھی روحوں کے جسموں سے تعلق کو واضح کرتی ہیں، خصوصاً حدیث قرع نعال ظاہر کرتی ہے کہ منکر نکیر کے آنے اور دفن میں شریک ہونے والوں کے قبرستان سے چلے جانے سے بھی پہلے روح کا جسم سے تعلق قائم کر دیا گیا ہوتا ہے۔

(۳) خود مولوی صاحب نے کتب احادیث کے بجائے مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کی معارف القرآن کے حوالہ سے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی ہے (جو اذان نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے خود سنی ہے، مستدرک) (اطلان حق ص ۴۶) اس میں آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بھی فرمائی (جس کو مولوی صاحب نے ہضم کر لیا) کہ میت جوتوں کی کھسکا ہٹ سکتا ہے اور یہ بھی کہ مومن و کافر ہر ایک کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے جس سے مراد دوبارہ تعلق قائم ہوتا ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۶۵۴، ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۵۶، شعب الایمان ج ۱ ص ۳۵۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۷، الزحد ص ۳۴۷، مشکوٰۃ ص ۱۴۲، مستدرک ج ۱ ص ۱۳۳، الشریعہ للآجری ص ۳۰۲ تا ۳۰۴، الاعتقاد للسیوطی ص ۱۳۵) توجہ حدیث طہیین کے بارے میں صحیح اور قطعی ہے تو روح کے تعلق کے بارے میں کیوں ضعیف یا من گھڑت ہے؟ حضرت براء بن عازب کی یہ حدیث زاذان سے اور ابو اسحاق سے اور عدی بن ثابت اور محمد بن عقبہ اور مجاہد سے اور کئی صحیح سندوں سے مروی ہو کر حدیث مشہور کی تعریف میں داخل ہو کر مشہور ہوئی۔ (مستدرک ج ۱ ص ۱۳۳ تا ۱۳۶، شرح الصدور ص ۵۱، ۵۲، ۵۳) اس لئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کو مشہور حدیث قرار دیا۔ (الروح ص ۶۵ تا ۶۸) اور مشہور حدیث کے مضمون کا انکار بعض نے کفر کہا لیکن راجح یہ ہے کہ اس کا انکار فسق اور گمراہی ہوتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر لملاطی قاری ص ۱۲۶) علامہ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”و انکار الخبر المشهور بدعة وضلالة“ (حاشیہ علی المسائرۃ ص ۲۲۳) خبر مشہور کا انکار بدعت اور گمراہی ہے۔“

(۴) اسی مضمون کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ (مستدرک ج ۱ ص ۱۳۴ تا ۱۰۸)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے جس میں کافر اور بدکردار کی روح سے متعلق فرمایا: ثم نصیر الی القبر (مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۶، مسند صحیح مرقات ج ۲ ص ۱۸۶، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص ۱۴۱) پھر روح قبر کی طرف لوٹتی ہے۔“

(۶) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ”فاذا حضره الموت ارتفع ذانک الملکان وجاء ملک الموت ليقبض روحه فاذا ادخل فی قبره رد الروح فی جسده وجاءه ملک القبر فامتحناه الحدیث“ (کتاب ذکر الموت لابن ابی الدنیا ج ۶۸، روح المعانی ج ۲ ص ۲۶ تا ۱۸۳ بحوالہ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم، تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۱۶ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، الہدور السافر ص ۱۲۲)

جب آدمی پر موت آئے اعمال لکھنے والے دونوں فرشتے اوپر کو چلے جاتے ہیں اور موت کا فرشتہ روح قبض کرنے کے لئے حاضر ہو جاتا ہے پھر جب میت قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے فرشتہ روح کو اس کے جسم میں واپس کر دیتا ہے اور قبر کے فرشتے آتے ہیں اس کا امتحان لیتے ہیں۔“

اس حدیث میں بھی قبر میں روح کے جسم غصری کی طرف دوبارہ لوٹنے کا واضح ثبوت ہے جس سے مراد دوبارہ تعلق قائم ہوتا ہے۔

اس قسم کی متعدد روایات ہیں اس لئے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے اعادہ روح کی احادیث کو متواتر کہا ہے: ”الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال“ (الروح ص ۷۲) صحیح متواتر احادیث دلالت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم کی طرف لوٹ آتی ہے۔ (پھر دوبارہ تعلق ختم ہو جانا ثابت نہیں) مما تیوں کا اللہ یتوفی الانفس سے استدلال: ان لوگوں کے پاس اپنے خیال میں اس کے خلاف قرآن مجید کی آیت موجود ہے: ”اللہ یتوفی الانفس حین موتھا و التی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا

الموت ويرسل الاخرى الى اجل مسمى“ اللہ تعالیٰ روحوں کو قبض کر لیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہیں مریں ان کی نیند کے وقت، پھر اس کو روک لیتا ہے جس پر موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو موت کے وقت مقررہ تک بھیج دیتا ہے۔“ حالانکہ یہ آیت موجود ہوتے ہوئے اسلاف نے روح کے جسم غصری سے تعلق کا عقیدہ رکھا اور بیان کیا ہے، تو اس آیت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کا خلاصہ اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ والسی لم تمت سے مابعد تک نیا کلام ہے اول حصہ کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت روح قبض کر لیتا ہے۔ (اور موت کے وقت روح قبض ہوتا سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے، موت کے بعد پھر کیا ہوتا ہے؟ آیت میں اس کا کچھ ذکر نہیں) دوسرے حصہ میں یہ ذکر ہے کہ نیند کے وقت بھی روح قبض ہو جاتی ہے اور عالم بالا میں چلی جاتی ہے، وہاں اس کی ملاقات پہلے فوت شدہ روحوں سے ہوتی ہے، پھر اللہ کے حکم سے فوت شدہ اور زندوں کی روحوں کی جدائی کا وقت آتا ہے تو مردوں کی روحوں کی زندوں کی روحوں سے الفت ہو جانے کے سبب مردوں کی روحوں بھی زندوں کی روحوں کے ساتھ دوبارہ دنیا میں آنا چاہتی ہیں اور زندوں کی روحوں مردوں کے ساتھ وہیں رہنا چاہتی ہیں تو فیمسک الی قضی علیہا الموت مردوں کی روحوں کو اللہ تعالیٰ روک دیتا ہے ویرسل الاخری الی اجل مسمى اور زندوں کی روحوں کو ان کی موت کے مقررہ وقت تک دنیا میں بھیج دیتا ہے۔ (تفسیر جمل علی الجلالین آیت ۱۷۱)

(۲) دوسری تفسیر جو آیت سے صاف ظاہر ہے یہ ہے کہ اول حصہ میں موت کے وقت روح قبض ہونے کا ذکر ہے، اس کے بعد اس کا کچھ حال ذکر نہیں، دوسرے حصہ میں نیند کے وقت روح قبض ہونے کا ذکر ہے اور یہ کہ پھر یہ نیند میں سوئے ہوئے دو قسم کے بندے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے متعلق فیصلہ ہوتا ہے کہ نیند کی حالت میں ان کو موت آئے تو ان کی روح کو (جو نیند کے وقت قبض ہوئی) اللہ تعالیٰ مکمل طور پر وہیں روک دیتے ہیں، نہ دوبارہ لوٹتی ہے نہ یہ سونے والا جاگتا ہے بلکہ موت کا شکار ہو جاتا ہے، دوسرے قسم کے وہ بندے جن کے متعلق نیند کی حالت میں موت دینے کا فیصلہ نہیں ہوتا ان کی روح کو دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے اور وہ اپنی عمر پوری کرتے ہیں، پہلے قسم کے بندوں سے متعلق فرمایا فیمسک الی قضی علیہا الموت دوسرے قسم کے بندوں سے متعلق فرمایا ویرسل الاخری الی اجل مسمى تو نیند میں فوت ہونے والے کی روح کا نیند میں موت کے وقت عالم بالا میں اساک ہو جاتا ہے کہ پھر جاگتا نہیں، اس کے بعد کیا ہوتا ہے آیت میں کچھ ذکر نہیں ہے، تو آیت سے صرف یہ ثابت ہوا کہ موت جاگنے کی حالت میں آئے یا سونے کی حالت میں بہر صورت موت کے وقت روح قبض ہو جاتی ہے، مگر پھر قبر میں جسم غصری کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور اعادہ ہوتا ہے یا نہ؟ آیت میں کچھ ذکر نہیں۔

(۲) اگر بالفرض فیمسک الی قضی علیہا الموت الخ سے وہی مراد لی جائے جو ممانی کہتے ہیں کہ میت کی روح کا جسم غصری سے اساک ہو جاتا ہے، تو اس اساک سے ایسا اساک کلی مراد نہیں ہے جس سے نوع من الحیات بھی نہ ہو بلکہ اتنی بات ہے کہ دنیا کی حیات کی طرح مکمل حیات نہیں رہتی، بلکہ روح کے جسم سے ایسے تعلق کا اساک ہو جاتا ہے جس تعلق سے روح جسم میں تصرف کر سکے، چنانچہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ ”ای یمسکھا عن الابدان بحيث يتعلق عنها تعلق التصرف فیہا“ یعنی اللہ تعالیٰ روحوں کو جسموں سے اس قسم کے تعلق سے روک لیتا ہے کہ روحوں جسموں میں تصرف کر سکنے کا تعلق رکھیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں: ”أى يقبضها عن الابدان بان يقطع تعلقها تعلق التصرف فيها عنها“ (روح المعانی ج ۷ ص ۲۴) یعنی بدنوں سے رو میں اس طرح قبض کر لیتا ہے کہ بدنوں میں ان کے تصرف والے تعلق کو ختم کر دیتا ہے۔

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے نیند میں روح قبض ہوئی مگر سو یا شخص زندگی کے ساتھ زندہ ہے، ایسے ہی مرنے والے کی روح قبض ہوئی مگر خاص زندگی کے ساتھ زندہ ہے، تو اساک بھی ہے اور زندگی بھی ہے تو آیت قبر کی زندگی کے خلاف نہیں۔

”وانما فيها نوع اتصال الروح في البدن بحيث يحصل بذلك شعور البدن واحساس بالنعيم والعذاب وغيرهما وليس هو حيلة تامة حتى يكون انفصال الروح به موتاً تاماً وانما هو شبيه بانفصال روح النائم عنه ورجوعها اليه فان ذلك يسمى موت وحياة كما كان يقول رسول الله ما اذا استيقظ الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور، وسماه الله وفاة لقوله تعالى الله يتوفى الانفس حين موتها ومع هذا فلا ينافي ذلك ان يكون النائم حياً وكذلك اتصال روح الميت ببدنه وانفصالها عنها لا توجب ان يصير حياً حياة مطلقة“ (احوال القورص ۱۳۷، ۱۳۸) قبر میں تو روح کا بدن سے اس طرح کا ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے جس سے بدن کا شعور اور انعام و عذاب وغیرہ کا احساس حاصل ہوتا ہے اور یہ تو کامل حیات نہیں ہے کہ اس سے روح کا (موت کے بعد) جدا رہنا کامل موت ہو یہ تو سونے والے کی روح کے اس سے جدا ہونے اور پھر اس کی طرف لوٹ آنے کے مشابہ ہے کہ اس کو موت بھی کہتے ہیں اور حیات بھی کہتے ہیں، جیسے حضور ﷺ جاگ کر فرماتے اس اللہ کی حمد ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد زندگی دے دی اور اس کی طرف جمع ہوتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے بھی نیند کا نام موت رکھا اللہ يتوفى الانفس حين موتها الاية میں اس کے باوجود یہ بات سوئے ہوئے کے زندہ ہونے کے خلاف نہیں، ایسے ہی چاہے روح کو میت سے جدا ہو تو بھی میت کی روح کا بدن سے تعلق ہے اور تعلق ہونا حیات مطلقہ (حیات کامل) ہونے کو لازم نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ روح رو کی ہوئی بھی ہے اور حیات ابھی ہے، تو آیت قبر کی حیات کے خلاف نہیں ہے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ بھی ابن حزم کے استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”فامساكه سبحانه التي قضى عليها الموت لا ينافي ردها الى جسدها الميت في وقت ماردأ عارضاً لا يوجب له الحياة المعهودة في الدنيا و اذا كان النائم روحه في جسده وهو حي وحياته غير حياة المستيقظ فان الهوم شقيق الموت فهكذا الميت اذا اعيدت روحه الى جسده كانت له حال متوسطة بين الحي وبين الميت الذي لم ترد روحه الى بدنه كحال النائم المتوسطة بين الحي والميت“ (الروح ص ۶۲، ۶۳) اللہ تعالیٰ کا اس روح کو روکنا جس پر موت کا فیصلہ کیا اس روح کے مردہ جسم کی طرف کسی وقت (سلام وغیرہ کے وقت) ایسے انداز کے عارضی لوٹانے کے خلاف نہیں جو لوٹانا دنیا کی مشہور زندگی کو لازم نہیں کرتا، جب سوئے ہوئے شخص کی روح اس کے جسم میں ہے جب کہ اس کی زندگی جاگنے والے کی زندگی جیسی نہیں کیونکہ موت بھی نیند کی سگی بہن ہے، تو اسی طرح میت کی روح جب اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے تو اس کا حال زندہ اور اس میت کے حال کے درمیان ہوتا ہے جس کی روح نہ لوٹی ہو، جیسے سویا ہوا شخص زندہ و مردہ کے حال کے درمیان میں ہوتا ہے۔ (الروح ص ۶۲، ۶۳)

تو قبر میں پہنچا ہوا شخص اساک روح کی وجہ سے میت بھی ہے اور روح کے تعلق کی وجہ سے جی بھی ہے اس لئے آیت قبر کی زندگی کے خلاف نہیں ہے۔

مولوی صاحب کا چیلنج: (۱) کسی حدیث صحیح میں یہ الفاظ دکھا دیں کہ آپ ﷺ کی زندگی بعد از وفات دنیوی یا دنیا کی سی ہے؟

جواب: ہم روح کے اپنے مقام میں ہوتے ہوئے جسم عنصری سے تعلق کے ذریعہ برزخی زندگی مانتے ہیں وہ دنیاوی نہیں مانتے جس پر آپ چیلنج کر رہے ہیں لہذا کوئی حدیث دکھانے کی ضرورت نہیں۔

(۲) حضرت عائشہ نے انک لا تسمع الموتی سے سماع موتی کی نفی فرمائی ہے، کسی ایک سند سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی تفسیر کی تردید دکھائیں؟

جواب: آپ کسی ایک سند سے دکھائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچانے والوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تفسیر پہنچائی بھی ہے؟ تردید تو پہنچنے کے بعد ممکن ہے آپ پہنچنا ثابت کریں؟ ہم نے باحوالہ ذکر کر دیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع ثابت ہے۔

(۳) کسی ایک حدیث میں (دکھائیں) جس کے راویوں میں سے کوئی راوی مجروح یا شیعہ نہ ہو اور پیغمبر ﷺ کا بعد از وفات صلوٰۃ و سلام سننا یا سفارش کرنا ثابت ہو۔ (اعلان حق دوم ص ۷۵)

جواب: اگر مراد مطلق جرح ہے چاہے غیر معتبر ہی کیوں نہ ہو تو ایسی حدیث ہم پیش کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ احادیث نبویہ کے بہت سے راوی ایسے ہیں جن پر کچھ نہ کچھ جرح ہوئی ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی جرح سے محفوظ نہیں رہے اور اگر معتبر و مفسر جرح مراد ہے جس سے راوی کی روایت من گھڑت یا کم از کم ضعیف ہوتی ہو تو ہم کہتے ہیں کہ حدیث من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی من بعید اعلمته ابوالشیخ کی سند والی ایسی صحیح ہے جس کے راویوں پر معتبر جرح نہیں ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یا محمد ﷺ کہنے پر جواب دینے کی حدیث اور ان کے سلام کرنے اور آپ ﷺ کے جواب دینے کی حدیث اور بلال بن حارث مزی رضی اللہ عنہ کے حاضر ہو کر بارش کی دعا کرانے کی حدیث کے راویوں پر بھی معتبر جرح نہیں ہوئی، آپ جرح کی وضاحت کریں اور گول مول مہم بات بھی نہ کریں اور انعام بھی اپنی قلم سے لکھ دیں اور عدالت میں حاضری کے لئے تیاری کریں۔

عذاب قبر اور اس کی کیفیت: مولوی صاحب عذاب قبر صرف روح کے لئے مانتے ہیں جسم عنصری کو عذاب نہیں مانتے، یہ ابن حزم ظاہری اور ابن میسرہ (یا ابن ہبیرہ) کا مذہب ہے جو شاذ ہے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خالفہم الجمهور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۶۷) مولوی صاحب کی پسندیدہ کتاب حیات الاموات میں مولانا نور الحسن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”بعض مبتدع فرقوں کا زعم ہے کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے اور بعض کا وہم ہے کہ صرف جسم کو ہوتا ہے، لیکن اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قبر کا عذاب یا آرام روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ (ص ۱۴، ۱۵)

تو تمام اہل سنت اس عقیدہ کے برخلاف ہیں وہ روح و جسم عنصری دونوں کو عذاب ہونا مانتے ہیں اور ابن حزم وغیرہ کے مذہب کو رد کرتے ہیں، ابن حزم حنفی نہیں ہے بلکہ اپنے کو درجہ اجتہاد پر فائز سمجھا اور کسی امام کی تقلید نہ کی جس کی وجہ سے کئی مقامات میں غلطیوں کا شکار ہوئے، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے ابن حزم پر تبرے اور تنقیدات کو اعلیٰ السنن میں

خوب پڑھیے آنکھیں کل جائیں گی، کم از کم اپنے کو خفی کہلانے پر مصران لوگوں کو مذہب احتلاف کی پیروی کرنی چاہئے۔

اہل سنت اور حنفی فقہاء کی تصریحات: کیا مولوی صاحب کو ہدایہ کتاب الایمان باب الیمین بالقتل

والضرب (ج ۲ ص ۳۸۴ میں) ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیاة فی قول العامة اور عینی شرح ہدایہ (ج ۲ ص ۶۴۰) میں و یوضع فیہ الحیاة اور (رد المحتار ج ۳ ص ۱۳۳) میں تو وضع فیہ الحیاة عند العامة بقدر ما یحس بالالہم نظر نہیں آتا کہ جس کو قبر میں عذاب ہوتا ہے جمہور کے نزدیک اس میں حیات ڈالی جاتی ہے اور یہ کہ اس میں اس قدر حیات ہوتی ہے کہ تکلیف محسوس کر سکے؟

کیا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ آپ نے نہیں پڑھے۔ ”ہاں! اس میں اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے جس سے تکلیف یا راحت محسوس کر سکے۔“ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۹۶، بحث سماع موتی) کیا شرح الصدور (باب عذاب القبر) میں جناب کو نظر نہیں آیا و محله البدن و الروح جميعاً باتفاق اهل السنة عذاب قبر کا محل روح و بدن دونوں ہیں اس پر اہلسنت کا اتفاق ہے؟

علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عذاب قبر روح و جسم دونوں کو ہوتا ہے میت پر قبر کی تنگی کی بکثرت احادیث اس پر دلیل ہیں۔ اگر عذاب صرف روح کو ہوتا تو نہ عذاب کی قبر کے ساتھ تخصیص ہوتی نہ قبر کی طرف منسوب ہوتا، ”و مما يدل على وقوع العذاب على الاجساد الاحاديث الكثيرة في تضيق القبر على الميت حتى تختلف اضلاعه و لانه لو كان العذاب على الروح خاصة لم يختص العذاب بالقبر و لم ينسب اليه“ (احوال القبور ص ۱۳۰)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث لکھ کر فرماتے ہیں کہ هذا صريح في ان البدن يعذب اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے۔

علامہ حسن فی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روح و جسم دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔

(تفسیر نیشاپوری بر حاشیہ ابن جریر ج ۲۹ ص ۵۳ مصر)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا عذاب مانتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۶۳، ۱۵، ۹۰)

علامہ ابوالخکثر سالمی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا عذاب مانتے ہیں۔ (التمہید ص ۱۳۶ طبع مطبع فاروقی دہلی) لہذا مولوی

صاحب کو ہم چیلنج کر سکتے ہیں کہ جناب والا صرف ایک حنفی اور ایک دیوبندی کا حوالہ دیجئے جو عذاب قبر صرف روح کے لئے مانتا ہو اور جسم کے عذاب کی نفی کرتا ہو؟ (کچھ حوالے ہم نے راہ حق میں درج کئے ہیں اور کچھ پہلے ذکر ہو گئے ہیں)

مولوی صاحب کے دلائل کا ایک جائزہ: عذاب قبر صرف روح کو ہونے پر مولوی صاحب نے جو

دلائل دیے ہیں ان پر غور فرمائیں۔

پہلی دلیل: (۱) كلما نضجت جلودهم بدلناهم جلوداً غیرها ليدوقوا العذاب، جب ان کے

چمڑے جل جائیں گے تو ہم ان چمڑوں کے علاوہ اور چمڑے تبدیل کر دیں گے تاکہ عذاب چکھیں، اس آیت سے

بات واضح ہو جاتی ہے کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے جسم میں احساس عذاب نہیں، ورنہ ہماری سوال لازم آئیگا کہ

جب اللہ تعالیٰ اور چمڑے دے گا تو ان چمڑوں کو اللہ تعالیٰ کیوں عذاب دے گا جو گناہ میں شریک کار نہ تھے، اس کا

جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ چمڑوں کو احساس عذاب نہیں ہے، عذاب صرف روح کو ہوتا ہے۔ (اعلان ص ۵۵)

دوسری دلیل: (۲) کہتے ہیں حدیث شریف میں ہے نبی کریم ﷺ نے زانیوں کو اکٹھے تنور میں دیکھا

فرمایا قیامت تک ان کو عذاب ہوتا رہے گا ظاہر ہے کہ دنیا میں تمام زانی ایک جگہ مدفون نہیں یہ صرف روح ہیں۔

جواب: حدیث شریف کے الفاظ کا ضروری حصہ یوں ہے: ”اما الرجل الذي رنيتہ يشق شدة

فكذاب يحدث بالكذبة فتحمل عنه حتى تبلغ الاتفاق فيصنع به ماترى الى يوم القيمة والذي رنيتہ يشدخ رأسه فرجل علمه الله القرآن ننام عنه بالليل ولم يعمل بما فيه بالنهار يفعل به ما رنيت الى يوم القيمة والذي رنيتہ في النقب فهم الزناة والذي رنيتہ في النهار اكل الربوا الحديث۔“ (مشکوٰۃ ص ۳۹۶، ۳۹۵ کتاب الریاء)

وہ آدمی جو آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کی گال پھاڑی جاتی ہے وہ بہت جھوٹ بولنے والا ہے، جو جھوٹی

بات کرتا ہے اور وہ اس سے لے کر دنیا میں پھیلا دی جاتی ہے، جو آپ نے دیکھا وہ معاملہ قیامت تک اس کے ساتھ کیا جائیگا اور جو دیکھا کہ اس کا سر پھوڑا جاتا ہے تو یہ وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا لیکن رات کو اس کے پڑھنے سے سویا رہتا ہے اور دن کو اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا، جو عذاب آپ نے دیکھا وہ اس کو قیامت تک دیا جائے گا اور جو آپ نے تنور کے سوراخ میں دیکھا یہ زانی لوگ ہیں اور جو نہر میں دیکھا وہ سود خور ہے۔

ایک بات یہ کہ مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ نے معراج کی رات دیکھا ایسا نہیں بلکہ آپ ﷺ کو

خواب میں یہ دکھایا گیا، دوسری بات یہ کہ بے شک آپ ﷺ کو برزخ میں ہونے والے حالات دکھائے گئے ہیں، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جن کو عذاب ہوتا دکھایا گیا ہے کیا وہ واقعی عذاب کی صورت تھی یا آئندہ پیدا ہونے والے مجرموں اور ان کے جرموں کی سزا کی مثالی صورت دکھائی گئی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ وہ لوگ تو ہرگز نہ تھے جو دور جاہلیت میں مرے ہیں کیونکہ ان کو سزا کفر و شرک پر ہوتی ہے اور وہ بھی نہ تھے جو قرآن کے اترنے اور سود کے حرام ہونے سے پہلے مرے ہیں، یا وہ لوگ ہوں جو قرآن کے اترنے اور سود حرام ہونے کے بعد اور اس خواب سے پہلے مرے ہوں اور وہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہی تھے اور یقیناً صحابہ رضی اللہ عنہم بھی معذب نہ ہو رہے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت حافظ قرآن تھی لیکن کیا صحابہ میں قرآن کا حافظ بے عمل بتایا جاسکتا ہے؟ تو وہ بھی مراد نہیں ہو سکتے، نیز مولوی صاحب کے نظریہ کے مطابق ان کے لئے غور کی بات یہ بھی ہے کہ عذاب تو سبب یا جہنم میں ہو گا یہ حالات تو آپ ﷺ کو اوپر دکھائے گئے جب کہ سبب یا جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے، تو یہ اوپر روحیں اور سبب یا جہنم کیسے چلی گئی؟ سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ یہ کہا جائے کہ آپ کو مثالی صورتیں دکھائی گئیں کہ امت کو بتائیں کہ قرآن پڑھ کر غافل ہو جانے والے کو مرنے کے بعد برزخ میں یہ سزا ہوگی اور سود خور کو یوں سزا ہوگی واقعی سزا میں مبتلا لوگ نہیں دکھائے گئے ہیں، پھر اگر اس سے روح کا عذاب ثابت ہوتا ہے تو یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ صرف اور صرف روح کو عذاب ہوتا ہے، پہلے ذکر ہوا کہ روح علیین یا سبب میں یا جنت اور دوزخ میں ہو تو اس کو جو جزا و سزا ہوگی اس کا اثر اس کے جسم کے ہر جزء تک پہنچے گا، اس حدیث سے روحوں کا معذب ہونا ثابت ہوا مگر جسموں کو عذاب ہونا نہ ہونا کچھ ثابت نہیں ہوتا اور اس سے صرف روحوں کو عذاب ہونے اور جسموں کو بالکل عذاب نہ ہونے کو ثابت یہ مولوی صاحب کا ذاتی اجتہاد ہے، حدیث کے کسی لفظ سے ثابت نہیں ہے، پھر عقیدہ کے باب میں خبر واحد سے گاڑی نہیں چلتی تو یہ خبر واحد باب عقیدہ میں کیوں حجت ہے؟ یا اس کا متواتر ہونا ثابت کریں۔

تیسری دلیل: (۳) کہتے ہیں: ”اسی طرح شہیدوں کی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں کھاتی پھرتی ہیں پھر عرش رحمانی کے نیچے بسیرا کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ راحت یا عذاب کا تعلق صرف روح سے ہے۔ (اعلان حق ص ۵۵)

جواب: اس میں صرف روحوں کی حالت ذکر ہوئی کہ وفات کے شہداء کی روحوں جنت میں کھاتی پھرتی اور عرش کے نیچے رہتی ہیں، یہ کہاں ذکر ہوا کہ اجسام غصریہ مردہ ہیں اور روحوں کا نہ جسموں سے تعلق ہے نہ جسموں میں زندگی ہے، صرف اور صرف روحوں زندہ ہیں؟ روحوں کے ٹھکانے کے ذکر سے جسموں کی زندگی نہ ہونا اور ان کو عذاب یا راحت نہ ہونا اور صرف روحوں کو ہی عذاب یا راحت ہونا تو ثابت نہیں ہوتا،

چوتھی دلیل: (۴) کہتے ہیں ایسے ہی فرعونوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے النار یعرضون علیہا الایۃ تمام مفسرین فرماتے ہیں فرعونوں کی ارواح کو سیاہ پرندوں کی شکل میں دن میں دو مرتبہ آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ (ابن کثیر معالم، ابن جریر خازن، اعلان حق ص ۵۵)

جواب: جناب! مفسرین نمی نہیں، نہ صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین ہیں، ان کے اپنے اقوال سے عالم غیب کی یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی آیت یا حدیث متواتر پیش فرمائیں؟ اور اس بارے میں مفسرین نے جو روایات درج کیں ان میں سے (۱) روایت ابن مندہ کی سب کفار کی ارواح کے بارے میں وارد ہے کہ کافروں کی روحوں کا لے پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی اور دوزخ سے کھاتی پیتی ہیں، جس کے متعلق علامہ ابن رجب فرماتے ہیں کہ اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ربذی ہے جو نیک آدمی تھا لیکن عبادت کی مشغولیت نے اس کو حفظ حدیث سے مشغول کر رکھا تھا، تو اسکی حدیثوں میں منکر روایات بہت ہو گئیں۔ (احوال القبر ص ۱۸۲) امام احمد کہتے ہیں اس سے روایت لینا جائز نہیں، منکر الحدیث ہے، ابن معین فرماتے ہیں اس کی حدیث سے حجت نہیں لی جاسکتی، ابن مدینی نے فرمایا اس نے منکر روایات بیان کیں، نسائی اور ترمذی نے کہا ضعیف ہے، ابن عدی کہتے ہیں اس کی احادیث میں کمزوری ظاہر ہے، حاکم ابواحمد کہتے ہیں محدثین کے نزدیک قوی نہیں وغیرہ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱) اور ابن مندہ کی کتاب طبقہ رابعہ کی کتاب ہے جس کے نیچے کے طبقہ ثالثہ کی روایات جناب کے فرمان کے مطابق نہ عقیدہ میں قابل قبول ہو سکتی ہیں نہ عمل میں تو طبقہ رابعہ کی روایات بطریق اولیٰ ناقابل قبول ہیں۔

(۲) اور ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کعب احبار سے یہ بات نقل کرتے ہیں۔ (شرح الصدور ص ۲۰۷ بحوالہ ابن ابی شیبہ و بیہقی) اور کعب احبار نہ نبی ہیں نہ صحابی ہیں، وہ اسرائیلیات بھی بیان کیا کرتے تھے۔

(۳) ایک روایت ہناد بن السری کی کتاب الزہد کی ہے جس میں ہذیل کا قول ہے وہ بھی نہ نبی ہے نہ صحابی اور کتاب بھی طبقہ رابعہ کی ہے۔ (شرح الصدور ص ۲۰۱) اسی روایت کو علامہ ابن رجب نے (اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم، تفسیر ج ۴ ص ۸۲) ذکر کرتے ہوئے ذکر کیا کہ یہ ہذیل کا قول ہے یا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، مگر اس کی سند ضعیف ہے، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نقل کر کے فرماتے ہیں اس کا راوی لیث ضعیف ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۴۶۴ کتاب البنائز باب ما جاء فی عذاب القبر) اور پھر یہ اس طبقہ سے بھی ایک درجہ اوپر کے طبقہ والی کتابوں کی روایت ہے جس کے متعلق مولوی صاحب کا کہنا ہے ”اس طبقہ کی احادیث کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے عقیدہ میں نہ عمل میں۔“ (اعلان حق ص ۵۰)

مگر جناب کے کام کی ہیں اس لئے قبول فرمانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں فرما رہے (اور حضور ﷺ سے اس بارے میں ایک روایت بھی نہیں ہے، پھر ان روایات میں روحوں کے عذاب کا ذکر ہوا اور ان کے عذاب کے ذکر کا معنی جسموں کے عذاب کی نفی تو نہیں ہے۔

پانچویں دلیل: (۵) کہتے ہیں ”قوم نوح کے بارے میں ہے اغرقوا فادخلوا ناراً غرق ہوتے ہی آگ میں داخل کئے گئے جسم تو ان کے پانیوں میں تھے لیکن روح آگ میں چلی گئی۔

جواب: اس آیت میں خطینا تھم کی ضمیر او۔ اغرقوا کی ضمیر جمع قوم نوح کے اجسام و ارواح کے مجموعہ کے لئے ہے تو اذخلوا کی ضمیر جمع بھی مجموعہ کے لئے ہے تو آگ میں روح و جسم دونوں داخل ہوئے روح کا آگ میں داخلہ مولوی صاحب مانتے ہیں اور جسم آگ میں اس طرح کہ قبر یعنی پانی (جہاں جسم تھے) ان کے لئے دوزخ کی آگ کا گڑھا ہوا، اس لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آگ سے مراد برزخ کی آگ ہے اور مراد عذاب قبر ہے اور فرماتے ہیں یہ آگ اسی پانی میں تھی جس میں غرق ہوئے ہیں، علامہ ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ذکر کیا ہے:

لا تعجبن لاصداد اذا اجتمعت فالله يجمع بين الماء و النار

جب کئی ضدیں جمع ہوں تو تعجب نہ کرو کیونکہ آگ اور پانی کو اللہ تعالیٰ ہی جمع کرتا ہے۔

تو جسم بھی عذاب میں مبتلا ہوئے اور روح بھی۔ (روح المعانی ج ۲۹ تحت آیت ہذا)

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ: مزید کہتے ہیں کہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ برزخ اور قبر میں براہ راست روح کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ اس وقت روح اور جسم جدا جدا ہوتے ہیں پھر قیامت کے دن جسم کے ذریعے روح کو تکلیف ہوگی۔

جواب: معلوم نہیں کہ مولوی صاحب نے حوالہ کس کتاب سے لیا ہے؟ اگر عبارت پوری ہو تو مطلب صرف اتنا ہے کہ قبر و برزخ میں اولاً عذاب روح کو ہوتا ہے جسم کو عذاب ہونا بالتبع ہے اصلۃً نہیں ہے یعنی براہ راست نہیں روح کے واسطے سے ہے، جس طرح دنیا میں تکلیف روح کو براہ راست نہیں جسم کے واسطے سے ہے، وہاں اس کے برعکس ہوگا، پھر قیامت کے دن دنیا کی طرح ہوگا کہ براہ راست جسم کو اور اس کے واسطے سے روح کو راحت یا تکلیف ہوگی۔

قبر سے کوئی قبر مراد ہوتی ہے؟ اسی چھٹے باب میں مولوی صاحب نے یہ بحث بھی کی ہے کہ قبر سے مراد کون سی قبر ہے؟ مولوی صاحب کا عقیدہ ہے کہ: ”جب احکام صرف جسم سے متعلق ہوں تو قبر سے مراد عرفی قبر ہے۔ لیکن احکام جب راحت یا عذاب کے متعلق ہوں تو اس وقت قبر دوسرے جہان عالم برزخ کو کہتے ہیں روح کی تکلیف یا راحت کو عذاب یا ثواب قبر کہتے ہیں۔“ (اعلان حق ص ۵۶)

سوال: یہ ہے کہ کیا قبر کے مفہوم کے اس فرق کے عقیدہ پر مولوی صاحب کے پاس کوئی ایک نص قطعی الدلالہ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ محض مولوی صاحب کا اپنا گھڑ تو فرق ہے اور اس پر ایک بھی قطعی الدلالہ نص مولوی صاحب کے پاس نہیں، آخر قرآن مجید میں جو فرمایا اذ القبور بعثت جب قبریں اکھاڑی جائیں گی، تو یہ کونسی قبریں اکھاڑیں گی؟ اذ بعثت مافی القبور جب اکھاڑ دیا جائے گا جو قبروں میں ہے۔ یہاں کونسی قبریں مراد ہیں؟ وما انت بمسمع من فی القبور میں یہ قبریں اور ان قبروں والے مردے کیوں مراد لیتے ہیں؟ ہم نہیں سمجھتے کہ قبر کا عذاب و ثواب سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کوئی دوسری قبر مراد لیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی قبرستان والی قبر پر سے گزرتے تو روتے اور فرماتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا القبر اول منزل من منازل الآخرة (مصانع السعۃ ج ۱ ص ۲۸ ح ۹۱) قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ حضور ﷺ کا نچرا نہی قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے بدکتا ہے اور انہی قبروں کے مدفون لوگوں کے متعلق پوچھتے ہیں، پھر فرماتے ہیں انہیں عذاب ہو رہا ہے (احوال القبور ۸۳، ۸۲، شرح الصدور ۱۳۰، بحوالہ مسلم وابن ابی شیبہ عن زید بن ثابت) دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہیں انہیں عذاب میں مبتلا ہونا معلوم کر کے انہی قبروں پر کھجور کی چھڑیاں ڈالتے ہیں اور فرماتے ہیں جب تک یہ تر رہیں گی ان کا عذاب ہلکا رہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۲، ۱۸۳) عذاب کی بات بھی فرماتے ہیں اور اشارے انہی زمینی قبروں کی طرف کرتے ہیں، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا قبروں والوں کو ایسا عذاب ہوتا ہے جس کو چوپائے بھی سنتے ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۴۲ و مسلم ج ۱ ص ۲۱۷، مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۵، ۲۰۶، ۳۶۲، منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۰ عن عائشہ رضی اللہ عنہا و ام مبشر و ابن مسعود رضی اللہ عنہما فہو حدیث مشہور) تو چوپائے انہی قبروں کے پاس سے گزرتے اور سنتے ہیں اور چوپائے بھی وہی ہیں جنہیں ہر آدمی جانتا سمجھتا ہے، اگر مولوی صاحب بھی یہی چوپائے مانتے ہیں مگر سچین میں ہی عذاب کو منحصر کرتے ہیں تو بتائیں کیا چوپائے دور کی آواز سن لیتے ہیں اور اسے شرک تو نہیں لازم آتا؟ جب یہی چوپائے مراد ہیں اور دور سے نہیں سنتے نزدیک سے سنتے ہیں تو نزدیک زمین والی قبریں ہی ہیں اور انہی سے سنتے ہیں اور ان قبروں میں جسم عضوی ہے جو روح کے تعلق سے عذاب میں ہوتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ ہیں آپ ﷺ باغ میں داخل ہو کر فرماتے ہیں بلال رضی اللہ عنہ یہ جو میں نے سنا وہ تم نے سنا؟ عرض کیا نہیں، فرمایا اس قبر والا عذاب میں ہے، معلوم کیا تو وہ یہودی تھا۔

(شرح الصدور ص ۱۴۱ بحوالہ مسند احمد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی بدر کے پاس سے گزرتے ہیں اچانک ایک آدمی قبر سے لکھتا ہے دوسرا اس کے پیچھے ہے، ہاتھ میں دڑا ہے، پہلا کہتا ہے عبد اللہ پانی پلا دے، دوسرا کہتا ہے نہ پلانا یہ کافر ہے، درامارا اور زنجیر کھینچے اور اسے پھر قبر میں کر دیا آپ ﷺ کو آکر بتایا آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کا دشمن ابو جہل ہے۔ (کتاب القبور، موسوعہ ابن ابی الدنیا ج ۶ ص ۷۴ ہا سانیہ صحیح) کیا یہ کوئی دوسری قبر تھی؟ اور کیا صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے اشاروں وغیرہ کے ہوتے قبروں سے کوئی دوسری مراد لیتے تھے؟ (تو کسی ایک صحابی سے ثبوت دے دیں؟ اور مذکورہ روایات کا تعلق عذاب سے ہی تو ہے مگر پھر بھی یہی زمین والی قبر مراد ہونا واضح ہے، ایک عبارت اپنے معتمد بزرگ کی بھی سنئے: ”حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ آیت قرآنی فان له معیشتہ ضنکاً کے متعلق فرماتے ہیں۔

بعض مفسرین نے معیشتہ ضنکاً سے قبر کی برزخی زندگی مراد لی ہے یعنی قیامت سے پہلے اُس پر سخت تنگی کا ایک دور آئے گا جب کہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کر دی جائے گی معیشتہ ضنک کی تفسیر عذاب قبر سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی ہے بلکہ بزار نے باسناد جید ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۴۱۵)

یہاں علامہ عثمانی رحمہ اللہ قبر کی زمین کا تنگ ہو جانا ذکر فرما رہے ہیں اور قبر کی زمین قبرستان میں ہوتی ہے، یہ اردو کا لفظ ہے کسی اور زبان کا نہیں اور اردو میں قبر کی زمین اسی قبر کو کہا جاتا ہے اور بات بھی عذاب قبر کی ہو رہی ہے، مولوی صاحب کی اگر تسلی ہو سکے تو ایک اور حوالہ بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا، امام ابوالقاسم سعدی رحمہ اللہ سے علامہ

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: ”قال والمراد بضغطة القبر التقاء جانبیه علی جسد المیت“ (شرح الصدور ص ۹۸) فرمایا قبر کے ٹک ہونے سے مراد قبر کے دونوں جانبوں کا میت کے جسم پر مل جانا ہے۔“

ہر عقل مند پر ظاہر اور واضح ہے کہ میت کا جسم اسی زمینی قبر میں ہوتا ہے اور جب قبر کے دونوں جانب جسم پر مل جاتے ہیں تو وہ اسی قبر میں ہی ملتے ہیں کیونکہ کسی دوسری قبر میں میت کا جسم نہیں ہے کہ اس پر مل جاتے ہوں، یہاں بھی ذکر عذاب کا ہو رہا ہے اور مراد یہی قبر ہے۔

علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ومما يدل علی وقوع العذاب علی الاجساد الاحادیث الکثیرة فی تصیق القبر علی المیت حتی تختلف اضلاعہ۔“ (احوال القبور ص ۱۴۰)

ان دلائل میں سے جو جسموں کو عذاب ہونے پر دلالت کرتے ہیں وہ بکثرت احادیث بھی ہیں جن میں ہے کہ قبر میت پر تنگ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ میت کا جسم اور پسلیاں اسی زمینی قبر میں ہوتی ہیں، تو عذاب کا ذکر بھی ہے اور مراد بھی یہی قبر ہے اور علامہ ابن رجب اسی جسم کی پسلیاں اور اسی کا عذاب ثابت کر رہے ہیں، ایسے ہی ایک صحابی رضی اللہ عنہ قبر پر خیمہ نصب کرتا ہے اور قبر والا راحت میں ہے اور سورہ ملک کی تلاوت کرتا ہے اور صحابی سنتا ہے آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس سورت کی تلاوت نے اس کو عذاب قبر سے نجات دلائی اور راحت حاصل ہوئی۔ (احوال القبور ص ۶۹ بحوالہ ترمذی وقال حدیث حسن شرح الصدور ص ۱۶۴، وحاکم و بیہقی)

معلوم ہوا کہ عذاب قبر اور راحت قبر کے ذکر کے وقت بھی قبر سے یہی زمینی قبر مراد ہوتی ہے نہ کہ کوئی دوسری قبر، ہاں اس قبر میں عذاب و ثواب ہمیشہ مشاہدہ میں نہیں آ سکتا کبھی مشاہدہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہوتا، عام قانون یہ ہے کہ مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا البتہ کبھی کسی مجرم کے جرائم سے بندوں کو عبرت دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ مشاہدہ کر دیتے ہیں اور مولوی صاحب قبر سے جو عالم برزخ مراد لیتے ہیں تو اس بارے میں ہم پہلے باحوالہ لکھ آئے ہیں کہ یہ قبر بھی عالم برزخ کا حصہ ہے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم قبر کو بھی برزک کہتے ہیں، اس لیے اس قبر میں عذاب و ثواب بھی عالم برزک میں عذاب و ثواب ہے۔

مولوی صاحب کے دلائل: قبر کی مراد میں جو کچھ مولوی صاحب نے کہا اس بارے میں مولوی صاحب کے دلائل یہ ہیں۔

پہلی اور دوسری دلیل: (۱) قرآن مجید میں ہے: ”ثم امانہ فاقبرہ“ پھر اللہ نے اسے موت دی اور قبر دے دی، ظاہر ہے (عقل کے اندھوں کے سامنے ہی یہ ظاہر ہے کہ) انسان کو عرفی قبر نہیں ملتی، تو قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔

(۲) اس لیے فرعونوں کو عذاب ہو رہا ہے جیسا کہ ابھی آیت میں گزر چکا ہے وہ عذاب قبر کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ (اعلان حق ص ۵۶، ۵۷)

جواب: اس دلیل کے ضمن میں مولوی صاحب کی دو دلیلیں ذکر ہوئیں:

(۱) ایک ثم امانہ فاقبرہ کہ وفات کے بعد اللہ تعالیٰ قبر دیتا ہے اور پھر کہہ دیا کہ یہ زمینی قبر نہیں دیتا کوئی اور قبر دیتا ہے جس سے مراد عالم برزخ ہے، یہ مولوی صاحب کی اپنی من مانی تفسیر ہے اللہ کی مراد نہیں، مولوی صاحب

نے اللہ تعالیٰ پر غلط بیانی کرنے سے شرم نہیں کی، اللہ تعالیٰ اس آیت میں اپنے انعامات ذکر فرما رہے ہیں، ان انعامات میں سے انسان کو پیدا کرنا اس کو وجود دینا اور اعضاء درست بنانا اور وجود دے کر ماں کے پیٹ سے راستہ آسان کر کے باہر لانا اور ظاہر ہے کہ یہ سب انسان پر اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے انعام ہیں، پھر موت کا انعام ذکر فرمایا جو عام انسانوں کے لیے فناء ہونا یا دولا لانے کے اعتبار سے انعام ہے جو عبرت کی نگاہوں والے کے لیے ذریعہ ہدایت بن سکتا ہے اور ہدایت انعام ہونے کی وجہ سے ذریعہ ہدایت چیز بھی انعام ہوئی، نیز فرماں بردار کے لیے موت تحفہ انعام ہے، پھر موت کے بعد قبر میں رکھوانے کا انعام ذکر فرمایا ظاہر ہے کہ یہ ایسا انعام ہونا چاہیے کہ جس پر یہ انعام ہوا وہ بھی اس کو پہنچانے حتیٰ کہ کافر بھی پہنچاتا ہو کہ یہ کون سا انعام ہے؟ اور وہ مولوی امیر عبد اللہ کی بیان کی ہوئی قبر ہو تو اس کو کافر تو کیا عام مؤمن بھی نہیں جانتا، تو آیت میں کوئی قبر مراد ہے؟

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ”یعنی مرنے کے بعد اس کی لاش کو قبر میں رکھنے کی ہدایت کردی تا زندوں کے سامنے یونہی بے حرمت نہ ہو۔“ (تفسیر عثمانی ص ۷۶۲)

معلوم ہوا کہ یہاں قبر سے مراد وہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے میت کی لاش رکھنے کا حکم دیا ہے جو کہ قبرستان کی زمین کی قبر ہے۔

حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ای جعلہ ذاقبر تواری فیہ حیفتہ تکرمة لہ ولم یجعلہ مطروحاً علی الارض یستقذرہ من یراہ وتقتسمہ السباع والطیر اذا ظفرت بہ کسائر الحیوان والمراد من جعلہ ذاقبر امرہ عز وجل بدفنہ“ (روح المعانی ج ۳۰ ص ۵۰) یعنی انسان کو ایسی قبر والا بنایا جس میں اس کے اکرام کے لئے اس کی لاش چھپادی جاتی ہے اور یوں زمین پر نہیں ڈال دی جاتی کہ دیکھنے والا اس کو گندگی سمجھتا رہے اور درندے اور پرندے اس کو دوسرے جانوروں کی طرح چیر پھاڑ کر کھائیں، انسان کو قبر والا بنانے سے مراد اللہ تعالیٰ کا انسان کو دفن کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قیل معناه الہم کیف یدفن۔ (مفردات راغب ص ۳۹۱)

علماء کہتے ہیں کہ قبر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ انسان کو کیسے دفنایا جائے؟ اس سے خوب واضح ہوا کہ قبر میں رکھوانے سے مراد انسان کی لاش کو قبر میں دفنانے کا حکم کرتا ہے اور جس قبر میں دفن کا حکم فرمایا وہ زمین والی قبر ہے تو آیت میں قبر دفن گاہ کو فرمایا نہ کہ کسی اور جگہ کو، کیا مولوی صاحب کے مریدین کو اللہ تعالیٰ کا حکم کسی اور قبر میں میت دفنانے کا ہے؟

دوسری دلیل: (۲) فرعون و آل فرعون کے متعلق آیت کریمہ ہے مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ پانی میں ڈوبے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق آگ میں گئے اور انہیں قبر نہیں ملی تو انہیں جو قبر ملی وہی شرعی قبر ہے اور وہ جہنم کی آگ میں جاتا ہے، لیکن یہ دلیل غلط ہے، اس لئے کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ جس آگ میں وہ گئے ہیں وہ برزخ کی آگ تھی جو اسی پانی میں تھی جس میں وہ ڈوبے تھے، اس پر علامہ ابن النباری رحمۃ اللہ علیہ کا شعر بھی ذکر کیا:

لا تعجبین لا ضداد اذا اجتمعت فالله یجمع بین الماء والنار

جب کئی ضدیں اکٹھی ہوں تو اس پر تعجب نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی پانی اور آگ جمع کرتا ہے،

تیسری دلیل: (۳) لکھتے ہیں حدیث میں ہے ”القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر

النار۔“ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یعنی وہ نہیں جن کو تم بناتے ہو۔ (اعلان حق ص ۵۷)

جواب: لا حول ولا قوۃ الا باللہ یہاں مولوی صاحب نے نبی کریم ﷺ پر بھی غلط بیانی کرتے ہوئے حدیث میں تحریف معنوی کی اور مفہوم مخالف والی ڈنڈی ماری ہے، حدیث شریف کا مطلب تو یہ ہے کہ اس قبر کو جس میں تم دفن ہو گے اور اپنے مردے دفن کرتے ہو اس کو محض مٹی ہی نہ سمجھو، یہی قبر یا جنت کا باغ ہے یا دوزخ کا گڑھا، تمہاری مرضی اپنے اعمال سے جنت کا باغ بناؤ یا دوزخ کا گڑھا بنا لو، اس سے زیادہ کچھ مطلب نہیں ہے اور قبر کے جنت کا باغ یا دوزخ کا گڑھا ہونے پر مولوی صاحب اور ان کی جماعت ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

علماء کے اقوال: اس کے بعد مولوی صاحب نے حضرات علماء کی عبارات سے یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ قبر سے یہ گڑھا مراد نہیں ہے، جب مولوی صاحب کے پاس اس بارے میں کوئی ایک بھی نص قطعی الثبوت والدلالہ نہیں ہے اور عقیدہ کے باب میں علماء کے اقوال حجت ہی نہیں (کیونکہ مولوی صاحب کی بیان کی ہوئی قبر بھی عالم غیب ہے) تو یہ اقوال کچھ وزن نہیں رکھتے نص قطعی لائیے، دوسری بات یہ ہے کہ ان حضرات نے ان اقوال میں یہ بیان فرمایا ہے کہ صرف اس گڑھے میں قبر کا اطلاق منحصر نہ سمجھو بلکہ مرنے کے بعد اگر کسی کو اس قبر میں نہیں رکھا گیا وہ بھی جہاں ہے وہی اس کی قبر ہے، اس کو وہیں عذاب قبر ہو رہا ہوگا تم عذاب قبر کے لفظ کو دیکھ کر جب قبر اسی کو ہی سمجھو گے تو تمہیں شبہ ہوگا کہ وہ آدمی تو عذاب قبر کا شکار نہ ہوا جس کو قبر ہی نہ ملی تو سمجھو کہ جو اسی قبر میں دفن ہوا اس کی تو یہی قبر ہے اور جو یہاں دفن نہیں ہوا اس کی یہ قبر تو نہیں ہے مگر وہی قبر ہے جہاں اس کے جسم کے اجزاء موجود ہیں چاہے جس حالت میں بھی ہیں۔

مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جو شخص جہاں ہوگا اور جس کے ذرات جہاں ہوں گے وہی اس کی قبر ہے۔ (کشف الرحمان ص ۷۰۷ کا ضمیمہ)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ان تمام شبہات کا منشاء یہ ہے کہ قبر نام اس گڑھے کا رکھ لیا ہے حالانکہ قبر سے مراد احادیث میں یہ گڑھا نہیں بلکہ مراد عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ برزخ اس حالت کا نام ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان کی حالت ہے، اگر قبر میں دفن کر دیا وہی اس کا برزخ ہے اس سے وہاں ہی سوال و جواب و عذاب و ثواب ہوگا اور اگر بھیڑیے و شیر نے کھا لیا اس کے لئے وہی برزخ ہے اور اگر جلاد یا تو جہاں جہاں اس کے اجزاء ہیں اس سے وہاں ہی یہ سب واقعات پیش آئیں گئے۔ (مواعظ جزا و سزا۔ وعظ حیوۃ طیبہ ص ۸۵)

اس عبارت کو بار بار غور سے پڑھیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قبر کو بھی برزخ کہتے ہیں اور قبر میں دفن ہونے والے کے لئے سوال و جواب و عذاب و ثواب یہیں مانتے ہیں اور جسم کو بھی عذاب ہونا مانتے ہوئے اجزاء جسم بکھرے ہوئے ہونے کی حالت میں ان اجزاء تک عذاب کا اثر پہنچنا مانتے ہیں اور جس کو قبر نہیں ملی اس کے اجزاء جہاں ہیں اس کے لئے اس جگہ کو قبر اور برزخ مانتے ہیں اور ہر جزء تک عذاب پہنچنا مانتے ہیں اور مولوی صاحب اس سب کے منکر ہیں، فیاللاسف۔

اعلان حق کے دوسرے ایڈیشن میں مولوی صاحب نے مسئلہ وسیلہ بھی بیان کیا ہے، ہم نے اس کی بحث راہ حق میں کر دی ہے، ہدایہ وغیرہ میں لفظ بحق نبیک وغیرہ میں صرف لفظ بحق کا استعمال مکر وہ کہا گیا اس کی کراہت کی وجہ بھی یہ تھی کہ معتزلہ اور روافض اللہ کے ذمہ حق واجب کرتے ہیں جب کہ اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ذمہ

کچھ واجب نہیں سب اس کا احسان ہے، چاہے وہ خود اپنے اوپر واجب کر لے، تو معتزلہ بھی سے حق واجب مراد لیتے ہیں تو ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے صرف اسی لفظ کو مکروہ کہا گیا، ورنہ بذات خود یہ لفظ بھی مکروہ نہیں کیونکہ ابن ماجہ میں بحق ممشای ہذہ موجود ہے، مستدرک، کنز العمال، در السحابہ وغیرہ میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے لئے دعا میں لفظ بحق نبیک والانبیاء الذین قبلی (بسد جید) خود نبی کریم ﷺ نے فرمائے ہیں، تو آپ ﷺ کے فرمائے ہوئے الفاظ بذات خود کیسے مکروہ ہو سکتے ہیں؟ فقط واللہ اعلم و علمہ اتم و اکمل، اقول قولی ہذا و استغفر اللہ العظیم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا و مولانا و شفیعنا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

نبی کریم ﷺ کے لئے سماع سلام عند القبر: مولوی امیر عبد اللہ صاحب کی ایک چھٹی (رقعہ) ہمیں ملی تھی اس میں نبی کریم ﷺ کے عدم سماع عند القبر کے ثبوت کے لئے کچھ حوالوں کے اشاریے دیئے تھے، اس کا جو جواب ہم نے دیا تھا وہ باتیں اوپر کی بحثوں میں آچکی ہیں انہیں ہم نہیں دہراتے البتہ اس کا کچھ حصہ ذکر کرنا مفید ہے وہ درج ذیل ہے)

(۱) نبی کریم ﷺ جب عالم ارواح میں تھے تو ممتاز تھے اور جب ماں کے پیٹ میں آئے تو کیفیات کے اعتبار سے بھی ممتاز اور جب اس دنیا میں آئے تو بچپن، جوانی، بڑی عمر غرض زندگی کے ہر لمحہ میں خصوصیات اور کیفیات تک میں ممتاز تھے، ارشاد فرمایا تھا ایکم مثلی تم میں سے کون میرے مثل ہو سکتا ہے؟ دوسروں سے آپ کا فرق صرف باطنی اور روحانی خصوصیات کا نہیں تھا بلکہ جسمانی ظاہری طور پر بھی تھا، تو عالم برزخ میں تشریف لے جانے کے بعد کیا زندگی کے اعتبار سے محض ظاہری طور پر ہی آپ ﷺ میں اور عام آدمی میں فرق ہوگا کہ وہ بھی مثلاً جنت میں اور آپ ﷺ بھی جنت میں اور صرف درجہ میں تو فرق ہوگا اور کیفیات میں کچھ فرق نہیں ہوگا؟ یا آپ ﷺ کو کسی بھی عالم میں دوسروں کے برابر سمجھنا اور فرق نہ کرنا گستاخی ہے، عشق رسول ﷺ سے خالی ہونے یا کم از کم محبت کم ہونے کی علامت ہے۔

(۲) جو خصوصیت اور کمال کسی عام انسان یا ادنیٰ نبی میں ہو بشرطیکہ اس کے اسی شخص میں منحصر ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو تو وہ خصوصیت سب سے بڑھ کر بدرجہ اتم نبی کریم ﷺ میں ہوگی۔

(۳) کسی میں کوئی خصوصیت اور فضیلت ہو اس میں اس فضیلت کا انکار اس کی شان و فضیلت کو کم کرنا یعنی تنقیص کہلاتا ہے جو بے ادبی ہے۔

ان باتوں میں غور کرنے کے بعد اب سمجھیں سماع فضیلت (زائد چیز) ہے اور عدم سماع کمی ہے فضیلت نہیں ہے، تو جب احادیث میں اور اقوال علماء میں سماع انبیاء علیہم السلام عند القبر کی تصریح ہے تو ان احادیث اور اقوال علماء کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے سماع کی فضیلت کا انکار کر کے عدم سماع کی کمی مان کر یوں نبی کریم ﷺ کا درجہ کم کیا جائے؟ اور کیا اسی کا نام تنقیص اور گستاخی نہیں ہوگا؟

اب علماء کی چند تصریحات ملاحظہ کریں:

(۱) فاند یسمعہا ای اذا کانت بالقرب منه، آپ ﷺ درود شریف سنتے ہیں جب قریب سے ہو۔

(حافیہ الطحاوی ص ۴۶ قدیمی کتب خانہ)

(مراقی الفلاح ص ۱۹۲، نور الایضاح ص ۱۸۸ قدیمی کتب خانہ)

(۲) فاند یسمعہا۔

(۳) بسمع کلامہ آپ ﷺ زیارت کرنے والے کا کلام سنتے ہیں۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۲ طبع لکھنؤ بحوالہ الاحیاء)

(۴) سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ قرین قیاس ہے۔ (جمال قاسمی ص ۱۶ طبع ایک مولانا ناتوتوی بیروت)

(۵) حدیثوں میں صلاۃ و سلام کا سماع وارد ہوا ہے۔ (مواعظ میلاد النبی ص ۷۷ حضرت تھانوی بیروت)

سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ اور جواب دینا یہ تو داعما ثابت ہے۔ (نشر الطیب ص ۲۱۲)

(۶) یصلی فی قبرہ ویرد سلام من سلم آپ ﷺ قبر میں نماز بھی پڑھتے ہیں اور سلام کرنے والے

کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ (الروح ص ۶۴ طبع بیروت علامہ ابن القیم بیروت)

(۷) محققانہ بسمع کلامہ زیارت کرنے والا یہ یقین کرے کہ آپ ﷺ اس کی کلام سن رہے ہیں۔

(القول البدیع ص ۲۱۳ علامہ سخاوی بیروت)

(۸) حضور اقدس ﷺ کے خود سننے میں کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

(فضائل درود شریف ص ۳۴ طبع بیروت مولانا زکریا بیروت)

(۹) لو سلم علیہ احد رد علیہ السلام لوجود الحیاء جو آپ ﷺ پر سلام عرض کرے آپ ﷺ سلام

کا جواب دیتے ہیں کیونکہ حیات موجود ہے۔ (الحادی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۵ علامہ سیوطی بیروت)

(۱۰) میت کا اس سلام کو جو قبر کے نزدیک ہوسننا اور اس کا جواب دینا کوئی میت ہوا دلہ واضحہ سے ثابت ہے۔

پس آنحضرت ﷺ کا اس سلام کو جو آپ ﷺ کی قبر کے پاس ہوسننا اور اس کا جواب دینا بطریق اولیٰ

ثابت ہے۔ (السی المسکو ص ۳۷۶ مولانا عبدالحی لکھنوی بیروت طبع مکتبہ شوکت اسلام لکھنؤ ۱۳۱۰ھ)

(۱۱) روضہ اقدس کے سامنے الفاظ خطاب کے ساتھ سلام پڑھنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے کیونکہ

وہاں براہ راست حضور ﷺ کا سلام سننا اور جواب دینا روایات حدیث سے ثابت ہے۔

(جواہر الفکر ج ۱ ص ۲۱۵ حضرت مفتی محمد شفیع بیروت)

(۱۲) فہی دائماً تعرض علیہ بواسطۃ الملك الا عند روضۃ فیسمعہا بحضرۃ ہمیشہ آپ ﷺ کی

خدمت میں درود شریف فرشتہ کے ذریعہ پیش ہوتا ہے مگر روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔

(بذل الجہود ج ۲ ص ۲۹۷ مولانا خلیل احمد سہارن پوری بیروت)

(۱۳) جو وہاں جا کر (درود) بھیجتا ہے تو بلا واسطہ حضرت ﷺ سنتے ہیں۔

(مظاہر حق ج ۱ ص ۳۲۲ طبع قدیم لکھنؤ مولانا نواب قطب الدین بیروت)

(۱۴) اور مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلاۃ و سلام پڑھتا ہے اس کو آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۳۵۱ مولانا ادریس کاندھلوی بیروت)

(۱۵) انبیاء کی زندگی اتنی قوی ہے کہ اس کا اثر اس عالم میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً ان کی ارواح کا جسم کے

ساتھ قائم رہنا قبر پر جا کر سلام کرنے والے کے سلام کو سننا اور اس کا جواب دینا۔

(تفسیر کشف الرحمن ج ۱ ضمیمہ ص ۱۱۴ مولانا سعید احمد دہلوی مصدقہ مولانا مفتی کفایت اللہ بیروت)

- (۱۶) مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۰، ۱۱۲ دستخط مولانا گنگوہی)
- (۱۷) فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلاۃ و سلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰ مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ طبع دار الاشاعت کراچی)
- (۱۸) وهو لا يسمع السلام من القبر وتبلغه الملائكة الصلوة والسلام من البعد قبر کے پاس سے آپ ﷺ سلام سنتے ہیں اور دور سے صلاۃ و سلام فرشتے پہنچاتے ہیں۔ (المارم المنکلی ص ۳۳۰ علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ)
- (۱۹) واما الادراكات كالعلم والسماع فلا شك ان ذلك ثابت و سند ذكر بتوبة لسائر الموتى فكيف بالانبياء عليهم السلام (شفاء القام ص ۴۱۳، علامہ سبکی رحمہ اللہ) لیکن ادراکات جیسے جان لینا اور سننا تو کوئی شک نہیں کہ یہ ثابت ہے اور عنقریب ہم اس کا ثبوت سب مردوں کے لیے ذکر کریں گے تو انبیاء علیہم السلام کے لیے کیسے ثابت نہیں؟
- (۲۰) لان ارواح الانبياء بعد مفارقة البدن في الرفيق الاعلى ولها اشراف على البدن تعلق به يتمكنون من التصرف والتقرب بحيث يرد السلام على المسلم وبهذا التعلق راه يصلى في قبره وراه في السماء... كما ان نبينا بالرفيق الاعلى وبدنه في ضريحه يرد السلام على من سلم عليه۔
- (فيض القدير ج ۵ ص ۶۷۵، ۶۷۴ علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ)
- کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی روحیں بدنوں سے الگ ہونے کے بعد رفیق اعلیٰ میں ہیں اور ان کا جسم پر تو ہے اور ایسا تعلق ہے جس سے تصرف کی اور ایسے تقرب کی طاقت رکھتی ہیں کہ سلام کرنے والے کو جواب دیتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے اور آسمان میں بھی دیکھا ہے، جیسے ہمارے نبی کریم ﷺ رفیق اعلیٰ میں ہیں اور بدن مبارک قبر اطہر میں ہے سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔
- اکابر کی ان صاف عبارات سے عند القبر سماع کی صراحت ہے، کیا ایسی ہی صریح عبارت کسی ایک مسلم بزرگ کی پیش کی جاسکتی ہے، چیلنج ہے؟ حلفیہ کہا جاتا ہے کہ مولوی امیر عبد اللہ ساٹھ صفحات (اور اب دوسرا ایڈیشن ۹۰ صفحات) کا رسالہ لکھ کر بھی ایسی صریح عبارت پیش نہیں کر سکے اور نہ ان شاء اللہ پیش ہو سکے گی، جو عبارات یہ پیش کرتے ہیں ان میں نہ عند القبر کی صراحت ہوتی ہے نہ نبی یا انبیاء کا لفظ ہوتا ہے، نہ سننے کی نفی ہوتی ہے یا تو عام مردوں کی بات ہوتی ہے یا دور کی بات ہوتی ہے اور جناب کی چشمی میں اور رسالہ میں بھی یہی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، ان قیودات کے ساتھ ایک حوالہ پیش کیجئے اور انعام لیجئے؟



وَلَا تَقْتُلُوا مَنْ يَفْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياءُ أحياءٌ في قبورهم يصلون (الحديث)

ارشادات
رحمة للعالمين ﷺ
في حيات
خاتمة النبيين ﷺ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شائع کرده:

انجمن مدرسه حیات انبی ﷺ و علم گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۴۰

۴۱

ارشادات
رحمۃ اللعالمین
فی حیات
النبی ﷺ
صلی اللہ علیہ وسلم

شائع عمرہ

انجمن مدرسہ حیات النبی ﷺ

۱۲۰۰ پیسے

حدس پرنٹ پریس کجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلی فہرست

۲۲۰	(حرفے چنء) مولا نا نذیر اللہ خان کجرات
۲۲۱	اکابر محدثین اور ایمان امت کے اسمائے گرامی جنہوں نے اس روایت کی صحیح کی
۲۲۱	حوالہ جات از بعض عبارات
۲۲۱	ائمہ کبار و ائمہ فن اور بزرگان امت کے اسماء گرامی جنہوں نے اس مضمون کو صحیح تسلیم فرمایا
۲۲۱	خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور مذہب اہل سنت
۲۲۲	مذہب اہل سنت
۲۲۲	صحیح کرنے والے محدثین کے اسماء گرامی
۲۲۲	موت انبیاء مبہتہ کا مفہوم (حافظ ابن قیمؒ)
۲۲۳	مذاهب اربعہ در حیات نبویہ
۲۲۴	اکابرین علمائے دیوبند کے اسماء گرامی اور ان کا عقیدہ
۲۲۴	فخر الحدیث مولانا ظفر اجبر تھانوی فتح الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار (سندھ)
۲۲۴	مکثرین عقیدہ حیات النبی ﷺ سے سوالات اور تحریری جواب مطلوب ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(حرفے چند)

مولانا نذیر اللہ خان گجرات

ایک رسالہ ”ارشادات رحمۃ اللعالمین فی حیات خاتم النبیین ﷺ“
انجمن مدرسہ حیات النبی گجرات سے شائع شدہ ہے۔ اس پر کسی مصنف کا نام نہیں
ہے مسجد حیات النبی گجرات کے بانی و خطیب حضرت مولانا نذیر اللہ خان تھے۔ جو
دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور ابتداء میں ہی مسئلہ حیات النبی کے پاسبانوں میں
شامل تھے۔ غالباً ان کا مرتب کردہ ہے۔ انتہائی عام فہم اور ہر عام و خواص کو سمجھ
آ جانے والا رسالہ ہے۔ اس مجموعہ میں شامل کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

.....۱ ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“

ترجمہ: انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔

اکابر محدثین اور اعیان امت کے اسمائے گرامی جنہوں نے اس روایت کی تصحیح کی

(۱) حافظ بیہقی، (۲) حافظ مٹھی، (۳) حافظ ابن حجر عسقلانی، (۴) علامہ عزیزی شارح جامع صغیر، (۵) امام حدیث وفقہ ملا علی قاری، (۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (۷) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، (۸) حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، (۹) امام سیوطی، (۱۰) قاضی شوکانی، (۱۱) رئیس المحدثین حضرت امام مولانا انور شاہ، (۱۲) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (رحمۃ اللہ علیہ)

حوالہ جات از بعض عبارات

(عزیزی شرح جامع صغیر ج ۲ ص ۱۳۴ مصر، فتح الباری پ ۱۳ کتاب الانبیاء، مرقات ج ۲ ص ۲۱۲ مصر، مکتوبات دفتر ۲، ۱۶، فیوض الحرمین مطبوعہ دیوبند ص ۲۸، نیل الاوطار ج ۳ ص ۱، فتاویٰ حافظ سیوطی ج ۲ ص ۱۴۷ مصر، تحیۃ الاسلام وعقیدۃ الاسلام وخاتم النبیین ص ۹، ۳۹)

نوٹ: متواتر روایات میں سے یہ حدیث مذکور بھی ہے۔

.....۲ ”عن النبی ﷺ قال من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته“

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود پڑھے وہ مجھے فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔

ائمہ کبار و ائمہ فن اور بزرگان امت کے اسماء گرامی جنہوں نے اس مضمون کو صحیح تسلیم فرمایا

(۱) خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی، (۲) حافظ سخاوی، (۳) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ، (۴) امام ملا علی قاری، (۵) قاضی ثناء اللہ محدث پانی پتی، (۶) علامہ طحاوی، (۷) نواب صدیق حسن خان اہل حدیث، (۸) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، (۹) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، (۱۰) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری، (۱۱) حکیم الامت حضرت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ)

حوالہ جات: (فتح الباری، القول البدیع، رسائل ابن تیمیہ، مرقات ج ۲ ص ۱۰، تفسیر مظہری، طحاوی مصر، الدلیل المطالب، فتح الہلم، فتاویٰ رشیدیہ، تذکرۃ الخلیل، نشر الطیب، جلاء الافہام، جذب القلوب، شرح ہمزیہ)

خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور مذہب اہل سنت

”لا یجمع اللہ الموتین“ کا مومنین کا مفہوم (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۵۱۷، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح

بخاری ج ۷، علامہ ابن حجر عسقلانی، تفسیر القاری شرح صحیح بخاری، مدارج النہوۃ)

تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بعد از موت بحیات ابدی زندہ ہیں۔ پھر آپ پر کبھی موت نہ آئے گی آپ دائمی طور پر اور انبیاء کی طرح اپنے روضہ میں فائز الحیات ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۱۷ حاشیہ)

مذہب اہل سنت

حضور ﷺ اپنے روضہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں انہیں وہاں پھر کبھی موت نہیں آئے گی اور غیر انبیاء کے لئے قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں۔ (یعنی ج ۷ شرح بخاری، فتح الباری ج ۷ شرح بخاری)

۳..... ”عن اوس بن اوس قال رسول اللہ ﷺ ان من افضل ايامکم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاکثروا على من الصلوة فان صلوتکم معروضه على قال قالوا يا رسول اللہ و کیف تعرض صلوتنا عليك وقد اومت قال يقولون بليت فقال ان الله عز وجل حرم على الارض اجساد الانبياء“ ترجمہ: حضرت اوس بن اوس کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تمام دنوں میں افضل جمعہ کا دن۔ اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن ان کی روح قبض ہوئی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن قیامت کی بے ہوشی ہوگی۔ پس جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب آپ قبر میں گھل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی کھائے۔

تصحیح کرنے والے محدثین کے اسماء گرامی

(۱) امام احمد، (۲) امام ابو داؤد، (۳) امام نسائی، (۴) امام ابن حبان، (۵) امام ابن خزیمہ، (۶) امام دارقطنی، (۷) امام نووی، (۸) امام ابن دحیہ، (۹) حافظ ابن کثیر، (۱۰) حافظ ابن تیمیہ، (۱۱) حافظ ابن قیم، (۱۲) حافظ ذہبی، (۱۳) حافظ ابن حجر عسقلانی، (۱۴) علامہ عینی، (۱۵) حافظ سخاوی، (۱۶) علامہ طیبی، (۱۷) امام ملا علی قاری، (۱۸) علامہ سمہودی، (۱۹) شیخ عبدالحق دہلوی، (۲۰) قاضی شوکانی، (۲۱) حجۃ الاسلام امام محمد انور شاہ کشمیری وغیرہم (رحمۃ اللعالمین)

حوالہ جات: (کتاب الروح، مرقاة، مدارج النبوۃ، ترجمان النبی، خزائن الاسرار، رسائل ابن تیمیہ، طبی شرح مشکوٰۃ)

موت انبیاء علیہم السلام کا مفہوم (حافظ ابن قیم رحمہ اللہ)

”موت الانبياء انما هو راجع الى ان غيبوا عنا بحيث لا ندرکهم وان كانوا موجودين احياء“ ترجمہ: انبیاء کرام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب کر لئے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے۔ ورنہ وہ موجود اور زندہ ہیں۔ (کتاب الروح)

۴..... ”عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال اتيت وفي رواية هدا بـ مررت على موسى ليلة اسرى بي عند الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره“ (صحیح مسلم، نسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

حوالہ جات: (فتح الباری، حیات الانبیاء للامام البہیعی، فتح الملہم)

(نوٹ) خاتم الحدیث حضرت مولانا السید انور شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ان کثیراً من الاعمال قد ثبت

فی القبور کالاذان والاقامة عند الدارمی وقرأ القرآن عند الترمذی“ (فیض الباری ج ۱)

بہت سے اعمال شریفہ میں ثابت ہوتے ہیں۔ سنن دارمی کی روایت سے قبر میں اذان واقامت ترمذی

شریف کی روایت میں قبر میں تلاوت قرآن۔

مذہب اربعہ در حیات نبویہ

مالکیہ: ”قال ابن رشد من اتباعه ان الكراهة لغلبة الزيارة في الموتى وهو ﷺ احياء الله تعالى بعد

موته حياة تامة واستمرت تلك الحيوة وهي مستقبل وليس هذا خاصة به ﷺ بل يشار به الانبياء فهو حي

بالحياة الكاملة مع الاستغناء عن الغذاء الحسى الدنيوى“ ابن رشد امام مالک کے مقلدین میں سے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ کی ناپسندیدگی (کہ میں نے حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کی) وجہ یہ ہے کہ زیارت قبر

کا لفظ عام طور پر موتی کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور حضور وفات شریفہ کے بعد اب حیات تامہ سے زندہ ہیں اور یہ

حیات آئندہ بھی اسی طرح رہے گی۔ یہ صرف آپ ہی کا خاصہ نہیں بلکہ تمام انبیاء اس وصف میں آپ کے ساتھ

شریک ہیں۔ پس آپ غذا حسی دنیوی سے استغناء کے باوجود حیات کاملہ سے زندہ ہیں۔

(وفاء الوفاء ص ۴۱۳، نور الایمان بزیارة آثار حبیب الرحمن ص ۱۴ مولانا عبدالحکیم فرنگی محل)

علماء مالکیہ سے امام قرطبی (ج ۵ ص ۲۶۵) امام ابو حیات اندلسی رحمہ اللہ (بحر المحیط ج ۱ ص ۲۸۳) علامہ ابن

الحاج، علامہ ابن ارشد اندلسی، ابن ابی جمرة۔ وغیرہ!

شوافع: ”عندنا رسول الله ﷺ حي يحس ويعلم وتعرض عليه اعمال الامة ويبلغ الصلوة

والسلام“ ہم شافعیہ کے نزدیک حضور زندہ ہیں اور آپ میں احساس و شعور موجود ہے۔ آپ پر اعمال امت بھی

پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام بھی پہنچایا جاتا ہے۔ (طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۲۸۲)

حنابلہ: حنابلہ میں سے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ تحقیق کہ حضور ﷺ اپنے روضہ اطہر کے قریب عرض کئے

گئے۔ صلوٰۃ و سلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں ان کی اپنی تحریر سے باحوالہ بقید صفحہ و مطبع آپ کے سامنے آچکی ہے۔

حافظ ابن قیم کی تصریحات بھی یکے بعد دیگرے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

”قال ابن عقيل من الحنابلة: هو ﷺ حي في قبره يصلی“ حنابلہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل فرماتے

ہیں کہ حضور ﷺ انور اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حنفیہ کرام: علامہ شرمیلالی رحمہ اللہ نور الایضاح میں فرماتے ہیں (یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے نصاب

تعلیم میں داخل ہے)

”ولما هو مقرر عند المحققين انه ﷺ حي يرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات غير انه احجب

عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات“ محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انور زندہ ہیں آپ کو

رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے لذت بھی اٹھاتے ہیں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔ (نور الایضاح ص ۱۷۷)

۲..... مراقی الفلاح میں ہے: ”ینبغي لمن قصد زیارة النبی ﷺ ان یکثر الصلوة علیه فانه یسمعها و تبلغ الیه“ جو شخص حضور اکرم کی زیارت کرنے کے لئے آئے اسے چاہئے کہ کثرت سے درود عرض کرے کیونکہ آپ اسے خود سن رہے ہیں اور (دور سے) آپ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔ (ص ۴۰۵ مصر)

۳..... طحاوی: ”(فانه یسمعها) ای اذا كانت بالقرب منه ﷺ (وتبلغ الیه) ای یبلغها الملک اذا كان المصلی بعيداً“ آپ صلوٰۃ و سلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔ (طحاوی ص ۴۰۵ مصر)

اکابرین علمائے دیوبند کے اسماء گرامی اور ان کا عقیدہ

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری، حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہم۔

ان تمام بزرگوں کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیائے کرام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

حوالہ جات: (لطائف قاسمیہ، آب حیات، فتاویٰ رشیدیہ، المہند علی المفند، بذل الجہود، عقیدۃ الاسلام و تحیۃ الاسلام،

فتح الہم، مکتوبات شیخ الاسلام، نشر الطیب وغیرہ، الکوکب الدری، ہدیۃ العہد، مواعظ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

فخر المحدثین مولانا ظفر احمد تھانوی شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار (سندھ)

”من ینکر حیاته ﷺ فی قبرہ کان فؤادہ فارغاً من حبہ و عقلہا خالیاً من بعد“ جو شخص حضور اکرم ﷺ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے اس کا دل محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۹)

منکرین عقیدہ حیات النبی ﷺ سے سوالات اور تحریری جواب مطلوب ہیں

۱..... کیا ان حضرات کا عقیدہ کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق ہے یا نہیں؟

۲..... کیا حضور اکرم ﷺ روضہ مطہرہ کے نزدیک درود و سلام سنتے ہیں؟

۳..... کیا ان محدثین امت اور بزرگان دین نے قرآن و حدیث اور اسلام کو بہتر سمجھا ہے یا تم نے؟

۴..... کیا تم تصدیق کرتے ہو کہ تمہارا عقیدہ ان بزرگان دین کے مطابق ہے۔

۵..... حضور ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک کسی ایک اہل سنت کے محدث اور امام کا نام بتائیں جس نے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار کیا ہو۔

یہ مختصر سا رسالہ بغرض دیں اظہار بکثابت سید فاضل شاہ انور قلمکار

وَلَا تَقْتُلُوا الْمَنَ يَقتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياءُ أحياءُ في قبورهم يصلون (احديث)

شَهَادَةُ الْحَقِّ

مُنْكِرَيْنِ حَيَاتٍ كَيْتَمَانِ حَقِّ

اوراس پر

”اعلان حق“ کا لیبل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شائع کردہ:

انجمن مدرسہ حیات النبی ﷺ گجرات

مَنْ أَظْلَمُ مِنْ كَتَمَ شَهَادَةَ عِنْدَ مَنْ أَلَّهِ
شہادۃ حق کو چھپانے والے سے زیادہ ظالم کون ہے

شَہَادَةُ الْحَقِّ

منکرین حیات • کتمان حق •

اور اس پر

”اعلان حق کا لیبیل“

شائع کردہ

انجمن مدرسہ حیات النبیؐ پریس گجرات

قیمت: ۱۳ روپے

اکتوبر ۱۹۶۷ء

دوسری پبلشنگ پریس گجرات

تعداد ایک ہزار

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفصیلی فہرست

۲۲۷	(حرفے چند) مولانا نذیر اللہ خان گجرات
۲۲۸	ہمارا عقیدہ، دربارہ حیات النبی ﷺ
۲۲۸	شہادۃ حق، فقہ الکفر حیات، کتمان حق اور اس پر اعلان حق کا لیبل
۲۲۸	شہادت حق نمبر: ۱
۲۲۸	اس حدیث کو صحیح تسلیم کرنے والے محدثین اور اعیان امت کے اسمائے گرامی
۲۲۹	شہادت حق نمبر: ۲
۲۲۹	محدثین محدثین ائمۃ الحدیث والفقہ داعیۃ الجرح والتعديل کے اسمائے گرامی
۲۳۰	شہادت حق نمبر: ۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(حرفے چند)

مولانا نذیر اللہ خان گجرات

ایک رسالہ ”شہادۃ الحق، مکرمین حیات، کتمان حق اور اس پر اعلان حق کا لیبل“ کے نام سے انجمن مدرسہ حیات النبی گجرات کا اکتوبر ۱۹۶۳ء میں شائع کردہ ہے۔ اس مجموعہ میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی غالباً حضرت مولانا نذیر اللہ خان گجرات والوں کا مرتب کردہ ہے۔ (ناشر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہمارا عقیدہ، دربارہ حیات النبی ﷺ

- ۱..... سید الکائنات جناب رسالت ﷺ نے تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو مدینہ طیبہ میں روضہ مطہرہ میں دفن کیا۔
- ۲..... آپ آج اس دنیا میں زندہ نہیں ہیں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ آج دنیا میں زندہ ہیں اس کا عقیدہ یقیناً غلط اور گمراہی ہے۔
- ۳..... وفات کے بعد عالم برزخ میں روضہ مطہرہ میں جناب رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں اور جو شخص روضہ مطہرہ کے پاس حاضر ہو کر درود و سلام پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں۔
- ۴..... پس جو منکر حیات بددیانتی سے ہماری طرف غلط عقیدہ کو نسبت کرے اسے خدا ہی ہدایت دے۔

وما علینا الا البلاغ المبین!

ومن اظلم ممن کتم شہادۃ عندہ من اللہ

خدا کی سچی بات کو چھپانے والا سب سے زیادہ ظالم ہے

شہادۃ حق

فتنہ انکار حیات، کتمان حق اور اس پر اعلان حق کا لیبل

شہادت حق نمبر: ۱

حدیث شریف: ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“

ترجمہ: تمام انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

اس حدیث کو صحیح تسلیم کرنے والے محدثین اور اعیان امت کے اسمائے گرامی

(۱) حافظ بیہقی، (۲) حافظ بیہقی، (۳) حافظ ابن حجر عسقلانی، (۴) علامہ عزیزی شارح جامع صغیر،

(۵) امام حدیث وفقہ ملا علی قاری، (۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (۷) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

سرہندی، (۸) حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، (۹) امام سیوطی، (۱۰) امام شوکانی، (۱۱) رئیس المحدثین

حضرت امام مولانا انور شاہ کاشمیری، (۱۲) شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی، (۱۳) حکیم الامت حضرت مولانا شعرانی

وغیر ہم من الاکابر والاعیان، (۱۴) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ)

حوالہ جات: (عزیزی شرح جامع صغیر، فتح الملہم، مرقاۃ، مدارج النہوۃ، فیوض الحرمین، فیض الباری، عقیدۃ الاسلام فی

حیات مصطفیٰ ﷺ، رسالہ خاتم النبیین قاری، فتح الباری)

نوٹ: جو منکر حیات تحریری طور پر ان حوالجات کو غلط ثابت کرے اس کو یک صد روپیہ بطور انعام دیا جائے گا۔ (۴ جولائی ۱۹۶۴ء)

۱..... اس کے بعد منکرین حیات نے ”اعلان حق“ کا لیل لگا کر حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی اور ہماری نسبت طرح طرح کی بیہودہ بکو اس سپرد قلم کی ہے جو ایک باطل پرست آدمی کا کام ہے مثلاً: خائن، بددیانت، فریب کار، حصول جاہ و زر، اشتہاری مولوی، طمع سازی، فریب کاری وغیرہ۔ مگر چونکہ ہمارے پاس دلائل قاطع ہیں۔ اس لئے ہمیں ایسے الفاظ کے استعمال کی ضرورت نہیں۔ ہماری طرف سے دعا ہے کہ خداوند کریم منکرین حیات کو یہودیانہ تحریف اور تلبیس سے توبہ کی توفیق دے۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے: ”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ“ کہ صحیح اور درست حقیقت ہوتے ہوئے اس کو چھپانے والا بہت ظالم ہے۔

چنانچہ یہودی ”یکتبون الكتاب بایدیہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ“ خود ساختہ تحریروں سے حقیقت پر پردہ ڈالتے تھے اور اسے اعلان حق کا نام دیتے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ: ”لیستروا بہ تمنا قلیلاً“ دنیاوی مال و دولت و ثروت اور جاہ و زر کا حصول مقصود تھا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا: ”لا تلبسون الحق بالباطل و تکتُمون الحق و انتم تعلمون“ حق کو باطل سے نہ ملاؤ اور حقیقت کو نہ چھپاؤ گویا باطل پر اعلان حق کا لیل لگاتے تھے۔

۲..... چنانچہ منکرین حیات نے اعلان کیا کہ: ”الحسن بن قتیبة“ اس حدیث کی سند میں ہے جو ضعیف ہے۔ (یہ مجلس اور کتمان حق ہے، خبردار رہنا)

شہادت حق نمبر: ۲

جو منکر حیات اس حدیث کی اس سند میں ”الحسن بن قتیبة“ راوی ثابت کر دے جو مسند ابی یعلیٰ میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے اسے ایک صد روپیہ انعام دیا جائے گا۔ پس یاد رکھو مسند ابی یعلیٰ میں یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔ چنانچہ حافظ بیہقیؒ لکھتے ہیں: ”رجال ابی یعلیٰ ثقات“ (مجمع الزوائد) ابویعلیٰ کی سند کے تمام راوی معتبر ہیں۔

متقدمین محدثین ائمۃ الحدیث والفقہ و ائمۃ الجرح والتعدیل کے اسمائے گرامی جنہوں نے اس سند کے تمام راویوں کو معتبر لکھا ہے: امام الفقہ والحدیث امام احمد بن حنبل، امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین، امام الحدیث ابو حاتم امام ابن حبان (رحمہم اللہ)۔ (حوالہ جات: فتح الباری لسان المیزان، تقریب) طلب گاران حقیقت کے لئے شہادت حق کی ضرورت تھی کہ ”الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون“ (الحدیث) صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، جس میں کوئی راوی ضعیف نہیں۔

منکرین حیات کی تلبیس سے بچو!

۳..... منکرین حیات نے پروفیسر ثالث مقرر کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ اس کا جواب مندرجہ ذیل ہے۔

شہادت حق نمبر: ۳

سکرم میں مکرمین حیات اور قائلین حیات ثالث تسلیم کر چکے ہیں۔ پس اب ہم پھر چیلنج کرتے ہیں کہ وہی ثالث پھر تسلیم کر کے فیصلہ کر دالیا جائے کہ:

۱..... اہل سنت والجماعت کا عقیدہ دربارہ حیات النبی ﷺ کیا ہے اور اس کی پوری تعبیر کیا ہے۔

۲..... ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ صحیح ہے یا نہیں؟

۳..... کس کے دلائل اہل سنت کے مطابق ہیں۔

پس ثالثی کے لئے ماہرین فن حدیث کی ضرورت ہے، جنہوں نے عمر کا اکثر حصہ علم حدیث کی تدریس میں بسر کیا ہو، کوئی صاحب علم مسئلہ حدیث کا فیصلہ کرانے کے لئے کسی پروفیسر کو ثالث تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ فیصلہ محدثین کا کام ہے۔ ”فاعتبروا یا اولی الابصار“

”من لم يجعل الله له نورا افماله من نور“ جسے خدا روشنی عنایت نہ کرے تو اسے روشنی نہیں ملتی۔

نوٹ: مکرمین حیات اپنا عقیدہ تحریر کریں اور ثالثی کو تسلیم کرنے کی بھی تحریر دیں۔ نیز یہ بھی تحریر کریں کہ فیصلہ کے بعد عقیدہ حیات النبی ﷺ کو تسلیم کرنے کے بعد رجوع کا اعلان نہ کریں گے۔ کیونکہ مکرمین حیات جب چاہیں وقت کی نزاکت دیکھ کر رجوع کر لیتے ہیں۔

وَلَا تَقْتُلُوا مَنْ يَقتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَفَمَوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الانبياء احياء في قبورهم يصلون (احديث)

عقيدہ حیات الانبياء

اور

قائدين امت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترتیب:

مولانا ابومعاویہ نور اللہ رشیدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلی فہرست

۲۳۳	(حرفے چہد) مولانا نور اللہ رشیدی صاحب
۲۳۴	پیش لفظ
۲۳۴	ہمارا عقیدہ
۲۳۴	ہمارا دعویٰ
۲۳۵	خلیفہ اول سر رسول امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ
۲۳۵	خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ
۲۳۵	خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ
۲۳۵	خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ
۲۳۶	حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ
۲۳۶	فقہائے کرام کا عقیدہ حیات النبی ﷺ
۲۳۶	قائد جمعیت علماء ہند شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
۲۳۶	قائد تحریک ریشمی رومال
۲۳۶	قائد جمعیت علماء اسلام پاکستان
۲۳۶	قائد تبلیغی جماعت
۲۳۷	مولانا حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ
۲۳۷	مولانا ضیاء الرحمن فاروقی شہید رحمہ اللہ
۲۳۸	قائد مجلس احرار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ
۲۳۸	قائد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
۲۳۸	کاحیات النبی ﷺ پر یقین واعتماد
۲۳۸	قائد تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان
۲۳۸	قائد تنظیم اہل سنت والجماعت پاکستان
۲۳۹	رہنما تنظیم اہل سنت والجماعت پاکستان
۲۳۹	قائد اتحاد اہل سنت والجماعت پاکستان
۲۳۹	قائد انجمن دعوت اہل السنۃ والجماعت پاکستان
۲۳۹	قائد اتحاد اہل السنۃ والجماعت پاکستان
۲۴۰	رہنما شریعت کونسل پاکستان
۲۴۰	مفتی اعظم ہند
۲۴۰	حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ
۲۴۰	سربراہ الرشید ٹرسٹ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب
۲۴۰	بانی دارالعلوم دیوبند کا عقیدہ
۲۴۰	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع بانی دارالعلوم کراچی
۲۴۱	صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۲۴۱	آخری فیصلہ
۲۴۱	ذریعہ ممانیت و ممانیت کو چیلنج
۲۴۲	کیا عقیدہ حیات النبی ﷺ منجانب کا مسئلہ ہے؟
۲۴۲	ضروری انتہاء
۲۴۶	اصحاب مدارس غور فرمائیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(حرفے چند)

مولانا نور اللہ رشیدی صاحب

مولانا نور اللہ رشیدی صاحب نے ایک رسالہ بنام: ”عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام اور قائدین امت“ مرتب فرمایا، جس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، مجتہدین، اکابر علمائے دیوبند کے اقوال و عبارات کو بڑی محنت سے جمع کیا ہے۔ رسالہ کے آخر میں حضرت مولانا عاشق الہی بلند شہری (مدینہ منورہ) کا ایک مکتوب ”اصحاب مدارس غور فرمائیں“ کے نام سے بھی شامل ہے، جس میں عقیدہ حیات النبی ﷺ کے عنوان پر اہل مدارس کے نام چند دردمندانہ گزارشات کی گئی ہیں۔ اس رسالہ کو اس مجموعہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (ناشر)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

اللہ جل شانہ کا ہم پر بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ ہمیں اشرف المخلوقات میں پیدا فرمایا پھر ہمیں اپنے پیارے محبوب سرور کائنات سید الاولین حضرت محمد ﷺ کے امتی ہونے کا تاج پہنایا پھر ہمارا مذہب اہلسنت والجماعت علماء احناف دیوبند میں انتخاب فرما کر دین حق کو سمجھنے کی توفیق بخشی اس پر اس رحیم و کریم ذات کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

آج اس کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ اہل السنۃ والجماعت علماء دیوبند کے عقائد و نظریات جو کہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے عین مطابق ہیں ان کو عام کیا جائے۔ تاکہ بزرگان علماء دیوبند کے عقائد کی صحیح ترجمانی مسلمانوں کے سامنے آجائے اور ان کے بارے میں کوئی گمراہ فرد، سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ نہ دے سکے اور نہ ہی کوئی شخص علماء دیوبند پر غلط عقائد و نظریات کا الزام لگا کر اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو سکے اس بات کے پیش نظر بندہ ناچیز نے ”عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام اور قائدین امت“ کے نام سے اس رسالہ کو ترتیب دے دیا۔ تاکہ کوئی بھائی خاص کر ان جماعتوں سے تعلق رکھنے والے کارکن، ان افراد کے جال میں نہ آئے جنہوں نے اس اجماعی عقیدہ کا انکار کیا ہے۔ والسلام!

ہمارا عقیدہ

حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور روح مبارک کا تعلق اس دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضہ انور میں محفوظ موجود ہے اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ روضہ انور پر پڑھے گئے، درود و سلام کو بغیر کسی واسطے کے خود سماعت فرماتے ہیں۔ اسی عقیدہ کو ہمارے اکابر نے المہند میں حیات دنیویہ برزخیہ سے تعبیر کیا ہے۔ (المہند ص ۲۷)

ہمارا دعویٰ

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ کتاب و سنت، اجماع امت سے ثابت ہے۔ اہل السنۃ والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جملہ اکابر دیوبند نہ صرف اس پر متفق ہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ عقائد مسلمہ میں داخل ہیں۔

(حیات الانبیاء ص ۲۵)

خلیفہ اول سر رسول امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ میرے حجرہ میں مدفون ہیں۔ آپ ﷺ کی وفات میرے حجرہ میں ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے سامنے حجرہ کے پاس رکھ دینا اگر حجرہ شریف کا دروازہ کھل جائے اور روضہ شریف کے اندر سے آواز آئے کہ ابوبکر صدیق کو اندر لے آؤ، تب تو حجرہ شریف میں دفن کر دینا ورنہ عام مومنین کے قبرستان میں دفن کر دینا۔

چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وصیت کے مطابق عمل کیا گیا۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنازہ حجرہ شریف کے سامنے رکھ دیا گیا تو قبر شریف کے اندر سے آواز آئی ”ادخلوا الحبيب الى الحبيب“ (محبوب کو اپنے محبوب کے پاس لا کر دفنادو) (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۸۵)

جس سے واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اگر حجرہ شریف کے اندر سے آواز دیں تو ان کو اس میں دفنایا جائے ورنہ نہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے کہ نعوذ باللہ! آپ مردہ لاش ہو گئے، بوسیدہ ہو گئے ہیں تو کیونکر اس طرح وصیت فرماتے۔

نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وصیت پر عمل فرمایا معلوم ہوا کہ اس وقت موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ بھی یہی تھا، ورنہ یہ کہہ دیا جاتا کہ: ”حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت خلاف شرع ہے۔“ نعوذ باللہ! آپ ﷺ مردہ لاش ہو گئے ہیں۔ لہذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے دوسری تدبیر کی جاتی۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس وصیت پر اعتراض نہیں کیا۔

(جواہر الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۷، از مولانا مفتی عبدالسلام چانگامی صاحب، سابق ریکس دارالافتاء علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی) سچان اللہ! سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قیامت تک کے لئے حیات النبی ﷺ کا مسئلہ حل فرمایا اور یقیناً وہی اس مسئلہ کے حل فرمانے کا حق رکھتے تھے کہ دین کے ہر معاملہ میں آپ ﷺ نے سبقت فرمائی۔ (حیات پاک ص ۶۰)

خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ

کہ وہ جب بھی مدینہ کے باہر سفر سے واپس ہوتے، روضہ اطہر کے پاس حاضر ہو کر درود سلام پڑھتے اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ (جذب القلوب ص ۲۰۰، جواہر الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۸)

خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تھا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو مشورہ دیا کہ بہتر ہے آپ شام تشریف لے جائیں، وہاں کی افواج زیادہ مضبوط ہیں، آپ کی پوری حفاظت کرے گی۔ تو حضرت نے جواب دیا میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ دارالہجرت کو ترک کر دوں اور رسول ﷺ کی ہمسائیگی کو چھوڑ دوں۔

(جذب القلوب ص ۲۰۰، مقام حیات ص ۱۸۱، جواہر الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۹)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کو زندہ سمجھتے تھے اور ہمسائیگی سے جدا نہیں ہونا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ سے جدا ہونے کو ناجائز اور عار سمجھتے تھے۔ اگر نعوذ باللہ! آپ کا مردہ لاش ہونے کا عقیدہ ہوتا تو ہمسائیگی کا تصور کیسے ہوتا۔

خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کرے گا وہ اس وقت نبی ﷺ کا ہمایہ اور جوار میں ہوگا۔ (جواہر الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۰)

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ فیہما کا عقیدہ حیات النبی ﷺ

علامہ مکی بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ فیہما جب کبھی ان گھروں سے جو مسجد نبوی کے ساتھ تھے کسی منہ یا کیل لگائے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی آواز سے اذیت نہ دو۔

(شفاء القام ص ۱۷۳)

فقہائے کرام کا عقیدہ حیات النبی ﷺ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعی ہیں، آپ فقہاء اربعہ میں سے افتہ الناس فی الارض اور امام اعظم کے لقب کے ساتھ دنیا کے لوگوں میں مشہور ہیں۔ ان کے مسلک کے ترجمان امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا قصد و ارادہ کرے اسے چاہئے کہ کثرت سے درود شریف عرض کرے۔ کیونکہ آپ ﷺ خود درود شریف کو سنتے ہیں جب زیارت کرنے والے درود سلام پڑھتے ہیں اور جب دور سے پڑھتے ہیں تو آپ ﷺ تک درود شریف پہنچایا جاتا ہے۔

(طحاوی شریف ص ۴۰۵)

قائد تحریک ریشمی رومال

شیخ الہند مجاہد کبیر حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

(الوار محمود ج ۱ ص ۶۱۰)

قائد جمعیت علماء ہند شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

اکابر علماء دیوبند وفات ظاہری کے بعد انبیاء کی حیات جسمانی کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور و شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہیں۔

(نقل حیات ج ۱ ص ۱۲۲)

قائد جمعیت علماء اسلام پاکستان

مفکر اسلام حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء بیہوش اپنی قبور مطہرہ میں حیات ہیں حدیث معتبر سے ثابت ہے۔

(فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۲۵۱)

نبی کریم اپنی قبر شریف میں ”حی“ (زندہ) ہیں اور قبر شریف پر سلام پڑھا جائے تو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور ہر جگہ سے نہیں سنتے بلکہ دور دراز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے کا سلام آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔

(ج ۱ ص ۲۵۳)

تسکین الصدور پر تقریظ فرماتے ہوئے مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ زیر نظر کتاب تسکین الصدور مصنفہ مخدوم و محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی کا بغور مطالعہ کیا۔ مولانا موصوف نے جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے فیصلہ کے مطابق اس کتاب کی ابتداء فرمائی۔

(تسکین الصدور ص ۳۹)

”دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف“ نامی کتاب پر تقریظ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ماشاء اللہ! مسئلہ حیات النبی ﷺ اور سماع صلوٰۃ و سلام عند القبر الشریف پر اسلام و جمہور اہلسنت کے متفقہ فیصلہ کے

مطابق تحریر فرمایا۔ حوالہ جات پیش کئے اور صحیح مسلک کے حوالہ جات سے ایسا ثابت کیا جو اخلاف و معاصرین کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادے اور حضرت مولانا کو ایسی تصانیف پیش کرنے کی مزید توفیق بخشے۔

(الاحقر لافخر محمود و غفا اللہ عنہ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ)

قاعد تبلیغی جماعت

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مصنف فضائل اعمال فرماتے ہیں کہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اپنی قبر شریف میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اطہر کو زمین نہیں کھاسکتی۔ اس پر اجماع ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء علیہم السلام کی حیات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث: ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (فضائل درود شریف ص ۲۰)

مولانا حق نواز جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ

عالم حق گو حضرت علامہ حق نواز جھنگوی شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پوری امت کا عقیدہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔
حضرت شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ	کا عقیدہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔

حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔

حضرت حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔

چودہ سو سال کی امت کا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں اسی عقیدہ پر قائم رہو اور اسی عقیدہ پر موت آئے۔ اللہ مجھے اور آپ کو اسی عقیدہ پر قائم اور دائم رہنے کی توفیق بخشے۔ (یادگار خطبات ص ۲۳۶)

مولانا ضیاء الرحمن فاروقی شہید رحمۃ اللہ علیہ

مورخ اسلام حضرت مولانا ضیاء الرحمن فاروقی شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حضرت مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری اس طبقے کے سربراہ ہیں جو کہتے ہیں کہ نبی قبر میں زندہ نہیں ہیں۔ عنایت اللہ شاہ بخاری سے پہلے اسلام کی تاریخ میں کسی انسان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ نبی قبر میں مردہ ہیں۔ یہ ایک مسلم چیز ہے کہ نبی قبر میں حیات میں۔ (خطبات سیرت ص ۸۱)

قائد مجلس احرار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین و اعتماد تحصیل لیاقت پور کے قصبہ اسلام پور میں شیعہ سنی کے درمیان مناظرہ ہونے والا تھا کہ اسی تاریخ کو امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی اس علاقہ میں تقریر کا اعلان ہوا، جس میں شیعہ اور سنی بھی شریک ہو گئے۔ حضرت نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا میں جنگ لڑنے نہیں آیا اور نہ ہی مناظرہ اور مباحثہ کا قائل ہوں، میں برہان اور دلائل کے زور سے کسی کو کوئی بات منوانے کے لئے تیار ہوں۔ شیعہ حضرات سے صرف اتنا کہوں گا کہ دو چار آدمی اپنی طرف سے ایسے تیار کریں جو صالح فطرت ہوں میں ان کے ساتھ مدینہ منورہ جانے کو تیار ہوں۔ وہاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مقدس پر عرض کیا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ ثلاثہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ یہ میرے ہیں تو پھر تمہیں بھی ایمان لانا پڑے گا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں مرحمت فرمایا تو پھر میں تمہارا ہی مسلک اختیار کر لوں گا۔ (ماہنامہ نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر حصہ دوم ص ۲۰۲، رحمت کائنات ص ۳۲)

قائد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

امیر مرکز یہ رہبر شریعت پیر طریقت حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اپنے اسی جسم اطہر عصری کے ساتھ جمع مع الروح اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ جو مسلمان روضہ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے والے کا صلوٰۃ و سلام فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور ان فرشتوں کا کام ہی یہی ہے جو اس کام کے لئے مقرر ہیں۔ یہ امت مسلمہ کا اجتماعی عقیدہ ہے۔

(حیات پاک، تسکین الصدور ص ۳۰)

قائد تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان

دکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ چکوال فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک

رسول پاک ﷺ حیات فی القبر ہیں۔ اپنے روضہ مقدس میں حضور ﷺ زندہ ہیں یا مردہ (نعوذ باللہ) زندہ ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ چلا ہوا ہے اور بعض سر پھرے جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں ہیں اور لاش پڑی ہوئی ہے، مردہ ہیں (نعوذ باللہ) اللہ ان کو سمجھ اور ہدایت دے۔ بد بختی ہے، بے ادبی ہے۔ (یادگار خطبات ص ۹۸)

قائد تنظیم اہلسنت والجماعت پاکستان

رئیس المناظرین استاذ العلماء حضرت علامہ عبدالستار تونسوی صاحب فرماتے ہیں کہ جناب امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے سماع صلوٰۃ و سلام عند القبر پر اجماع ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، عرب و عجم کے علماء اہل سنت اس مسئلہ پر متفق ہیں۔ جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا ہے وہ سلف و خلف اہلسنت کے خلاف ہے، سنی نہیں ہے۔ (قبر کی زندگی ص ۴۸۶)

رہنما تنظیم اہل سنت والجماعت پاکستان

مفکر اسلام حضرت مولانا خالد محمود پٹی ایچ ڈی لندن عقیدہ حیات الانبیاء ﷺ پر تصنیف کردہ کتاب میں فرماتے ہیں کہ: ”جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح تمام دیگر انبیاء ﷺ اپنے اجساد و غصیرہ مبارک کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں۔ علماء دیوبند جو خالص اہلسنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہلسنت کے سب سے بڑے ترجمان ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر اس بات پر کل بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے۔“ (مقام حیات ص ۷۳۰)

قائد اتحاد اہل سنت والجماعت پاکستان

دکیل احناف مناظر اسلام مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ قول البدیع میں فرماتے ہیں کہ: ”امت کا اجماع اس بات پر ہے کہ انبیاء ﷺ اپنی قبروں میں حیات ہیں۔ قرآن ہمارے پاس، اللہ کے نبی کی احادیث ہمارے پاس ہیں۔“ ”الانبياء احياء فی قبورہم یصلون“ یہ وہ حدیث ہے کہ محدثین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔“ (یادگار خطبات ص ۷۸)

قائد اتحاد اہل سنت والجماعت پاکستان

مناظر اسلام، شیخ الحدیث حضرت علامہ منیر احمد منور مدظلہ فرماتے ہیں کہ اہلسنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حیات فی القبر برحق ہے، قبر کے اندر زندگی برحق ہے۔ تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے اور یہ کیسی زندگی ہے؟ زندگی کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روح کا جسم کے ساتھ یا اجزائے جسم کے ساتھ تعلق قائم کر دیتے ہیں۔ تمام علماء متفق ہیں سماع انبیاء پر کسی کا اختلاف نہیں۔ (یادگار خطبات ص ۲۷۵، ۲۷۸)

قائد انجمن دعوت اہل السنۃ والجماعت پاکستان

قاطع شرک و بدعت حضرت مولانا قاری رب نواز حنفی صاحب فرماتے ہیں کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ہمیشہ اتفاقی رہا ہے۔ ائمہ اربعہ کے قبیعین کا اس پر اتفاق رہا ہے۔ لیکن ۱۹۵۷ء میں بعض اعترال پسندوں نے اس عقیدہ کو چھڑنا شروع کیا۔ لہذا منکرین حیات النبی ﷺ فی القبر اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔

رہنما شریعت کو نسل پاکستان

عظیم اسکالر حضرت علامہ زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں کہ اس بات پر چودہ سو برس سے امت مسلمہ کا اجماع چلا آ رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ وفات کے بعد قبروں میں محفوظ ہیں اور عالم برزخ میں ان کی ارواح مقدسہ کا اجساد مبارکہ کے ساتھ تعلق بدستور قائم ہے جس کی وجہ سے قبر پر حاضری دینے والوں کا سلام خود سماعت فرماتے ہیں۔ (یادگار خطبات ص ۹)

مفتی اعظم ہند

مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس خیال اور اعتقاد سے نداء کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے۔ اول یہ کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ کی روح مبارک مجلس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقہ سے؟ اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ کی قبر مبارک میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے تو یہ صورت علاوہ اس کے کہ۔ ثبوت باعث تو ہیں ہے نہ کہ موجب تعظیم۔ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۶۰)

رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ و ان پھر ان کا عقیدہ حیات النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جس شخص نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنتا ہوں جس شخص نے دور سے پڑھا تو مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ (تحریرات حدیث ص ۲۱۱)

سربراہ الرشید ٹرسٹ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب

سرپرست جامعۃ الرشید فرماتے ہیں: ”آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں ویسے تو اس میں اہلسنت والجماعت میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہ تو اجماعی عقیدہ ہے۔“ (اخبار بچوں کا اسلام ص ۱۰، مورخہ ۲۱ جنوری ۲۰۰۷ء بروز اتوار)

بانی دارالعلوم دیوبند کا عقیدہ

حجت الاسلام علامہ محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام بالیقین قبر میں زندہ ہیں۔“ (ہدایۃ العبد ص ۲۶۸)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع بانی دارالعلوم کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسالہ ”رحمت کائنات“ مصنفہ مولانا زاہد حسینی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہل سنت کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ (رحمت کائنات ص ۳۰)

صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں، جو اتباع سلف و جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے۔
(مقام حیات ص ۶۹۳)

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کے متعلق علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں جسد عنبری کے ساتھ زندہ ہیں۔ یہ عقیدہ نہ صرف علماء دیوبند کا ہے بلکہ تمام امت کا ہے۔
(کشف الباری، کتاب المغازی ص ۱۲۵)

آخری فیصلہ

فخر الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص حضور اکرم ﷺ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے۔ اس کا دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔
(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۲۲۹)

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبر کے بارے میں میرا وہی عقیدہ ہے جو اکابر علماء دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسد عنبری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔ یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں کبھی بھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ میرے خیال میں ہر صاحب بصیرت اس عقیدہ حیات النبی ﷺ کا منکر نہیں ہو سکتا جن کی باطل کی آنکھیں کھلی ہیں ان کے نزدیک تو حضور نبی اکرم ﷺ کی روضہ اطہر کی حیات بدیہات میں سے ہے۔
(مقام حیات ص ۲۷۰)

ذریعہ ممانعت و عثمانیت کو چیلنج

۱..... صرف ایک آیت قرآنیہ پر نشان دہی کریں جس میں بصراحت آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر میں مردہ ہونے (معاذ اللہ) اور صلوٰۃ و سلام نہ سننے کا بیان ہو یا اہل سنت والجماعت (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے کسی مفسر کا صریح حوالہ پیش کریں جس نے کسی آیت قرآنیہ سے اس نظریہ باطل کا استنباط کیا ہو بیان کریں۔

۲..... صرف ایک حدیث صریح کا حوالہ پیش کریں یا کسی ایک سنی محدث نے کسی ایک حدیث سے صراحتاً اس نظریہ باطلہ کا استنباط کیا ہو بیان کریں۔

۳..... دور نبی سے لے کر ۱۳۷۴ھ تک کے ادوار میں کسی صحابی، تابعی، تبع تابعی، امام مجتہد، مفسر، محدث، متکلم، فقیہ و صاحب تصوف کا صرف ایک قول صریح پیش کر دیں۔ جس میں اس نے آپ لوگوں کی طرح نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) روضہ اطہر میں مردہ اور بے جان کہا ہو اور حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ و سلام نہ سننے والے ثابت کیا ہو۔

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں
علامہ پروفیسر محمد علی صاحب، علی پور حبیب المدارس پنجاب
(تسکین الاتیفاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۹۳)

کیا عقیدہ حیات النبی ﷺ پنجاب کا مسئلہ ہے؟ (از علامہ نور محمد تونسوی صاحب)

عزیز طلباء کرام علماً نافعاً و عملاً صالحاً! بعض حضرات عقیدہ حیات النبی ﷺ کے وزن کو گرانے اور اس کی حیثیت کو گھٹانے کے لئے بڑی سادگی سے یہ فرمادیتے ہیں کہ: ”یہ مسئلہ پنجاب کا ہے اس مختصر جملہ کے دو مفہوم بن سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس مسئلے کا انکار پنجاب سے ہوا جیسا کہ انکار ختم نبوت کا مسئلہ قادیان سے اٹھا اور انکار حدیث کا فتنہ چکڑالہ سے اٹھا اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ شریعت اور دین اسلام کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ پنجاب کا مسئلہ ہے اور منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام یہی جملہ بول کر دوسرا مفہوم مراد لیتے ہیں اور یوں اس عقیدہ کی حیثیت کو گرانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ حیات الانبیاء کا عقیدہ کتاب و سنت سے ثابت شدہ حقیقت ہے جس پر اجماع امت مستزاد ہے اور اسی کو قیاس صحیح کی تائید حاصل ہے۔ گویا کہ یہ عقیدہ اڈلہ اربعہ سے ثابت ہے۔ کیونکہ عقیدہ حیات الانبیاء کی بنیاد حیات قبر ہے قبر کی زندگی جس کے ذریعہ مردہ انسان سے حساب و کتاب لیا جاتا ہے اور سوال جواب کیا جاتا ہے اور مردہ جزا و سزا محسوس کرتا ہے۔

قرآن پاک کی پچاس سے زائد آیات میں اور سو سے زائد احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ یہ سارے دلائل بندہ عاجز نے اپنی کتاب ”الحیات بعد الوفات“ یعنی قبر کی زندگی میں جمع کر دیئے ہیں۔ مطالعہ کا ذوق رکھنے والے اہل علم حضرات اس کی طرف مراجعت فرمائیں۔ جب قبر کی یہ حیات درجہ بدرجہ ہر مردہ کو حاصل ہے تو ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تمام انسانوں سے افضل ترین طبقہ ہیں تو ان کی حیات بعد الوفات بطریق اولیٰ ثابت ہوگی تو اس لحاظ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بشمول تمام انسان نصوص قطعہ سے ثابت ہے۔ باقی رہی وہ احادیث جن سے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات قبر ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ حیات الانبیاء پر دلالت کرنے والی حدیثیں بھی درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ جیسا کہ محدثین نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس لئے فرداً فرداً ان احادیث کے راویوں پر جرح کر کے ان کو ضعیف بنانے کی کوشش کرنا اصول حدیث سے نادانی پر مبنی ہے تو ان احادیث سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات قبر کے معاملہ میں ان کی خصوصی اور امتیازی شان ثابت کی جاتی ہے تو معلوم ہوا ہر مردہ کی حیات بشمول انبیاء اڈلہ اربعہ سے ثابت شدہ حقیقت ہے۔ پھر محدثین کرام نے باب اثبات عذاب قبر قائم کر کے حیات قبر کو ثابت کیا ہے۔ کیونکہ عذاب کے لئے حیات کا ہونا لازمی ہے۔ اگر قبر میں کسی قسم کی حیات نہیں ہے تو عذاب قبر کا کیا مطلب؟ تو پھر انہیں محدثین نے عذاب قبر کے تحت وہ حدیثیں بیان فرمائی ہیں جن میں اعادہ روح کی تصریح موجود ہے اور وہ حدیثیں بھی لائے ہیں جن میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ قبر کی اس کارروائی میں جسد بھی شامل ہوتا ہے۔

حدیثوں میں غور کرنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ جسد دنیا والا جسد ہوتا ہے جس کی صحیح صورت علماء اسلام نے یہ بتائی ہے کہ روح اور دنیا والے جسد کے مابین ایک خاص قسم کا تعلق رہتا ہے جس کی کنہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ اسی تعلق کی وجہ سے جسد عنصری روح کے ساتھ ساتھ رنج و راحت کو محسوس کرتا ہے۔ ہاں! یہ تعلق نسبتاً حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں اقویٰ ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرات مفسرین عظام علیہم السلام نے اپنی اپنی تفسیروں میں حیات قبر پر دلالت کرنے والی آیات کی تفسیریں اعادہ روح، تعلق روح کو کھول کھول کر بیان فرمایا ہے اور یہ بھی تصریح فرمائی ہے

کہ قبر کی اس کارروائی میں دنیا والا جسد بھی شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح متکلمین اسلام نے عقائد کی کتابوں میں ”عذاب القبر حق“، ”اعادة الروح الى العبد في القبر حق“ وغیرہ جملے تحریر فرما کر حیات قبر کی تصریح فرمائی ہے اور ہمارے فقہاء کرام نے بھی ”ومن يعذب في قبره فيؤذى فيه نوع من الحياة“ فرما کر عقیدہ حیات قبر کو تسلیم فرمایا ہے اور ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین نے اپنے اپنے مسلک کی فقہ میں عقیدہ عذاب قبر خاص کر عقیدہ حیات الانبیاء کو صاف صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آداب زیارت قبر النبی ﷺ جہاں بھی انہوں نے بیان کئے ہیں وہاں آپ کی قبر مبارک جنت کا باغ ہے۔ آپ زائرین کا صلہ و سلام سنتے ہیں اور جواب عنایت فرماتے ہیں۔ زائرین کو چاہئے سلام دینے والوں کے سلام کو آپ تک پہنچائیں اور یہ بھی لکھا ہے: ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك“ والی آیت کا حکم اب بھی باقی ہے۔ زائرین قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر استغناء بھی کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ بہت سے محدثین کرام نے عقیدہ حیات الانبیاء پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً امام بیہقی کی کتاب ”جزء حیات الانبیاء“ علامہ سیوطیؒ کی کتاب ”انباء الاذکیاء بحیات الانبیاء“ امام تقی الدین سبکی کی کتاب ”حیات الانبیاء“

اب سوال یہ ہے کہ اڈلہ اربعہ سے ثابت شدہ عقیدہ کے بارے میں یہ تاثر دینا کہ یہ مسئلہ پنجاب کا ہے یعنی قرآن و حدیث کا مسئلہ نہیں ہے۔ کیا یہ بددیانتی اور علمی خیانت نہ ہوگی؟

آج سے تقریباً تقریباً پچاس سال پہلے جب عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار کیا گیا اور سب سے پہلے منکر کو علماء اسلام نے راہ راست پر لانے کی سر توڑ کوشش کی اور کئی سالوں تک یہ کوشش جاری رہی۔ بالآخر علماء اہل حق نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے درجنوں کتابیں تالیف کیں اور سینکڑوں مفتیان کرام نے فتاویٰ لکھے کہ منکرین حیات النبی اہل السنۃ والجماعت سے خارج ہیں اور گمراہ ہیں۔ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے جن میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسنؒ سرفہرست ہیں۔ کیا یہ مفتیان کرام سارے کے سارے پنجاب کے تھے؟ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ راولپنڈی میں تشریف لائے اور فریقین کے علماء کو جمع فرما کر ایک فیصلہ تحریر فرمایا جس پر فریقین کے علماء نے دستخط کئے۔ دستخط کرنے والوں میں سے شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ بھی تھے۔ تو کیا قاری محمد طیب صاحبؒ پنجابی تھے؟ اور اس سے پہلے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اسی موضوع پر ایک کتاب بنام ”آب حیات“ کا تصنیف فرمائی۔ کیا حضرت نانوتویؒ پنجابی تھے؟ اور اس کے بعد بریلویوں کے امام احمد رضا خان بریلوی نے ہمارے اکابر پر قسم قسم کے جھوٹے الزام تراش کر ہمارے اکابر کے خلاف علماء حرمین شریفین سے فتاویٰ حاصل کرنے کی ناپاک جسارت کی تو من جملہ ایک الزام یہ بھی تھا کہ اکابر علماء دیوبند حیات النبی کے منکر ہیں تو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی سعی مشکور سے علماء حرمین نے علماء دیوبند کی طرف ایک سوال نامہ لکھ کر ان کے عقائد معلوم کرنا چاہے تو اس دور کے علماء کے مشورہ سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا نام گرامی جوابات لکھنے کے لئے تجویز کیا گیا تو محدث موصوف نے علمائے حرمین کے تمام سوالات کے جوابات تحریر فرمائے جس کا نام ”المہند علی المفند“ یعنی عقائد علماء دیوبند رکھا گیا۔ کتاب میں عقیدہ حیات النبی ﷺ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی حیات قبر میں جسد دنیوی کے ساتھ ہے اور ایسی برزخی حیات نہیں ہے جو عام موتی کو حاصل ہے بلکہ آپ

کی یہ حیات برزخہ عام موتی کی حیات سے افضل برتر اور اعلیٰ ہے۔ جب یہ کتاب مکمل ہوئی تو اس کتاب کی تصدیق اس دور کے چوبیس (۲۴) چوٹی کے علماء دیوبند نے کی جن میں حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی بھی شامل ہیں تو کیا یہ سب حضرات پنجاب کے رہنے والے تھے؟

اور پھر جب کتاب حجاز مقدس پہنچی تو علماء عرب نے اس کی تصدیق کی تو کیا یہ عرب علماء پنجابی تھے؟ مفکر اسلام حضرت مولانا محمود مسیح نے تسکین الصدور کی بھی تصدیق کی ہے اور حضرت اقدس قطب الاقطاب شیخ التفسیر سلطان الاولیاء حضرت مولانا محمد عبداللہ بھلوی مسیح کی کتاب ”القول النقی فی حیات النبی“ کی تصدیق کی ہے اور اپنی تصدیق میں مفتی صاحب نے ممتحیوں کے عقیدہ کو فاسد قرار دیا ہے۔ اسی طرح مفتی صاحب نے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب شجاع آبادی کی کتاب ”دعوت الانصاف فی حیات جامع الصفات“ کی بھی تصدیق کی ہے اور اپنی تصدیق میں حضرت مفتی صاحب نے ممتحیوں کو زانکین قرار دیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مفتی محمود مسیح پنجابی تھے؟ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے جمعیت علماء اسلام پاکستان کے سیکڑوں علماء کے متفقہ فیصلے کے مطابق ایک کتاب ”تسکین الصدور فی التحقيق احوال الموتی فی البرزخ والقبور“ تصنیف فرمائی جس میں مصنف موصوف نے عقیدہ حیات قبر اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصی حیات قبر کو اذلہ اربعہ سے مرہن فرمایا ہے۔ حضرت شیخ کی اس کتاب پر اس دور کے بڑے بڑے علماء نے تقریحات لکھی تھیں جن میں حضرت مولانا فخر الدین احمد سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ ٹٹک، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی، حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب (صوبہ سرحد)، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مذکورہ بالا علماء اہل حق پنجاب کے نہیں تھے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مسیح عذاب قبر کی صحیح صورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”مگر صحیح یہ ہے کہ عذاب روح اور جسد دونوں پر ہوتا ہے۔ کیونکہ مردہ کا قبر میں جا کر زندہ ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ صوفیاء نے یہ قول کیا ہے کہ اعادہ روح جسم مادی میں نہیں بلکہ جسم مثالی میں ہوتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ جسم مادی ہی میں روح کا اعادہ ہوتا ہے۔ مگر اسے ہم معلوم نہیں کر سکتے جیسا کہ خواب میں کسی کو تکلیف ہو رہی ہو۔ پس مٹی میں ہو جانے کے بعد بھی ان اجزاء میں ایسے طریق سے اعادہ روح کہ ہم اسے معلوم نہ کر سکیں قدرت باری تعالیٰ سے خارج نہیں۔“ (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۹۴)

حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مسیح عقیدہ حیات النبی ﷺ کا اثبات کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”احتج القائلون بانها مندوبة بقوله تعالى ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول الاية ووجه الاستدلال بها انه ﷺ حی فی قبره بعد موته كما فی حدیث الانبیاء احياء فی قبورهم وقد صححه البيهقي فثبت ان حكم الآیة باق بعد وفاته فينبغي لمن ظلم نفسه ان يزور قبره ويستغفر الله عنده فيستغفر له الرسول“ (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۵۱)

دیکھئے حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ عذاب قبر کے سلسلہ میں جسم مادی یعنی دنیوی جسد کو روح کے ساتھ شامل فرما رہے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی حیات قبر کو واضح صاف الفاظ میں تسلیم کر کے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ زائرین کو چاہئے آپ سے استغفار کریں۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیت: ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمُ الْآيَةَ“ والا حکم آپ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ اگر عقیدہ حیات قبر صرف پنجاب کا مسئلہ ہوتا تو مفتی اعظم پاکستان اس مسئلہ کو کھول کھول کر بیان نہ فرماتے۔

کراچی کے بہت بڑے مفتی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کو بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ”وَبِالْجُمْلَةِ فَإِنَّ هَذِهِ الْآحَادِيثَ مَعَ حَدِيثِ الْبَابِ تَدُلُّ عَلَى كَوْنِ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءَ بَعْدَ وَفَاتِهِمْ وَهُوَ مِنْ عَقَائِدِ جُمْهُورِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ“ (عقائد اہل السنتہ ج ۵ ص ۳۰)

ترجمہ: قصہ مختصر مذکورہ بالا حدیثیں مع حدیث الباب کے دلالت کرتی ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد زندہ ہوتے ہیں اور یہ بات اہل السنۃ والجماعت کے عقائد میں سے ہے۔

حضرت مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں: ”وَالَّذِي يَتَحَصَّلُ بِالنَّظَرِ فِي النُّصُوصِ أَنَّ الْمَوْتَ وَأَنَّ كَانَ عِبَارَةً عَنْ مَفَارَقَتِهِ الرُّوحَ لِلْجَسَدِ وَلَكِنْ يَبْقَى لِلرُّوحِ بَعْدَ الْمَوْتِ عِلَاقَةٌ مَابِالْجَسَدِ الَّذِي فَارَقَتْهُ وَبِهَذِهِ الْعِلَاقَةُ يَتَأَلَّمُ الْجَسَدُ بَعْدَ الْعَذَابِ الْقَبْرِ وَيَتَنَعَّمُ بِنَعِيمِ الْبَرْزَخِ عَلَى مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ جُمْهُورُ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنْ أَنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ يَقَعُ عَلَى الْجَسَدِ مَعَ الرُّوحِ وَهُوَ الْمُرَادُ مِنْ إِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ عِنْدَ السُّؤَالِ فِي الْقَبْرِ وَعِنْدَ التَّعْذِيبِ كَمَا وَرَدَ فِي النُّصُوصِ الصَّرِيحَةِ إِلَى حَقِّقِ ابْنِ الْقَيْمِ فِي كِتَابِ الرُّوحِ“

ترجمہ: اور جو چیز نصوص میں نظر کرنے سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ موت اگرچہ روح کے جسد سے جدا ہونے کا نام ہے لیکن موت کے بعد روح کا اس جسد سے جس کو دنیا میں چھوڑ کر آیا ہے۔ کچھ نہ کچھ تعلق رہتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے دنیا والا جسد عذاب قبر کو محسوس کرتا ہے اور برزخ کی نعمتوں سے راحت پاتا ہے اور یہی مذہب جمہور اہل السنۃ کا ہے کہ قبر کا عذاب روح اور جسد دونوں پر واقع ہوتا ہے اور حدیث میں جو اعادہ روح الی الجسد آیا ہے کہ قبر کے سوال کے وقت اور عذاب کے وقت اعادہ روح ہوتا ہے اس کی مراد بھی یہی ہے جیسا کہ نصوص صریحہ میں وارد ہوا ہے۔ جن کی صحت کی تحقیق علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کتاب الروح میں کی ہے۔ (عقائد اہل السنتہ ج ۵ ص ۳۱)

حضرت مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں: ”وَكَذَلِكَ أَنْكَارُ هَذِهِ الْعِلَاقَةِ بَيْنِ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ الَّتِي ثَبَتَ بِالنُّصُوصِ الْمُتَقَاصِرَةِ إِلَى لَا مَجَالَ لِأَنْكَارِهَا زَيْغٌ وَمُكَابَرَةٌ وَلَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الْأَنْصَافِ أَنْ يَنْكَرَهَا صَرِيحًا“ (عقائد اہل السنتہ ج ۵ ص ۳۲)

ترجمہ: اور اسی طرح روح اور جسد کے مابین جو تعلق نصوص کثیرہ سے ثابت ہے جس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو ایسے تعلق کا انکار کرنا گمراہی اور حق کا مقابلہ کرنا ہے اور کسی اہل علم اور اہل انصاف کو یہ جائز نہیں ہے کہ صریحاً اس تعلق کا انکار کرے۔

پوری دنیا جانتی ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ پنجاب کے نہیں ہیں بلکہ کراچی کے باشندے پاکستان کے مفتی اعظم ہیں۔ بندہ عاجز نے مضمون کے پیش نظر چند بزرگان دین کے اسماء گرامی دیئے ہیں کہ یہ اکابر غیر پنجابی ہونے کے باوجود عذاب قبر کی صحیح صورت اور حیات الانبیاء علیہم السلام کی اصلی صورت کو تسلیم کرتے ہیں ورنہ بندہ عاجز ہر دور اور ہر صدی کے علماء حق کی عبارات پیش کر سکتا ہے کہ ہر دور کے علماء اسی عقیدہ پر تسلسل کے ساتھ قائم و دائم چلے آ رہے ہیں۔ اگر تفصیل درکار ہے تو تسکین الصدور، مقام حیات، قبر کی زندگی، رحمت کائنات، حیات الانبیاء وغیرہ کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ اتسلی و کشفی ہو جائے گی۔

ضروری انتباہ

بعض سادہ لوح طلباء یوں فرماتے ہیں کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ میں مت پڑو۔ کیونکہ ہمارے اکابر علماء نے اس میں پڑنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان حضرات کی غلط فہمی ہے اور غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ یہاں دو مسئلے ہیں۔ ایک مسئلہ ہے روح اور جسد غصری کے تعلق کا اور دوسرا مسئلہ ہے اس تعلق کی کیفیت کا جہاں تک تعلق ہے نفس تعلق کا اس کو بیان کرنے سے کسی بزرگ نے نہیں روکا۔ بلکہ تمام بزرگان دین نے روح اور جسد کے تعلق کو بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور جہاں تعلق ہے دوسری بات کا یعنی تعلق کی کیفیات کا کہ وہ تعلق کے ساتھ ہے تو کیفیات میں پڑنے سے ہمارے اکابر نے منع فرمایا ہے۔ جو شخص کیفیات کی بجائے نفس تعلق میں پڑنے کو ممنوع قرار دیتا ہے یہ اس کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ فافہم وتدبروا ملاء! ابو احمد نور محمد تونسوی قادری

خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ

۹ شعبان ۱۴۲۷ھ

اصحاب مدارس غور فرمائیں

فیض التفسیر حضرت مولانا عاشق الہی بلند شہری مدینہ منورہ

بگرامی خدمت حضرات اصحاب اہتمام و مدرسین کرام دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ!

جیسا کہ عموماً اہل علم جانتے ہیں اور دوست اور دشمن سب کو اس کا علم ہے حضرات اکابر علماء دیوبند کا مقصد مدارس عربیہ دینیہ قائم کرنے کا صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ طلبہ کو جمع کیا کریں اور صرف عربی کتابیں پڑھا دیا کریں بلکہ ان کا ایک مسلک ہے جو معروف اور مشہور ہے۔ جب احمد رضا خان بریلوی نے ان حضرات کو بدنام کرنے کی بات چلائی اور ان پر کفر کا فتویٰ تھوپنے کے لئے اپنی کتاب حسام الحرمین تصنیف کی اور علماء حرمین شریفین سے اس پر دستخط کرائے لئے تو حضرت گنگوہی مدظلہ کے اجل خلفاء میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب اور شارح ابوداؤد حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی بقید حیات تھے۔ جب ان حضرات کو احمد رضا خان کی دسیہ کاری کا علم ہوا تو اس کی تردید کی طرف متوجہ ہوئے اور حسام الحرمین سے جو شر پھیل رہا تھا، اس کے دفاع کے لئے حضرت مولانا غلیل احمد صاحب نے اپنی کتاب ”المہند علی المفند“ تالیف فرمائی۔ اس زمانہ کے اکابر دیوبند

موجود تھے۔ ان سب نے اس کی توثیق اور تصدیق کی اور اس کتاب میں مسئلہ حیات النبی ﷺ کو بھی عقائد علماء دیوبند میں لکھا ہے اور سلفاً عن خلف چاروں مذاہب کے علماء اس پر متفق رہے ہیں۔

ایک نیا فرقہ پچاس ساٹھ سال سے نمودار ہوا ہے جسے دور حاضر کے علماء نے لفظ ”مماتی“ کے ساتھ ملقب کیا ہے۔ پہلے تو یہ فتنہ اتنا زیادہ عام نہیں تھا، تھوڑے سے لوگ تھے۔ لیکن آج کل بہت زیادہ بڑھ گیا ہے اور مدارس میں پھیل رہا ہے۔ طلباء میں اچھی خاصی تعداد میں اس فتنے کے حامی ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے مسلک کی نام نہاد دلیلیں یاد ہوتی ہیں۔ دوسرے طلبہ کو ان کے خلاف دلائل یاد نہیں ہوتے اور یہ لوگ داعی ہوتے ہیں۔ طلبہ میں اپنی باتیں پھیلاتے رہتے ہیں اور انہیں اپناتے رہتے ہیں۔ مماتی طلبہ کو بے تکلف داخلہ دے دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ علماء دیوبند سے علم بھی سیکھتے ہیں اور انہیں کم از کم گمراہ تو سمجھتے ہی ہیں بلکہ بعض منچلے تو حیات انبیاء کا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر بھی کہتے ہیں۔ اب یہ فتنہ زور پکڑ رہا ہے اور ہمارے اصحاب مدارس اس کے دفاع سے غافل ہیں بلکہ بعض مدارس کے اکابرین مدرسین اس عقیدے کے حامی ہیں جو طلبہ میں اس کی ترویج کرتے ہیں۔ اہل مدارس یہ سب کچھ جانتے ہوئے ان مدرسین کو رکھے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی تنخواہیں دیتے ہیں اور اس مزاج کے طلبہ کو پالتے ہیں جو پوری طرح فتنہ گر ہوتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ مدارس میں سر پھٹول ہو اور جنگ وجدال کی نوبت آئے، دیوبند کے مدارس عقیدہ مہمات کا مرکز بن جائیں، اس کے دفاع کا راستہ سوچنے کی ضرورت ہے۔ اہل مدارس کو متغافل کیوں ہے، اس بارے میں کوئی واضح بات نہیں بتائی گئی۔ کچھ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس مزاج کے طلبہ کے عدم خیال یا اخراج کے بارے میں کوئی اقدام کیا گیا تو مدارس میں طلبہ کی تعداد کم ہو جائے گی یا ہڑ بونگ ہوگی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل مدارس مدارس کو مقصود نہ سمجھیں۔ خدمت دین حفاظت سنن، رد بدعات کے کام میں لگے رہیں اور یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں، مدارس مقصود نہیں۔ جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اکابر دیوبند کو لکھ دیا تھا (جب کہ وہاں جاہل لوگوں نے کمیٹی کا ممبر بننے کی کوشش کی تھی) کہ مدرسہ مقصود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے جن لوگوں کو مدارس ہی مقصود ہیں۔ احقاق حق اور حفاظت دین اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مقصود نہیں ایسے لوگ اپنی آخرت کے بارے میں غور کریں اور ”انما الاعمال بالنیات“ کو بار بار پڑھیں۔ ایسے اصحاب اہتمام کے مدارس میں جو طلبہ پڑھیں گے۔ ان طلبہ کے قلوب پر بھی طلب دنیا کے اثرات ہی اثر انداز ہوں گے، علم ہی تو مقصود نہیں ہے۔ اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”من تعلم علماً مما ینبغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عر ضاً من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة“

ہر طالب علم کے پیش نظر رہے۔ مماتی لوگوں کو مدارس میں داخل کرنے اور پالنے کا نتیجہ آگے جا کر یا تو بہت بڑے فتنہ و فساد اور جنگ وجدال کا باعث ہوگا یا یہ دیوبندی مدارس اور ان کے طلبہ مماتی بن کر غالب ہو جائیں گے اور دیوبندی مدارس مہماتوں ہی کی جولا لکھا بن جائیں گے۔ اس سے پہلے سوچنے کی ضرورت ہے۔

آخر مہماتوں سے دہنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا اپنے اکابر کا مسلک دلائل کے اعتبار سے کمزور ہے یا غلط ہے۔ اگر یہ بات اصحاب اہتمام کے قلوب میں گھر کر گئی ہے تو دیوبندی ہونے کا دعویٰ کرنے کی کیا ضرورت ہے،

کھل کر اعلان کر دیں ہم دیوبندی نہیں ہیں اور ہمارے مدارس اکابر دیوبند کے خلاف دوسرے مسلک کے حامی اور خادم ہیں اور وہی دوسرا مسلک حق ہے، تاکہ عامۃ الناس دھوکہ میں نہ رہیں اور سوچ سمجھ کر چندہ دیں۔ دھوکہ دے کر چندہ لینا مخلصین کے کسی مذہب میں بھی جائز نہیں ہے، یہ تو غدرو خیانت ہے۔

اگر یقین کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اکابر دیوبند کا مسلک حق ہے اور مماتی گمراہ ہیں تو پھر کھل کر ان کی تردید کی جائے اور دلائل سے ان کی گمراہی واضح کی جائے اور مدارس میں ایسے اساتذہ اور طلبہ کا مقاطعہ کیا جائے اور امت پر واضح کیا جائے کہ یہ لوگ دیوبندی نہیں ہیں، خوارج کی طرح گمراہ ہیں۔ ورنہ یہ کتمان حق اور سکوت عن الحق بڑے نقصان اور حرمان اور خسران کا باعث ہوگا۔ مماتی لوگ ایک طرف تو عقائد دیوبند کے خلاف حیات اور توسل اور سفر مدینہ زیارت قبر النبی ﷺ کو اور قبر شریف پر سلام پڑھنے کو گمراہی قرار دیتے ہیں اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کو غلط قرار دیتے ہیں اور اکابر دیوبند کے مسلک کو غلط بتاتے ہیں۔ دوسری طرف دیوبندی بن کر دیوبندی عوام سے چندہ لیتے ہیں وہ تو دھوکہ دیتے ہی ہیں۔ دیوبندی مدارس کے اکابر کو ان کی دھوکہ دہی کو پروان چڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔

میں نے یہاں ایک مماتی سے بات کی کہ تم لوگ دیوبندی عقیدہ کے خلاف بھی ہو اور دیوبندی بھی بننے ہو، صاف اعلان کیوں نہیں کرتے کہ ہم دیوبندی نہیں ہیں تو اس نے جواب دیا کہ ایک بات مخالف ہونے سے دیوبندیت سے کیسے نکل جائیں گے۔ دیوبندیت کوئی ذرا سی چیز تو نہیں ہے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں لاہور کے ایک عالم سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بھی یہ جواب نقل کیا جس سے اندازہ ہوا کہ مماتیوں نے جواب دیوبندیت سے مستفید رہنے کے لئے تراشا ہے۔ اگر حضرات علماء دیوبند کے نزدیک یہ جواب درست ہے اور اسی سے مطمئن ہو کر مماتیوں کو گلے لگانے کا جواز نکال رکھا ہے تو بریلویوں سے بھی کیا ضد ہے، ان کی بھی تو ایک ہی بات زیادہ سخت ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کے لئے علم غیب کلی تجویز کرنا، اسی طرح غیر مقلدوں سے صرف تقلید اور عدم تقلید کا اختلاف ہے۔ باقی مسائل تو عموماً وہی ہیں جو شافعیہ و حنفیہ میں مختلف فیہ ہیں اور مودودی صاحب سے بھی ایسی ہی ایک دو بات میں اختلاف ہے۔ پھر ان جماعتوں سے بعد اور مقاطعہ کیوں ہے، ان کو بھی دیوبندیوں میں شامل کر لیں۔

آج کل بعض اہل فکر یوں کہہ رہے ہیں کہ جو نئے فتنے ظاہر ہو رہے ہیں وہ عموماً مدعیان دیوبند ہی میں ہیں۔ خوارج مزاج بھی دیوبندی، نواصب بھی دیوبندی، فکر ولی اللہی جماعت بھی دیوبندی، جو سوشلزم کی داعی ہے۔ اس مزاج کے طلباء مدارس میں موجود ہیں۔ دیکھئے آگے چل کر کیا بتا ہے۔

اگر اصحاب اہتمام اور اکابرین مدرسین مماتیوں کے اکابر کو جمع کر کے دلائل سے بات کر کے نمٹا دیں تو کیسا اچھا ہوا اگر ایسا نہیں کر سکتے تو اوّل یہ اعلان کر دیں کہ یہ لوگ دیوبندی نہیں ہیں۔ ہم ان سے بیزار ہیں۔ دوسرے اس مزاج کے طلباء کو اپنے مدارس میں داخل نہ کریں۔

جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ نے ”المہند علی المفند“ لکھی تھی اس وقت اس پر اکابر دیوبند نے تقارین لکھی تھیں اور علماء مصر و شام نے بھی تصدیق کی تھی۔ اکابر دیوبند میں سے حضرت شیخ المہند مفتی عزیز الرحمن (دارالعلوم دیوبند) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے

پوری، حضرت مولانا محمد احمد ابن مولانا محمد قاسم نانوتوی مہتمم درالعلوم دیوبند اور ان کے نائب مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی اور مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی اور حضرت گنگوہی کے صاحبزادے مولانا مسعود احمد صاحب کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

۱۳۷۸ھ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ کی خدمت میں مماتی عقیدہ کے بارے میں سوال پیش کیا گیا تھا۔ سوال وجواب معارف شیخ کی پہلی جلد (اسی مجموعہ میں بھی شامل ہے) میں مسطور ہے حضرت شیخ الحدیث نے علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے: ”نحن ونصدق بانہ رحمۃ اللہ علیہ حی یرزق فی قبرہ“ پھر لکھا ہے جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے ہیں۔ ”من صلی عند قبری سمعته“ نص صریح ہے۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ ”سندہ جید“

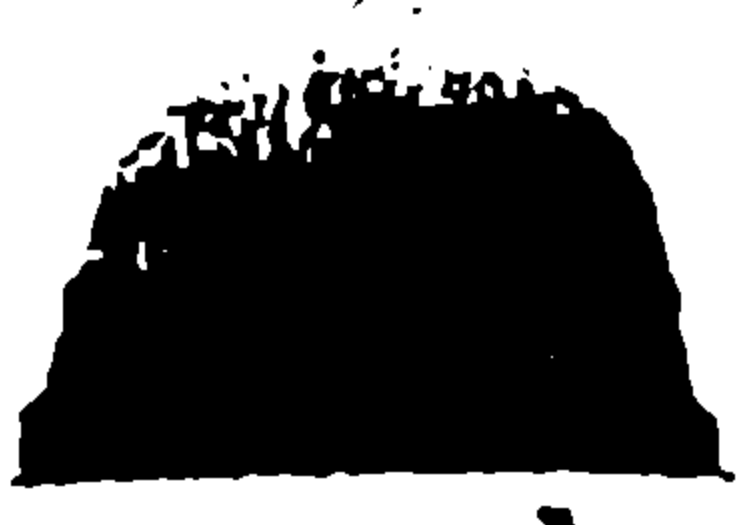
حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے یہ بھی لکھا ہے یہ ناکارہ ان اکابر کا بالکل قبیح ہے۔ ان کے اس صاف ارشادات اور تحریرات کے بعد جس پر حضرت سہا پوری، حضرت شیخ الہند حضرت رائے پوری، حضرت تھانوی قدس اللہ اسرارہم نے بلا کسی اجمال کے ”هذا معتقدنا و معتقد مشائخنا“ لکھا ہے کیا کوئی گنجائش ہے اس کے خلاف کچھ کہا جاسکے۔ بعض مماتی یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہم قرآن پیش کرتے ہیں۔ دیوبندی وہ قاسم (حضرت نانوتوی) کا قول پیش کرتے ہیں۔ گویا قرآن کو دور حاضر میں صرف مماتیوں نے ہی سمجھا ہے۔ حضرات صحابہ اور تابعین اور بعد میں آنے والے حضرات سلفاً، زخلفاً، شاعرہ، ماتریدیہ، آئمہ اربعہ کے مقلدین شرح حدیث فقہاء کرام، مشائخ عظام، عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے حامل گمراہ اور جاہل ہو گئے۔ انہوں نے نہ قرآن کو سمجھا اور نہ احادیث شریفہ کی تصریحات سے واقف ہو گئے۔ یہ نئے زمانے کے لوگ قرآن سمجھ گئے۔ درحقیقت سلف صالحین سے جو کئے گا وہی مبتدع ضال ہوگا اور ”یتبع غیر سبیل المؤمنین“ کا مصداق ہوگا۔ موطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر سے واپس آتے تھے تو قبر شریف کے پاس حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صاحبین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں سلام پیش کیا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ بعض مماتی مزاج مدعیان دیوبندیت یوں کہیں کہ عقائد میں تقلید نہیں کی جاتی۔ اس لئے ہم اکابر دیوبند کے مقلد نہیں، مماتیوں کے دلائل قوی ہیں۔ اس لئے ہم نے دیوبندی ہوتے ہوئے ان کے مسلک کو قبول کر لیا۔ احقر کا کہنا یہی تو ہے کہ واضح اعلان کر دیں کہ اکابر دیوبند کا مسلک غلط ہے تاکہ امت پر واضح ہو جائے کہ آپ کا مسلک وہ نہیں جو اکابر دیوبند کا مسلک ہے۔ ”لیہلک من ہلک عن بینۃ و یحی من حی عن بینۃ“ دیوبندی مدارس کے اکابر توجہ فرمائیں اور اس فتنہ سے اپنے طلباء کو محفوظ رکھنے کی پوری مساعی اور جہود کام میں لائیں۔ واللہ الموفق و هو المستعان و علیہ التکلیل!

العبد الفقیر: محمد عاشق الہی برنی بلند شہری عفی اللہ عنہ

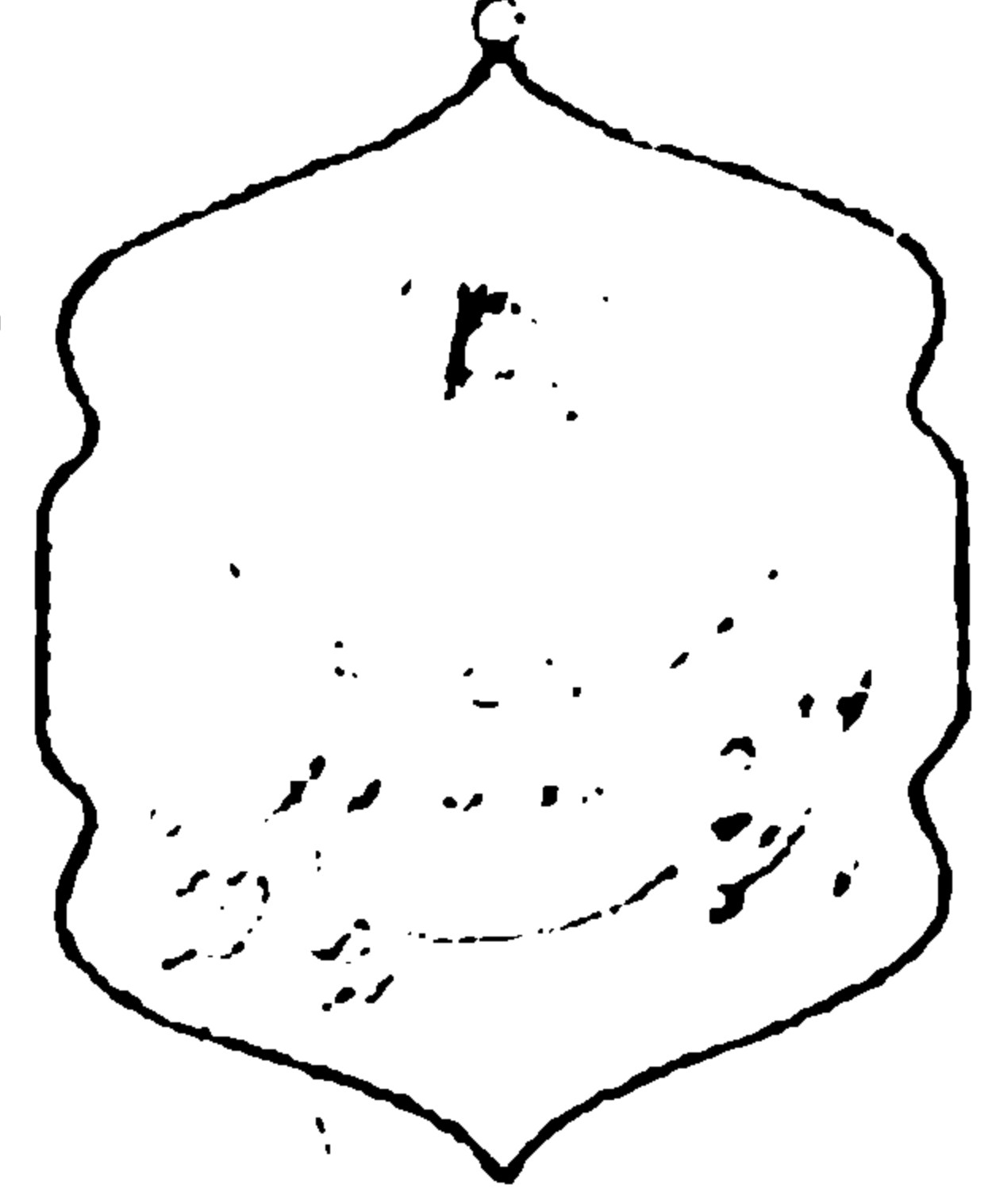
بشکر یہ ماہنامہ حق چار یار مورخہ ۹/رجب ۱۴۲۰ھ

(نوٹ: اس سے آگے حیات النبی پر لکھی جانے والی کتب اور مصنفین کے نام ہیں جو اقوال المعبر میں

گزر چکے ہیں۔ مرتب)



نعت رسول مقبول ﷺ



نعت پندیس اربعین شادمانت

الہی! محبوبِ کل جہاں کو، دل و جگر کا سلام پہنچے
 نفسِ نفس کا درود پہنچے، نظرِ نظر کا سلام پہنچے
 بساطِ عالم کی وسعتوں سے، جہاں بالا کی رفعتوں سے
 ملکِ ملک کا درود اترے، بشرِ بشر کا سلام پہنچے
 حضور کی شام شام مجھے، حضور کی رات رات جاگے
 ملائم کے حسں جلو مسیں، حجرِ حجر کا سلام پہنچے
 زبانِ فطرت ہے اس پہ مابلق، مبارک گاہِ نبی صادق
 فجرِ فجر کا درود بجائے، حجرِ حجر کا سلام پہنچے
 رسولِ رحمت کا بارِ احسان، تمام خلقت کے دوش پر ہے
 تو ایسے محسن کو بستی بستی، نگرِ نگر کا سلام پہنچے
 مرا قلم بھی ہے اُن کا صدقہ، مرے ہنر پر ہے اُن کا سایہ
 حضورِ خواب، مرے قلم کا، مرے ہنر کا سلام پہنچے
 یہ اتعجاب کہ روزِ محشر، شہنشاہِ کاروں پہ بھی نظر ہو
 شفیقِ امت کو ہم مندریوں کی چشمِ تر کا سلام پہنچے
 نفیس کی بس دعا یہی ہے، فقیر کی اب صد ایہی ہے
 سوادِ ظہیرِ مسیں رہنے والوں کو غمِ بھر کا سلام پہنچے
 رسولِ اللہ ﷺ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمُوتَ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (الحديث)

روح کی آرمیں

مسلمہ حقائق کا انکار

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

افادات:

حضرت علامہ مولانا ابوالاحمد نور محمد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب:

مولانا ابومعاویہ نور اللہ رشیدی

والله اعلم

الخود. وودج ٢٩٨

دعای غفران

از اقبال

وکیل علماء دیوبند
علامہ ابو احمد نور محمد بن سید محمد

سری

مَوْلَانَا ابُو مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ شَدِيدُ

الشيخ محمد بن عبد الله بن أحمد

تاسار

جامعہ اسلامیہ اسلامیہ اسلامیہ
ترجمہ محمد بن علی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلی فہرست

۲۵۳	(حرفے چند) مولانا نور اللہ رشیدی صاحب
۲۵۳	روح کی آڑ میں مسلمہ حقائق کا انکار
۲۵۳	(۱) حیاتِ مکتبہ کے انکار میں روح کی آڑ
۲۵۳	(۲) عقیدہ حیاتِ النبی ﷺ کے انکار میں روح کی آڑ
۲۵۵	(۳) باری تعالیٰ کی صفت خاص حاضر و ناظر کے عقیدہ میں غیر اللہ کو شریک بنانے میں روح کی آڑ
۲۵۵	(۴) معراج النبی ﷺ کا انکار ارواح کی آڑ میں
۲۵۶	(۵) قیامت کا انکار روح کی آڑ میں
۲۵۶	(۶) عذابِ قبر کے انکار میں روح کی آڑ
۲۵۷	ضمیمہ: مولانا نور اللہ رشیدی
۲۵۷	عود روح فی الجسد عند السؤال فی القبر
۲۵۹	عذاب و ثواب کے متعلق اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ
۲۵۹	اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا اجماعی عقیدہ
۲۶۰	ایک مفید مشورہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(حرفے چند)

مولانا نور اللہ رشیدی صاحب

مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ کی کتب سے چند چیزیں جوڑ کر ”روح کی آڑ میں مسلمہ حقائق کا انکار“ کے نام سے مولانا نور اللہ رشیدی کراچی نے رسالہ بنادیا۔ مجموعہ میں شامل کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

روح کی آڑ میں مسلمہ حقائق کا انکار

برادران اسلام! یہ بات زمانہ کے عجائبات میں سے شمار ہوگی کہ کئی مختلف نظریات کے حاملین لوگ حقائق شرمیہ کا انکار کر کے روح کی آڑ لینے پر متفق ہو گئے ہیں۔

(۱) حیات مسیح علیہ السلام کے انکار میں روح کی آڑ

کتاب و سنت اور اجماع امت سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح مع الجسد العصری کے زندہ آسمان پر اٹھالیا تھا۔ اب تک وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کو زمین پر نازل فرمائیں گے وہ تشریف لا کر دجال کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے۔ حضور اکرم ﷺ کی شریعت کو نافذ فرمائیں گے۔ دنیا سے تمام کفر مٹ جائے گا۔ صرف دین اسلام باقی ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج و عمرہ کریں گے۔ حضرت اکرم ﷺ کی مزار اقدس پر تشریف لائیں گے اور سلام پیش کریں گے۔ آپ ﷺ ان کو سلام کا جواب دیں گے۔ پھر چند سال بعد اللہ تعالیٰ ان کو موت دیں گے۔ اس دور کے مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے اور ان کو حضور اکرم ﷺ کے روضہ انور میں آپ ﷺ کے ہمراہ دفن کیا جائے گا۔ تفصیل مع الدلائل کے لئے حیات عیسیٰ علیہ السلام، حیات مسیح علیہ السلام، علامات قیامت، شہادۃ القرآن اور علوم القرآن وغیرہ کتب کا مطالعہ فرمائیں۔

لیکن بعض فرقوں نے اس مسلمہ حقیقت کا انکار کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا نظریہ ایجاد کیا اور جب ان کے سامنے قرآن و حدیث کے دلائل کا انبار لایا گیا جن سے مذکورہ بالا سب باتیں ثابت ہیں تو روح کا بہانہ بنا کر ان سب دلائل و حقائق کا انکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسد عنصری کو نہیں بلکہ ان کے روح کو اٹھایا اور اس کی روح کو نازل فرمائیں گے تو ان لوگوں نے روح کی آڑ میں ایک ثابت شدہ حقیقت کا انکار کر دیا۔

(۲) عقیدہ حیات النبی ﷺ کے انکار میں روح کی آڑ

کتاب و سنت اور اجماع امت سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ عالم قبر و برزخ میں ہر مرنے والے کو درجہ بدرجہ ایک قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے اور اس خاص قسم کی حیات کی وجہ سے مردہ کا قبر میں امتحان ہوتا ہے۔ نکیرین کا سوال ہوتا ہے پھر مردہ کی حیثیت کے مطابق جزا و سزا کا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کو عام طور پر تغلیباً عذاب قبر کہا جاتا ہے۔ البتہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام قبر کے امتحان اور سوال و جواب سے باجماع امت مستثنیٰ ہیں۔ ہاں ان حضرات کی حیات عام موتی بلکہ شہداء کرام کی حیات سے افضل و برتر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء کرام اپنی اس امتیازی اور خصوصی حیات کی وجہ سے عند القبر الشریف اپنے زائرین کا سلام سننے اور جواب دیتے ہیں اور قبر کی یہ زندگی ہماری فہم و شعور سے ماوریٰ ہے۔

البتہ اس پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے کیونکہ اللہ اور اس کے سچے رسول نے اس زندگی کی خبر دی ہے اور پوری امت کا اس پر بھی اجماع و اتفاق ہے کہ قبر کی یہ حیات روح اور جسد عنصری کے تعلق کے ساتھ ہے جس کی کنہ صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور سب سے زیادہ قوی تعلق انبیاء کرام کی ارواح کا اپنے اجساد عنصریہ کے ساتھ

ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے اجسام قبور میں محفوظ رہتے ہیں۔ ان کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی اور ان کی عورتیں ان کے بعد کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بعض فرقے اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور جب ان کے سامنے حیات قبر کے دلائل کا اہبار لگا دیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ قبر کی یہ حیات صرف روح کو حاصل ہے اور روح کا جسد عنصری سے کوئی تعلق نہیں ہے حالانکہ کتاب و سنت کے جن دلائل سے حیات قبر ثابت ہے انہیں دلائل سے روح اور جسد کا تعلق ثابت ہے۔ کیونکہ حیات قبر کو تعلق روح لازم ہے اور حیات انسانی بغیر تعلق روح کے متحقق ہو ہی نہیں سکتی جیسے موت انفکاک الروح کا نام ہے اسی طرح حیات تعلق روح کا نام ہے۔ بہر حال حیات قبر کو تسلیم کرنے کے بعد تعلق کا انکار کرنا نہایت معکمہ خیز ہے۔ البتہ میرا روئے سخن انسانوں کی طرف ہے میں انسانوں کی حیات کی بات کر رہا ہوں کہ وہ بغیر تعلق روح کے ہو ہی نہیں سکتی۔ لہذا اپنے اذہان کو جمادات کی طرف مت جانے دیجئے۔ بہر حال حیات قبر بمع تعلق روح ایک مسلمہ حقیقت ہے لیکن کچھ لوگ روح کی آڑ میں اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔

اس مسئلہ کی تفصیل اور دلائل کے لئے ”تسکین الصدور“ ”مقام حیات“ ”حیات انبیاء علیہم السلام“ ”تسکین الاتقیاء“ ”رحمت کائنات“ اور ”الحیات بعد الوفات“ یعنی قبر کی زندگی کا مطالعہ فرمائیں۔

(۳) باری تعالیٰ کی صفت خاص حاضر و ناظر کے عقیدہ میں غیر اللہ کو شریک بنانے میں روح کی آڑ اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے علم محیط کے لحاظ سے ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے سامنے ہے اور موجودات میں سے کوئی چیز اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہے۔ اس عقیدہ کے منجملہ دلائل میں سے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ان میں حفیظ، قریب، بصیر، محیط بھی ہیں۔ لیکن کچھ فرقے اللہ تعالیٰ کی اس صفت مخصوصہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص نہیں سمجھتے بلکہ غیر اللہ کو اس میں اللہ تعالیٰ کا شریک و سہم بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی، ولی اور امام بھی ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہیں اور جب ایسے لوگوں کے سامنے قرآن و حدیث اور اجماع امت کے ٹھوس دلائل پیش کئے جاتے ہیں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا تو اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے اس میں تو اس کا کوئی نبی، ولی اور امام شریک نہیں ہے تو یہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ نبی، ولی اور امام تو حاضر و ناظر نہیں ہیں۔ البتہ ان کی ارواح ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہوتی ہیں اور اس طرح یہ لوگ روح کی آڑ میں اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت کا انکار کرتے ہیں اور اس میں غیر اللہ کو شریک سمجھتے ہیں نہ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی، ولی اور امام ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور نہ ان کی ارواح۔ یہ تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل اور دلائل کے لئے، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کی کتاب، تبرید النواظر، قابل مطالعہ ہے۔

(۴) معراج النبی ﷺ کا انکار ارواح کی آڑ میں

کتاب و سنت اور اجماع امت سے یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو معراج عالم بیداری میں روح مع الجسد العنصری ہوئی ہے لیکن کچھ لوگ روح کی آڑ لے کر آپ ﷺ کی معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معراج ایک روحانی سیر تھی آپ ﷺ کا جسد عنصری سفر معراج میں آپ ﷺ کے ہمراہ نہ تھا۔ درحقیقت روح کی آڑ میں یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے سفر معراج کے منکر ہیں تحقیق مزید کے لئے ”چراغ کی روشنی“ وغیرہ کتب کا مطالعہ کریں۔

(۵) قیامت کا انکار روح کی آڑ میں

کتاب و سنت اور اجماع امت سے یہ عقیدہ وثابت ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو قبروں سے تمام مردوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ پھر میدان محشر میں ان کا حساب و کتاب ہوگا۔ پھر ہر شخص کو اسی کے اعمال و ایمان کے مطابق دوزخ یا بہشت کا مستقل ٹھکانہ دیا جائے گا لیکن بہت سے فرقے حشرات و جادو کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ مردے قبروں سے نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کیونکہ یہ تو خاک و راکھ ہو چکے ہیں اور بعض پرندوں، درندوں وغیرہ کے جسم درجسم نخل ہونے کی وجہ سے معدوم ہو چکے ہیں۔ لہذا یہ مردہ جسم نہیں اٹھائے جائیں گے بلکہ ان کے ارواح کو دوزخ اور بہشت میں بھیج دیا جائے گا درحقیقت یہ لوگ بھی روح کی آڑ میں قیامت کے عقیدہ کا انکار کرتے ہیں۔ دلائل کے لئے قرآن مجید اور حدیث رسول اللہ ﷺ کا مطالعہ فرمائیں۔

(۶) عذاب قبر کے انکار میں روح کی آڑ

کتاب و سنت اور اجماع امت سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے مردہ کے ساتھ جو کارروائی کی جاتی ہے اسے تغلیباً عذاب قبر کہا جاتا ہے اور قبر کی کارروائی روح اور جسد عنصری دونوں سے متعلق ہوتی ہے۔ کیونکہ روح اور جسد عنصری کے درمیان ایک خاص قسم کا تعلق قائم کیا جاتا ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے روح اور جسد عنصری دونوں جزا و سزا کا مورد بنتے ہیں لیکن بعض فرقے قبر کی اس حقیقت کو روح کی آڑ میں نہیں مانتے اور عذاب قبر کے سینکڑوں دلائل کا صرف یہی ایک جواب دیتے ہیں کہ یہ قبر کی کارروائی صرف اور صرف روح پر وارد ہوتی ہے۔ جسد عنصری اس میں شامل نہیں ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ بھی روح کی آڑ میں عذاب قبر کا انکار ہی ہے۔ دلائل کے لئے، تسکین الصدور، مقام حیات اور قبر کی زندگی کا مطالعہ فرمائیں۔

قارئین کرام! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ روح اور جسد کا تعلق جب ایک دفعہ قائم ہو جاتا ہے تو کبھی یہ تعلق یکسر ختم نہیں ہوتا۔ البتہ ہر عالم میں اس کی کیفیات تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ جب عالم دنیا میں انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے تو اہل دنیا کے لئے یہ میت ہے اور میت والا سارا سلوک اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ لیکن جب آدمی عالم قبر و برزخ میں داخل ہوتا ہے تو روح اور جسد کے درمیان برزخی تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور جب قیامت قائم ہوگی تو وہاں عالم آخرت والا تعلق جوڑ دیا جاتا ہے۔ بہر حال تعلق کی کیفیات ہر عالم میں بدلتی ہیں اور اس عالم کے مطابق اقسام بھی چلتے ہیں۔ کیونکہ موت عدم محض نہیں ہے بلکہ وہ ایک وجودی چیز ہے۔ خلق الموت والحیۃ۔ اس کی دلیل ہے۔ ہاں مشرکین کا نظریہ یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام ہے۔ جب کہ قرآن مجید اس باطل نظریہ کی تردید کرتا ہے۔

تو اسی اصول کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رُوح اور نزول الی الارض روح اور جسد عنصری دونوں کے ساتھ ہے۔ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی حیات قبر و برزخ روح اور جسد عنصری دونوں کے ساتھ ہے اور حضور اکرم ﷺ دیگر اللہ کے پیاروں کے نہ جسد ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں نہ ارواح۔ کیونکہ یہ باری تعالیٰ کی خاص صفت ہے اس میں نہ جسد شریک ہیں نہ ارواح۔ اس طرح حضور اکرم ﷺ کی معراج روح اور جسد دونوں کے لئے ہے اور عذاب قبر اور قیامت کا ٹھکانا بھی روح اور جسد عنصری دونوں کے ساتھ ہے۔ یعنی کوئی چیز ثابت ہے تو دونوں کے لئے اور اگر نفی ہے تو دونوں کے لئے۔

نقطہ: ابونور محمد قادری تونسوی

خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ، تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان، ۲۲/ جون ۲۰۰۳ء

ضمیمہ

مولانا نور اللہ رشیدی

خادم علامہ تونسوی مدظلہ العالی

عود روح فی الجسد عند السؤال فی القدر

جمہور اہلسنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ موت کے بعد قبر میں یا جہاں بھی میت کا جسد عنصری یا اس کے اجزاء ہوں روح کا عود ہوتا ہے اور جسد، میت یا اس کے اجزاء میں اس عود روح کی وجہ سے پھر حیات قائم ہو جاتی ہے، یہ عود دخول روح در جسد کی صورت میں ہوتا ہو یا اتصال روح بجسد سے ہوتا ہو، بہر حال اتنی بات مجمع علیہ اور یقینی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے کہ بدن مدفون (یا اجزاء بدن) دخول روح یا اس کے تعلق سے فائز الحیات ہو جاتا ہے۔

صحابہ ستہ کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف میں ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۸)

”تعداد روحہ فی جسدہ الخ“ اس کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہیں۔ اس حدیث کی سند کے بارے میں حافظ نور الدین ابی نعیم لکھتے ہیں: ”رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح“ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۹)

اور حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: (کتاب الروح ص ۵۸، ۵۹) ”ہذا حدیث مشہور مستفیض صحیحہ جماعۃ من الحفاظ الخ“ یہ حدیث مشہور مستفیض ہے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ایک اور جگہ اس حدیث کو حافظ ابن قیمؒ نے بدن کی طرف روح کے لوٹنے کے بارے میں نص صریح قرار دیا ہے۔

فرماتے ہیں: ”النص الصریح وهو قوله ﷺ فتعداد الروح فی جسدہ“ حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے، نص (صحیح) اور صریح ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس حدیث کو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۴) ”کما ثبت الحدیث“ جیسا کہ یہ حدیث ثابت ہے کہہ کر صحیح قرار دیا ہے۔ غرضیکہ یہ حدیث اصول حدیث کی رو سے بالکل صحیح اور مذہب اہلسنت والجماعت کی قوی دلیل ہے۔

علامہ ابن قیمؒ اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ عود روح کی حدیثیں صحیح اور متواتر ہیں۔

”قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحہ المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال“ شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ صحیح حدیثیں جو کہ متواتر ہیں بتلا رہی ہیں کہ سوال کے وقت روح پھر بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۶۲)

علامہ حافظ ابن عسقلانیؒ، ابن حزمؒ اور ابن ہبیرہؒ کی اس رائے کی کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسم کی طرف نہیں لوٹائی جاتی۔ تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وخالقہم الجمهور فقالوا تعداد الروح الی الجسد او بعضہ کما ثبت فی الحدیث ولو کان علی الروح فقط لم یکن للبدن بذلک اختصاص“ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۴)

اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض حصہ کی طرف لوٹا یا جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور اگر اس کا تعلق صرف روح سے ہوتا تو بدن کی اس میں کوئی خصوصیت نہ ہوتی۔

علامہ آلوسی بغدادی حنفی لکھتے ہیں: ”والجمہور علی عود الروح الی الجسد کله اور بعضہ وقت السؤال علی وجه لا یحس بہ اهل الدنیا الا من شاء الله منهم“ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۸۷)

جمہور اہلسنت اس کے قائل ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض جسم کی طرف سوال کے وقت ایسے انداز سے لوٹا یا جاتا ہے جس کو اہل دنیا محسوس نہیں کر سکتے مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے تو محسوس کرادے۔

جمہور اہلسنت اس کے قائل ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض جسم کی طرف سوال کے وقت ایسے انداز سے لوٹا یا جاتا ہے جس کو اہل دنیا محسوس نہیں کر سکتے۔ مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے تو محسوس کرادے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۵۰ھ ارشاد فرماتے ہیں: ”واعادة الروح ای ردھا او تعلقھا الی العبد ای جسدہ بجمیع اجزائہ او بعضہا مجتمعۃ او متفرقة فی قبرہ حق“ (شرح فقہ اکبر لماعلی قاری ص ۱۲۰) اور روح کو لوٹانا یعنی اس کا مکمل طور پر رد کرنا یا اس کا تعلق بندے کی طرف یعنی اس کے جسم کی طرف تمام اجزائے بدن میں یا بعض میں عام اس سے کہ اس کے اجزاء مجتمع ہوں یا متفرق اس کے قبر میں حق ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ المتوفی ۲۴۱ھ فرماتے ہیں: ”والایمان بملک الموت بقبض الارواح ثم ترد فی الاجساد فی القبور فیسألون عن الایمان والتوحید“ (کتاب الصلوٰۃ ص ۴۵)

ملک الموت کے ارواح کو قبض کرنے پھر ارواح کے قبروں میں جسموں کی طرف لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا ہے کہ عود روح الی الجسد کا عقیدہ صرف بعد کے متاخرین حضرات ہی کا اختیار کردہ نہیں ہے۔ بلکہ احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ادائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ایک امام اس کو حق اور دوسرے امام ایمان سے تعبیر فرماتے ہیں اور ان کے فرمان کی بنیاد صحیح اور صریح حدیثیں ہیں۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

شرح عقائد نسفی کے شارح علامہ عبدالعزیز فرماوی رحمہ اللہ صاحب نبراس فرماتے ہیں: ”ان الاحادیث الصحیحۃ ناطقة بان الروح تعاد فی الجسد“ (نبراس ص ۳۳) احادیث صحیحہ ناطق ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کشمیری فرماتے ہیں: ”ثم السؤال عندی یکون بالجسد مع الروح کا اشار الیہ صاحب الہدایۃ فی الایمان“ میرے نزدیک قبر کا سوال وجواب روح اور بدن کے مجموعے سے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے بھی کتاب الایمان میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (فیض الباری ص ۱۸۵)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ہدایہ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے ”و من یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوۃ فی قول العامة“ (ہدایہ ج ۲ ص ۲۸۴) جس شخص کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے عام علماء کے قول کے مطابق اس میں حیات ڈالی جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت بدن عصری میں روح کا اعادہ کیا جاتا ہے اور بدن مادی یا اس کے اجزاء اور روح دونوں سے یہ سوال و جواب وابستہ ہے۔ جمہور اہل السنۃ کا مسلک یہی ہے اور بقول علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ احادیث صحیحہ متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ (حیات الانبیاء ص ۷۸)

علامہ شعرانی رحمہ اللہ معتزلہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور معتزلہ کا یہ قول کوئی چیز نہیں کیونکہ ابوداؤد وغیرہ کی صحیح مرفوع حدیث کی رو سے اعادہ روح الی الجسد ثابت ہے۔ (المواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۹)

علامہ محی الدین النووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں اور معتزلہ کا یہ قول کوئی چیز نہیں کیونکہ ابوداؤد وغیرہ کی صحیح مرفوع حدیث کی رو سے اعادہ روح الی الجسد ثابت ہے۔ (المواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۹)

علامہ محی الدین النووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ اہل السنۃ کے نزدیک عذاب بعینہ جسد عصری یا اس کے اجزاء کو ہوتا ہے جو بعد اعادہ روح کے ہوتا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶)

عذاب و ثواب کے متعلق اہل السنۃ والجماعت کا اجماعی عقیدہ

۱..... امت برحق کا اجماعی عقیدہ ہے کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۷۷)

۲..... اس مسئلہ کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا اور ہم ان کے الفاظ بیان کرتے ہیں کہ فرمایا ”عذاب اور نعمتیں روح اور بدن دونوں کے لئے ہیں۔“ (کتاب الروح ص ۶۲)

۳..... سلف صالحین اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ بعد موت میت یا راحت میں ہے یا عذاب میں اور یہ دونوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ (ایضاً ص ۶۳)

۴..... اور قبروں میں روح اور بدن دونوں پر اکٹھا ہوتا ہے۔ (ایضاً ص ۶۶)

۵..... اسی طرح عذاب قبر روح اور جسم دونوں کے لئے اکٹھا ہے اس پر اہل السنۃ والجماعت کا اتفاق ہے۔ (شرح عقیدہ طحاوی ص ۳۳۰)

۶..... عذاب قبر اور قبر کی راحتیں جسم اور روح دونوں کے لئے ہیں۔ (شفاء القام ص ۱۹۲)

۷..... بلاشبہ قبر کا عذاب حق ہے اور یہ عذاب روح اور اس جسم پر ہوتا ہے جس جسم کو لحد اور قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ (المنہج الوہبیہ ص ۳)

اہل السنۃ والجماعت علماء دیوبند کا اجماعی عقیدہ

۱..... حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور روح مبارک کا تعلق اس دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے اور روضہ نور پر پڑھے گئے درود و سلام کو خود سماعت فرماتے ہیں۔

۲..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے روح مع الجسد العصری زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے۔ اب تک وہ آسمان میں زندہ موجود ہیں قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کو زمین پر نازل فرمائیں گے۔

۳..... رسول اللہ ﷺ کو معراج عالم بیداری میں روح مع الجسد العصری ہوئی ہے۔

- ۴..... جب قیامت قائم ہوگی تو قبروں سے تمام مردوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔
- ۵..... اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے علم محیط کے لحاظ سے ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا انبیاء اور اولیاء ہر جگہ موجود حاضر و ناظر اور علم غیب نہیں ہیں۔
- ۶..... قبر وہی ہے جو انسان اپنے ہاتھوں سے زمین میں کھوتے ہیں اور میت کا بدن جہاں قرار پکڑتا ہے۔
- ۷..... نکیرین کے سوال اسی زمینی کڑھے میں ہوتے ہیں۔
- ۸..... عذاب و ثواب قبر اسی کڑھے میں ہوتا ہے اور جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے۔
- ۹..... علیین و جبین کی حدود اسی کڑھے سے شروع ہوتی ہے۔
- ۱۰..... روح کا تعلق بدن سے برحق ہے۔

ایک مفید مشورہ

قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لئے سلف صالحین کے فہم کو مشعل راہ بنانا از حد ضروری ہے۔ کسی آیت کی تفسیر اور کسی حدیث کی تشریح وہ معتبر ہے جو بزرگان دین اور سلف صالحین سے منقول ہوتی چلی آرہی ہے۔ قرآن و حدیث کا وہی معنی و مقصد صحیح ہے جو بزرگان دین اور اکابرین امت نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ بزرگان دین اور سلف صالحین کے راستے کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم کہا ہے۔ کیونکہ سلف صالحین منعم علیہم ہیں۔ جن کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے ”اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم“ کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ بھی دیئے ہیں۔

اب ہم نے ہدایت حاصل کرنی ہے کتاب اللہ سے۔ کیونکہ وہ کتاب ہدایت ہے جس میں کوئی ٹھک نہیں اور کتاب اللہ کو سمجھنا ہے رجال اللہ سے۔ کیونکہ وہ منعم علیہم ہیں اور ان کی راہ ہی صراط مستقیم ہے اور رجال اللہ کی پہچان کرنی ہے کتاب اللہ سے۔ کیونکہ وہی ”الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان“ ہے۔

نیز ”و یتبع غیر سبیل المؤمنین“ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنا ہی سلامتی اور نجات کا راستہ ہے۔ پس صراط مستقیم پر چلنے والوں کو کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں سے وابستہ رہنا ضروری ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک سے کٹ جانا گمراہی اور ضلالت ہے۔ لہذا سلف صالحین کے فہم کو نظر انداز کر کے قرآن و حدیث کے معانی و مطالب سمجھنے میں من مانی کرنا گمراہی اور بے دینی کی خشت اول ہے اور یہی آزادی فکر، عدم اتباع اسلاف اور ترک تقلید اسلام کے نام سے گمراہ ہونے والے تمام لوگوں میں قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے۔

اسی گمراہی اور بے راہ روی سے محفوظ رہنے کے لئے ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ کو ”اهدنا الصراط المستقیم“ کی دعا میں شامل کیا گیا ہے۔ (قبر کی زندگی ص ۳۵)

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (الحدیث)

عقیدہ حیات النبی اکابر کا
رسول اللہ ﷺ
صلی اللہ علیہ وسلم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

از بسم:

خاکپائے بزرگان دیوبند
جناب حکیم رانا محمد سجاد قاسمی

الانبياء احياء في قبورهم يصلون (الحدیث)

(انبیاء پیغمبرانی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں)

کتاب خانہ مملوک

عالمی مجلس تحفظ احکام

اکابرین کا

عقیدہ حیات النبی ﷺ

اکابرین ﷺ کے فتاویٰ سے معلوم ہوگا کہ
عصر حاضر کا معتزلہ فرقہ مماتی ٹولے کا اہل سنت
و الجماعت حنفی دیوبندی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے

از قلم:

خاک پائے بزرگان دیوبند

حکیم رانا محمد سجاد قاسمی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلی فہرست

۲۶۵	(حرفے چند) حکیم رانا محمد سجاد قاسمی صاحب
۲۶۵	انتخاب
۲۶۵	شہید اسلام حضرت مولانا علامہ مفتی محمد یوسف لدھیانوی شہید ﷺ کا مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں فتویٰ
۲۶۶	حیات النبی ﷺ
۲۶۶	تقریظ: پاسان مسلک حق حضرت مولانا حافظ محمد براہ اقبال صاحب مدظلہ
۲۶۶	تقریظ: یادگار اسلاف حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صفدر صاحب
۲۶۷	تقریظ: شہزادہ اہل سنت حضرت مولانا حافظ محمد ندیم قاسمی صاحب، ایم اے
۲۶۷	عرض مصنف
۲۶۸	حیات شہداء
۲۶۸	شہداء کی جسمانی حیات کے عجیب و غریب واقعات
۲۸۰	نبی پاک ﷺ کی قبر شریف میں جسمانی حیات
۲۸۳	دلیل نمبر ۱
۲۸۳	دلیل نمبر ۲
۲۸۳	دلیل نمبر ۳
۲۸۳	دلیل نمبر ۴
۲۸۳	دلیل نمبر ۵
۲۸۳	جسمانی حیات النبی ﷺ پر اجماع امت
۲۸۳	دلیل نمبر ۱
۲۸۳	دلیل نمبر ۲
۲۸۳	دلیل نمبر ۳
۲۸۳	دلیل نمبر ۴
۲۸۳	دلیل نمبر ۵
۲۸۳	جسمانی حیات النبی ﷺ پر احناف کے عقائد
۲۸۳	دلیل نمبر ۱
۲۸۳	دلیل نمبر ۲
۲۸۵	دلیل نمبر ۳
۲۸۵	دلیل نمبر ۴
۲۸۵	دلیل نمبر ۵
۲۸۵	جسمانی حیات النبی ﷺ پر شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے عقائد
۲۸۵	دلیل نمبر ۱
۲۸۵	دلیل نمبر ۲
۲۸۵	دلیل نمبر ۳
۲۸۵	دلیل نمبر ۴
۲۸۵	دلیل نمبر ۵

۲۸۶	جسمانی حیات النبی ﷺ پر اہل حدیث کے عقائد		
۲۸۶	دلیل نمبر ۱	۲۸۶	دلیل نمبر ۲
۲۸۶	دلیل نمبر ۳	۲۸۶	دلیل نمبر ۴
۲۸۶	دلیل نمبر ۵	۲۸۶	دلیل نمبر ۶
۲۸۷	جسمانی حیات النبی ﷺ پر اکابرینِ علمائے دیوبند کے عقائد		
۲۸۷	دلیل نمبر ۱	۲۸۷	دلیل نمبر ۲
۲۸۷	دلیل نمبر ۳	۲۸۷	دلیل نمبر ۴
۲۸۷	دلیل نمبر ۵	۲۸۷	دلیل نمبر ۶
۲۸۷	دلیل نمبر ۷	۲۸۷	دلیل نمبر ۸
۲۸۸	دلیل نمبر ۹	۲۸۷	دلیل نمبر ۱۰
۲۸۸	دلیل نمبر ۱۱	۲۸۸	دلیل نمبر ۱۲
۲۸۸	دلیل نمبر ۱۳	۲۸۸	دلیل نمبر ۱۴
۲۸۹	دلیل نمبر ۱۵	۲۸۹	دلیل نمبر ۱۶
۲۹۰	دلیل نمبر ۱۷	۲۸۹	دلیل نمبر ۱۸
۲۹۰	دلیل نمبر ۱۹	۲۹۰	دلیل نمبر ۲۰
۲۹۰	دلیل نمبر ۲۱	۲۹۰	دلیل نمبر ۲۲
۲۹۰	دلیل نمبر ۲۳	۲۹۰	دلیل نمبر ۲۴
۲۹۱	دلیل نمبر ۲۵	۲۹۰	دلیل نمبر ۲۶
۲۹۱	دلیل نمبر ۲۷	۲۹۱	دلیل نمبر ۲۸
۲۹۱	دلیل نمبر ۲۹	۲۹۱	دلیل نمبر ۳۰
۲۹۲	دلیل نمبر ۳۱	۲۹۱	دلیل نمبر ۳۲
۲۹۳	دلیل نمبر ۳۳	۲۹۲	دلیل نمبر ۳۴
۲۹۳	دلیل نمبر ۳۵	۲۹۳	دلیل نمبر ۳۶
۲۹۳	دلیل نمبر ۳۷	۲۹۳	دلیل نمبر ۳۸
۲۹۴	دلیل نمبر ۳۹	۲۹۳	دلیل نمبر ۴۰
۲۹۴	دلیل نمبر ۴۱	۲۹۴	دلیل نمبر ۴۲
۲۹۵	دلیل نمبر ۴۳	۲۹۴	دلیل نمبر ۴۴
۲۹۵	عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار		

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(حرفے چند)

حکیم رانا محمد سجاد قاسمی صاحب

پسرور ضلع سیالکوٹ کے حکیم رانا محمد سجاد قاسمی نے ایک کتاب لکھی ”اکابر کا عقیدہ حیات النبی ﷺ“ جسے اس مجموعہ کا جزو بنایا جا رہا ہے۔ (ناشر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو امام اہل سنت، سرمایہ اہل سنت، فخر دیوبند، شیخ العرب والعجم، حضرت مولانا علامہ سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم العالیہ شاگرد رشید شیخ العرب والعجم حضرت مولانا علامہ حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے نام کرتا ہوں۔

شہید اسلام حضرت مولانا علامہ مفتی محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا

مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں فتویٰ

”میرا اور میرے اکابر رحمہ اللہ کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ روضہ اطہر میں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیات برزخی ہے۔ آنحضرت ﷺ درود و سلام پیش کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور وہ تمام امور جن کی تفصیل اللہ ہی کو معلوم ہے، بجالاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی حیات کو حیات برزخیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حیات برزخ میں حاصل ہے اور اس حیات کا تعلق روح اور جسد دونوں کے ساتھ ہے۔ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، وہ میرے اکابر رحمہ اللہ کے نزدیک گمراہ ہے۔ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق روا نہیں۔“

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱۰ ص ۵۱۹)

حیات النبی ﷺ

اعلان کر رہا ہے وہ خود اپنی مات کا
کیا خواب دیکھتا ہے مماتی نجات کا
اہل نظر نہیں ہے وہ رہزن ہے رات کا
عارف نہیں ہے وہ شہ بطحہ کی ذات کا
آتا نہیں یقین کیا آقا کی بات کا
دیتے ہیں وہ جواب سلام و صلوة کا
خود جس نے گھڑ لیا ہے عقیدہ ممات کا
(شاعر اسلام اثر جوہری)

منکر جو رہا ہے نبی کی حیات کا
خود بند کر رہا ہے شفاعت کے باب کو
خورشید نیمروز سے آنکھیں چرائے جو
چلتا ہے جو عقیدہ معروف کے خلاف
پڑھنا درود مجھ پہ سماعت کروں گا میں
گر صدق دل سے پیش کرے عاشق رسول
وہ عقل خام لائق ماتم ہے اے اثر

تقریظ: پاسبان مسلک حق حضرت مولانا حافظ محمد بابراقبال صاحب مدظلہ

زیر نظر کتاب ”عقیدہ حیات النبی ﷺ“ قرآن و سنت و آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روشنی میں امت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کو واضح کرنے کی ایک کوشش ہے کہ امام الانبیاء، سر تاج الانبیاء، وجہ کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اپنی قبر اطہر میں روح مع جسم مبارک کے ساتھ حیات ہیں۔

مصنف کتاب جناب حکیم محمد سجاد قاسمی صاحب قلم و تحریر کی دنیا میں نو وارد ہونے کے باوجود مبارک باد کے مستحق ہیں، جنہوں نے امام الانبیاء ﷺ سے انتہائی محبت و عقیدت کے اظہار کے طور پر بظاہر مشکل کام کو عزم مصمم اور خلوص کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ خالق کائنات سے دعا ہے کہ وہ مصنف کی اس پر خلوص کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور دارین کی سعادت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین) خاکپائے اکابر علمائے دیوبند

(مولانا) حافظ بابراقبال

خطیب جامع مسجد مدنی ایلیمٹری کالج

تقریظ: یادگار اسلاف حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صفدر صاحب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

عقیدہ حیات النبی ﷺ اسلام کا اساسی عقیدہ ہے۔ حضور ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں روح مع الجسد زندہ ہیں۔ اس پر قرآن و سنت کے دلائل اور امت کا اجماع ہے۔ اس عقیدے سے منحرف گروہ کا اہل سنت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

زیر نظر مجموعہ ”عقیدہ حیات النبی ﷺ“ قرآن و سنت اور اجماع امت کی نظر میں، مختصر مگر جامع مجموعہ ہے۔ اس مختصر کتابچہ کے مؤلف مولانا حکیم محمد سجاد قاسمی لائق صد تحسین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے ہوئے مقبولیت عام و خاص فرمائے۔ (آمین)

(مولانا) محمد اسحاق عفی عنہ

خطیب کوثر مسجد سیالکوٹ

تقریظ: شہزادہ اہل سنت حضرت مولانا حافظ محمد ندیم قاسمی صاحب، ایم اے

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى۔ اما بعد!

امام الانبياء، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں روح مع الجسد زندہ ہیں۔ قبر شریف میں ان کو حیات دنیوی کی مثل حیات حاصل ہے۔ یہی عقیدہ جمہور امت کا ہے۔ اس عقیدے پر قرآن و سنت اور اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے وزنی دلائل براہین ہیں۔ اس عقیدے سے انحراف کرنے والے طبقے کا اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں۔

اس عقیدے کی حقانیت و صداقت پر اکابرین علماء دیوبند کی تصریحات موجود ہیں، انہی تصنیفات میں مولانا حکیم محمد سجاد قاسمی مدظلہ کی تصنیف ایک خوب صورت اضافہ ہے اور عشاقان رسول ﷺ میں نام لکھوانے کی غرض سے لکھی گئی تصنیف کی تکمیل پر بندہ حکیم صاحب موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے زیادہ اپنے عقیدے نظرئیے اور مسلک کی ترویج و اشاعت کے لئے قبول فرمائے۔ (آمین) والسلام!

(مولانا) محمد ندیم قاسمی ایم اے
خطیب الہی مسجد پرور سیالکوٹ

عرض مصنف

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على من لا نبى بعده وعلى آله واصحابه اجمعين۔ اما بعد!

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے اور اس پر امت مسلمہ کا اجماع بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مردت علی موسی لیلۃ اسری بی عند الکثیر الاحمر و هو قائم یصلی فی قبرہ“

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا اور وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۸، نسائی ج ۱ ص ۱۸۵)

خود اکابرین علمائے دیوبند علیہم السلام کا اجماعی عقیدہ ہے جس کو فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ السلام نے ”المہند علی المفہد“ میں ذکر فرمایا ہے: ”ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برزخی نہیں ہے، جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطی علیہ السلام نے اپنے رسالہ ”انہاء الاذکیاء بحیۃ الانبیاء“ میں بتصریح لکھا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی نے فرمایا ہے کہ انبیاء و شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ الخ! پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کہ برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے۔ نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل، جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کا نام ”آب حیات“ ہے۔“ (المہند علی المفہد ص ۳۸، ۳۹)

اس کے باوجود مماتی ٹولہ جو اپنے آپ کو اکابرین علماء دیوبند کے ساتھ نسبت دیتا ہے، یہ پرلے درجے کا جھوٹ ہے۔ خود اکابرین علمائے دیوبند نے مماتی ٹولے کو گمراہ اور بدعتی کہا ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہو جائے گا کہ مماتی ٹولے کا مسلک حق اہل سنت والجماعت خفی دیوبندی کے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

آخر میں، میں ان حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ مثلاً مناظر اہل سنت، وکیل احتاف، حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب سرگودھا، حضرت مولانا قاری ذوالفقار صاحب، حضرت مولانا مفتی نعمان صاحب، حضرت مولانا قاری ذوالفقار صاحب، حضرت مولانا قاری محمد اسحق صاحب، حضرت مولانا حافظ محمد بابراقبال صاحب، شہزادہ اہل سنت حضرت مولانا محمد ندیم قاسمی صاحب ایم اے اردو اسلامیات، چوہدری احمد علی صاحب (مل لالو) حافظ سیف اللہ صاحب، محمد حسین صاحب (بگرام) اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو قارئین کرام کے لئے فائدہ مند اور ہمارے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ (آمین ثم آمین)

خاکپائے بزرگان دیوبند، حکیم رانا محمد سجاد قاسمی

حیات شہداء

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتے ہیں: ”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرة: ۱۵۴)“ اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہو جائیں، ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن (شہادت کے بعد جو ان کو زندگی ملتی ہے) اس کی تم کو کوئی سمجھ نہیں۔

مسلمان مجاہدین جب اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتے ہوئے شہید ہوتے ہیں تو موت کا درود ان کے اجسام غصری پر ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ شہید کو شہادت کے بعد زندگی عطاء کر دی جاتی ہے۔ اس لئے شہداء کو مردہ کہنے سے بھی روک دیا گیا۔ کیونکہ شہید کو مردہ کہنا شہید کی توہین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہید کی زندگی کو ”بل احیاء“ کے لفظ سے ظاہر کیا ہے کہ اگرچہ موت کا درود ان کے جسم پر ہو چکا ہے لیکن موت کے بعد اللہ نے ان کو جسم سمیت زندہ کر دیا ہے۔

شہداء کی جسمانی حیات کے عجیب و غریب واقعات

..... خواجہ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں اہل بغداد سات چوروں کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا تھے۔ خلیفہ وقت نے ان ڈاکوؤں کو پکڑنے کی بہت کوشش کی۔ مگر وہ ان پر قابو نہ پاسکا۔

اسی زمانے میں ایک دن حضرت حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ اندھیرے میں مسجد تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں آپ نے سات آدمیوں کو دیکھا، ان میں سے چھ نے تلواریں ہاتھ میں لے رکھی تھیں اور وہ دیوار کے ساتھ کھڑے تھے۔ جب کہ ساتواں آدمی راستے کے درمیان میں اپنے پاؤں کو پکڑے ہوئے بیٹھا تھا۔

حضرت حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم لوگ اسلحہ لے کر کہاں جا رہے ہو؟

زمین پر بیٹھے ہوئے شخص نے کہا اے ابوسعید! میں فلاں چور ہوں اور یہ میرے ساتھی ہیں۔ خلیفہ وقت اور بصرہ کے لوگوں کو ہمیں پکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے آج پورے دس سال ہو چکے ہیں۔ مگر وہ ہم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے۔ ہم ایک دکان پر نقب زنی کے لئے لکے تھے، جب ہم یہاں پہنچے تو میرا پاؤں ایک جلتے ہوئے انکارے

پر آگیا، جس سے میرا پاؤں جل گیا۔ لیکن میں نے اپنے پاؤں سے زیادہ اپنے دل میں جلن محسوس کی اور میں نے سوچا کہ میں یہاں دنیا کی حقیر سی آگ کو برداشت نہیں کر سکتا تو میں آخرت کی آگ کو کیسے برداشت کروں گا۔

اے ابوسعید! میں آپ کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں کہ میں نے آج سے سچے دل سے توبہ کر لی ہے اور میں آئندہ وہ کام نہیں کروں گا جو میں اب تک کر رہا تھا۔

یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا میں ابھی تھوڑی دیر سے پہلے تک چوری چکاری کی برائی میں تمہارے ساتھ شریک تھا۔ مگر اب میں توبہ کر چکا ہوں، تمہاری مرضی جہاں چاہو چلے جاؤ۔

اس کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ تو اب تک اللہ کی نافرمانی والے کام میں ہمارا سردار تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے معاملے میں بھی ہمارا سردار بن جا۔ ہم بھی سچے دل سے توبہ کر رہے ہیں کہ آئندہ ان برائیوں میں نہیں پڑیں گے۔ جن میں اب تک مبتلا تھے۔

ان کے سردار نے کہا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو پھر مجھے بصرہ کی جامع مسجد لے چلو تا کہ امیر بصرہ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کریں۔ نماز کے بعد میں کھڑا ہو جاؤں گا اور کہوں گا کہ اے امیر شہر! میں فلاں چور ہوں اور یہ میرے ساتھی ہیں۔ آپ لوگ دس سال سے ہماری تلاش میں تھے۔ مگر آپ کو کامیابی نہیں ملی۔ اب ہم نے توبہ کر لی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برائیوں کو چھوڑ دیا ہے۔ اب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ آپ کی مرضی ہے ہمارے ہاتھ کاٹیں، ہمیں کوڑے لگائیں، سولی چڑھائیں، قید رکھیں یا اللہ تعالیٰ کے لئے معاف کر دیں۔

اس کے ساتھی یہ سن کر راضی ہو گئے اور سارے مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ نماز کے بعد ان کے سردار نے کھڑے ہو کر وہی اعلان کیا، جس کا اس نے اپنے ساتھیوں سے تذکرہ کیا تھا۔

امیر شہر یہ اعلان سن کر رو پڑے اور فرمانے لگے اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرمانے والا ہے۔ جاؤ میں نے تم سب کو اللہ کے لئے معاف کر دیا ہے۔

سردار نے یہ سن کر کہا اے امیر شہر! ہماری کچھ مدد کیجئے تاکہ طرطوس پہنچ کر جہاد کر سکیں۔ امیر شہر نے ان میں سے ہر ایک کو گھوڑا، مکمل اسلحہ اور پچاس پچاس دینار دیجئے اور انہیں رخصت کر دیا۔

یہ ساتوں طرطوس پہنچ کر دو ماہ تک وہاں رہے۔ اس دوران خبر آگئی کہ روم کے عیسائیوں نے مملکت اسلامیہ پر حملے کے لئے لشکر بھیج دیا ہے۔ اس لشکر میں دو بڑی صلیبیں ہیں اور ہر صلیب کے ساتھ دس ہزار جنگجو ہیں اور یہ لشکر طرطوس کے قریب پہنچ چکا ہے۔

مسلمانوں کا لشکر بھی دفاع کے لئے اپنے امیر کی سرکردگی میں روانہ ہوا اور یہ سارے حضرات بھی لڑائی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے تو یہ ساتوں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم جب اللہ تعالیٰ کے نافرمان تھے اور چوری کرتے تھے، اس وقت ہم کسی کی مدد کے محتاج نہیں ہوئے تو کیا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والے عمل جہاد میں ہم لوگوں کے سہارے لڑیں گے؟ حالانکہ ہمارے نیچے بہترین گھوڑے ہیں۔ ہمارے پاس خطرناک اسلحہ ہے اور ہماری غنیمتیں بھی خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ چلو ہم لشکر سے الگ ہو جاتے ہیں۔ جب دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہو جائے گی تو ہم ساتوں مشرکین پر یکبارگی حملہ کر دیں گے۔ فتح یا شہادت میں سے ایک تو ہمارا مقدر ضرور بنے گی۔

یہ طے کر کے وہ لشکر سے الگ ہو گئے۔ جب لڑائی شروع ہو گئی تو ان ساتوں نے اچانک پیچھے سے عیسائیوں پر حملہ کر دیا اور ان کے لشکر کو کاٹ کر رکھ دیا۔

جب یہ شکست خوردہ لشکر واپس بادشاہ روم کے سامنے پہنچا تو اس نے کارگزاری سن کر پوچھا کہ پیچھے سے کس نے تم پر حملہ کیا تھا؟ لشکر والوں نے کہا کہ وہ سات آدمی تھے جنہوں نے ہمارے لشکر کی صفوں کو توڑ دیا، جس سے ہمیں شکست ہوئی۔

رومی بادشاہ نے ایک اور صلیب لگالی اور اپنے ایک جرنیل کو دے کر کہنے لگا کہ یہ تیرے پاس تین صلیبیں ہیں اور تیس ہزار کا پیادہ اور گھڑسوار لشکر ہے۔ جاؤ اور طرطوس پر لشکر کشی کرو۔

جب یہ لشکر روانہ ہوا تو اس کی اطلاع طرطوس میں پہنچ گئی۔ مسلمانوں کا لشکر بھی مقابلے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ یہ ساتوں جانباز بھی نکلے اور انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے پہلے جیسی حکمت عملی طے کی۔

چنانچہ جب دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی تو ساتوں نے پیچھے سے حملہ کر کے عیسائیوں کے لشکر کو ترتر کر دیا۔ عیسائیوں کا لشکر شکست کھا گیا اور اس کے بچے کچے سپاہی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

بادشاہ روم نے جب ان سے کارگزاری سنی تو وہ گالیاں دینے لگا اور کہنے لگا تین ہزار کا مسلح لشکر جسے ہم نے اپنے ملکوں کا سرمایہ کھلا کر پالا اور ہر طرح کی سہولتیں انہیں دیں۔ سات آدمیوں نے اس لشکر کو کاٹ ڈالا۔

بادشاہ نے اس جرنیل کو معزول کر کے ایک اور جرنیل کو بلوایا اور اسے چار صلیبیں اور چالیس ہزار کا لشکر جرار دیا اور اسے کہا کہ جاؤ طرطوس پر چڑھائی کرو۔ اگر تم فتح یاب ہو جاؤ تو شہر میں داخل ہو کر مردوں کو قتل کر دینا اور وہاں کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر لے آنا۔ اگر شہر فتح نہ ہو سکا تو کوشش کرنا کہ ان سات آدمیوں کے سر کاٹ کر لے آنا، جنہوں نے میرے دو لشکروں کو شکست دی ہے اور اگر تم نے انہیں قیدی بنالیا تو پھر انہیں لے کر میرے پاس آ جانا۔

یہ جرنیل جب طرطوس کے قریب پہنچا تو اس نے ایک صلیب کے ساتھ دس ہزار آدمی پہاڑوں میں چھپا دیئے اور خود وہاں سے کچھ آگے جا کر رک گیا۔

مسلمان جب حسب سابق مقابلے کے لئے نکلے، وہ سات جانباز اپنی سابقہ حکمت عملی کے ساتھ میدان سے ہٹ کر پیچھے پہنچ گئے۔ جب لڑائی شروع ہوئی، انہوں نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور دشمن کو کافی نقصان پہنچایا۔ مگر اچانک ان سات کے پیچھے سے دس ہزار کا چھپا ہوا لشکر نکل آیا۔ اس طرح سے یہ ساتوں جانباز گھیرے میں آ گئے اور بالآخر قید کر لئے گئے۔

رومی لشکر واپس پہنچا۔ جرنیل نے بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر سجدہ کیا اور کہا کہ میں آپ کے پاس ان ساتوں کو پکڑ کر لے آیا ہوں۔

بادشاہ نے اپنے مصاحبین سے مشورہ کیا کہ میں ان ساتوں کو کس طرح سے قتل کروں؟

ان میں سے ایک نے کہا کہ انہیں درمیان سے کاٹ کر درختوں پر لٹکا دیجئے ایک نے کہا کہ ان کی گردنیں کاٹ دیجئے۔ مگر بعض عقلمند جرنیلوں نے مشورہ دیا کہ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ انہیں مال و دولت دے کر اپنا مذہب بنایا جائے تاکہ جس طرح انہوں نے اپنی بہادری سے ہمیں ذلیل کیا، اسی طرح عیسائی ہو کر یہ اپنی بہادری سے ہمیں عزت بخشیں۔

بادشاہ نے اسی مشورے کو نہایت پسندیدگی سے منظور کر لیا اور اس نے ان ساتوں کے امیر کو بلا کر پوچھا کہ کیا یہ چھ آدمی تیرے ساتھی ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں!

بادشاہ نے کہا کہ میری کئی بیٹیاں ہیں، اگر تو ہمارا دین اختیار کرے تو میں اپنی ایک بیٹی سے تیری شادی کروں گا اور تجھے مال و دولت کے لدے ہوئے سواونٹ اور سو باغات دوں گا۔

یہ سن کر وہ امیر رونے لگا اور کہنے لگا مجھے نہ تیری بیٹی کی ضرورت ہے اور نہ مال کی۔ میں ان چیزوں کی وجہ سے ہرگز اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا۔

بادشاہ نے اسے الگ ایک کونے میں بٹھا کر باقی چھ کو ایک ایک کر کے بلایا اور ہر کسی کے سامنے اپنی پیشکش دہرائی۔ مگر ان میں سے ہر ایک نے ایک ہی جواب دیا کہ ہم اسلام کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

بادشاہ نے اپنے جرنیلوں کو بتایا کہ ہماری تدبیر ناکام ہو چکی ہے۔ اب انہیں گمراہ کرنے کی کیا تدبیر اختیار کی جائے؟

ایک جرنیل نے کہا کہ آپ ایک دیگ میں تیل ڈال کر اس کے نیچے آگ جلا دیجئے۔ جب تیل کھولنے لگ جائے تو ان میں سے ایک کو اوندھے منہ کمر تک ڈال دیجئے۔ ممکن ہے ایک دو کے مرنے کے بعد باقی کے دلوں پر اس دہشت ناک طریقے سے آنے والی موت کا خوف سوار ہو جائے اور وہ اسلام کو چھوڑ دیں۔

چنانچہ دیگ میں تیل بھر کر نیچے آگ جلا دی گئی۔ بادشاہ نے ان ساتوں کو بلا کر ایک صف میں بٹھا دیا۔ ان کے امیر نے جب نظر اٹھائی تو اسے اوپر چھت پر سات حسین لڑکیاں نظر آئیں۔ جنہوں نے زرد رنگ کا خوب صورت لباس پہن رکھا تھا اور ان میں ہر ایک کے ہاتھ میں ایک سبز رومال تھا۔

امیر نے دل میں سوچا کہ اس ملعون بادشاہ نے ہمیں بد دین کرنے کے لئے انتظام کیا ہے۔ اوپر اپنی بیٹیاں بٹھادی ہیں اور نیچے یہ عذاب جلا دیا ہے تاکہ ہم اس کھولتی دیگ میں مرنے کے بجائے لڑکیوں کو پانا پسند کریں اور اپنا دین چھوڑ دیں۔ امیر نے دل ہی دل میں دعا کی کہ کاش! میرے ساتھیوں کی نظر ان لڑکیوں پر نہ پڑے تاکہ وہ گمراہ نہ ہو جائیں۔

دیگ میں تیل جوش کھانے لگا، بادشاہ کے حکم سے دو جرنیل کو دگر آگے بڑھے اور انہوں نے ان ساتوں میں سے ایک کو اٹھا کر دیگ میں الٹا دیا۔ وہ شخص آخری وقت میں پکار کر کہنے لگا میرے دوستو! تم پر سلامتی ہو، تم گھبرانا نہیں۔ یہ تھوڑی دیر کی تکلیف ہے۔ جب کہ دوزخ کا عذاب دائمی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

جرنیلوں نے اسے کمر تک تیل میں ڈال دیا۔ اس کا یہ آدھا حصہ جل گیا۔ اوپر بیٹھی ہوئی ساتوں لڑکیوں میں سے ایک اڑتی ہوئی آئی اور دیگ میں داخل ہو گئی۔ اس نے سبز رومال میں سے کچھ ڈالا اور آسمان کی طرف اڑ گئی۔ امیر نے جب یہ دیکھا تو دل میں کہنے لگا یہ لڑکیاں تو حور عین ہیں۔ بادشاہ کی بیٹیاں نہیں۔

عیسائیوں نے اس جلے ہوئے شخص کو دیگ سے نکال کر ان باقی چھ کے سامنے ڈال دیا۔ بادشاہ نے کہا اگر تم نے اپنا دین چھوڑ کر عیسائیت قبول نہ کی تو تم سب کو بھی اسی طرح قتل کر دوں گا اور اگر تم نے میری بات مان لی تو پھر تمہارے لئے ہر طرح کا اعزاز و اکرام ہوگا۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں جلا کر مار یا تلواروں سے کاٹ! ہم اپنا دین نہیں چھوڑیں گے۔

بادشاہ نے ایک ایک کر کے باقی چھ میں سے پانچ کو اسی دیک میں جلا کر شہید کر دیا اور ہر ایک کے ساتھ ایک ایک لڑکی دیک میں داخل ہو کر سبر و مال میں کچھ ڈال کر آسمان پر جاتی رہی۔ اب صرف ایک لڑکی باقی تھی۔ اچانک ایک وزیر آگے بڑھا اور وہ بادشاہ سے کہنے لگا کہ یہ شخص مجھے دے دیجئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم اس کے ساتھ کیا کرو گے؟

وزیر نے کہا میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گا اور اپنی اس لڑکی کو اس کی خادمہ بناؤں گا۔ جس سے آپ نکاح کرنا چاہتے تھے۔ مگر میں نے آپ کی زیادہ بیویاں ہونے کی وجہ سے انکار کر دیا تھا۔ ممکن ہے وہ اس کے دل کو موہ لے اور یہ اپنا دین چھوڑ کر عیسائی ہو جائے۔ تب میں اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دوں گا اور اپنے مال میں سے اسے حصے دار بنا دوں گا۔ بادشاہ نے کہا لے جاؤ۔ میں نے یہ شخص تمہیں دے دیا ہے۔ جب یہ واقعہ ہوا تو چھت پر بیٹھی ہوئی حورا ٹھہ کھڑی ہوئی اور خالی ہاتھ آسمان کی طرف پرواز کر گئی۔

یہ دیکھ کر امیر کہنے لگا یہ میری بد قسمتی کی وجہ سے ہوا۔ بادشاہ نے اسے کہا تم میرے اس وزیر کے ساتھ چلے جاؤ۔ امیر نے کہا میں صرف اس شرط پر اس کے ساتھ جاؤں گا کہ میں اس کے گھر میں مسجد بناؤں گا جہاں بلند آواز سے پانچ وقت اذان دوں گا۔ شراب نہیں پیوں گا اور خنزیر نہیں کھاؤں گا۔

بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہ اب کیا خیال ہے؟ وزیر نے کہا اس کی ساری شرطیں منظور ہیں۔

اب وہ مسلمان قیدی وزیر کے گھر آ گیا اور داخل ہوتے ہی مسجد بنانے میں لگ گیا۔ وزیر نے اپنی بیٹی سے کہا میں نے عربوں میں اس سے زیادہ بہادر اور خوب صورت کوئی اور شخص نہیں دیکھا۔ میں اسے بادشاہ کی سزائے موت سے چھڑا کر لایا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر یہ عیسائی ہو جائے تو میں تیری شادی اس کے ساتھ کر دوں اور اسے اپنا آدھا مال دے دوں۔ اب یہ ہمارے گھر میں رہے گا اور رات دن اس کا تمہارے علاوہ کوئی خادم نہیں ہوگا۔

لڑکی نے یہ ذمہ داری قبول کی اور وہ ہر دن زرق برق لباس اور طرح طرح کے زیور پہن کر آتی اور اس شخص کے سامنے اپنے جسم کی نمائش کرتی، مگر اس بندہ خدا نے کوئی توجہ نہ کی اور نہ کبھی اس لڑکی کو کوئی کام بتایا۔ وہ جو کچھ لے آتی وہ لے لیتا تھا۔

ایک دن عصر کی نماز پڑھ کر وہ مسجد میں بیٹھا تھا کہ وہ لڑکی اسے کہنے لگی کیا تم انسان نہیں ہو؟ کیا تم میں مردانگی نہیں ہے؟ تم اپنا دین چھوڑ کر عیسائی ہو جاؤ۔ میرا باپ ہم دونوں کی شادی کر دے گا اور تجھے مالا مال کر دے گا۔ امیر نے کہا ہلاک ہو جاؤ تو نے میری نماز خراب کر دی۔ مجھے نہ تو تیری ضرورت ہے اور نہ تیرے مال کی۔ وزیر نے تو لڑکی کو اس مرد مؤمن کے پیچھے اس لئے لگایا تھا تا کہ وہ اس کے دل کو موہ لے اس کے دل میں اپنی محبت ڈال دے۔ لڑکی یہ تو نہ کر سکی البتہ اس مرد مؤمن کی شان بے نیازی نے لڑکی کے دل کو موہ لیا اور وہ خود اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ وہ کہنے لگی کیا تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے؟

امیر نے کہا کیوں؟ تم ناپاک کافر ہو۔ امیر نے برجستہ جواب دیا۔ لڑکی کہنے لگی اگر آپ اپنا دین نہیں چھوڑتے تو پھر میں اپنا دین چھوڑ دیتی ہوں۔ آپ مجھے مسلمان کیجئے تاکہ میں آپ سے شادی کر سکوں۔

امیر نے کہا اے لڑکی! یہ کافروں کا ملک ہے۔ یہاں میں تجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور ہم یہاں سے بھاگ کر مسلمانوں کے ملک پہنچ گئے تو میں ضرور تجھ سے شادی کر لوں گا اور تیرے

ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کروں گا اور نہ باندی رکھوں گا۔

لڑکی نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر دس دن بعد عیسائیوں کا تہوار ہے۔ اس میں بادشاہ سمیت سب لوگ باہر نکلتے ہیں۔ البتہ بیمار لوگ گھروں میں رہ جاتے ہیں۔ جب تہوار میں دو دن رہ جائیں گے تو میں بیمار بن جاؤں گی۔ چنانچہ میرا باپ مجھے تیرے پاس چھوڑ جائے گا۔ تب ہم دونوں بھاگ نکلیں گے۔ تہوار سے دو دن پہلے وہ لڑی بیمار بن گئی۔ تہوار کے دن وزیر نے پوچھا کہ بیٹی! تم ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گی؟ اس نے کہا نہیں، میں بیمار ہوں۔

وزیر نے کہا کوئی بات نہیں۔ اب تم دونوں اس سر میں بالکل تنہا رہ جاؤ گے۔ اگر یہ تمہارے ساتھ حرام فعل کرنا چاہے تو تم مت روکنا۔ ممکن ہے اس طرح سے یہ اپنا دین چھوڑ کر عیسائی ہو جائے۔ تب تم دونوں کی شادی کر دی جائے گی۔ لڑکی نے کہا ابا حضور! میں اس کے لئے حاضر ہوں۔ البتہ آپ دو گھوڑے چھوڑ جائیں۔ ممکن ہے کہ اگر میں اسے بدلنے میں کامیاب ہو گئی تو میں اسے لے کر آپ کے پاس تہوار کے سات دنوں میں کسی نے کسی دن پہنچ جاؤں گی۔ تہوار کے دن دوپہر کے وقت لڑکی نے کہا وہ لوگ تہوار کی جگہ پہنچ چکے ہوں گے۔ اب شہر میں کوئی نہیں ہوگا۔ کیا تم مسلمانوں کے ملک کا راستہ جانتے ہو؟ امیر نے کہا ہاں! مجھے راستہ معلوم ہے۔

لڑکی اسلحہ نکالا اور کافی سارے ہیرے جواہرات بھی لے لئے اور خود مردوں کا لباس اور اسلحہ پہن لیا۔ امیر نے بھی اسلحہ زیب تن کیا اور دونوں طرفوں کی طرف بڑھے۔ یہاں سے طرفوں کا فاصلہ تیس منزل کا تھا (یعنی روم سے لے کر طرفوں تک) سفر میں انہیں دوسرا دن تھا اور انہوں نے ابھی صرف تین منزلیں طے کی تھیں کہ انہوں نے دور سے غبار اٹھتا ہوا دیکھا۔

امیر نے لڑکی سے کہا تمہاری نظر زیادہ تیز ہے۔ دیکھو! یہ غبار کیسا ہے؟ وہ کہنے لگی چھ گھڑ سوار نظر آ رہے ہیں۔ ان کے نیچے اعلیٰ قسم کے گھوڑے ہیں۔ تھوڑے ہی دیر میں وہ چھ گھڑ سوال ان دونوں کے پاس پہنچ گئے۔ جب امیر نے انہیں دیکھا تو حیران رہ گیا۔ یہ اس کے چھ شہید ساتھی تھے۔ جنہیں بادشاہ نے جلا کر شہید کیا تھا۔ اس نے انہیں اور انہوں نے اسے پہچانا۔ امیر نے انہیں کہا تمہیں تو بادشاہ روم نے شہید کر دیا تھا۔ وہ کہنے لگا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا کہ ہر شہید زندہ ہوتا اور صبح و شام اللہ کی دی ہوئی روزی سے کھاتا پیتا ہے۔ (جامع الفنون)

قارئین کرام! امیر جو چھ ڈاکوؤں کا سردار تھا، اس نے اور اس کے چھ ساتھیوں نے سابقہ گناہوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔ جب عیسائیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تو عیسائیوں نے ان کو اسلام سے ہٹانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے اور نہ ان کو نہ ماننے پر گرم کھوتی ہوئی تیل کی دیگ میں ڈال کر ختم کر دیا۔ لیکن امیر کی جان بچ گئی۔ وہ عیسائی وزیر کی لڑکی کے ساتھ مسلمانوں کے ملک طرفوں کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں اس کے چھ شہید ساتھی ملے۔ امیر نے حیران ہو کر کہا کہ تم کو بادشاہ روم نے گرم تیل کی دیگ میں ڈال کر جلا دیا تھا۔

اس کے چھ شہید ساتھیوں نے کہا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا کہ ہر شہید زندہ ہوتا ہے، صبح و شام روزی کھاتا ہے۔ یہاں سے ثابت ہو رہا ہے کہ شہید کو گرم تیل کی دیگ میں ڈال کر جلا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے شہید کو اس کے جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ جاوید بنادیا اور شہداء کی روح کو دوبارہ جسم میں لوٹا دیا گیا۔ وقت کے چھ ڈاکو گناہوں سے توبہ کر کے حق کی خاطر جان دے کر زندہ جاوید بن سکتے ہیں تو نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام صغیر و کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ان کے اجسام مبارک قبر میں بے جان کیسے ہو سکتے ہیں؟

۲..... محمود راقیؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایک کالے رنگ کا مبارک نامی شخص تھا، ہم اسے کہتے تھے کہ اے مبارک! کیا آپ شادی نہیں کرتے؟ تو وہ کہتے تھے نہیں، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ حور عین سے میری شادی کر دے۔ محمودؓ فرماتے ہیں کہ ہم جہاد میں ٹھکے ہوئے تھے کہ دشمنوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ اس میں مبارک شہید ہو گیا۔ ہم نے اسے دیکھا اس کا سرا لگ پڑا ہوا تھا اور باقی جسم الگ اور اس کے ہاتھ اس کے سینے کے نیچے تھے۔ ہم اس کے پاس کھڑے ہوئے اور ہم نے کہا اے مبارک! اللہ تعالیٰ نے کتنی حوروں سے آپ کی شادی کرائی ہے؟ انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے سینے سے نکالا اور تین انگلیاں بلند کر کے اشارہ کیا۔ یعنی تین حوروں سے شادی ہوئی ہے۔ (روض الیامین)

۳..... حضرت انسؓ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بندے قیامت کے دن حساب کے لئے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی تلواریں گردنوں پر اٹھائے ہوئے آئیں گے۔ ان سے خون بہہ رہا ہوگا، وہ جنت کے دروازوں پر چڑھ دوڑیں گے۔ پوچھا جائے گا کہ یہ کون ہیں؟ جواب ملے گا یہ شہداء ہیں جو زندہ تھے اور انہیں روزی ملتی تھی۔ (الطبرانی، مجمع الزوائد)

۴..... حضور اکرم ﷺ احد کے دن حضرت مصعب بن عمیرؓ پر کھڑے ہوئے تھے اور حضرت مصعبؓ زمین پر شہید پڑے ہوئے تھے۔ اس دن انہی کے ہاتھ میں حضور اکرم ﷺ کا جھنڈا تھا۔

آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ”مَنْ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَلُوا تَبْدِيلًا“ (الاحزاب: ۲۳) ”ایمان والوں میں کچھ مرد ایسے ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھلایا پھر بعض تو ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنا ذمہ پورا کر لیا اور بعض ان میں سے (اللہ کے راستے میں جان قربان کرنے کے لئے) راہ دیکھ رہے ہیں اور وہ ذرہ (برابر) نہیں بدلے۔

بے شک اللہ کے رسول ﷺ تمہارے لئے گواہی دیتے ہیں کہ تم قیامت کے دن اللہ کے سامنے شہداء میں سے ہو۔ پھر آپ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! تم ان کے پاس آیا کرو، ان کی زیارت کیا کرو ان کو سلام کیا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت کے دن تک جو بھی انہیں سلام کہے گا، یہ اسے جواب دیں گے۔ (کتاب الجہاد لابن المبارک مرسل)

گویا کہ شہداء کرام کی شہادت کے بعد روح کا تعلق جسد عنصری کے ساتھ دوبارہ جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس لئے جو لوگ شہداء کرام کی قبور پر انہیں سلام کریں گے وہ (شہداء کرام) اسے جواب بھی دیتے ہیں۔ زندہ ہیں تو جواب دیتے ہیں۔

۵..... حضرت امام مالکؓ، عبدالرحمن بن ابی صصعہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ دونوں انصاری صحابی تھے۔ سیلاب کی وجہ سے ان کی قبریں کھولی گئیں تاکہ ان کی جگہ بدلی جاسکے۔ یہ دونوں حضرات ایک قبر میں تھے۔ جب ان کی قبریں کھولی گئیں تو ان کے جسموں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ گویا کہ انہیں کل دفن کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک کا ہاتھ شہادت کے وقت ان کے زخم پر تھا اور وہ اسی حالت میں دفن کئے گئے تھے۔ دیکھا گیا کہ اب تک ان کا ہاتھ اسی طرح ہے۔ لوگوں نے وہ ہاتھ وہاں سے ہٹایا مگر وہ ہاتھ واپس اسی طرح زخم پر چلا گیا۔ غزوہ احد کے دن یہ حضرات شہید ہوئے تھے اور قبریں کھودنے کا یہ واقعہ اس کے چھیالیس سال بعد کا ہے۔ (موطا امام مالک، سیر اعلام النبلاء)

۶..... قیس بن حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے کسی رشتے دار نے خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا تم لوگوں نے مجھے ایسی جگہ دفن کر دیا ہے جہاں پانی مجھے تکلیف پہنچاتا ہے۔ میری جگہ یہاں سے تبدیل کرو۔ رشتے داروں نے قبر کھودی تو ان کا جسم نرم و نازک چمڑے کی طرح تھا اور داڑھی کے چند بالوں کے علاوہ جسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ (مصنف عبد الرزاق)

۷..... حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس کا واقعہ بہت مشہور ہے اور یہ واقعہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مفسرین کرام رضی اللہ عنہم نے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ثابت کی بیٹی فرماتی ہیں کہ جب قرآن مجید یہ آیت نازل ہوئی: ”یا ایہا الذین امنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (الحجرات: ۲)“ اے اہل ایمان اپنی آوازیں پیغمبر ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو۔

تو میرے والد گھر کے دروازے بند کر کے اندر بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ جب اللہ کے نبی ﷺ نے انہیں نہ پایا تو بلا کر گھر بیٹھ رہنے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میری آواز (طبعی طور پر) بلند ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا آپ ان میں سے نہیں بلکہ آپ خیر والی زندگی جئیں گے اور خیر والی موت ملیں گے۔

ان کی بیٹی کہتی ہے کہ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: ”ولا تصغر خذک للناس ولا تمش فی الارض مرحاً۔ ان اللہ لایحب کل مختال فخور (لقمان: ۱۸)“ اور زمین پر اکڑ کر مت چلو، اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔

تو میرے والد نے پھر دروازہ بند کر دیا۔ گھر میں بیٹھ گئے اور روتے رہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جب انہیں نہ پایا تو انہیں بلوایا اور وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں خوب صورتی کو بھی پسند کرتا ہوں اور اپنی قوم کی قیادت کو بھی۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا آپ ان میں سے نہیں (جن کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے) بلکہ آپ تو بڑی پسندیدہ زندگی گزاریں گے اور شہادت کی موت پا کر جنت میں داخل ہوں گے۔

جنگ یمامہ کے دن جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں نے مسلمانہ کذاب پر حملہ کیا تو ابتداء میں مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس وقت حضرت ثابت بن قیس اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں تو اس طرح نہیں لڑتے تھے۔

پھر دونوں حضرات نے اپنے لئے ایک ایک گڑھا کھودا اور اس میں کھڑے ہو کر ڈٹ کر لڑتے رہیں۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس دن حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک قیمتی ذرہ پہن رکھی تھی۔ ان کی شہادت کے بعد ایک مسلمان نے وہ ذرہ اٹھالی۔ اگلے دن ایک مسلمان نے خواب دیکھا کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اسے فرما رہے ہیں میں تمہیں وصیت کر رہا ہوں تم اسے خیال سمجھ کر ضائع نہ کر دینا۔ میں جب کل شہید ہوا تو ایک مسلمان میرے پاس سے گزرا اور اس نے میری ذرہ اٹھالی۔ وہ شخص لوگوں میں سب سے دور جگہ پر رہتا ہے اور اس کے خیمے کے پاس ایک گھوڑا رسی میں بندھا ہوا کود رہا ہے اور اس نے میری ذرہ کے اوپر ایک بڑی ہانڈی رکھ دی ہے اور اس ہانڈی کے اوپر ایک اور بڑی ہانڈی رکھ دی ہے اور اس ہانڈی کے اوپر اونٹ کا کجاوہ رکھا ہوا ہے۔ تم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے

پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ وہ کسی کو بھجوا کر میری زرہ اس شخص سے لے لیں۔ پھر جب تم مدینہ منورہ جانا تو حضور اکرم ﷺ کے خلیفہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہنا کہ میرے ذمے اتنا اتنا قرضہ ہے اور میرے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں (پھر اس خواب دیکھنے والے کو فرمایا) اور تم اسے جھوٹا خواب سمجھ کر بھلا مت دینا۔

چنانچہ (صبح) وہ شخص حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان تک پیغام پہنچایا تو انہوں نے آدمی بھیج کر زرہ وصول فرمائی۔ پھر مدینہ پہنچ کر اس شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پورا خواب سنایا تو انہوں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت کو جاری فرما دیا۔ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے مرنے کے بعد وصیت کی ہو اور اس کی وصیت کو پورا کیا گیا ہو، سوائے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے۔ (المستدرک)

۸..... علامہ حزولی رحمہ اللہ نے ابو محمد عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ کچھ معتمد لوگوں نے حضرت ابو محمد رحمہ اللہ سے خود سنا ہے۔ ابو محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں عبدالرحمن بن ناصرا ندکی کے زمانے میں خندق والے سال جہاد میں نکلا۔ لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی اور بچ جانے والے مختلف اطراف میں بکھر گئے۔ میں بھی بچ جانے والوں میں شامل تھا۔ میں دن کو چھپ جاتا تھا اور رات کو چلتا تھا۔ ایک رات اچانک میں ایک ایسے لشکر میں پہنچ گیا جس نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ آگ جل رہی تھی اور جگہ جگہ قرآن پاک کی تلاوت ہو رہی تھی۔ میں نے شکر ادا کیا کہ مسلمانوں کے لشکر میں پہنچ گیا ہوں۔ چنانچہ میں ان کی طرف چل پڑا۔ اچانک میری ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی۔ اس کا گھوڑا قریب بندھا ہوا تھا اور وہ سورۃ بنی اسرائیل کی تلاوت کر رہا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے جواب دے کر کہا کیا آپ بچ جانے والوں میں سے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں!

اس نے کہا آپ بیٹھے اور آرام کیجئے۔ پھر وہ میرے پاس بے موسم کے انگور دو روٹیاں اور پانی کا پیالہ لے آیا۔ میں نے ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا تھا۔ پھر اس نے کہا کیا آپ سونا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں! اس نے اپنی ران پر میرا سر رکھا اور میں سو گیا۔ یہاں تک کہ سورج کی شعاعوں نے مجھے جگایا۔ میں نے دیکھا کہ اس میدان میں کوئی بھی نہیں ہے اور میرا سر ایک انسانی ہڈی کے اوپر پڑا ہوا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ سب شہداء کرام تھے۔ میں اس دن چھپا رہا۔ جب رات ہوئی تو پھر میں نے دیکھا کہ ایک لشکر وہاں سے گزر رہا ہے اور وہ گزرتے ہوئے مجھے سلام کرتے تھے اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے۔ ان سب کے آخر میں ایک آدمی لنگڑے گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا تو میں نے کہا اے بھائی! یہ کون لوگ ہیں؟

اس نے کہا یہ شہداء ہیں اور اپنے گھر والوں سے ملنے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا تمہارا گھوڑا لنگڑا کیوں ہے؟ اس نے کہا اس گھوڑے کی قیمت میں سے میرے ذمہ دود دینا رہا ہے۔

میں نے کہا اللہ کی قسم! اگر میں مسلمانوں کے ملک پہنچ گیا تو تمہارے یہ دود دینا ادا کر دوں گا۔ یہ گھڑ سوار گھوڑا چلاتا ہوا لشکر میں شامل ہو گیا۔ پھر وہ واپس لوٹا اور اس نے مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا۔ جب صبح مرغوں کی اذان سنائی دی تو ہم مدینہ سالم (نامی جگہ) پہنچ چکے تھے۔ اس شہر اور اس جگہ جہاں سے میں سوار ہوا تھا کے درمیان دس دن کی مسافت تھی۔ اس شہید نے مجھے کہا تم اس شہر میں چلے جاؤ۔ میں اسی میں رہتا تھا۔ وہاں جا کر تم محمد بن یحییٰ غافقی کے گھر کا پوچھنا۔ اس گھر میں جا کر تم میری بیوی جس کا نام فاطمہ بنت سالم ہے کو میرا سلام کہنا اور اسے یہ پیغام دینا کہ طاقے میں ایک تھیلی ہے۔ جس میں پانچ سو دینار رکھے ہوئے ہیں۔ تم ان میں سے دود دینا فلاں آدمی کو پہنچا دو۔

کیونکہ میرے ذمے گھوڑے کی قیمت میں سے یہ دو دینار باقی ہیں۔ میں شہر میں داخل ہوا اور میں نے اس کے کہنے کے مطابق کیا۔ اس کی بیوی نے وہ تھیلی نکالی، پھر مجھے کھانا کھلایا اور دس دینار دے کر کہا کہ یہ سفر میں آپ کے کام آئیں گے۔ (شرح دیباچہ الرسالہ)

۹..... سعید الجمحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم سمندر میں جہاد کے لئے نکلے۔ ہمارے ساتھ ایک بہت عبادت گزار نوجوان بھی تھا۔ جب سخت لڑائی شروع ہوئی تو وہ بھی لڑتا ہوا شہید ہو گیا اور اس کی گردن کٹ گئی۔ ہم نے دیکھا کہ وہ سرپانی کے اوپر آیا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر یہ آیت پڑھنے لگا: ”وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يَفْلَحُ الظَّالِمُونَ (القصص: ۳۷)“ اور وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے (اور انجام نیک) تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔ (شوق العروس والنس العفوس)

۱۰..... ابو عمران الجونی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ مسلمانوں میں ایک شخص بطل نامی تھا۔ وہ رومیوں کے علاقے میں چلا جاتا اور ان کا حلیہ اپنالیتا اور اپنے سر پر انہی کی ٹوپی پہن کر انجیل گلے میں لٹکا لیتا تھا۔ پھر اگر اسے دس سے پچاس تک رومی کہیں مل جاتے تو انہیں قتل کر دیتا تھا اور اگر اس سے زیادہ ہوتے تو انہیں کچھ نہیں کہتا تھا۔ چونکہ رومی اسے اپنا پادری سمجھتے تھے۔ اس لئے اسے کچھ نہیں کہتے تھے۔ اس طرح سے ساہا سال تک وہ رومیوں کے اندر گھس کر (یہ خفیہ) کارروائیاں کرتا رہا۔

ہارون الرشید رحمہ اللہ کے زمانے میں وہ واپس آیا تو ہارون الرشید رحمہ اللہ نے اسے بلایا اور فرمایا اے بطل! رومیوں کے ملک میں جو سب سے عجیب واقعہ تمہارے ساتھ پیش آیا ہو؟ وہ سناؤ۔ اس نے کہا حاضر اے امیر المؤمنین! (لیجئے، سنئے) میں ایک بار کسی سبزہ زار سے گزر رہا تھا کہ ایک نیزہ بردار مسلح شہسوار میرے پاس آیا اور اس نے مجھے سلام کیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ مسلمان ہے۔ میں نے اسے جواب دیا۔

اس نے مجھے کہا کیا آپ بطل کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا میں بطل ہوں۔ تمہیں کیا کام ہے؟ اس نے گھوڑے سے اتر کر مجھے گلے لگایا اور میرے ہاتھوں پاؤں چومے اور کہا میں اس لئے آیا ہوں تاکہ زندگی بھر آپ کا خادم بن کر رہوں۔ میں نے اسے دعادی اور ساتھ لے لیا۔ ایک بار ہم جا رہے تھے کہ رومیوں نے ہمیں دور ایک قلعے سے دیکھ لیا۔ وہاں سے چار مسلح سپاہی گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہماری طرف بڑھے۔

اس نوجوان نے کہا اے بطل مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کا مقابلہ کروں۔ میں نے اجازت دے دی۔ وہ ان کے مقابلے پر نکلا اور تھوڑی دیر کے مقابلے کے بعد شہید ہو گیا۔ وہ چاروں میری طرف حملہ کرنے کے لئے بڑھے اور کہنے لگے تم خود کو بچاؤ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ چھوڑ جاؤ۔

میں نے کہا میرے پاس تو یہی ٹوپی اور انجیل ہے۔ اگر تم مجھ سے لڑنا چاہتے ہو تو مجھے مہلت دو۔ تاکہ میں اپنے ساتھی کا اسلحہ پہن لوں اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے تمہیں اجازت ہے۔ میں جب تیار ہو گیا تو وہ پھر آگے بڑھے۔ میں نے کہا یہ کیسا انصاف ہے کہ چاروں مل کر ایک پر حملہ کر رہے ہو تم بھی ایک ایک کر کے میرا مقابلہ کرو۔

انہوں نے کہا ٹھیک کہتے ہو۔ چنانچہ وہ ایک ایک کر کے میرے مقابلے پر آتے رہے۔ میں نے تین کو تو مار گرایا۔ مگر چوتھے کے ساتھ مقابلہ سخت رہا۔ لڑتے لڑتے ہمارے نیزے، تلواریں اور ڈھالیں ٹوٹ گئیں۔ پھر

دونوں میں کشتی شروع ہو گئی۔ مگر کوئی غالب نہ آسکا۔ میں نے اسے کہا اے رومی! میری نماز قضا ہو رہی ہے اور تمہاری عبادت بھی چھوٹ رہی ہوگی تو کیوں نہ ہم اپنی اپنی عبادات کو ادا کریں، رات کو آرام کریں اور کل صبح پھر مقابلہ کریں۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے وہ خود ایک پادری تھا، ہم نے ایک دوسرے کو چھوڑ دیا۔ میں نے اپنی نمازیں پڑھیں اور وہ کافر بھی کچھ کرتا رہا۔ سوتے وقت اس نے کہا تم عرب لوگ دھوکے باز ہوتے ہو۔ پھر اس نے دو گھنٹیاں نکالیں ایک اپنے کان پر اور ایک میرے کان پر باندھ دی اور کہا تم اپنا سر میرے اوپر اور میں اپنا سر تمہارے اوپر رکھوں گا۔ ہم میں سے جو بھی حرکت کرے گا۔ اس کی گھنٹی بجے گی تو دوسرا متنبہ ہو جائے گا۔

میں نے کہا ٹھیک ہے، صبح میں نے نماز پڑھی اور وہ کافر کچھ کرتا رہا۔ پھر ہم کشتی میں مشغول ہو گئے۔ میں نے اسے پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ کر اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے کہا اس بار مجھے چھوڑ دو تا کہ ہم پھر مقابلہ کریں۔ میں نے اسے چھوڑ دیا، جب دوبارہ مقابلہ شروع ہوا تو میرا پاؤں پھسل گیا۔ وہ مجھے گرا کر میرے سینے پر بیٹھ گیا اور اس نے خنجر نکال لیا۔ میں نے کہا میں تمہیں ایک بار موقع دے چکا ہوں۔ کیا تم مجھے موقع نہیں دو گے؟ اس نے کہا ٹھیک ہے اور مجھے چھوڑ دیا۔ تیسری بار کی لڑائی میں اس نے مجھے پھر گرا دیا اور میرے کہنے پر مجھے چھوڑ دیا۔ جب چوتھی بار اس نے مجھ گرایا تو کہنے لگا میں تمہیں پہچان چکا ہوں کہ تم بطل ہو۔ اب میں تمہیں لازماً ذبح کروں گا اور زمین کو تجھ سے راحت دوں گا۔ میں نے کہا کہ اگر میرے اللہ نے مجھے پہچانا چاہا تو تم نہیں مار سکو گے۔

اس نے کہا تم اپنے رب کو بلاؤ کہ وہ تمہیں مجھ سے بچائے۔ یہ کہہ کر اس نے خنجر بلند کیا تا کہ میری گردن پر وار کرے۔ اے امیر المؤمنین! اسی وقت میرا شہید ساتھی اٹھا اور اس نے تلوار مار کر اس رومی کا سراڑا دیا اور اس نے یہ آیت پڑھی: ”وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ (آل عمران: ۱۶۹)“ تم شہیدوں کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں۔

پھر وہ دوبارہ گر گیا۔ یہ وہ عجیب ترین واقعہ ہے جو میں نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے۔ (روضۃ العلماء) یہ ہے شہداء کرام کی وہ زندگی جو شہادت کے بعد ملتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے لفظ بل احیاء میں فرمایا ہے۔ جب شہداء کا یہ مقام ہے تو نبی کریم ﷺ کی حیات بعد الوفات کتنی اعلیٰ ہے۔ ”وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ“ لیکن تم کو (شہادت کے بعد ملنے والی زندگی کی) کوئی خبر نہیں۔

اتنا تو ثابت ہو رہا ہے کہ شہید کو شہادت کے بعد جو زندگی ملتی ہے وہ جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔ لیکن ہم کو وہ زندگی محسوس نہیں ہوتی۔ ہمارا تو ایمان و عقیدہ اللہ تعالیٰ کے فرمان پر ہے کہ شہید جس طرح شہادت سے پہلے زندہ تھا۔ شہادت کے بعد بھی اسی جسم کے ساتھ زندہ ہے۔ ”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءُ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرة)“

جس طرح ہمارا ایمان ہے اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن ہم نے خدا کو دیکھا نہیں، جس طرح ہمارا ایمان ہے کہ دوزخ و جنت موجود ہے لیکن دیکھی نہیں۔ جس طرح ہمارا ایمان ہے فرشتے موجود ہیں لیکن ہم نے فرشتوں کو دیکھا تک نہیں۔ جس طرح ہمارا ایمان ہے کہ شہداء کرام شہادت کے بعد اپنے اجسام مع روح کے زندہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا ایمان و عقیدہ اور تمام اکابرین علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے جسد مبارک مع روح مبارک کے ساتھ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں۔

۱۱..... حضرت محمد بن قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص جو حضور اکرم ﷺ کی حفاظت کیا کرتے تھے، احد کے دن ان کو کسی نے بتایا کہ حضور اکرم ﷺ شہید ہو چکے ہیں تو انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نے دین پہنچا دیا۔

چنانچہ اب تم سب (مسلمان) ان کے دین کے لئے جہاد کرو۔ پھر وہ تین بار اٹھے اور ہر بار موت کے منہ تک پہنچے اور بالآخر تیسرے حملے میں شہید ہو گئے۔ جب ان کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور اپنے (شہداء) ساتھی بھی ملے تو وہاں کی نعمتیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے۔

اے ہمارے پروردگار! کیا کوئی قاصد نہیں ہے جو حضور ﷺ کو ہماری یہ حالت بتا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارا قاصد ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس جا کر یہ آیات سنائیں ”ولا تحسبن“ سے آخر تک۔ (اخرجہ المنذری فی تفسیرہ)

۱۲..... حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک دن مجھے دیکھا تو فرمایا: اے جابر رضی اللہ عنہ کیا بات ہے؟ تم فکر مند نظر آ رہے ہو۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور اپنے اوپر قرعہ اور اہل و عیال چھوڑ گئے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے بات کی تو پردے کے پیچھے سے کی۔ لیکن تمہارے والد سے آئے سانسے بات فرمائی اور کہا مجھ سے جو مانگو میں دوں گا۔

تمہارے والد نے کہا مجھے دنیا میں واپس بھیج دیجئے تاکہ دوبارہ شہید ہو سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میری طرف سے پہلے ہی یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ کسی کو واپس نہیں جانا۔ تمہارے والد نے کہا اے میرے پروردگار پیچھے والوں کو ہماری حالت کی اطلاع دے دیجئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں ”ولا تحسبن“ سے آخر تک۔ (ترمذی، ابن ماجہ، المستدرک)

(۱) علامہ قرطبی اور اکثر علماء کرام فرماتے ہیں کہ شہداء کی حیات یقینی چیز ہے اور بلاشبہ وہ جنت میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اور ان کی موت بھی ہو چکی ہے اور ان کے جسم مٹی میں ہیں (یعنی قبروں میں) اور ان کی روہیں دوسرے ایمان والوں کی ارواح کی طرح زندہ ہیں۔ البتہ شہداء کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان کے لئے شہادت کے وقت سے جنت کی روزی جاری کر دی جاتی ہے تو گویا کہ ان کے لئے ان کی دنیوی زندگی جاری ہے اور وہ ختم نہیں ہوئی۔

(۲) علماء کی ایک جماعت کا فرمانا ہے کہ قبروں میں شہداء کرام کی ارواح ان کے جسموں میں لوٹا دی جاتی ہیں اور وہ عیش و آرام کے مزے کرتے ہیں جیسا کہ کافروں کو ان کی قبروں میں زندہ کر کے عذاب دیا جاتا ہے۔

(۳) مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شہداء کو جنت کے پھل کھلائے جاتے ہیں۔ یعنی جنت سے باہر رہ کر جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔

(۴) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی روہیں سبز پرندوں میں ڈال دی جاتی ہیں اور وہ جنت میں رہتے ہیں اور وہ کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قول قرار دیا ہے۔

(۵) ایک قول یہ ہے کہ ان کی روہیں عرش کے نیچے قیامت تک رکوع سجدے میں مشغول رہتی ہیں جیسا کہ ان زندہ مسلمانوں کی روہیں جو با وضو سوتے ہیں۔

(۶) ایک قول یہ ہے کہ ان کے جسم قبر میں خراب نہیں ہوتے اور انہیں زمین نہیں کھاتی۔ یہی ان کی زندگی ہے۔ مصنف رحمہ اللہ (علامہ ابن النحاس) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک (واللہ اعلم) شہداء کی حیات کا مطلب یہ ہے کہ شہداء کو ایک طرح کی جسمانی زندگی بھی حاصل ہوتی ہے۔ جو دوسرے مردوں کی زندگی سے زیادہ ممتاز ہوتی ہے اور ان کی ارواح کو بھی اللہ کے ہاں مختلف مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی ان کی روحوں کا تعلق ان کے جسموں سے بھی رہتا ہے اور ان کی ارواح کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مختلف مقامات ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی ارواح سبز پرندوں میں ہوتی ہیں اور وہ جنت میں کھاتے پیتے ہیں اور عرش کے سائے میں بنی ہوئی قدیلوں میں بیٹھتے ہیں اور ان میں سے کچھ جنت کے دروازے کے پاس دریا کے کنارے والے محل میں ہوتے ہیں اور جنت سے صبح و شام ان کی روزی آتی ہے اور کچھ ان میں سے فرشتوں کے ساتھ جنت میں اور آسمانوں میں اڑتے پھرتے ہیں۔ (فضائل جہاد کامل)

نبی پاک ﷺ کی قبر شریف میں جسمانی حیات

دلیل نمبر ۱: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیاً ابلغته“ جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے، میں اسے خود سنوں گا اور جو شخص مجھ پر دور سے درود شریف پڑھے، وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۸۷)

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے ”قول بدیع“ میں متعدد روایات سے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ جو شخص دور سے درود بھیجے، فرشتہ اس پر متعین ہے کہ حضور ﷺ تک پہنچائے اور جو شخص قریب سے پڑھتا ہے حضور اکرم ﷺ اس کو خود سنتے ہیں۔ ☆..... علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے ”قول بدیع“ میں سلیمان بن تحیم سے نقل کیا ہے کہ میں نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ جو حاضر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ پر سلام کرتے ہیں، آپ ﷺ اس کو سمجھتے ہیں؟

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں! سمجھتا ہوں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

☆..... ابراہیم بن شیبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حج سے فراغ پر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور میں نے قبر شریف کے پاس جا کر سلام عرض کیا تو میں نے حجرہ شریف کے اندر سے وعلیک السلام کی آواز سنی۔

☆..... علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے ”قول بدیع“ میں لکھا ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کے بدن اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع ہے۔ (قول بدیع)

☆..... محمد بن سعید بن مطرف رحمہ اللہ جو نیک لوگوں میں سے ایک بزرگ تھے، کہتے ہیں کہ میں نے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ رات کو سونے کے واسطے لیٹتا تو ایک مقدار معین درود شریف کی پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات کو میں نے بالا خانہ پر اپنا معمول پورا کر کے سو گیا تو حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا حضور اکرم ﷺ بالا خانہ کے دروازہ سے اندر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ لاؤ اس منہ کو لاؤ جس سے تو کثرت سے مجھ پر درود پڑھتا ہے، میں اس کو چوموں گا۔ مجھے اس سے شرم آئی کہ میں دہن مبارک کی طرف منہ کروں تو میں نے ادھر سے اپنا منہ کو پھیر لیا تو حضور اکرم ﷺ نے میرے رخسار پر پیار کیا۔ میری گھبراہٹ گئی۔ میری گھبراہٹ سے میری بیوی جو میرے پاس پڑی ہوئی تھی۔ اس کی بھی ایک دم آنکھ کھل گئی تو سارا بالا خانہ مٹک کی خوشبو سے مہک رہا تھا اور مٹک کی خوشبو میرے رخسار میں سے آٹھ دن تک آتی رہی۔ (قول بدیع)

☆..... محمد بن مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں بغداد گیا تاکہ قای ابو بکر بن مجاہد رحمہ اللہ کے پاس کچھ پڑھوں۔ ہم لوگوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر تھی اور قرأت ہو رہی تھی۔ اتنے میں ایک بڑے میاں ان کی مجلس میں آئے۔ جس کے سر پر بہت ہی پرانا عمامہ تھا۔ ایک پرانا کرتہ تھا۔ ایک پرانی چادر تھی۔ ابو بکر رحمہ اللہ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنی جگہ بٹھایا اور ان سے ان کے گھر والوں کی اہل و عیال کی خیریت پوچھی۔ ان بڑے میاں نے کہارات میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ گھر والوں نے مجھ سے گھی اور شہد کی فرمائش کی۔

شیخ ابو بکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ان کا حال سن بہت ہی رنجیدہ ہوا اور اسی رنج و غم کی حالت میں میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اتنا رنج کیوں ہے؟ علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس جا اور اس کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ علامت بتانا کہ تو ہر جمعہ کی رات کو اس وقت تک نہیں سوتا جب تک مجھ پر ایک ہزار مرتبہ درود نہ پڑھ لے اور اس جمعہ کی رات میں تو نے سات سو مرتبہ پڑھا تھا کہ تیرے پاس بادشاہ کا آدمی بلانے آگیا تو وہاں چلا گیا اور وہاں سے آنے کے بعد تو نے اس مقدار کو پورا کیا۔ یہ علامت بتانے کے بعد اس سے کہنا کہ اس نو مولود کے والد کو سودینا دے دے تاکہ یہ اپنی ضروریات میں خرچ کر لے۔

قاری ابو بکر رحمہ اللہ اٹھے اور ان بڑے میاں نو مولود کے والد کو ساتھ لیا اور دونوں وزیر کے پاس پہنچے۔ قاری ابو بکر رحمہ اللہ نے وزیر سے کہا ان بڑے میاں کو حضور اکرم ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ وزیر کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنی جگہ بٹھایا اور ان سے قصہ پوچھا۔ شیخ ابو بکر رحمہ اللہ نے سارا قصہ سنایا۔ جس سے وزیر کو بہت ہی خوشی ہوئی اور اپنے غلام کو حکم کیا کہ ایک توڑا نکال کر لائے (توڑا ہمیانی تھیلی جس میں دس ہزار کی مقدار ہوتی ہے) اس میں سے سودینا اس نو مولود کے والد کو دیئے۔ اس کے بعد سو اور نکالے تاکہ شیخ ابو بکر رحمہ اللہ کو دے۔ شیخ نے لینے سے انکار کیا۔ وزیر نے اصرار کیا کہ ان کو لے لیجئے۔ اس لئے کہ یہ بشارت کی وجہ سے ہے جو آپ نے مجھے اس واقعہ کے متعلق سنائی۔ اس لئے کہ یہ واقعہ یعنی ایک ہزار درود شریف والا ایک راز ہے، جس کو میرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر سودینا اور نکالے اور یہ کہا کہ یہ اس خوشخبری کے بدلے میں ہیں کہ تم نے مجھے اس کی بشارت دی کہ نبی کریم ﷺ کو میرے درود شریف پڑھنے کی اطلاع ہے۔

پھر سو اشرفیاں اور نکالیں اور یہ کہا کہ یہ اس مشقت کے بدلے میں ہے جو تم کو یہاں آنے میں ہوئی اور اسی طرح سو سودینا نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک ہزار دینار نکال لئے۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم اس مقدار یعنی سودینا سے زیادہ نہیں لیں گے جن کا حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔ (قول بدیع)

☆..... علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ احمد بن ارسلان رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ایک معتمد نے کہا کہ ان کو نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ کتاب ”قول بدیع فی الصلوٰۃ علی حبیب الشفیع“ جو حضور اکرم ﷺ پر درود ہی کے بیان میں علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی مشہور تالیف ہے۔ حضور اکرم ﷺ خدمت میں پیش کی گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کو قبول فرمایا۔ (قول بدیع)

☆..... حافظ ابو نعیم رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں (یعنی سفیان ثوری رحمہ اللہ) ایک دفعہ باہر جا رہا تھا۔ میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ جب وہ قدم اٹھاتا ہے یا رکھتا ہے تو یوں کہتا ہے: ”اللہم صل علی محمد و علی آل محمد“ میں نے اس سے پوچھا کیا کسی علمی دلیل سے تیرا یہ عمل ہے؟ (یا محض اپنی رائے سے) اس نے پوچھا تم کون ہو؟

میں نے کہا: سفیان ثوری۔

اس نے کہا: کیا عراق والے سفیان؟

میں نے کہا: ہاں!

کہنے لگا: تجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے؟

میں نے کہا: ہاں۔

اس نے پوچھا: کس طرح معرفت حاصل ہے؟

میں نے کہا: رات سے دن نکالتا ہے، دن سے رات نکالتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچے کی صورت پیدا کرتا ہے۔

اس نے کہا: کچھ نہیں پہچانا۔

میں نے کہا: پھر تو کس طرح پہچانتا ہے۔

اس نے کا: کسی کام کا پختہ ارادہ کرتا ہوں، اس کو فتح کرنا پڑتا ہے۔ کسی کام کو کرنے کی ٹھان لیتا ہوں مگر

نہیں کر سکتا۔ اس سے میں نے پہچان لیا کہ کوئی دوسری ہستی ہے جو میرے کاموں کو انجام دیتی ہے۔

میں نے پوچھا: یہ تیرا درود (شریف) کیا چیز ہے؟

اس نے کہا: میں اپنی ماں کے ساتھ حج کو گیا تھا۔ میری ماں وہی رہ گئی (یعنی مر گئی) اس کا منہ کالا ہو گیا

اور اس کا پیٹ پھول گیا۔ جس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ بہت بڑا سخت گناہ ہوا ہے اس سے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی

طرف دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو میں نے دیکھا کہ تہامہ (حجاز) سے ایک ابر آیا۔ اس سے ایک آدمی ظاہر ہوا۔ اس

نے اپنا مبارک ہاتھ میری ماں کے منہ پر پھیرا، جس سے وہ بالکل روشن ہو گیا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو ورم بالکل جاتا

رہا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں کہ میری اور میری ماں کی مصیبت کو آپ نے دور کیا؟ انہوں نے فرمایا

کہ میں تیرا نبی محمد ﷺ ہوں۔ (نہمہ)

☆..... شیخ ابوالخیر قطع فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ میں آیا۔ پانچ دن وہاں قیام کیا۔ کچھ مجھ کو ذوق و لطف حاصل

نہ ہوا۔ میں قبر شریف کے پاس حاضر ہوا اور حضرت رسول خدا ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام

کیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آج میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔

پھر وہاں سے ہٹ کر منبر کے پیچھے سو رہا۔ خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

آپ ﷺ کی داہنی طرف اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی بائیں جانب تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے آگے

تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ کو ہلایا اور فرمایا کہ اٹھ حضور اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں۔ میں (خواب میں ہی) اٹھا

اور حضرت ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان چوما۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک روٹی مجھ کو عنایت فرمائی۔ میں نے

آدمی کھائی اور جاگا تو آدمی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔ (قول بدیع)

☆..... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میرے والد (شاہ عبدالرحیم) نے مجھے بتایا کہ وہ ایک

دفعہ بیمار ہوئے تو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے بیٹے! کیسی

طبیعت ہے؟ اس کے بعد شفا کی بشارت عطا فرمائی اور اپنی داڑھی مبارک میں سے دو بال مرحمت فرمائے۔ مجھے

اسی وقت صحت ہو گئی اور جب میری آنکھ کھلی تو وہ دونوں بال میرے ہاتھ میں تھے۔ (حرز مبین ص ۱۵)

☆..... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے ارشاد فرمایا کہ وہ رمضان المبارک میں سفر کر رہے تھے۔ نہایت شدید گرمی تھی۔ جس کی وجہ سے بہت ہی مشقت اٹھانی پڑی۔ اسی حالت میں مجھے اونگھ آگئی تو نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے نہایت ہی لذیذ کھانا جس میں چاول، میٹھا، زعفران اور گھی خوب تھا (نہایت لذیذ زردہ) مرحمت فرمایا۔ جس کو خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے پانی مرحمت فرمایا۔ جس کو خوب سیر ہو کر پیا۔ جس سے بھوک پیاس سب جاتی رہی اور جب آنکھ کھلی تو میرے ہاتھوں میں سے زعفران کی خوشبو آ رہی تھی۔ (حرز مبین ص ۱۹)

☆..... مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بردہ کہنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضہ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ حضور اکرم ﷺ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس (جامی رحمۃ اللہ علیہ) کو مدینہ نہ آنے دیں۔ امیر مکہ نے ممانعت کر دی۔ مگر ان پر جذب و شوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے۔ امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا وہ (جامی رحمۃ اللہ علیہ) آ رہا ہے۔ اس کو یہاں نہ آنے دو۔

امیر مکہ نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا۔ اس پر امیر مکہ کو تیسری مرتبہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں، جن کو یہاں آ کر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ لکے گا، جس سے فتنہ ہوگا۔ اس پر ان کو جیل سے نکالا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔ (فضائل درود شریف ص ۱۱۱)

☆..... سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ، اکابر صوفیاء میں سے ہیں۔ ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ وہ زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے قریب کھڑے ہو کر دو شعر پڑھے تو دست مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اس کو چوما۔ (حادی للسیوطی)

دلیل نمبر ۲: ”عن ابن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (جامع الصغیر ص ۱۰۳، حیات الانبیاء للشمعی ص ۳ معری)

دلیل نمبر ۳: ”قال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجسام الانبياء فاخبر انه يسمع الصلوة من القريب ويبلغ ذالك من البعيد“ فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارک کو کھائے۔ پس آپ ﷺ قریب سے درود شریف سنتے ہیں اور دور سے پہنچایا جاتا ہے۔

(رسائل ابن تیمیہ الکلام فی المناسک ج ۱۶ ص ۳۹۱)

دلیل نمبر ۴: ”ان رسول اللہ ﷺ قال مررت على موسى ليلة اسرى بنى عند الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا اور وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۸، نسائی ج ۱ ص ۱۸۵)

دلیل نمبر ۵: ”كيف تعرض صلواتنا عليك وقد ارميت فقال ان الله حرم على الارض اجساد

الانبياء“ کیسے پیش کیا جائے گا ہمارا درود آپؐ پر جب کہ آپؐ قبر میں گھل چکے ہوں گے تو آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاءؑ کے اجسام مبارک کو کھائے۔

(سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۰، ۲۱۳، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، ابن ماجہ ص ۷۷، احمد کمانی ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴)

دلیل نمبر ۶: ”قال النبیؐ لا تخیرونی علی موسیٰ فان الناس یصعقون یوم القیامة فاصعق معہم

فاکون اول من یفیک فاذا موسیٰ باطش جانب العرش فلا ادری کان فیمن صعق فافاق قلبی او کان ممن استثنی اللہ“ نبی پاکؐ نے فرمایا مجھے موسیٰؑ پر ترجیح نہ دو۔ بے شک قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا۔ پس میں پہلا (فخص) ہوں گا، جو کھڑا ہوگا۔ پس میں دیکھوں کہ موسیٰؑ عرش کے پائے کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا وہ ان میں سے تھے جو بے ہوش ہوئے، پھر ہوش میں آئے مجھ سے پہلے یا ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۲۵، ۴۸۱)

جسمانی حیات النبیؐ پر اجماع امت

دلیل نمبر ۱: ”نحن نؤمن ونصدق بانہؐ حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تأکلہ الارض

والاجماع علی هذا“ ہم ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، رزق کھاتے ہیں اور زمین آپؐ کے جسد اطہر کو نہیں کھاتی اور اس پر اجماع ہے۔ (قول بدیع ص ۱۲۵)

دلیل نمبر ۲: ”الاجماع علی انہؐ حی فی قبرہ علی الدوام“ اس پر اجماع ہے کہ بے شک نبی

کریمؐ اپنی قبر میں ہمیشہ زندہ ہیں۔ (دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین للعلامہ محمد بن طلال الشافعی الاشعری اکملی ج ۴ ص ۱۹۲)

دلیل نمبر ۳: حیات متفق علیہ است کس رادروے خلاف نیست۔ حضورؐ کی حیات ایک متفق علیہ

اجماعی مسئلہ ہے، کسی کا (اہل حق میں سے) اختلاف نہیں۔ (افقہ الممعات ج ۱ ص ۶۱۳)

دلیل نمبر ۴: زندہ ہیں انبیاء قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ کسی کو اس میں مخالفت نہیں کہ ان کی وہاں

حقیقی جسمانی (زندگی) دنیا کی سی ہے۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

دلیل نمبر ۵: قبر کے پاس انبیاءؑ کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

جسمانی حیات النبیؐ پر احناف کے عقائد

دلیل نمبر ۱: ”المعتقد المعتمد انہؐ حی فی قبرہ کسائر الانبياء فی قبورہم وہم احياء عند

ربہم وان لارواحہم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی حال الدنیوی“ عقیدہ جس پر پورا اعتماد ہے

وہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اسی طرح تمام انبیاءؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور

ان کی ارواح قدسیہ کو عالم علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے اور ایسا ہی تعلق انہیں اس دنیا میں بھی ہوتا

تھا۔ (شرح صفحہ ملا علی قاری ج ۲ ص ۱۴۲)

دلیل نمبر ۲: ”ان الانبياء احياء فی قبورہم فیمكن لہم سماع صلاة من صلی علیہم“ بے شک

انبیاء کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں اس شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔

(مرقاۃ ج ۲ ص ۲۰۹)

دلیل نمبر ۳: ”ان الانبیاء احياء فی قبورهم“ بے شک انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(شامی باب المغنم وقسمۃ بعد قسمۃ الخمس ج ۳ ص ۳۶۶، رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۳، الریح المختوم)

دلیل نمبر ۴: ”انهم لا يموتون فی قبورهم بل هم احياء واما سائر الخلق فانهم يموتون فی القبور

ثم يحيون يوم القيامة ومذهب اهل السنة والجماعة ان فی القبر حياة وموتا فلا بد من ذوق الموتین لكل احد غیر الانبیاء“ بے شک وہ نہیں مرتے اپنی قبروں میں بلکہ وہ زندہ ہیں اور بہر حال دوسری ساری مخلوق قبروں میں مرجاتی ہے۔ پھر قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا۔ مذہب اہلسنت والجماعت یہ ہے کہ بے شک قبر میں زندگی اور موت بھی ہے۔ دو موتیں ہر ایک کے لئے ضروری ہیں سوائے انبیاء علیہم السلام کے۔ (صنی علی البخاری ج ۷ ص ۶۰۰)

دلیل نمبر ۵: ”ولما هو مقدر عند المحققین انه یرزق یرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات غیر

انه احجب عن العباد القاصدین عن شریف المقامات“ ”محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور ﷺ زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے آپ ﷺ لذت بھی اٹھاتے ہیں۔ ہاں! اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔ (نور الایضاح ص ۱۷۳)

دلیل نمبر ۶: ”فانه یسمعها ای اذا كانت بالقرب من صلی الله علیه وسلم وتبلغ الیه ای یبلغها

الملک اذا کان المصلی بصیرا“ آپ ﷺ صلوٰۃ سلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔

جسمانی حیات النبی ﷺ پر شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے عقائد

دلیل نمبر ۱: ”عندنا رسول الله ﷺ حی یحس ویعلم وتعرض علیه اعمال الامة ویبلغ الصلوة

والسلام“ ہمارے (شافعیہ) نزدیک حضور ﷺ زندہ ہیں اور آپ میں احساس و شعور موجود ہے۔ آپ ﷺ پر اعمال امت بھی پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام بھی آپ ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔ (طبقات شافعیہ ج ۲۲ ص ۲۸۲)

دلیل نمبر ۲: ”ان حیاته یرزق فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیاً والانبیاء احياء فی قبورهم“

آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت وارد نہیں ہوگی۔ بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲ مصری)

دلیل نمبر ۳: ”قال ابن عقیل من الحنابلة هو یرزق حی فی قبره یصلی“ کہا ابن عقیل نے جو حنابلہ میں

سے ہیں کہ نبی پاک ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ (الروضۃ البھیة ص ۱۴ اوکذانی الہدایع لابن قیم)

دلیل نمبر ۴: ”قال ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء فاخبر انه یسمع الصلوة من

القرب ویبلغ ذالک من البعید“ کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارک کو کھائے۔ (رسائل ابن تیمیہ الکلام فی مناسک الحج ج ۱۲ ص ۳۹۱)

دلیل نمبر ۵: ”نقل عن الامام مالک انه کان یکره ان یقول رجل زرت قبر النبی ﷺ قال ابن رشد

من اتباعه ان الکراهة لغلبة زیارة فی الموت وهو یرزق احياء الله تعالیٰ بعد موته حیاة تامة واستمرت تلک الحیاة“ منقول ہے امام مالک رحمہ اللہ سے یہ کہ وہ مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی قبر کی

زیات کی۔ ابن رشد رحمہ اللہ نے کہا (جو کہ ان کے اتباع میں سے ہیں) کراہت موت میں زیارت کے غلبہ کی وجہ سے ہے۔ جب کہ زندہ کیا ان (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے بعد حیات تامہ کے ساتھ اور زندگی دائمی ہے۔

(نور ایمان ص ۱۴، وقاء الوفاء ج ۲ ص ۲۱۳)

جسمانی حیات النبی ﷺ پر اہل حدیث کے عقائد

دلیل نمبر ۱: ”روحہ ﷺ لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء في قبورهم“ حضور ﷺ کی روح مبارک اپنے جسد اطہر سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین للشوکانی)

دلیل نمبر ۲: ”ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله ﷺ حي بعد وفاته“ محققین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد زندہ ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۰، ۲۱۱)

دلیل نمبر ۳: ”شيخ عبد الله بن محمد بن عبد الوهاب نجدی والذي نعتقد ان رتبة نبينا ﷺ اعلیٰ مراتب المخلوقين على الاطلاق وانه حي في قبره حياة مستقرة ابلغ من حیات الشهداء المنصوص عليها في التنزيل اذ هو افضل منهم بل ارب وانه يسمع من يسلم عليه“ ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے جو قرآن پاک میں منصوص ہے، بہت بالا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ ان سے بلاریب افضل ہیں اور آپ ﷺ اپنے روضہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

(رسالہ فتح مجددی، اتحاد العلماء ص ۴۱۵ مصنفہ نواب صدیق حسن خان)

دلیل نمبر ۴: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو کوئی میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے تو میں سن لیتا ہوں اور جو کوئی دور سے پڑھتا ہے تو فرشتے مجھ کو لا کر پہنچاتے ہیں۔

(لغات المحدث ج ۱ ص ۴۰ مصنفہ وحید الزمان)

دلیل نمبر ۵: حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے وہ سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۵۵ ضمیرہ مولوی نذیر حسین دہلوی)

دلیل نمبر ۶: ”انهم احياء في قبورهم يصلون وقد قال النبي ﷺ من صل على قبري سمعته ومن صل على نائياً ابلغته“ بے شک وہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص میری قبر کے قریب درود پڑھے گا، وہ میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے پڑھے گا وہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔ (العلیقات سلفیہ علی سنن النسائی ص ۲۳۷)

(موجودہ دور کے غیر مقلد اور ممتا تہوں کا ایک ہی عقیدہ ہے اور ایک ہی فرقہ کے دو نام ہیں۔ مماتی ٹولہ اکابرین علمائے دیوبند کے ساتھ اپنی نسبت ظاہر کرتا ہے۔ حالانکہ ان کا اکابر رحمہ اللہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لوگ مسلک اہل سنت والجماعت اکابرین علمائے دیوبند کو بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلک حق علمائے دیوبند کی حفاظت فرمائے۔ آمین)

جسمانی حیات النبیؐ پر اکابرین علمائے دیوبند کے عقائد

دلیل نمبر ۱: ”ولان النبین علیہم السلام لما كانوا احياء فلامعنى لتوريث الاحياء منهم“ جب کہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب زندہ ہیں تو ان کی وراثت چلنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

(الکوکب الدرّی ج ۱ ص ۲۲۳ تقریر ترمذی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۲: آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ونبی اللہ حی یرزق اور اللہ کے نبی علیہ السلام زندہ ہوتے ہیں، رزق کھاتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹) اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بمالامزید علیہ ثابت کیا ہے۔

دلیل نمبر ۳: قبر کے پاس انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۴: ”ان نبی اللہ ﷺ حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احياء فی قبورهم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابها“ بے شک نبی پاک ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اپنی قبروں میں اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ زمین سے اوپر ہوں یا نیچے حجاب میں۔

(بذل الجہود ج ۲ ص ۱۱۷ مولانا غلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۵: اوّل بطور مقدمہ کے جاننے کے حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے۔ بلکہ حضور ﷺ خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ حدیث میں نص ہے کہ نبی اللہ حی یرزق کہ آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو رزق بھی پہنچتا ہے۔ (وعظ اس الربیع بمنمن مجموعہ میلاد النبی ﷺ شائع کردہ ملتان ص ۵۰۸)

دلیل نمبر ۶: ”یرید بقولہ الانبیاء احياء مجموع الاشخاص لا الروح فقط“ ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ارواح زندہ ہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص انبیاء علیہم السلام (روح و بدن) کے مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔

(تحیۃ الاسلام ص ۳۶ مصنفہ مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۷: انبیاء علیہم السلام کے انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔

(لطائف قاسمیہ ص ۳ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۸: بہر حال ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے۔

(جمال قاسمی ص ۱۳، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۹: حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے۔ بلکہ خود حضور ﷺ جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی اعتقاد ہے۔

(اشرف الجواب ج ۲ ص ۱۶۰ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۱۰: غرضیکہ حضور اکرم ﷺ کا جسد اطہر موافقین اور مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا۔ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے، عرش سے بھی افضل ہے۔ (ملج الصدور ص ۱۵۲ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۱۱: ”اما بعد وفاته فروحه المقدسة ﷺ قد استقرت في الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء عليهم السلام ولا يتوهم من هذا انكار حياته في قبره الشريف فان لروحه ﷺ اشرافاً على البدن المبارك المطيب واشرافاً وتعلقاً به“ وفات شریفہ کے بعد آپ ﷺ کی روح مقدسہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے۔ لیکن اس سے آپ ﷺ کے اپنی قبر شریف میں زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی روح مقدسہ بدن مبارک پر اثر ڈال رہی ہے اور اس کی اس پر روشنی پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ (شرح مسلم ج ۳ ص ۳۲۱ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۱۲: حضرت شیخ العرب والعم حضرت مولانا علامہ سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ”الشہاب الثاقب“ میں مجددی اور ان کے فرقہ کا عقیدہ بیان فرماتے ہیں: ”بعض ان کے جسم نبی ﷺ کے قائل ہیں مگر بلا علاقہ روح۔ الخ!“ (الشہاب الثاقب ص ۴۵)

دلیل نمبر ۱۳: وہ عقائد و اقوال جو طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتياز بين اهل سنت و پیغم (جن کے ذریعے اہل سنت والجماعت اور وہابیوں کے درمیان امتیاز ہوتا ہے) ہیں ان کے خلاف ان حضرات (اکابرین علمائے دیوبند) کی تصانیف بھری ہوئی ہیں۔

وہ وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقاء علاقہ بین الروح والجسم (روح اور جسم کے درمیان تعلق باقی رہنے) کے منکر ہیں اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور و شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ ”آب حیات“ نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لئے لکھا گیا ہے۔ (نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۳، مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۱۴: مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں: جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے۔ جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں۔

بیہقی نے فرمایا: ”ولحياة الانبياء بعد الممات شواهد من الاحاديث الصحيحة“ یعنی اور انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت کے لئے صحیح احادیث سے بہت شواہد موجود ہیں۔

اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں۔ اس لئے حیات بعد الموت وہی ہو سکتی ہے جس میں جسم بھی شریک ہو۔ اس حیات کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں۔ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں، عقیدہ سلف و جمہور اہل سنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبندیت

ہے۔ جو عقیدہ جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے خلاف ہے۔

(ماہنامہ الصدیقی ملتان جمادی الاولیٰ ۸۷۱۳ھ)

حضرت مفتی صاحب بریلوی کے مندرجہ بالا فرمان سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ جو عقیدہ حیات النبی ﷺ (روح اور جسم مبارک کے آپس میں تعلق) نہ مانے وہ اہل سنت والجماعت اکابرین علمائے دیوبند سے خارج ہے۔
دلیل نمبر ۱۵: آنحضرت ﷺ حیات ہیں، لہذا پست آواز سے سلام کرنا چاہئے۔ مسجد نبوی ﷺ کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اگر وہ حضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۶ مولانا خلیل احمد سہارنپوری بریلوی)

دلیل نمبر ۱۶: سلام سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ (اور) سلام کا جواب دینا یہ دائماً

(نشر الطیب ص ۲۹۷ مولانا اشرف علی تھانوی بریلوی)

(ہمیشہ) ثابت ہے۔

دلیل نمبر ۱۷: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور

آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے، بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے۔ جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو، چنانچہ علامہ سیوطی بریلوی نے اپنے رسالہ انباء الاذکیاء بحیۃ الانبیاء میں تصریح لکھا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: علامہ تقی الدین سبکی بریلوی نے فرمایا ہے کہ انبیاء و شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز جسم کو چاہتی ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے۔ نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل ہے جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کا نام آب حیات ہے۔ (المہدی علی المہدی ص ۱۴ مولانا خلیل احمد سہارنپوری)
مولانا خلیل احمد سہارنپوری بریلوی کی مندرجہ بالا عبارت میں لکھا ہے: ”نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ اس کے بعد یہ لکھنا کہ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کو حیات دنیوی (حاصل) ہے۔“

صاف طور پر اس کی دلیل ہے کہ دنیوی حیات سے اکابر دیوبند سے مراد یہ ہے کہ یہ حیات اس دنیوی جسم مبارک میں ہے اور دنیوی حیات کے اثبات کا مطلب یہ ہے کہ قبر مبارک میں اسی دنیا والے جسد اطہر کے ساتھ آپ ﷺ کی روح اقدس کا ایسا تعلق ہے کہ جس کی وجہ سے اس بدن اطہر میں حیات اور زندگی حاصل ہے اور یہ صرف روح مبارک کی زندگی نہیں ہے۔ لیکن اس سے اکابر بریلوی کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ عالم برزخ میں اس حیات جسدی کے لئے دنیوی حیات کے جملہ لوازمات ثابت ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ کو کھانے پینے وغیرہ کی جس طرح دنیا میں حاجت ہوتی تھی، اس طرح قبر میں بھی ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ دنیوی حیات کی طرح انبیاء علیہم السلام کو اس قبر شریف والی حیات میں بھی ادراک، علم اور شعور حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ان اہم امور کے حاصل ہونے کی وجہ سے اس حیات کو بھی دنیوی حیات کہہ دیا جاتا ہے۔ (عقائد اہل سنت والجماعت ص ۱۵۹، ۱۶۰ از مولانا مفتی سید عبدالغفور ترمذی بریلوی)

دلیل نمبر ۱۸: رسول اللہ ﷺ ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزلت گزریں، جیسے ان کا مال قابلِ اجرائے حکم میراث نہیں ہوتا۔ ایسے ہی آپ کا مال بھی محلِ توریت نہیں۔ (آب حیات ص ۲)

دلیل نمبر ۱۹: انبیاء کو ابدانِ دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔ پھر حسبِ ہدایت ”کل نفس ذائقۃ الموت“ اور ”انک میت و انھم میتون“ تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور کائنات ﷺ کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔ (لطائف قاسمیہ ص ۱۴)

دلیل نمبر ۲۰: حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے۔ بلکہ حضور خود یعنی جسد مع مجلس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے: ”ان نبی اللہ حی فی قبرہ یرزق“ کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو رزق بھی پہنچتا ہے۔ (البحر ص ۱۳۹)

دلیل نمبر ۲۱: حضور ﷺ کے لئے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے۔ چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں۔ دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں ہے اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور ﷺ کی بھی میراث تقسیم نہیں ہوئی اور حدیثوں میں صلوٰۃ و سلام کا سامع وارد ہوا ہے۔

دلیل نمبر ۲۲: مخدوم العلماء حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام بحسدِ عنصری زندہ ہیں۔ جو حضرات اس کے خلاف ہیں، وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔ (ماہنامہ الصدیق ملتان ۸۷ ۱۳ھ)

قاری محمد طیب رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا فرمان سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے جو لوگ (مماتی ٹولہ) عقیدہ حیات النبی ﷺ (روح اور جسم کا باہم تعلق) کو نہیں مانتے ان کا مسلک اہل سنت والجماعت اکابرین علمائے دیوبند کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا یہ لوگ دیوبندی کہلوانا چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطاء فرمائے۔

دلیل نمبر ۲۳: مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سید مہدی حسن رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بحسدہ موجود اور حیات ہیں۔ آپ ﷺ کے مزار مبارک کے پاس کھڑا ہو کر جو سلام کرتا ہے، درود پڑھتا ہے۔ آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (الصدیق مذکور)

دلیل نمبر ۲۴: شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور حضرت مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ برزخی حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مؤمنین بلکہ ارجح کفار کو بھی حاصل ہے۔ (حیات نبوی ص ۲)

دلیل نمبر ۲۵: ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ (اسی طرح جملہ انبیاء علیہم السلام) اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، حسن و علم سے موصوف ہیں اور آپ ﷺ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آپ ﷺ کو صلوٰۃ و سلام پہنچائے جاتے ہیں۔ (طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۸۲)

دلیل نمبر ۲۶: آنحضرت ﷺ پر امت اجابت کے اعمال کا فرشتوں کے ذریعہ اجمالی طور پر پیش کیا جانا مسند بزار کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: اس کی سند عمدہ ہے۔ (فتح المہم ج ۱ ص ۴۱۳)

دلیل نمبر ۲۷: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ براہین قاطعہ میں فرماتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام

ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔ (براہین ص ۲۰۰)

دلیل نمبر ۲۸: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجموعہ روایات سے علاوہ

فضیلت حیات اور اکرام ملائکہ کے برزخ میں آپ ﷺ کے یہ مشاغل ثابت ہوتے ہیں۔ اعمال امت کا ملاحظہ فرماتا، نماز پڑھتا۔ الخ! (نشر الطیب ص ۲۹۷)

دلیل نمبر ۲۹: شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: المہمد علی المفند میں پانچویں سوال کے

جواب میں لکھا ہے: ”عندنا وعند مشائخنا حضرت رسالۃ ﷺ حتی فی قبرہ الشریف و حیوۃ ﷺ دنیویہ برزخیہ لکونہ فی عالم البرزخ“ ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ یہی ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات (اس دنیا والے جسد اطہر میں ہونے کے اعتبار سے) دنیاوی ہے۔ ہاں! (الجميع الوجوه دنیاوی نہیں) اس میں آپ ﷺ مکلف بالا حکام نہیں۔ پس آپ ﷺ کی حیات اس طرح دنیاوی اور عالم برزخ میں ہونے کے لحاظ سے برزخی ہے۔ (المہمد علی المفند ص ۱۴)

اس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”معتقدنا ومعتقد مشائخنا جميعاً لاریب

فیہ“ ہمارا اور مشائخ کا یہی عقیدہ ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ (المہمد ص ۴۶)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تصحیح کردہ ابوداؤد کے (حاشیہ ص ۱۵۷) میں ہے: ”ان العرض هل هو علی

الروح المجود او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی ﷺ کجسد کل احد مکفی فی الجواب ما قالہ علی وجہ الصواب“ وفات شریفہ کے بعد حضور ﷺ پر درود شریف کیا صرف روح مجرد پر پیش ہوا کرے گا یا روح متصل بہ جسد پر اس کا عروض ہوگا؟ حضور ﷺ کا جواب کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے۔ اس سوال کیفیت کا کافی جواب تھا۔ (ابوداؤد شریف حاشیہ ص ۱۵۷)

دلیل نمبر ۳۰: مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الذی کتب فی هذه الرسالة حق

صحيح وثابت فی الكتب بنص صریح وهو معتقدی ومعتقدی مشائخی احیانا اللہ بہا و اماننا علیہا و انا العبد الضعیف عبدالرحیم عفی عنہ رائی فوراً“ جو کچھ اس رسالہ (المہمد) میں لکھا ہے، حق اور صحیح ہے اور کتابوں میں نص صریح کے ساتھ موجود ہے۔ یہی مراد عقیدہ ہے اور یہی میرے مشائخ کا عقیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدے کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی عقیدے پر موت دے۔ میں ہوں بندہ ضعیف عبدالرحیم عفی عنہ رائے پوری۔

دلیل نمبر ۳۱: علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الانبياء احياء عند ربهم يرزقون“ انبیاء

کرام علیہم السلام اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔ (فتح المہم ج ۳ ص ۳۳۰)

”ان النبی ﷺ کما تقرر وانه یصلی فی قبرہ باذان واقامة“ بے شک حضور اکرم ﷺ زندہ ہیں اور یہ

بھی صحیح ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ (فتح المہم ج ۳ ص ۴۱۹)

”امابعد وفاته فروحة المقدسة ﷺ قد استقرت في الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء عليهم السلام ولايتوهم من هذا انكار حياته في قبره الشريف فان لروحه ﷺ اشراقاً على البدن المبارك المطيب واشراقاً وتعلقاً وبدنه في ضريحه غير مفقود واذ اسلم عليه المسلم رد الله حتى يرده عليه السلام كما ورد في الحديث ولم يفارق الملاء الاعلى ومن كثف ادراكه وغلظت طباعة من هذا الادراك فلي نظر الى الشمس في علو محلها“

ترجمہ: وفات شریفہ کے بعد آپ ﷺ کی روح مقدسہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کے ساتھ رفیقِ اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے۔ لیکن اس سے آپ ﷺ کا اپنی قبر شریف میں زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی روح اقدس قبر میں رکھے بدن پاک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے۔ اس کی روشنی اس پر پڑ رہی ہے اور بدن اطہر کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ آپ ﷺ کا بدن مبارک قبر سے ہرگز غائب نہیں ہوا اور جب بھی کوئی مسلمان آپ ﷺ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح اقدس کو آپ ﷺ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ ملاءِ اعلیٰ علیین سے جدا نہیں ہوتے، جس کا ادراک کرنے میں غلیظ ہو، اسے سورج کو اس کے علو محل میں دیکھنا چاہئے۔

دلیل نمبر ۳۲: حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی فرماتے ہیں: ”رأيت الاجوبة كلها فوجدتها حقة صريحة لا يحوم حول سداد قاتها شك ولا ريب وهو معتقدى ومعتقد مشانخى“ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق صریح پایا ہے۔ کوئی شک یا ریب اس کے ارد گرد بھی گھوم نہیں سکتا۔ یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے سب مشائخ بھی انہی عقائد پر تھے۔ (المہدی علی المفہم ص ۵۲)

دلیل نمبر ۳۳: حضرت مولانا علامہ قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں: مسئلہ زیر بحث میں جہاں تک بزرگوں کی کتابوں، فتاویٰ، مقالات اور متواتر ذوق کا تعلق ہے، دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آنحضرت ﷺ کو حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے۔ کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دارالعلوم سے شروع ہوتی ہے۔ جس کی ابتداء حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر کی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے ہوئی۔ ان تینوں کا مسلک بھی حیاتِ دنیوی (کہ اس عالم برزخ کی حیات اسی جسد اطہر میں ہے، جو اس دنیا میں تھا) ہے۔ پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامذہ مثل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امروہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند (رحمہم اللہ) وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک تھا، جو ان کے مطبوعہ فتاویٰ اور مقالات میں محفوظ ہے۔

پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (رحمہم اللہ) اور دوسرے اساتذہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں۔ اس لئے دیوبندیت تو حیاتِ النبی ﷺ کے بارے میں حیاتِ دنیوی (باعتبار ابدان دنیا) ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔ (الصديق ملتان ربيع الاول ۱۳۷۷ھ)

دلیل نمبر ۳۴: حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”من ینکر حیاتہ ینکر فی قبرہ کان فؤادہ فارغاً من حیہ عقلہ خالیاً من لبہ“ جو شخص حضور اکرمؐ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے، اس کا دل حضورؐ کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۹)

دلیل نمبر ۳۵: حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ فرماتے ہیں: ”والا حسن ان یقال ان حیاتہ ینکر لا یعقبھا موت بل یستمر حیاً والانبیاء احياء فی قبورھم“ بہتر بات یہی ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرتؐ کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی، بلکہ دوامی حیات آپؐ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرامؑ بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

دلیل نمبر ۳۶: حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ حدیث: ”ما من یسلم علی الارذالہ علی روحی“ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔“ آگے فرماتے ہیں: اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کرامؑ اور خاص کر سید الانبیاءؐ کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے۔ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۷۸)

دلیل نمبر ۳۷: شیخ الاسلام مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا علامہ قاری محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں: علماء دیوبند حسب عقیدہ اہل سنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرامؑ کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں کہ نبی کریمؐ اور تمام انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد اپنی اپنی قبروں میں حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے اجسام کے ساتھ ان کی ارواح مبارکہ کا ویسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دنیوی زندگی میں قائم تھا، وہ عبادت میں مشغول ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ و سلام بھی سنتے ہیں۔ علماء دیوبند نے یہ عقیدہ کتاب و سنت سے وراثتاً پایا ہے۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ستمبر ۱۹۶۲ء)

وہ (علماء دیوبند) برزخ میں آپؐ کی جسمانی حیات کے قائل ہیں۔ لیکن وہاں معاشرت دنیوی کے قائل نہیں، وہ اس کے اقراری ہیں کہ آج بھی امت کے ایمان کا تحفظ گنبد خضریٰ ہی کے منہج ایمانی سے ہو رہا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ آپؐ کو حاضر و ناظر نہیں جانتے۔ (مسلك علماء دیوبند ص ۲۰)

دلیل نمبر ۳۸: حضرت مولانا علامہ مفتی عزیز الرحمنؒ لکھتے ہیں: قبر میں روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اس کا علین یا جہنم ہے۔ عذاب روح پر مع جسم کے ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر احادیث سے ثابت ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۲۷)

دلیل نمبر ۳۹: حضرت مولانا علامہ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف محسوس کر سکے۔ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۹۶)

اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا کہ آنحضرتؐ کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے، اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے۔ اول یہ کہ حضرت رسالت پناہؐ قبر میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپؐ کی روح مبارک کا مجلس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقہ سے؟ اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپؐ کا قبر مبارک میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے تو یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے، باعث

تو ہیں ہے نہ کہ موجب تعظیم۔ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۶۰)

دلیل نمبر ۴۰: مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے۔ جو حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے۔ جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ میرا اور سب بزرگان دیوبند کا ہے۔ میرے سابقہ فتویٰ (جس سے تبسم صاحب اور ان کی جماعت استدلال کرتے رہتے رہتے) سے حیات جسمانی کے انکار پر سند پکڑنا صریح ظلم اور میرے کلام کی تحریف ہے۔ (ہدایۃ النحیر ان ص ۹۳ تا ۵۹۴ طبع جدید)

دلیل نمبر ۴۱: حضرت مولانا علامہ حسین علی پنجابی الوانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”وَنَوْمَن بَانَ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ مَنْ يَزُورُهُ إِذَا اتَاهُ وَآكِدَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ“ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ میت پہنچتا ہے جو اس کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور یہ بات بروز جمعہ طُلُوعِ الْفَجْرِ کے بعد اور سورج نکلنے سے قبل بہت نمایاں ہوتی ہے۔ (تحریرات حدیث ص ۲۵۷)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سستا ہوں اور جس نے دور سے درود شریف پڑھا تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ (تحریرات حدیث ص ۲۱۱)

دلیل نمبر ۴۲: حضرت مولانا قاضی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں صوفی صاحب لکھتے ہیں: (قاضی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ) مسئلہ حیات النبی ﷺ میں علماء دیوبند کے طرفدار تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہمارے سامنے کی بات ہے کہ حدیث سماع کا ذکر تھا (یعنی حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ: ”مَنْ صَلَّى عِنْدَ قَبْرِی سَمِعْتَهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَی نَائِبِیْ بَلَغْتَهُ“) تو قاضی صاحب مرحوم فرمانے لگے کہ جس حدیث کے بارے میں ملا علی قاری، حافظ ابن القیم، امام ابن تیمیہ، سخاوی اور حافظ ابن حجر (رحمۃ اللہ علیہ) جیسے بزرگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ صحیح ہے۔ اگر ہم کہیں کہ یہ صحیح نہیں تو کوئی دانشمندی کی بات نہ ہوگی۔

اسی طرح یہ بھی فرمایا: حضور اکرم ﷺ کو اپنی قبر مبارک میں حیات حاصل ہے۔ ایسی حیات کہ جس سے اپنی قبر کے پاس صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔ باقی کیفیت کا ہمیں علم نہیں، نہ اس کی کیفیت کے معلوم کرنے کے ہم مکلف ہیں۔ (مقدمہ فیوض حسینی ص ۳۶)

دلیل نمبر ۴۳: حضرت مولانا علامہ غلام اللہ خان کے زیر اہتمام تعلیم القرآن کے دارالافتاء سے مفتی عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا فتویٰ جاری کیا تھا، اس فتویٰ پر مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے الجواب صحیح کے بعد لاشی غلام اللہ خان کے دستخط بھی کئے۔ ملاحظہ فرمائیں فتویٰ: عند القبر انبیاء علیہم السلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے۔ خصوصاً سید الانبیاء علیہم السلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ ﷺ کے سماع میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن ستمبر ۱۹۵۹ء)

وفات کے بعد نبی اکرم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں معلق روح حیات حاصل ہے اور اسی حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

(ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی اگست ۱۹۶۲ء)

مدرسہ نصرت العلوم کی انجمن کے صدر میاں محمد عارف ایڈووکیٹ اس بات کے راوی ہیں اور عینی شاہد ہیں۔ ہر آدمی ان سے تصدیق کر سکتا ہے کہ مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ نے اپنے ہندوستان کے سفر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرتے اور روتے ہوئے اپنے ارد گرد کھڑے لوگوں کا مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تم سب لوگ گواہ رہنا کہ میرا عقیدہ وہی ہے جو اس قبر والے کا ہے۔

(دیوبندی کہلانے کا مستحق کون؟ ص ۲۳، ۲۴)

دلیل نمبر ۴۴: حضرت مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حیات انبیاء علیہم السلام کو تو وہی معنی ہے جس کی نوعیت نبی ﷺ نے حیات شہداء کی تفسیر میں بیان فرمادی اور کیفیت میں وہ حیات شہداء سے بھی افضل و اکمل ہے۔ مگر بایں ہمہ ارواح طیبہ کا ابدان مبارکہ سے تعلق جس کی کنہ ہم نہیں جانتے اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم!

ایمان کے لئے ہم اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ ایک شخص یہ یقین کرے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا سے رخصت ہونے کے بعد زندہ ہیں۔ جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (مسائل العلماء فی حیات الانبیاء طبع اول ص ۱۶۷، ۱۶۸)

انبیاء علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں۔ یعنی ان کو برزخی زندگی حاصل ہوتی ہے ان کی قبر مطہر کے قریب کھڑے ہو کر ان کو سلام عرض کرنا جائز ہے۔ (مسائل العلماء ص ۱۴۷)

(نوٹ: یہاں سے آگے حیات النبی ﷺ پر فتاویٰ جات اکابر تھے۔ جو پہلے اس مجموعہ میں شامل کئی کتب میں آچکے ہیں۔ وہ ہم نے یہاں سے حذف کر دیئے۔ مرتب)

عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار

عقیدہ حیات النبی ﷺ کے انکار کا فتنہ مولوی عنایت اللہ شاہ بخاری نے کھڑا کیا۔

امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ سرفراز خان صفدر مدظلہ نے اسی بدعقیدے کی وجہ سے عنایت اللہ شاہ بخاری کا ساتھ چھوڑ دیا۔

امام اہل سنت لکھتے ہیں: راقم اٹیم (حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ) بھی پہلے جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کی مجلس عاملہ کا رکن تھا۔ جناب شاہ صاحب گجراتی کے غلو کی وجہ سے الگ ہوا ہے۔ اس دیرینہ تعلق کی بناء پر جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے بزرگوں اور سے پر زور اپیل ہے کہ جمہور اہل اسلام اور اہل سنت والجماعت کے مدلل بالکتاب والسنہ اور منصور بالبراہین مسلک کو ترک نہ کریں اور تمام مصلحتوں سے بالاتر ہو کر حق بات کہنے کا واہگاف اعلان کر دیں۔ ہماری قلبی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست کی توفیق عطا فرمائے۔ مگر:

تغافل ان کی عادت ہے مناجاتیں میرا شیوہ

زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا

نہ وہ طرز ادا بدلے نہ میں رنگ دعا بدلا

نہ ہم نے قافلہ چھوڑا نہ ہم نے رہنما بدلا

(تسکین الصدور ص ۴۳، ۴۴)

مفسر قرآن حضرت مولانا علامہ صوفی عبدالحمید خان سواتی فرماتے ہیں: ”ایک ایسا مسئلہ (حیات النبی ﷺ) جس پر تقریباً تمام جماعت علماء دیوبند کا اتفاق آ رہا ہے اور کسی قسم کا شبہ اس مسئلہ میں پیدا نہ ہوا تھا تو

انہیں (شاہ صاحب) کو یہ بات ہرگز مناسب نہ تھی کہ وہ اس مسئلہ کو اسٹیج پر لا کر دیوبندی جماعت میں تفریق و انتشار کا باعث بنتے۔“ (مقدمہ فیوضات حسینی ص ۴۴)

حضرت صوفی صاحب دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”عام مردوں کے سماع کے متعلق تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ لہذا ہمیں اس مسئلہ میں زیادہ کرید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے سماع کا مسئلہ متفق علیہ ہے۔ امت کے تمام فرقے اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ نبی علیہ السلام سنتے ہیں۔ تاہم اس زمانے میں عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے اس میں اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی بھی نہیں سنتے۔“ (معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۱۴ ص ۸۴۶)

حضرت صوفی عبد الحمید خان سواتی لکھتے ہیں: ”کیا یہ مسئلہ مشہور بین الانام نہیں کہ سماع موتی کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر امت کے اندر دونوں قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں، کسی نے سماع موتی کا اعتقاد رکھا اور کسی نے انکار کیا۔ لیکن اس دوسرے اعتقاد والے کو گمراہ اور لاعقیدہ نہیں کہا۔ مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ شاہ صاحب قائلین سماع کو ابو جہل کا ٹبر تک اپنی تقریروں میں کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ایک زمانہ تک قرآن کریم کی وہ آیات جو شاہ صاحب اہل بدعت اور مشرکین دور حاضر کے خلاف پیش کرتے تھے۔ اب وہی آیات عقیدہ حیات النبی ﷺ کو ماننے والوں اور سماع موتی کے قائلین کے خلاف چسپاں کرتے ہیں۔ کیا یہ انتہاء پسندی نہیں؟ سماع موتی کے قائل تو حضرت عمر اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور امت کے جلیل القدر ائمہ دین بھی بلکہ جمہور ائمہ سنیہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ کیا یہ سب ابو جہل کا ٹبر ہے۔“

(مقدمہ فیوضات حسینی ص ۴۴)

مماتی ٹولے کا مرکزی رہنما اور ماہنامہ تعلیم القرآن کے سابق مدیر مولوی عطاء اللہ بند یا لوی صاحب اپنے اور اپنے ٹولے کے عقیدے کی یوں وضاحت کرتے ہیں: ”جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے علماء کا نظریہ یہ ہے کہ وفات کے بعد آپ ﷺ کا جسد اقدس حضرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں مدفون ہے۔ جو قیامت تک محفوظ رہے گا اور آپ ﷺ کی روح مبارک جسم اقدس سے پرواز کر کے جنت الفردوس کے سب سے اعلیٰ و افضل مقام میں آرام فرما ہے۔“ (حیات النبی ﷺ ص ۲)

مولوی عنایت شاہ بخاری کے مماتی ٹولے کے مندرجہ بالا عقیدے سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا جسم مبارک قبر شریف میں بے جان ہے یہ عقیدہ اہل اسلام اور اکابر علمائے دیوبند میں سے کسی کا بھی نہیں ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے لوگوں کا اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند کے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ لہذا یہ پرلے درجے کے گمراہ اور بدعتی ہیں۔ آخر میں ہم اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! عوام الناس کو عنایت اللہ شاہ بخاری کے مماتی ٹولے سے بچا کر صراط المستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور مماتی ٹولے کو عالم اسلام اور علمائے دیوبند اہل سنت والجماعت کے عقیدہ حیات النبی ﷺ پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرما۔

آمین ثم آمین یا رب العالمین!

احقر حکیم رانا محمد سجاد قاسمی

۸ رذیقعدہ ۱۴۲۹ھ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (احديث)

فرقہ مہانتیہ

کو آئینہ دکھایا تو برامان گئے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مصنف:

جناب بشارت حسین صفدر

نوجوانان اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند گندف ضلع صوابی

کتب خانہ مملوک
۱۳۶
۳۸۱۹۰
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

فرقہ مہاتجہ

کو آئینہ دکھایا تو برا
مان گئے

مصنف
بشارت حسین صفدر

ترجمہ علامہ اعلیٰ الشیخہ والحمد للہ ولیہ بنی بکر لکھنؤ
مطبع صوابی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلی فہرست

۳۰۱	(حرفے چہ) جناب بشارت حسین صغدر صاحب		
۳۰۲	جواب یا تائید	۳۰۳	مفتی شریف صاحب کی طرف سے جواب یا گالی نامہ؟
۳۰۲	چند سوالات	۳۰۴	مفتی شریف صاحب کی دورگی
۳۰۵	اہل حق پر فتوے کس نے لگائے ہیں؟	۳۰۴	کیا ہم نے الزام لگایا ہے؟
۳۰۶	جواب کون سا معتبر ہوگا؟	۳۰۶	سوالات
۳۰۷	کشف المغالطات اور فرقہ بیغ ہمدیہ	۳۰۶	ایک مخالف کا جواب
۳۰۸	کیا عذاب قبر کا انکار کفر ہے	۳۰۸	احمد سعید ملتانى اور عذاب قبر
۳۱۲	مولانا شہاب الدین خالدى کون ہیں	۳۱۰	کیا مسلمان کو کافر کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے؟
۳۱۳	امام اہل السنۃ سرفراز خان صغدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ	۳۱۲	علامہ سیوطی، مولانا جمیل احمد تھانوی، مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ پر شرک ہونے کا فتویٰ
۳۱۳	قائد خدام اہل السنۃ قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ	۳۱۳	مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب پر کفر کا فتویٰ
۳۱۴	احمد سعید خان ملتانى رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ	۳۱۳	حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ
۳۱۶	جھوٹ کس نے بولا ہے	۳۱۴	حدیث ”مر قال لاجہ کافر“ کی تفسیر و تشریح
۳۱۷	کیا قلندر خیل میں نوجوانان اہل السنۃ والجماعت نہیں ہے؟	۳۱۶	فیصلہ اہل انصاف پر
۳۱۷	فتویٰ دارالعلوم دیوبند	۳۱۷	اہل سنت والجماعت کون
۳۱۹	کون کس کے ساتھ ہے	۳۱۸	سوالات
۳۲۳	غیر مقلد عبدالسلام رستی کی دارالقرآن بیغ ہمدیہ میں آمد	۳۲۰	جماعت اسلامی اور فرقہ بیغ ہمدیہ
۳۲۴	حنایت اللہ شاہ بخاری صاحب کا جلسہ یوم علی رضی اللہ عنہ میں حاضری	۳۲۴	سرپرست اشاعت التوحید والسنۃ حنایت اللہ شاہ بخاری کا بریلوی فیج الہدیث کی رسم قل میں شرکت

۳۲۵	مولا نا طیب طاہری امیر فرقہ پنج پیریہ کی مہارت پر تبصرہ	۳۲۴	دیوبندی کون ہیں؟
۳۲۸	خلاصہ مع سوالات	۳۲۵	مندرجہ بالا عبارت کی مولا نا طیب طاہری امیر فرقہ پنج پیریہ کی طرف سے وضاحت
۳۲۹	مفتی شریف صاحب کی غمادت	۳۲۹	جماد کو عذاب اور نیلوی صاحب
۳۳۰	کیا عذاب قبر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے چار مذاہب ہیں	۳۲۹	کیا مفتی شریف صاحب تو ہیں قرآن کے مرتکب ہیں؟
۳۳۱	مسک تفویض	۳۳۱	سوالات مع مختصر جائزہ
۳۳۲	کیا اعلام پر الف لام داخل کرنا صحیح ہے؟	۳۳۲	مفتی صاحب کو دعوت
۳۳۳	مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب کے حوالے کی حقیقت	۳۳۲	اکابر کن کے ساتھ ہیں
۳۳۳	حضرت مولا نا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات		
۳۳۴	اعادہ روح اور مولا نا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	۳۳۳	عقیدہ عذاب قبر
۳۳۴	عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع عند القبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولا نا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	۳۳۴	عام موتی کا سماع اور مولا نا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
۳۳۶	استغفار عند القبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولا نا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	۳۳۵	عرض اعمال اور مولا نا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
۳۳۶	سفر زیارت نبوی اور مولا نا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	۳۳۶	توسل اور منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
۳۳۷	عقیدہ عذاب قبر اور اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۳۳۶	المہمد علی المنعمہ اور مولا نا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
۳۴۰	سماع موتی اور اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۳۴۰	کلمہ طیبہ کی برکت سے عذاب قبر رفع ہو جانے کا قصہ
۳۴۳	عقیدہ عذاب قبر اور مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۳۴۱	عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولا نا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۴۴	مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک سوال اور حضرت مفتی محمد صاحب مفتی دارالافتاء والا رشاد ناظم آباد کراچی کا مفصل جواب	۳۴۴	عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۳۴۶	عذاب قبر سے متعلق تفصیلی فتویٰ مصدقہ حضرت مولا نا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	۳۴۶	حضرت مولا نا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ عذاب قبر
۳۴۷	استغفار عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولا نا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	۳۴۷	عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مولا نا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

۳۴۸	عرض اعمال اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	۳۴۸	عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مصدقہ فتویٰ
۳۴۹	علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہدایۃ الخیر ان پر تصدیق	۳۴۸	تصدیق حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
۳۴۹	علامہ شبلی نعمانی کا جہاد اقدای سے انکار	۳۴۹	کیا شبلی نعمانی دیوبندی نہیں؟
۳۵۰	سید سلیمان ندوی اور انکار حشر اجساد	۳۵۰	معجزات اور شبلی نعمانی کے مخالفت
		۳۵۰	مفتی شریف صاحب کی بے خبری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(حرفے چند)

جناب بشارت حسین صفدر صاحب

گندف ضلع صوابی کے جناب مولانا بشارت حسین صفدر نے ۲۰۱۳ء میں ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام ”فرقہ مہاتہ کو آئینہ دکھایا تو برامان گئے“ رکھا۔ اسی گاؤں کے بیچ پیری رہنما مولانا محمد شریف صاحب نے ایک اور دو صفحاتی دو پمفلٹ لکھے، جس کا جواب جناب بشارت حسین صاحب صفدر نے اس کتاب میں دیا جسے اس مجموعہ میں شامل کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

دکھا ہم کو یا رب راہ مستقیم ہمیں راہ حق پر چلا اے کریم
ہمیں جب سے یاد پڑتا ہے تقریباً بیس سال سے ہمارے گاؤں گندف میں ایک جماعت فرقہ عثمانیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اسی فرقہ عثمانیہ ہی کے متعلق ہمارے، چھوٹے، بڑے، مرد، عورتیں، علماء اور عوام سب یہی کہتے ہیں کہ فرقہ عثمانیہ عذاب قبر کا منکر ہے۔ اس عقیدہ عذاب قبر کے انکار کی وجہ سے لوگ ان کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کو خالص گمراہ سمجھتے ہیں۔ اب تک کسی بھی عالم دین سے خواہ کسی جماعت سے وابستہ ہو، خاص کر فرقہ پیچ پیریہ سے نہیں سنا گیا کہ وہ یہ کہتا ہو کہ فرقہ عثمانیہ کے متعلق آپ لوگوں کا یہ خیال کہ وہ عذاب قبر کا منکر ہے غلط ہے۔ اسی اثناء میں بندہ عاجز کو اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے تبلیغی جماعت کے عالمی مشن میں چار ماہ کے لئے اپنے راستے میں قبولیت بخشی:

دعوت الی اللہ نام بھی سب سے اعلیٰ دعوت الی اللہ کام بھی سب سے اعلیٰ
چار ماہ کے بعد تبلیغی جماعت والے ساتھیوں کی کوششوں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بندہ کو علم دین حاصل کرنے کے لئے قبولیت بخشی۔ طالب علمی میں فرقہ پیچ پیریہ، اشاعتیہ کی کتب زیر مطالعہ رہیں، مطالعہ کے بعد بندہ پر فرقہ پیچ پیریہ کا پوشیدہ چہرہ روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ یہ لوگ بھی فرقہ عثمانیہ کی طرح زمینی قبر میں اس خاک کی جسم کے عذاب و ثواب کے منکر ہیں۔

کل میاں حجام جہاں مونڈتے تھے اوروں کا سر آج اسی کوچے میں خود اس کی حجامت ہو گئی
لیکن فرقہ پیچ پیریہ کے حضرات اپنے اس عقیدے کو لوگوں کے سامنے لاتے ہیں نہ ہی درس و تقریر میں بیان کرتے ہیں۔ اگر بیان کریں گے تو لوگوں پر ان کا باطل چہرہ کھل جائے گا اور لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ فرقہ پیچ پیریہ کا عذاب قبر کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو فرقہ عثمانیہ کا ہے۔ بندہ عاجز وقتاً فوقتاً لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرتا رہا کہ فرقہ پیچ پیریہ بھی فرقہ عثمانیہ کی طرح اس زمینی قبر میں عذاب و ثواب کا منکر ہے۔

نہ یہ شان مومن ہے نہ ہی ایمان کا تقاضہ ہو جائے واضح حق تو چھپایا نہیں کرتے
رشتے بھلے چھوٹیں اور ٹوٹے بھلے یاری فیصل یہ مجاہد ہیں جو پیچھے نہیں ہٹتے
ایک دفعہ بندہ نے فرقہ پیچ پیریہ کے باطل چہرہ سے پردہ ہٹانے کے لئے چند پیغامات لوگوں کو بھیج دیئے
کہ فرقہ پیچ پیریہ اس زمینی قبر میں عذاب و ثواب کا منکر ہے۔ جواب تو ان لوگوں سے بن نہ پڑا۔ جب لوگ ان سے پوچھتے تو یہ برملا کہتے کہ یہ بات ہم پر الزام ہے کہ ہمارا اور عثمانیوں کا عقیدہ ایک ہے۔ تب بندہ عاجز نے اصل حقیقت سامنے لانے کے لئے ایک رسالہ بنام فرقہ پیچ پیریہ مہاتہ عذاب قبر کا منکر ہے۔ لکھا:

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
اس رسالے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ٹھوس اور محکم حوالوں سے ثابت کیا گیا تھا کہ فرقہ پیچ پیریہ اس زمینی قبر میں خاک کی جسم کو عذاب و ثواب نہیں مانتے۔

چھپائیں گے کہاں تک راز محفل طمع کے آنسو کہے گی خاک پروانہ کہ پروانہ پر کیا گزری اس رسالہ سے لوگوں پر یہ حقیقت کھلی کہ فرقہ بیخ پیر یہ پر یہ الزام نہیں بلکہ ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اگرچہ یہ رسالہ مختصر وقت میں لکھا گیا تھا لیکن جہاں جہاں پہنچا علماء کرام اور طلباء عظام نے تحسین و آفرین کے ڈوگرے برسائے۔ یہ رسالہ جہاں اپنوں کے لئے باعث تسکین ہوا، وہاں خرمن مہاتیت پر برق سوزاں بن کر گرا اور فرقہ بیخ پیر یہ میں ایک اضطراری کیفیت پیدا ہو گئی۔ ہمارے رسالے میں جو حقائق موجود ہیں ان کی تردید فرقہ بیخ پیر یہ سے نہ ہو سکی۔

اپنے دامن کے لئے خار چنے ہیں خود تم نے اب یہ جھپٹتے ہیں تو پھر اس میں شکایت کیا ہے البتہ دو پمفلٹ (ایک پانچ صلی، دوسرا یک صلی) شائع کئے۔ ہمیں مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس کے لکھنے والے مفتی شریف حسین صاحب تھے لیکن ان کو نام لکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر کیوں؟ دال میں کچھ کالا ضرور ہے جس کی پردہ داری کی جارہی تھی۔ اگر انہوں نے پمفلٹ میں ہمارے نام لینے کی جسارت نہ کی ہوتی تو ہم بھی نام ذکر کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ ہمیں بعض دوستوں نے کہا کہ اس کے جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ صاحب پمفلٹ نے اپنا نام نہیں لکھا اور نہ اس میں جواب ہے۔ مگر چونکہ مسلک کا مسئلہ ہے اور مفتی شریف صاحب نے اس پمفلٹ کی کاپیاں بازار میں دوکانداروں پر مفت تقسیم کیں۔ اس لئے ہم نے اپنے فریق مخالف میں سے کسی ذات کو نہیں دیکھنا ہے، بلکہ مسلک کی صداقت کو بیان کرنا ہے۔ چنانچہ بعض کرم فرماؤں نے بندہ کو حکم دیا کہ جواب ضرور لکھا جائے تو بندہ نے اللہ کا نام لے کر جواب لکھنا شروع کیا۔

خاکپائے اکابرین اہلسنت دیوبند
بشارت حسین صفدر

مفتی شریف صاحب کی طرف سے جواب یا گالی نامہ؟

مفتی شریف صاحب نے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے راقم الحروف کو خوب برا بھلا کہا ہے۔ مثلاً یوں کہا: ”دجالوں میں سے ایک دجال“ ایک یہودی صفت منافق۔ خرچہ غیرت اوکری۔ فریبی، دھوکہ باز، غیر منصف مزاج، یہود و نصاریٰ کو دو قدم پیچھے چھوڑا، نوجوان کی۔ یہ پانچ صفتیں بشارت اینڈ کمپنی میں نہیں پائی جاتی۔“ قارئین کرام! ہمارے ایک دوست ابراہیم شاہ صاحب حفظہ اللہ نے فرمایا کہ مندرجہ بالا باتوں کا جواب نہ دینا ہی جواب ہے۔ آدمی جب جواب دینے سے عاجز آجائے تو پھر وہ یہی زبان استعمال کرتا ہے جو مفتی شریف صاحب نے کی ہے۔

سب سے لاکھوں ستم لیکن نہ کی آہ و فغاں اب تک زبان رکھتے ہوئے بھی ہم رہے ہیں بے زبان اب تک اسی موقع پر عبدالجبار سلفی صاحب مدظلہ کیا ہی خوب لکھتے ہیں کہ: ”آخر فرعون نے بھی تو کہہ ہی دیا تھا: ”انی لاظنک یموسی مسحوراً“ میرے گمان کے مطابق اے موسیٰ تجھ پر جادو ہو گیا ہے اور مزید کہا: ”ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون“ تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور باؤلا ہے۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند) نیز مشرکین مکہ آنحضرت ﷺ کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ما انت بنعمة ربک بمجنون“ تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ۔ تو یہ سلسلہ ابتداء سے چلا آ رہا ہے اہل باطل جب دلائل کا توڑ نہ کر سکے بیہودہ زبان پر اتر آئے۔ مد مقابل خواہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندے یعنی انبیاء علیہم السلام ہی کیوں نہ ہو تو پھر ہما دشما کی کیا حقیقت ہے؟ لہذا ہمیں اس سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ آپ اپنا کام کرتے جائیں ہم اپنا۔

ذکر کانٹوں کا آپ کی فطرت ہم تو کرتے ہیں بات پھولوں کی

(بحوالہ سوط العذاب علی عنق الکذاب)

اب ہم اس بحث کو فرقہ بیخ پیریہ کے ایک مشہور عالم شہاب الدین خالدی صاحب کے مندرجہ ذیل اقتباس پر ختم کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ: ”ایک شخص نے اپنے دوست کو دیکھا کہ ٹانگ پر پٹی بندھی ہوئی ہے، دوست نے پوچھا یہ کیا ہوا کہ پٹی باندھ رکھی ہے تو پٹی والے صاحب نے کہا باؤ لے کتے نے کاٹا ہے تو دوست نے کہا تجھے کتے نے کاٹا ہے تو تیرے دانت نہیں تھے؟ (کہ تو بھی کتے کو کاٹ لیتا) تو پٹی والے نے جواب دیا کہ دانت تو تھے لیکن میں کتا نہیں ہوں۔

انہی کے مطلب کا کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہی کا محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

جواب یا تاسید

مفتی شریف صاحب نے (ایک صفحہ پمفلٹ میں) فرقہ عثمانیہ کا عقیدہ عذاب قبر ”مرنے کے بعد اس زمینی قبر میں خاکی جسم کو عذاب و ثواب نہیں ہوتا۔“ اہل السنۃ والجماعت کا مسلک یعنی حق قرار دیا ہے۔

قارئین کرام! دیکھئے ہمارے گاؤں گندف کے بیخ پیری حضرات کی طرف سے خود وضاحت آگئی کہ یہ فرقہ عثمانیہ کو عذاب قبر کے عقیدے میں حق پر مانتے ہیں:

تیری بزم میں اور بھی گل کھلیں گے اگر رنگ یاران محفل یہی رہا

مفتی شریف صاحب کی دورنگی

پہلے ایک دفعہ ہمارے دوست حضرت ابراہیم شاہ صاحب مدظلہ نے مفتی شریف صاحب نے فرقہ عثمانیہ کے عقیدہ عذاب قبر کے متعلق سوال کیا تو جواب دیا کہ میں فرقہ عثمانیہ کو عقیدہ عذاب قبر کی وجہ سے گمراہ سمجھتا ہوں۔ لیکن اب اس پمفلٹ میں فرقہ عثمانیہ کو عقیدہ عذاب قبر میں حق پر قرار دیا۔ یہ کیوں؟

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا یا سراسر موم ہو جا یا سنگ ہو جا

چند سوالات

- ۱ مفتی صاحب! آپ نے پہلے فرقہ عثمانیہ کو کس دلیل پر گمراہ کہا تھا؟
- ۲ آپ صاف کیوں نہیں کہتے کہ فرقہ عثمانیہ عقیدہ عذاب قبر میں حق پر ہے؟
- ۳ ہمارے گاؤں میں تقریباً بیس سال سے لوگ فرقہ عثمانیہ کو عذاب قبر کا منکر کہتے ہیں ان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟
- ۴ جو لوگ فرقہ عثمانیہ کے عقیدہ عذاب قبر کو باطل کہتے ہیں۔ آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

کیا ہم نے الزام لگایا ہے؟

مفتی صاحب نے چند الزامات کا تذکرہ کیا ہے مفتی صاحب! جس نے آپ پر الزامات لگائے ہیں آپ

جانے اور وہ۔ ہمیں اس سے کیا سروکار ہم نے تو اپنا دعویٰ ٹھوس اور محکم حوالوں سے ثابت کیا ہے الزام کب لگایا ہے؟ دیکھئے بندہ کار سالہ بنام: ”فرقہ بیخ پیریہ ملاحیہ عذاب قبر کا منکر ہے“

اہل حق پر فتوے کس نے لگائے ہیں؟

احمد سعید خان ملتانی کے درجہ ذیل فتوے ملاحظہ کیجئے:

- ۱..... تعویذ کو کفر اور شرک کہا اور تعویذ کرنے والے پر لعنت بھیجی۔ (خس کم جہاں پاک ص ۱۷، ۱۹)
- ۲..... دیوبندی بریلوی سب مشرک کافر ہیں۔ (ص ۱۱۱، ۱۲۵)
- ۳..... تبلیغی جماعت والے کافر ہیں۔ (ایضاً ص ۶۹)
- ۴..... علماء دیوبند جو تائید سماع موتی ہیں وہ کافر ہیں۔ (ایضاً ص ۶۹)
- ۵..... احمد سعید خان جب تک علماء کو رکید نہ لے تو ان کا وعظ مکمل نہیں ہوتا۔ (ایضاً ص ۱۰۹)
- ۶..... ابتدائی زمانہ ہی سے احمد سعید خان ملتانی کے ملنے والے مجھے کہتے تھے۔ آپ علماء دیوبند کو کافر کیوں نہیں کہتے؟ یہ اس کی تربیت کا اثر تھا۔ (از ضیاء اللہ شاہ گجراتی ایضاً ص ۷۶)
- ۷..... نمک پر دم کرنے والا مشرک ہے۔ (ایضاً ص ۱۰۸، ۱۱۶)
- ۸..... مولانا حسین علی نمک پر دم کرتے تھے۔ (ایضاً ص ۱۰۸، ۱۱۶)
- ۸..... احمد سعید نے مولانا خلیل احمد (سکھر) کی موجودگی میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو کافر کہا۔ (ایضاً ص ۷۳)
- ابو ذکوان بیخ پیری لکھتے ہیں: ”ہمارے پنجاب کے ساتھی افضل ضیاء صاحب ان کے اخراج پر کتاب کیوں لکھتے ہیں؟ جس کا نام ہے: ”خس کم جہاں پاک“ (دفاع حق ص ۸۷، ۸۸)
- اس کتاب (دفاع حق) پر مندرجہ ذیل علماء کی تقریظات ہیں۔ (۱) مولانا طیب طاہری صاحب۔ (۲) ضیاء اللہ شاہ بخاری صاحب۔ (۳) مولانا عطاء اللہ بند یا لوی صاحب۔ (۴) سید عبدالمقدس باچا صاحب۔ پھر یہی صاحب تقریظ سید عبدالمقدس باچار قطراز ہیں کہ: ”دفاع حق اوّل سے آخر تک الحمد للہ! بغور و فکر مطالعہ کی۔“ (تقریظ دفاع حق ص ۵)
- ۹..... یہ تکفیر سازی اور ہر ایک پر فتویٰ کفر لگانا اس شخص (احمد سعید ملتانی) کی زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ ہے۔ (از شہاب الدین خالدی عقیدۃ الامۃ ص ۷۵، ۷۴)
- ۱۰..... یہ احمد سعید خان ملتانی برا آدمی کہتا ہے۔ پاکستان میں کافروں کے چار بڑے گروہ ہیں۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ یہ سب حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں۔ (از شہاب الدین خالدی عقیدۃ الامۃ ص ۷۴، ۷۵)
- بے روک ہیں ان فتویٰ فروشوں کی زبانیں۔ اسلاف کی توہین پہ کرتے ہیں گزارہ پھر اسی احمد سعید خان ملتانی کے بارے میں فرقہ بیخ پیریہ کا ایک معروف و مشہور عالم، مؤلف کتب کثیرہ مولانا عبد الوکیل صاحب اپنے اساتذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”الشیخ العلامة (ابن تیمیہ ثانی) احمد سعید خان ملتانی زید مجذہ ملتان۔“ (نور الطلام دجہالت تیار روتہ و علم رنڈا ص: ۵)

سوالات

- ۱ مفتی شریف صاحب! احمد سعید خان ان فتوؤں کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟
- ۲ اگر آپ فرمائیں دائرہ اسلام سے خارج ہے۔
- ۳ تو پھر ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا کوئی کافر الشیخ، العلامة، ابن تیمیہ ثانی، ہو سکتا ہے۔
- ۱ امیر اشاعت التوحید والنہ مولانا محمد طیب طاہری صاحب۔ (دفاع حق ص ۳)
- ۲ ناظم اعلیٰ اشاعت التوحید والنہ مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری۔ (دفاع حق ص ۳)
- ۳ مولانا سید عبدالقدوس باچا صاحب امیر حلقہ ۷۔ (دفاع حق ص ۷)
- ۴ ابو ذکوان مفتی محمد سلیمان ساجد۔ (دفاع حق ص ۱۶)

جواب کون سا معتبر ہوگا؟

موصوف لکھتے ہیں: رسالہ کے مندرجات پر علمی انداز میں بحث کتابچے کی صورت میں ایک طالب علم ہی کرے گا۔
 ہمیں اس سے کیا سروکار کہ جواب طالب علم دے یا آپ لیکن جواب کون سا معتبر ہوگا۔ ذیل میں دیکھئے:
 (بطور الزام) حضرت مولانا سید عبدالمقدس باچا صاحب پنج پیری لکھتے ہیں کہ: ”اگر کسی کو اس کتاب (تحقیق الحق) کی تردید لکھنے کا خیال ہو تو تردید ایسی منظور ہوگی کہ اول میری کتاب کی عبارت نوٹ کرے گا اور پھر رد میں تسوید اوراق کرے ویسی ہوئی تردید کہ میری کتاب کی عبارت نقل نہ کرے منظور نہیں ہوگی خوب یاد رکھیں۔“ (تحقیق الحق ص ۵)
 دوسری بات: جواب سوال گندم جواب چنا کی قبیل سے نہ ہو یعنی جو میں نے لکھا ہے اس کا جواب ہو درمیان میں اور مسائل نہ چھیڑے اگر اور مسائل چھیڑنے کا شوق ہو تو اس کے لئے دوسری کتاب لکھیں تاکہ ہم نے جو بحث چھیڑی ہے وہ خلط ملط نہ ہو جائے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ایک مغالطے کا جواب

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں: ”نام رکھنے سے یہ مترشح ہے کہ یہودی صفت اس شخص (بشارت حسین) کے ہاں (معاذ اللہ) پنج پیری حضرات جو عذاب قبر کا منکر نہیں ہیں عذاب قبر کے منکر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ عذاب قبر سے انکار کفر ہے۔“

(کمافی العرف الہدی ج ۱ ص ۲۰۶ لا نور شاہ کشمیری اور ضروری مسائل، برشید احمد حقانی بن مفتی فرید زروبوی استاد دارالعلوم حقانیہ کوڑہ ٹنک ص ۲)
 جواب: قارئین کرام! ہم نے فرقہ پنج پیریہ کو زمینی قبر میں عذاب و ثواب کا منکر کہا ہے۔ دیکھئے! بندہ عاجز نے اپنی کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے کہ: ”عصر ہذا کے معتزلہ، مماتیہ، اشاعتیہ، پنج پیریہ، فرق عثمانیہ کی طرح اس زمینی قبر میں عذاب و ثواب سوال و جواب کے منکر ہیں۔“ (ص ۱)

• موصوف لکھتے ہیں کہ نام سے مترشح ہے۔ الخ!

مفتی صاحب نام تو کتاب کا عنوان ہے اور عنوان معنوں کے مابین اجمال اور تفصیل کا فرق ہوتا ہے اور اصول یہ ہے کہ اجمال، تفصیل کا تابع ہوتا ہے۔

سوال: عنوان اور معنوں کے مابین منافات ہوتی ہے یا اجمال اور تفصیل کا فرق؟ اگر اجمال اور تفصیل کا فرق ہو تو اعتراض کیوں؟ کیونکہ معنوں کے پہلے صفحہ پر وضاحت موجود ہے نیز ٹائٹل پر ہم نے فرقہ پنج پیر یہ کا ہاتھ عثمانیوں کے ہاتھ میں دے کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عقیدہ عذاب قہر میں فرقہ پنج پیر یہ اور فرقہ عثمانیہ دونوں ایک ہیں۔ یہی بات ہم نے اپنی کتاب میں فرقہ پنج پیر یہ کی کتابوں سے ٹھوس اور محکم حوالوں سے ثابت کیا ہے۔

ہم دعا لکھتے رہے وہ دعا پڑھتے رہے ایک نقطہ نے ہمیں محرم سے مجرم بنا دیا

سوال: اگر کوئی شخص زید کو زمینی قبر میں عذاب و ثواب کا منکر کہے تو کیا یہ زید پر کفر ہی کا فتویٰ ہے؟

سوال: کسی شخص کو زمینی قبر میں عذاب و ثواب کا منکر کہنا۔ کیا یہ اس شخص پر مطلقاً انکار عذاب قبر کا فتویٰ لگانا ہے۔

سوال: موصوف لکھتے ہیں کہ: ”پنج پیری حضرات جو عذاب قبر کے منکر نہیں۔“ اس پر ہمارا سوال یہ ہے

کہ آپ کون سی قبر میں عذاب و ثواب مانتے ہیں؟

سوال: مفتی صاحب! فرقہ عثمانیہ والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم عذاب قبر کے منکر نہیں دیکھئے۔ کیپٹن ڈاکٹر

مسعود الدین عثمانی اپنی کتاب عذاب برزخ کے ٹائٹل پر لکھتے ہیں: ”عذاب القبر حق“ کیا یہ لوگ درست کہتے ہیں؟ سمجھنے کو تو وہ سب داستان غم سمجھتے ہیں جو مطلب کہنے والے کا ہے اس کو کم سمجھتے ہیں

مفتی صاحب! آپ درجہ ذیل علماء کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟

مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”اس لئے عذاب کے منکر مولوی عبدالعزیز، امتیاز راولپنڈی

والے، احمد سعید چتر وڑ گڑھی، عطاء اللہ بند یا لوی یا اس طرح کے کچھ اور لوگ ہیں اور ظاہر ہے کہ عذاب قبر کے منکر کا اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ (میرا مسلک و شرب ص ۱۵)

سوال: مفتی شریف صاحب! عذاب قبر کے متعلق آپ کا اور عطاء اللہ بند یا لوی کا عقیدہ ایک ہے یا الگ الگ؟

(بطور الزام) حضرت محمد ابراہیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”بے شک قبر کے عذاب کا انکار یا احساس عذاب

قبر کی جانب سے میت کو جماد سمجھنا اعتزال رفض یا ارتداد جو کہ ٹھیک ہے۔“ (کشف المغالطات در مسئلہ سمع اموات ص ۱۴۴)

کشف المغالطات اور فرقہ پنج پیر یہ

بطور الزام: مولانا طیب طاہری صاحب امیر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ العالمیہ لکھتے ہیں کہ:

”کشف المغالطات کی تصدیق فرمانے والے حضرات اکابر میں سے بعض کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، (۲) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، (۳) حضرت سید احمد حسن امروہی

(شاگرد حضرت نانوتوی)، (۴) حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری، (۵) حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ،

(۶) مولانا حضرت مفتی عزیز الرحمن، (۷) حضرت مولانا عنایت الہی (مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپوری)،

(۸) حضرت مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت، (۹) حضرت مولانا محمد یحییٰ (آپ حضرت مولانا الیاس بانی تبلیغی

جماعت کے بھائی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کے والد گرامی تھے)، (۱۰) حضرت مولانا محمد میاں،

(۱۱) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، (۱۲) حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ)۔ (مسلك الاکابر ص ۵۰۳۹) (بطور الزام) ابو ذکوان مفتی سلیمان ساجد بیخ پیری لکھتے ہیں کہ: ”علماء دیوبند نے متفقہ طور پر اپنی تصدیق کے ساتھ مولانا ابراہیم دہلوی کی کتاب (کشف المغالطات در مسئلہ سماع اموات) شائع کی۔“ (دفاع حق ص ۱۲۳) پھر اسی صفحہ پر تصدیق کرنے والے چند اکابرین دیوبند کے اسماء گرامی ذکر کئے ہیں۔

ابو ذکوان صاحب بیخ پیری نے مندرجہ بالا مضمون (بحوالہ المسلك الماثور ص ۹۹) مرتب اقبال فاروقی، افادات اکابرین اشاعت التوحید والسنۃ بالخصوص شیخ القرآن مولانا غلام حبیب صاحب شیخ القرآن مولانا محمد طیب طاہری صاحب) لکھا ہے۔ المسلك الماثور پر تقریظ مولانا محمد طیب طاہری، مولانا خضر حیات بھکروی کی ہیں۔

فرقہ بیخ پیریہ کے مناظر خضر حیات لکھتے ہیں کہ: ”کشف المغالطات وہ کتاب ہے جس پر چالیس اکابر علماء دیوبند کے تصدیقات موجود ہیں جن میں درجہ ذیل علماء کے اسماء گرامی بھی شامل ہیں۔“

(المسلك المنصور ص ۲۲۵، دوم ایڈیشن ص ۲۳۴)

(اکابر کا باغی کون ص ۱۱۶)

صاحب کشف المغالطات اور ان کے چالیس مصدقین۔

احمد سعید ملتانی اور عذاب قبر

۱..... اب جو شخص اس بہانے کہ اس جسم کو عذاب و ثواب مشاہدہ کے خلاف ہے میت جسم پر عذاب و ثواب کا انکار کرتا ہے یا بعید سمجھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کیونکر کہلوائے گا وہ تو شیطان کا بندہ ہوگا۔

(از احمد سعید خان ملتانی بحوالہ عقیدۃ الامت ص ۴۸۵)

۲..... اور (احمد سعید خان ملتانی) یہ بھی کہتا ہے کہ جو جسم کے عذاب کا منکر ہے وہ خدا کا باغی قرآن کا منکر کافر، زندیق اور نہ جانے کیا کیا ہے۔ الخ!

(بحوالہ عقیدۃ الامت ص ۴۸۷)

۳..... (احمد سعید خان ملتانی) نے لکھا ہے روح اور بدن عنصری کو عذاب و ثواب نہ ماننا واقعی کفر ہے۔

(بحوالہ عقیدۃ الامت ص ۵۱۷)

۴..... اس ہونق (احمد سعید خان ملتانی) نے بہت سارے ورقے اپنی مطبوع کتاب کے اس پر کالے کر دیئے کہ زمین کا گڑھا ہی قبر ہے اس قبر میں عذاب و ثواب ہوتا ہے جو یہ بات نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں صاف کافر ہے۔

(عقیدۃ الامت ص ۵۵۱ از شہاب الدین خالدي)

مفتی صاحب! اب آپ اس شیخ، علامہ، ابن تیمیہ ثانی (بقول مولانا عبدالوکیل) کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟

کیا عذاب قبر کا انکار کفر ہے

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”حالانکہ عذاب قبر سے انکار کفر ہے“

(کمافی العرف الہدی ج ۱ ص ۲۰۶، لائور شاہ کشمیری اور ضروری مسائل ص ۱۱۱، لرشید احمد حقانی الخ)

(الزامی جواب) مفتی شریف صاحب کے استاد مولانا محمد حسین شاہ نیلوی صاحب نے ”تحریرات

حدیث“ مصنفہ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کو صرف اس وجہ سے رد کر دیا کہ بقول ان کے وہ حضرت کی خود

نوشت نہیں، لکھتے ہیں: ”خود حضرت صاحب کے حکم اور اہتمام سے طبع نہیں کرایا گیا۔“ (بدرنیر حاشیہ تفسیر بے نظیر ص ۱۸۴) بالکل یہی جواب العرف الہدیٰ کی مذکورہ عبارت کا ہے یہ کتاب بھی علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خود نوشت نہیں بلکہ ان کے ایک شاگرد مولانا محمد چراغ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا تعلق بھی زیادہ تر جماعت اسلامی سے رہا ہے کی مرتب کردہ ہے۔ لہذا یہ حوالہ بھی قابل قبول نہیں ہونا چاہئے۔ (بحوالہ علمی و تحقیقی مباحثے ص ۱۶۱ تا ۱۶۲)

(تحقیقی جواب) امام العصر، محدث جلیل، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”ہاں! وہ امور ضروریہ اور اعتقادات حقہ جو اتنے دقیق اور بعید از فہم ہوں کہ ان کا سمجھنا اور سمجھانا عقول انسانی کے بس کا نہ ہو۔ مثلاً تقریر کا مسئلہ، عذاب قبر کی حقیقت اور کیفیت، استواء علی العرش کا مسئلہ، اللہ تعالیٰ کے آخر شب میں آسمان دنیا پر اترنے کی حقیقت اور کیفیت اور اسی قسم کے متشابہ امور، نیز ذات اور صفات الہیہ کی نوعیت وغیرہ۔ اگر ایسے امور ضروریہ حد شہرت و تواتر کو پہنچ جائیں تو جو شخص ان سے واقف ہونے کے بعد سرے سے انکار کرے گا (کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں) بلا تردد ہم اس کو کافر کہیں گے اور اگر بالکل انکار تو نہیں کرتا مگر سب کی نوعیت اور کیفیت کی بحث اور تمحیص اور چھان بین کے تحت اس کا قدم پھسل جاتا ہے اور اپنی رائے سے کوئی ایک صورت متعین کر کے دعویٰ کرتا ہے کہ بس یہی حق ہے اور وہ اہل حق کے نزدیک باطل ہے۔ (مثلاً عذاب قبر کو صرف روحانی عذاب کہے یا استواء علی العرش کے معنی ”عرش پر بیٹھنا“ کرے اور کہے خدا عرش پر بیٹھا ہے تو ایسے گمراہ مسلمان کو ہم معذور سمجھیں گے اور اس کی گمراہی کو جہالت کا نتیجہ قرار دیں گے۔ مگر اس کی بنا پر اس کو کافر نہ کہیں گے۔ مذکورہ تحقیق و تفصیل کے لئے ابن رشد الحفید کے رسالہ ”فصل المقال والکشف عن مناجج الادلہ“ کی مراجعت کیجئے۔ اس نے منطقی طرز پر ایسے گمراہ شخص کے متعلق ثابت کیا کہ ایسا مسلمان گمراہ اور ضرور جاہل ہے۔ مگر کافر نہیں۔“ (اکفار الملعونہ تین ص ۸۱)

۱۔ مولانا محمد ادریس میرٹھی مترجم اکفار الملعونہ میں عرض مرتب کے تحت لکھتے ہیں: (اکفار الملعونہ) کہ ترجمہ کو مطلب خیز بنانے کے لئے قوسین (بریکٹوں) کے درمیان کافی وضاحتوں کی ضرورت ہے۔ چنانچہ سہ بارہ کتاب سامنے رکھ کر تسہیل و توضیح کا کام شروع کیا۔ (اس امر کا اطمینان کئے بغیر کہ عبارت کا جو مطلب میں سمجھ کر توضیح کر رہا ہوں یہی صاحب عبارت کا مطلب ہے؟ اور جس مقصد کی لئے کسی اقتباس کو پیش کیا ہے وہ وہی ہے جو میں نے سمجھا ہے کہ یہ اطمینان فراغت کے بعد حضرت شیخ کے علوم اور تصانیف سے مناسب و مزا دلت رکھنے والے کسی صحیح معنی میں وسیع النظر عالم کو دکھلا کر کر لیا جائے گا) کہ اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس توضیح و تسہیل اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مقصد کی تعین میں تو تمہیض سے بھی زیادہ مشکلات پیش آئیں اور وقت بھی زیادہ لگا۔ بہر حال بتوفیق اللہ تعالیٰ اس شخص کام سے فراغت کے بعد دیکھا تو وہ بیضہ (صاف شدہ) خود مسودہ (رف) بن کر محتاج تمہیض بن چکا تھا۔ لہذا پھر اصل کتاب کو سامنے رکھ کر نفس ترجمہ اور توضیحات پر نظر ثانی کی اور اس کو سہ بارہ صاف کیا اور ارادہ ہوا کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ کو بنرض تصویب و اصلاح پیش کروں، کیونکہ خادم کی نظر میں اس وقت روئے زمین پر امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کا حامل و وارث اور ان کے انفاس طیبہ کا حافظ، علوم و فنون کے دقائق و غوامض پر حاوی اور ہر مسئلہ میں حضرت شیخ کی نہ صرف رائے و تحقیق بلکہ الفاظ و دقائے تک کا محافظ، جس کا علمی مزاج حضرت شیخ کے سانچے میں ڈالا ہو، بجز مولانا بنوری موصوف کے اور کوئی نہیں ہے (مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ) نے اصل کتاب سامنے رکھ کر بنظر اصلاح و ترمیم بالاستیعاب دیکھنا شروع کیا۔ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے بموجب قوسین (بریکٹ) کے درمیان جو کئی کئی سطروں کی طویل عبارتیں یا ہر باب کے شروع میں تمہید یا آخر میں خلاصے تھے۔ ان سب کو حواشی از مترجم کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ (جہاں گئے سطر پر)

اشاعت التوحید والنہ کے صوبائی نائب امیر مولانا مفتی آیاز صاحب لکھتے ہیں کہ: ”دوسرے درجہ کے عقائد کی مثال میں عذاب قبر، ان کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے اگرچہ قابل اطمینان اور پکا ہے۔ لیکن ”ضروریات دین“ کے معیار کا نہیں۔ اس لئے کسی شبہ یا کسی تاویل کی بنیاد پر ان میں سے کسی چیز کا انکار کرنا اگرچہ سخت درجہ گمراہی ہے، لیکن اس کو کفر یا ارتداد نہیں کہا جاسکتا ہے۔“

فرقہ بیخ پیریہ کے مناظر اسلام خضر حیات بھکروی لکھتے ہیں کہ: ”مطلقاً عذاب و ثواب مابعد الموت کا منکر عندا جمہور گمراہ ہے اور عندا بعض کافر ہے۔“

مولانا محمد طیب طاہری صاحب فرماتے ہیں کہ: ”اپنی جماعت کی طرف سے دو نمائندے مقرر کرتا ہوں، دوسرا ترجمان اشاعت مولانا خضر حیات صاحب بھکروی ان کی جیت اور ہار میری اور میری جماعت کی جیت اور ہار ہوگی۔“

اس کے برعکس مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”قیامت سے پہلے عذاب و ثواب برحق ہے اور مطلقاً اس کا منکر جمہور کے نزدیک گمراہ اور کافر ہے۔“

قارئین کرام دیکھئے! فرقہ بیخ پیریہ کے مناظر فرماتے ہیں کہ: ”مطلقاً عذاب قبر کا منکر جمہور کے نزدیک گمراہ ہے، کافر نہیں۔“ اور مفتی شریف صاحب کے ہاں ”مطلقاً عذاب قبر کا منکر جمہور کے نزدیک کافر ہے۔“ مفتی صاحب خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ہم کس کی مانیں آپ کی یا آپ کے مناظر کی؟

آپ خود ہی ذرا اپنے جو رو جفا کو دیکھیں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

کیا مسلمان کو کافر کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے؟

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں: تو مسلمان کو کافر کہنے والا خود دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (ص ۲)

مفتی صاحب! اب ہم ذیل میں آپ ہی کی جماعت کے علماء کی عبارات بطور الزام پیش کرتے ہیں کہ آپ ان کے متعلق کیا تبصرہ فرمائیں گے۔

..... مولانا طیب طاہری صاحب لکھتے ہیں کہ: ”ہمارے کرم فرما! انبیاء و شہداء کی حیات برزخیہ کا انکار فرماتے ہیں۔“

سوال: مفتی صاحب! کیا یہ حیاتوں پر جو سچے مسلمان ہیں کفر کا فتویٰ نہیں؟ کیونکہ حیات برزخی کا منکر کافر ہے۔ دیکھئے۔

سوال: مفتی صاحب! یہ سچ ہے یا جھوٹ اگر سچ ہے تو پھر نشان دہی کریں کہ کس عالم دین نے کون سی کتاب میں انبیاء و شہداء کی حیات برزخیہ کا انکار کیا ہے؟

..... مفتی حسین شاہ نیلوی صاحب مولانا طاہر بیخ پیری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ”وہ مسئلہ حیات النبی ﷺ بعد از وفات النبی ﷺ عند القبر، استشفاع، توسل، وسیلہ اور سماع موتی وغیرہ مسائل میں ان کا مسلک بہت

(سابقہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) مختصر مختصر توضیحی عبارتیں درمیان میں رہنے دیں۔ علاوہ ازیں جہاں جو لفظ یا فقرہ غیر مناسب تھا اس کو موصوف نے کاٹ دیا یا صحیح اور مناسب لفظ سے بدل دیا اور اس طرح حضرات استاذ ربیعہ کے علوم کی حفاظت کا حق ادا فرمایا اور خادم کو سرخرو فرمایا۔ تب مطمئن ہو کر خادم نے کاتب کو لکھنے کے لئے مسودہ دینا شروع کیا۔ (انکار المسدین ص ۴۹، ۵۱)

راخ تھا اور ان مسائل میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کے ہمنوا تھے اور کسی کی پرواہ کئے بغیر قائلین سماع موتی کو کافر و مشرک سمجھتے تھے۔“ (ناشر قرآن ص ۱۲۲)

۳..... سید عنایت اللہ صاحب قائلین سماع موتی اور قائلین حیات النبی ﷺ کو اپنی تقریروں میں لور کلاس مشرک کہا کرتے تھے۔ (نغمہ توحید ص ۱۸ رجب ۱۴۱۱ھ بحوالہ تعویذ المسلمین ص ۱۴)

۴..... بقول سید عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب کے سماع کا قائل نص قطعی کا منکر ہے۔ (خس کم جہاں پاک ص ۷۴)

۵..... حضرت شاہ جی (عنایت اللہ شاہ بخاری) نے پہلے سالانہ توحید کنونشن میں طلباء کو خطاب کر کے فرمایا کہ شرک کی ابتداء مردوں کے سننے کے عقیدہ سے ہوتی ہے اور یہ ایسا عقیدہ ہے جسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صریح لفظوں میں شرک قرار دیا ہے۔ (ماہنامہ نغمہ توحید دسمبر ۱۹۹۵ء ص ۳۰)

اسی پہلے سالانہ توحیدی کنونشن میں حضرت الامیر محمد طیب طاہری امیر اشاعت التوحید والسنہ، قاضی عصمت اللہ امیر اشاعت التوحید والسنہ پنجاب، تنظیم طلباء اشاعت التوحید والسنہ کراچی ڈویژن کے امیر محب اللہ صاحب نوجوان خطیب حضرت مولانا احمد شعیب خان صاحب اور اشاعت التوحید والسنہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری موجود تھے۔

۶..... حضرت مولانا محمد افضل ضیاء صاحب (مرکزی نائب ناظم اعلیٰ) لالہ موسیٰ لکھتے ہیں کہ باتوں باتوں میں راقم الحروف نے ڈاکٹر صاحب کی توجہ قاضی زاہد الحسینی کی ایک تحریر کی طرف مبذول کرائی جس میں انہوں نے یہ تاثر دیا ہے کہ ایک بزرگ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک موئے مبارک تھا جب وہ بزرگ درود شریف پڑھتے تو موئے مبارک کھڑا ہو جاتا تھا گویا اس میں حیات تھی۔ ڈاکٹر انصاری فوراً بولے۔ یہ تو شرک ہے صریح شرک۔

مولانا محمد افضل ضیاء ڈاکٹر عبدالستار انصاری الوہابی کے کلام سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا خیال یہ ہے کہ: سماع موتی کا عقیدہ اگر صحیح ہے تو دنیا میں کوئی مشرک نہ ہوگا شرک کی ابتداء ہی اس عقیدے سے ہوتی ہے۔

گفتگو کے بعد مولانا محمد افضل ضیاء (مرکزی نائب ناظم اعلیٰ) لالہ موسیٰ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ”اللہ تعالیٰ ایسے حق گو افراد کو سلامت رکھے۔“ (ماہنامہ نغمہ توحید اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۵۶)

ابو ذکوان صاحب بیخ پیری افضل ضیاء کو جماعت کا ساتھی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”ہمارے پنجاب کے ساتھی افضل ضیاء صاحب۔“ (دفاع حق ص ۸۷)

مولانا طیب طاہری صاحب امیر فرقہ بیخ پیری لکھتے ہیں کہ: ”حضرت خطیب اسلام مولانا علامہ سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سرپرست اعلیٰ اشاعت التوحید والسنہ۔“ (مسئلہ الاکابر ص ۹)

سوال: مفتی صاحب عنایت اللہ شاہ بخاری اور مولانا طاہر وغیرہ قائلین سماع موتی کو جو سچے مسلمان ہیں، کافر مشرک کہنے سے دائرہ اسلام سے خارج ہوئے یا نہیں؟

۷..... مولانا شہاب الدین خالدي لکھتے ہیں کہ: ”قرآن کریم کی نص قطعی کہ مردے نہیں سنتے، پر تمام علماء کا اجماع ہے قرآن کی نص قطعی اور اجماع امت کا منکر کافر ہے اور اس میں تاویل کرنے والا نہ اہل سنت ہے اور نہ دیوبندی ہے۔“ (عقیدۃ الامت ص ۵۹)

۸..... نیز لکھتے ہیں کہ: ”مردے کے سننے کا عقیدہ ہمیشہ قبر پرستوں اور موحدوں کے درمیان اختلافی رہا ہے قبر پرست مردوں کے سننے کے قائل ہیں۔“ (عقیدۃ الامت ص ۵۹)

مولانا شہاب الدین خالدي کون ہیں

مولانا شہاب الدین خالدي کا تعلق جماعت اشاعت التوحید والسنۃ سے ہے مندرجہ ذیل حوالہ جات دیکھئے۔

- ۱..... علماء اشاعت التوحید والسنۃ کی تصنیفی خدمات۔ (ص ۳۹)
- ۲..... ماہنامہ التوحید والسنۃ بیخ پیر صوابی۔ (ج ۱۵ ش ۵ ص ۴۱)
- ۳..... ماہنامہ التوحید والسنۃ بیخ پیر صوابی۔ (ج ۱۶ ش ۵ ص ۴۲)
- ۴..... ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی۔ (ج ۵۲ ش ۲ ص ۴۴)
- ۵..... ماہنامہ نعمۃ التوحید گجرات۔ (ج ۱۳ ش ۴، ۳ ص ۲۸)

علامہ سیوطی، مولانا جمیل احمد تھانوی، مولانا بدر عالم رحمہ اللہ پر مشرک ہونے کا فتویٰ

۹..... نیلوی صاحب بیخ پیری لکھتے ہیں کہ: ”پھر علامہ سیوطی نے جو بات فرمائی ہے کہ مردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو سننا بلاشبہ صحیح ہے۔“ (سماع موتی ص ۱۷۴)

کیا آپ کو تسلیم ہے اگر تسلیم ہے تو آپ میں اور بریلوی میں کیا فرق ہے؟ اور حضرت شاہ صاحب کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ شیخ سیوطی نے اس میں مطلب اور گر کی بات کی ہے۔ پھر بتائے کہ شرک اور کس بلا کا نام ہے ساری مخلوق کا کلام سننا تو خاصہ اللہ کا ہے پھر یہ شرک حضرت شاہ صاحب کے ذمے لگا دیا۔“ (نداء حق ج ۳ ص ۳۳۴)

نیز نیلوی صاحب بیخ پیری لکھتے ہیں: مولوی بدر عالم کے علم سے مرعوب ہو کر بے چارے جمیل احمد تھانوی صاحب لکھ گئے سیوطی کی کتاب (الحادی ج ۲ ص ۱۷۴) کا حوالہ دے کر شرک کو مزید منور کر دیا۔

سماع موتی کلام الحق معتقد جاءت به عندنا الآثار فی الكتب
یعنی ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مردے تمام خلقت کی بات سنتے ہیں اس عقیدہ کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس کتابوں میں لکھے آثار اور احادیث آتی ہیں۔ (نداء حق ج ۳ ص ۳۳۵)

نیلوی صاحب کو یہ بات تسلیم ہے کہ علامہ سیوطی سماع موتی کے عقیدہ میں شرکیہ عقیدہ رکھتے ہیں اور مولوی بدر عالم پر بھی ناراض ہیں کہ اس نے فیض الباری میں حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب سے سیوطی رحمہ اللہ کے اس عقیدہ کی تائید و تصویب نقل کر کے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ذمے شرکیہ عقیدہ لگا کر ان کو شرک کی دلدل میں پھنسا دیا ہے۔ حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ پر بھی ناراض ہیں کہ انہوں نے سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب (الحادی ج ۲ ص ۱۷۴) کے حوالے سے اس بات کو نقل کر کے شرک کو مزید منور کیا۔ (بحوالہ ضرب المہمد علی القول المستمد ص ۲۲۶)

غیر کی آنکھ کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

سوال: مفتی صاحب! کیا یہ مسلمانوں پر شرک و کفر کا فتویٰ نہیں ہے؟

۱۰..... کیا مولانا حسین علی، شیخ القرآن غلام اللہ خان، مولانا محمد نذر شاہ صاحب رحمہ اللہ تو ہیں ایوب علیہ السلام کے مرتکب ہیں؟

نیلوی صاحب نے توہین ایوب علیہ السلام کے عنوان کے تحت ”بدن میں کیڑے پڑنے کا قصہ بیان کیا ہے۔ دیکھئے۔“ (نداء حق جدید ج ۳ ص ۳۰۷)

اس واقعہ کے بیان کرنے میں مولانا حسین علی ہسید بھی ملوث ہیں۔ ملاحظہ ہو: ”اور ایوب علیہ السلام کا قصہ مختصر یہ ایک کتاب میں ہے کہ تمام لوگ مخالف ہو گئے، شہر سے باہر نکال دیا کہ ان کے دن میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ الخ!“ (ملحد البحر ان ص ۲۸۷ بحوالہ اظہار العین کی عبارات محمد حسین المعروف بہ قہر حق بر صاحب ندائے حق ص ۱۵۷، تالیف حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی ہسید) مفتی صاحب! وضاحت فرمائیں کیا یہ مولانا حسین علی صاحب ہسید پر گستاخ اور کفر کا فتویٰ ہے یا نہیں؟ نیز اس تفسیر کے جامع مولانا نذر شاہ صاحب عباسی اور فیض القرآن غلام اللہ خان صاحب کے بارے میں کیا فتویٰ صادر ہوگا؟ مفتی صاحب جواب دیتے وقت اپنے مناظر خضر حیات کی مندرجہ ذیل بات ذہن میں رکھئے۔ لکھتے ہیں کہ: ”گستاخ رسول کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہوتا ہے۔“ (اکابر کا باغی کون ص ۳۶)

امام اہل السنۃ سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ

دیکھئے (اکابر کا باغی کون ص ۱۸، ۱۹ از مولانا خضر حیات بھکردی، دوم تبلیغی جماعت کا اصل دشمن کون؟ ص ۳، ۴ از مولانا قمر زمان برادر مولانا عبدالوکیل)

مولانا عبدالوکیل صاحب بیخ پیری لکھتے ہیں کہ: ”تو سب بھائیوں سے درخواست ہے۔ کتاب (تبلیغی جماعت کا اصل دشمن کون) دیکھئے۔“ (تحفۃ الاشاعت ص ۳۲۹ دوم ایڈیشن)

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب پر کفر کا فتویٰ

دیکھئے (اکابر کا باغی کون ص ۱۹، ۲۰، از مناظر فرقہ بیخ پیریہ مولانا خضر حیات)

قائد خدام اہل السنۃ قاضی مظہر حسین ہسید پر کفر کا فتویٰ

دیکھئے (اکابر کا باغی کون ص ۱۹، ۲۰۔ از مناظرہ بیخ پیریہ مولانا خضر حیات)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ہسید پر کفر کا فتویٰ

مولانا خان بادشاہ بیخ پیری لکھتے ہیں: ”اور وہ جو علامہ بنوری ہسید نے لکھا ہے یہ تو اس نے بریلوی سے بھی اوپر پرواز کی کیونکہ وہ تو رسول اللہ کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور اس نے اولیاء کرام کو بھی حاضر اور ناظر سے موصوف کیا۔“ (الارشاد المفید ص ۲۸)

نیز لکھتے ہیں کہ: ”اگر بریلوی آنحضرت ﷺ کو متعدد جگہ میں موجود ہونے کے لئے واقعات پیش کریں تو شرک بن جاتا ہے لیکن جمعیت (علماء اسلام) والے لکھ دیں تو وہ دیوبندیت کے رجسٹر میں داخل ہوا اور محدث بھی ہو یہ اگر تمہاری بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟“ (البرہان الجلی ص ۲۸)

خان بادشاہ کا شاگرد خاص اکبر حسین ناظم اعلیٰ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ الدوحہ قطر لکھتے ہیں کہ: ”اگر بریلوی ایسا کہیں تو اس سے مشرک قرار دیا جائے اگر خود یہ عقیدہ رکھیں تو وہ اہل السنۃ کا عقیدہ بن جاتا ہے۔“ (التقید الجوہری علی خرافات سردار جی طبع دہ)

نیز لکھتے ہیں کہ: ”اگر علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب اولیاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تو یہ پکے مسلمان اور اہلسنت والجماعت بن جائے کیا یہ بریلویوں سے اوپر پرواز نہیں؟“ (ایضاً ص ۱۶۸)

آگے لکھتے ہیں کہ: ”حضرت شیخ نے جو فرمایا ہے کہ علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بریلویوں سے بھی اوپر پرواز کی ہے وہ سونی صدیح ہے۔“ (ایضاً ص ۱۶۸)

احمد سعید خان ملتانی رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ

مولانا شہاب الدین خالدی بیخ پیری صاحب لکھتے ہیں کہ ”آپ (احمد سعید ملتانی) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کافر کہہ رہے ہیں الیٰ مالانہا یہ اس بناء پر آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا۔“ (عقیدۃ الامت ص ۵۶۷)

مفتی صاحب! ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے الزاماً بطور نمونہ کے چند عبارتیں آپ کے سامنے رکھ دیئے کہ آپ ان کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟ تفصیل پھر کبھی ان شاء اللہ!

سوال: مفتی صاحب آپ لکھتے ہیں کہ: ”علماء دیوبند کے امین اور صحیح ترجمان جماعت اشاعت التوحید والنہ کے نام سے موسوم ہے۔“ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا علماء دیوبند میں سے کسی نے سماع موتی کے قائلین پر شرک اور کفر کا فتویٰ دیا ہے؟

نہ تم صدے ہمیں دیتے نہ یوں فریاد ہم کرتے نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

حدیث ”من قال لاحیہ کافر“ کی توضیح و تشریح

مفتی شریف صاحب صفری و کبریٰ کو ملا کر راقم اشیم کے متعلق لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لکھتے ہیں کہ: ”(بشارت حسین صفدر) کے ہاں (معاذ اللہ) بیخ پیری حضرات جو عذاب قبر کے منکر نہیں ہیں۔ عذاب قبر کے منکر قرار دیتے ہیں، حالانکہ عذاب قبر سے انکار کفر ہے تو مسلمان کو کافر کہنے والا خود دائرہ اسلام سے خارج ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو آدمی کسی دوسرے کو فسق یا کفر کی نسبت کرتا ہے۔ اگر یہ اس شخص میں نہ ہو تو یہ فسق و کفر اس آدمی پر واپس لوٹ آتے ہیں۔“ (پمفلٹ ص ۲)

جواب: قارئین کرام! مفتی شریف صاحب نے حدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر کفر (دائرہ اسلام سے خروج) کا فتویٰ لگایا ہے۔ اب اس حدیث میں کفر سے کیا مراد ہے، اس کی وضاحت اللہ کے فضل سے ذیل میں علماء کرام سے پیش کرتے ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حدیث: ”ما اکفر رجل رجلاً الا بآء احدہما الخ!“ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ”خلاصہ یہ کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے اگر وہ واقعی میں کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ لیکن کفر کی جو تعریف بھص قرآن اوپر لکھی گئی ہے وہ بظاہر اس شخص پر منطبق نہیں ہوتی جس نے کسی کو بلا وجہ شرعی غلط طور پر کافر کہہ دیا۔ کیونکہ ایسا کہنے والے نے نہ خدا کی تکذیب کی اور نہ اس کے رسول کی، اس لئے بعض فقہاء نے اس کو محض تہدید و تحویف پر محمول کیا ہے جیسے ترک صلوٰۃ پر کفر کے الفاظ بطور تہدید کے آئے ہیں جن سے حقیقی کفر مراد نہیں اور مختصر مشکل الآثار میں (حسب منقول از اکفار السلفین ص ۵۱) اور امام غزالی نے اپنی کتاب (ایثار الحق علی الخلق ص ۴۳۲) میں اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ کسی کو کافر کہنے سے اس جگہ یہ مراد ہے کہ اس

کے عقائد و خیالات کفر ہیں تو اگر فی الواقع اس کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں، بلکہ سب عقائد ایمان کے ہیں تو گویا ایمان کو کفر کہنا لازم آئے گا اور ایمان کو کفر کہنا بلاشبہ اللہ اور رسول کی تکذیب ہے۔ (جواہر الفہم ج ۱ ص ۱۰۱ طبع جدید)

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ حدیث: ”اکفر الرجل اخاه فقد باء بها احدهما“ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: ”مگر اس حدیث پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ جو شخص تمام ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہو اگر کسی مسلمان کو کافر کہہ دے تو یہ کہنا گناہ عملی تو ضرور ہے مگر کفر نہیں۔ کیونکہ اس نے کسی ضرورت دینیہ کا انکار نہیں کیا پھر اس پر کفر لوٹنے کا کیا مطلب ہے؟ اسی اشکال کی وجہ سے علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: ”هذا الحديث مما عده بعض العلماء من المشكلات من حيث ان ظاهره غير مراد و ذالك ان مذهب اهل الحق انه لا يكفر المسلم بالمعاصي كالقتل والزنا و كذا قوله لاخيه كافر من غير اعتقاد بطلان دين الاسلام“

(شرح صحیح مسلم للامام النووی ج ۱ ص ۵۷)

اسی اشکال کی بناء پر بعض علماء نے اس کو تہدید و تخویف پر محمول کیا ہے کہ کفر پر کفر لوٹنے سے حقیقی کفر مراد نہیں (بلکہ کفر دون کفر) مراد ہے جیسے ترک صلوٰۃ پر فقہ کفر کے الفاظ بطور تہدید کے آئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ترک صلوٰۃ بھی ایک قسم کا کفر ہے یہ اور بات ہے کہ کفر کی اسی قسم سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

(درس مسلم ج ۱ ص ۲۱۵)

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی لکھتے ہیں کہ: لیکن جس شخص کو فاسق یا کافر کہا اور وہ حقیقت میں فاسق و کافر نہیں تو یہاں روایت میں فرمایا گیا کہ وہ کلمہ تکفیر کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے، اس کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں۔

۱..... کہنے والے کی طرف لوٹ آنے کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ وہ خود کافر ہو جائے گا۔ حالانکہ مسلمان کو کافر کہنے سے آدمی گناہ گار تو ضرور ہو جاتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا اس لئے اس کی ایک تو وہی مشہور تاویل کی گئی کہ یہ حکم مستحیل کے لئے ہے یعنی جو شخص مسلمان کو گالی دینا حلال اور جائز سمجھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۷۱، عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۳، ارشاد الساری ج ۱۳ ص ۶۳)

۲..... یہ زجر و توبیخ پر محمول ہے، معنی حقیقی مراد نہیں۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۷۱)

۳..... یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس جملے کا وبال اس پر آئے گا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر، علامہ قرطبی رحمہم اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ”والحاصل ان المقول له وان كان كافرا كفا اشرعيا فقد صدق القائل ذهب بها المقول له وان لم يكن، رجعت للقائل معرفة ذلك القول اثم وهو من اعدل الاجوبة“ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۷۲)

یعنی جس شخص کو کافر کہا گیا وہ اگر واقعاً کافر ہے پھر تو کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا وہ اس کا مستحق ہے لیکن اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر اس جملے کا وبال اور گناہ آئے گا۔ یہ اس حدیث کی سب سے اچھی توجیہ ہے۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری کتاب الادب ص ۴۲۳، ۴۲۴)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں کہ: کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت گناہ ہے اور جو شخص ایسا کہے وہ فاسق ہے۔ (فتاویٰ عثمانی ج ۱ ص ۷۸)

سوال: کیا اکابر علماء دیوبند نے احمد رضا خان صاحب بریلوی کو تکفیر دیوبند کے بناء پر کافر کہا تھا۔

جھوٹ کس نے بولا ہے

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اس رسالہ پر ایک تصویر بنائی گئی ہے جس میں اشاعت والوں کا ہاتھ عثمانیوں کے ہاتھ میں دے کر ممالکت ظاہر کی گئی ہے لیکن یہ ان کی ناقص ذہنیت کا نتیجہ ہے۔“

قارئین کرام! پہلے ہم عذاب قبر کے متعلق فرقہ عثمانیہ کا عقیدہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ آپ کو فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔

۱..... ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی لکھتے ہیں کہ: ”سوال وجواب عذاب و نعیم اس (زمینی) قبر کی نہیں بلکہ عالم برزخ کی چیز ہے۔“

(ایمان خالص دوسری قسط ص ۳۱)

۲..... فرقہ عثمانیہ کے ہاں دوزخ کا مقام اصلی قبر ہے۔ دیکھئے

(عذاب برزخ ص ۳، ۱۲)

۳..... اب (جو شخص یہ کہے کہ) اسی (مردہ) پر قیامت تک دنیاوی قبر کے اندر عذاب یا راحت کا دور گزرتا ہے وہ بھی ایمان سے خالی ہے۔

(عذاب برزخ ص ۳۲)

۴..... دنیاوی قبر میں عذاب قبر کا اثبات حیات فی القبر کے ہم معنی اور قبر پرستی کے شرک کی اصل بنیاد ہے۔

(عذاب قبر ص ۳۳)

یہ کتاب فرقہ عثمانیہ کی طرف سے اس عقیدے پر لکھی گئی ہے کہ زمینی قبر میں خاکی جسم کو عذاب و ثواب نہیں ہوتا۔

۵..... دنیاوی قبر میں عذاب کا ماننا دراصل حیات فی القبر کے عقیدے کی تصدیق کرنا ہے جو کہ قبر پرست کے شرک کی بنیاد اور قرآن کا انکار ہے۔

(قبر پرستی کا شرک اور اس کی بنیاد ص ۱)

۶..... عذاب و راحت کا معاملہ اسی زمینی گڑھے میں ہوتا ہے تو یہ محض جہالت، ضد اور ہٹ دھرمی اور قرآن و حدیث کا صریح انکار ہے۔

(قبر پرستی کا شرک اور اس کی بنیاد ص ۱۷)

۷..... عذاب و راحت کا مقام برزخ ہے یہ زمینی گڑھا نہیں۔

(ایضاً ص ۲۹)

۸..... ابوانور جدون (محمدی گل) جس کا تعلق فرقہ عثمانیہ سے ہے لکھتے ہیں کہ: ”مردے ان دنیاوی قبروں میں قیامت سے پہلے زندہ نہیں ہو سکتے اور نہ ان کو یہاں عذاب و راحت کا احساس ہوتا ہے۔“

(جواب مبین ص ۲۰، ۲۱)

۹..... نیز لکھتے ہیں کہ: ”بے جان مردے عذاب و راحت کا احساس نہیں کر سکتے کیونکہ مردوں میں شعور اور روح نہیں ہوتی ہے۔“

(جواب مبین ص ۴۳)

۱۰..... آگے لکھتے ہیں کہ: ”مرنے والوں کو عذاب و راحت (آرام) یہاں ان زمینی گڑھوں (قبروں) میں نہیں الگ مقام برزخ میں ہوتا ہے۔“

(جواب مبین ص ۴۴)

۱۱..... نیز لکھتے ہیں کہ: ”یہ سوال وجواب اور راحت و عذاب اس دنیا اور دنیاوی بدن سے الگ دوسرے عالم کے معاملات ہیں۔“

(جواب مبین ص ۱۰۱، ناشر مسجد توحید آر، جی ریلوے کالونی توحید روڈ کھارڑی۔ کراچی)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ فرقہ عثمانیہ اس زمینی قبر میں عذاب و ثواب کے منکر ہے۔

فیصلہ اہل انصاف پر

قارئین کرام! آپ نے فرقہ عثمانیہ کا عقیدہ دیکھ لیا اب اس کے بعد عذاب قبر کے متعلق فرقہ پنج پیر کا

عقیدہ دیکھنے کے لئے بندہ عاجز کار سالہ بنام ”فرقہ پنج پیریہ ملاحیہ عذاب قبر کا منکر ہے“ دیکھئے اور اللہ کو حاضر و ناظر سمجھ کر فیصلہ کیجئے کہ جھوٹ کس نے بولا ہے اور ناقص ذہن کس کا ہے؟

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

کیا قلندر خیل میں نو جوانان اہل سنت والجماعت نہیں ہے؟

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”صاحب رسالہ نے اپنے آپ کو ناشر نو جوانان اہلسنت والجماعت گندف قلندر خیل ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ قلندر خیل میں اس نام کی کوئی جماعت ہی نہیں ہے، جو سرا سر جھوٹ ہے۔“

جواب: ہم مفتی شریف صاحب کے بارے میں حسن ظن اور خوش فہمی میں مبتلاء تھے کہ جماعت کے محقق اور مدرس عالم ہیں کوئی تو کام کی بات لکھیں گے لیکن اشتہار کو دیکھ کر ہماری خوش فہمی بالکل کا فور ہو گئی۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو ایک قطرہ خون نکلا محلہ قلندر خیل میں نو جوانان اہل سنت والجماعت موجود ہے۔ ذیل میں دیکھئے: حضرت مولانا گوہر رحمان صاحب مدظلہ (فاضل دارالعلوم کراچی) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدظلہ، بشارت حسین، متعلم کامران صفدر وغیرہم۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ جھوٹ کون بول رہا ہے؟ ہم یا مفتی شریف صاحب!

جھوٹ کہنے سے جن کو عار نہیں ان کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں

اہل سنت والجماعت کون

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”صاحب رسالہ نے بزعم خود یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ میں اہلسنت والجماعت میں سے ہوں حالانکہ اہلسنت والجماعت کی جو تعریف ہے وہ بھی بحمد اللہ اشاعت والوں پر صادق آتی ہے نہ کہ صاحب رسالہ پر اور اس کے اتحادیوں پر۔“

جواب: مفتی شریف صاحب کا پہلا جھوٹ، کہ صاحب رسالہ پر اہل السنۃ والجماعت کی تعریف صادق نہیں آتی۔ حالانکہ بندہ عاجز کے تمام وہ عقائد ہیں جو اہلسنت والجماعت دیوبند کے ہیں۔ کوئی عقیدہ بھی ان کے خلاف نہیں۔

مفتی شریف صاحب کا دوسرا جھوٹ کہ اہل سنت والجماعت کی تعریف اشاعت والوں پر صادق آتی ہے، کیونکہ فرقہ پنج پیریہ ملاحیہ عقیدہ حیات النبی ﷺ اور عذاب قبر میں اہل السنۃ والجماعت سے ہٹ کر ایک بدعتی عقیدہ رکھتا ہے، مفتی صاحب! ہم آپ کی تسلی کے لئے دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ نقل کرتے ہیں۔

فتویٰ دارالعلوم دیوبند

استفتاء: یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے، آپ کا قبر اور جسد مبارک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا آپ ﷺ کی قبر پر درود و سلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں۔ کیا ایسا عقیدہ رکھنا صحیح ہے کہ نہیں اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ اور ایسے عقیدے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینواتو جروا!

الجواب: آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بحیدہ موجود اور حیات ہیں آپ ﷺ کے مزار پر پاس

کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم نہیں۔ آپ ﷺ اپنے مزار میں حیات ہیں، مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بحسدہ و روحہ موجود ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ وہ بدعتی ہے خراب عقیدہ والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے حدیث میں آتا ہے: ”ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء (الحديث) و عن ابی هريره قال قال رسول الله ﷺ من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على من بعيد اعلمته رواه ابو الشيخ وسنده جيد (القول البدیع ص ۱۱۶) عن انس قال قال رسول الله ﷺ احباء في قبورهم يصلون۔ ابن عدی و البیهقی وغیرہما (شفاء السقام ص ۱۳۴)“

دو حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل السنۃ والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بحسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

کتبہ: السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند

۱۳/۵/۶۷ھ

الجواب الصحیح: جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۲۱ شوال ۱۳۷۶ھ اجاب الحبيب واجاء محمد ضياء الحق كان الله له مدرسه جامعہ اشرفیہ لاہور۔ الجواب صواب محمد رسول خان عفا الله عنه۔

راقم اشیم (امام اہل السنۃ شیخ الحدیث سرفراز خان مندر) سے بھی اس فتویٰ پر جواب طلب کیا گیا تو راقم نے بھی اس پر الجواب صحیح لکھا خود فرمائیں کہ دارالعلوم دیوبند کے جناب صدر مفتی صاحب مرحوم و مغفور اور حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی اور استاد الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب رحمہ اللہ نے ایسا عقیدہ رکھنے والے کو اہل السنۃ والجماعت سے خارج اور بدعتی قرار دیا ہے اور تصریح فرمائی ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ (بحوالہ تسکین الصدور ص ۴۹، ۵۰) اس لئے ہم کہتے ہیں کہ فرقہ پیچ پیرویہ نہ دیوبندی ہے اور نہ اہل السنۃ والجماعت بلکہ ایک بدعتی جماعت ہے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ دارالعلوم دیوبند کے فتوے کے رو سے فرقہ پیچ پیرویہ اہل السنۃ والجماعت سے خارج اور بدعتی ہے اور ان کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

مفتی صاحب! اگر واقعی فرقہ پیچ پیرویہ علماء دیوبند کا امین اور صحیح ترجمان ہے تو پھر علماء دیوبند کے فتوے کو مان لے ورنہ ”ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور“ کا مصداق بنے۔

اگر تم وفادار ہو، وفا کر کے دکھاؤ کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور مفتی صاحب نے جو ابن کثیر کی عبارت نقل کی ہے وہ اہل السنۃ والجماعت کی تعریف نہیں بلکہ اہلسنت والجماعت کا بدعت کے متعلق قول ہے۔

سوالات

سوال نمبر ۱: اہلسنت والجماعت میں دخول اور خروج کے لئے معیار کیا ہے؟

سوال نمبر ۲: قائلین سماع عند قبر النبی ﷺ اہلسنت والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟ کیونکہ آپ کے

ہاں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تابعین سماع عند القبر کے منکر ہیں۔ (تمہین الحق ص ۱۳، از مولانا محمد زماں بیچ پیری)

سوال نمبر ۳: سماع موتی کے قائلین اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟ کیونکہ آپ کے نزدیک

سب صحابہ متفق ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ دیکھئے (عقیدۃ الامت ص ۶۰، شہاب الدین خالدی)

سوال نمبر ۴: جو شخص مرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ میں جسد غصری کے ساتھ زندہ مانے وہ

اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۵: استشفاع عند قبر النبی ﷺ کے قائلین اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۶: توسل بذوات فاضلہ کے قائلین اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۷: اعادہ روح کے قائلین اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۸: سماع موتی کے قائلین پر شرک و کفر کے فتوے لگانے والے اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۹: فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کے قائلین اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟

کیونکہ مولانا خان بادشاہ صاحب کے ہاں فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا بدعت ہے۔ (دیکھئے: الارشاد المفید)

سوال نمبر ۱۰: مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ”تلقین بعد الدفن حنفیہ کے نزدیک معمول و متوارث

نہیں اور حنفیہ کے اصول کے ساتھ یہی موافق ہے لیکن چونکہ کوئی دلیل حرمت یا کراہیت نہیں ہے اس لئے متاخرین حنفیہ نے منع نہیں کیا اور یہی مسلک کہ عمل نہ کیا جائے اور کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے، رائج ہے۔“

(کفایت المفتی ج ۴ ص ۶۷ بحوالہ ندائے حق ج ۳ ص ۲۲۶)

اس کی وجہ سے مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۱۱: پندرہ شعبان کے روزے کو مستحب کہنے والے اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۱۲: ختنے کی دعوت کو جائز اور مستحب کہنے والے اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۱۳: عرض اعمال کے قائلین اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۱۴: امام اہل السنۃ والجماعت شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اہل

السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟ جواب دیتے وقت مندرجہ ذیل بات کا خیال رکھنا۔

فرقہ بیخ پیریہ کے مفتی منیر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ: ”ترجمان دیوبند شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز

خان صفدر دامت برکاتہم۔“ (الفرقان بین الرحمن وعبادۃ العیطان ص ۱۶۶)

نیز لکھتے ہیں کہ: ”امام اہل السنۃ والجماعت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم“

(الفرقان ص ۱۷۲)

مفتی منیر شاہ صاحب کا تعلق فرقہ بیخ پیریہ کے ساتھ ہے۔ (علامہ اشاعت التوحید والسنۃ کی تصنیفی خدمات ص ۲۷)

کون کس کے ساتھ ہے

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اب بھی آپ ان لوگوں کی زیر صدارت اور زیر سرپرستی جلسے وغیرہ

کرتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں جو سنتوں اور جنازے کے بعد اجتماعی کرتے ہیں جو کہ بالاتفاق بدعت

ہے۔“ الخ! (پمفلٹ)

جواب: مفتی صاحب! ہم آپ کو آئینے کا دوسرا رخ دکھاتے ہیں۔ دیکھئے جمعیت علماء اسلام (س) کے قائد شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب اکوڑہ ٹنک (جامعہ حقانیہ کے مہتمم) اجتماع (پنج پیر) کے دوسرے دن ۲۱ اپریل کو نماز مغرب سے کچھ دیر پہلے تشریف لائے۔ مولانا عرفان الحق صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے ان کی آمد پر حاضرین نے پر جوش نعرے لگائے انہوں نے مغرب کی نماز پڑھائی اور پھر سٹیج پر تشریف لا کر تفصیلی خطاب کرتے ہوئے موجودہ ملکی صورتحال پر اظہار خیال فرمایا۔

قارئین کرام! دارالعلوم حقانیہ کے متعلق یہ لوگ کیا نظریہ رکھتے ہیں دیکھئے مولانا خان بادشاہ لکھتے ہیں:

”(۱) فضل الرحمن گروپ (۲) سمیع الحق گروپ، ان دونوں کا تو دینی مسائل سے کام نہیں یہ تو کرسی والے ہیں۔“

(التقید الجوہری علی خرافات سردار جی ص ۴۳)

نیز لکھتے ہیں: ”دارالعلوم حقانیہ میں سوائے بدعات کے اور کچھ نہیں تھا اور مہتمم حضرات یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کی مدارس میں رو بدعات ہوں۔“

اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں: ”اکوڑہ ٹنک بدعات کا مرکز ہے۔“

جامعہ حقانیہ کے علماء کے متعلق لکھتے ہیں: ”یہ سب بدعات کے ملوث تھے۔“

مفتی صاحب! ان سب باتوں کے باوجود حاضرین نے پر جوش نعرے لگائے اور ان کے پیچھے آپ کے اکابر و اصغر نے نماز پڑھ لی۔ مفتی صاحب! ان کے بارے میں کچھ فرمائیں گے یا خاموش تماشائی بن کر ”الساکت عن الحق شیطان اخرس“ کی مصداق بنیں گے۔

جمعیت اشاعت التوحید والنہ پاکستان کے مرکز دارالعلوم تعلیم القرآن میں مورخہ ۲۲/صفر/المظفر ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۷ جنوری ۲۰۱۱ء بروز جمعرات مہتمم دارالعلوم جانشین شیخ القرآن حضرت مولانا اشرف علی زید مجددہ کی زیر صدارت ایک عظیم الشان باوقار مذہبی تقریب منعقد ہوئی۔ اس تقریب سعید کے مہمان خصوصی دارالعلوم تعلیم القرآن کے ایک قابل فخر سپوت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ کے مایہ ناز تلمیذ ارشد وطن عزیز کے ایک بلند پایہ نامور عالم ربانی عظیم مذہبی سکالر حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ٹنک تھے۔

جماعت اسلامی اور فرقہ پنج پیریہ

..... ۱ ”اجتماع پنج پیر ۲۰۱۲ء کے موقع پر جماعت اسلامی کے امیر پروفیسر ابراہیم صاحب اور جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی شبیر احمد صاحب تشریف لائے اور شرکاء سے خطاب کیا۔“

..... ۲ ”اجتماع پنج پیر ۲۰۱۳ء کے موقع پر جماعت اسلامی کی مرکزی اور صوبائی قیادت اجتماع گاہ تشریف لائے تو ان کو تقاریر کا موقع دیا گیا صوبائی امیر جماعت اسلامی پروفیسر ابراہیم اور نائب مرکزی امیر سراج الحق صاحب نے خطاب کیا۔ مولانا سید منور حسن کو دعوت خطاب سے پہلے شیخ القرآن مولانا محمد طیب طاہری نے جماعت اسلامی کے قائدین کی اجتماع میں شرکت پر خوش آمدید کے لئے تشریف لائے اور موجودہ حالات میں اتحاد و اتفاق کے بارے میں مختصر بیان فرمایا بعد میں جماعت اسلامی کے امیر مرکزیہ جناب سید منور حسن صاحب نے خطاب کیا۔“

(ماہنامہ التوحید والنہ ج ۱۶ ش ۴ ص ۱۰)

۱۱

۱۱

۱۱



۱۲) روزنامہ ایکسپریس پشاور منگل ۲۳ اپریل ۲۰۱۳ء، ص ۵ دیکھئے



حضرت مولانا محمد طیب طاہری، سلطان محمد، فضل ربانی اور دیگر لوہند خوڑ میں انتخابی جلسہ سے خطاب کر رہے ہیں

مولانا محمد طیب طاہری صاحب جماعت اسلامی کے جلسے میں خطاب کر رہے ہیں مفتی صاحب ان پر بھی کچھ عرض کریں گے یا صرف بندہ عاجز ہی گناہ گار ہے۔

جماعت الدعوة: اجتماع پنج پیر ۲۰۱۲ء کے موقع پر جماعت الدعوة کے یعقوب فیض صاحب نے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ (آواز و پیغام حق ص ۸)

مولانا طیب طاہری نے اتحاد العلماء کا نفرس بمقام مرکز اسلامی پشاور میں بتاریخ ۲۵/۱۲/۲۰۱۳ء بروز جمعرات فرمایا: محترم سامعین! جماعت اسلامی کے قائدین اور جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے ساتھیو یہ پروگرام اتحاد العلماء کی زیر نگرانی منعقد کیا گیا ہے۔ اس میں ہم کثیر تعداد میں اس لئے جمع ہیں کہ ہم یہ سوچیں کہ اس ملک میں امن اور خوشحالی کیسے آئی گی اور دین اسلام کیسے ہوگی۔ ہم نے عملی سیاسی میدان میں اب تک حصہ نہیں لیا تھا لیکن ہم نے سوچا کہ انفرادی ووٹ کا کوئی فائدہ نہیں لگتا، جماعتیں اور تنظیمیں تو بہت سی ہیں جن کا ہدف دنیا کا حصول اپنے آقاؤں امریکہ یا روس کو خوش کرنا ہے لیکن ہمیں ایسی جماعت چاہئے جو دولت پر نہ بکے۔ ہم نے جماعت کے ساتھی جمع کئے اور مشورہ کیا کہ ہمیں ایک ایسے فریق کی ضرورت ہے کہ جس کے ساتھ ہم مل کر اسلام اور پاکستان کی خدمت کر سکیں۔ اس لئے میں نے جماعت اسلامی کے ساتھ اتحاد کیا۔ میری امید ہے کہ جماعت اسلامی نے جس طرح پہلے آواز اٹھائی ہے۔ اسی طرح پھر بھی اسلام اور مسلمان کی عزت کی آواز اٹھائے گی اور اس ملک و قوم کی عزت اور خیر خواہی چاہئے گی۔ امن خوشحالی اور اسلام کی عزت کے لئے میں اور میرے ساتھی ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

(ماہنامہ التوحید والسنۃ پنج پیر صوابی ج ۱۶ ش ۵ ص ۶۳۳)

غیر مقلد عبد السلام رستی کی دار القرآن پنج پیر میں آمد

مفتی نور الحق ابراہیم زئی پنج پیری لکھتے ہیں کہ: ”لہذا شیخ عبد السلام صاحب چند دن بعد جب ان کی طبیعت سنبھل گئی تو اطلاع فرمائی کہ میں اپنے چند ساتھیوں سمیت ۱۳ مئی کو آ رہا ہوں اور پھر ۱۳ مئی کو شیخ عبد السلام صاحبان اپنے برخورداران مولانا ابوسعید، مولانا عبد البصیر اور دیگر کے ہمراہ دار القرآن پنج پیر تشریف لائے۔ اس موقع پر اشاعت التوحید والسنۃ کے بزرگ علماء کرام جماعتی احباب اور اراکین جمع تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں کارکنان، طلبہ اور علماء کرام، شیخ القرآن مولانا محمد طیب صاحب کے ایک اشارے پر دار القرآن پنج پیر پہنچ گئے تھے جس کی وجہ سے یہ ملاقات ایک بڑے اجتماع کی شکل اختیار کر گئی۔ شیخ التفسیر مولانا سعید الرحمن (خطیب اوگئی مانسہرہ) مفتی سراج الدین، شیخ غلام حبیب صاحب، شیخ الحدیث مولانا عبد الجبار صاحب وغیرہ کے مختصر بیانات ہوئے۔ آخر میں شیخ عبد السلام صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔“

(ماہنامہ التوحید والسنۃ پنج پیر صوابی ج ۱۳ ش ۶ ص ۳، ۴)

طیب طاہری صاحب نے فرمایا: ”ہمارے اور شیخ عبد السلام کے درمیان اگرچہ کافی عرصہ سے جدائی چلی آرہی تھی لیکن اس کے باوجود ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے احترام اور محبت پہلے کی طرح برقرار تھی، اسی محبت اور تعلق کی بناء پر آج ہم سب یہاں جمع ہیں۔“

(ایضاً ص ۵)

سرپرست اشاعت التوحید والسنۃ عنایت اللہ شاہ بخاری کا بریلوی شیخ الحدیث کی رسم قل میں شرکت اخبار جنگ راولپنڈی ۴ ستمبر ۱۹۸۱ء میں ہے کہ: ”شیخ الحدیث سید احمد شاہ کی رسم قل میں ممتاز علماء کی شرکت، گجرات ۳ ستمبر (نمائندہ جنگ) یہاں مسجد حاجی پیر بخش میں شیخ الحدیث الحاج سید احمد شاہ کی رسم قل نہایت عقیدت اور احترام کے ساتھ منائی گئی ملک کے نامور علماء کرام اور مشائخ عظام اور سیاسی و مذہبی حلقوں نے ان کی وفات پر گہرے رنج کا اظہار کیا اور حاجی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ شیخ الحدیث ایک بلند پایہ عالم دین اور روحانی پیشوا تھے ان کی ساری عمر تبلیغ میں گزری پنجاب بھر کے ہزاروں فرزندان توحید کے علاوہ دیگر مکاتیب فکر کے لوگوں نے بھی رسم قل میں شرکت کی اور ان کے لئے دعاء مغفرت کی۔ ان افراد میں مفتی محمد حسین نعیمی لاہور اسلامی مشاورتی کونسل کے ممبر محمود احمد رضوی، جماعت اہل سنت کے ناظم حاجی فضل کریم، دیوبند فکر کے ممتاز عالم دین سید عنایت اللہ شاہ بخاری، چوہدری فضل الہی سابق صدر پاکستان، علامہ محمد یعقوب اور دیگر افراد شامل ہیں۔“ (بحوالہ ضرب المہمد علی القول المسند ص ۲۶)

نوٹ: یہ حوالہ آپ کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دیا گیا ہے۔

عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب کا جلسہ یوم علی رضی اللہ عنہ میں حاضری

”حضرت شاہ صاحب انجمن سادات ضلع گجرات کے زیر اہتمام یوم علی رضی اللہ عنہ پر منعقد ہونے والے جلسہ میں شرکت کر کے خطاب فرمایا۔ دیکھئے جنگ اخبار راولپنڈی ۵ ستمبر ۱۹۷۵ء یہ یاد رہے کہ اس انجمن سادات کا بانی ٹیکسلا کا ایک رافضی تھا جس کے حکم کے تحت یہ یوم علی کا جلسہ منعقد کیا جا رہا تھا۔“ (بحوالہ ضرب المہمد علی القول المسند ص ۳۶)

نوٹ: اخبار کا عکس دیکھنے کے لئے دیکھئے:

حضرت عبدالرحمن صاحب مدظلہ اور حافظ گل ضمیر صاحب جو آپ کی جماعت کی طرف سے جمعرات کے دن مسجد قلندر خیل میں درس کے لئے مقرر ہیں۔ ایک دودفعہ مولانا طارق صاحب پنج پیری کو بھی مسجد قلندر خیل میں نماز پڑھتے دیکھا گیا۔ حضرت مفتی سلیم صاحب بھی حضرت مولانا لیاقت صاحب کے اقتداء میں نماز کی فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ ماسٹر سلیمان صاحب بھی ”ڈھکی مسجد“ میں نماز پڑھتے ہیں۔

مفتی صاحب! یہ چند اسماء بطور نمونہ کے ذکر کر دیئے کہ آپ ان پر کیا تبصرہ فرمائیں گے۔

دیوبندی کون ہیں؟

حضرت مولانا شہاب الدین خالدی صاحب پنج پیری لکھتے ہیں کہ: ”دیوبندی وہی ہے جو علماء دیوبند کے مسلک کو قبول کرتا ہے اور اس کو بیان کرتا ہے۔“ (عقیدۃ الامت ص ۳۹۷)

نیز لکھتے ہیں کہ: ”جو لوگ علماء دیوبند کثر اللہ سواد ہم کے نظریہ کو نہیں مانتے وہ دیوبندی نہیں۔“ (ایضاً ص ۳۹۶)

مفتی صاحب! آپ عقیدہ حیات النبی ﷺ وغیرہ میں مسلک دیوبند کے نظریہ کو نہیں مانتے۔ لہذا آپ یعنی پنج پیری حضرات دیوبندی نہیں۔

خطیب اسلام، یادگار سلف، مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ: ”احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام بحسد عصری زندہ ہیں جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔“ (بحوالہ رحمت کائنات ج ۲ ص ۳۲)

فرقہ پنج پیریہ کے مناظر حضرت مولانا قاری چن صاحب فرماتے ہیں کہ: ”عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق فیصلہ ۱۹۶۲ء پر ہم متفق ہیں جو اس فیصلے کی پابندی نہ کرے گا، دیوبندیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔“ (قاری چن صاحب اور حافظ ثار احمد الحسنی صاحب کے مابین طے ہونے والا ضابطہ اخلاق ص ۳۳ ناشر نو جوانان توحید و سنت حضرو ضلع انک) اسی قاری چن صاحب کو فرقہ پنج پیریہ کے مناظر خضر حیات بھکروی درجہ ذیل القابات سے نوازتے ہیں: ”سلطان المناظرین جرنیل توحید و سنت، استاد الحدیث والتفسیر حضرت مولانا قاری چن صاحب“ (شواہد التوحید ص ۲۴) مفتی صاحب! ہم نے آپ کے گھر کی شہادت آپ کے سامنے رکھ دی۔ اب آپ کی مرضی ہے قبول فرمائیں یا رد کریں:

قریب ہے یار دروز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین گا

مولانا طیب طاہری صاحب امیر فرقہ پنج پیریہ کی عبارت پر تبصرہ

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اسی کتاب (مسلک الاکابر) کے (ص ۲۷) پر شیخ القرآن صاحب مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ یہ ساری بحث قبر شرعی کی ہے۔ جسے عرف عام میں برزخ کہا جاتا ہے اور جہاں پر روح کو ایک دوسرا جسم دیا جاتا ہے جسے جسم مثالی کہتے ہیں اور اسی کے ساتھ اسے عذاب و ثواب ہوتا ہے البتہ دنیاوی یا عرفی قبر اور جسد عصری کے ساتھ بھی عذاب و ثواب کا ایک تعلق ہے لیکن ہم اس تعلق کی حقیقت اور کیفیت کو نہیں جانتے۔“ (پمفلٹ ص ۴) وہ آگے آگے وصل کا اقرار ساتھ ساتھ میں پیچھے پیچھے سر پہ ہوں بستر لئے ہوئے

مندرجہ بالا عبارت کی مولانا طیب طاہری امیر فرقہ پنج پیریہ کی طرف سے وضاحت

مولانا محمد طیب طاہری پنج پیری ایک خط بنام حافظ منظور الحق صاحب میں لکھتے ہیں کہ: ”مسلک اکابر کی عبارت سے جو مراد لیا گیا ہے ایسا نہیں بلکہ قبر میں بدن کے ساتھ روح کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ عذاب صرف بدن کو دیا جاتا ہے یا صرف روح کو یا دونوں کو اس میں تین اقوال ہیں رائج یہ کہ دونوں کو کیونکہ گناہ صرف روح نے نہیں کیا اور نہ بدن نے اب جب روح اور بدن دونوں گناہ میں شریک تھے تو سزا میں بھی شریک ہوں گے۔ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس کی مثال (فیض الباری ج ۴ ص ۱۱۵) میں اعلیٰ اور اعرج کا پیش کیا ہے۔ مطالعہ کیجئے۔ بعض مقامات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صرف روح کو ہے جیسا کہ: ”یفسخ له سبعین فی سبعین“ وغیرہ اور بعض مقامات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عذاب بدن کے لئے ہے۔ جیسا کہ بخاری میں کئی جگہ یہ روایت ہے اور (ابوداؤد ج ۴ ص ۴) پر ”مز علی قبرین“ اب اس کا یہی مطلب ہرگز نہیں کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ ہے اور عذاب کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بدن کو تعلق روح کے بغیر عذاب کیسے دیتا ہے؟“ (بحوالہ مکتوب سلیم طبع دوم ص ۹۸ تا ۹۹)

مفتی شریف صاحب کتاب ”مسلك الاكابر“ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ: ”ہمارے جماعت کا ترجمان کتاب ”مسلك الاكابر فی تحقیق الحیوة وعدم السماع لاهل المقابر“ (پمفلٹ ص ۴)
 سوال: کن دلائل کے بنیاد پر جسد عنصری کا قول کیا ہے؟ کیونکہ صاحب تفسیر جواہر القرآن لکھتے ہیں کہ: ”کیونکہ برزخ عالم غیب کی چیز ہے اس لئے اس برزخی حیات کی کیفیت کے بارے میں عقل و فکر رائے و قیاس سے کچھ کہنے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور نہ ہی اس معاملہ میں نصوص کتاب و سنت سے جو کچھ ثابت ہو اس سے تجاوز کرنا جائز ہے۔“ (بحوالہ ندائے حق ج ۱ ص ۶۲۶)

جواب دیتے وقت مندرجہ ذیل عبارات کو مد نظر رکھئے:

.....۱ مولانا شہاب الدین خالد بیچ پیری لکھتے ہیں کہ: ”قرآن و سنت صحیح میں جسم عنصری یا اس کے ذروں کو عذاب کا ذکر نہیں ہے۔“ (مقام علماء اسلام ص ۷۱۱)

.....۲ حضرت مولانا محمد امیر بند یا لوی بیچ پیری لکھتے ہیں کہ: ”جس عذاب و ثواب کا ذکر نصوص یا احادیث و آثار میں آتا ہے دراصل اس کی محل روح ہی ہے۔“ (الاقوال الرضیہ فی احوال البرزخ ص ۴۱)

.....۳ مولانا حسین نیلوی بیچ پیری صاحب لکھتے ہیں کہ: ”بہت سے محققین کا ملین کا یہی قول ہے کہ بدن عنصری کو ثواب و عذاب ممکن ہے مگر خلاف واقع اور مشاہدہ اور خلاف شرع ہے۔“ (ندائے حق ج ۱ ص ۳۱۱)

.....۴ نیز علامہ نیلوی صاحب بیچ پیری لکھتے ہیں کہ: ”تعجب ہے کہ صاحب تسکین سوال نکیرین و تعذیب و تعصیم کے لئے جسد عنصری کہتے ہیں حالانکہ علماء سلف و خلف میں سے کسی نے جسد کے ساتھ عنصری کا لفظ نہیں بڑھایا۔“ (ندائے حق ج ۱ ص ۱۷۰)

.....۵ نیز نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”روح مع الجسد کو حیات حاصل ہے اب وہ جسد عنصری ہے یا مثالی، پہلی بات کے محققین قائل نہیں اور جو بچارے قائل ہیں مصیبت میں پھنس گئے۔ معزلہ کو جواب دینے میں طرح طرح کی قلابازیاں کھائیں۔ مگر صحیح جواب نہ بن سکا۔“ (ندائے حق ج ۱ ص ۲۹۷)

سلطان عشق کی یہی فتح و شکست ہے یا ہاتھ توڑے جائے گے یا کھولیں گے نقاب

.....۶ حضرت مولانا امیر عبد اللہ بیچ پیری صاحب لکھتے ہیں کہ: ”کلمنا نضجت جلودہم بدلہم جلودا غیر ہالید و قوا العذاب (النساء: ۵۶) جب ان کے چمڑے جل جائیں گے تو ہم ان چمڑوں کے علاوہ اور چمڑے تبدیل کر دیں گے تاکہ عذاب چکھے اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے جسم میں احساس عذاب نہیں۔“ (اطلان حق ص ۷۷ شعبہ نشر و اشاعت لوجوانان توحید و سنت ڈیرہ اسماعیل خان)

سوال: مفتی شریف صاحب! کیا آپ کے بیچ پیری عالم دین مولانا امیر عبد اللہ صاحب نے قرآن پر افتراء کی ہے اور ”ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا“ الایہ کا مصداق ٹھہرے ہیں یا آپ کے امیر مولانا محمد طیب طاہری نے قرآن کے خلاف کر کے جہالت کا ثبوت دیا ہے؟

قرآن تو نہ سمجھے اس میں تصور کس کا اپنی عقل پہ رونا اپنا نصیب پیٹ

مفتی صاحب! مولانا طیب طاہری صاحب نے مرنے کے بعد جسد عنصری کو عذاب و ثواب تسلیم کیا ہے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ جسد عنصری کا یہ عذاب و ثواب برزخی ہے یا نہیں؟

سوال: زمینی قبر برزخ کا حصہ ہے یا نہیں؟

سوال: برزخ زمانے کا نام ہے یا مکان کا وضاحت فرمائیے؟

مفتی صاحب! جسد عنصری کے تعمیم و تعذیب کے قول کرنے سے یہ لازم آئے گا کہ اس زمینی قبر میں عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ کیونکہ جسد عنصری اکثر اس زمینی قبر میں ہوتا ہے حالانکہ فرقہ پنج پیریہ، مہاتپہ، اشاعتیہ کے مندرجہ ذیل علماء فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد جب عذاب و ثواب کی نسبت قبر کی طرف ہو تو اس سے مراد زمینی قبر نہیں ہوتی۔

۱..... حضرت شہاب الدین خالدی پنج پیری لکھتے ہیں کہ: ”عذاب اس قبر میں نہیں ہوتا اور نہ ہی اس جسم کو ہوتا ہے۔“ (عقائد علماء اسلام ص ۲۴۵)

۲..... نیز لکھتے ہیں کہ: ”عذاب و ثواب والی یہ زمینی قبر نہیں ہے۔“ (عقائد علماء اسلام ص ۱۳۶)

۳..... اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ: ”زمین والی قبر عذاب و ثواب والی شرعی قبر نہیں ہے کہ جس میں انسانوں کو ثواب و عذاب ہوتا ہے۔“ (عقیدۃ الامت فی عدم السماع المیت ص ۱۸)

۴..... نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”قبر سے مراد (عذاب و ثواب قبر کی بحث میں) گڑھا نہیں کہ مردہ کو جس میں سے گور کرتے ہیں۔“ (ندائے حق ج ۱ ص ۵۶)

۵..... نیز لکھتے ہیں کہ: ”جب عذاب و ثواب کی نسبت قبر کی طرف ہو تو اس وقت کبھی گڑھا مراد نہیں ہوتا۔“ (القول المرعی فی القبر الشرعی ص ۱۳۵)

۶..... ڈاکٹر امین الحق پنج پیری لکھتے ہیں کہ: ”قبر جس کو تعمیم یا تعذیب منسوب ہو اس سے مراد عالم برزخ میں ہر کسی روح کا مستقر ہے قبر سے سطح زمین پر کھدا ہوا گڑھا مراد لینا شرعاً و عقلاً خلاف واقعہ ہے۔“ (ازالہ ادھام ص ۴۱)

۷..... مفتی فضل الرحمن پنج پیری لکھتے ہیں کہ: ”عذاب و ثواب شرعی قبر میں ہوتا ہے جو عالم برزخ میں ہے نہ کہ دنیاوی قبر میں۔“ (التحقیق الانیق ص ۲۹)

۸..... فرقہ نیچریہ کے مناظر خضر حیات بھکروی لکھتے ہیں کہ ”عذاب و ثواب کے لحاظ سے متکلمین کا وظیفہ ہے کہ قبر عالم برزخ کا نام ہے نہ گڑھے کا۔“ (المسلک المنصور ص ۳۲)

۹..... احمد سلیم مظہر چغتائی پنج پیری صاحب لکھتے ہیں کہ: ”جب قبر کی طرف نسبت عذاب کی ہو تو اس سے مراد عالم برزخ ہوتا ہے نہ کہ یہ عربی قبر جو انسان کھود کر میت کو دفن کرتے ہیں۔“ (کلمات طیبات ص ۱۳۸)

دام کیسو میں پھنسا دل پاؤں میں زنجیر ہے وہ تمہارا خواب تھا یہ خواب کی تعبیر ہے

۱۰..... طیب طاہری صاحب نے جو مسلک ذکر کیا ہے یہی مسلک صاحب پمفلٹ بزعم خود اہل السنۃ والجماعت کا چوتھا مسلک قرار دے کر لکھتے ہیں کہ: ”عذاب و ثواب روح اور بدن اصلی کو ہوتا ہے لیکن روح اس بدن میں نہیں بلکہ علیین یا سجدین میں ہوتا ہے اس بدن میں ایک خاص قسم کا شعور اور ادراک پیدا کیا جاتا ہے۔“ (یک سٹی پمفلٹ)

قارئین کرام! فرقہ پنج پیریہ کے امیر مولانا محمد طیب طاہری اور صاحب پمفلٹ نے عذاب قبر کے متعلق جو مسلک ذکر کیا ہے یہی مسلک بدنام زمانہ، ایک گمراہ انسان ”احمد سعید خان ملتانی“ کا ہے۔

بندہ احمد سعید ملتانی اور مولانا طیب طاہری صاحب کے اسی مسلک کے متعلق کہ مرنے کے بعد جسد خاکی کو بغیر تعلق روح کے بالفاظ دیگر غیر حقی (جماد) کو عذاب و ثواب اور شعور و ادراک ہوتا ہے ان کے اپنے گھر سے ذیل میں

کچھ معروضات پیش کرنا ہے۔ اگر کچھ کہنا ہے تو ان کے متعلق کہہ دیجئے۔ بندہ نے تو صرف نقل کرنے کی زحمت کی ہے۔
 فرقہ پنج پیر یہ کے مشہور عالم، حضرت مولانا شہاب الدین خالدي لکھتے ہیں کہ: ”اس مخبوط الحواس شخص (احمد ملتانی) کے ارتداد عقیدہ (بغیر تعلق روح کے جسد کو عذاب و ثواب ہونے) کو ان تمام امور کے ساتھ کیسے ثابت کر سکتا ہے۔ یہ ایسا ملعونہ بن گیا ہے جس کا ثبوت نہ قرآن مجید میں ہے، نہ فرمان رسول ﷺ میں، نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور نہ ہی گزشتہ صدیوں میں مسلمان اس ارتدادی عقیدہ کا قائل ہوا ہے، یہ انوکھا ہی گھڑ تو عقیدہ ہے۔ گزشتہ صدیوں میں علماء اور مسلمان یہی کہتے آرہے ہیں کہ صرف روح کو عذاب ہوتا ہے یا روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے کہ روح یا تو جسم میں واپس آ جاتی ہے یا روح کا ایسا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے کہ جس سے جسم کو لذت و سرور یا درد و الم کا احساس ہوتا ہے جب قرآن و سنت سے اس گھڑ تو عقیدہ کا کوئی ثبوت نہ ملا تو پھر اس متکبر (احمد سعید ملتانی) نے اپنے اس غلط عقیدہ کے ثبوت میں اس پر زور دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز میں شعور پیدا کیا ہے جیسے قرآن کریم میں ”ان من شیء الا یسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبیحهم“ کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح بیان کرنے کو نہیں سمجھتے۔ اس پر کچھ آیات اور احادیث اپنے زعم باطل میں فٹ کی ہیں اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ہر چیز کی طرح بے روح میت میں بھی شعور ہے۔ جس سے اس کو درد و الم کا احساس ہوتا ہے لیکن یہ بات وہی کر سکتا ہے جو قرآن کریم سے ناواقف اور جاہل ہو یا قرآن کا منکر ہو۔“ (عقیدۃ الامت ص ۴۸۷)

نیز لکھتے ہیں کہ: ”قرآن کریم نے مردوں کے شعور کی نفی کر کے اس ارتداد اور انوکھے عقیدے کی کھلے لفظوں میں تردید کر دی ہے۔“ (عقیدۃ الامت ص ۴۸۸)

آگے لکھتے ہیں کہ: ”قرآن کریم نے فرمادیا کہ میت میں شعور بھی نہیں ہوتا تو میت جسم کے ثواب و عذاب کی کوئی صورت نہیں رہی۔“ (عقیدۃ الامت ص ۴۸۹)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ: ”نام نہاد علامہ (احمد سعید خان ملتانی) پہلے اپنی تقریروں میں زور و شور کے ساتھ یہ بیان کرتا رہا کہ عذاب قبر روح کو ہوتا ہے جسم کو کچھ نہیں ہوتا۔ پھر اللہ کو معلوم ہے کہ اس متکبر کے دماغ میں شیطان نے کیا گند بھردیا تو پہلے مسلک سے ارتداد کرتے ہوئے اس طرف آ گیا کہ عذاب اس مٹی والے جسم کو ہوتا ہے۔“ (عقیدۃ الامت ص ۴۴۴)

مفتی صاحب! مندرجہ بالا عبارات کے یہ الفاظ کہ ”اس متکبر کے دماغ میں شیطان نے کیا گند بھردیا۔“ الخ! غور سے دیکھئے اور فیصلہ کیجئے۔

نیز لکھتے ہیں کہ: ”ارتدادی غلط عقیدہ کی موت واقع ہو جاتی ہے۔“ (عقیدۃ الامت ص ۵۳۴)

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ”اس مخبوط الحواس نے اپنے غلط خود ساختہ عقیدہ کی کمزوری اور اس کے لئے قرآن و سنت سے کوئی صریح دلیل نہ ملنے کی وجہ سے یہ غلط راستہ اختیار کیا۔“ (عقیدۃ الامت ص ۴۹۱)

خلاصہ مع سوالات

مندرجہ بالا عبارات سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے:

۱..... بغیر تعلق روح کے جسم کے عذاب و ثواب کا عقیدہ گزشتہ صدیوں میں کسی کا نہ ہو کیا وہ اہل السنۃ کا عقیدہ بن سکتا ہے؟

۲..... بغیر تعلق روح کے جسم کے عذاب و ثواب کا عقیدہ گھڑ متو، غلط، خود ساختہ اور کمزور عقیدہ ہے۔

سوال: کیا ایسا عقیدہ اہل السنۃ کا عقیدہ بن سکتا ہے؟

۳..... میت میں شعور اور درد و الم کا احساس کی بات وہی شخص کر سکتا ہے جو قرآن سے ناواقف اور جاہل ہو یا قرآن کا منکر ہو۔

سوال: جس عقیدے سے قرآن کا انکار لازم آتا ہے، کیا وہ اہل السنۃ کا عقیدہ بن سکتا ہے؟

سوال: مفتی صاحب! کیا آپ کے مشہور عالم ”مولانا شہاب الدین خالدی“ نے قرآن پر افتراء کی ہے؟ ”و من اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا“ کا مصداق ٹھہرے ہیں یا آپ نے قرآن کے خلاف عقیدے کو اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ کہہ کر جہالت کا ثبوت دیا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں کس درجہ ہوئے فقیہان حرم بے توفیق

جماد کو عذاب اور نیلوی صاحب

فرقہ بیخ پیریہ کے مشہور عالم اور مفتی شریف صاحب کے استاذ مفتی حسین نیلوی لکھتے ہیں کہ: ”کیونکہ جماد کو عذاب نہیں ہوتا، کیونکہ غیر حی (بے جان) کو عذاب ہونے کے قول کو علماء عقائد نے مسقطہ کہا ہے۔ کیونکہ جماد کو حس نہیں ہوتی۔“ (ندائے حق ج ۱ ص ۲۲۳، تیسرا ایڈیشن)

نیز لکھتے ہیں کہ: ”یہ امر واقع ہے کہ بے جان (جماد) کی تعذیب و تعمیم مسقطہ (باطل) ہے۔“ (ایضاً ص ۲۴۱) آگے لکھتے ہیں کہ: ”اگر ہم اس (بدن) کا اسی حالت میں زندہ ہونا جائز رکھیں تو اس طرح کی زندگی تمام جمادات میں ہوگی اور یہ نرا دھوکہ ہے۔“ (ایضاً ص ۲۸۰)

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مفتی شریف صاحب کی غباوت

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”یہ مشت نمونہ خردوار صرف ٹائٹل پر تبصرہ تھا۔ (ص ۴) حالانکہ یہ مفتی شریف صاحب کی غباوت ہے۔ کیونکہ اسی صفحہ پر چند سطور اوپر بندہ کی کتاب (ص ۷) کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں: ”بشارت حسین نے مسلک الاکابر کے (ص ۷۷) کا حوالہ تو دیا ہے۔“ کیا یہ صفحہ ۷ ٹائٹل پر ہے؟“

اگر انسان کو مل جائے دماغ و دل کی بیداری خدا شاہد ہے یہ دولت بھی کم نہیں ہوتی

کیا مفتی شریف صاحب تو ہیں قرآن کے مرتکب ہیں؟

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”کتاب (بنام فرقہ بیخ پیریہ ماحیہ عذاب قبر کا منکر ہے) کے اندر کیا ہے؟ تو اس کے بارے میں مختصر عرض ہے کہ ”سبحنک هذا بہتان عظیم“ (ص ۴)

مندرجہ بالا عبارت میں مفتی شریف صاحب نے قرآن مجید کی آیت کریمہ ذکر کی ہے۔ اب ذیل میں اس پر تبصرہ انہی کے گھر سے ملاحظہ کیجئے۔

(بطور الزام) مولانا قمر زمان برادر مولانا عبدالوکیل لکھتے ہیں کہ: ”قارئین محترم! ”الم نشرح“ قرآنی کلمات ہیں۔ مولوی رسال صاحب روکھڑی نے قرآنی کلمات کو کلام الناس کی معرض (یعنی عام محاورے کی ضمن میں) ذکر کر کے قرآن کلمات کی توہین کا ارتکاب کیا ہے جو ایک ناقابل معافی جرم ہے۔“

ملاحظہ فرمائیں: علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں: ”و کذا قولہم بکفرہ اذ قرء القرآن فی معرض کلام الناس“ (غزنیون البصائر شرح الاشیاء والنظائر ج ۱ ص ۱۸۱)

یعنی اسی طرح ان کا قول اس شخص کے کفر پر کہ جب قرآن کو کلام الناس کی معرض اور ضمن میں پڑھے اسی طرح پھر شرح میں اس مسئلے پر بحث فرماتے ہوئے شارح رقمطراز ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام زہری کا مطلب یہ ہے کہ کلام اللہ اور کلام الرسول کے لئے نظیر بناؤ اور نہ انہیں کسی چیز کے لئے مثل بناؤ، جس کو اس کے ساتھ پیش کیا جائے۔ العرض! کلام اللہ کی اپنی حیثیت اور مرتبہ ہے۔ اب قرآنی کلمات کو لوگوں کے کلام میں اس طور پر پیش کرنا کہ اس کی اپنی حیثیت تابع ہو جائے اور برقرار نہ رہے، کسی صورت جائز نہیں بلکہ قرآنی کلمات کی توہین ہے۔

علامہ رسال صاحب روکھڑی بھی لکھتے ہیں: ”تا کہ بحث ”الم نشرح“ ہو جائے۔“ انہوں نے قرآنی کلمات کو کلام الناس کی معرض میں (یعنی عام محاورے کی ضمن میں) پیش کیا۔ جس کی وجہ قرآنی کلمات کی اپنی حیثیت برقرار نہ رہی جو قرآنی کلمات کی توہین ہے اور مولوی رسال صاحب روکھڑی کو چاہئے کہ اپنی اس مریخی جملے کا مطلب بیان فرمادیں۔ نیز وہ ایسے مقام پر ”الم نشرح“ کا کیا معنی کریں گے۔ رسال صاحب کو مولانا عبدالوکیل صاحب کی دشمنی کا اتنا بخار چڑھتا گیا کہ: ”تحفۃ الاشاعت“ کی عبارت لتاڑتے جب بخار نہ اترتا تو قرآنی کلمات لتاڑنے پر اتر آئے۔ بہتر تھا کہ وہ مولانا عبدالوکیل صاحب کی عبارتوں پر ہی اپنا غصہ ٹھنڈا کرتے اور قرآنی کلمات کو مشق ستم نہ بناتے۔ لیکن ہائے عجب وہ روزگار لولہ لنگڑا مناظر! قرآنی کلمات کو بھی آنکھیں دکھا گئے۔ (تبلیغی جماعت کا اصل ضمن کون ص ۱۷۸) اب بندہ صرف یہی کہہ سکتا ہے کہ ۔

تنقید صرف غیروں پر کرنا بجا نہیں یہ آئینہ بھی آپ ذرا دیکھتے چلیں

کیا عذاب قبر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے چار مذاہب ہیں

صاحب اشتہار لکھتے ہیں کہ: ”کیفیت عذاب قبر کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے چار اقوال ہیں۔“ (ایک علمی پہنٹ)

قارئین کرام! مفتی صاحب نے بزم خود اہل السنۃ والجماعۃ کے چار مسلک ذکر کئے ہیں، نہ اس پر دلیل دی ہے اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ ان کے قائلین کون کون ہیں؟ اب ہم اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔ جب مفتی صاحب تفصیل پیش کریں گے تو ہم بھی ذرا تفصیل سے جائزہ لیں گے۔ ان شاء اللہ!

سوالات مع مختصر جائزہ

مفتی صاحب! آپ کے ہاں اہل السنۃ والجماعۃ دو ہیں: (۱) محققین اہل السنۃ۔ (۲) جمہور اہل السنۃ۔ (مسئلہ حیات الانبیاء مہینہ میں مسلک الاعتدال، اشاعت اول ۵۷، مولف شمس الامین، نظر ثانی مفتی توصیف احمد مرغز صوابی، تقریظ مولانا امداد الحق شیوہ صوابی)

سوال: اب آپ فرمائیں کہ یہ چار مسالک کون سے اہل السنۃ کے ہاں ہیں؟
سوال: علامہ نیلوی صاحب نے ”ندائے حق“ جلد اول میں جو ”اجزاء اصلیہ کا مسلک“ ذکر کیا ہے کیا وہ اہل السنۃ کا مسلک ہے یا نہیں؟

(بطور الزام) مفتی حسین شاہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”کرامیہ کا جو مسلک ہے وہ زرا بد مذہبوں کا نہیں، بلکہ ابن جریر طبری مشہور مفسر اہل سنت کے اساطین میں شمار ہوتے ہیں۔“ (ندائے حق ج ۱ ص ۲۳۴)
سوال: مفتی صاحب ابن جریر طبری کا ”کرامیہ“ کے مسلک کو قبول کرنے سے ”مسلک کرامیہ“ اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک بن گیا یا نہیں؟

سوال: مفتی صاحب ان علماء کی نشاندہی کریں، جنہوں نے یہ کہا ہو کہ کیفیت عذاب قبر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے چار مسالک ہیں؟

سوال: ان چار مسالک کے قائلین کون کون ہیں؟
 مولانا طاہر صاحب لکھتے ہیں کہ: ”وقد اتفق اهل السنة والجماعة ان الميت في القبر يحيى ثم يموت“ (المعارض ص ۱۳۴، طبع السادس، ناشر مکتبہ الیمان جامعۃ الامام محمد طاہر، دار القرآن، بیج پور یہ صوابی)
 مفتی شریف صاحب کے استاد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”بلکہ عذاب و ثواب صرف روح کو ہوتا ہے اور علماء اہل سنت کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے۔“ (ماہنامہ گلستان اسلام ج ۱ ص ۲۰، بابت ماہ مارچ ۱۹۹۶ء)
 مزید دیکھئے (ماہنامہ عارفین ج ۵ ش ۱، ص ۲، ص ۵۴)

سوال: مفتی صاحب! آپ کے شیخ القرآن مولانا طاہر صاحب اور آپ کے استاد نیلوی صاحب اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک متفقہ مسلک ذکر کرتے ہیں اور آپ چار، اب ہم کس کی مانیں آپ کی یا آپ کے شیخ کی اور استاد کی، وضاحت فرمائیں؟

اے چشم اٹک بار ذرا دیکھ تو سہی یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

مسلک تفویض

موصوف لکھتے ہیں کہ: ”عذاب قبر اور ثواب قبر برحق ہے۔ لیکن اس کی کیفیت صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے جو علم غیب ہے۔ اس میں بحث و مباحثہ ہی ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ یہ تشابہات میں سے ہے۔“ (یک علمی پمفلٹ)

مفتی صاحب! مسلک تفویض کی وضاحت فرمائیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مطلب ہے کہ عذاب و ثواب تو ہوتا ہے لیکن ہم کو معلوم نہیں، روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا دونوں کو یا کوئی اور مطلب ہے؟

سوال: مسلک تفویض ان تین مسالک کا غیر ہے یا نہیں؟

سوال: مفتی صاحب! مسلک تفویض والوں کے علاوہ یہ تین مسالک والے ”مسلک تفویض“ کے منکر

ہیں یا نہیں؟

جواب دیتے وقت درجہ ذیل دو عبارتوں کو سامنے رکھئے۔

.....۱ مفتی حسین شاہ نیلوی بیخ پیری صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اب رہا کیفیت کا سوال کہ عذاب و ثواب قبر کیسے ہوتا ہے تو اسلم طریقہ تفویض الی اللہ کا ہے۔ یعنی اس کیفیت عذاب و ثواب قبر اللہ کے حوالے کریں۔ وہ عذاب و ثواب آپ ہی دیتا ہے۔ آپ ہی اس کیفیت کو جانتا ہے اور اس شخص کو محسوس ہوتا ہے، جسے عذاب و ثواب ہو رہا ہے، وہ روتا یا ہنستا ہے۔“ (ندائے حق ج ۱ ص ۲۱، ۲۲)

.....۲ فرقہ بیخ پیریہ کا امیر مولانا محمد طیب طاہری لکھتے ہیں کہ: ”البتہ اس دنیاوی یا عرفی قبر اور جسد عنصری کے ساتھ بھی عذاب و ثواب کا ایک تعلق ہے، لیکن ہم اس تعلق کی حقیقت اور کیفیت کو نہیں جانتے۔“ (مسلک الاکابر ص ۴۷) **نوٹ:** جب مفتی صاحب تفصیل کریں گے تو پھر ہم بھی تفصیل کریں گے۔ ان شاء اللہ! ابھی اتنا ہی کافی ہے۔

مفتی صاحب کو دعوت

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”ہماری جماعت کی ترجمان کتاب ”مسلک الاکابر فی تحقیق الحیوۃ وعدم السماع لاهل المقابر“ ہے۔“ (ص ۴)

مفتی صاحب! ہم آپ کو اور آپ کی پوری جماعت کو دعوت دیتے ہیں کہ مولانا نور محمد تونسوی صاحب کی کتاب ”امیر جماعت اشاعت التوحید والنہی مؤلف مسلک الاکابر حضرت مولانا محمد طیب طاہری بیخ پیری صاحب کی خدمت میں ایک سو چار سوالات“ کا جواب دیں۔

کیا اعلام پر الف لام داخل کرنا صحیح ہے؟

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”شیخ ابوالیمان مولانا محمد طیب طاہری۔“ (ص ۴)

مفتی صاحب نے علم (ابویمان) پر الف لام داخل کیا ہے۔

(بطور الزام) حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ”اب آپ (امام اہل النہی سرفراز خان صفدر، از ناقل) نے اپنا نام (کنیت) ابوالزہد لکھی۔ جناب زاہد علم (نام) ہے اور اعلام پر الف لام داخل کرنا غیر مستحسن اور قبیح ہوتا ہے اور بے فائدہ۔ اس کا ذکر اور عدم ذکر برابر ہوتا ہے۔ پہلے تو آپ کسی ذوق والے سے پوچھ لیں کہ ابو جعفر کی جگہ ابوالجعفر اور ابوزید کی جگہ ابوالزید لکھ دیا جائے تو کتنا قبیح معلوم ہوگا۔“

(الشہاب الثاقب ص ۷۱، ناشر اشاعت اکیڈمی)

اکابر کن کے ساتھ ہیں

دنیا میں جتنے بھی باطل گروہ ہیں، ان کی کوشش یہی ہوتی ہیں کہ ان کی نسبت اسلاف کی طرف ہوتا کہ ان کی دکان چمکے اور ان کا باطل نظریہ عوام میں بزرگوں کے نام سے پھیلے۔ العرض ہر فرقہ سلف کا نام ضرور لیتا ہے تاکہ

لوگ ان کی گمراہیوں کو گمراہ کن کہہ کر اسلاف کو گمراہ کہے، ان باطل فرقوں میں سے ایک فرقہ پنج پیر یہ مماتیہ ہے، جو ان باطل فرقوں کے روش پر چلتے ہوئے ہمارے اکابر علماء دیوبند کی کتابوں کی عبارات پیش کر کے عوام الناس کو فریب دے کر اصل حقیقت سے اندھیروں میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی کام مفتی شریف صاحب نے کیا ہے کہ مجمل اور غیر متعلقہ عبارات پیش کئے ہیں اور جن مقامات پر اکابر رحمہم اللہ نے اپنا عقیدہ واضح لفظوں میں تحریر فرمایا ہے، ان کو چھپا دیا ہے۔ آگے دیکھئے اور فیصلہ کیجئے۔

مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب کے حوالے کی حقیقت

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”مفتی دارالعلوم کراچی عبدالرؤف سکھروی دیوبندی صاحب کہتے ہیں۔ یہ عذاب قبر عالم برزخ میں ہوا ہے، جو اس دنیا سے علیحدہ ایک عالم ہے، جس گڑھے میں میت کو اتارتے ہیں، اس میں عذاب نہیں ہوتا۔“ (ص ۵)

مفتی صاحب! یہ کتابت کی غلطی ہے اور بعد کی ایڈیشنوں میں اصلاح کر لی گئی ہے۔ لہذا بعد کے ایڈیشنوں میں اس طرح ہے۔ ”یہ عذاب قبر عالم برزخ میں ہوتا ہے جو اس دنیا سے علیحدہ ایک عالم ہے۔ جس گڑھے میں ہم میت کو اتارتے ہیں، اس میں بھی عذاب ہوتا ہے۔“ (اصلاحی بیانات ج ۱ ص ۳۲، ۳۵)

حضرت مولانا مظفر نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات

عقیدہ عذاب قبر

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ: ”جرنیل علماء دیوبند منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اس عالم (عالم برزخ) میں جس پر جوا چھی بری واردات ہوگی، براہ راست اس کی روح پر ہوگی اور جسم اس سے بیجا متاثر ہوگا۔“ (معارف الہدیث ج ۱ ص ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۶)

تبصرہ: مفتی صاحب کو اتنا معلوم نہیں کہ میں اپنے مسلک کے خلاف لکھ رہا ہوں یا ان کے مسلک کے۔ کیونکہ حضرت مولانا منظور نعمانی کے مندرجہ بالا عبارت کئی وجوہ سے ان کے خلاف ہے۔ پہلی وجہ: منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں جسم کے ساتھ روح کے تعلق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ جو فرقہ پنج پیر یہ مماتیہ کے مسلک کے خلاف ہے، ذیل میں فرہ پنج پیر یہ کا مسلک ملاحظہ کیجئے۔

.....۱ فرقہ پنج پیر یہ کے امیر حضرت مولانا محمد طیب صاحب اپنے خط بنام حافظ منظور الحق میں لکھتے ہیں کہ: ”مسلک اکابر کی عبارت سے جو مراد لیا گیا، ایسا نہیں بلکہ قبر میں بدن کے ساتھ روح کا کوئی تعلق نہیں۔“ (مکتوب سلیم طبع دوم ص ۹۸) نیز لکھتے ہیں کہ: ”اب اس کا یہی مطلب ہرگز نہیں کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ ہے۔“ (ایضاً ص ۹۹) مفتی شریف صاحب کے استاد مولانا حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ روح اور بدن عصری میں ایک تعلق اور کنکشن ہے۔ سو یہ بھی غلط ہے۔“ (ندائے حق ج ۳ ص ۱۴۴)

.....۲ حضرت مولانا شہاب الدین خالدي لکھتے ہیں کہ: ”ظاہر ہے جب جسم میں روح بھی نہ ہو اور روح کا جسم سے تعلق بھی نہ ہو۔“ (عقیدۃ الامت ص ۳۱)

۴..... حضرت مولانا ابویونس عبدالرحیم صاحب نظامی بیخ پیری لکھتے ہیں کہ: ”ہر مومن کامل کی روح کو موت سے لے کر فتحِ ثانیہ تک اپنے جسمِ معصی سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا۔“ (البراہین من احادیث رسول رب العالمین ص ۶۹)

نوٹ: فرقہ بیخ پیریہ کے جو علماء اس مدفن ارضی میں خاکی جسم کے عذاب و ثواب کے منکر ہیں، وہ بدرجہ اولیٰ تعلق روح کے منکر ہیں۔ دیکھئے بندہ کار سالہ فرقہ بیخ پیریہ ملاحیہ عذاب قبر کا منکر ہے۔

بندہ نے اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے مندرجہ بالا چند حوالوں پر اکتفاء کیا۔ تفصیلی حوالہ جات پھر کبھی۔ ان شاء اللہ!

کسی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستان میری

دوسری و تیسری وجہ: حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے عبارت میں حیات فی القبر اور جسد خاکی کے عذاب و ثواب کا اثبات ہے اور فرقہ بیخ پیریہ اس کا منکر ہے۔ ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو بندہ ہی کا رسالہ بنام ”فرقہ بیخ پیریہ ملاحیہ عذاب قبر کا منکر ہے۔“

اعادہ روح اور مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اعادہ روح کے قائل ہیں۔ (معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۲۲، ناشر دارالاشاعت کراچی)

عام موتی کا سماع اور مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ابوالاحمد نور محمد صاحب لکھتے ہیں کہ: ”مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ تک عام موتی کے سماع کے قائل نہیں رہے۔ لیکن کئی سالوں کے بعد انہوں نے اپنے اس موقف سے رجوع فرمایا اور اکابر علماء اہل سنت والجماعت دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کی طرح وہ عام موتی کے سماع فی الجملہ کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا شیخ الحدیث والتفسیر محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ”حضرت مولانا (محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ) دور حاضر کے محقق عالم بلند پایہ مناظر اور علمائے دیوبند کے ترجمان ہیں۔ پہلے آپ بھی سماع موتی کے منکر تھے۔ جیسا کہ ان کی کتاب (ستہ ضروریہ ص ۳۶) میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور مؤلف ندائے حق وغیرہ نے بھی حوالہ دیا ہے۔ (دیکھئے ندائے حق ص ۱۵۰، اقامۃ البرہان ص ۹۱) لیکن تینتیس سال تک سماع موتی کا انکار کرنے کے بعد حضرت نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر بنیاد رکھ کر اس سے رجوع کر لیا اور اب سماع موتی کے مقرر ہو گئے۔ (الفرقان لکھنؤ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ بحوالہ سماع موتی ص ۱۹۱) واضح ہو کہ حضرت نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جتنا عرصہ سماع موتی کے انکاری رہے، وہ عام موتی کے سماع کا مسئلہ تھا۔ جہاں تک تعلق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر الشریف کا تو یہ اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے۔ اس لئے اس کا انکار نہ حضرت نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے نہ کسی اور عالم دین نے۔“

(عقیدہ حیات قبر اور علماء اسلام ص ۱۵۲ تا ۱۵۳ طبع اول ۲۰۱۲ء)

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع عند القبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یسلم علی الار د اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس فرمائے گا تاکہ میں اس سلام کا جواب دوں۔

(رواہ ابوداؤد والبیہقی، معارف الحدیث ج ۵ ص ۲۳۸)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے۔ اس لئے حدیث کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بناء پر اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا وہ فرشتے کے ذریعے یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ بس اس روحانی توجہ التفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا۔“ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۲۳۸)

۲..... مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته رواہ البیہقی فی شعب الایمان“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے گا یا سلام عرض کرے گا وہ میں خود سنوں گا اور جو کہیں دور سے بھیجے گا وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے۔ لیکن اللہ جس کو قبر اطہر کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ بندے جو روزانہ سینکڑوں یا ہزاروں بار صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا جواب پاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر ساری عمر کے صلوٰۃ و سلام کا ایک ہی دفعہ جواب مل جائے تو جنس محبت کا کوئی ذرہ نصیب ہے ان کے لئے وہ دو جہاں کی دولت سے زیادہ ہے۔ کسی محب نے کہا ہے ۔

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

”اللہم صل علی سیدنا محمد النبی الامی والہ وبارک وسلم کما تحب وترضی عدد ماتحب

وترضی“ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۲۹۳)

۳..... حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ کا حیات النبی ﷺ کے متعلق سات صفحات کا مضمون ماہنامہ الفرقان کے جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ کے ماہنامہ میں شائع ہوا تھا۔ پھر یہ مضمون ماہنامہ تعلیم القرآن کی مئی ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا اور اسی حاشیہ سے شائع ہوا جس میں سماع عند القبر الشریف کی حدیث کو سند جید سے مانا گیا ہے۔ پھر تعلیم القرآن کی جولائی اور اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں اس کی تصدیق محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرحمن کھلمپوری سے ان الفاظ میں منقول ہوئی۔ میرے نزدیک مولانا محمد منظور صاحب کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع و شائع ہو چکا ہے اس باب میں بہترین مضمون ہے۔ (بحوالہ مقام حیات ص ۵۰۷، ۵۰۸)

عرض اعمال اور مولانا نعمانی رحمہ اللہ

حامی توحید و سنت ماحی شرک و بدعت حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ”علاوہ ازیں یہ پیشی

(نبی ﷺ پر) صرف ”امت اجابت“ یعنی مسلمانوں ہی کے اعمال کی ہوتی ہے نہ کہ تمام ”امت دعوت“ کے اعمال کی جس میں کفار و مرتدین اور مشرکین و منافقین کے اعمال بھی داخل ہوں۔ چنانچہ خود ان احادیث میں اس کا واضح قرینہ موجود ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو حدیث مسند بزار کے حوالے سے مذکور ہوئی ہے، اس کے آخری الفاظ پر غور فرمائیے: ”فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سینی استغفرت اللہ لکم“ یعنی جو عمل اچھا میرے علم میں آئے گا اس پر میں خدا کا شکر کروں گا اور جو برا عمل ہو گا اس پر میں خدا سے تمہارے لئے مغفرت کروں گا۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ﷺ پر صرف وہ گناہ پیش کئے جائیں گے، جن کی مغفرت ہو سکے گی اور جن پر آپ بارگاہ خداوندی میں معافی کی سفارش فرما سکیں گے اور ظاہر ہے کہ کفر و شرک اور ارتداد ایسا گناہ نہیں ہے۔ (بوارق الغیب حصہ دوم ص ۴۹، ناشر کتب خانہ مجیدیہ ملتان شہر پاکستان)

استشفاع عند القبر النبی ﷺ اور مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ استشفاع عند القبر النبی ﷺ کے متعلق اکابرین دیوبند کے نظریہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ: ”(ہمارے اکابر) زائر کے لئے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کے ساتھ آپ سے شفاعت اور استغفار کی استدعا کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔“ (شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق ص ۷۰)

توسل اور منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”اسی طرح دعائیں توسل بالنبی ﷺ اور توسل بالصالحین کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے قبیحین بالکل جائز نہیں سمجھتے اور ہمارے اکابر (دیوبند) کے نزدیک وہ ناجائز نہیں ہے۔“ (ایضاً ص ۶۹)

سفر زیارت نبوی اور مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”لیکن ہمارے اکابر کے نزدیک زیارت نبوی ﷺ کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا بھی از قبیل حسنات و قربات اور باعث اجر و ثواب ہے۔“ (شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علماء حق ص ۶۹)

المہند علی المہند اور مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے حسام الحرمین میں ان حضرات (علماء دیوبند) کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اور علماء حرمین کے قلوب میں ان کی طرف سے بغض و نفرت پیدا کرنے کے لئے جو کچھ اس کے سوا زبان سے کہا تھا۔ اس کو پیش نظر رکھ کر ان حضرات نے ۲۶ سوالات مرتب کئے اور علمائے دیوبند سے ان کا جواب چاہا۔ یہ سب سوالات علماء دیوبند کے عقائد اور ان کے مسلک و مشرب سے متعلق تھے۔ یہاں سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا۔ جس پر اس دور کے جماعت دیوبند کے قریباً سب ہی اکابر و مشاہیر نے تصدیقات لکھیں اور وہی جوابات حرمین شریفین اور ان کے

علاوہ مصر شام وغیرہ ممالک اسلامیہ کے علماء اور اہل فتویٰ کے پاس بھیج گئے جن کی ان تمام حضرات نے بھی تصدیق اور تائید فرمائی اور لکھا کہ یہی عقیدے اہل سنت والجماعت کے ہیں اور ان میں کوئی ایک عقیدہ بھی اہل سنت کے خلاف نہیں ہے۔ یہ سارے سوالات و جوابات اور ہندوستان و حرمین شریفین اور دوسرے ممالک اسلامیہ کے علماء کرام کی تصدیقات اسی زمانہ میں اردو ترجمہ کے ساتھ ایک ضخیم رسالہ کی صورت ”التصدیقات لدفع التلبیسات“ کے نام سے شائع ہو گئے تھے۔ پھر اس وقت سے اب تک بار بار یہ سالہ چھپتا رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خدا ترس طالبان حق کے لئے صرف یہی رسالہ اس سلسلہ میں کافی تھا اور اب بھی کافی ہے۔“

(فتوحات نعمانیہ ص ۳۱۲، ۳۱۳، طباعت دوم ناشرانجم ارشاد المسلمین لاہور)

عقیدہ عذاب قبر اور اشرف علی تھانویؒ

۱..... حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے سوال کیا گیا کہ وہ مومنین اور کفار جن کی لاشیں کسی قبر میں دفن نہیں کی جاتیں، جلائی گئیں یا درندوں نے کھالیں یا کسی اور صورت سے تلف اور عدیم الوجود ہو گئی ہیں۔ ان سے نکیرین کا سوال کس مقام پر ہوگا؟

حضرت تھانویؒ نے جواب کے سات مقدمات لکھ کر فرمایا۔ جب یہ ساتوں مقدمات طے ہو چکے تو سمجھنا چاہئے، جب انسان مرتا ہے تو اس کی روح باقی رہتی ہے۔ بحکم مقدمہ اولیٰ اور مقام اس کا برزخ ہوتا ہے۔ بحکم مقدمہ ثانیہ اور اسی کے مناسب اس کے لئے ہرز میں ہوتی ہے۔ بحکم مقدمہ ثالثہ اسی جگہ اس کو عذاب و ضغط ہوتا رہتا ہے۔ خواہ جسد کہیں ہو اور درندوں نے کھالیا ہو یا سوختہ ہو کر متفرق ہو گیا ہو۔ البتہ اجزاء جسد کے ساتھ اس کا کچھ تعلق رہتا ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے اجزاء میں بھی اس قدر حیات باقی رہی جس سے عذاب و ثواب کا اثر جسد پر بھی آ جائے تو کچھ بعید نہیں۔ چنانچہ اخبار کثیرہ سے ثابت ہے۔ بحکم مقدمہ رابعہ (یعنی قبر اور برزخ میں روح اصل اور جسد عنصری اس کا تابع ہوتا ہے) جب یہ سب امور ممکن ہیں اور مخبر صادق نے وقوع کی خبر دی تو ایمان لانا فرض اور اس سے بچاؤ کی فکر ضروری ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۱۲۷)

۲..... حضرت تھانویؒ حیات قبر و برزخ کے متعلق مختلف حدیثوں میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”اس سے صاف معلوم ہوا کہ یوم بعثت تک روح مومن کا مستقر شجر جنت ہے۔ پس یہ صریح ہے۔ اس میں اعادہ روح الی الارض منفی اس قرار جنت کے نہیں ہے یا تو اس طرح کہ اول یہ اعادہ ہوتا ہے۔ پھر سوال نکرین بعد عروج الی السماء ہوتا ہو اور یا اس طرح کہ یہ اعادہ اور قرارنی الجنۃ مختلف حیثیتوں سے ایک وقت میں مجتمع ہو جاتے ہوں۔ یعنی اصل قرار تو جنت میں ہو اور قبر میں اصل قرار نہ ہو کچھ تعلق جسد سے ہو خواہ وہ جسد اصلی حالت پر ہو یا مستحیل ہو گیا ہو اور یہ تعلق صرف اتنا ہوگا جس سے ادراک نعیم و الم کا ہو سکے۔“ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۴۱۸)

۳..... حضرت تھانویؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرت امام غزالیؒ کی بعض تصنیفات سے صاف طور سے یہ عیاں ہے کہ پس مرگ عقاب یا ثواب کا ترتب صرف روح پر ہوتا ہے۔ حالانکہ عقاب و ثواب جسمانی ہونے پر آیات قرآنیہ و صریح احادیث نبویہ شاہد ہے۔ اندریں صورت امام علیہ الرحمۃ کے معقولات اور نصوص معروضہ میں تعارض واقع ہوتا ہے، جس کی وجہ سے قلب پر فایت درجہ انقباض رہتا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے اس سوال کے

جواب میں لکھا کہ امام غزالی نے ”احیاء العلوم“ میں عذاب قبر کو اقرب الی الاذہان کرنے کے لئے عالم خواب کی مثال دی کہ جس طرح خواب دیکھنے والا خواب میں بہت کچھ دیکھتا ہے، لیکن اس پر بیٹھنے والا کچھ بھی محسوس نہیں کرتا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مثال دے کر ثابت کیا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی عذاب قبر روح اور جسد عنصری دونوں پر ہوتا ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ امام موصوف کی دیگر عبارات کا مطلب بھی اسی کے مطابق سمجھا جائے۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان عبارات احیاء العلوم سے تصریحاً ثابت ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ عذاب قبر کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح جمہور اہل اسلام قائل ہیں اور تصریحاً اس طریق کو اظہار اور اصح اور اسلم بتا رہے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۶۵، ۴۶۶)

۴..... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اس چشم سے لینا چاہئے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نہ بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور ”السلام علیکم یا اہل القبور“ کہنے سے جواب ملتا ہے۔“ (احکام اسلام عقل کی نظر میں، حصہ سوم ص ۲۵۶)

۵..... نیز لکھتے ہیں کہ: ”عرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا ہے، ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے۔ جہاں اس کے لئے ایک مقام ملتا ہے اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے۔ بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بھائے روح کرتا ہے، اسی طرح بلاشبہ مرنے کے بعد اجزاء بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے۔ گونیکوں کی روحمیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجن میں۔ لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں، خواہ جلادیں، خواہ وہ ڈوب جائے ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق (بالا تراز فہم) رہتا ہے۔ اس کی نظیر ایک تار برقی کافی ہے۔ تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین و سجن کے تعلق بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے۔ مگر اس دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ عالم غیب کے اسرار کو دنیا کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا مناسب ہے۔ کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا جس پر فلسفہ انبیاء کا قائم ہے۔ لیکن صرف محسوس نہ ہونے کے سبب کسی امر کا انکار صریحاً و قیل بدہضمی ہے۔ قبر کا تنگ یا فراخ ہونا یہ بھی ایک عالم باطن کے اسرار سے ہے، جسے اہل دنیا کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں۔ عقلیں دریافت نہیں کر سکتیں۔ ہاں! اہل کشف صوفی و اولیاء اللہ لوگ دیدہ بطن سے اس کو دیکھ لیتے ہیں۔ اہل باطن بسا اوقات کشف قبور کے ذریعے سے مردوں کو قبروں میں معذب یا مٹاب دیکھتے ہیں۔“ (ایضاً ص ۲۵۷)

۶..... ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ”اسی طرح جب مردہ کو لحد میں رکھا جاتا ہے اور اس کی قبر پر مٹی ڈالی جاتی ہے تو مٹی فرشتوں کو مردہ کے پاس جانے سے روک نہیں سکتی، بلکہ اگر پتھر بھی کندہ کیا جائے اور مردہ کو اس میں رکھ کر اس پتھر کو قلعی سے سر بہمر کر دیا جائے تو بھی مردہ کے پاس فرشتے کے پہنچنے سے یہ امر مانع نہیں ہو سکتا۔“ (ایضاً ص ۲۵۱)

۷..... اپنی مشہور کتاب ”بہشتی زیور“ میں لکھتے ہیں کہ: ”جب آدمی مرجاتا ہے، اگر گاڑا جائے تو گاڑنے کے بعد اگر نہ گاڑا جائے تو جس حال میں ہو اس کے پاس دو فرشتے جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں، آ کر پوچھتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ اگر مردہ ایمان دار ہو تو ٹھیک ٹھیک جواب دیتا ہے۔ پھر اس کے لئے سب طرح کا چین ہے۔ جنت کی طرف کھڑکی کھول دیتے

ہیں۔ جس سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے اور وہ مزے میں پڑ کر سو رہتا ہے اور اگر مردہ ایمان دار نہ ہو تو وہ سب باتوں میں یہی کہتا ہے کہ مجھ کچھ خبر نہیں۔ پھر اس پر بڑی سختی اور عذاب قیامت تک ہوتا رہتا ہے اور بعضوں کو اللہ تعالیٰ اس امتحان سے معاف کر دیتا ہے، مگر یہ سب باتیں مردہ کو معلوم ہوتی ہیں۔ ہم لوگ نہیں دیکھتے۔ جیسے سوتا آدمی خواب میں سب کچھ دیکھتا ہے اور جاگتا آدمی اس کے پاس بے خبر بیٹھا رہتا ہے۔“

(بہشتی زیور باب العائد، مقیدہ نمبر ۳۵ ص ۴۲ مکتبہ العلم اردو بازار لاہور)

۸..... فرماتے ہیں کہ: ”بخلاف برزخ کے کہ اس کے منکرین بہت ہیں۔ حتیٰ کہ اہل اسلام میں معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے اور حدیثوں میں جو آیا ہے کہ جب آدمی مرتا ہے، قبر میں دو فرشتے منکر نکیر آتے ہیں۔ ان کا معاملہ آتے ہیں۔ (۱) ان کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ اگر بندہ مومن ہوتا ہے اس کے پاس نہایت اچھی صورت میں آتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں۔ وہ پسندیدہ جواب دیتا ہے۔ پھر اس کے لئے قبر کشادہ ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جہاں تک اس کی نگاہ جاتی ہے اس کو ایک وسعت نظر آتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے: ”نم کنوۃ العروس“ (بس سو جا دلہن کی طرح کا سونا) اور اگر وہ کافر ہوتا ہے اس کے پاس نہایت ہولناک صورت میں آتے ہیں اور جو سوال اس سے کیا جاتا ہے وہ جواب میں ”لا ادری“ یعنی میں نہیں جانتا کہتا ہے۔ اس کی قبر تنگ ہو جاتی ہے اور اس کو اس قدر دبائی ہے کہ اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہے۔ گرزوں سے اس کو مارتے ہیں اور سانپ اور بچھو اس کو ڈستے ہیں۔ عرض انواع کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ معتزلہ اور ہمارے نو تعلیم یافتہ ان احادیث کا بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو قبر کو کھود کر دیکھتے ہیں نہ اس میں فرشتہ ہے نہ گرز ہے نہ وسعت ہے نہ سانپ ہے نہ بچھو ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کو بھیڑ یا کھالے یا دوشیر کھالیوں تو وہاں کس طرح یہ سوال و جواب ہوں گے اور کیسے وہاں وسعت ہوگی اور وہاں سانپ، بچھو کہاں ہیں۔ ہم تو صریحاً یہ کہتے ہیں کہ بھیڑیے اور شیر کے پیٹ میں نہ سانپ ہیں نہ بچھو ہیں نہ گرز ہیں..... وجہ یہ کہ خود علم نہیں اور علماء کے اتباع سے عار آتی ہے۔ حالانکہ سلامتی کی بات یہ ہے کہ اپنے سے زیادہ جاننے والے کا دامن پکڑنا چاہئے۔ کاش! اگر ہم پوچھ لیتے تو پتہ لگ جاتا۔ ان تمام شبہات کا منشاء یہ ہے کہ قبر نام اس گڑھے کا رکھ لیا۔ حالانکہ قبر سے مراد احادیث میں یہ گڑھا نہیں ہے بلکہ مراد عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ برزخ اس حالت کا نام ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان کی حالت ہے۔ اگر قبر میں دفن کر دیا وہی اس کا برزخ ہے۔ اس سے وہاں ہی سوال و جواب و عذاب و ثواب ہوگا اور اگر بھیڑیے و شیر نے کھالیا اس کے لئے وہی برزخ ہے اور اگر جلا دیا تو جہاں جہاں اس کے اجزاء ہیں اس سے وہاں ہی یہ سب واقعات پیش آئیں گے۔ لیکن چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے، اس لئے عالم برزخ کو قبر سے تعبیر فرمایا ہے۔“ (ملفوظات حکیم الامت ج ۲، ۲۸، ۲۹ ص ۲۹۳، ۲۹۴، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ دہلی)

۹..... نیز فرماتے ہیں کہ: ”میت میں مطلق ادراک تو احادیث سوال مکرین سے باجماع اہل حق ثابت ہے۔“

(ملفوظات حکیم الامت ج ۲۳ ص ۶۶)

۱۰..... ایک جگہ بزرگوں کے قریب دفن ہونے کے متعلق فرماتے ہیں کہ: ”جب حق تعالیٰ کی طرف سے رحمت و مغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو گو اس سے مقصود کوئی خاص بزرگ ہوں لیکن حسب قرب و بعد آس پاس کو پہنچتی ہے۔ جیسا کہ کسی کے پگھلا جلا جاوے تو آس پاس کے لوگوں کو بھی ہوا ضرور لگتی ہے۔ اس لئے بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا

کرنا عبث نہیں۔ سلف و خلف کا تعامل صاف دلیل ہے کہ یہ عمل بے اصل نہیں۔“ (ملفوظات حکیم الامت ج ۲۳ ص ۱۰۰) ۱۱..... ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: ”روح کو تعلق جسم سے ایسا ہے جیسا کہ آفتاب کو زمین سے۔“

(ملفوظات حکیم الامت ج ۲۳ ص ۳۵۸)

۱۲..... فرماتے ہیں کہ: ”قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے سے ملاوہ ایصالِ ثواب کے خود پڑھنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں استحضارِ موت کا زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری باطنِ مصلحت یہ ہے کہ مردہ کو ذکر سے الٹا ہوتا ہے۔ خواہستہ آہستہ پڑھا جاوے یا زور سے حق تعالیٰ مردہ کو آواز پہنچا دیتے ہیں۔“

(ملفوظات حکیم الامت ج ۲۳ ص ۲۷۱، خطبات حکیم الامت ج ۳۰ ص ۵۰۶)

کلمہ طیبہ کی برکت سے عذابِ قبر رفع ہو جانے کا قصہ

۱۳..... فرماتے ہیں کہ: ”مولوی محمد قاسم (یہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نہیں) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا تو حضرت کی سہ دری میں ایک کور ابدھنا رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کو اٹھا کر کنوئیں میں سے پانی کھینچا اور اس میں سے بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی تو کڑوا نہیں ہے، میٹھا ہے۔ میں نے وہ کور ابدھنا پیش کیا۔ حضرت نے بھی پانی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا اس کور کھ دو۔ نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیبہ جس قدر جس سے ہو سکے پڑھو اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا۔ بعد میں حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے۔ اس کے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پی لیا تو شیریں تھا۔ اس وقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔“ (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۱ ص ۴۸)

۱۴..... فرماتے ہیں کہ: ”حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ قبر بھی آخرت میں داخل ہے۔ اس سے موت اور مابعد الموت کا مراقبہ بہت قریب ہو گیا۔ کیونکہ قبر کیا چیز ہے، یہی زمین تو ہے جس پر آپ روزانہ چلتے پھرتے ہیں۔“ (خطبات حکیم الامت ج ۲۲ ص ۳۹۵، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

۱۵..... ایک اور جگہ میں فرماتے ہیں کہ: ”اس (حیاتِ برزخیہ) کے مختلف مراتب ہیں۔ ایک مرتبہ تو تمام جماعتِ مومنین کو حاصل ہے جس کے ذریعے سے نعیمِ قبر کی ہر مسلمان کو حصہ ہوگی۔“ (خطبات حکیم الامت ج ۳۱ ص ۱۷۴)

سماعِ موتی اور اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

۱..... ”حکیم الامت مجدد الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض نے نفیِ سماعِ موتی پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ ”انک لا تسمع الموتی“ مگر یہ استدلال بالکل ناقص ہے۔ اس لئے کہ اس آیت میں موتی سے تعہیداً کفار مراد ہیں۔ پس اس سے اتنا ثابت ہوا کہ جیسے کافر نہیں سنتے۔ ایسے ہی مردے بھی نہیں سنتے اور ظاہر ہے کہ کافروں کا نہ سننا بایں معنی ہے کہ ایسا نہیں سنتے کہ سن کر قبول کر لیں۔ پس اس طرح مردے بھی ایسا نہیں سنتے کہ سن کر قبول کر لیں۔ مثلاً کوئی جا کر قبرستان میں تبلیغ کرنے لگے تو

وہ سن کر اس پر عمل کرنے لگیں۔ پس اس معنی کے نہیں سنتے۔ حاصل یہ کہ یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک مشہ بہ یعنی موتی اور ایک مشہ بہ یعنی کفار سو مشہ بہ کے سماع میں تو اختلاف ہے ہی مگر مشہ بہ کے سماع کا مشاہدہ ہے کہ مطلق سماع ثابت ہے اور سماع قبول منفی ہے۔ پس تصحیح تشبیہ کے لئے غیر مشاہدہ کو مشاہدہ کی طرف راجع کریں گے۔ یعنی عدم سماع موتی کا ویسا ہی ہے، جیسے عدم سماع کفار کا۔ اب آیت کا مطلب بے خبر ہو گیا اور کوئی شبہ نہیں رہا۔“

(ملفوظات حکیم الامت ج ۵ ص ۲۱۶، ج ۸ ص ۷۷، ج ۲۳ ص ۲۴۱)

۲..... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”حدیث میں ہے کہ نہیں ہے کوئی مرد کہ گزرے کسی ایسے شخص کی قبر پر جسے وہ دنیا میں پہچانتا ہو پھر اس پر سلام کرے۔ مگر بات یہ ہے کہ وہ میت اس کو پہچان لیتی ہے اور اس کو سلام کا جواب دیتی ہے۔“

۳..... ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: ”مسئلہ سماع موتی میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ مگر اہل کشف سماع کے وجود پر متفق ہیں۔“

۴..... نیز فرماتے ہیں کہ: ”چنانچہ حدیث میں ہے کہ میت کو قرع نعال کی آواز آتی ہے اور جو کوئی عزیز و قریب اس کی قبر پر آتا ہے اس کو پہچانتا بھی ہے۔ گو معزلہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ مگر احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ بعض لوگوں نے عدم سماع موتی کا مسئلہ امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر امام صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔“

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

۱..... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور فتاویٰ امداد الفتاویٰ میں حدیث: ”من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته“ اور حدیث: ”اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعة فان صلوٰتکم معروضۃ علی“ اور حدیث: ”ان لله ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام“ لکھ کر بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ اپنا عقیدہ لکھا ہے کہ جو درود و سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس پڑھا جاتا ہے وہ آپ خود سنتے ہیں اور جو دور سے پڑھا جاتا ہے وہ فرشتوں کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر پیش کیا جاتا ہے۔

(امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۰۶، ۱۰۱، ۱۰۳، ۳۱۷)

جن لوگوں کا خیال ہے کہ جس طرح قریب والا درود و سلام آپ کی ذات اقدس پر بالاتفاق بلا واسطہ پیش کیا جاتا ہے، اسی طرح دور والا درود و سلام بھی آپ پر بلا واسطہ پیش کیا جاتا ہے تو ایسے لوگوں کی خیال کی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور تردید فرمائی ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ مقیس علیہ تو ثابت ہے۔ لیکن مقیس ثابت نہیں بہر حال! فتاویٰ کے مندرجہ بالا صفحات قابل مطالعہ ہیں، جن سے مولانا کا اپنا مسلک بھی واضح ہے۔

نوٹ: امداد الفتاویٰ کے سارے حوالے بحوالہ ”عقیدہ حیات قبر علماء اسلام“ کے ہیں۔

۲..... حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حیات الانبیاء کے احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

خلاصہ: تمام روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے اور فرشتوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام کرنے کے علاوہ

چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ امت کے اعمال کا دیکھنا، نماز پڑھنا، عالم برزخ کے مناسب غذا نوش فرمانا، سلام کا قریب سے خود سننا اور دور سے فرشتوں کے ذریعے سے سننا اور جواب دینا۔

(تذکرۃ الحبيب، تسهيل نشر الطيب ص ۲۶۸، ناشر زمزم پبلشرز)

۳..... ایک مرتبہ فرمایا کہ: ”آپ ﷺ جس حدیث قبر میں زندہ ہیں۔“ (الکف عن مہمات التصوف ص ۶۷۵)

۴..... ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: ”یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں۔“

(اشرف الجواب ص ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۵)

نبی ﷺ کی حیات قبر پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ کیجئے۔

۱..... القول الجلیل ”حصہ اول“ (ص ۴) وعظ المحور (ص ۱۳) ۲.....

۳..... تلح الصدر (ص ۱۵۲) الافاضات (ج ۵ ص ۲۳۲) ۴.....

۵..... راس الاربعین (ص ۵۱۱) التبلیغ (ص ۳) ۶.....

۷..... شکر العمة (ص ۴۴) وعظ الظہور (ص ۵۱) ۸.....

۹..... امداد الفتاویٰ (ج ۲ ص ۱۱۹) وعظ التبلیغ (ص ۳) ۱۰.....

۱۱..... بیان القرآن (ج ۱ ص ۴۹ تا ج ۴ ص ۱۰۰) یہ گیارہ حوالے مقام حیات سے لی گئی ہیں۔

۱۲..... خطبات حکیم الامت (ج ۵ ص ۲۹۳ تا ۲۹۶، ج ۳ ص ۱۷۳ تا ۱۷۵)

۱۳..... ملفوظات حکیم الامت (ج ۳ ص ۳۱۱، ج ۱۲ ص ۸۶)

فرقہ پنج پیریہ، ممتحیہ کے چند شبہات کا حل حضرت مولانا نور محمد تونسوی صاحب کے کتاب ”عقیدہ حیات قبر اور علماء اسلام“ سے پیش کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

قارئین کرام! یہ ہے عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا نظریہ کہ وہ آپ ﷺ کی حیات قبر شریف کے قائل ہیں اور روح اور جسد عنصری کے تعلق کے بھی قائل ہیں اور روضہ اقدس پر پڑھا جانے والا صلوٰۃ و سلام بلا واسطہ سننے کے قائل ہیں اور دور سے پڑھا جانے والا صلوٰۃ و سلام کے بذریعہ ملائکہ پہنچائے جانے کے قائل ہیں اور عذاب قبر کی صحیح صورت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ روح کا جسد عنصری کے ساتھ تعلق بھی مانتے ہیں۔ خواہ وہ ذرہ ذرہ ہو جائے اور اسی تعلق کی وجہ سے روح اور جسد کی جزاء اور سزا رنج و الم اور راحت کے بھی قائل ہیں۔ حتیٰ کہ عام موتی کے سلام سننے کے بھی قائل ہیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کوئی عبارت پیش کر کے اس سے ایسا مطلب نکالتا ہے جو ان تصریحات کے برخلاف ہے تو وہ مفتری کذاب اور دھوکہ باز ہے۔ عوام الناس میں مغالطہ آمیزی پھیلاتا ہے اور تبلیغات کے ذریعے اکابر کے دامن کو آلودہ کرنا چاہتا ہے۔

ازالہ شبہ اول: ”حضرت کی تحریروں میں یہ بات موجود ہے کہ قبر سے مراد صرف یہ گڑھا نہیں بلکہ قبر

سے مراد عالم برزخ ہے۔ بعض لوگوں کو اس سے یہ شبہ ہوا کہ حضرت مردے کے مدفن کو قبر نہیں سمجھتے، بلکہ قبر اس کے علاوہ کسی دوسرے مقام کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات خلاف واقع ہے۔ کیونکہ حضرت کی متعدد تصریحات گزر چکی ہیں کہ قبر میں مدفون جسد خواہ کسی حالت میں ہو، اس کے ساتھ روح کا تعلق رہتا ہے جس کی وجہ سے مردہ رنج و راحت کو محسوس کرتا ہے۔ لہذا ایسی تصریحات کے پیش نظر کہا جائے گا کہ حضرت قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا کرنا

چاہتے ہیں۔ کیونکہ بعض مردے ایسے ہوتے ہیں جن کو زمین کا مدفن نصیب نہیں ہوتا۔ حضرت بتانا چاہتے ہیں کہ قبر صرف اس زمینی گڑھے کا نام نہیں بلکہ قبر سے مراد برزخ ہے اور برزخ موت سے لے کر قیامت کے وقت تک کو کہتے ہیں اور یہ برزخ قبر سمیت مردے کے ہر مقام کو شامل ہے۔ خواہ مردے کہیں ہوں، جس حالت میں ہوں، قبر برزخ میں تضاد و تنافی نہیں ہے بلکہ قبر مردے کے لئے ظرف مکان اور برزخ اس کے لئے ظرف زمان ہے اور یہ دونوں باتیں بیک وقت راست آتی ہیں۔ جیسے زید رات میں ہے اور مسجد میں ہے۔ لہذا یہ بات اسی طرح درست ہے کہ مردہ قبر میں ہے اور برزخ میں ہے۔ حضرت قبر کے مفہوم میں وسعت دے کر مردے کے ہر مقام کو قبر میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا یہ شبہ نہ رہا اطمینان قلب کے لئے امداد الفتاویٰ کا ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مردے کے ٹھکانے اور مستقر کو قبر کہتے ہیں۔ لکھتے ہیں: (میت) کے حرق سے انعدام نہیں ہوتا، استحالہ ہوتا ہے۔ پس اجزاء باقی ہیں اور وہ اجزاء جہاں ہیں وہی ان کی قبر ہے۔ حقیقت قبر کی محل وجود میت ہے۔“ (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۶۷)

ازالہ شبہ دوم: ”مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ موت کے بعد روح کے لئے جسد مثالی کے قائل ہیں جس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ حضرت جسد عنصری سے تعلق نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ بھی بد فہمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حضرت فرماتے ہیں کہ جسد عنصری جل کر راکھ ہو جائے یا کسی اور وجہ سے منتشر ہو جائے تو اس کو انعدام میت نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ میت کا استحالہ ہے۔ لہذا جسد کے اجزاء کے ساتھ روح کا تعلق رہتا ہے جس کی وجہ سے میت رنج و راحت کو محسوس کرتا ہے۔ جب حضرت تعلق کی تصریح فرماتے ہیں تو جسد مثالی کے قائل ہونے کی وجہ سے جسد عنصری کے تعلق کی نفی سمجھنا کوتاہ فہمی ہے۔ جو جل جائے راکھ ہو جائے اور اس کے اجزاء منتشر ہو جائیں وہ جسد عنصری ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بہت سے علماء اہل سنت والجماعت اور صوفیاء محققین جسد مثالی کے قائل ہیں اور ساتھ جسد عنصری کے تعلق کو بھی مانتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگ اہل سنت والجماعت میں سے ہیں اور ہمارے اکابر ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی میں سے ہیں۔ ہمارا اختلاف ان لوگوں سے ہے جو جسد مثالی تجویز کر کے جسد عنصری سے تعلق کی نفی کرتے ہیں جو جسد عنصری میں تعلق ماننے کے بعد مثالی تجویز کرتے ہیں۔ ان سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

(عقیدہ حیات قبر اور علماء اسلام ص ۷۷، ۳۸، ۳۹)

عقیدہ عذاب قبر اور مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”مگر صحیح یہ ہے کہ عذاب روح اور جسد دونوں کو ہوتا ہے۔ کیونکہ مردہ کا قبر میں جا کر زندہ ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ روایت میں مکرین کے بارے میں ”یقعدانہ“ کا لفظ ”وغیرہا من الروایات“ بھی اعادہ روح پر دلالت ہے..... مگر صحیح یہ ہے کہ جسم مادی ہی میں روح کا اعادہ ہوتا ہے۔ مگر اسے ہم معلوم نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ خواب میں کسی کو تکلیف ہو رہی ہو بلکہ یقظان کو تخیل و تشکر کی وجہ سے سرور یا غم لاحق ہو، ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔“ (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۰۴)

نیز لکھتے ہیں: ”قال السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فی شرح الصدور عذاب القبر هو عذاب البرزخ (الی قولہ) ومحله الروح والبدن باتفاق اهل السنة“

(ایضاً ص ۱۰۴)

عقیدہ حیات النبی ﷺ اور مفتی رشید احمد مدظلہ

حضرت مولانا مفتی رشید احمد مدظلہ استجاب زیارۃ قبر النبی ﷺ کے دلائل دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: ”احتج القائلون بانها مندوبة لقوله تعالى ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول (الآية) وجه الاستدلال بها انه ﷺ حي في قبره بعد موته كما في حديث الانبياء احياء في قبورهم وقد صححه البيهقي والف في ذالك جزء اقال الاستاذ ابو منصور البغدادى قال المتكلمون المحققون من اصحابنا نبينا ﷺ حي بعد وفاته... فتبت ان حكم الآية باق بعد وفاته ﷺ فينبغي لمن ظلم نفسه ان يزور قبره ويستغفر الله عنده فيستغفر له الرسول“ (احسن الفتاوى ج ۴ ص ۵۶۱)

اس سے معلوم ہوا کہ فقیہ العصر مفتی رشید احمد مدظلہ استغفار عند قبر النبی ﷺ حیات قبر بہ تعلق روح مع الجسد الحصری اور سماع النبی ﷺ عند قبرہ الشریف کے قائل ہیں۔

۲..... مفتی رشید احمد مدظلہ نے احسن الفتاویٰ کی (جلد اول ص ۵۱۸، ۸۱۹، ۵۲۰) پر نو حدیثوں سے عرض اعمال علی النبی ﷺ بعد الوفا ثابت کیا ہے۔

۳..... تصدیق حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ: ”مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ نے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب کے رسالہ بنام عقائد علماء دیوبند پر تصدیق فرماتے ہوئے ارقام فرمایا ہے۔ اس کتاب (عقائد علماء دیوبند) میں مندرجہ عقائد صحیح ہیں۔ اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کے یہی عقائد ہیں۔“ (ص ۲۴۳)

اس کتاب (عقائد علماء دیوبند) میں عقیدہ حیات النبی ﷺ مندرجہ ذیل الفاظ میں موجود ہیں: ”تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز اور عبادت میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔“ (عقائد علماء اہل سنت دیوبند تالیف فخر الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مع حواشی مفیدہ مولانا محمود عالم صفدر اڈاکاڑی ناشر اتحاد اہل سنت والجماعت اس کے آخر میں رسالہ خلاصہ عقائد علماء دیوبند ملحق ہے ص ۲۲۶)

مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں ایک سوال اور

حضرت مفتی محمد صاحب مفتی دارالافتاء والا رشادناظم آباد کراچی کا مفصل جواب

سوال: حضور نبی اکرم ﷺ شافع محشر حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ یعنی بعد از وفات ”حیات النبی ﷺ“ کے موضوع پر مختلف علماء کے بیانات پر مشتمل کمیشن بازاروں میں اکثر ملتی ہیں، ان سے دو قسم کی آراء سامنے آتی ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد والی زندگی کو اس زندگی سے تشبیہ دینے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یہ رائے رکھنے والے علماء نبی کریم ﷺ کی روضہ اقدس میں زندگی کی تردید کرتے ہیں۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ عام مردوں کا جسم گل سڑ جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر اگرچہ محفوظ ہے۔ مگر اس سے روح کا تعلق نہیں ہوتا۔ دوسرے علماء کا موقف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے روضہ مبارک میں زندہ ہیں۔ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ جو درود آپ ﷺ کی ذات پر درود راز سے بھیجا جاتا ہے، مقرر فرشتے اس کو روضہ اقدس میں نبی

کریم ﷺ تک پہنچاتے ہیں اور جو درود و روضہ اقدس پر پڑھا جائے اس کو آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ یہی عقیدہ اہل علماء دیوبند کی تصدیقات کے ساتھ المہند علی المفسد میں بھی مذکور ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے:

۱..... ان دونوں آراء میں سے کون سی رائے صحیح ہے، آپ کے اور جامعۃ الرشید کے مہتمم صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ حضرات حیات النبی ﷺ کے قائل نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۲..... آپ نے احسن الفتاویٰ سے حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کا تحریر کردہ فتویٰ نئی جنوب و ترتیب میں خارج کرادی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب نے رسالہ ”نور بصیرت“ شمارہ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں مفصل مضمون بھی لکھا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

۳..... اگر آپ حضرات سے حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ متعلق حیات النبی ﷺ مندرجہ احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۹۴ پر دستخط کرنے کو کہا جائے تو آپ اس پر آمادہ ہوں گے۔ (محمد اشفاق، جنگل عبداللہ بادشاہ ملتان، خاور راولپنڈی) جواب: (۱) سوال میں مذکورہ دوسری رائے صحیح ہے۔ حیات النبی ﷺ سمیت میرے اور جامعۃ الرشید کے مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے تمام عقائد وہی ہیں جو اکابر علماء دیوبند کی تصدیقات کے ساتھ المہند علی المفسد میں مذکور ہیں۔

(۲) یہ غلط فہمی یا بہتان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا احسن الفتاویٰ پر خود مسلسل نظر ثانی فرماتے رہتے تھے اور ہر طبع میں ضرور کچھ نہ کچھ ترامیم فرماتے تھے۔ حیات الانبیاء کے سلسلے میں سب سے پہلے طبع میں جس میں احسن الفتاویٰ صرف ایک جلد میں تھا۔ اپنے فتویٰ کی تائید میں دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ نقل فرمایا تھا۔ بعد میں جدید طباعت کے وقت بغرض اختصار اسے حذف فرمادیا تھا۔ اس مسئلہ کے علاوہ دوسرے مسائل میں بھی بیسیوں ترامیم ہوئی ہیں جن میں سے کئی مسائل کی یادداشتیں جو حضرت والا کے قلم کی تحریر کردہ ہیں۔ بندہ کے پاس محفوظ ہیں، ان ترامیم کی بناء پر ان حضرات کو پریشانی ہوتی تھی جن کے پاس احسن الفتاویٰ کی پرانی طباعتیں تھیں۔ اس لئے حضرت والا نے ان ترامیم کو ایک رسالہ کی صورت میں جمع کرنے کا حکم فرمایا جو مرتب ہو گیا ہے اور عنقریب ان شاء اللہ! شائع ہو جائے گا۔ یہ الزام اس لئے غلط ہے کہ حضرت والا کا حیات الانبیاء بیہتہم کے بارے میں موقف اب بھی ”احسن الفتاویٰ“ میں شائع ہو رہا ہے، جس کا حوالہ آپ نے بھی دیا ہے۔ اگر کوئی فتویٰ ہم اپنی مرضی سے نکالنے کی خیانت و حماقت کرتے اور ہمارا عقیدہ یہ نہ ہوتا جو ”احسن الفتاویٰ“ کے فتویٰ میں مذکور ہے تو یہ فتویٰ کیوں باقی رکھتے۔

(۳) کیوں نہیں کریں گے۔ ایسے بیسیوں فتاویٰ یہاں سے جاری ہوئے ہیں جن کی نقول ہمارے پاس محفوظ ہیں، بلکہ بندہ اور حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم ”المہند علی المفسد“ پر دستخط کرنے کے لئے بھی تیار ہیں۔

”اللہم ارزقنا حبک وحب من یحبک و احفظنا من جمیع الشرور و الفتن ما ظہر منها و ما بطن“

(بشکریہ ضرب مومن جلد ۱۲ ش ۳۳، مورخہ ۲۹ / رجب تا ۶ / شعبان ۱۴۲۹ھ بمطابق یکم تا ۷ / اگست ۲۰۰۸ء)

نوٹ: مذکورہ بالا فتویٰ ایک تفصیل فتویٰ جو کہ ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے، سے تلخیص ہے۔ تفصیل فتویٰ

منگوانے کے لئے اس پتہ پر رابطہ کریں۔ دفتر قافلہ حق مرکز اہل السنۃ والجماعۃ ۸۷ جنوبی سرگودھا۔

(بحوالہ سہ ماہی مجلہ قافلہ حق سرگودھا ج ۲ ش ۴ ص ۶۲ تا ۶۴)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ عذاب قبر

.....۱ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”عذاب قبر جسم عنصری و جسم مثالی دونوں پر ہوتا ہے۔“

(امداد الاحکام ج ۱ ص ۸۳۹ طبع جدید، ناشر: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

.....۲ نیز لکھتے ہیں کہ: ”بلکہ ان (ارواح) کو اپنے جسد اول اور قبر سے بھی تعلق رہتا ہے۔“ (ایضاً ج ۱ ص ۸۱۸)

.....۳ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ”لان الاحیاء بعد الوفات مستحیل عندهم (المعتزلہ) اما عند اهل السنة

فالحديث لقنوا موتاكم محمول على حقيقة لان الله تعالى يحييه على ما جاء به الآثار (اعلاء السنن: الطبعة

الثالث ج ۸ ص ۲۱۱، ناشر: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي)“ معتزلہ کے نزدیک موت کے بعد (قبر میں زندہ

کرنا) محال ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک حدیث: ”لقنوا موتاكم“ حقیقت پر محمول ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

قبر میں مردہ کو زندہ کرتا ہے۔ جیسا کہ احادیث و آثار میں ہیں۔

.....۴ نیز لکھتے ہیں کہ: ”اگر صرف (مردے کو) ثواب پہنچانے کا ارادہ ہو تو اس کے لئے قبر پر جانے کی

ضرورت نہیں۔ ہاں! اگر ثواب پہنچانے کے ساتھ میت کی تانیس و دلداری میں مقصود ہو تو قبر پر جانے اور وہاں جا کر

قرآن پڑھنے سے میت کو انس و مسرت زیادہ ہوتی ہے۔“ (امداد الاحکام ج ۱ ص ۱۹۳)

عذاب قبر سے متعلق تفصیلی فتویٰ مصدقہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً! مجموعی طور پر اہل السنۃ والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ عذاب

روح کو جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض نے اس میں جسم مثالی کا توسط مانا ہے اور باوجود جسم مثالی کے جسم عنصری یا اس کے

اجزاء سے اس قدر تعلق ہونے میں جس سے تالم و تلذذ ہو سکے، کوئی بعید نہیں اور جسم کی ہیئت ترکیبی کا بقاء تعلق روح کے

لئے لازم نہیں۔ باوجود ریزہ ریزہ ہونے کے ہر ہر ذرہ کے ساتھ تعلق ممکن ہے اور ہر جزء اور ذرہ کی قبر وہی ہے جہاں

وہ موجود ہے۔ برہو یا بحر ہو اور تمام جگہوں کے ذرات سے تعلق پیدا کرنے پر خدا کو قدرت ہوتا ہے، جس سے عذاب

و ثواب ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورج بہت سی جگہوں کو روشن کرتا ہے۔ ایک ویڈیو جنکشن کا بہت وڈیوں سے تعلق ہے۔ لیکن

اس کا ادراک بوجہ دوسرے عالم میں ہونے کے ہم کو عامتہ نہیں ہوتا۔ تاکہ ایمان بالغیب باقی رہے۔ بہر حال صحیح

مسلك اہل حق کا یہی ہے کہ قبر میں روح مع الجسد کو عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ گو ہیئت ترکیبی باقی نہ رہے جس پر روایت

اور سلف کے اقوال کثیرہ شاہد ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ کہ عذاب و ثواب محض روح کو ہو اور جسم یا اس کے اجزاء سے کسی نوع

کا تعلق نہ ہو یہ عقیدہ ابن حزم ظاہری اور ابن میسرہ کا ہے۔ نیز یہ عقیدہ کہ جسد کو بغیر تعلق روح کے عذاب ہو۔ یہ کرامیہ کا

مسلك ہے۔ عدم تعلق روح کا قول مولف مذکور فی اقوال اور کرامیہ برابر ہیں۔ رہا حیات بسیطہ کے ساتھ عذاب کا قائل

ہونا یہ مخترع شئے ہے اور اس صورت میں تلذذ یا تالم خلاف اجماع ہے۔ کیونکہ پتھر کے توڑنے یا اچھی جگہ پر رکھنے

سے تالم یا تلذذ کا کوئی قائل نہیں۔ بہر حال یہ عقیدہ مخترع اور اہل حق کے خلاف ہے۔ نیز حضور ﷺ کے پاس

درود و سلام کے بلوغ سے ثواب کا پہنچنا مراد لینا بدعت جدیدہ ہے اور نمبر ۷ کے الفاظ گستاخی کے موہم اور روایات کے

انکار اور سلف کے عقیدہ کی تغلیط پر مبنی ہیں اور خلاف اجماع ہیں۔ نیز اس قائل نے یہ تحریر کر کے اور بھی ظلم کیا ہے کہ

درود و سلام کے وقت حضور ﷺ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو جو کہ کھلم کھلا تصریحات فقہاء کے خلاف ہے۔

عالمگیری میں ہے: ”ثم يقف عند وجهه مستدبر القبلة ويصلي عليه“ بہر حال جن خیالات کا اس شخص نے اظہار کیا ہے، یہ غلط ہیں اور روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کے خلاف ہے، جن کی تفصیل اپنی جگہ پر کتب میں مسطور ہیں۔ اس وقت تفصیل کی ضرورت نہیں۔ لہذا یہ شخص مبتدعین میں داخل ہے۔ کیونکہ مبتدع ہونے کے لئے بعض امور کا اختراع بھی کافی ہے اور مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

نوٹ: اس سلسلہ کی تصنیفات میں تسکین الصدور کا مطالعہ مفید ہے۔ مہرود دستخط کتبہ محمد وجیہ غفرلہ، مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار ضلع حیدرآباد (سندھ) ۷/ ربيع الثانی ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عثمانی ۲/ ربيع الثانی ۱۳۸۹ھ (بحوالہ ہدیۃ البحر ان ص ۸۸)

عقیدہ حیات النبی ﷺ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ

۱..... حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ مامن احد یسلم علی الارذاللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام رواہ ابو داؤد بسند صحیح و ذکر ابن قدامۃ من رواۃ احمد بالفظہ مامن احد یسلم علی عند قبری“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کوئی شخص ایسا نہیں کہ مجھ پر سلام کہتا ہو، مگر یہ کہ اللہ میری روح یعنی توجہ مجھ پر لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں ابو داؤد نے اس کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۰۴)

۲..... ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ بلفظ من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته وفیہ محمد بن مروان السدی الصغیر وهو ضعیف وروی نحوه الخدال من طریق البختری وهو ضعیف جدا عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وتعدد الطريق یفید القوة“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو پڑھے درود میری قبر کے پاس اسے میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں کے) پہنچا دیا جائے گا۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۰۵)

۳..... ”عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون رواہ ابو یعلیٰ برجال ثقاة ورواہ البیہقی وصححه“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ رواہ ابو یعلیٰ برجال ثقاة۔

استشفاع عند قبر النبی ﷺ اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”احتج القائلون بانہا مندوبۃ بقولہ تعالیٰ (ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول) وجہ الاستدلال بہا انہ ﷺ حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احياء فی قبورہم... فثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاتہ ﷺ فینبغی لمن ظلم نفسه ان یزور قبرہ ویستغفر اللہ عنده فیستغفر لہ الرسول“ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۴۹۸)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ولا شک فی حیاتہ ﷺ بعد وفاتہ و کذا سائر الانبیاء علیہم السلام

احیاء فی قبورہم حیۃ اکمل من حیات الشهداء الیٰ اخبر اللہ تعالیٰ فی کتابہ العزیز ونبینا ﷺ سید الانبیاء و سید الشهداء و اعمال الشهداء فی میزانہ فقد قال ﷺ علمی بعد وفاتی کعلمی فی حیاتی رواہ الحافظ المنذری“ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۰۵)

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ”واذا کان من جاء قبرہ کمن جاء رسول اللہ ﷺ فای مومن یرضی نفسہ بان لا یجی رسول اللہ و هو یقدر علی ذالک و لو یبذل النفس و الروح و من الذی یمنع من شد الرحال لا جل ذالک و هو یعلم ان رسول اللہ ﷺ حی فی قبرہ فقد جاء رسول اللہ و انما ینکر ذالک من ینکر حیاتہ ﷺ“ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۱۲)

عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا مصدقہ فتویٰ

”حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عسری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیاوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ ہے کہ احکام شریعہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جائے، بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین، متکلمین، اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء پر ”آب حیات“ کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو حضرت گنگوہی کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، ان کا رسالہ ”المہند علی المفند“ بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لئے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ دائر کرے، اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔“ (پیام مشرق لاہور ج ۳ ش ۴/۱۳۸۰ھ / ستمبر ۱۹۶۰ء، بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۷ طبع یازدہم ستمبر ۲۰۰۲ء، احمد سعید ملتانى آغاز و انجام ص ۱۱۷ طبع اول)

عرض اعمال اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ: ”عرض حضور ﷺ کے سامنے اعمال امت کے پیش ہونا اور حضور ﷺ کا خوش ہونا اور استغفار فرمانا ثابت ہے۔“ (امداد الاحکام ج ۱ ص ۱۳۷) علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے تسکین الصدور پر تقریظ لکھا ہے۔ دیکھئے (تسکین الصدور ص ۲۸)

تصدیق حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ

مولانا عبدالغفور ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ: ”چنانچہ احقر کے رسالہ عقاید علماء دیوبند پر (علامہ ظفر احمد عثمانیؒ) تصدیق فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: ”فقد سرحت النظر فی هذه الرسالة خطفة فوجدتها صحيحة اخذا من المہند وغيره من مؤلفات اکابرنا من علماء دیوبند“ (ص ۱۷۶) میں نے اس رسالہ پر طائرانہ نظر ڈالی تو اس کو نہایت نفیس اور صحیح پایا۔ مولف نے المہند کتاب سے ہمارے اکابر اور مشائخ کے عقائد کو احسن انداز میں ذکر کیا ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تھانویؒ اس رسالہ کی پرزور الفاظ میں تصحیح فرما رہے ہیں

اور الہمد وغیرہ میں درج اپنے اکابر اور مشائخ علماء دیوبند کے عقائد کا حوالہ دے رہے ہیں۔ نیز مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیوبند کے متفقہ اعلان پر حضرت مولانا کے دستخط ثبت ہیں۔“ (ہدایۃ الحیران ص ۱۰۲ طبع دوم)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کا ہدایۃ الحیران پر تصدیق

محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ”ہدایۃ الحیران“ قریب قریب سب ہی دیکھی واقعی اس کی ضرورت تھی۔ باقی لوگوں کا ماننا یہ الگ بات ہے جو اپنے قبضہ میں نہیں ہے۔ (ہدایۃ الحیران ص ۶۵۱ طبع دوم)

کیا شبلی نعمانی دیوبندی نہیں؟

مفتی شریف صاحب لکھتے ہیں کہ اس عنوان کے تحت چند علماء دیوبند کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ (ص ۴) اس کے تحت بیچ پیری مفتی نے ”شبلی نعمانی“ کا نام ذکر کیا ہے۔ مفتی صاحب کو اتنا معلوم نہیں کہ شبلی نعمانی کا تعلق دیوبند کے مکتب فکر سے قطعاً نہیں اور نہ ان کے نظریات علماء دیوبند کے ہیں۔

سوال: مفتی صاحب آپ نے کس بنیاد پر ”شبلی نعمانی“ کو دیوبند کے فہرست میں ذکر کیا ہے؟

۱..... استاذ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: ”علامہ علی کو عقائد اسلامیہ میں اور عربی عبارتوں کے ترجمہ میں دھوکہ لگتا ہے۔“ (سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۴۳ طبع دوم ناشر مکتبہ ظلیل لاہور)

۲..... نیز لکھتے ہیں کہ: ”علامہ شبلی نے یہ سمجھا کہ حضور پر نور ﷺ کو اپنی نبوت و رسالت میں شک تھا۔ ورقہ کے کہنے سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین آیا۔ علامہ شبلی نعمانی کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔“ (ایضاج ص ۱۶۱)

۳..... آگے لکھتے ہیں کہ: ”اہل سنت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے۔ لہذا علامہ شبلی نعمانی کا (سیرۃ النبی ﷺ ج ۱ ص ۱۸۱) تصنیف کلاں) میں یہ لکھنا کہ ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے۔ محض تبلیغ ہے اور دھوکہ ہے۔ اہل سنت میں ان کے کفر کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ روافض ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں اور ظاہر ہے کہ روافض کا اختلاف قابل اعتبار نہیں۔“ (ایضاج ص ۲۹۵)

۴..... علامہ شبلی ابن اسحاق کی ضعیف اور منقطع روایت سے بخاری و مسلم اور صحاح ستہ کی تمام روایات صحیحہ کو رد کر کے ابوطالب کا ایمان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ (ایضاج ص ۲۹۳)

۵..... لکھتے ہیں کہ: ”علامہ شبلی کا یہ خیال تمام محدثین اور مفسرین کی تصریحات بلکہ تمام صحیح اور مرتع روایات کے خلاف ہے۔“ (ایضاج ص ۱۶۶)

علامہ شبلی نعمانی کا جہاد اقدامی سے انکار

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی فرماتے ہیں کہ: ”شبلی مرحوم نے جو کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اقدامی جنگ نہیں لڑی اور اسلام میں اقدامی جہاد نہیں ہے، ان کا یہ کہنا غلط ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے یہاں قریش کے قافلہ کا جو ارادہ کیا یہ آپ کی طرف سے اقدام ہی تو تھا۔“

(کشف الباری، کتاب المغازی ص ۸۹)

معجزات اور شبلی نعمانی کے مغالطات

”سر سید احمد خان نے اصول تفسیر میں معجزات کے متعلق جو مغالطے پیش کئے ہیں، یہی مغالطے علامہ شبلی نعمانی نے علم الکلام اور کلام میں مختلف انداز اور الفاظ میں بیان کئے ہیں۔“ (تفسیر القرآن، اصول التفسیر، الاصل ۱۵ ص ۲۲، علم الکلام اور کلام ج ۲ ص ۲۰۳، ان ہی مغالطات کے رد کے لئے دیکھئے ”ماہنامہ، الفاروق، کراچی، محرم الحرام ۱۴۳۵ھ ج ۳۰ ش ۱ ص ۱۰۴۶، اذاعات حضرت مولانا فتح سلیم اللہ خان صاحب (زیدہ مجددہ)“)

علامہ شبلی نعمانی کے متعلق مزید دیکھئے:

(اذاعات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اشرف الجواب ص ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ناشر مکتبۃ الحسن لاہور)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے) بحیثیت مجموعی اعتدال فکر اور حق و انصاف کا دامن نہیں چھوڑا، مثلاً مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی جائز تعریف کے بعد ان کے بارے میں ندوہ کے سربراہ کے یہ الفاظ پڑے قابل قدر اور مولف کے انصاف کے آئینہ دار ہیں کہ: ”وکان مع ذالک معجبا برایہ لا ینقاد لاحد، ولو کان برہانہ مقنعا وفیہ شی من التلون... وکان معتزلیا فی الاصول، شدید النکیر علی الاشاعرہ“ (ص ۱۷۶) اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی رائے کے معاملے میں خود پسند تھے اور دوسرا شخص خواہ کیسے کافی دشمنی دلائل لے آئے، اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کرتے تھے۔ ان میں کچھ تلون بھی تھا..... اور عقائد کے معاملے میں معتزلی تھے اور اشاعرہ پر شدت سے نکیر کرتے تھے۔

(تبرے ص ۵۰۱، ۵۰۰ طبع جدید ناشر ادارۃ المعارف کراچی)

سید سلیمان ندوی اور انکار حشر اجساد

(بطور الزام) مولانا ٹمس الامین بیچ پیری لکھتے ہیں: ”سید سلیمان رحمۃ اللہ علیہ صرف معاد روحانی کے قائل ہیں۔“ (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ص ۸۳۶، مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام میں مسلک اعتدال ص ۹۵ نظر ثانی، مفتی توصیف احمد مرغز صوابی)

مفتی صاحب! جو شخص حشر اجساد کا منکر ہوا اگر وہ عذاب قبر کا انکار کریں تو اس پر کیا تعجب ہے۔ اب آپ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر کیا فتویٰ لگائیں گے؟

مفتی شریف صاحب کی بے خبری

”مفتی شریف نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت کی نسبت شبلی نعمانی کی طرف کر کے غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ یہ عبارت صرف سید سلیمان ندوی کی ہے۔ شبلی نعمانی اس وقت وفات پا گئے تھے۔ بعد میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل سید سلیمان ندوی نے کیا ہے۔ مفتی حسین شاہ نیلوی نے بھی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت کی نسبت صرف یہ سلیمان ندوی کی طرف کیا ہے۔“

(ماہنامہ عارفین سرگودھا ص ۵ ش ۲۱ ص ۶۰)

قارئین کرام! مفتی شریف صاحب نے ”سیرۃ النبی“ سے جو عبارت انکار عذاب قبر کے متعلق پیش کی

(جل اللہ، جلد نمبر ۲۵ ص ۷۹)

ہے، اسی عبارت کو فرقہ عثمانیہ نے بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا مَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياءُ أحياءُ في قبورِهِمْ يُصلُّونَ (الحديث)

عقیدہ حیاتِ انبیاءِ
ﷺ

پر
اعتراضات کا علمی جائزہ

ترجمہ: علامہ محمد رفیع

مترتب:

حضرت مولانا سعید محمد بشامی حفظہ اللہ
متخصص مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

سہ ماہی

عقیدہ حیات النبی ﷺ پر اعتراضات کا علمی جائزہ

مرتب

حضرت مولانا سعید محمد بشامی حفظہ اللہ

مختص مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلی اہرست

۳۵۴	(حرفے چند) حضرت مولانا سعید محمد بشای		
۳۵۵	۱۔		
۳۵۸	۳۵۷	لفظ قبر قرآن سے	قبر کا لفظ احادیث رسول ﷺ سے
۳۶۰	۳۵۹	قبر کا لفظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے	قبر کا لفظ علماء اسلام سے
۳۶۳	۳۶۱	اہل لغت کے نزدیک قبر کا لفظ	برزخ کو برزخ کیوں کہتے ہیں؟
۳۶۷	۳۶۵	اعادہ روح کے متعلق	شہداء کے بارے میں نظریہ
۳۷۱	۳۶۸	ثواب و عذاب کے متعلق	اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کا عقیدہ
۳۷۳	۳۷۳	عقیدہ حیات النبی ﷺ پر قرآنی دلائل	قرآن کریم سے ہمارا موقف
۳۷۸	۳۷۶	نبی پاک ﷺ کی شہادت پر دلائل	قرآن پاک سے دوسری دلیل
۳۷۹	۳۷۸	قرآن پاک سے تیسری دلیل	قرآن پاک سے چوتھی دلیل
۳۷۹	۳۷۹	قرآن کریم سے پانچویں دلیل	قرآن پاک سے چھٹی دلیل
۳۸۰	۳۸۰	قرآن پاک سے ساتویں دلیل	قرآن پاک سے آٹھویں دلیل
۳۸۱	۳۸۰	قرآن پاک کی نویں دلیل	قرآن پاک سے دسویں دلیل
۳۸۲	۳۸۱	احادیث المصطفیٰ فی حیات الانبیاء علیہم السلام	مصححین حدیث
۳۸۵	۳۸۳	حسن المقال فی توثیق الرجال	کسی حدیث پر ضعف کا حکم کب لگایا جائے گا؟
۳۸۷	۳۸۶	حدیث سے ہمارا موقف	ناقضین حدیث
۳۹۱	۳۸۸	حسن المقال فی توثیق الرجال	حسن المقال فی توثیق الرجال
۳۹۳	۳۹۲	حیاۃ الانبیاء پر چوتھی حدیث	مصححین حدیث
۳۹۷	۳۹۴	حسن المقال فی توثیق الرجال	حسن المقال فی توثیق الرجال
۴۰۱	۴۰۱	حیات الانبیاء پر چھٹی حدیث	استدلال

۴۰۲	حسن المقال فی توثیق الرجال	۴۰۲	مصححین حدیث
۴۰۵	مصححین حدیث	۴۰۴	حیات الانبیاء پر ساتویں حدیث
۴۰۷	ساتواں راوی امام نسائی رحمہ اللہ	۴۰۵	حسن المقال فی توثیق الرجال
۴۱۵	حیۃ الانبیاء کے متعلق علماء دیوبند کا عقیدہ	۴۰۸	عقائد العلماء فی حیۃ الانبیاء
		۴۲۳	مما تہوں کے کچھ اعتراضات اور ان کے جوابات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(حرفے چند)

حضرت مولانا سعید محمد بشامی

بشام ضلع شانگلہ کے حضرت مولانا سعید محمد بشامی صاحب نے مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا چک ۸۷ جنوبی سے تخصص کیا۔ عقیدہ حیات النبی ﷺ پر ۲۰۱۸ء میں ایک کتاب ”عقیدہ حیات النبی ﷺ پر اعتراضات کا علمی جائزہ“ نامی شائع کی۔ جس میں احادیث واقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس اجماعی عقیدے کو خوب واضح کرتے ہوئے اس پر ہونے والے اعتراضات کو رفع کیا ہے۔ اس مجموعہ میں شامل کر رہے ہیں۔
(ناشر)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين مالک يوم الدين

والصلاة والسلام على سيد الخلائق محمد وآله واصحابه اجمعين آمين!

قال الله تعالى في القرآن المجيد والفرقان الحميد: ”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ

أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ“

فقال النبی ﷺ: ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“

وقال النبی ﷺ: ”من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على من بعيد اعلمته“

زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ فتنوں کا ظہور بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ”خیر

القرون قرنی ثم الذین یلوئہم ثم الذین یلوئہم“ کے سب سے بہترن زمانہ میرا زمانہ ہے اور پھر جو اس کے قریب

ہے اور پھر جو اس کے قریب ہے۔ اس طرح ہر پہلا زمانہ مابعد میں آنے والے سے بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح ۱۴۰۰

صدیاں گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف فرقے نمودار ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل میں ۷۲ فرقے تھے اور اب

۷۳ فرقے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت میں ۷۳ فرقے ہوں گے اور بنی اسرائیل میں

۷۲ فرقے تھے اور میری امت کے ۷۳ فرقوں میں سے صرف اور صرف ایک فرقہ حق پر ہوگا اور اس کے بارے

میں پوچھا گیا؟ تو فرمایا کہ یہ فرقہ حق پر ہوگا ما انا علیہ واصحابی۔ باقی تمام فرقے گمراہی پر ہوں گے مگر آج کل

ان گمراہ فتنوں میں سے خطرناک ترین فتنے یہ ہیں۔ فتنہ غیر مقلدین، فتنہ بریلویت، فتنہ مودودیت اور فتنہ مماتیت لیکن

افسوس کی بات یہ ہے کہ مماتی اپنے آپ کو دیوبندیت کی صف میں شمار کر کے پوری امت کو یہ دکھانا چاہ رہے ہیں کہ

ہم دیوبندی ہیں اور علماء دیوبند کے مسلک و مشرب پر ہیں لیکن حقیقت یہ میں ایسا نہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اس فتنہ

نے علماء دیوبند پر طرح طرح کی باتیں بنادیں۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کو بھی نہیں چھوڑا۔

تو حاصل یہ ہے کہ بیخ پیری یعنی مماتی حضرات اپنے آپ کو علماء دیوبند میں شمار کرنے کے باوجود بھی علماء

دیوبند سے کئی اختلافات رکھتے ہیں۔ انہی اختلافات میں سے ایک اختلاف حیات الانبیاء علیہم السلام کے بارے میں

ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وفات کے بعد حیات جسمانی حاصل ہے یا نہیں؟ تو جمہور امت اور علماء دیوبند کا عقیدہ یہ ہے کہ

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی وفات کے بعد قبر میں زندہ ہیں اور نماز اور عبادت میں مشغول ہیں۔ جب کہ مماتی

حضرات انبیاء کی حیات کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے کہ عالم برزخ میں ان کی ارواح کو ان کے عصری بدنوں کے ہم شکل

اور مماثل شکل و کافور کے مثالی اجسام عطاء کئے جاتے ہیں اور ان کا مقام مستقر جنت کا اعلیٰ ترین اور سب سے اونچا

درجہ علیین ہے ویسے جنت میں وہ جہاں چاہیں آتے جاتے اور جنت کے میوے تناول فرماتے ہیں۔

(ندائے حق ج ۱ ص ۵۵۴ مکتبہ گلستان المل سنت)

جب ہم بیخ پیری حضرات سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ کا یہ عقیدہ کہاں سے ثابت ہے تو وہ فوراً علماء کے دروازے پر آ کر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں جب کہ قرآن کریم سے اس دعویٰ پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ اگرچہ وہ ہر جگہ یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ عقیدہ کا قرآن سے ثابت ہونا ضروری ہے۔

حیات الانبیاء کے مسئلہ پر مماتی حضرات نے اتنی شدت سے کام لیا ہے کہ عام مُردوں کے لئے حیات، ادراک اور شعور تو مانتے ہیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ادراک اور شعور سے انکار کرتے ہیں۔

چنانچہ مولانا حسین نیلوی صاحب حضرت عزیر علیہ السلام کے قصے کے متعلق فرماتے ہیں کہ: ”اگر سیدنا عزیر علیہ السلام کے جسدِ عنصری میں ادراک اور شعور ہوتا تو یہ صحیح جواب دیتے کہ میں یہاں سو برس تک ٹھہرا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طیبہ میں نہ حیات برزخی ہوتی ہے اور نہ ان میں ادراک و شعور ہوتا ہے۔“ (انجمنی بلفظ ندائے حق ج ۱ ص ۴۹۲ مکتبہ گلستان اہل سنت)

اور عام مُردوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قبر کا عذاب یا ثواب محسوس کرنے کے لئے حق تعالیٰ صرف اسی قدر حس اور ادراک میت میں پیدا کرتا ہے کہ جس قدر سے وہ عذاب الم اور ثواب کی لذت کو جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے پہنچتی ہے محسوس اور دریافت کر سکتا ہے۔ (بلفظ انجمنی ندائے حق ج ۱ ص ۳۶ مکتبہ گلستان اہل سنت)

مماتی حضرات نے عام مُردوں کے لئے ادراک اور شعور تو ثابت کرتے ہیں مگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ادراک و شعور کو ثابت نہیں کرتے۔

حیات الانبیاء علیہم السلام کے مسئلے پر بحث کے لئے چند چیزوں کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

(۱) قبر۔ (۲) برزخ، (۳) روح کا اعادہ ہوتا ہے، (۴) ثواب و عذاب۔

ان پر بحث کرنا کیوں ضروری ہے؟

تعیین قبر پر بحث اس لئے ضروری ہے کہ قبر میں عذاب کا ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ البتہ قبر کو جب متعین کیا جائے کہ قبر اس زمین گڑھے کو کہتے ہیں تو ثواب و عذاب بھی اسی زمین گڑھے میں ہوگا۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو جب یہ ثابت کیا جائے کہ قبر وہ ہے جو زمین میں کھودی گئی ہو پھر انبیاء علیہم السلام کے لئے حیات بھی اسی قبر میں ثابت ہوگی جو زمین میں کھودی گئی اور برزخ کی تعیین پر بحث کرنا اس لئے ضروری ہے کہ مماتی حضرات فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں جب برزخ کی تعیین کی جائے کہ برزخ اور قبر میں مناجات نہیں بلکہ قبر طرف مکان ہے اور برزخ طرف زمان ہے اور طرف زمان اور طرف مکان کے درمیان منافات نہیں ہوتی اس کو مثال کے ذریعے سمجھو کہ ایک آدمی رات کے وقت کمرے میں بیٹھا ہے تو رات بمنزل برزخ ہوگی اور کمرہ منزل قبر ہوگی تو جس طرح اس آدمی کے بارے میں نہیں کہا جاتا ہے کہ وہ کمرے میں بھی ہے رات میں بھی ہے تو رات اس کے لئے طرف زمان اور کمرہ اس کے لئے طرف مکان ہے۔ بالکل اسی طرح جب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے کہا جاتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں تو اس کا مطلب ایسا ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام قبر میں بھی زندہ ہیں کیونکہ قبر طرف مکان ہے اور برزخ طرف زمان ہے جس طرح رات اور کمرے میں تضاد نہیں ہے۔ اسی طرح قبر اور برزخ میں بھی کسی قسم کا تضاد اور منافات نہیں ہے۔

اور اعادہ روح پر بحث اس لئے ضروری ہے کہ جب بدن کی طرف روح لوٹ جاتی ہے تو اس کے ذریعہ میت کو ادراک و شعور ہوتا ہے جب میت کو ادراک و شعور ہوتا ہے تو اس کے ذریعے ثواب و عذاب بھی ملے گا تو جب روح کا اعادہ عام مؤمنین کے لئے ثابت ہوگی تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بطریقہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ عذاب و ثواب پر بحث کرنا اس لئے ضروری ہے کہ ثواب و عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسد کو یا روح مع الجسد کو ہوتا ہے عذاب و ثواب ہوگا تو میت میں اس قدر حیات ہوگی جس کے ذریعے وہ ادراک کر سکے۔ جب عام مردوں کے لئے حیات ثابت ہوگی جس کے ذریعے وہ ادراک کر سکے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے عام مردوں سے بطریقہ اولیٰ حیات ثابت ہوگی۔

لفظ قبر قرآن سے

قرآن پاک میں جہاں بھی لفظ قبر استعمال ہوا ہے تو اس سے مراد وہ قبر ہے جو محفور فی الارض ہو قبر پر ہم اس لئے بات کرتے ہیں کہ کیونکہ مماتی حضرات زمین والی قبر سے انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس لئے ہم اس پر بات کرتے ہیں جس طرح قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو منافق کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا۔

۱..... ”وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَا تَوْا وَّهُمْ فَاسْقُونِ (التوبة: ۸۴)“ اور ان میں سے کوئی امر جاوے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھے اور نہ (دفن کے لئے) اس کی قبر پر کھڑے ہو جائے وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور وہ مر گئے نافرمان۔

تو کہا اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عبد اللہ بن ابی منافق کی اس قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا یا سحین والی قبر سے؟ ۲..... ”أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعِثَ رَمَلٌ فِي الْقُبُورِ“ کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کئے جائیں گے جتنے مردے قبروں میں ہیں۔

ان زمینی قبروں میں جو مردے ہیں ان کو زندہ کیا جائے گا یا کوئی اور قبروں سے مردوں کو زندہ کیا جائے گا؟ ۳..... ”وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (الحج: ۷)“ اور قیامت آنے والی ہے اس میں ذرہ شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کرے گا۔

اس قبر والوں کو زندہ کرے گا جو محفور فی الارض ہے یا کسی اور قبر والوں کو؟

۴..... ”وَإِذَا الْقُبُورُ بُعِثَتْ (انفطار: ۴)“ اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔

کون سی قبریں اکھاڑ دی جائیں گی؟ زمینی قبریں یا علیین اور سحین والی قبریں؟

۵..... ”وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ (الفاطر: ۲۲)“ اور زندہ اور مردے دونوں برابر نہیں ہو سکتے اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

اس آیت میں اگر علیین یا سحین والی قبر مراد ہے تو پھر اس زمینی قبر پر کیوں فٹ کرتے ہو جو محفور فی الارض ہے۔

۶..... ”حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (التكاثر: ۲)“ یہاں تک کہ تم قبرستان پہنچ جاتے ہو۔

اس آیت میں کون سا قبرستان مراد ہے زمینی قبرستان یا علیین و سحین والا؟

..... ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَنْسُوا مِنْ الْآخِرَةِ كَمَا يَتَّبِعُ الْكَفَّارُ مِنَ أَصْحَابِ الْقُبُورِ (المتحنة: ۱۳)“ اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے کہ وہ آخرت (کے ثواب و عذاب) سے ایسے مایوس اور ناامید ہو گئے جیسے کفار ناامید ہو گئے جو قبروں میں (مدفون) ہیں۔ کفار ان زمینی قبروں میں ہیں یا کہیں اور۔

۸..... ”ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ (عبس: ۷۱ تا ۷۲)“ پھر اس کو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوا دیا اس کو۔ مرنے کے بعد زمین والی قبر میں رکھوا دیا یا کسی اور قبر میں؟

قبر کا لفظ احادیث رسول ﷺ سے

حضور ﷺ کی بے شمار احادیث مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قبر سے یہی قبر مراد ہے جو محفور فی الارض ہے ہم آپ کے سامنے وہ احادیث مبارکہ پیش کرے ہیں کہ جن میں قبر کا لفظ آیا ہے اس سے مراد یہی زمینی قبر ہے۔

حدیث نمبر ۱: ”و عن ابی مرثد العنوی قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا علیہا“ ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم قبروں پر مت بیٹھو اور ان کی طرف نماز پڑھو۔ (مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۵۰ کتاب الجنائز)

حضور ﷺ اسی زمینی قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا تھا یا کسی اور قبر پر؟

حدیث نمبر ۲: ”لا تجعلوا قبری عیدا“ تم میری قبر کو عید نہ بناؤ۔

(مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۹۲ الفضل الثانی کتاب الصلوٰۃ فی الصلوٰۃ علی النبی ﷺ)

کیا حضور ﷺ نے اس زمین والی قبر کے بارے میں فرمایا تھا کہ تم میری قبر پر زیارت کے لئے ایسے جمع نہ ہو جیسے کہ تم عید کے لئے جمع ہوتے ہو۔

حدیث نمبر ۳: ”و عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال سمعت النبی ﷺ یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوه واسرعوا بہ الی قبرہ والیقرأ عند رأسہ فاتحة البقرة وعند رجليہ بخاتمة البقرة“ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی پاک ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اس کو روکے مت رکھو اور اسے جلدی دفن کرو اور اس کے سرہانے سورۃ البقرہ کی ابتدا کی آیات پڑھی جائے اور اس کے پاؤں کی جانب سورۃ بقرہ کا آخری پڑھا جائے۔ (مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۵۱ کتاب الجنائز باب دفن الموتی)

اس حدیث میں حضور ﷺ نے میت کو قبر تک پہنچانے میں جلدی کا حکم فرمایا ہے تو اس سے مراد کیا یہی ہے کہ اس کو علیین یا بحین پہنچا دو؟

حدیث نمبر ۴: ”و عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال لولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنی میتوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر کی آوازیں سنا دے۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۳۸۶ باب عرض مقعد المیت من الجنة والنار علیہ اثبات عذاب القبر والتعویذ منه)

اس حدیث میں حضور ﷺ اپنی امت پر کون سی قبر میں دفن نہ کرنے سے ڈرتے تھے زمینی قبر پر علیین اور بحین والی قبر؟

حدیث نمبر ۵: ”عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ ان الميت ليعذب ببكاء اهله عليه فذكر ذلك لعائشة رضي الله عنها فقالت وهل تعني ابن عمر انما امر النبي ﷺ علي قبر فقال ان صاحب هذا ليعذب واهله يبكون عليه ثم قرأت ولا تزروا زورا اخری قال عن ابی معاویة علی قبر یهودی“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا میت کے اہل کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے تو یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کی گئی تو انہوں نے فرمایا حضرت ابن عمر بھول گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ایک قبر پر سے گزر رہا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس قبر والے کو عذاب دیا جا رہا ہے اور اس کے اہل اس پر رو رہے ہیں پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا مطلب ہے کہ: ”کوئی بار اٹھانے والا کسی دوسرے کا بار نہیں اٹھائے گا، حدیث کا ایک راوی ابو معاویہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا گزر یہودی کی قبر پر ہوا۔“ (ابوداؤد ج ۲ ص ۹۰ کتاب الجنائز باب فی النوح)

کون سی قبر میں عذاب دیا جا رہا تھا جس پر آپ ﷺ کا گزر ہوا؟

حدیث نمبر ۶: ”و عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انی نہیتکم عن زیارة القبور فزوروا فان فیہا عبرة“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے آپ کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا تھا پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ اس میں عبرت ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۸۹ الترغیب فی زیارة الرجال القبور والترہیب من زیارة النساء واتباعهن الجنائز)

حدیث نمبر ۷: ”عن عمرو بن حزم قال رانی رسول اللہ ﷺ علی القبر فقال انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر فلا یؤذیک“ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے قبر کے اوپر دیکھا تو فرمایا کہ قبر سے نیچے اتر جاؤ۔ تم اس قبر والے کو اذیت نہ دو نہ وہ تجھے نقصان دے۔ (لمحاوی شریف ج ۱ ص ۳۲۸ باب الجلس علی القبور)

حدیث نمبر ۸: ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ لعن زائران القبور والمتحذین علیہا المساجد والسرج“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اور ان پر چراغ روشن کرنے والوں پر۔

(الترغیب والترہیب للمندری ج ۴ ص ۱۹۰ الترغیب فی زیارة الرجال القبور)

زمین والی قبر کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے یا کسی اور قبر کی زیارت کرنے والی عورتوں پر۔

قبر کا لفظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعدد اقوال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قبر سے مراد یہ محفور فی الارض ہے کوئی اور قبر مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس زمین والی قبر کو نہ مانیں تو بہت ساری قرآنی آیات اور متعدد احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند اقوال پیش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبر سے مراد کون سی قبر مراد لیتے تھے۔

قول نمبر ۱: ”عن انس رضی اللہ عنہ قال مر النبی ﷺ بامرأة تبکی عند قبر فقال اتقی اللہ واصبری“ حضرت

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو قبر پر رو رہی تھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۱، کتاب الجنائز باب زیارة القبور)

قول نمبر ۲: ”عن جابر رضی اللہ عنہ قال دفن مع ابی رجل فی القبر فلم یطب قلبی حتی اخر جتہ و دفنتہ علی حدہ“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کے ساتھ ایک آدمی قبر میں دفن کیا گیا میرا اطمینان قلبی نہیں ہو رہا تھا یہاں تک کہ میں نے اس کو نکالا اور علیحدہ دفن کیا۔ (نسائی شریف ج ۱ ص ۲۸۴، کتاب الجنائز باب اخراج المیت من القبر بعد دفن فیہ)

قول نمبر ۳: ”عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال لولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر“ (حوالہ گزر چکا اور ترجمہ بھی)

قول نمبر ۴: ”عن سفیان التمار انہ رای قبر النبی ﷺ مسنما“ حضرت سفیان التمار نے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کو دیکھا وہ اونٹ کی کوہان کی طرح تھی۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۹۱۲ کتاب الجنائز فصل)

قول نمبر ۵: ”عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لایحکم واسئلوا لہ بالتشیت فانه الان یسئل“ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی درخواست کرو کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جانے والا ہے۔

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۹۲۸، باب الجلوس علی القبور)

قول نمبر ۶: ”عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ صلی علی جنازۃ ثم اتی القبر فحشی علیہ من قبل رأسہ ثلثا“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی پھر قبر کی طرف آئے اور آپ ﷺ نے سر کی طرف سے تین مٹھیاں ڈال دیں۔ (الترغیب والترہیب للمذری ج ۴ ص ۱۰۹)

قول نمبر ۷: ”عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال لابنہ و هو فی سیاق الموت اذا انا مت فلا تصحبنی نائحة ولا نار فاذا دفتمونی فشنوا علی التراب شنائم اقموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمہا حتی استانس بکم واعلم ماذا ارجع بہ رسل ربی“ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے اپنے بیٹے سے حالت نزع میں فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نوحہ کرنے والی عورت اور آگ نہ لے جانا اور جب مجھ کو دفن کرنے لگے تو میری قبر پر مٹی ڈالنا اور قبر کے ارد گرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنا دیر میں ایک اونٹ ذبح کیا جاتا ہے اور پھر اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تمہارے ساتھ مانوس ہوں کہ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے فرشتوں کو جواب دے سکوں۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۹۰)

قبر کا لفظ علماء اسلام سے

- ۱..... صاحب مشکوٰۃ امینی کتاب مشکوٰۃ شریف میں مستقل طور پر باب باندھتے ہوئے فرماتے ہیں: ”باب زیارۃ القبور“ (مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۵۵)
- ۲..... اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ بھی السنن الصغریٰ میں مستقل باب باندھتے ہوئے فرماتے ہیں: ”باب زیارۃ القبور“ (السنن الصغریٰ ج ۱ ص ۳۷۵)
- ۳..... امام نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) بھی مستقل باب باندھتے ہوئے فرماتے ہیں: ”باب تحریم الجلوس علی قبر“ (ریاض الصالحین ص ۵۱۵)

۴..... قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں: ”لا يجوز ما يفعله الجهال لقبور الاولياء والشهداء من السجود بعد الحول كالا عاد ويسمونہ عريسا“ کہ جاہل لوگ جو اولیاء اور شہداء کی مزاریات کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں وہ سب ناجائز ہیں یعنی ان کو سجدہ کرنا اور ان کے ارد گرد طواف کرنا اور ان پر چہرے اٹھانے اور ان کی طرف سجدے کرنا اور ہر سال میلوں کی طرح ان پر جمع ہونا جس کا نام وہ عرس رکھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۶۸)

۵..... حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں: ”لا تجعلوا زيارة قبري عيداً اقول هذا

الاشارة الى سد مدخل التحريف كما فعل اليهود والنصارى بقبور انبيائهم وجعلوها عيداً وموسماً بمنزلة الحج“ میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ میری قبر کی زیارت کو عید نہ بناؤ کہ اس میں اشارہ ہے کہ تحریف کا دروازہ بند کر دیا جائے کیونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو حج کی طرح عید اور رسم بنا دیا تھا۔ (حجۃ البالغہ ج ۲ ص ۲۰۹)

۶..... فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”يسنم القبر قدر الشبر ولا يربع ولا يخصص ولا بأس برس الماء عليه ويكره ان يبنى على القبر او يقعد او ينام عليه“ قبر کو اونٹ کی کوہان کی طرح بنانا چاہئے اور وہ بھی صرف ایک بالشت اور قبر کو مریع نہ بنایا جائے اور نہ اس کو پختہ کیا جائے اور کوئی حرج نہیں کہ قبر پر پانی چھڑکا جائے اور قبر پر عمارت بنانا اور اس پر بیٹھنا اور سونا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶)

فائدہ: اب ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ قبر اس کو کہتے ہیں کہ جو محفور فی الارض ہو یعنی مُردوں کو انہی قبروں میں دفن کیا جاتا ہے کہیں اور قبروں میں نہیں۔

اہل لغت کے نزدیک قبر کا لفظ

- ۱..... ”القبر مدفن الانسان و جمعة قبور۔ المقبرة هي موضع دفن الموتى“
- ۲..... علامہ وحید الزمان اپنی مشہور و معروف لغت میں فرماتے ہیں قبر کھودنا حفر القبر میں اتارنا دفن المیت۔
- ۳..... علامہ سعید ابو حبیب فرماتے ہیں: ”القبر: المكان يدفن فيه الميت“
- ۴..... امام راغب الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”قبر: القبر مستقر الميت و مصدر قبرته جعلته في القبر واقبرته جعلت له مكاناً يقبر فيه نحو اسليقته جعلت له ما يسقى منه“
- ۵..... یوسف شکاری فرحات لکھتے ہیں: ”القبر: مدفن والحدو الجمع قبور“
- ۶..... علامہ فیروز آبادی اپنی مشہور لغت میں قبر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”القبر: القبر مدفن الانسان جمع قبور“

مندرجہ بالا اقوال سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ جہاں ہر مردے کو دفن کیا جاتا ہے اسی کو قبر کہتے ہیں اور ثواب و عذاب بھی اسی قبر میں ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کے بعد آثار و ارشادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اقوال محدثین و فقہاء میں لفظ قبر کا اطلاق ان ہی جیسی قبروں پر پڑا ہوا ہے۔

البتہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو یہ قبر حقیقی نصیب ہی نہیں ہوتی کسی کو جنگل کے درندے یا دریا کے مگر چھ اور سمندر کی وہیل مچھلیاں ہڑپ کر جاتی ہیں بعض دریا میں غرق ہو کر گل سڑ جاتے ہیں یا آگ میں جل کر راکھ بن جاتے

ہیں تو اس صورت میں بھی وہ سب عذاب قبر سے نہیں بچ سکتے جہاں جہاں بھی ان کے ذرات ہیں وہی گویا ان کی قبر ہے اور وہیں ان کو عذاب یا آرام ملتا ہے تو قبر فقط اسی مخصوص قبر کا نام نہیں بلکہ عالم برزخ میں اس مقام کا نام بھی گویا قبر ہے جہاں مردے کو یا اس کے اجزاء منتشرہ، ماکولہ، محرقہ میں سے کسی جز کو عذاب ہو رہا ہے۔ کیونکہ قبر اور برزخ کے درمیان نسبت عموم و خصوص مطلق کی ہے جیسا کہ ہر قبر برزخ ہے اور بعض برزخ قبر ہے اور بعض برزخ قبر نہیں ہے (تو جہاں بھی قبر ہوگی تو وہاں پر برزخ بھی ہوگی چنانچہ قاعدہ ہے کہ خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی جب کہ عام کی نفی سے خاص کی نفی ہوتی ہے۔

مثلاً قبر خاص ہے اور برزخ عام ہے جس میت کو قبر میں نہ دفنایا جائے تو اس سے برزخ کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس کو ثواب و عذاب برزخ میں ہوگا۔ بخلاف عام کی نفی کے کہ عام کی نفی سے خاص کی نفی ہوتی ہے تو اس صورت میں برزخ کی نفی سے قبر کی نفی ہوتی ہے اور حال یہ ہے کہ برزخ کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ جو بھی انسان مرجاتا ہے تو وہ فوراً عالم برزخ میں چلا جاتا ہے خواہ اس کو دفن کیا جائے یا درندے کھا جائیں یا دریا میں ڈوب جائے وغیرہ۔ بہر حال وہ جہاں بھی ہوگا وہ برزخ میں ہوگا اور عذاب و ثواب اس کو برزخ میں دیا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ قبر اور برزخ میں تضاد نہیں ہے کیونکہ برزخ قبر سمیت مردے کے ہر مقام کو شامل ہے اور قبر برزخ کے مفہوم میں داخل ہے۔ لہذا ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہا۔

جیسا کہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ومما ينبغي ان يعلم ان عذاب القبر هو عذاب البرزخ فكل من مات وهو مستحق للعذاب ناله نصيبه منه قبر ولم يقبر فلو كلفه السباغ او احرق حتى صار رمادا ونسف في الهواء او صلب او عرق في البحر وصل الى روحه وبدنه من العذاب ما يصل الى القبور“ جانتا چاہئے کہ عذاب قبر عالم برزخ کا عذاب ہے۔ پس جو بھی مرا اور وہ عذاب کا مستحق ہے اسے عذاب ملے گا خواہ وہ قبر میں دفن ہو یا نہ ہو اگر اسے درندوں نے کھا لیا یا جلادیا گیا اور خاکستر بن گیا اور ہوا میں اڑ گیا یا سولی پر چڑھا دیا گیا یا سمندر میں غرق ہو گیا تو بھی جو عذاب قبروں میں ہوتے ہیں وہ اس کی روح اور بدن یا اس کے ذرات کو ہوگا۔ (کتاب الروح ص ۷۱)

علامہ ابن کثیرؒ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ: ”وهذه الآية اصل كبير في استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ في القبور تحت قوله تعالى النار يعر ضون عليها غدو او عشا“

یہ آیت کریمہ قبر میں عذاب برزخ کے سلسلے میں اہل سنت کے لئے بڑا قاعدہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مردہ بیک وقت قبر میں بھی ہو سکتا ہے اور برزخ میں بھی تیسری بات ایک ہوتا ہے ظرف مکان اور ایک ہوتا ہے ظرف زمان۔ مکان جگہ کو کہتے ہیں اور زمان وقت کو کہتے ہیں اور زمانے کو کہتے ہیں تو قبر ظرف مکان ہے اور برزخ ظرف زمان ہے اس کو ہمارے استاذ محترم متکلم اسلام پیر طریقت، رہبر شریعت، وکیل احناف، حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے حضرت مولانا محمد الیاس کھن صاحب حفظہ اللہ اس کو مثال سے یوں سمجھایا کرتے ہیں کہ جیسے کوئی شخص رات کے وقت مسجد میں بیٹھا ہو تو کہا جائے گا کہ وہ مسجد میں بھی ہے اور رات میں بھی۔ بالکل اسی طرح قبر اور برزخ کی مثال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبر تو حقیقی یہی ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں۔ ہاں! مجازی طور پر اس برزخی مقام پر بھی قبر کا اطلاق ہوتا ہے جہاں کہیں میت کے اجزاء ہوں خواہ درندوں پرندوں کا پیٹ ہو خواہ دریا ہو یا آگ اور ہوا۔

(۱) البتہ مماتی حضرات قبر کی تقسیم کرتے ہیں کہ قبر عرفی اور قبر شرعی۔ یہ دو قسمیں ہیں ان کے ایک اہل علم

فرماتے ہیں کہ: ”الغرض علماء کرام نے قبر کے معنی عالم برزخ کئے ہیں یہی شرعی قبر ہے۔ یہی حدیثوں سے مراد ہے اور یہی حقیقی معنی ہے یعنی حقیقت شرعیہ اور گڑھا قبر کا حقیقی معنی نہیں۔“ (ندائے حق ص ۷۴)

(۲) ان کے دوسرے عالم خضر حیات فرماتے ہیں کہ: ”قبر سے مراد یہ گڑھا دنیا کی زمین والا نہیں ہے بلکہ عالم برزخ ہے۔“ (المسلک المنصور فی احوال من فی القبر ص ۳۴)

مزید آگے فرماتے ہیں کہ: ”دوسرے وہ امور ہیں جن کا تعلق اس جہاں کی مخلوق کے ساتھ نہیں ہے بلکہ مالک الملک، عالم الغیب کے تصرفات سے طے ہوتے ہیں جن کی ماتحت الاسباب تکمیل ایک فیہی مخلوق یعنی ملائکہ کے ذریعے سرانجام پاتی ہے۔ مثلاً منکر نکیر کا سوال و جواب کرنا اور اس کے بعد قسم و قسم کی راحت ملنا اور عذاب میں مبتلا ہونا قبر کا تنگ ہونا اور کشادہ ہونا اور عذاب قبر کی وجہ سے معذب کا چنچیں مارنا اور بچھوں اور سانپوں کا ڈسنا وغیرہ ایسے امور ہیں جن کا تعلق اس ظاہری گڑھے کے ساتھ عادیہ قطعاً نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ گڑھا اس عالم دنیا کا گڑھا ہے جس کو دنیا کے لوگ کھودتے ہیں۔“ (المسلک المنصور ص ۳۴۸)

برزخ کو برزخ کیوں کہتے ہیں؟

برزخ عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان والے عرصہ کو کہا جاتا ہے اور اس کو برزخ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک قسم کی آڑ ہے اور پردہ ہے اور مردے پر جو بھی کاروائی گزرتی ہے وہ بھی ہر پردے میں ہوتی ہے اس کو عالم دنیا والے نہیں دیکھ سکتے تو معلوم ہوا کہ برزخ کسی مقام کا نام نہیں ہے بلکہ برزخ زمانہ اور وقت کا نام ہے اور برزخ بمعنی مقام مماتی حضرات کی تحریف ہے برزخ بمعنی مقام نہ تو قرآن کریم میں ہے اور نہ احادیث مبارکہ میں ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ روح اور بدن کا اکٹھا ہونا حیات اور زندگی ہے اور ان کا جدا ہونا موت ہے تو جس طرح اکٹھے ہونے میں دونوں کی زندگی ہے اسی طرح دونوں کے جدا ہونے میں دونوں کی موت ہے بدن جہاں سے بنا تھا وہیں جا کر گل سڑ کر ختم ہو گیا اور روح اپنی جگہ پر چلی گئی بدن کے لئے فتا ہے وہ مٹی میں حل ہو کر ختم ہو جاتا ہے روح کے لئے بقا ہے اس لئے وہ اپنے مقام اور مقر میں باقی رہتی ہے روح کے لئے موت اور میت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ (عقائد علماء اسلام ص ۱۶۰، ۱۶۱)

قبر کے وسیع اور تنگ ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جسم کو جس میں چھپانا ہے وہ تنگ و وسیع ہوتا ہے بلکہ اس عالم میں روح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے ہاں عرف عام میں اس جسم کے اعتبار سے اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں۔ (ندائے حق ج ۱ ص ۷۲)

نیلوی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ قبر حقیقت میں عالم برزخ کا نام ہے اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے۔

ہمیں الجھن کیوں ہوتی ہے کہ ثواب و عذاب نظر نہیں آتا۔ کیونکہ بسا اوقات مردہ ہمارے سامنے پڑا ہوا ہوتا ہے لیکن اس پر جو کچھ گزرتا ہے۔ یعنی ثواب و عذاب تو وہ ہمیں نظر نہیں آتا تو یہ اسی طرح ہے جیسے خواب والے کے ساتھ عالم خواب میں سب کچھ ہوتا ہے۔

عالم برزخ کو ہمارے استاذ محترم حضرت مشکلم اسلام مولانا محمد الیاس کمن حفظہ اللہ تعالیٰ بہت پیارے انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ بندہ جب سوتا ہے تو جسم بستر پر پڑا ہوتا ہے اور اس کی روح کبھی کسی شہر میں، کبھی کہیں پر اور پھر جب کسی کو شیطانی خواب آتا ہے اور ساتھ کوئی بیٹھا ہوتا ہے تو اس کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس سونے والے کے ساتھ کیا ہو رہا ہوتا ہے اور نہ اس کو نظر آتا ہے تو حالات اور مناظر سب کچھ روح کے ساتھ پیش آتے ہیں لیکن جب جاگتا ہے تو اس کے اثرات اس کے بدن اور کپڑوں پر ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ ہر کسی کے ساتھ خواب میں ہوتا ہے مگر ہمیں پھر بھی نظر نہیں آتا۔ بعینہ اسی طرح عذاب و ثواب نظر نہ آنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ جس طرح عالم خواب والے کا عالم الگ ہوتا ہے اور جاگنے والے کا عالم الگ ہوتا ہے اس لئے نظر نہیں آتا تو اسی طرح عالم برزخ والے کا عالم الگ ہوتا ہے اور عالم دنیا والے کا عالم بھی الگ ہوتا ہے تو عالم کی تبدیلی کی وجہ سے عالم دنیا والے عالم برزخ والے کو نہیں دیکھ سکتے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عالم خواب میں جو کچھ ہمارے ساتھ پیش آتا ہے ان کو ہم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ یہ ہر کسی کے ساتھ پیش آتا ہے اسی وجہ سے کوئی انکار بھی نہیں کرتا اور عالم برزخ میں اس وجہ سے سمجھ نہیں آتا اور بعض لوگ انکار بھی کر دیتے ہیں کہ وہ کسی کے ساتھ پیش نہیں آیا ہوتا ہے اور جن کے ساتھ پیش آتا ہے وہ ہمیں خبر بھی نہیں دے سکتے اس وجہ سے بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔ اب اس تمام وضاحت کے بعد لفظ برزخ قرآن اور لغت سے ثابت کرتے ہیں۔

۱..... برزخ کا معنی ہے پردہ، قرآن میں یہ لفظ کئی جگہ پر استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمُ الْمُرْتَدُّونَ (المومنون: ۱۰۰)“ اور اس کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک جس دن اٹھائے جائیں گے۔

۲..... ”بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ (الرحمن: ۲۰)“ اور ان کے درمیان پردہ ہے کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرتے۔

۳..... ”وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَخِجْرًا مَخْجُوزًا (الفرقان: ۵۳)“ اور ان دونوں کے درمیان پردہ کر دیا اور بندہ بندھا ہوا ہے۔

برزخ کا لفظ لغت سے: علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۳۹ھ) فرماتے ہیں:

۱..... ”البرزخ ما بین شینین و کذا لک الموبق وقد نطق بها القرآن وقد قيل ان البرزخ ما بین الدنیا والآخرة“ دو چیزوں کے درمیان حائل چیز کو پردہ کہتے ہیں اور یہی معنی موبق کا ہے جو قرآن سے دونوں وارد ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان حائل (پردہ) کو کہتے ہیں۔

۲..... مولانا ابوالحفیظ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور لغت میں فرماتے ہیں: ”البرزخ: یہ دو چیزوں کے درمیان کی روک مرنے کے وقت سے دوبارہ اٹھنے تک کا زمانہ۔“ (مصباح اللغات ص ۵۶ طبع المصباح)

۳..... علامہ فیروز آبادی اپنی مایہ ناز لغت میں برزخ پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”البرزخ الحاجز بین الشینین ومن وقت الموت الى القيامة ومن مات دخله“ (القاموس المحيط ص ۳۱۸ طبع مؤسسة الرسالة)

۴..... یوسف شکاری فرحات اپنی مایہ ناز کتاب میں فرماتے ہیں: ”البرزخ الحاجز بین الشینین ما بین الموت الى يوم البعث“ (معجم الطلاب ص ۴۶ طبع بیت العلم الوقف)

”دواشیاء کے درمیانی حائل کو برزخ کہتے ہیں موت سے لے کر دوبارہ اٹھنے تک کے درمیان کا زمانہ جو ان تمام تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مرنے کے بعد سے لے کر قیامت تک کے زمانے کو برزخ کہا جاتا ہے نہ کہ کسی خاص جگہ کو برزخ کہا جاتا ہے۔“

اور برزخ کا معنی پردہ یہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہے اور برزخ کو پردہ بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ میت پر جو گزرتا ہے وہ سب پردے میں ہوتا ہے اور برزخ کو خاص مکان اور جگہ قرار دینا نہ قرآن کریم سے اس کا ثبوت ہے اور نہ احادیث مبارکہ سے اور جن علماء کرام نے قبر سے مراد برزخ لیا ہے تو اس سے ان کا مطلب قبر کے مفہوم میں وسعت مطلوب ہے نہ کہ قبر سے انکار کرنا اور یہ اس لئے کہ بعض دفعہ کسی میت کو قبر نصیب نہیں ہوتی بلکہ اس کو درندے وغیرہ چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں تو اس صورت میں قبر تو اس کو نصیب نہیں ہوئی لیکن برزخ نصیب ہوئی۔ اس لئے علمائے کرام نے قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے قبر سے برزخ مراد لیا ہے اور احادیث کا عظیم ذخیرہ عذاب قبر کے بارے میں وارد ہوا ہے نہ کہ برزخ کے بارے میں اس لئے علمائے حق نے قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا کی تاکہ احادیث کا عظیم ذخیرہ جامع ہو جائے۔ عذاب و ثواب سب کو شامل ہو جائے چاہے جہاں بھی ہو جب مذکورہ تحقیق کے مطابق قبر کا مصداق یہی مدفن ارض ہے اور اسی میں میت کو دفنایا جاتا ہے تو اب روح کا اعادہ بھی اسی قبر میں ہوگا جہاں پر میت کو دفنایا جائے گا اور اعادہ روح عذاب و ثواب کے لئے ہوتا ہے اور عذاب و ثواب جسد غضری کے علاوہ متحقق نہیں ہو سکتا اور یہ اس لئے کہ عذاب اسی بدن کو دیا جاتا ہے جس بدن نے گناہ وغیرہ کیا ہوگا اور حال یہ ہے کہ گناہ جسد غضری نے کیا ہے نہ کہ جسم مثالی نے۔ اسی طرح ثواب بھی اسی بدن کو دیا جائے گا جس بدن نے نیکی کی ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہو اور یہ جسد غضری ہے نہ کہ جسم مثالی۔

اور عذاب و ثواب جسم مثالی کو دینا یہ صوفیاء کا مسلک ہے نہ کہ جمہور کا۔ جیسا کہ آئندہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے قول سے معلوم ہوگا اور اعادہ روح اسی کو کہا جاتا ہے کہ روح جس بدن سے نکلی ہو تو اسی میں عود کرے۔ جیسا کہ (عاد زید الی البیت) اسی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ جب زید جس گھر سے نکلا ہو اسی گھر کو لوٹ کر آئے نہ کہ ایسی صورت میں کہ زید نکلا ایک گھر سے ہو اور پھر لوٹا دوسرے گھر کو ہو۔

اعادہ روح کے متعلق

اعادہ روح کے متعلق ہم علمائے کرام کے اقوال اور مذاہب ذکر کرتے ہیں۔

- ۱..... امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) اپنی عقائد کی مشہور کتاب میں فرماتے ہیں: ”فاعادة الحياة الى جزء يدرك العذاب ممكن“ بدن کے کسی جز کی طرف حیات کا لوٹنا ممکن ہے تاکہ عذاب کا ادراک کر سکے۔ (الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۱۱۸)
- ۲..... امام ابن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں: ”والایمان بالحوض والشفاعة والایمان بمنکر ونکیر وعذاب القبر والایمان بملک الموت بقبض الارواح ثم ترد فی الاجساد فی القبور فیسألون عن الایمان والتوحید“ حوض کوثر، شفاعت، منکر نکیر، عذاب قبر، ملک الموت کے ارواح کو قبض کرنا اور پھر ان ارواح کا قبروں میں جسموں کی طرف لوٹنے پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ (کتاب الصلوٰۃ ص ۴۵ بحوالہ تسکین الصدور)
- ۳..... امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”واعادة الروح الى جسد العبد فی قبره حق“ قبر میں روح کا اعادہ انسان کی جسم کی طرف حق ہے۔ (فقداء کبر بروات حماد بن ابی حنیفہ عن ابیہ ص ۶۲۳ فی ضمن العقیدۃ و علم الکلام الامام الکوثری) **فائدہ:** امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اعادہ روح کے قائل ہیں۔ (العقد الاکبر ص ۱۰۹)

اور فقہ اکبر کونیلوی صاحب بھی امام صاحب رحمہ اللہ کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں۔

(القول الاثم فی حیات میمیٰ بن مریم از نیلوی ص ۳۴)

۴..... شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اعادہ روح پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”فقد صرح الحدیث باعادة الروح الى الجسد“ روح کا اعادہ جسد کی طرف حدیث میں اس پر تصریح آئی ہے۔

(مجموع فتاویٰ ج ۴ ص ۲۸۹ مطالع الریاض)

۵..... علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) اعادہ روح کے متعلق فرماتے ہیں: ”فقد دل علیه النص الصحيح الصریح وهو قول النبی فتعاد روحه فی جسده“ اور اس پر نص صریح اور صحیح دلالت کرتی ہے اور وہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ”جسم میں روح کو لوٹا دیا جاتا ہے۔“ (الروح لابن قیم الجوزیہ ص ۵۶، ۵۵، طبع دار ابن حزم)

۶..... علامہ ابن ابی العزائمی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں: ”فان عود الروح الى الجسد ليس على الوجه المعهود في الدنيا بل تعاد الروح اليه اعادة غير الاعادة المالوفة في الدنيا“ بلاشبہ بدن کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے مگر معہود فی دنیا کی اعادہ کی طرح نہیں۔ (شرح مقیدۃ الطحاویہ علامہ ابن ابی العزائمی ص ۳۹۹ قدیمی کتب خانہ)

۷..... امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں: ”وقد اجمع اهل السنة على اثبات الحيات في القبور قال امام الحرمين في الشامل اتفق سلف الانمة على اثبات عذاب القبر و احياء الموتى في قبورهم ورد الارواح في اجسادهم“ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قبور میں حیات ثابت ہے امام حرمین شامل میں فرماتے ہیں کہ امت کے سلف صالحین عذاب قبر کے اثبات پر متفق ہیں اور مردوں کو قبروں میں زندہ کرنے اور ان کی ارواح کو ان کے جسموں کی طرف لوٹانے پر بھی متفق ہیں۔ (خطباء القام ص ۱۶۸)

۸..... علامہ ابن الہادی رحمہ اللہ (۷۴۴ھ) رد روح پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وفي الجملة رد الروح على الميت في البرزخ ورد السلام على من يسلم عليه لا يستلزم الحياة التي يظنها بعض الغالطين وان كانت نوع حياة برزخية وقول من زعم انها نظير الحياة المعهودة فخالف المنقول والمعقول“ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ برزخ میں میت کی طرف روح کا لوٹنا اور اس کا سلام کا جواب دینا اس حیات کو مستلزم نہیں جس کو بعض مغالطہ کا شکار ہونے والوں نے سمجھا ہے اگرچہ یہ برزخ کی حیات کی ایک قسم ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وہ (دنیا) کی معہود زندگی کی طرح ہے ان کا قول نقل و عقل دونوں کے مخالف ہے۔ (المصارم المنکلی ص ۲۲۵)

نوٹ: اس تمام تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اعادہ روح اسی بدن کی طرف ہوتا ہے جو کہ زمین میں دفن ہے اور وہ جسد عنصری ہے تو اب عذاب و ثواب بھی اسی بدن کو دیا جائے گا جو متعلق روح۔ جس کی طرف روح نے عود کیا اور وہ جسد عنصری ہے چنانچہ اس مسئلہ پر ہم کچھ بحث کرتے ہیں کہ عذاب و ثواب اسی بدن کو دیا جائے گا۔ جو متعلق روح اور عذاب و ثواب روح اور بدن دونوں کو ملے گا نہ کہ صرف روح کو بغیر بدن کے اور نہ صرف بدن کو بغیر روح کے سب سے پہلے ایک قاعدے کو سمجھنا ضروری ہے۔

علامہ ابن ابی العزائمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”فالحاصل ان الدور ثلاثة دار الدنيا، دار البرزخ، دار القرار، وقد جعل الله لكل دار احكاما تخصها و كبر هذا الانسان من بدن و نفس و جعل احكام الدنيا على الابدان تبع لها فاذا جاء يوم حشر الاجساد و قيام الناس من قبورهم صار الحكم و النعيم و العذاب على الارواح

والاجساد جميعا“ جان لو کہ دارتین ہیں: (نمبر ۱) دارالدنیا، (نمبر ۲) دارالبرزخ، (نمبر ۳) دارالقرار اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے خاص احکام بنائے ہیں اور انسان کو بدن اور روح سے مرکب بنایا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کے احکام کو ابدان پر مسلط کیا اور ارواح ان ابدان کے تابع ہیں اور برزخ کے احکام کو ارواح پر مسلط کیا ابدان اس کے تابع ہے جب اجسام کے جمع ہونے کا دن آئے گا (قیامت اور حشر) اور لوگوں کو قبروں سے کھڑے ہونے کا وقت آئے گا تو حکم و نعمت اور عذاب بدن اور ارواح دونوں پر ہوگا۔

(شرح عقیدۃ الطحاویہ ص ۴۰۰ طبع قدیمی کتب خانہ، الروح لابن قیم ص ۸۱ فصل الدور خلاصہ و لکل منها احکام خاصہ طبع دار لابن حزم) لیکن مماتی حضرات کے ہاں اعادہ روح کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ان کے مولوی لکھتے ہیں کہ: ”قارئین کرام تو موت کے بعد خواہ انبیاء علیہم السلام کی حیات ہے یا شہید کی حیات ہے۔ عالم برزخ میں جسم مثالی کے ساتھ ہے اور اجسام عنصریہ کے ساتھ حیات اس دنیا میں ہے پھر بروز قیامت ہوگی۔“

دوسری بات معراج کے موقعہ پر حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ”رأیت موسیٰ یصلی فی قبرہ“ جب کہ ان کے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ نعوذ باللہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام عبادت میں مشغول نہیں تھے۔

قارئین کرام! رأیت موسیٰ یصلی فی قبرہ وہ عالم برزخ میں جسم مثالی کے اعتبار سے مراد ہیں نہ کہ جسد عنصری کے اعتبار سے۔ (ایضاً ص ۱۸۲)

آیت قرآن سے اشارہ ہوتا ہے کہ قبر میں بغیر روح کے محض جسم مردہ ہوتا ہے۔ ”إِذَا بَغِثْرَ مَا فِي الْقُبُورِ“ سوال: قبروں سے انسان اٹھائے جائیں گے جو ذوی العقول ہیں ”ما“ کا لفظ کیوں لائے؟ جواب: ابوالسعود نے کہا کہ انسان عاقل تو دنیاوی زندگی تک تھا اور قبر میں فقط مردہ جسم ہے۔ اس لئے ”ما“ سے تعبیر کیا۔ (ندائے حق مع اضافات جدیدہ ص ۲۲۶)

شہداء کے بارے میں نظریہ

شہداء کی ارواح بھی ان کے اجساد عنصریہ کی طرف نہیں لوٹتیں۔

دلیل: دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے کئی سالوں کے بعد شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی تھی۔ یہی مسلک علماء حنفیہ کا ہے اور شوافع جو شہداء پر نماز جنازہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں ان کو ہمارے حنفیہ علماء کی طرف سے یہی جواب دیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی تھی اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے نہ زندہ پر۔ اگر جسد عنصری میں روح واپس آنے کا مسئلہ صحیح ہے تو آپ ﷺ نے کیا زندوں پر نماز جنازہ پڑھی تھی؟ ہرگز نہیں۔ دنیا کے اعتبار سے شہداء اموات میں داخل ہیں۔ اسی لئے ان پر نماز جنازہ عند الاحناف پڑھی جاتی ہے۔ لحد بنا کر ان کو دفن کیا جاتا ہے قبر کو مسنم بنایا جاتا ہے اس پر پانی چھڑکا جاتا ہے اس کا مال و رثاء میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ان کی بیویاں عدت و فوات میں بیٹھتی ہیں عدت گزرنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔ (ندائے حق ص ۲۲۷)

بلکہ مزید آگے لکھتے ہیں کہ: ”انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ بھی ان کے اجساد عنصریہ کی طرف نہیں

لوثیں۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سہ سالاری میں سوس فتح ہوا تو ایک بہت مکلف مکان میں دانیال نبی علیہ السلام کی نعش مبارک ملی جو فارس وغیرہ کے قدیم دستور کے موافق دوائیں اور خوشبوئیں لگا کر رکھی ہوئی تھی کسی عضو کی ہیئت و صورت میں کوئی فرق نہیں تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کو بیری کے پتے اور خوشبودار پانی سے غسل دے کر نماز پڑھ کر دفن کر دو ابو موسیٰ نے عمر کی تحریر کے موافق غسل و کفن کے بعد نماز جنازہ پڑھ کر سوس کی نہر کے کنارہ پر دفن کر کے اس طرف کو پانی جاری کر دیا تاکہ لوگ ان کو پھر نہ لکالیں جیسے سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رضی اللہ عنہ نے اپنے رسالہ ”حیات خضر“ کے صفحہ ۴۸ میں لکھا ہے۔“ (ندائے حق ص ۲۲۷)

نوٹ: ان تمام حوالے جات سے معلوم ہوا کہ مماتی حضرات اعادہ روح کے قائل نہیں ہیں۔ عام مردوں کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے اور شہداء اور انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی نعوذ باللہ اعادہ روح کے منکر ہیں اور دلیل جو پیش کی ہے اس سے مماتی حضرات یہ ثابت کرتے ہیں کہ شہداء اور انبیاء کے جسدِ غصری کے ساتھ (جو مدفون فی الارض ہیں) بالکل ان کے ساتھ روح کا تعلق نہیں ہے۔

ثواب و عذاب کے متعلق

ثواب و عذاب کے متعلق جمہور فقہاء محدثین اور علماء کے اقوال پیش کریں گے کہ آیا ثواب و عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسد کو یا روح مع الجسد دونوں کو ہوتا ہے؟

۱..... ملا علی قاری رضی اللہ عنہ (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: ”ثم من الادلة على انعام اهل الطاعة و ايلام اهل المعصية قوله سبحانه ”اغرقوا فاذا خلوا نارا“ فان الاصل في وضع الفاء التعقيب و اختلفوا في انه بالروح او بالبدن او بهما وهو الاصح الا اننا تو من بصحته ولا نشتغل بكيفيته“ دلائل میں سے ہے کہ اہل طاعت کے لئے انعام اور اہل معصیت کے لئے عذاب وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں۔ اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطاء فرمائے۔“ (شرح فقہ اکبر لملا علی قاری ص ۱۰۲ قدیمی کتب خانہ)

اور اللہ تعالیٰ کا قول (ان لوگوں کا انجام یہ ہوا کہ) اپنے گناہوں کے سبب وہ غرق کئے گئے پس داخل کئے گئے آگ میں۔ کیونکہ فاء تعقیب کے لئے وضع کیا گیا ہے اور اس میں اختلاف ہوا ہے کہ عذاب روح کو ہوتا ہے یا بدن کو ہوتا ہے یا روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے اور یہ قول صحیح ہے (یعنی روح اور بدن دونوں کو) مگر ہم اس کی صحت پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے۔

۲..... علامہ ابن قیم رضی اللہ عنہ (م ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں: ”فاذا عرفت هذه الاقوال الباطلة فلتعلم ان مذهب سلف الامة و انمتها ان الميت اذا مات يكون في نعيم او عذاب وان دالك يحصل لروح و بدنه“ اور جب آپ نے اقوال باطلہ کو پہچانا تو اب آپ جانئے کہ امت کے سلف اور ائمہ کا مذہب یہ ہے انسان جب مرجاتا ہے تو وہ ثواب میں ہوگا یا عذاب میں ہوگا اور یہ ثواب و عذاب روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتا ہے۔ (الروح لابن قیم الجوزية ص ۶۶ فصل علی عذاب القبر علی النفس والبدن؟ اولى النفس دون البدن و هذا يتضح بجواب المسئلة السابعة طبع دار ابن حزم)

۳..... قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں: ”و کذا انعقد الا جماع علی ان عذاب القبر علی الارواح والجسد جميعا“ اور اسی طرح اس بات پر اجماع ہوا ہے کہ عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۷۷ طبع بلوچستان بک ڈپوسٹورٹ پارہ ۲۶ آیت ۴۲)

۴..... امام شیخ اسماعیل حقی البروسوی قدس سرہ العالی (م ۱۱۳۷ھ) فرماتے ہیں: ”ومحل العذاب والنعیم ای فی القبر هو الروح والبدن جميعا باتفاق اهل السنة“ قبر میں ثواب وعذاب کا محل بدن اور روح دونوں ہیں اتفاق اہل السنۃ۔ (تفسیر روح البیان ج ۸ ص ۱۹۱ مطبع عثمانیہ)

۵..... شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۸ھ) اپنے مخصوص انداز سے عذاب و ثواب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عذاب روح کو ہوتا ہے یا بدن کو یا دونوں کو بل العذاب والنعیم علی نفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة بلکہ ثواب وعذاب روح اور بدن دونوں پر ہوتا ہے باتفاق اہل السنۃ والجماعۃ۔

(مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۸۲ مطالع الریاض)

۶..... علم عقائد کے امام، امام ابن العزائمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۷ھ) لکھتے ہیں: ”وکذا الک عذاب القبر یكون النفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة“ (شرح مقیدۃ الطحاویہ ص ۴۰۰ طبع قدیمی کتب خانہ)

۷..... علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں: ”قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسوال منکر ونکیر وضغفۃ القبر حق لکن ان کان کافر افعذابه یدوم الی یوم القیامۃ ویرفع عنه یوم الجمعة وشهر رمضان فیعذب اللہم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسم فیتألم الروح مع الجسد وان کان خارجاً عنہ“ اہل السنۃ والجماعت فرماتے ہیں کہ عذاب قبر حق ہے اور منکر نکیر کا سوال اور قبر کی سختی اور تنگی حق ہے لیکن اگر میت کافر ہو تو اس کو عذاب قیامت کے دن تک ہمیشہ رہے گا اور اس (میت) سے جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔ چنانچہ روح سمیت گوشت کو عذاب دیا جاتا ہے اور روح متصل ہوتی ہے جسم کے ساتھ پس جسم اور روح دونوں کو عذاب ہوتا ہے اگرچہ روح بدن سے خارج کیوں نہ ہو۔

(فتاوی شامی ج ۳ ص ۴۴ کتاب الصلوۃ باب الجمعة مکتبہ امدادیہ)

۸..... رئیس الحدیث ابن حجر ثانی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۲ھ) مذکورہ مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ثم لاهل السنة قولان قيل ان العذاب للروح فقط وقيل للروح وبدنه والجسد والمشهور الثاني۔ اختاره اکثر شارحي الهداية وهو المختار وان صار البدن ذرة ذرة في الدنيا فان الشعور لكل شيء عند جمهور الامّة وتفرد ابن حزم الاندلسي وقال لا شعر الا للثقلين وقال الصوفيه العذاب للبدن المثالي“ پھر اہل السنۃ کے دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے مشہور قول یہی ہے (یعنی روح اور جسم دونوں کو) اور ہدایہ کے اکثر شارحین نے اس کو اختیار کیا ہے اور (میرے نزدیک یہی مختار ہے) اگرچہ بدن ذرہ ذرہ کیوں نہ ہو جائے کیونکہ جمہور امت کے نزدیک شعور ہر چیز کو ہے۔ ابن حزم اندلسی اس میں متفرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسان اور جنوں کے علاوہ کسی چیز کو شعور نہیں اور صوفیہ اس کے قائل ہیں کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے۔ (العرف الشذی ابواب الجنائز باب ما جاء فی عذاب العبر مکتبہ حنائیہ محلہ جنگل پشاور)

۹..... علامہ عزیزی رحمہ اللہ (م ۱۰۷۰ھ) عذاب قبر کے متعلق فرماتے ہیں: ”وہو (العذاب) علی الروح والبدن جميعا باتفاق اهل السنة“ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے اہل سنت کا اتفاق ہے۔

(السراج المنیر الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر ج ۱ ص ۳۰۱ طبع مکتبہ الایمان)

۱۰..... حضرت مولانا نصیر الدین غرشتوی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۶ھ) فرماتے ہیں: ”ثم اختلف فی ان العذاب القبر للروح فقط او للجسد مع الروح الثانی قول الجمهور وهو المشهور المختار ويؤيده الاحاديث كقوله عليه السلام فيقعد انه وقوله عليه السلام يضرب بين اذنيه وقوله عليه السلام فافر شوہ من الجنة والبسوہ من الجنة فان كل ذلك من صفات الاجساد فعلم ان التعذيب يكون للجسد مع الروح“ اس بارے میں اختلاف ہے کہ عذاب قبر روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا جسم اور روح دونوں کو۔ دوسرا قول (جسم اور روح دونوں کو عذاب ہوتا ہے) جمہور کا ہے اور یہ مشہور اور مختار ہے اور اس کی تائید کئی احادیث کرتی ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ دفرشتے اس کو بٹھاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا قول کہ اس کو دونوں کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کا فرمان کہ اس کے لئے جنت کا بستر بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو تو یہ تمام صفات اجسام کی ہیں تو معلوم ہوا کہ عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۵ حاشیہ نمبر ۶ کتاب الایمان باب اثبات عذاب القبر طبع المکتبۃ الحنفیہ)

ان تمام حقائق اور تحقیق سے یہ بات واضح ہوئی کہ ثواب اور عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے جب ثواب اور عذاب جسم کے لئے ثابت ہوئے تو حیات بھی جسم کے لئے ثابت ہوئی کیونکہ جسم کو عذاب اور ثواب دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس میں حیات ہو اور اگر اس میں حیات نہ ہو یہ فعل عبث اور لایعنی ہوگا کیونکہ پھر یہ بمنزلہ جماد رہے گا اور جماد کو عذاب اور ثواب دینا عبث کام ہوگا اور نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ عبث کاموں سے مبرا ہیں جب حیات عام مومنین کے لئے تحقق ہوئی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں میں سب سے زیادہ نزدیک وہ انبیاء ہیں پھر اس کے بعد دوسرے لوگوں کا درجہ ہے۔

جب نیچے درجے والوں کے لئے حیات ثابت ہوئی تو اونچے درجے والوں کے لئے درجہ اولیٰ ثابت ہو گی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی حیات تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہے۔

اس کے بعد ہم ثواب و عذاب کے متعلق مماتی حضرات کے اقوال پیش کریں گے جس سے آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس کے نزدیک مردے کو قبر میں عذاب و ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟ آپ کی خدمت میں مماتی حضرات کے چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

۱..... علامہ خضر حیات اپنی کتاب المسلك المنصور میں لکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں تقریباً جہاں لفظ قبر آیا ہے (اور اس سے مراد ظاہری گڑھا ہو تو) وہاں عذاب اور ثواب قبر کا ذکر نہیں ملتا اور قرآن پاک کی جن آیات سے علماء اہل السنۃ والجماعت نے عذاب و ثواب قبر پر استدلال فرمایا ہے ان میں لفظ قبر موجود نہیں ہے۔ (کتاب المسلك المنصور ص ۳۶) تو اس عمارت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ جوزمین والی قبر ہے اس میں عذاب و ثواب نہیں ہوتا۔

۲..... اشاعت التوحید والے حضرات کا موقف یہ ہے کہ مرنے کے بعد علیین و سببین میں روح اور جسم مثالی کو ثواب و عذاب ہوتا ہے اس دنیا والی قبر میں جسد عنصری سے نہ تو روح کا تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی اس جسم کو عذاب و ثواب ہوتا ہے ان حضرات کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

مرنے کے بعد انسان زندہ ہی رہتا ہے مگر لباس و مکان بدل لیتا ہے۔ جسد عنصری کا لباس اتار کر جسد مثالی کا لباس پہن لینے اور دار دنیا سے دار برزخ کی طرف منتقل ہو جانے سے بھی انسان نہیں مرتا۔ (ندائے حق ج ۱ ص ۱۷) ۳..... دنیا میں جو شخص مرتا ہے اس کی روح کا رشتہ اس مادی جسم سے ٹوٹ جاتا ہے یہ جسم فنا ہو جاتا ہے مگر مثالی اصلی جسم باقی رہتا ہے اس سے روح کا تعلق نہیں ٹوٹتا۔ راحت اور رنج مسرت اور غم پر وجدانی کیفیت اس کو محسوس کرتی ہے مگر اس کے باوجود یہ ظاہری مادی جسم نہیں رہتا یہ جسم تو فنا ہو چکا ہوتا ہے اس کا تو ہر احساس و ادراک جسم مثالی کے ساتھ ہوتا ہے جو روح جسم مثالی کے ساتھ ہی منکر نکیر کے سوال کا جواب دیتی ہے۔ (ندائے حق ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱) ۴..... اس جسد عنصری میں بعد از دفن دوبارہ روح کا آنا اور میت کا قبر میں زندہ ہو جانا یہ کوئی مسئلہ نہیں۔

(ندائے حق ج ۱ ص ۲۲۵)

۵..... قبر وہ ہے جہاں روح کو عذاب و ثواب ہوتا ہے وہی شرعی قبر ہے اور وہی روح کا ٹھکانہ ہے۔

(عقیدۃ الامت ص ۳۱ مصنف شہاب الدین خالدی)

۶..... اللہ تعالیٰ اس عالم برزخ میں روح کو وہاں کے مناسب حال ایک جسم عطاء فرماتے ہیں اس جسم مثالی میں روح قیامت تک رہے گی۔ (عقیدۃ الامت ص ۳۴)

اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کا عقیدہ

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں خصوصاً آپ ﷺ کو اپنی قبر میں خاص حیات حاصل ہے۔

اگر کوئی آپ ﷺ کی قبر مبارک کے قریب آپ ﷺ پر درود پڑھے تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور درود سے پڑھے تو فرشتے لے جاتے ہیں۔

فائدہ: بنیادی طور پر مسلک اہل السنۃ والجماعۃ اور مماتی فرقے کے درمیان عقیدہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں منشا اختلاف تین ہیں جن میں سے دو جھوٹے اور ایک اصل ہے۔

۱..... جھوٹا اختلاف: مماتی فرقے کے لوگ عوام میں مشہور کرتے ہیں کہ ہم اشاعۃ التوحید والے آپ ﷺ کی موت کے قائل ہیں جب کہ ہمارے مخالف دیوبندی آپ ﷺ کی موت کے منکر ہیں۔

یہ بات سراسر جھوٹ ہے اور ہم دیوبندی حضرات پر بہتان عظیم ہے ہم دیوبندی آپ ﷺ کی موت کو برحق سمجھتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اصل اختلاف موت میں نہیں بلکہ قبر والی حیات میں ہے۔ ”انک میت وانہم میتون (الزمر: ۳۰)“ کے مطابق آپ ﷺ پر موت کا وعدہ پورا ہوا لیکن اس آیت سے جو تم مماتی لوگ آپ ﷺ کو قبر میں مردہ ہونے کی بات کرتے ہو وہ ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اسی آیت میں سرے سے قبر کا لفظ بھی نہیں ہے۔

۲..... جھوٹا اختلاف: مماتی فرقہ کے لوگ عوام میں تشہید کرتے ہیں کہ اشاعۃ التوحید والسنۃ اعلیٰ حیات کے قائل ہیں کہ ہم آپ ﷺ کو اوپر جنت میں زندہ مانتے ہیں جب کہ ہمارے مخالف دیوبندی لوگ کم تر حیات کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ کو جنت کی بجائے زمین میں زندہ مانتے ہیں۔

یہ بات بھی سراسر جھوٹ اور الزام ہے کیونکہ علماء دیوبند آپ ﷺ کی اعلیٰ حیات کے قائل ہیں علماء دیوبند کے پاس اس پر قرآن و سنت سے دلائل موجود ہیں۔

اس پر ایک دلیل ملاحظہ فرمائیں: ”وَلَاخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى (الضحیٰ: ۴)“ آپ ﷺ کی آخرت کی زندگی دنیا کی زندگی سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ کی قبر مبارک کی فضیلت کے عنوان سے حدیث مبارک موجود ہے۔ مابین بستی و منبری روضہ من ریاض الجنۃ“ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۵۹)

محدثین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک ثابت کرتی ہے کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے لہذا علماء دیوبند آپ ﷺ کی قبر مبارک کو جنت مان کر اعلیٰ حیات کے قائل ہیں۔

اور یہ بھی بتاتا چلوں کہ نبی پاک ﷺ کا روضہ جنت سے بھی افضل ہے۔ احادیث کے اندر اس کا ثبوت ہے۔ کیونکہ جنت کے اندر جس طرح اس بیت اللہ شریف خانہ کعبہ کو رکھا جائے گا اسی طرح روضہ مبارک کو بھی رکھا جائے گا اور آپ ﷺ کا مکان اور جگہ اور ٹھکانہ بھی یہی روضہ مبارک ہوگا۔ جو کہ جنت سے بھی افضل ہے اس لئے علماء دیوبند آپ ﷺ کو اسی روضہ مبارک میں زندہ اور باحیات مان کر نبی پاک ﷺ کی اعلیٰ حیات کے قائل ہیں۔ نہ کہ فرقہ مماتی کیونکہ یہ جنت میں آپ ﷺ کی حیات کے قائل ہیں جو کہ (جنت) آپ ﷺ کے روضہ مبارک سے افضل نہیں ہے تو اس لحاظ سے کم تر حیات خود مماتی مانتے ہیں الزام علماء دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔

۳..... اصلی اختلاف: مماتی حضرات آپ ﷺ کے جسم مبارک کے زندہ ہونے کے منکر ہیں یہ لوگ مختلف بہانوں سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اوپر آسمانوں میں ایک اور جسم ہے جس میں نبی پاک ﷺ کی روح مبارک کو داخل مانتے ہیں گویا ان کے ہاں اور کوئی جسم ہے جب کہ روضہ مبارک میں موجود جسم اطہر زندہ ہیں۔

جب کہ اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں اپنے مقام پر ہے اور اسی روح کا جسم عنصری اور جسم اطہر کے ساتھ تعلق ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

نوٹ: ثمرہ اختلاف یہ نکلا کہ وفات کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارک جسم مثالی میں ہے یا جسم اطہر (جو کہ روضہ مبارک میں ہے) میں ہے علماء دیوبند جسم اطہر میں تعلق روح حیات کے قائل ہیں جب کہ مماتی حضرات جسم مثالی میں حیات کے قائل ہیں۔

جس وقت مماتی فرقہ سے جسم مثالی کے ثبوت کے لئے فرمان خدا یا فرمان ﷺ سے دلیل مانگی جاتی ہے تو یہ لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے کام لیتے ہیں کیونکہ اس میں کسی جگہ بھی جسم مثالی کا نام اور تذکرہ نہیں ہے۔

بعض اوقات مماتی لوگ جسم مثالی کے ثبوت کے لئے صوفیاء کرام کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ یہ یاد رکھیں اول تو صوفیاء کے اقوال عقائد میں دلیل نہیں بن سکتے۔ ثانیاً صوفیاء کرام جسم مثالی کے قائل تو ہیں لیکن مماتی اور صوفیاء کے جسم مثالی ماننے میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ روح اور جسم اور جس طرح جسم انسانی کی شکل ہے اسی کے مشابہ اور ہم شکل ہی روح کی شکل ہے۔ جب انسان کی روح انسانی جسم سے خارج ہوتی ہے تو اس کی شکل بھی انسانی جسم کے ہم شکل ہوتی ہے اس لئے صوفیاء کرام اسی روح (جو کہ انسانی جسم کی ہم شکل ہے) کو جسم مثالی کہہ دیتے ہیں اور اسی کو زندہ مانتے ہیں جب کہ مماتی حضرات کہتے ہیں روح اور جسم انسانی کے علاوہ ایک اور جسم ہے جس کو جسم مثالی کہتے ہیں روح انسان کے جسم سے نکل کر اس دوسرے جسم مثالی میں

چلی جاتی ہے تو گویا صوفیاء کرام اور مماتہوں کے درمیان روح اور جسم انسانی کے علاوہ اور جسم کے بارے میں اختلاف ہے۔ صوفیاء کرام روح اور جسم انسانی کے علاوہ کسی چیز کے قائل نہیں بلکہ روح کو ہی جسم مثالی کے نام سے موسوم کرتے ہیں جب کہ مماتی حضرات روح اور جسم انسانی کے علاوہ ایک تیسری چیز (جسم مثالی) کے قائل ہیں۔

تو اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مماتی حضرات اور صوفیاء کے جسم مثالی میں فرق ہے لیکن مماتی حضرات اس فرق کو بیان کے بغیر دجل سے کام لیتے ہوئے صوفیاء کے قول کو پیش کر کے عوام کو دھوکہ دے کر جسم مثالی کو ثابت کرتے ہیں۔

نیز مماتی حضرات جن صوفیاء کرام کے جسم مثالی کے قول کو بنیاد بنا کر عقیدہ بنا لیتے ہیں تو چاہئے یہ تھا کہ صوفیاء کرام کے تمام اقوام میں پیروی کرتے جب کہ جو صوفیاء کرام جسم مثالی کا قول فرماتے ہیں تو ساتھ ہو جاتے ہیں اور جب نبی پاک ﷺ کو روضہ مبارک میں زندہ مانتے ہیں صوفیاء کرام اور صلوٰۃ..... عند قبر النبی ﷺ اور سماع النبی ﷺ اور استقواء عند النبی ﷺ کے جواز کے قول فرماتے ہیں تو پھر پیچھے بھاگ جاتے ہیں۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے۔ یہ دو گلہ پن کیوں ہے؟

میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو

یعنی جب مقصد کی بات آئے تو ساتھ ہوئے جب مزاج کے خلاف آئے تو بھاگ گئے۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ پر قرآنی دلائل

..... ”وَلَا تَقُولُوا الْمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرة: ۱۵۴)“ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل (شہید) ہو گئے انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور تم کو (ان کی زندگی کا) شعور اور احساس نہیں ہوتا۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے شہید کو زندہ فرمایا ہے حدیث پاک سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی پاک ﷺ بھی (زہر کے اثر سے جو کہ موت کے وقت محسوس ہوا) شہید ہیں۔

(بخاری شریف ج ۲ ص ۶۳۷، مستدرک ج ۳ ص ۵۸، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۸، خرج ابو یعلیٰ والطبرانی والبیہقی زرقانی ج ۵ ص ۳۳۲) نبی پاک ﷺ شہداء میں شامل ہو کر زندہ ہیں اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”فليس الشهيد باولئ من النبي وان النبي الله حي يرزق في قبره“

(کماوردنی الھدیث) (احکام القرآن للتحاوی ج ۱ ص ۹۲، إدارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

قرآن کریم سے ہمارا موقف

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں شہداء کو احیاء فرمایا ہے اور شہیدوں کی یہ حیات کسی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس میں ظاہر قرآن کا مقتضاء اور مفسرین کی ایک بہت بڑی جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ حیات جو شہداء کو حاصل ہے جسمانی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روح کو ان کے اجسام کے ساتھ عام مردوں کی بنسبت زیادہ تعلق ہوتا ہے اور شہداء کو یہ حیات ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کے بلند مرتبہ اور مقام کی وجہ سے اور ظاہر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے

مقام اور مرتبہ حق تعالیٰ کے ہاں شہداء سے کہیں زیادہ بلند ہے اس لئے یہ حیات انبیاء کے لئے بدرجہ اولیٰ ثابت ہوئی۔
بلکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات عام شہدا کی حیات سے اقویٰ ہے۔ اس آیت سے تین باتیں واضح ہوئیں۔

مکملی بات: ظاہر قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ اس حیات کا جسم کے ساتھ قوی تعلق ہے کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت کے سیاق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کو جو حیات حاصل ہے وہ حیات جسمانی ہے۔

چنانچہ آیت کریمہ میں احیاء آیا ہے اور احیاء جمع ہے حی کی لفظ احیاء کا اطلاق جب انسانوں پر ہوتا ہے تو عام محاوروں میں اس سے مراد وہی حیات ہوتی ہے جو روح کے جسم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے حاصل ہو جس طرح علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے (روح المعانی ج ۱ جز ثانی ص ۲۰) میں ”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.....“ ”الآیہ کے تحت فرماتے ہیں کہ: ”فمذهب الکثیر من السلف الی انها حقیقة بالروح والجسد“ اس سے معلوم ہوا کہ حیات کا حقیقی معانی یہی ہے۔

اور مفسرین نے لکھا ہے کہ بَلْ اَحْيَاۤیْ فِی السَّجِّدِۃِ اَحْیَاءٌ خَبْرُہٗ اور اس کی مبتداء مخذوف ہے۔ تقدیری اور اصل عبارت یوں ہے۔ ہم احیاء (تفسیر بیضاوی الجزء الاول تحت قوله تعالى وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
الآیہ) تو ہم ضمیر من یقتل میں مَنْ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی من یقتل احیاء جن پر فعل قتل وارد ہوا ہے وہ زندہ ہیں
تو ظاہر بات ہے کہ فعل اصالة جسم پر ہی وارد ہوا ہے اور تلوار جسم پر چلی ہے نہ کہ جسم مثالی پر اور نہ صرف روح پر تو
حیات بھی اسی جسم کے لئے ثابت ہوگی جس پر تلوار چلی ہو نہ کہ جسم مثالی پر اور نہ ہی صرف روح پر۔

پھر قرآن پاک میں یہ حیات بیان کرنے بعد فرمایا: وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ شعور کہتے ہیں ادراک بالحواس اس کو اور لکن استدراک کے لئے آتا ہے۔ یعنی لکن سے پہلے والے کلام میں کسی توہم کا امکان ہوتا ہے لکن کے بعد ولا جملہ اس توہم کو اور شبہ کو دور کر دیتا ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ بل احياء سے جو حیات تبارز مفہوم ہوتی ہے وہ وہی حیات ہے جس کے مدرک بالحواس ہونے کا امکان ہو۔ (خواہ وہ کسی عارض کی وجہ سے بالفعل غیر مدرک کیوں نہ ہو۔) تو حاصل اس آیت کا یہ ہوا کہ شہدا کو شہادت کے بعد حیات جسمانی حاصل ہوتی ہے یہ جنس حیات کے مدرک بالحواس ہونے کا امکان بھی ہے اس پر کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید بالفعل اس حیات کا ادراک بالحواس بھی ہوتا ہے تو اس شبہ کو دور کرنے کے لئے لَا تَشْعُرُونَ فرمایا یعنی گویا حیات فی نفسہ قابل ادراک بالحواس ہے لیکن بعض عوارض اور بعض حکمتوں کو کے پیش نظر عاۓہ اس کا ادراک بالحواس نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے ایسی حیات جو اس دنیا میں قابل ادراک بالحواس ہو یہ وہی حیات ہو سکتی ہے جس کا تعلق جسم کے ساتھ پھر محض روح کی حیات تو مدرک بالحواس نہیں ہوتی وہ تو مدرک بالعقل ہوتی ہے اور اگر محض روحانی حیات مراد ہوتی تو ولکن لا تعلمون فرماتے۔

شہداء کی حیات کے قابل ادراک بالحواس ہونے کے باوجود بالفعل اس کے عدم ادراک کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں جن کو ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ حیات چونکہ عالم برزخ میں منتقل ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے اور دنیا میں رہ کر دوسرے جہاں اور دوسرے عالم کے احوال کا مشاہدہ مستبعد اور ناممکن ہے اس لئے عائد اس حیات کا ادراک نہیں ہوتا باوجود اس کے کہ اس کا تعلق جسم کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حیات اگرچہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے لیکن یہ تعلق ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ دنیوی زندگی میں ہوتا ہے کہ اس سے حیات مطلقہ حاصل ہو جائے اور جسم حس اور حرکت کرتا ہوا نظر آ جائے۔

تیسری وجہ: تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس حیات کے مادہ کا نظر نہ آنے اور مشاہدہ میں نہ آنے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ کی نظر میں ایمان وہ معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو۔ بغیر دیکھے صرف اس وجہ سے مان لیا جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے۔ اگر حیات شہداء یا اس قسم کے دوسرے اور غیبیہ نظر آنے لگیں تو ان پر ایمان ایمان بالغیب نہ رہے گا بلکہ ایمان بالمشاہدہ بن جائے گا اس حیات کو بندوں کی مصلحت کے پیش نظر ان کی نظروں سے اوجھل رکھا گیا ہے چنانچہ جہاں کہیں دکھانے میں مصلحت ہوتی ہے مثلاً عبرت یا شہادت وغیرہ کی ترغیب مقصود ہو تو پھر یہ پردہ ہٹا کر دکھا بھی دیا جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ احیاء سے بالتبادل سمجھ میں آنے والی حیات وہی حیات ہے جس کے مد رک بالحواس ہونے کا امکان ہو لیکن بعض عوارض کی وجہ سے اور بعض حکمتوں کی وجہ سے عادتاً بالفعل اس کا ادراک نہیں ہوتا اور ایسی حیات حیات جسمانی ہی ہو سکتی ہے۔

دوسری بات: دوسری بات یہ ہے کہ حیات جسمانی کا ہونا بہت مفسرین کی بھی رائے ہیں۔ جیسے علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”واختلف فی هذه الحیاء فی فمذهب کثیر من السلف الی انها حقیقة بالروح والجسد ولكنها لا ندر کھا فی هذه النشأة“

پھر چند اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”والمشهور ترجیح القول الاول“

(روح المعانی ج ۱ جزء الثانی ص ۲۰ تحت قوله تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات..... الآية)

اسی طرح امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”القول الاول انهم فی الوقت احیاء کان اللہ تعالیٰ احیاءهم لایصال الثواب الیهم وهذا قول اکثر المفسرین وهذا دلیل علی ان المطبعین یصل ثوابهم وهم فی القبور“

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۶۱ جزء رابع تحت قوله تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات)

اس عبارت کے آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس تفسیر کو اکثر مفسرین کی طرف منسوب کر رہے ہیں اس کے مطابق اس حیات کا تعلق قبور میں موجود اجساد کے ساتھ ہی ہوتا ہے پھر اس کے بعد دو اور قول نقل کئے ہیں پھر اس کے بعد فرماتے ہیں: ”واعلم ان اکثر العلماء علی ترجیح القول الاول“

(تفسیر کبیر ج ۲ جزء رابع ص ۱۶۲ تحت قوله تعالیٰ لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات)

اور قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون ان الحیاء فیہم متعلقة بالجسد فكیف بالانبياء والمرسلین“

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۵ صلوۃ المخلوقات تعرض علی النبی وهو فی قبره حی، ابواب الجمعة)

تیسری بات: جب حیات جسمانی شہداء کے لئے ثابت ہوئی تو انبیاء کے لئے حیات جسمانی بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گئی اس کی کئی وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ شہداء کو اس حیات ملنے کی علت ان کا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہونا ہے

اور یہ علت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں شہداء سے بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگئی بلکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے اقویٰ ہے۔

یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اس استدلال میں اگرچہ حکم کو متعدی کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ علت کے پائے جانے کی وجہ سے لیکن یہ قیاس نہیں۔ جیسا کہ بعض حضرات فرماتے ہیں بلکہ یہ استدلال دلالت الہی سے ہے قیاس اور دلالت الہی دونوں میں حکم کا تعدیہ بالعلۃ تو ہوتا ہے لیکن قیاس میں اس علت کے سمجھنے کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ دلالت الہی میں وہ علت دینی سمجھ بوجھ رکھنے والے تمام آدمی بھی سمجھ سکتے ہیں۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ شہید کو جو حق تعالیٰ شانہ کی راہ میں جان قربان کرنے کی توفیق ملی ہے وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ہدایت اور راہنمائی ہی کی وجہ سے ملی ہے تو جو اعزاز شہید کو ملے گا وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی ملنا چاہئے اس کا عقل سلیم بھی تقاضا کرتی ہے۔

نبی پاک ﷺ کی شہادت پر دلائل

یہ ساری بحث اس وقت ہے جو گزر گئی ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کو بحکم شہداء قرار دیں اب ہم ترقی کر کے ایک قدم آگے بڑھا کر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ بھی شہید تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات عادی نہیں تھی بلکہ اس زہر کی وجہ سے تھی جو غزوہ خیبر کے موقع پر یہودی عورت نے کھانے میں ملا کر آپ ﷺ کو دی تھی۔

دلیل نمبر ۱: ”وقد ثبت حياة الشهداء بنص القرآن و صرح ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہما بان ﷺ مات شهيدا“ شہداء کی حیات قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے۔ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے اس بات کو صراحت سے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ شہید ہو کر فوت ہوئے۔ (الدر النوری فی الصلوۃ والسلام علی صاحب القام المحمود ص ۹۶)

دلیل نمبر ۲: امام ابوالہی المکی الحنفی رحمہ اللہ (م ۸۵۴ھ) آپ ﷺ کی شہادت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”والشهادة حاصلة له ﷺ علی اتم الوجوه لانه شهيد الشهداء قال الله تعالى ويكون الرسول عليكم شهيدا، وان توهم ان ذالك خصائص القتل فقد حصل لی ذالك ايضا من اكلة خيبر صرح ابن عباس و ابن مسعود و غيرهما بانہ ﷺ مات شهيدا“ حضور ﷺ کو شہادت علی اتم الوجوه حاصل ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ شہداء کے گواہ ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہوگا۔“ اگر کسی کو یہ وہم پیدا ہو کہ یہ تو (شہادت) قتل کی خصوصیت میں سے ہے تو یہ بھی حضور ﷺ کو حاصل تھی اور وہ خیبر کے موقع پر کھانا کھانے سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ نے اس کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ شہید ہو کر فوت ہوئے۔

دلیل نمبر ۳: قاضی شوکانی رحمہ اللہ (م ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ: ”انما ثبت ان الشهداء احياء يرزقون فی قبورهم والنبي ﷺ منهم“ بے شک یہ ثابت ہے کہ شہداء زندہ ہیں قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور نبی ﷺ بھی ان ہی شہداء میں سے ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱ آخر کتاب المناسک)

دلیل نمبر ۴: امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ (م ۷۴۶ھ) فرماتے ہیں: ”ان النبي ﷺ شہيد فانه ﷺ لما سم بخيبر و اكل من الشاة المسمومة و كان ذالك سما قاتلا من ساعته“ (حیات الانبیاء علیہم السلام ص ۱۱)

دلیل نمبر ۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۵۷ھ) فرماتی ہیں: ”کان النبی ﷺ یقول فی مرضہ الذی مات

فیہ یا عائشہ ما زال الم الطعام الذی اكلت بخیر فهذا وان وحدث انقطاع من ذلك السم“ حضور ﷺ اپنی مرض الموت میں فرماتے تھے: اے عائشہ! میں ہمیشہ خیر کے کھانے کی تکلیف کو محسوس کر رہا ہوں جو میں نے کھایا تھا اور یہ وقت اس زہر کی وجہ سے میری پشت کی رگ کے کٹنے کا ہے۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۲۳۷)

دلیل نمبر ۶: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۲ھ) فرماتے ہیں: ”عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال لان

احلف تسعا ان رسول الله ﷺ قتل قتلا احب الى من ان احلف واحدا انه لم يقتل وذاك ان الله عز وجل اتخذه نبيا واتخذه شهيدا“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں نو مرتبہ قسم اٹھاؤں کہ آپ ﷺ شہید ہو کر فوت ہوئے تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ ایک مرتبہ قسم اٹھا کر کہوں کہ آپ ﷺ قتل نہیں کئے گئے۔ (یعنی شہید نہیں ہوئے) اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو نبی اور شہید بنایا ہے۔

اعتراض: مذکورہ دعویٰ کہ جو آپ کا ہے کہ شہداء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس پر اعتراض یہ ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں اور جنت میں سیر کرتی ہیں تو حاصل یہ ہے کہ جب ارواح ان کے ابدان غصریہ سے الگ ہیں تو پھر ان کے اجسام کو کس طرح حیات حاصل ہے؟

جواب: اس اعتراض کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ۱: یہ ہے کہ یہ حدیث شہداء کی حیات جسمانیہ کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ ہمارا تو یہ دعویٰ نہیں ہے کہ شہداء کی ارواح مکمل طور پر ان کے ابدان میں آ جاتی ہیں اور ابدان ہی ان کا مستقر ہیں بلکہ ہم ارواح کو ان کے ابدان کے ساتھ عام مردوں کی بنسبت قوی تعلق کے قائل ہیں خواہ وہ کسی نوعیت کا بھی ہو۔

شہداء کی ارواح کو مستقر کہیں بھی ہو اور وہ جہاں کہیں بھی پھرتی ہوں ان کی ارواح کا ابدان کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے ان ارواح کا عرش کے نیچے سبز پرندوں پر ہونا ہماری اختیار کردہ تفسیر کے منافی نہیں ہے دوسری طرف ظاہر قرآن ہماری اختیار کردہ تفسیر کا موید بھی ہے تو پھر کیوں نہ اسی تفسیر کو اختیار کیا جائے جو قرآن کے سیاق کے مطابق بھی ہو اور کسی حدیث کے خلاف بھی نہ ہو۔

جواب نمبر ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ شہداء کو دو قسم کی حیات حاصل ہے ایک حیات جسمانی جو ظاہر قرآن سے سمجھ میں آرہی ہے یہ حیات شہداء کے ساتھ خاص ہے اور دوسری روحانی حیات یعنی ان کی ارواح کو خاص قسم کی سواریاں سبز پرندوں کی شکل میں ملتی ہیں۔ ان پر سوار ہو کر وہ جہاں چاہیں پھر سکتی ہیں۔ یہ شہداء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مومنین کو بھی ملتی ہے۔ حدیث میں اسی دوسری حیات کا بیان مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شہداء کو قرآن سے سمجھ میں آنے والی حیات جسمانیہ کے علاوہ وہ حیات بھی حاصل ہے جو عام مسلمانوں کو ملتی ہے۔ حیات جسمانیہ کی وجہ سے انہیں حیات روحانیہ سے محروم نہیں کیا جاتا۔

جواب نمبر ۳: تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو ہمارے عقیدے کی تقویت کے لئے ہے وہ اس طرح کہ شہداء کی موت اس قدر قوی ہے کہ ان کی ارواح جنت میں گھومتی پھرتی کیوں نہ ہوں پھر بھی ان کی حیات جسمانی حاصل ہے۔

قرآن پاک سے دوسری دلیل

”وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَا عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (ال عمران: ۱۶۹)“ اور (اے پیغمبر ﷺ) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہو گئے ہیں ہرگز مردہ ان کو نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

علماء حق، علماء دیوبند کی اتفاقی تفسیر میں مفسر قرآن حضرت مولانا احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”حضرات انبیاء کرام علیہم السلام شہیدوں سے بڑے درجے والے ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں ان کی زندگی اتنی مضبوط ہے کہ روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہے۔ اسی وجہ سے نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کی بیوی سے نکاح نہیں ہوتا اور نہ ہی نبی علیہ السلام کی میراث تقسیم ہوتی ہے بلکہ قبر پر جا کر کوئی سلام کہے تو اس کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ (تفسیر کشف الرحمن ج ۱ ص ۵۹۲) اس تفسیر پر جن اکابرین امت مسلمہ کے دستخط ہیں ان کے اسامہ یہ ہیں:

- (۱) مدرس مسجد نبوی ﷺ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
- (۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
- (۳) دارالعلوم دیوبند کے نصف صدی کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ
- (۴) استاد دارالعلوم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ
- (۵) شیخ الحدیث والادب جامع الفضائل فقیہ زماں حضرت مولانا اعزاز علی امروہی رحمۃ اللہ علیہ
- (۶) مفتی اعظم متحدہ ہندوستان فخر الامثل حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

قرآن پاک سے تیسری دلیل

”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا“ اور اگر گناہ کار لوگ گناہ کرنے کے بعد (اے نبی ﷺ) آپ کے پاس آئیں خود بھی معافی مانگیں اور آپ بھی ان کے لئے معافی کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کریں گے اور اپنی رحمت کریں گے۔

تفسیر نمبر ۱: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو قبر مبارک میں دفن کرنے کے تین دن بعد ایک دیہاتی آیا اور قبر شریف کے پاس گر گیا اور روتے ہوئے حضور ﷺ سے عرض کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی گناہگار شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ اس کے لئے دعائے مغفرت کریں (اور وہ شخص بھی توبہ کرے استغفار کرے) تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں گے اسی لئے اے نبی ﷺ میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں کہ آپ میرے لئے معافی کی دعا کریں۔ اس کے بعد اسے روضہ مبارک سے آواز آئی قد غفر لک کہ تیری بخشش کر دی گئی ہے۔“ (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰)

تفسیر نمبر ۲: اس آیت سے ثابت ہوا کہ جیسے حضور پاک ﷺ کے پاس لوگ معافی کی دعا کرانے آیا کرتے تھے تو اسی طرح آج بھی روضہ مبارک پر حاضری اسی حکم میں داخل ہے یعنی اب بھی حضور ﷺ کے روضہ

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۵۹)

مبارک پر حاضر ہو کر عرض کر دیں تو حضور ﷺ دعا فرمائیں گے۔

قرآن پاک سے چوتھی دلیل

”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (انفال: ۳۳)“ اے پیغمبر ﷺ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے کہ آپ ان کے اندر موجود ہوں۔

تفسیر: آپ ﷺ کا اپنے روضہ مبارک میں زندہ ہونا اور آپ ﷺ کی رسالت کا قیامت تک باقی رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ امت قیامت تک مجموعی عذاب سے بچی رہے گی۔ (تفسیر معارف القرآن ص ۲۲۵)

قرآن کریم سے پانچویں دلیل

”وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُذَوِّا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا (الاحزاب: ۵۳)“ اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم نبی ﷺ کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد تم ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔
تفسیر نمبر ۱: آپ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اس کی دو بنیادی وجہیں ہیں: (۱) وہ بھس قرآنی تمام مومنین کی مائیں ہیں۔ (۲) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں دنیاوی وفات کے بعد زندہ ہیں۔ تو آپ ﷺ کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی زندہ شوہر گھر سے غائب ہو اس لئے آپ ﷺ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی۔

اسی بناء پر آپ ﷺ کی ازواج کا وہ حال نہیں جو عام مومنین کی وفات کے بعد ان کی ازواج کا ہوتا ہے۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۰۲)

تفسیر نمبر ۲: علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وقلت و جاز ان يكون ذلك لاجل ان النبی ﷺ حی فی قبره ولذلك لم یورث ولم یثنم ازوجه“ میں کہتا ہوں کہ تحریم نکاح بازواج النبی ﷺ کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اس لئے آپ ﷺ کے مال کا کوئی وارث نہیں قرار پایا اور نہ آپ ﷺ کی بیویاں بیوہ ہوئیں۔

تفسیر نمبر ۳: زبدۃ المفسرین شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”اس مسئلے کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتاب آب حیات میں ہے۔“ (تفسیر عثمانی ص ۵۶۷)

نوٹ: آب حیات میں واضح ہے طور پر نبی کریم ﷺ کو قبر میں زندہ مانا گیا ہے اور ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا قبر میں سلام سننے والے عقیدے کو صحیح اور اہل السنۃ والجماعہ کا عقیدہ بتایا گیا ہے۔

قرآن پاک سے چھٹی دلیل

”وَجَنَابُكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ (النحل: ۸۹)“ اور (اے پیغمبر) ہم تمہیں ان لوگوں کے خلاف گواہی دینے کے لئے لائیں گے۔

تفسیر: حدیث میں آتا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ اعمال خیر دیکھ کر خدا کا شکر اور اعمال بد پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۳۶۶)

قرآن پاک سے ساتویں دلیل

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُنشِرًا وَنَذِيرًا (الاحزاب: ۴۵)“ اے نبی ﷺ بے شک ہم نے آپ ﷺ کو ایسا بنا کر بھیجا کہ آپ کو اسی دینے والے خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے ہیں۔
تفسیر: تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا سے گزر جانے کے بعد بھی اپنی قیور میں زندہ ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۱۷۷)

نوٹ: چھٹی دلیل میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کو اسی دینے والا بتلایا گیا ہے گویا کہ یہ آیت مبارکہ پچھلی آیت کی تشریح کر رہی ہے۔ اعمال پیش ہونے کے سبب آپ ﷺ امت کے حق میں گواہی دیں گے اور آپ ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہونا حیات النبی ﷺ کی دلیل ہے کہ زندہ ہیں۔ تب بھی تو اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔

قرآن پاک سے آٹھویں دلیل

”فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا (الکھف: ۱۱)“ چنانچہ ہم نے ان کے کانوں کو تھکی دے کر کئی سالوں تک ان کو غار میں سلائے رکھا۔

نوٹ: پہلی امتوں کے یہ لوگ (اصحاب کھف) ہیں ان بزرگوں کی کرامت تھی کہ ۳۰۹ سال سونے کے بعد بھی صحیح سلامت رہے تو امام رازی رحمہ اللہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہماری امت میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جس سے اس قسم کے واقعات کا ظہور ہوا۔

مثلاً: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق ان کے فوت ہونے کے بعد ان کا جنازہ آپ ﷺ کے روضہ مبارک کے دروازے پر رکھ کر پھر آواز دی گئی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دروازے پر موجود ہیں تو دروازہ خود بخود کھل گیا اور آواز آئی کہ دوست کو دوست تک پہنچا دو۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۳ مکتبہ علوم اسلامیہ)

قرآن پاک کی نویں دلیل

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (الحجرات: ۲)“ اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

تفسیر نمبر ۱: احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو ان کو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو تو معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں تو فرمایا کہ اگر یہاں مدینے کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (افسوس کی بات ہے کہ) تم اپنی آوازیں مسجد رسول میں بلند کر رہے ہو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۷ قدیمی کراچی)

اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جیسے حضور ﷺ کا احترام آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں تھا اسی طرح کا احترام اور توقیر اب بھی لازم ہے کیونکہ نبی ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

(معارف القرآن للکامد حلوی ج ۷ ص ۴۸۷)

قرآن پاک سے دسویں دلیل

”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“ (الاحزاب: ۵۶) ”بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔“

تفسیر: آپ ﷺ کے درود و سلام کے متعلق تفصیلی فوائد علامہ سخاوی کی کتاب القول البدیع اور میری کتاب صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم میں دیکھیں۔ (مختص تفسیر طائی ص ۵۶۸)

احادیث المصطفیٰ فی حیات الانبیاء علیہم السلام

حدیث نمبر ۱: امام ابویعلیٰ موصلی اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث نقل فرماتے ہیں کہ: ”حدثنا ابو الجهم الارزق بن علی حدثنا يحيى بن ابي بكير حدثنا المسلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت البناني عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ (سند کے بعد) حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ (مسند ابی یعلیٰ موصلی ج ۶ ص ۱۴۷، رقم الحدیث نمبر ۳۴۲۵) استدلال: اس حدیث میں صراحت کے ساتھ نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور حیات بھی اسی کو کہتے ہیں کہ جسم کے ساتھ روح کا تعلق قوی ہو۔

حیات اور موت دونوں جسم کی صفات میں سے ہیں نہ کہ روح کی کیونکہ روح کو موت لاحق نہیں ہوتی اور اگر حیات سے حیات روح مراد لیا جائے تو روح کی حیات تو عام لوگوں کو بھی حاصل ہے باختلاف کیفیات تو پھر انبیاء علیہم السلام اور عام لوگوں میں فرق کیا ہوا؟

پھر اسی حدیث کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”فی قبورهم“ کہ یہ حیات جسمانی قبروں میں ہے اور قبر کا حقیقی اطلاق اسی حصہ پر ہوتا ہے جہاں انسان کا جسد غصری مدفون ہو۔

پھر اس کے بعد حیات جسمانی مدفون فی الارض کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ”یصلون“ کہ صلوٰۃ کی نسبت عموماً ابدان کی طرف ہوتی ہے۔ مختص من اشرف التوضیح۔

مذکورہ حدیث میں فقط حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام اس حیات دینیہ میں مشغول عبادت تھے تو بعینہ اسی طرح اپنی قبر مبارک میں بھی مشغول عبادت ہیں۔

اور مذکورہ حدیث میں بلاغت کا ایک قاعدہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ کلام میں آخری قید محطہ کلام ہوتی ہے۔ لہذا اس حدیث میں مقصود کلام صلاۃ و عبادت فی القبر کا بیان کرنا مقصود ہے۔

پہلے حیات کا تذکرہ فرما کر محض تمہیدی بات بیان فرمائی لیکن آگے مقصود بیان فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مطہرہ اگرچہ اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو گئے لیکن وہی اجسام جس طرح دنیا میں مشغول عبادت تھے۔ اسی طرح عالم برزخ میں منتقل ہونے کے باوجود مشغول عبادت ہیں۔ مخص سیرت المصطفیٰ ﷺ۔

مصححین حدیث

مندرجہ بالا حدیث کی کئی محدثین نے تصحیح کی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱..... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ج ۶ ص ۶۰۲، ۶۰۳، کتاب الاحادیث الانبیاء باب ۲۸ قدیمی کتب خانہ۔
- ۲..... قاضی شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱ آخر مناسک الحج۔
- ۳..... ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۴۶۰..... فصل ثالث۔
- ۴..... علامہ بن حجر مہتمی رحمہ اللہ نے الدر المنصورہ میں ص ۹۵ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔
- ۵..... امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ لکھا جو کہ انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء کے نام سے موسوم ہے اس رسالہ میں اس حدیث کو لائے ہیں اور تصحیح کی ہے۔
- ۶..... امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام حیاۃ الانبیاء رکھا اور اس رسالہ میں اس حدیث کو لائے اور تصحیح بیان کی ہے۔
- ۷..... علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا جس کا نام حیاۃ الانبیاء علیہم السلام ہے انہوں نے اس میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔
- ۸..... علامہ بیہقی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رواہ ابو یعلیٰ والبرار ورجال ابی یعلیٰ ثقات۔
(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۸۶، ۳۸۷)
- ۹..... مولانا نصیر الدین غور غشتوی فرماتے ہیں: ”صح خبر الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون“
(مشکوٰۃ ص ۱۸۲، حاشیہ نمبر ۸، کتاب الصلوٰۃ فی الجمعیۃ مکتبۃ الحقانیہ)
- ۱۰..... شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مدارج النبوة مترجم ج ۲ ص ۶۳ میں اس حدیث کو تصحیح کیا ہے۔
- ۱۱..... علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اعلام السنن ج ۱۰ ص ۵۰۱ پر فرماتے ہیں رواہ ابو یعلیٰ برجال ثقات ورواہ الیہتمی وصحہ کتاب الحج باب زیارة قبر النبی الکریم علیہ السلام قبل الحج
- ۱۲..... شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فضائل درود ص ۳ پر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

نوٹ: مذکورہ حدیث کی دو سندیں ہیں: (۱) ابو یعلیٰ والی سند۔ (۲) ابن عدی والی سند۔

اور جن محدثین کرام نے اس حدیث پر جرح کی ہے وہ جرح امام ابو یعلیٰ کی سند پر نہیں ہے بلکہ وہ ابن عدی کی سند پر ہے۔ امام بیہقی کی ایک سند ہے اور اس کی سند میں حسن بن قتیبہ ہے اس پر اکثر محدثین نے جرح کی ہے اور جس سند میں یہ راوی ہو اس کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن ہم جس سند سے استدلال کرتے ہیں اس میں حسن بن قتیبہ نہیں ہے۔

حسن المقال فی توثیق الرجال

راوی نمبر ۱..... انس بن مالک رضی اللہ عنہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں اور بہت سی احادیث انہوں نے روایت کی ہیں چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں: ”خادم رسول اللہ ﷺ ولی صحته طویلة و حدیث کثیر و ملازمہ منذ ہاجر الی ان مات“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۴ جزاؤں) دوسرا راوی ثابت البنانی رضی اللہ عنہ: ان کا پورا نام ثابت بن مسلم البنانی ہے اور کنیت ابو محمد ہے اور جلیل القدر تابعی ہیں۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے انہوں نے روایات نقل کی ہیں۔ مثلاً: حضرت انس، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں اور ان کے متعلق ابوطالب نے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ثابت بیست فی الحدیث۔

امام علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ثقہ رجل صالح اور امام نسائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ثقہ۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں اجمعت اصحاب انس الزہری ثم ثابت ثم قتادة۔

امام ابوبکر المزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ما ادر کنا عبد منہ“

اور امام ابن حبان ثقات میں فرماتے ہیں: ”کان من اعیان اهل البصرة“

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”کان ثقة مأمونا“ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳، ۴ رقم ۸۶۳)

تیسرا راوی حجاج الاسود رضی اللہ عنہ: ان کے بارے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وقد وثقه احمد

وابن معین“ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۰۳)

اور اسی طرح دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ امام احمد ان کو ثقہ اور رجل صالح کہتے ہیں امام ابن معین ان کو ثقہ کہتے

ہیں امام ابو حاتم ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں اور محدث ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (لسان المیزان ج ۲ ص ۱۷۵)

چوتھا راوی مسلم بن سعید رضی اللہ عنہ: ان کے بارے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرب نے احمد بن

حبیل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ شیخ ثقہ من اهل وسط اور ابن معین رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں صلیح۔ امام

نسائی فرماتے ہیں: ”لیس به بأس اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اسی طرح حافظ ابن حجر دوسری جگہ فرماتے

ہیں صدوق عابد ربما وھم“ (تقریب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۱، رقم ۱۰۴۴)

پانچواں راوی یحییٰ بن ابی بکیر رضی اللہ عنہ: یحییٰ بن ابی بکیر رضی اللہ عنہ کا اصل نام نسر اور کنیت ابو زکریا ہے۔

اثر امام احمد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ دانا محدث تھے۔ ابن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں اور امام علی رضی اللہ عنہ ان کے

متعلق فرماتے ہیں کہ کوئی ثقہ امام ابو حاتم ان کو صدوق کہتے ہیں اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے اور علی ابن

المدینی ان کو ثقہ کہتے ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ”ثقہ من التاسعة“

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۶۸، رقم ۷۸۲۸ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۴۴)

چھٹا راوی ابوالجہم الازرق رضی اللہ عنہ: ان کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے ان

کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ”صدوق یغرب“ (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۵۱)

ساتواں راوی ابو یعلیٰ رضی اللہ عنہ: امام ابو یعلیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الحافظ اللہ محدث الجزیرہ اور امام ابن حبان نے بھی ان کی توثیق کی ہے اور ان کی سند کے بارے محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سی مسانید پڑھی وہ انہار جیسے تھے اور مسند ابی یعلیٰ بحر کی طرح ہے اور فرماتے ہیں: ”یکون مجتمع الانہار“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۰۷، رقم ۷۲۶)

پہلا اعتراض: مذکورہ حدیث کی سند میں ابوالجہم الارزق بن علی ہے جن کے بارے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غریب کہ وہ غریب احادیث لاتے تھے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ غرابت صحت کے منافی نہیں ہے جیسا کہ مشکوٰۃ کے مقدمہ میں ہے: ”ان الغرابة لا تنافی الصحة ويجوز ان يكون الحديث صحيحاً غريباً“ بلا شک غرابت صحت کے منافی نہیں ہے اور ایسا ممکن ہے کہ حدیث صحیح بھی ہو غریب بھی۔

دوسرا یہ ہے کہ اگر غرابت صحت کے منافی ہوتی تو ترمذی شریف میں متعدد جگہوں میں آتا ہے۔ ہذا حدیث حسن غریب، ہذا حدیث صحیح غریب اگر غرابت صحت کے منافی ہوتی تو پھر ایک حدیث کے بارے صحیح اور غریب نہ کہا جاتا۔

تیسرا یہ ہے کہ بخاری شریف کی پہلی حدیث کے بارے میں اکثر محدثین اس کی غرابت کے قائل ہیں۔ خصوصاً حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن تیمیہ تو اس کا مطلب ہوا کہ وہ صحیح نہیں ہے۔ چوتھا یہ ہے کہ ابوالجہم الارزق کے متابع موجود ہیں متابع کی وجہ سے غرابت ختم ہو گئی جیسا کہ ابونعیم اخبار اصفہان میں اس سند سے یہی روایت لائے ہیں: ”عن عبد الله بن ابراهيم الصباح عن عبد الله بن محمد بن يحيى بن ابي بكير ثنا يحيى بن ابي بكر“ (اخبار اصفہان ج ۲ ص ۱۸۳)

اس سند سے معلوم ہوا کہ ابوالجہم الارزق کا متابع عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ بن ابی بکیر موجود ہے۔ لہذا استغراب نہ رہا۔

اعتراض نمبر ۲: دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں حجاج الاسود ہے۔ ان پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”حجاج بن الاسود عن ثابت البناني نكرة ماروى عنه فيما اعلم سوى مستلم بن سعيد فاتی بخبر منكر عنه عن انس بن مالك في ان الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ (ميزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۲۰)

جواب: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی حجاج بن الاسود پر جرح کرنے کی بنیاد اس بات پر موقوف ہے کہ حجاج بن الاسود نکرہ اور مجہول ہے اور علامہ ذہبی اس پر دلیل یہ قائم کرتے ہیں کہ جتنا میں جانتا ہوں تو حجاج بن الاسود سے کسی نے روایت نہیں کی ہے سوائے مستلم بن سعید کے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے جو روایت انہوں نے نقل کی ہے وہ منکر ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ: ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“

جواب نمبر ۱: تو اس کا جواب نمبر ۱ یہ ہے کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی جرح سے دیگر محدثین خاص کر حافظ ابن حجر نے اتفاق نہیں کیا حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معين ثقة وقال ابو حاتم صالح الحديث وذكره ابن حبان في الثقات“

جواب نمبر ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حجاج بن الاسود رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے

روایت نہیں لی سوائے مستکم بن سعید کے تو حافظ بن حجر رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”وَعنه جرير بن حازم و حماد بن سلمه و روح بن عبادہ و آخرون“ (لسان المیزان ج ۲ ص ۱۷۵)

اور آخرون میں آگے عیسیٰ بن یونس کا نام بھی لیا ہے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاج بن الاسود سے جریر بن حازم اور حماد بن سلمہ اور روح بن عبادہ رحمہم نے روایت کی ہے تو ان سے تین روایت کرنے والے یہ ہو گئے اور کم از کم تین آخرون میں آ گئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آخرون جمع کا مبالغہ لائے ہیں اور جمع کا اطلاق عموماً تین پر کم از کم ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس سے اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ حجاج بن الاسود رحمہ اللہ سے کم از کم سات حضرات ضرور ہیں اور محدثین کرام کا اصول یہ ہے کہ جس راوی سے دو یا دو سے زیادہ روای روایات کرنے والے ہوں تو وہ مجہول بالذات نہیں رہتا۔ (مخص من اشرف التوضیح)

تو یہاں حجاج بن الاسود سے روایت کرنے والے سات ضرور ہیں لہذا علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ حجاج بن الاسود سے روایت کرنے والا صرف مستکم بن سعید ہے تو معلوم ہوا کہ حجاج بن الاسود نہ مجہول الحال ہے اور نہ ہی مجہول الوصف اور نہ ہی مجہول العین۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی جرح فی ما علم پر موقوف ہے یعنی علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ حجاج بن اسود کو میں نے مجہول اپنے علم کے اعتبار سے کہا ہے۔ تو علامہ ذہبی کی جرح سے تو یہ بات لازم آتا نہیں آتی کہ ان سے روایت کرنے والے کا علامہ ذہبی کو علم نہ ہوگا اور عدم علم اسی بات کو مستلزم نہیں کہ ان سے اور روایت کرنے والے نہ ہوں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ دیگر محدثین کو اس کا علم ہو جیسے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ۔

تیسرا اعتراض: مذکورہ حدیث کی سند میں مسلم بن سعید ہے تو ان کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ربما وہم کہ اس کو کبھی وہم ہوتا ہے تو اس کی روایت کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کلام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلم بن سعید کبھی کبھی وہم کرتے پر ہر وقت نہیں۔ لہذا جن روایات میں ان کو وہم لگ جاتا ہے تو ان روایت پر محدثین کڑی تنقید کرتے ہیں تو مذکورہ روایت میں ان کو وہم نہیں ہوا اس لئے محدثین نے ان کی یہ روایت قبول کی ہے جیسے کہ پہلے گزر گیا۔

کسی حدیث پر ضعف کا حکم کب لگایا جائے گا؟

کسی حدیث پر ضعف کا حکم اس وقت تک نہ لگایا جائے گا جب تک کوئی ماہر حدیث اس حدیث کے بارے میں یہ نہ فرمائے: ”لا یروی الا من هذا الوجه“ اس وقت تک اس حدیث پر ضعف کا حکم نہ لگایا جائے گا کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ حدیث کسی دوسری سند سے مروی ہو جس طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وقد نبه الشيخ ابو عمرو وهنا على انه لا يلزم من الحكم بضعفه السند المعين الحكم بضعف في نفسه اذ قد يكون لها اسناد اخر الا ان ينص امام على انه لا يروی الا من هذا الوجه“ شیخ ابو عمرو ابن صلاح نے تنبیہ کی ہے کہ کسی معین سند کی وجہ سے ضعف کا حکم لگانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث حقیقتاً ضعیف ہو کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی کوئی اور صحیح سند بھی ہو البتہ اگر کوئی امام سند معین پر ضعف کا حکم لگانے کے بعد تصریح کر کے یہ متن صرف اسی سند سے مروی ہے۔ اس کی

دوسری سند نہیں تو پھر بلا شک وہ حدیث ضعیف شمار ہوگی۔ (اختصار علوم الحدیث فی ضمن البامث الحشمی ج ۷ ص ۸۵)

احیاء الانبیاء پر دوسری حدیث: امام ابن ماجہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حدثنا عمرو بن سواد المصری

ثنا عبد اللہ بن وہب عن عمر ابن الحارث عن سعید بن ابی ہلول عن زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ اکثر والصلاة علی یوم الجمعة فانه مشهود نشهده الملائكة وان احدا لن یصل علی الا عرضت علی صلوتہ حتی یفرغ منها قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق“ (سند کے بعد) نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ یہ حاضری کا دن ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود اس کے فارغ ہونے تک مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وفات کے بعد بھی۔ بے شک اللہ نے زمین پر انبیاء کے جسم کھانے کو حرام کر دیا ہے۔ لہذا اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۰۲ باب ذکر وفاتہ ودفنہ رحمہ اللہ)

حدیث سے ہمارا موقف

پہلا موقف: ہمارا اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے دن درود شریف کی

کثرت کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”ان احدا لن یصل علی ان عرضت علی صلوتہ حتی یفرغ منها“ اس کا مطلب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھتے تھے کہ صلوٰۃ کا یہ عرض آپ کی روح اور جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے اس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کی وفات سے پہلے آپ ﷺ پر عرض صلوٰۃ میں کوئی اشکال نہ ہوا لیکن اس فہم کی وجہ سے بعد از وفات عرفی صلوٰۃ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ اشکال ہوا کہ دفن ہو جانے کے بعد تو انسانی جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور اسے زمین کھا لیتی ہے وفات کے بعد آپ ﷺ کے جسد اطہر کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آئے گا تو آپ ﷺ پر عرض صلوٰۃ کیسے ممکن ہوگا۔

اس خاص فہم کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اشکال پیش آیا تو انہوں نے اس اشکال کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور فرمانے لگے کہ وبعد الموت تو آپ ﷺ کے جواب کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ تمہیں میری وفات کے بعد مجھ پر عرض صلوٰۃ میں شبہ و مقدمات کی وجہ سے پیش آیا۔ ایک یہ کہ عرض صلوٰۃ روح مع الجسد پر ہوگا دوسرا یہ کہ وفات کے بعد انبیاء کے اجساد اور عام لوگوں کے اجساد میں کوئی فرق نہیں ہوتا تو نبی اکرم ﷺ نے پہلے مقدمے پر سکوت فرمایا اور اس کی تقویت فرمادی اور دوسرے مقدمے کی سراح تتردید فرمادی اور فرمانے لگے: ”ان احدا لن یصلی علی الا عرضت علی صلوتہ“ کا مطلب اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا ہوتا کہ یہ صلوٰۃ صرف آپ ﷺ کی روح مقدسہ پر پیش کی جاتی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اشکال ہی پیش نہ آتا کہ جسم بوسیدہ ہو جانے کی صورت میں صلوٰۃ پیش کی جائے گی اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عرض صلوٰۃ کی روح مع الجسد کے متعلق سمجھنا غلط ہوتا تو نبی ﷺ اسی فہم کی تردید فرمادیتے کہ تم ”ان احدا لن یصل علی الا عرضت علی صلوتہ حتی یفرغ منها“ کا مطلب غلط سمجھے ہو صلوٰۃ تو صرف روح پر پیش ہوتا ہے تو جسم کے بوسیدہ ہونے یا نہ ہونے کا مطلب اس میں کیا سوال ہے لیکن حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسی فہم پر سکوت ہی نہیں فرمایا بلکہ ”ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل الاجساد

الانبیاء“ فرما کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس فہم کی صراحت کو تقویت بھی فرمادی کہ واقعی یہ عرض صلوٰۃ روح اور جسد دونوں پر ہوگا لیکن تم انبیاء کے جسموں کو عام لوگوں کے جسموں کی طرح نہ سمجھو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضور ﷺ کے جواب سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضور ﷺ کا جسد اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے اور اس میں روح کے تعلق سے اتنی حیات ضرور ہے جس سے حضور ﷺ پر پیش کئے جانے والے صلوٰۃ و سلام آپ ادراک کر سکیں۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ عرض صلوٰۃ صرف حیات بسیط کی وجہ سے نہیں ہوتا اس لئے کہ حیاط بسیط تو جسم کے ہر بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد بھی ان ذرات کو حاصل رہتی ہے۔ اگر یہ عرض صلوٰۃ حیات بسیط کی وجہ سے ہے تو آپ کا جواب یہ دیتے کہ پھر کیا ہوا جو ریزہ ریزہ گیا جسم کے ذرات بھی آخر زندہ ہوتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے حفاظت اجساد کی خبر دے کر یہ بات واضح فرمادی کہ یہ عرض صلوٰۃ روح و جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے اور روح کو جسد کے ساتھ اتنا تعلق ہوتا ہے جو اس کے بوسیدہ ہونے سے مانع ہو۔

دوسرا موقف: دوسرا موقف اس حدیث سے ہمارا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام کا پیش ہونا اس جسد عنصری پر ہوتا ہے جسد مثالی پر نہیں کیونکہ اگر عرض صلوٰۃ جسد مثالی پر ہوتا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اشکال کبھی پیش نہ آتا کیونکہ جسم کے بوسیدہ ہو جانے کی صورت میں آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کیسے پیش کیا جائے گا اس لئے کہ جسد مثالی کو زمین کھاتی ہی نہیں اور نہ ہی کسی کا جسد مثالی خاک میں ریزہ ریزہ ہوتا ہے۔

تیسرا موقف: اس حدیث سے ہمارا تیسرا موقف حدیث کے آخری جملہ سے بھی ہوتا ہے جس حضور ﷺ نے صراحۃً فرمایا ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبر شریف میں حیات حاصل ہوتی ہے۔ حدیث کے آخری جملے کو فاء کے ذریعے متفرغ کیا گیا ہے۔ حیات اجساد انبیاء پر تو اس سے معلوم ہوا کہ اس میں حیات سے مراد وہ حیات ہے جو اس جسد عنصری کی حفاظت کا نتیجہ ہے یعنی اس حیات کا تعلق اس جسد عنصری سے ہے۔ دوسرا یہ کہ امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضور ﷺ کی وفات کے باب میں ذکر کر کے یہ بات بتادی ہے کہ حیات انبیاء کی احادیث وفات انبیاء کے بیان کرنے والے نصوص کے معارض نہیں بلکہ ان کا تکمیل ہے۔ (ملخص من اشرف التوضیح)

ناقلین حدیث

مذکورہ حدیث ابن ماجہ کے علاوہ دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔

- ۱ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۳ باب الجمعہ فصل ثالث۔
- ۲ نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۴ ابواب الجمعہ۔
- ۳ شرح الصدور ص ۲۲۲، باب ۵۴ رقم الحدیث ۷۲۔
- ۴ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۲۸ کتاب الذکر والدعاء۔
- ۵ وفاء الوفاء ج ۴ ص ۵۳ الباب الثامن۔
- ۶ عون المعبود ج ۲ ص ۲۶۱ ثالث باب تفریع ابواب الجمعہ۔

حسن المقال فی توثیق الرجال

حدیث کا پہلا راوی ابو درداء رضی اللہ عنہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مشہور و معروف صحابی ہیں۔ بہت سی احادیث ان سے مروی ہیں۔ علامہ ذہبی ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں: ”هو حکیم هذه الامة“ اور یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں: ”وکان عالم اهل الشام ومقری دمشق وفقیہم وقاضیہم“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ جزء اول ص ۲۴، ۲۵)۔

حدیث کا دوسرا راوی عبادہ بن نسی الکندی رضی اللہ عنہ: ان کا نام عبادہ بن نسی الکندی ہے اور کنیت ابو عمرو ہے۔ ابن سعد رضی اللہ عنہ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن معین اور اعلیٰ اور امام نسائی رضی اللہ عنہ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ایک روایت میں امام احمد ان کو لیس بہ باس کہتے ہیں اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور ابن نمیر رضی اللہ عنہ بھی ان کی توثیق کرتے ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ دوسری جگہ پر فرماتے ہیں ثقہ فاضل اور امام حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حنبل بن اسحاق امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن منصور سے روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن معین اور احمد بن عبد اللہ اعلیٰ اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۲ ص ۶۵۶)

حدیث کا تیسرا راوی زید بن ایمن: زید بن ایمن کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام ابن ماجہ نے ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے اور وہ حدیث حضور ﷺ پر درود کی فضیلت کے بارے میں ہے اور حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ دوسری جگہ فرماتے ہیں زید بن ایمن مقبول اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے۔

حدیث کا چوتھا راوی سعید بن ابی ہلال رضی اللہ عنہ: ان کا نام ولید بن ابی ہلال اور کنیت ابو العلاء نے یہ صحاح ستہ کے راوی میں حافظ بن حجر فرماتے ہیں کہ ابو حاتم نے ان کو لا باس بہ کہا ہے۔ اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں کہ ابن سعد ان کے بارے میں فرماتے ہیں کان ثقہ اور ساجی رضی اللہ عنہ ان کو صدوق کہتے ہیں اور امام عجل رضی اللہ عنہ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن خزیمہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے اور اس طرح دارقطنی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ اور امام بیہقی خطیب بغدادی اور ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں اگرچہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ان کو مختلط کہا ہے لیکن صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت لی ہے تو یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے نزدیک سعید بن ابی ہلال مختلط نہیں ہیں۔ یہ کہ امام ابن صلاح صحیحین (وغیرہما) کی روایت کے اختلاط سے قبل کی ہے اور اسی طرح حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ صدوق اور اسی طرح حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ صدوق اور ان کی احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

حدیث کا پانچواں راوی عمر بن الحارث رضی اللہ عنہ: ان کی کنیت ابو امیہ اور الانصاری ان کی نسبت ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام ابن معین ان کی بہت توثیق کرتے تھے اور اسی طرح اسحاق بن منصور امام ابن معین سے نقل کرتے ہیں کہ عمر بن الحارث ثقہ ہیں۔ ابو ذرہ، امام نسائی اور امام عجل رضی اللہ عنہ بھی ان کی توثیق کرتے ہیں اور اسی طرح ابو حاتم فرماتے ہیں کان احفظ اہل زمانہ ولم یکن لہ نظیر فی الحفظ اور اسی طرح ابن یونس فرماتے ہیں کہ وہ فقہ بھی تھے ادیب بھی تھے اور مؤدب بھی تھے اور اسی طرح خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ وہ قاری مفتی اور ثقہ تھے اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں فرماتے ہیں: ”کان من الحفاظ المتقین ومن اهل الورع فی الدین“ اور ساجی ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۳، ۱۵)

اور اسی طرح دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ثقہ فقیہ حافظ۔ (تقریب التہذیب ج ۲ ص ۶۷ مکتبہ العلم مدینہ منورہ) اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”عالم الدیار المصریہ و شیخہا و مفتیہا لیت“ اور سعد نے بھی ان کی توثیق کی ہے اور اسی طرح ابن معین امام عجمی اور امام نسائی نے بھی ان کی توثیق کی ہے اور امام ابو حاتم فرماتے ہیں: ”لم یکس له نظیر فی الحفاظ فی زمانہ“ اور اسی طرح سعید بن عفیر فرماتے ہیں: ”کان اخطب الناس و ابلغہم و ارواہم للشعر“ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۲ طبع دار المعرفۃ بیروت لبنان)

حدیث کا چھٹا راوی عبد اللہ بن وہب رحمہ اللہ: یہ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ابو طالب نے روایت نقل کی ہے صحیح الحدیث اور اسی طرح احمد بن صالح فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک لاکھ احادیث بیان کی ہیں۔ امام ابن معین رحمہ اللہ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور امام ابو حاتم نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ وہ صالح الحدیث اور صدوق تھے اور ابن سعد رحمہ اللہ ان کو کثیر العلم اور ثقہ کہتے ہیں اور امام عجمی ان کو ثقہ اور راجل صالح کہتے ہیں اور امام نسائی ان کو لا باس بہ کہتے ہیں اور دوسری جگہ پر فرماتے ہیں وہ ثقہ ہیں اور ساجی ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں اور خلیلی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور متفق علیہ تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۶۸ رقم ۳۸۱۸، بیروت لبنان) اور حافظ ابن حجر دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ: ”الفقہ ثقہ، حافظ، عابد۔“

(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۴۶۰، رقم ۷۲۸، طبع مکتبہ العلمیہ بالمدينة المنورہ باب الرحمة) اور علامہ ذہبی ان کو احداثیات ائمہ الاعلام صاحب التصانیف لکھتے ہیں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ابن وہب صحیح الحدیث ہے اور یحییٰ بن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن وہب افقہ من ابن القاسم۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۲۱، ۵۲۳، رقم ۴۶۷، طبع دار المعرفۃ بیروت لبنان)

حدیث کا ساتواں راوی عمرو بن سواد المصری رحمہ اللہ: ان کی کنیت ابو محمد اور المصری نسبت ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام ابو حاتم ان کو صدوق کہتے ہیں اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھا ہے اور خطیب فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے اور ابن یونس ان کو صدقہ اور صدوق کہتے ہیں اور ابو علی الحسائی نے ان کو امام ابوداؤد کے شیوخ میں ذکر کیا ہے اور امام نسائی ان کو لا باس بہ کہتے ہیں اور سلمہ رحمہ اللہ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور امام حاکم بھی ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں اور امام مسلم رحمہ اللہ ان سے ۱۲۶ احادیث روایت کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۳۹، رقم ۵۲۳۹، بیروت لبنان) اور اسی طرح دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”ثقہ۔“

(تقریب التہذیب ج ۲ ص ۷۲ رقم ۶۰۳، طبع المکتبہ العلمیہ بالمدينة المنورہ باب الرحمة)

حدیث کا آٹھواں راوی امام ابن ماجہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علامہ ذہبی رحمہ اللہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں: ”الحافظ، الکبیر، المفسر“ دوسری جگہ پر صاحب سنن والتفسیر والتاریخ و محدث تلک الدیار فرمایا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۳۶)

اعتراض: مذکورہ سند میں سعید ابی ہلال ہے ان کے بارے میں ابن حزم فرماتے ہیں لیس بالقوی تو ان کی روایت کس طرح معتبر ہو سکتی ہے۔

جواب: ابن حزم نے سعید ابن ابی ہلال پر جو جرح کی ہے وہ جرح مبہم ہے اور مبہم جرح معتبر نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس کو مفصل ذکر کیا جائے جیسا کہ علامہ احمد شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”و شرط فی الجرح بیان السبب مفصلاً“

وهو الذي اختاره ابن الصلاح والنووي وغيرهما وهو المشتهر عند كثير من اهل العلم "جرح میں سبب کا مفصل بیان کرنا شرط قرار دیا گیا ہے اور اس کو ابن الصلاح اور امام نووی وغیرہ نے اختیار کیا ہے اور یہ بات بہت سے اہل علم میں مشہور ہے۔ (الباعث الحقیق شرح اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیر تالیف احمد محمد شاكر ص ۹۰ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

حياة الانبياء پر تیسری حدیث: امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "حدثنا هدا بن خالد وشيبان بن

فروخ قال حدثنا حماد بن سلمه عن ثابت البناني وسليمان التميمي عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ قال اتيت وفي رواية هدا بن مررت على موسى ليلة اسرى بي عند الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره" (سند کے بعد) میں معراج کی رات سرخ ٹیلہ کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا اس وقت وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۶۸ قدیمی کتب خانہ)

حدیث سے ہمارا موقف: اس حدیث میں بات کتنی واضح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے والے سید البشر

محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور جس کو دیکھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور جہاں پر دیکھا تھا ریت کے ٹیلوں کے پاس اور ریت کے ٹیلے نہ جنت میں ہوتے ہیں اور نہ عِلِّین میں بلکہ ریت کے ٹیلے زمین پر ہوتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے نبی ﷺ کے جس مرور کا ذکر ہے وہ یہ مرور زمین پر اسی جگہ ہوا تھا کہ جہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسد عنصري دنیا والے جسم کے ساتھ مدفون ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جس قیام و صلوة کا ذکر ہے اس کا تعلق آپ ﷺ کے جسد عنصري دنیا والے جسم کے ساتھ ضرور تھا۔ جس طرح کہ لفظ "فی قبرہ" صراحۃً اس پر دلالت کر رہا ہے۔

باقی رہی بات کہ یہ صلوة کیسی تھی اور اس کی کیفیت کیا تھی اور آیا ہر انسانی آنکھ اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ تو اس سے یہ حدیث ساکت ہے۔ حدیث سے مطلق حیات ثابت ہو رہی ہے۔ باقی اس کی کیفیت تو عدم ذکر کیفیت مطلق حیات کے منافی نہیں۔ تیسرا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر اس صورت میں ممکن ہے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح ان کے جسد عنصري سے قوی تعلق رکھتی ہو اور اس قسم کی حیات کو ہم حیاۃ فی القبر کہتے ہیں۔

چوتھا یہ کہ اس حدیث سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاۃ فی القبر ثابت ہوئی اور بطور دلالت نص حضور ﷺ کی حیات فی القبر بھی ثابت ہوئی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ سے نچلے درجے کے ہیں تو آپ ﷺ کے لئے بطریق اولیٰ حیات ثابت ہوگی۔ کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اونچے درجے کی ہے۔

ناقلین حدیث: یہ حدیث مسلم شریف کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب میں منقول ہے۔ مثلاً: (نسائی ج ۱

ص ۲۴۲ مکتبہ کرمیہ مسند احمد ج ۳ ص ۵۶۹ مکتبہ دار احیاء التراث بیروت لبنان، کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۰۵، طبع مؤسسہ الرسالہ تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۲۶ طبع المکتبہ الاشدیۃ جامع محمدیہ ابن حجر العسقلانی، صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۱۳۱ طبع دار الباز عباس احمد الباز مکہ مکرمہ، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۸۵ طبع وحیدی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، شرح الصدور ص ۱۳۵ طبع دار الکتب العربی، جزء حیاۃ الانبیاء ﷺ ص ۳ للبیہقی)

اس حدیث کے بارے میں محدثین کی رائے: علامہ ابن حجر اس حدیث کے بارے میں فرماتے

ہیں: "تأهد الحديث الحديث الاول ماثبت في صحيح مسلم من رواية حماد بن سلمه عن انس رفعه

مررت بموسى“ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۰۳ طبع قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی)

اور اسی طرح امام البیہقی حیاۃ الانبیاء پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احادیث صحیحہ میں سے انبیاء کی حیات بعد الوفات پر شواہد موجود ہیں پھر ان احادیث صحیحہ میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے۔

(جزء حیاۃ الانبیاء للہیثمی ص ۳ ملحق بسکین الاذکیاء عن حیاۃ الانبیاء)

اور اسی طرح علامہ تقی الدین سبکی حیاۃ الانبیاء پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”وقال البیہقی فی

دلائل النبوة وفي الحديث الصحيح عن سليمان التيمي وثابت البناني جزء الحیاۃ الانبیاء السبکی ص ۵

ملح تسکین الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء“ پھر اس حدیث صحیح میں مذکورہ حدیث بھی پیش کی ہے اور اسی طرح علامہ

ابن حجر الہیثمی رحمہ اللہ حیاۃ الانبیاء پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ویشہد له خبر مسلم مررت لموسى

ليلة“ (الحديث) پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: ”وقال البیہقی وکل ذالک صحیح“

(اندر المعصود فی الصلوۃ والسلام علی صاحب المقام المحمود ص ۹۵ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”وقد ثبت فی الصحیحین فی احادیث الاسراء“

(الہدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۹۲ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

پھر اس کے بعد اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

حسن المقال فی توثیق الرجال

حدیث کا پہلا راوی انس بن مالک رحمہ اللہ: اس حدیث کا پہلا راوی حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ

ہے۔ صحاح ستہ میں متعدد احادیث ان سے مروی ہیں۔ انس بن مالک رحمہ اللہ کے بارے میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے

ہیں کہ خادم رسول اللہ ﷺ و له صحبة طویلة از حدیث کثیر و ملازمة للنبي ﷺ۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ جزء اول ص ۴۴ طبع دار بحیاء التراث العربی بیروت لبنان رقم ۲۳)

حدیث کا دوسرا راوی حضرت ثابت البنانی رحمہ اللہ: حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ ہے جن کا ترجمہ پہلے

(ص ۷۹، ۸۰) گزر چکا ہے۔

حدیث کا تیسرا راوی حماد بن سلمہ رحمہ اللہ: اس حدیث کا تیسرا راوی حماد بن سلمہ ہے ان کی کنیت

ابو سلمہ ہے اور البصری ان کی نسبت ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ اثبت فی ثابت من معمر اور حماد بن

سلمہ نے کہا ہے: ”ما فیہا الاثقة“ اور ابوطالب فرماتے ہیں: حماد بن سلمہ اعلم الناس بحدیث حمید و اصح حدیثاً اور

امام ابن معین رحمہ اللہ کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن مدینی رحمہ اللہ فرماتے کہ: لم یکن فی اصحاب ثابت اثبت من حماد بن سلمہ

عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ صحیح اور السماع ابو عمر الجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ما رأیت فقیہا

انصح من عبدالوارث و کان حماد بن سلمہ افصح منه“

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱، ۱۲، رقم الحدیث ۱۵۷۴ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں ابو سلمہ ثقہ عابد اثبت الناس فی ثابت۔

(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۹۷ رقم ۵۴۲ طبع المكتبة العلمیہ بیروت لبنان)

حدیث کا چوتھا راوی شیبان بن فروخ رضی اللہ عنہ: مذکورہ حدیث کا چوتھا راوی شیبان بن فروخ ہے ان کی کنیت ابو محمد ہے امام احمد بن سعد ابن ابراہیم فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ ثقہ ہیں۔

اور ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صدوق ہے اور سلمہ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں اور الساجی رضی اللہ عنہ بھی ان کو صدوق کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۴۱، رقم ۲۹۳۲ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

اور اسی طرح دوسری جگہ پر حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”ابو محمد صدوق“

(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۳۵۶)

اور علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ ان کو امام الثقة محدث البصرة کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ امام مسلم، امام ابوداؤد اور ابویعلی الموصلی نے ان سے روایت لی ہے اور اسی طرح امام بغوی رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے احادیث نقل کی ہیں پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۴۳)

اور اسی طرح تہذیب الکمال میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابو ذر رضی اللہ عنہ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۲ ص ۱۵۹۲)

حدیث کا پانچواں راوی امام مسلم رضی اللہ عنہ: اس حدیث کے آخری راوی میں ان کے بارے میں علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ الامام الحافظ حجة الاسلام ان کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

اسی طرح آگے علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے اور اس طرح ابن خزیمہ نے بھی ان سے روایت کی ہے اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ امام مسلم ثقہ ہیں۔

اس طرح ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میرے والد فرماتے ہیں کہ امام مسلم صدوق ہیں اس طرح قریش ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ”حفاظ الدنيا اربعة فذكر منهم مسلما“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ جز ثانی ص ۵۸۹)

اعتراض: مذکورہ حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا موسیٰ کو نماز پر کھڑا دیکھنا آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا اور معجزے سے ہم بحث نہیں کرتے۔

جواب: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھنا آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا باقی موسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ نہیں تھا بلکہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا اپنا فعل تھا۔

سوال: سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام پر گزر رہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے تو پھر اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کس طرح آسمان پر پہنچے کہ آنحضرت ﷺ نے پھر وہاں پر بھی دیکھا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ وہ رات معجزے کی رات تھی جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو فوری طور پر زمین سے آسمان پر پہنچایا تو موسیٰ علیہ السلام کو زمین سے لے کر آسمان پر فوری طور پر پہنچانے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔

حياة الانبياء پر چوتھی حدیث

علامہ ابن قیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”قال ابو شيخ في كتاب الصلوة على النبي ﷺ حدثنا عبد الرحمن بن احمد الا عرج حدثنا الحسن الصاح حدثنا ابو معاوية حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ“

قال قال رسول الله ﷺ من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على من يصيد اعلمته“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس سے مجھ پر درود شریف پڑھا کرے گا میں اس کو خود سن لیا کروں گا اور جو شخص دور سے مجھ پر درود پڑھے گا وہ مجھ تک فرشتوں کے ذریعے سے پہنچایا جائیگا۔ (جلاء الافہام ص ۲۲ رقم الحدیث ۲۵ باب الاول)

حدیث سے ہمارا موقف: اس حدیث سے دو باتیں سامنے آئیں پہلا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات فی القبر کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں تو جو شخص آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور وہاں آنحضرت ﷺ کے پاس درود پاک پڑھتا ہے تو آپ ﷺ خود سن لیتے ہیں تو حدیث کا پہلا جز یہ رد ہے کہ بیچ پیری حضرات پر کہ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس قبر میں زندہ نہیں اور اس قبر میں درود و سلام نہیں سنتے تو آنحضرت ﷺ نے واضح ارشاد فرمایا: ”من صلى على عند قبري سمعته“

اور دوسری یہ ہے کہ حدیث کا دوسرا جز یہ رد ہے بریلوی حضرات پر کہ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور عالم الغیب ہیں اور ہر جگہ سے سن لیتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں تو حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صراحت کے ساتھ فرمادیا۔ ”ومن صلى على نائبا ابلغته“ تو آنحضرت ﷺ نے واضح فرمایا دیا کہ میں حاضر و ناظر نہیں ہوں عالم الغیب نہیں ہوں۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ جو کوئی دور سے درود پڑھا کرے گا اس کو تو بالواسطہ سن لوں گا اور جو قریب سے پڑھا کرے گا اس کو خود سن لوں گا۔

مصحیحین حدیث

اس حدیث پاک کی تصحیح بہت سے محدثین نے کی ہے۔ مثلاً:

۱..... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ”واخرجه ابو الشيخ في كتاب الثواب سند جيد“ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۰۳، کتاب احادیث الانبیاء)

۲..... علامہ سخاوی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں وسندہ جيد۔ (القول الہدی ج ۱ ص ۱۶۰)

۳..... ملا علی قاری رحمہ اللہ مذکورہ حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”رواه ابو الشيخ وابن حبان في كتاب ثواب الاعمال بسند جيد“ (مرقات ج ۳ ص ۲۲)

۴..... مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کو صحیح مانتے ہیں۔ (فتح الہی ج ۲ ص ۳۸۸)

اعتراض نمبر ۱: مذکورہ حدیث پر اعتراض ہے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے اور من گھڑت حدیث سے عقیدہ کا ثبوت نہیں ہوتا۔

جواب: یہ حدیث بالکل صحیح حدیث ہے بہت سے محدثین نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اس پر جرح وغیرہ نہیں کی ہے یہ حدیث من گھڑت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی محدث کسی حدیث کو ذکر کرتے ہیں اور اس پر سکوت اختیار کرتے ہیں اور اس پر جرح نہیں کرتے تو یہ اس حدیث کی صحت کی علامت ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے اور من گھڑت حدیث سے عقیدے کا اثبات نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے ضعیف بھی نہیں ہے۔ من گھڑت تو دور کی بات ہے جیسے کہ پہلے کلام سے واضح ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اگر ہم بالفرض اس حدیث کو ضعیف اور من گھڑت بھی مان لیں تو ہمارے عقیدے کا مدار

صرف اس حدیث پر نہیں بلکہ ہمارے عقیدے کا مدار قرآن کریم سے بھی ہے۔ (جیسے پہلے تفصیل سے گزر چکی ہے) اعتراض نمبر ۲: اس سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر ہے اکثر محدثین نے ان کی تصنیف کی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کی دو سندیں ہیں ایک سند امام بیہقی کی ہے اور دوسری سند ابوالشیخ کی ہے اور محدثین نے جس سند کی تصنیف کی ہے وہ امام بیہقی والی سند ہے اور امام بیہقی خود فرماتے ہیں کہ: ”ابو عبد الرحمن ہذا هو محمد بن مروان السدی فیما رى فیہ نظر“ کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ ابو عبد الرحمن محمد مروان السدی ہے اور اس میں نظر ہے اور ہمارا استدلال امام بیہقی والی سند سے نہیں ہے بلکہ ہمارا استدلال ابوشیخ والی سند سے ہے اور اس میں یہ راوی نہیں ہے جن کی محدثین نے تصنیف کی ہے اور ابوالشیخ والی سند کو محدثین صحیح مانتے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

حسن المقال فی توثیق الرجال

حدیث کا پہلا راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: حدیث کے پہلے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جن سے احادیث کا عظیم ذخیرہ مروی ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ”القیہ صاحب رسول اللہ ﷺ“ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ احفظ من روى الحديث فی دهره“ اور اسی طرح خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”لا اعر ف احدا من اصحاب رسول اللہ ﷺ احفظ الحديث منی“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ جزء اول ص ۳۲ رقم ۱۶ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

حدیث کا دوسرا راوی ابوصالح رحمہ اللہ: علامہ ذہبی رحمہ اللہ ان کو حافظ محدثین میں لکھتے ہیں اور امام احمد بن حنبل ان کو ذیل ثقہ مانتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ثقة ثقة من اجل الناس واثقهم“ کہ ابوصالح ذیل ثقہ ہے اور جلیل القدر اور ثقہ ضرر لوگوں میں سے ہے اور امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے ابوصالح سے ایک ہزار احادیث سنی ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ جزء الاول ص ۸۹ طبع احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

اور اسی طرح حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابوصالح کا نام ذکوان اور لقب السمان الزیات ہے اور المدنی نسبت ہے اور اسی طرح امام ابن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں اور حاتم ان کو ثقہ اور صالح الحدیث کہتے ہیں اور امام ابو ذر عہ ان کو ثقہ اور مستقیم الحدیث کہتے ہیں اور ابن سعد ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں اور ساجی ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں اور امام حربی فرماتے ہیں کہ کان الثقات اور اسی طرح ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے اور عیسیٰ بن ابی شیبہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۹۶، ۱۹۵ طبع المكتبة العلمية بیروت لبنان اور طبقات الکبریٰ میں ہے وکان ابو صالح ثقة کثیر الحدیث ج ۶ ص ۲۲۷ طبع دار صادر دار بیروت)

حدیث کا تیسرا راوی: ان کا نام سلیمان مہران اور کنیت ابو محمد ہے یہ جلیل القدر محدث ہیں اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں امام ذہبی ان کو الحافظ ثقہ کہتے ہیں اور ان کو حافظ محدثین میں شمار کیا ہے اور ان کو شیخ الاسلام بھی کہتے ہیں اور یحییٰ القطان کہتے ہیں کہ امام الاعمش علامہ الاسلام۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ جزء اول ص ۱۵۳ طبع بیروت لبنان)

چوتھا راوی ابو معاویہ: ان کا نام محمد بن حازم ہے اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں اور علامہ ذہبی ان کے بارے میں فرماتے ہیں الحافظ الثبت محدث الکونی اور ان سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی روایت کی ہے اور

اسی طرح ابن معین رحمہ اللہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ نے بھی ان سے روایات لی ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کان واللہ حافظ القرآن ویضطرب فی غیر حدیث الاعمش“ کہ وہ حافظ قرآن تھا اور اعمش کے علاوہ دوسروں سے روایت کرنے میں گڑبڑ کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ جزاؤں ص ۲۹۳، ۲۹۵، رقم ۲۷۴ طبع بیروت لبنان)

اور اسی طرح دوسری جگہ پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ثقة احفظ الناس لحدیث الاعمش“ اور آگے فرماتے ہیں: ”وقدیہم فی حدیث غیرہ“ (تقریب التہذیب ج ۲ ص ۱۵۷ رقم ۱۶۷ طبع المکتبہ العلمیہ بیروت لبنان) اور علامہ ذہبی دوسری جگہ پر لکھتے ہیں: ”ثقة ثبت“ اور آگے لکھتے ہیں: ”ما علمت فیہ مقالا یوجب وہنہ مطلقاً“ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۳۳ رقم ۷۴۶۶ طبع دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

پھر تیسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ”ابو معاویہ الفریر احد الائمة الاعلام الثقات لم یعترض الیہ احد“

(میزان الاعتدال ج ۴ ص ۵۷۵ رقم ۱۰۶۱۸ طبع دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

حدیث کا پانچواں راوی حسن بن الصباح رحمہ اللہ: ان کی کنیت ابو علی ہے علامہ ذہبی ان کو حافظ حدیث

میں شمار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: ”الحافظ الامام علم السنۃ“ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی اور ابو یعلیٰ الموصلی نے ان سے روایات نقل کی ہیں اور امام ابو حاتم ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ”صدوق له جلالۃ عجیبۃ بعداد“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ جزء دوم ص ۷۶ رقم ۴۸۹ طبع بیروت لبنان)

حدیث کا چھٹا راوی عبدالرحمن بن احمد الاعرج رحمہ اللہ: ان کا مکمل نام عبدالرحمن بن یزید الزہری

ہے کنیت ابو صالح اور لقب الاعرج ہے (م ۳۰۰ھ)۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصہبانی م ۴۳۰ھ نے (تاریخ اصہبان ج ۲ ص ۱۱۳ طبع لندن) میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ امام ابو شیخ الصہبانی کے القاضی ابو احمد محمد بن احمد بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں۔ (تاریخ اصہبان ج ۲ ص ۱۱۳ بحوالہ تسکین الصدور)

حدیث کا ساتواں راوی حافظ ابو الشیخ اصہبانی رحمہ اللہ: علامہ ذہبی ان کو حافظ حدیث میں شمار کرتے

ہوئے فرماتے ہیں (حافظ اصہبان) حافظ اصہبان و مسند زمانہ الامام اور آگے لکھتے ہیں کہ صاحب المصنفات السائرہ ابن مردود یہ فرماتے ہیں کہ ثقہ مامون اور علامہ ابوبکر الخطیب فرماتے ہیں: ”کان حافظاً ثبتاً متقناً“ اور حافظ ابو نعیم فرماتے ہیں کہ: ”کان احداً لاعلام“ اور پھر فرماتے ہیں کہ: ”کان ثقہ“

اعتراض نمبر ۱: اس حدیث پر اعتراض یہ ہے کہ علامہ ابن قیم اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے

ہیں: ”وہذا الحدیث غریب جداً“ کہ یہ حدیث بہت غریب ہے اور جب حدیث غریب ہو تو اس سے استدلال کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ غرابت صحت کے منافی نہیں ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی حدیث غریب بھی

ہو اور صحیح بھی ہو۔

اعتراض نمبر ۲: دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کی سند میں ابو معاویہ ہے اور ان کے بارے میں

یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ حدیث میں گڑبڑ کرتے ہیں تو ان کی یہ روایت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل نے جو گڑبڑ کی بات فرمائی ہے وہ اس طرح فرمائی ہے

کہ ابو معاویہ اعمش کی حدیث کے علاوہ گڑبڑ کرتے ہیں اور یہ روایت جو ہم نے نقل کی ہے اس میں ابو معاویہ نے

اعمش سے جو روایت کرتے ہیں اس میں تو گڑبڑ نہیں کرتے تو فلایر دو ماہیر د۔

نوٹ: اس حدیث میں ایک روای ہے جن کا نام ابو صالح ہے تو ابو صالح کے نام پر تین آدمی ہیں ایک ابو صالح مولیٰ ام ہانی ہے اور دوسرا ابو صالح مولیٰ التوامہ ہے اور تیسرا ابو صالح ذکوان السمان ہے۔

تو بعض محدثین کرام نے جو ابو صالح پر جرح کی ہے وہ پہلا اور دوسرا ہے اور تیسرے ابو صالح پر محدثین نے جرح نہیں کی اور مذکورہ سند میں جو ابو صالح ہے وہ تیسرا ہے جس کا نام ابو صالح ذکوان السمان ہے۔

حیۃ الانبیاء پر پانچواں حدیث: حیۃ الانبیاء پر پانچویں حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کی ہے اور اس حدیث کو امام بوداؤد رحمہ اللہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”حدثنا محمد بن عون نا المقری ناحیوۃ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبد اللہ بن قیسط عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال ما ن احد یسلم علی الار د اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام“ (سند کے بعد) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس وقت حق تعالیٰ میری روح میری طرف لوٹا چکے ہوتے ہیں اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۶ کتاب المناکب باب زیارة القبر طبع مکتبہ امدادیہ)

حدیث سے ہمارا موقف: یہ حدیث آنحضرت ﷺ نے حالت حیات میں فرمائی تھی اور اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جو بھی مجھ پر صلوٰۃ و سلام بھیجے گا تو آنحضرت ﷺ روح مع الجسد کا نام ہے نہ کہ صرف روح کا تو معلوم ہوا کہ جسد غضری پر روح کے ساتھ سلام پیش ہوتا ہے پھر فرماتے ہیں کہ میں اس سلام کا جواب دوں گا تو اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جسد غضری جواب دے گا نہ جسد مثالی جواب دیتا ہے تو خواہ مخواہ آنحضرت ﷺ یہ فرماتے کہ میرا جسد مثالی جواب دے گا اور آنحضرت ﷺ کا بذات خود جواب دینا یہ حیات طیبہ کی واضح دلیل ہے اور یہ جواب دینا اسی صورت میں متحقق ہو سکتا ہے جب یہ سلام بھی قبر کے ساتھ ہو اس لئے بعض محدثین نے یسلم علی کے بعد عند قبری کا اضافہ کیا ہے اور درود روح کا مطلب اور تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ!

مصححین حدیث: مذکورہ حدیث کی تصحیح اکثر محدثین نے کی ہے ہم نمونے کے طور پر چند علماء کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔ مثلاً امام نووی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی تصحیح امام نووی رحمہ اللہ نے دو جگہ پر کی ہے ایک (اذکار) میں اور دوسری ریاض الصالحین میں۔ چنانچہ کتاب الاذکار میں مذکورہ حدیث کو نقل کرنے سے پہلے فرماتے ہیں: ”وروینا صدایضا باسناد صحیح عن ابی ہریرۃ“ پھر اس کے بعد یہ حدیث ذکر کی ہے۔

(الاذکار ۷۸ کتاب الصلاۃ علی رسول اللہ ﷺ طبع دار الکتب العربی)

اور یہ ریاض الصالحین میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ رواہ ابوداؤد باسناد صحیح۔

(ریاض الصالحین ص ۵۰۶، ۵۰۷ کتاب الصلاۃ علی رسول اللہ ﷺ طبع المکتبہ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ”رواۃ ثقات“

(فتح الباری ج ۶ ص ۶۰۳ کتاب احادیث الانبیاء طبع قدیمی کتب خانہ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کی تصحیح علامہ نووی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے

فرماتے ہیں۔ (دمحہ النووی فی الاذکار ج ۵ ص ۲۲۴، تفسیر ابن کثیر رقم الحدیث ۵۵۲۱ طبع مکتبہ فاروقیہ محلہ جنگلی پشاور)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر محمد ثانیہ انداز سے کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”وسندہ حسن بل صححه النووی فی الاذکار“ (مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۱۰ کتاب الصلاة باب الصلاة علی النبی ﷺ وفضلها طبع المکتبہ المحمدیہ) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ: اس حدیث کی تصحیح علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”رواہ احمد و ابو داؤد و الطبرانی و البیہقی باسناد حسن بل صححه النووی فی کتاب الاذکار“ اور پھر اسے استاد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وقال شیخنا رواه ثقات“

حسن المقال فی توثیق الرجال

حدیث کا پہلا راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔ (ص ۱۰۹) حدیث کا دوسرا راوی عبد اللہ بن قسیط رضی اللہ عنہ ہے ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور المدنی ان کی نسبت ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیس بہ بأس“ اور امام نسائی فرماتے ہیں: ”ثقة“ اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مشہور عندهم وهو صالح الروایات“ اور ابراہیم ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کان فقیہا ثقة“ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۹۷ رقم الراوی ۸۰۶۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان) اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کان فقیہا ثقة“ اور ابن معین رحمۃ اللہ علیہ ان کو صالح کہتے ہیں اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۳۵ رقم ۹۷۱۹ طبع دار المعرفۃ بیروت لبنان) اور علامہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ تہذیب الکمال میں فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ”لا اعلم بہ بأس“ اور یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثقہ اور اسی طرح امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۳ ص ۱۵۳۶ طبع دار المأمون للتراث دمشق بیروت) حدیث کا تیسرا راوی ابو صخر حمید بن زیاد رضی اللہ عنہ: ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیس بہ بأس“ اور اس طرح یحییٰ بن معین بھی ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ”لیس بہ بأس“ اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ ان کو صالح کہتے ہیں اور اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”وہو مدنی صالح الحدیث“ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۷۷ رقم ۱۶۲۲ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

اور اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”صدوق“

(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۲۰۲ رقم ۵۹۴ بیروت لبنان)

اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”لیس بہ بأس“ اور امام ابن معین ان کو ”لیس بہ بأس“ کہتے ہیں اور امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں۔

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۶۱۲ رقم ۲۳۲۸ طبع دار المعرفۃ بیروت لبنان)

حدیث کا چوتھا راوی حوۃ رضی اللہ عنہا: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کو امام القدوة اور شیخ الدیار المصریہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی توثیق کی ہے اور پھر فرماتے ہیں: ”کان کبیر الشان“

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۵ جزء اول رقم ۱۸۰ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

اور اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد اور امام ابن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں اور عجلی بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۶۳ رقم ۱۶۷۷ طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

اور اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ”ثقة، ثبت، فقیہ، زاہد“

(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۲۰۷ رقم ۶۵۸ طبع المکتبۃ العلمیۃ بیروت لبنان)

حدیث کا پانچواں راوی المتقری رحمۃ اللہ علیہ: اس حدیث کا پانچواں راوی المتقری رحمۃ اللہ علیہ ہے جن کا نام عبد اللہ بن یزید ہے اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ ان کو صدوق کہتے ہیں اور اسی طرح امام نسائی اور غلیلی رحمۃ اللہ علیہ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور محدث ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۷۷، ۷۸ رقم ۳۸۳۹ طبع بیروت)

اور اسی طرح حافظ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”ثقة فاضل“

(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۴۶۲ رقم ۷۵۲ طبع المکتبۃ العلمیۃ بیروت لبنان)

اور اسی طرح امام حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف المیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”قال ابو حاتم صدوق“ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”ثقة“ اور امام ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۲ ص ۷۵۷ طبع دارالمأمون للتراث دمشق بیروت)

حدیث کا چھٹا راوی محمد بن عوف رحمۃ اللہ علیہ: اس حدیث کا چھٹا راوی محمد بن عوف ہے ان کی کنیت ابو جعفر ہے ان کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مختلف علماء کے اقوال کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابو حاتم ان کو صدوق کہتے ہیں اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ اسی طرح امام ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ صاحب حدیث اور صاحب حفظ تھے اور امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”هو عالم بحديث الشام صحيحاً وضعيفاً“ کہ وہ اہل شام کی صحیح اور ضعیف حدیثوں کے عالم تھے اور محدث مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۳۱، ۳۳۲، رقم ۶۴۹۳ طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

اور اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”ثقة حافظ“

(تقریب التہذیب ج ۲ ص ۱۹۷ رقم ۵۹۹ طبع المکتبۃ العلمیۃ بیروت لبنان)

حدیث کا ساتواں راوی امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ: امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا نام سلمان بن الاشعث ہے۔ ان کے بارے میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”الامام الثبت سيد الحفاظ“ پھر فرماتے ہیں کہ امام ترمذی اور امام نسائی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ اسی طرح حافظ موسیٰ بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”خلق ابو داؤد في الدنيا للحديث وفي الآخرة للجنة ما رأيت افضل منه“ اور اسی طرح حاکم ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ابو داؤد امام اهل الحديث في عصره“

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۹۱، ۵۹۲ جزء ثانی رقم ۶۰۵ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

اعتراض نمبر ۱: مذکورہ حدیث میں یزید بن عبد اللہ بن قسیط ہے جن کے بارے میں ابو حاتم فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اور سبب جرح یہ بیان کرتے ہیں: ”لان مالکالم یرضہ“ کہ امام مالک رحمہ اللہ ان سے راضی نہیں تھے اور ان کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ابو حاتم رازی کی تضعیف موقوف ہے امام مالک کی ناراضگی پر اب اگر امام مالک کی ناراضگی مرتفع ہو جائے تو خود بخود تضعیف بھی مرتفع ہو جائے گی تو اس اعتراض کے دو جواب بنتے ہیں۔

پہلا جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ اس بات کی نسبت امام مالک کی طرف کرنا ہی غلط ہے کہ وہ یزید بن عبد اللہ بن قسیط کو پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ وہ اگر ان کو پسند نہ کرتے تو ان سے روایت نہ لیتے اور حال یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر ان سے روایات لی ہیں اور ان روایات کا لینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ ان کو پسند کرتے تھے اس لئے انہوں نے ان سے روایت لی ہیں۔

دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض والحال اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ امام مالک ان کو پسند نہیں کرتے تھے تو امام مالک اس میں متفرد ہیں اور اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا اور صحاح ستہ کے رجال میں سے بھی ہیں۔

دوسرا اعتراض: دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یزید بن عبد اللہ بن قسیط کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے جب سماع ثابت نہیں تو یہ حدیث انہوں نے کس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نقل کے مطابق یزید بن عبد اللہ بن قسیط کی وفات ۱۲۲ھ میں ہوئی ہے اور وفات کے وقت ان کی عمر نوے (۹۰) سال تھی۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۹۸ رقم الراوی ۸۰۶۲ طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)
تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی ولادت تقریباً ۲۳ھ میں ہوئی جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات مشہور قول کے مطابق ۵۹ ہجری میں ہوئی۔
(الہدایۃ والنهایۃ ج ۸ ص ۱۱۸ طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

تو اس حساب سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت یزید بن عبد اللہ کی عمر ۲۷ سال بنتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ یزید بن عبد اللہ بن قسیط اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان معاشرت اور امکان لقاء موجود ہے اور یزید بن عبد اللہ مدلس بھی نہیں ہے پھر اس امکان لقاء کی تقویت اس بات سے ہوتی ہے کہ یزید بن عبد اللہ حسب تصریح حافظ مدنی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات بھی مدینے میں ہوئی اور یہ بات انتہائی مستعد ہے کہ اس دور کا ایک طالب حدیث ہو اور اس کے اپنے شہر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے محدث کبیر موجود ہوں اور پھر بھی انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے استفادہ نہ کیا ہو تو صرف امکان لقاء ہی نہیں بلکہ عدم لقاء مستعد ہے۔ ”فافہم ان کنت بصیرا ولا تکن من الغافلین“ (مخص من اشرف التوضیح)

اعتراض نمبر ۳: یہ اعتراض بیخ پیری و مماتی حضرات کے ہاں بہت مسلم اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کو حیات فی القبر حاصل ہے تو مذکورہ حدیث سے آنحضرت ﷺ کی حیات فی القبر کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ: ”رد اللہ علی روحی“ تو اس میں رد روح اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک میں پہلے روح نہیں تھی اس کے بعد لوٹ آئی اور یہ حیات فی القبر کے منافی ہے۔

جواب: مذکورہ اعتراض کے کئی جوابات علمائے کرام نے دیئے ہیں۔ اس میں ہم چند علماء کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

پہلا جواب: علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۰۶ھ) سے علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ رد روح کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”یحتمل ان یکون رداً معنویاً وان تكون روحہ الشریفۃ مشتعلۃ بشہود الحضرة الالهیۃ والملاء الاعلیٰ عن هذا العالم فاذا سلم علیہ اقبلت روحہ الشریفۃ علیٰ هذا العالم لیدرک سلام من یسلم علیہ ویرد علیہ“ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں رد سے مراد رد معنوی ہو وہ اس طرح کہ آپ ﷺ کی روح شریفہ اس عالم سے ہٹ کر دربار الہی اور ملائعہ اعلیٰ کے شہود میں مشغول رہے پھر جب کوئی شخص آپ ﷺ پر سلام کہے تو آپ ﷺ کی روح شریفہ اس عالم پر ظہور کرتے ہیں تاکہ سلام کرنے والے کے سلام کا ادراک کرے اور اسے جواب بھی دے۔ (القول البدیع ص ۷۴ طبع دارالکتب العربی)

دوسرا جواب علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) دوسرا یہ کہ اس میں ایک قاعدہ

جاری ہوا ہے جس طرح علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ان قوله رد الله جملة حالیه وقاعدة العربیۃ ان جملة الحال اذا وقعت فعلاً ماضیاً قدرت فیہا قد كقوله تعالى جاؤکم حصرت الصدورهم ای قد حصرت وكذا هنا تقدير والجملة ماضیۃ سابقۃ علی السلام الواقع من كل احد وحي لیست للتعلیل بل هو مجرد حرف عطف لمعنی الواو فصار تقدير الحديث ما من احد یسلم علی الا قد رد الله علی روحی قبل ذلك وارده علیہ“ رد اللہ کا جملہ حال ہے اور عربی کا قاعدہ یہ ہے کہ حال جب فعل ماضی ہو تو اس میں حرف قد مقدر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ”جاؤکم حصرت صدورهم“ میں حرف قد مقدر ہے اور گویا عبارت یوں ہے: ”قد حصرت“ اور اسی طرح اس مقام پر بھی حرف قد مقدر ہے اور یہ جملہ ہر سلام کہنے والے سے بہر حال پہلے اور ماضی میں ہے اور حرف حتی تعطیل کے لئے نہیں بلکہ محض حرف عطف ہے جو بمعنی واؤ کے ہے معنی حدیث یوں ہے کہ کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں کہتا مگر اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری روح اس سے پہلے ہی لوٹا دی ہوتی ہے اور میں اس کے سلام کا جواب لوٹاتا ہوں۔ (ابناء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۷۷ للسیوطی ملحق بتسکین الاذکیاء)

تیسرا جواب علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۰۳ھ) سے: تیسرا یہ ہے کہ رد اللہ علی روحی سے مراد رد

اللہ علی نطقی ہے یعنی روح سے مراد نطق ہے۔ جیسا کہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”قال الفا کھاسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ان نقول المراد بالروح هنا النطق مجازاً فکانہ رحمۃ اللہ علیہ قال لا رد الله الی نطقی وهو رحمۃ اللہ علیہ حی علی الدوام لکن لا یلزم من حیاتہ النطق فالله سبحانه وتعالیٰ یرد علیہ والنطق عند سلام کل مسلم علیہ“ امام فاکہانی وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ روح سے مجاز نطق مراد ہے گویا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری طرف میرا نطق لوٹا دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ اگرچہ دوامی طور پر زندہ ہیں لیکن حیات سے نطق لازم نہیں آتا سو اللہ تعالیٰ ہر سلام کہنے والے کے سلام کے وقت نطق کی طاقت آپ کو عطاء کر دیتا ہے۔

(القول البدیع فی الصلاح علی الحبیب الشفیع ص ۱۷۳ السادۃ رسول اللہ صلی الدوام طبع دارالکتب العربی)

چوتھا جواب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) سے: اس اعتراض کا جواب حافظ ابن

حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”وقد احاب العلماء عن ذلك باجوبہ

احدهما ان المراد بقوله رد الله على روحى ان رد روحه كانت سابقة عقب دفنه لا انها تعاد ثم تنزع ثم تعاد الثانى سلمنا لكن ليس هو نزع موت بل لا مشقة فيه الثالث ان المراد بالروح الملك المؤكل بذلك الرابع المراد بالروح النطق فتجوز فيه من جهة خطابنا بما نفهمه الخامس انه يستغرق فى امور الملاء الاعلى فاذا سلم عليه رجع اليه فهمه ليحيب من سلم عليه“ اور علماء نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دفن کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارک آپ ﷺ کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوٹا دی ہے یہ نہیں کہ لوٹا کی جاتی ہے پھر نکالی جاتی ہے اور پھر لوٹا کی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۸ کتاب احادیث الانبیاء رقم الباب ۲۸ طبع مؤسسۃ منال العرفان بیروت و مکتبۃ الغزالی دمشق)

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ایسا ہی لیکن یہ نزع موت کا سا نہیں ہے بلکہ اس میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کے سپرد یہ درد و شریف پہچاننے کا کام ہوتا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد مجازی طور پر نطق ہے اس کو اس طریقہ سے اس لئے تعبیر کیا تا کہ ہم سمجھ سکیں۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے معاملات میں مستغرق رہتے ہیں۔ سو جب بھی کوئی شخص سلام کہتا ہے آپ کی توجہ اور فہم آپ کی طرف لوٹ آتا ہے تاکہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دے سکیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کے پندرہ جوابات دیئے ہیں اگر کوئی مزید تفصیل دیکھنا چاہے تو وہاں رجوع کر لے۔

حیات الانبیاء پر چھٹی حدیث

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حدثنا هارون بن عبد الله نا حسين بن علي بن عبد الرحمن بن يزيد

بن جابر عن ابي الاشعث الصنعاني عن اوس بن اوس قال قال رسول الله ﷺ ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة۔ فاكثروا على من الصلاة فيه فان صلوكم معروضه على قال قالوا يا رسول الله! كيف تعرض صلوتنا عليك وقد اومت قال يقولون بليت فقال ان الله عز وجل حرم على الارض اجساد الانبياء“ (سند کے بعد) نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک تمہارے دنوں میں سے افضل ترین جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور اسی میں ان کی وفات ہے اور اسی دن نوح اولیٰ ہوگا اسی نوح ثانیہ ہوگا اس لئے تم اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رحمہم اللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جایا کرے گا کہ آپ کا جسم ریزہ ریزہ ہو چکا ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر اس بات کو حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۷ باب تفریع ابواب الجمعة طبع المراج کینی)

استدلال

پہلی بات: یہ ہے کہ حضور ﷺ زندہ تھے تو درود شریف کا سلسلہ آپ ﷺ کی ذات پر پیش ہوتا رہا کیونکہ فاکثروا على من الصلاة یہ اس کی واضح دلیل ہے۔

دوسری بات: دوسری بات یہ ہے کہ جب حضور ﷺ زندہ تھے تو لازماً درود شریف آپ کے جسم مع الروح پر پیش ہوتا تھا اس میں کوئی اشکال ہی نہیں کہ صلاۃ و سلام آپ ﷺ کی صرف روح پر پیش ہوتا یا صرف جسم مبارک پر۔ لیکن وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اشکال ہوا کہ جب آپ ﷺ فوت ہو جائیں تو آیا صلوٰۃ و سلام صرف روح پر پیش ہوگا یا صرف جسم مبارک پر یا روح مع الجسد دونوں پر پیش ہوگا تو حضور ﷺ نے اس اشکال کا جواب دیا اور فرمایا: ”فان صلوتکم معروضہ علی“ تو حضور ﷺ نے جملہ اسمیہ کی صورت میں اس اشکال کو دور فرمادیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس استمرار پر تعجب کرتے ہوئے حضور ﷺ سے قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق معلوم کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے دونوں کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا اور مستقل قاعدہ بیان فرمادیا کہ: ”ان الله عز وجل حرم على الارض اجساد الانبياء“

اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد وہ حالت نہیں ہوتی جو عام دوسرے انسانوں کی حالت پر ہوتی ہے تو گویا حضور ﷺ نے قبل الوفات اور بعد الوفات کے عرض صلاۃ کو برابر قرار دیا کہ جس طرح قبل الوفات صلوٰۃ و سلام آپ ﷺ کے جسد مع الروح دونوں پر پیش ہوتا ہے اسی طرح بعد الوفات بھی جسد مع الروح دونوں پر صلاۃ و سلام پیش کیا جائے گا۔ اور جس طرح قبل الوفات جسد عنصری پر پیش ہوتا رہا ہے اسی طرح بعد الوفاۃ بھی جسد عنصری پر پیش کیا جائے گا اور کیا جاتا ہے نہ کہ جسم مثالی پر۔

اگر بعد الوفات آپ ﷺ کے جسد مثالی پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا تو خود بخود آپ ﷺ فرمادیتے کہ قبل الوفات تو صلوٰۃ و سلام میرے جسد عنصری پر پیش ہوتا ہے اور بعد الوفات جسم مثالی پر پیش ہوگا لیکن آپ ﷺ نے اس طرح نہیں فرمایا۔

اور اسی طرح اگر بعد الوفات صلوٰۃ و سلام جسم مثالی پر پیش ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اشکال نہ ہوتا اور یہ تجباً نہ عرض کرتے قدرمت کیوں کہ جسم مثالی تو گل سڑ نہیں سکتا، ریزہ ریزہ نہیں ہو سکتا تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ و سلام آپ ﷺ کے جسد عنصری پر پیش ہوتا ہے اور ہر جسد عنصری فائز الحیات ہے۔ ”فافہم ان کنت بصیراً“

مصححین حدیث

مذکورہ حدیث کی تصحیح اکثر محدثین نے کی ہے۔ چنانچہ چند محدثین کے نام پیش کرتے ہیں۔ مثلاً حافظ ابن کثیر، امام نووی، علامہ ابن قیم، حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ منذری علامہ محمد بن علان الصدیقی الشافعی رحمہ اللہ۔

حسن المقال فی توثیق الرجال

پہلا راوی اوس بن اوس بن اوس رحمہ اللہ: مذکورہ حدیث کا پہلا راوی اوس بن اوس بن اوس رحمہ اللہ ہیں یہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضرت اوس بن اوس رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں: ”روی له اصحاب السنن الاربعة احادیث صحیحة“

اور ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”روی عنه ابو الاشعث الصنعانی ابنہ عمرو بن اوس وعطاء وابو یعلی بن عطاء له عن النبی ﷺ احادیث“ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ۱ ص ۱۱۹ رقم الحدیث ۱۱۲)

دوسرا راوی ابو الاشعث الصنعانی رضی اللہ عنہ: ابو الاشعث الصنعانی رضی اللہ عنہ کا نام شراحیل بن آدہ ہے فرماتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کہ امام عجل رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں تابعی ثقہ اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ثقہ اسی طرح حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام عجل رضی اللہ عنہ ان کو تابعی اور ثقہ کہتے ہیں اور اسی طرح ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔

تیسرا راوی عبدالرحمن بن یزید بن جابر رضی اللہ عنہ: عبدالرحمن بن یزید بن جابر رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عتبہ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ان کو ”لیس بہ بأس“ کہتے ہیں اور اسی طرح امام ابن معین، عجل رضی اللہ عنہ، ابن سعد، نسائی رضی اللہ عنہ یہ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ اسی طرح یعقوب بن سفیان ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ کا بیٹا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو ثقہ مامون کہتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور اسی طرح ابوحاتم ان کو صدوق ”لا بأس بہ ثقہ“ کہتے ہیں۔

اور حافظ ابن حجر دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ”ثقة“ اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ”أحد العلماء الثقات لم أر أحداً ذكره في الضعفاء“ اور اسی طرح یحییٰ بن معین اور ابن جابر ان کو ثقہ کہتے ہیں اور امام احمد رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”لیس بہ بأس“ اور امام ابوحاتم رضی اللہ عنہ ان کو صدوق کہتے ہیں اور اسی طرح علامہ مزی رضی اللہ عنہ تہذیب الکمال میں فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں اور امام عجل رضی اللہ عنہ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں: ”هو من ثقات الناس“

چوتھا راوی حسین بن علی رضی اللہ عنہ: ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”ما رأيت افضل من حسين وسعيد بن جابر“ اور امام عبدالرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”ما رأيت اثنین منه“ اور اسی طرح ابن شاہین ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور ابن حبان اور عثمان بن شیبہ فرماتے ہیں: ”بَخَّ بَخَّ ثَقَّةٌ صَدُوقٌ“ اور حافظ ابن حجر دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”ثقة عابد“ اور تہذیب الکمال میں علامہ مزی فرماتے ہیں یحییٰ بن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں اور امام عجل رضی اللہ عنہ ان کو ثقہ اور رجل صالح کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ”لم أر رجلاً قط افضل منه“

پانچواں راوی ہارون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: ان کی کنیت ابو موسیٰ ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ امام مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ امام احمد سے پوچھا کہ میں ہارون بن عبداللہ سے احادیث لکھوں؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں! بخدا اور ابراہیم الحاربی فرماتے ہیں کہ وہ صدوق تھے امام حربی نے یہ بھی فرمایا کہ: ”لو كان الكذب حلالاً لآثر به تنزهها“ اور امام نسائی فرماتے ہیں: ”ثقة“ امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۹ طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

اور تہذیب الکمال سے علامہ مزی فرماتے ہیں کہ ابوبکر المروزی نے امام احمد سے دریافت کیا کہ میں ان سے احادیث لکھوں؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں لکھو۔ ابراہیم حربی اور ابوحاتم ان کو صدوق کہتے ہیں اور امام نسائی ان کو ثقہ لکھتے ہیں اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۳ ص ۱۳۰ طبع دارالمأمون للقرات دمشق لبنان)

اعتراض نمبر ۱: مذکورہ حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے جس کے بارے میں اکثر یہ اعتراض ہوتا رہتا ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر نہیں جن کی محدثین نے توثیق کی ہے بلکہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن قسیم ہیں جن کے بارے میں امام بخاری رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ منکر الحدیث ہے۔

جواب: جس راوی نے اس حدیث میں عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے روایت لی ہے وہ خود اس کو مانتے ہیں کہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: ”ان حسین بن علی الجعفی قد صرح سماعہ له من عبدالرحمن بن یزید بن جابر قال ابن حبان فی صحیحہ حدثنا بن خزيمة حدثنا ابو کریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبدالرحمن بن یزید بن جابر فصرح بالسماع منه“ حسین بن علی الجعفی نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت انہوں نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے سنی ہے۔ چنانچہ ابن حبان اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابن خزیمہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو کریب نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسین بن علی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمن بن یزید بن جابر نے بیان کیا تو اس سند میں انہوں نے ان سے سماع کی تصریح کی ہے۔ (جلاء الانہام ص ۳۷۷ رقم الحدیث نمبر ۶۰ الباب الاول ما جاء فی الصلاة علی رسول اللہ ﷺ) اور جن حضرات کو یہ اشتباہ ہوا ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر نہیں تو اس کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا: ”وقولهم انه ظن انه ان جابر وانما هو ابن تمیم فغلط فی اسم جدہ بعد فانه لم یکن یشتبه علی حسین هذا بهذامع نقده وعلمه بهما و سماعه منهما“ رہا معترض کا یہ قول کہ عبدالرحمن بن یزید کے دادا بھی ابن جابر میں حسین بن علی سے غلطی واقع ہوئی ہے کہ ابن تمیم کا انہوں نے ابن جابر بنا دیا تو یہ بعید سی بات ہے۔ حسین بن علی پر اس میں کوئی اشتباہ نہ تھا وہ تنقید کی اہلیت بھی رکھتے تھے اور دونوں کو بخوبی جانتے بھی تھے اور دونوں کو بخوبی جانتے بھی تھے اور دونوں سے سماعت بھی کی ہے۔

حیات الانبیاء پر ساتویں حدیث

امام نسائی فرماتے ہیں: ”اخبرنا عبد الوہاب بن عبدالحکم الوراق قال اخبرنا معاذ بن معاذ عن سفیان بن سعید عن عبد اللہ بن السائب عن ذاذان عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام“ بے شک اللہ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے مقرر ہیں جو زمین میں گھومتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔ (جلاء الانہام)

استدلال بالحدیث: مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے صاف فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن فرشتوں کی ڈیوٹی لگا رکھی ہے کہ وہ سیاحین فی الارض ہیں اب ہمارا استدلال اس سے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے سیاحت کو ارض کے متعلق کر دیا یعنی زمین لیتے بھی زمین سے ہمیں اور درود پہنچاتے بھی زمین والی قبر میں ہیں اور زمین والی قبر میں حضور ﷺ کا جسد عنصری موجود ہے نہ کہ جسد مثالی تو جب درود اسی جسد عنصری پر پیش کیا جاتا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ اسی جسد عنصری کو حیات حاصل ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ: ”یبلغونی“ یعنی فرشتے مجھے صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں اور ”یبلغونی“ میں واحد متکلم کی خبر ہے جو کہ ذات پر دلالت کرتی ہے اور حضور ﷺ کی ذات مبارک روح مع الجسد کا نام ہے نہ کہ صرف روح کا اور نہ ہی صرف جسد کا تو معلوم ہوا کہ درود پاک آپ ﷺ کی روح مع الجسد پر پیش ہوتا ہے اور روح مع الجسد عبارت ہے جسد عنصری سے۔

ناقلین حدیث: یہ حدیث پاک نسائی کے علاوہ کئی کتب میں منقول ہے مثلاً مسند احمد (اور مسند احمد میں

یہ روایت تین جگہوں پر مذکور ہے (ایک ج ۲ ص ۳۳ اور ص ۳۴ رقم الحدیث نمبر ۴۳۰۸ اور دوسری جگہ ج ۱ ص ۶۳۹ رقم الحدیث ۱۳۶۵ اور تیسری جگہ ج ۲ ص ۱۶ پر رقم الحدیث نمبر ۴۱۹۸ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان اور مشکوٰۃ ج ۱ ص ۹۲ الفصل الثانی کتاب الصلوٰۃ فی الصلوٰۃ علی النبی ﷺ طبع مکتبہ حقانیہ۔

مصححین حدیث

مذکورہ حدیث کی تصحیح متعدد علماء کرام نے کی ہے۔ مثلاً علامہ ابن عبد الہادی، علامہ سمہودی، علامہ بیہقی، امام حاکم، علامہ ذہبی، علامہ ابن قیم، علامہ سخاوی، شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ واسعۃ کاملۃ۔

حسن المقال فی توثیق الرجال

مذکورہ حدیث کی سند امام نسائی رحمہ اللہ کی امام سفیان تک ڈبل ہے جس کی سند کو ہم نے ذکر کیا ہے ہم اس کے روایات کی تصحیح نقل کر رہے ہیں۔ اگرچہ دوسری سند بھی صحیح ہے۔

پہلا راوی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: یہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ احادیث مبارکہ کا عظیم ذخیرہ ان ہی سے مروی ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں: ”الامام السریانی رضی اللہ عنہ“ اور پھر فرماتے ہیں: ”صاحب رسول اللہ ﷺ و خادمہ واحد السابقین الاولین ومن کبار البدریین ومن نبلاء“

دوسرا راوی زاذان رضی اللہ عنہ: ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور بعض ان کی ابو عمر کنیت بھی بیان کرتے ہیں اور الکندی ان کی نسبت ہے۔ امام ابن قیم ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابة وغيرہ رضی اللہ عنہم وروی له مسلم فی صحیحہ قال یحیی بن معین ثقۃ وقال حمید بن ہلال وقد سنل عنه ہو ثقۃ لا تسئل عن مثل هؤلاء وقال بن عدی احادیثہ لا بأس بها اذاری عن ثقۃ“ زاذان ثقہ راویوں میں سے ہے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت لی ہے جو امام مسلم رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح مسلم میں ان کی احادیث بیان کی ہیں۔ یحیی بن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں حمید بن ہلال سے زاذان کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ایسے ذمہ دار لوگوں کے متعلق پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ابن عدی فرماتے ہیں ان کی احادیث لا بأس بہ ہیں جب ان سے ثقہ راوی روایت کرے۔

حافظ ابن حجر زاذان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یحیی بن معین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ثقة لا یسنل عن مثله“ اور ابن عدی فرماتے ہیں: ”احادیثہ لا بأس بها“ اور ابن سعد فرماتے ہیں: ”کان ثقۃ کثیر الحدیث“ اور سی طرح امام خطیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”کان ثقۃ“ امام عجل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”تابعی ثقۃ“ اور علامہ ابن سعد الطہقات الکبریٰ میں فرماتے ہیں: ”کان ثقۃ قلیل الحدیث“ اور اسی طرح خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کی ہیں اور زاذان سے ذکوان ابو صالح اور عبد اللہ بن سائب نے روایات کی ہیں اور پھر فرمایا: ”وکان ثقۃ“ اور اسی طرح ابن عساکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے زاذان کو حالت قیام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گویا وہ لکڑی ہے کہ زمین میں اس کے لئے گڑھا کھودا گیا ہے۔ حمید بن ہلال ان کو ”ثقة لا یسنل عن مثل هؤلاء“ کہتے ہیں اور ابن عدی کہتے ہیں: ”احادیثہ لا بأس بها“ اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ”قال ابن معین“

ثقة“ اور ابن عدی کامل میں فرماتے ہیں: ”احادیثہ لا بأس بها“ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صدوق یوئل وفیہ شیعۃ“ اور امام عجل فرماتے ہیں کہ کوئی تابعی ثقہ۔

تیسرا راوی عبد الرحمن بن سائب رحمہ اللہ: حافظ ابن حجر عبد اللہ بن سائب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں یحییٰ بن معین ابو حاتم اور امام نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام سفیان نے ان سے تین احادیث سنی ہیں اور امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے اور امام عجل رحمہ اللہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے اور اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں کہ ثقہ ہے اور علامہ ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابن معین اور ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔

چوتھا راوی سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ: ان پر حافظ ابن حجر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ ابو عاصم اور ابن معین ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث لکھا ہے۔ اسی طرح سعید فرماتے ہیں سفیان احفظ منی عبد اللہ بن داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”ما رأیت افقہ من سفیان“ اور پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وفضائلہ کثیرہ جدا“ اور علامہ خطیب بغدادی فرماتے ہیں: ”کان اماما من ائمة المسلمين“ اور اسی طرح ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کان ثقہ مامون و کان عابدا اثبتا“ اور امام نسائی فرماتے ہیں: ”هو اجل من ان یقال منه ثقة“ اور اسی طرح حافظ ابن حجر دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”ثقة فقیہ عابد امام حجة تهذيب الكمال“ میں ہے کہ یونس بن عبید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ما رأیت افضل من سفیان“ اور اسی طرح امام شعبہ فرماتے ہیں: ”سفیان احفظ منی“ اور پھر فرماتے ہیں: ”ومناقبه وفضائله کثیرہ جدا قال الحافظ ابو بکر الخطیب کان اماما من ائمة المسلمين“

پانچواں راوی معاذ بن معاذ رحمہ اللہ: اس حدیث کا پانچواں راوی معاذ بن معاذ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”الحافظ البصری قالها“ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”معاذ بن معاذ قرأ عین فی الحدیث“ اور امام یحییٰ بن معین اور ابو حاتم ان کو ثقہ کہتے ہیں اور امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثقہ ثبت اور امام ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: ”کان فقیہا عالم متقنا“

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۷۷ ص ۱۷۸ رقم ۷۰۵۵ طبع بیروت لبنان)
اور دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ”ثقة متقن“ (تقریب التہذیب ج ۲ ص ۲۵۷ رقم ۱۲۰۹ طبع المکتبۃ بیروت لبنان)
اور تہذیب الکمال میں ہے کہ یحییٰ بن معین اور ابو حاتم ان کو ثقہ کہتے ہیں اور امام نسائی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ”ثقة ثبت“ (تہذیب الکمال ج ۳ ص ۱۳۴۰ طبع دار المامون للتراث دمشق بیروت)

حدیث کا چھٹا راوی عبد الوہاب بن عبد الحکم الوراق رحمہ اللہ: عبد الوہاب بن عبد الحکم الوراق رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام نسائی اور امام دارقطنی ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کان ثقة رجلا صالحا و ارغا زاهدا“ اور ابن المناد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کان من الصالحین العفلاء“ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۹۱ رقم ۴۴۱۵ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

اور اسی طرح حافظ ابن حجر دوسری جگہ پر قطر از ہیں: ”ثقة“ (تقریب تہذیب ج ۱ ص ۵۲۸ رقم ۱۳۰۲ طبع بیروت لبنان)
اور اسی طرح تہذیب الکمال میں ہے کہ ابو عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبد الوہاب رجل صالح ہے۔ امام

نسائی اور امام دارقطنی ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابو بکر خطیب ان کو ثقہ صالح دارع اور زاہد کہتے ہیں اور اسی طرح ان کو ابن حبان نے ثقات میں لکھا ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۲ ص ۸۲۹ طبع دار المامون للتراث دمشق بیروت)

ساتواں راوی امام نسائی رحمہ اللہ

امام نسائی رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”والحافظ الامام شیخ الاسلام“ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کان افقہ مشایخ مصر فی مصرہ واعلمہم بالحديث والرجال“ اور امام ابوسعید بن یونس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کان النسانی امام حافظاً ثباتاً“

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۹۸ جز ثانی ص ۷۰۱ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

پہلا اعتراض: اس حدیث میں زاذان ہے اس پر یہ مشہور اعتراض ہے کہ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہیہ شعبہ کہ ان میں شعیث ہے جب اس میں شعیث ثابت ہوئی تو شیعوں کی روایت ہے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

جواب: شیعہ سے مراد یہ معروف شیعہ نہیں جو آج کل ہیں بلکہ شیعہ سے مراد اس میں یہ ہوتا ہے نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں اور ان کی جماعت میں سے ہو اور شیعہ بھی گروہ اور جماعت کو کہا جاتا ہے۔

اور زاذان رحمہ اللہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ اس لئے ان کو شیعہ کہا جاتا ہے جیسے کہ تاریخ بغداد کے حوالے سے زاذان کے ترجمہ میں گزر گیا اور اگر اس سے یہ مراد نہ لے بلکہ آج کل کے مشہور شیعہ مراد لے تو پھر حافظ بن حجر رحمہ اللہ نے ان کی توثیق کیوں کی ہے اور ان کے بارے میں یہ کیوں فرمایا ہے: ”صدوق یرسل“ اور دیگر محدثین نے ان کی توثیق کیوں کی ہے جو کہ پہلے گزر چکا ہے۔

دوسرا اعتراض: دوسرا اعتراض زاذان پر یہ ہے کہ شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حکم سے کہا کہ تو زاذان سے روایت کیوں نہیں لیتا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ کثیر الکلام ہے۔ اس لئے ان سے حدیث نہیں لیتا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ کثیر الکلام ہونے کی وجہ سے روایت کو نہ لینا یہ اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں ہے۔ (تدریب الراوی ص ۲۷۵ طبع الکرم پبلشر الریف القمل فی الجرح والتعديل ص ۸۱ طبع مکتبۃ الدعوة الاسلامیہ پشاور)

اعتراض نمبر ۳: تیسرا اعتراض زاذان پر یہ ہے کہ حافظ بن حجر رحمہ اللہ نے زاذان کے بارے میں فرمایا ہے: ”لین الحديث وفيه شعبة“ کہ وہ حدیث میں نرم ہے اور ان میں شعیث تھی۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جن کے بارے میں فرمایا ہے: ”لین الحديث“ تو وہ زاذان ابو عمر الکندی کے بارے میں نہیں فرمایا ہے بلکہ وہ زاذان ابویکی الثقات کے بارے میں فرمایا ہے اور یہ راوی اس سند میں نہیں ہے۔
چوتھا اعتراض: چوتھا اعتراض زاذان پر یہ ہوتا کہ حاکم ابو احمد اور زاذان کے متعلق فرماتے ہیں کہ: ”لیس بالمتقین عندهم“

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک جمہور کی جرح مفسر نہ ہو تو لیس بالمتقین سے عدالت ساقط نہیں ہوتی اور روایت میں رکن اکبر عدالت ہے۔ (تدریب الراوی ص ۳۰۰ طبع الکرم پبلشرز)

پانچواں اعتراض: زاذان پر پانچواں اعتراض یہ ہے کہ ابن حبان نے ان کو کثیر الخطاء لکھا ہے۔
جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ زاذان کو کثیر الخطاء صرف ابن حبان نے کہا ہے کہ جو کہ جمہور کو مسلم نہیں کیونکہ جمہور محدثین ان کی توثیق کرتے ہیں۔ کما مر!

عقائد العلماء فی حیاة الانبیاء

۱..... علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (م ۱۲۵۲ھ): علامہ شامی رحمہ اللہ نے توابع ارث میں سے نبوت کو بھی شمار کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت اس لئے تقسیم نہیں ہوتی کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”ان المنع هنا لا تنفاء الشرط وهو اما عدم وجود الوارثیة بصفة كما اقتضاء الحديث واما عدم موت الوارث بناء وعلى ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث“ بے شک نہیں یہاں انتفاء شرط کی وجہ سے ہے اور وہ بات و وارث کا وجود صفت وراثت کے ساتھ نہ ہونا ہے کہ جیسا کہ حدیث اس کا تقاضا کرتی ہے اور با وارث کا موت کا نہ ہونا اس بناء پر کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۵۲) دوسری جگہ پر علامہ فرماتے ہیں: ”قلت اما ما نسب الى الامام الاشعري امام اهل السنة والجماعة من انكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به في كتبه وكتب اصحابه خلاف ما نسب اليه بعض اعدائه لان الانبياء عليهم الصلاة والسلام احياء في قبورهم“ میں کہتا ہوں کہ امام اہل السنۃ امام اشعری رحمہ اللہ کی طرف جو اس کا انکار منسوب ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد رسالت کا) وہ افتراء اور بہتان ہے۔ شاعرہ کی کتابوں میں اس کے فلان تصریح موجود ہے۔ آپ ﷺ کی وفات شریفہ کے بعد رسالت کا حقیقہ باقی رہنا اہل البیت کے بعض دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی قبور شریفہ میں زندہ موجود ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ شامی کتاب الجہاد باب النعم تسمۃ مطلب فی ان رسالتہ ﷺ مافیہ بعد موتہ ج ۲ ص ۲۵۰)

۲..... قاضی شوکانی رحمہ اللہ (م ۱۲۵۰ھ): قاضی شوکانی رحمہ اللہ حیاة النبی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وقد ذهب جماعة من المتحققين الى ان رسول الله ﷺ حي بعد وفاته رانه يسر بطاعات امته“ بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۳، ۲۶۴، باب فضل يوم الجمعة)

۳..... امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ): امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حياة النبی ﷺ فی قبرہ وهو وسائر الانبياء معلومة عندنا علما قطعيا لما قام عندنا الادله في ذلك وتواترت به الاخبار“ نبی اقدس ﷺ کی قبر میں حیات اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہیں اور جو روایات اس پر دلالت کرتی ہے وہ متواتر ہیں۔

(الحادی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۹ طبع اشامة اسلام کتب خانہ محلہ جنگلی پشاور)

۴..... علامہ حسن بن عمار بن علی شربلا الحنفی رحمہ اللہ (م ۱۰۶۹ھ): ففیہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی شربلا لالی الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وما هو مقرر عند المحققين انه ﷺ حي يرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب انه الصار القاصرین عن شريف المقامات“ محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے

کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔ (نور الانبیاء ص ۱۸۷ کتاب الحج فصل فی زیارة النبی ﷺ)

۵..... علامہ ابن حجر ایشمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ): علامہ ابن حجر ایشمی رحمۃ اللہ علیہ حیات النبی ﷺ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”النبی ﷺ حی فی قبرہ الشریف و علم من ہذہ الاحادیث ایضا انہ ﷺ حی علی الدوام“ آنحضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت علی الدوام زندہ ہیں پھر اس کے بعد فرماتے ہیں: ”فنحن نؤمن ونصدق بان ﷺ حی یرزق وان جسدہ الشریف لا تاكل الارض والاجماع علی ہذا“ پس ہم ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں اور اسے رزق دیا جاتا ہے اور آپ کا جسم مبارک زمین نہیں کھاتی اور اس پر اجماع ہے۔

(الدر المنصور فی الصلاة والسلام علی صاحب المنام المحمود ص ۹۵ طبع دار الکتب العلمیہ)
۶..... امام ابوالبقاء المکی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۴ھ): امام ابوالبقاء المکی الحنفی حیات الانبیاء پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ان نبینا حیاة اللہ بعد موته حیاة قامۃ واستمرت تلک الحیاة الی الان وہی ستمرہ الی یوم القیامۃ ان شاء اللہ تعالیٰ و شار کہ فی ذالک جمیع الانبیاء علیہم الصلاة والسلام“

(تاریخ مکہ الشریفۃ والمسجد الحرام والمدینۃ والشریفۃ والقبر الشریف ص ۳۲۶ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)
۷..... علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ): مشہور حنفی حضرت علامہ محمود آلوسی نے بعض صوفیہ کے حضور ﷺ کی حالت بیداری زیارت کرنے کے واقعات کی توجیہات کرتے ہوئے اس نظریہ کی تردید کی ہے آنحضرت ﷺ چونکہ قبر شریف میں کی جاتے ہیں اس کے ضمن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات الانبیاء کا مسئلہ بھی چھیڑا ہے اور فرماتے ہیں: ”والحیاة فی القبر لا تستلزم الخروج وانا اقول بہا حق الانبیاء علیہم السلام“ آنحضرت ﷺ کی حیات فی القبر سے تو یہ لازم نہیں آتا۔ یہ اپنی قبر سے باہر تشریف لاتے ہیں اور میں تو انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور پر ایک جزو لکھا ہے اور اس میں کئی احادیث لائی ہیں۔ (قد الف البیہقی جزء فی حیاتہم فی قبورہم اور وہ وفیہ عدۃ اخبار، روح المعانی ج ۲۲ ص ۲۹۵، ۲۹۶ تحت قوله تعالیٰ و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین)

۸..... امام ابو بکر الحسین البہقی (المتوفی ۴۵۸ھ): امام ابو بکر الحسین البہقی حیات الانبیاء پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”و لحیاة الانبیاء بعد موتہم“ اور ”مدتہم صلاة اللہ علیہم شواہد من الاحادیث الصحیحة“ انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد حیات کے احادیث صحیحہ شواہد سے ملتے ہیں۔

(حیات الانبیاء علیہم السلام ص ۳ ملحق متکلمین الاذکیاء فی حیات الانبیاء)
۹..... امام حافظ مورخ محمد ابن عبدالرحمن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۰۲ھ): امام حافظ مورخ محمد ابن عبدالرحمن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ونحن نؤمن ونصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تاكل الارض ولا جماع علی ہذا“ ہم ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں اور ان کو اپنی قبر میں رزق دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ کے جسد شریف کو زمین نہیں کھاتی اور اس پر اجماع ہے۔

(القول الہدی ص ۲۲۵ طبع موسسة الریان)

۱۰..... علامہ سید نور الدین علی بن احمد السہودی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ): ”ولا شک فی حیاتہ علیہ السلام بعد وفاتہ و کذا سائر الانبیاء علیہم السلام احياء فی قبورہم حیة اکمل فی حیة الشهداء التي اخبر الله تعالى بها فی کتابہ العزیز و نبینا علیہ السلام سید الشهداء“ وفات کے بعد حضور ﷺ کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے حیات شہداء کی اس حیات سے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے بڑھ کر ہے اور ہمارے نبی ﷺ سید الشهداء ہیں۔

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”اما ادلة حياة الانبياء ممقتضاها حياة الابدان كحالة الدنيا مع استغناء عن الغداء“ بہر کیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے وہ مستغنی ہیں۔

۱۱..... شیخ الاسلام تاج الدین تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۷ھ): شیخ الاسلام علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”لان عندنا رسول الله ﷺ حی و یحس و یعلم و تعرض علیہ اعمال الامة و یبلغ الصلوة والسلام“ کیونکہ ہمارے نزدیک حضور ﷺ زندہ ہیں۔ حس رکھتے ہیں اور جانتے ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور صلوٰۃ والسلام آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”و عن عقائدنا ان الانبياء علیہم السلام احياء فی قبورہم“ اور ہمارے عقیدے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۱۲..... ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۶): ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ان الانبياء احياء فی قبورہم فیمكن لہم سماع صلوة من صلی علیہم“ بے شک انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں اسی شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔

۱۳..... شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲): شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حیات الانبیاء کی حقیقت کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”حياة انبياء متفق علیہ استھیج کس را دور اخلاف نبست حیة جسمانی و دنیاوی حقیقی نہ حیات بعنوی روحانی“ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے حیات جسمانی دنیاوی حقیقی ہے نہ کہ معنوی روحانی۔

۱۴..... علامہ غورخوشتوی رحمۃ اللہ علیہ: علامہ غورخوشتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ان النبی ﷺ فی القبر حی و یحس و یعلم و تعرض علیہ اعمال الامہ و اللہ تعالیٰ خلق ملائكة سیاحین یبلغونہ الیہ الصلوة من امتہ“ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں علم و احساس آپ میں برابر موجود ہیں اللہ کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور اللہ نے ایسے فرشتے پیدا کئے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور امت کا صلوٰۃ و سلام آپ ﷺ کو پہنچاتے رہتے ہیں۔

۱۵..... قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۲۵): قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تحریم ازواج پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”قلت و خاء ان یکون ذلک لاجل ان النبی ﷺ حی فی قبرہ و لذلک لم یورث ولم یتنم ازواجہ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله ﷺ لما سمعته و عن ﷺ“ میں کہتا ہوں کہ تحریم ازواج کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کے مال کا کوئی وارث نہیں قرار پایا اور نہ

آپ ﷺ کی بیویاں بیوہ ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے گا تو میں اس کو سن لوں گا اور جو شخص دور سے پڑھے گا تو وہ درود مجھے پہنچا دیا جائے گا اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ (رواہ الہیثمی فی شعب الایمان)

۱۶..... شیخ نور الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۷۳ھ): شیخ کہتے ہیں: ”وقول مختار ومقرر جمہور ہم این است کہ انبیاء بعد از موت زندہ اند دنیوی“ قول مختار اور جمہور کا مذہب یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام موت کا ڈانقہ چکھنے کے بعد زندہ ہیں، حیات دنیا کے ساتھ۔

۱۷..... علامہ ابو طیب محمد شمس الحق اعظم آبادی: علامہ صاحب لکھتے ہیں: ”وقد ذهب جماعة من المتحققین الی ان رسول اللہ ﷺ حی بعد وفاته وانہ لیس بطاعات امتہ“ محققین کی جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

۱۸..... علامہ الشیخ الطحاوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۳۳ھ): علامہ صاحب حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”(فانہ بسمعہا) ای اذا كانت بالقرب منه علیہ السلام (وتبلغ الیہ) ای یبلغها الملک اذا کان المصلی بعیدا“ آپ ﷺ صلاۃ و سلام کو اس وقت خود سنتے ہیں قریب سے عرض کیا جائے اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب درود پڑھنے والا دور ہو۔

۱۹..... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ): حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضور ﷺ کی حیات فی القبر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ان حیاتہ علیہ السلام فی القبر لا یعقبها موت بل یستمع حیا والانبیاء احياء فی قبورہم“ حضور ﷺ کی قبر میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

۲۰..... شیخ الاسلام علامہ عینی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۵ھ): علامہ عینی انبیاء علیہم السلام کی حیات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم یا موتون فی قبورہم بل احياء“ ہاں! انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

۲۱..... علامہ عزیزی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۷۰ھ): علامہ صاحب فرماتے ہیں: ”ما من احد یسلم علی الار د اللہ علی روحی“ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”الار د اللہ علی روحی ای رد اللہ علی نطقی لانہ حی دائما لا تغار قد لان الانبیاء و احياء فی قبورہم“ اور روح سے مراد نطق ہے کیونکہ دوائی طور پر زندہ ہیں آپ کے روضہ مبارک آپ سے الگ نہیں ہوتی کیونکہ حیات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۲۲..... امام نقی الدین علی بن السبکی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۶ھ): امام نقی الدین لکھتے ہیں: ”ولہا حیاۃ الانبیاء علی واکمل واتم من الجمیع لانہا اللروح والجسد علی الدوام علی ما کان فی الدنیا“ بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات تمام سے اعلیٰ واکمل واتم ہے۔ کیونکہ آپ کی حیات جسم اور روح دونوں کو دوائی طور پر حاصل ہے جس طرح کی دنیا میں تھی۔

۲۳..... امام بدر الدین یعلیٰ الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۷ھ): امام بدر الدین فرماتے ہیں: ”والانبیاء احياء فی قبورہم وقد یصلون“ حضرت انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔

۲۴..... محدث محمد بن علان الصدیق الشافعی الاشعری المکی (المتوفی ۱۰۵۷ھ): حضرت مکی ما من احد یسلم علی الار د الله علی روحی حتی ارد علی السلام اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”والاجماع علی انه ﷺ حی فی قبره علی الدوام“ اور اس بات پر اجماع ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں ہمیشہ زندہ ہیں۔ (دلیل الصالحین لطف ریاض الصالحین ج ۴ ص ۲۰۲ کتاب الصلوٰۃ علی رسول اللہ ﷺ طبع ادارات البحوث العلمیة والافتاء والدعوة الارشاد بالمملکة العربیة السعودیة)

۲۵..... العلامہ سید محمد بن الحسینی الزبیدی الشہر مرتضیٰ (المتوفی ۱۲۰۵ھ): علامہ صاحب آنحضرت ﷺ کی روضہ مبارکہ کی زیارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”معتقدا حیاته ﷺ وانہ فی قبره الشریف طری کما وضع (اتحاف) السادة المتقین شرح احياء العلوم الدین ج ۳ ص ۲۵۷ کتاب اسرار لحج الباب الثانی الجملة العاشرة فی زیارة مسجد المدینہ واداب زیارة طبع دار احياء التراث العربی بیروت)“ جو آنحضرت ﷺ کی روضہ مبارکہ کی زیارت کرتے ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی حیات کا اعتقاد رکھے گا اور آنحضرت ﷺ کو جس طرح اپنی قبر شریف میں رکھا گیا ہے اسی طرح تروتازہ ہیں۔

۲۶..... الشیخ یوسف بن احمد نصر الدحوی عضو جماعت کبار العلماء بالازہر (المتوفی ۱۲۶۵ھ): شیخ ایک سوال کے جواب پر طویل بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وبعد فنجن نؤمن انه ﷺ حی یرزق فی قبره ان جسده الشریف لا تاكله الارض والاجماع علی هذا“ اس کے بعد ہم ایمان رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ کے جسم شریف کو زمین نہیں کھاتی اور اس پر اجماع ہے۔ (مقالات وفتویٰ ج ۱ ص ۶۸۳ من مطبوعات مجمع البحوث الاسلامیة حیات الانبیاء فی قبورہم)

۲۷..... علامہ شہاب الدین خفاجی (المتوفی ۸۹۹ھ): علامہ خفاجی انبیاء علیہم السلام کی حیات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وقد ثبت بالاحادیث الصحیحة انه ﷺ وسائر الانبیاء احياء حیاة حقیقة كالشهداء“ تحقیق احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور عام انبیاء علیہم السلام حیات حقیقی کے ساتھ شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ (شرح الشفاء ج ۳ ص ۵۴۹ فصل فی تخصیصہ ﷺ تبلیغ من صلی علیہ الصلوٰۃ والسلام من الامام مطالعة عثمانیہ)

۲۸..... علامہ ابن الہادی (المتوفی ۷۴۳ھ): علامہ ابن الہادی صلوٰۃ و سلام پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وهو ﷺ یسمع السلام من القبر و تبلغه الملائكة الصلوٰۃ من البعد“ آنحضرت ﷺ قبر کے پاس سے خود سلام سنتے ہیں اور دور سے فرشتے آپ ﷺ کو صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں۔

(الصارم المکی ص ۱۳۲ الباب الخامس زیارة القبر و علامہ النوان و بیانہا طبع مؤسسة الریان بیروت لبنان)

۲۹..... محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام شارح ہدایہ (المتوفی ۶۸۱ھ): علامہ ابن ہمام آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ثم یسئل النبی ﷺ الشفاعة والتوصل بک الی الله فی ان اموت مسلما علی ملتک و سنتک و نذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف“ پھر آنحضرت ﷺ سے شفاعت کا حصول کا سوال کرے پس کہے یا رسول اللہ آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں آرزو یہ ہے کہ میں بحالت اسلام آپ کی ملت اور سنت پر

مردوں اور ہر ایسی چیز کا ذکر کرے جو تحقق و ترحم کی قبیل سے ہو۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۹۵ مسائل منثورۃ المقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی ﷺ کتاب الحج المکبۃ النوریۃ الرضویۃ)

۳۰..... امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۷۹ھ): امام مالک رحمہ اللہ کے ایک قول کی تشریح کرتے ہوئے ابن رشد فرماتے ہیں: ”نقل عن الامام مالک رحمہ اللہ انه کان یکرہ ان یقول رجل زرت قبر النبی ﷺ قال ابن رشد من اتبعه ان الکراہۃ لغلبۃ الزیارۃ فی الموتی وهو یحبہ احیاء اللہ تعالیٰ بعد موته حیۃ تامۃ واستمرت تلک الحیۃ وہی مستمرۃ فی المستقبل ولس هذا خاصہ به ﷺ بل یشارکہ الانبیاء هو حی بالحیۃ الکاملۃ مع الاستغناء من الغذاء والحسی الدینوی“ امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ میں حضور ﷺ کے قبر کی زیارت کی امام مالک رحمہ اللہ کے مقلدین میں سے ابن رشد اس کی تشریح کرتے ہیں کہ اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ عام طور پر موتی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور حضور ﷺ وفات شریفہ کے بعد اب حیۃ تامہ کے ساتھ زندہ ہیں اور یہ حیات آئندہ بھی اس طرح رہے گی یہ صرف آپ ﷺ کا خاصہ نہیں ہے بلکہ اس وصف میں تمام انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہیں۔ آپ ﷺ ندائے حسی دنیوی سے استغناء کے باوجود حیۃ کاملہ سے زندہ ہیں۔ (نور الایمان بزیارت اثار حبیب الرحمن ص ۱۶ طبع کتب خانہ رحمیہ محلہ جنگلی قصہ خوانی بازار پشاور شہر)

اسی طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے امام مالک کا ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ یہ کہ امام مالک اپنے معمول کے مطابق آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارکہ کے قریب درس حدیث دیتے تھے تو ایک مرتبہ امیر المومنین ابو جعفر نے کسی مسئلہ میں امام مالک سے مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام مالک نے فرمایا کہ اے امیر المومنین تم کو کیا ہوا؟ اس مسجد میں آواز بلند مت کرو کہ حضور ﷺ کا احترام وفات کے بعد وہی ہے جو حالت حیۃ میں تھا سو ابو جعفر دُوب گیا۔ (نثرۃ الطیب فی ذکر النبی الحبيب ﷺ ص ۲۶۷ طبع ایچ ایم سعید کمپنی)

۳۱..... ابو منصور البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۲۹ھ): ابو منصور حیات النبی ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حی بعد وفاته“ امام ابو منصور البغدادی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے محقق متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔

۳۲..... شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد عبد الوہاب محدثی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۵۳ھ): شیخ فرماتے ہیں: ”والذی نعتقد ان رتبۃ نبینا ﷺ اعلیٰ مراتب المخلوقین علی اطلاق وانہ حی فی قبرہ حیۃ مستقرۃ ابلغ من حیۃ الشهداء المنصوص علیہا فی التنزیل اذا هو افضل منهم بلاریب وانہ یسمع من یسلم علیہ“ ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے جو قرآن پاک سے منصوص ہے بہت بالا ہے۔ کیونکہ آپ ان سے بلاریب افضل ہیں اور آپ اپنے روضہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

(بحوالہ الغاف النیام ص ۴۱۵ طبع کانپور حوالہ تسکین الصدور)

۳۳..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۴ھ): حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”قال العلماء یکرہ رفع الصوت عند قبرہ کما کان یکرہ فی حیۃ لانہ محترم حیۃ فی قبرہ“

صلوات اللہ وسلامہ علیہ دائماً“ علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مرقد شریف کے نزدیک آواز بلند کرنا مکروہ ہے جس طرح آپ ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا مکروہ تھا اس لئے کہ آپ ﷺ حیا اور قبر شریف دونوں حالتوں میں محترم ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۶۴۶ تحت قولہ ان الذین بغضون اصواتہم)

۳۴..... علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۱۲۹۹ھ): علامہ صاحب انبیاء علیہ السلام کی حیا پر اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”والحاصل ان حیاة الانبیاء ثابتة بالاجماع“ حاصل یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام کی حیا بالاجماع ثابت ہے۔ (المہمۃ الوہیۃ فی رد الوہابیہ ص ۶ طبع المکتبۃ العلیف شارع دارالعقیدۃ بفتح استنبول ترکیہ)

۳۵..... نواب قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۱۲۷۹ھ): نواب قطب الدین انبیاء علیہ السلام کی حیا کے متعلق فرماتے ہیں۔ چنانچہ یہ مسئلہ بالکل واضح اور صاف ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور انہیں بالکل دنیا کی طرح حقیقی جسمانی حیات حاصل ہے۔

(مظاہر حق ج ۱ ص ۸۶۵ الفصل الثانی طبع دارالاشاعت)

۳۶..... علامہ عبدالرؤف المناوی رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۱۰۰۳ھ): علامہ صاحب فرماتے ہیں: ”من صلی عند قبری سمعته ومن صلی نائباً ای البعید (ابلفته) ای اخبرت من احد من الملائکة وذلک لان لروحہ تعلقاً بقبر بدنہ الشریف و حرام علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء“ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ فرشتوں میں سے کوئی مجھے اطلاع دے دیتا ہے اور اس لئے کہ آپ ﷺ کے مقبرہ بدن (قبر مبارک) سے ایک تعلق ہے اور زمین پر حرام ہے کہ وہ اجساد انبیاء علیہ السلام کو کھائے۔ (فیض القدیر ج ۱ ص ۷۰ بحوالہ تسکین الاذکیاء)

۳۷..... شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۷۲۸ھ): علامہ ابن تیمیہ طلب شہداء پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وکذلک الانبیاء والصالحون وان کانون احياء فی قبورہم ان قدر انہم یدعون للاحیاء وان وردت بہ آثار فلیس لاحد ان یطلب منہم ذلک ولم یفعل ذلک احد من السلف“ اسی طرح انبیاء و صالحین اپنی قبروں میں زندہ ہونے کے باوجود یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وہ زندوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کے متعلق حدیثیں بھی آئی ہیں کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ ان سے کچھ طلب کرے حضرات سلف میں سے کسی نے ایسا نہیں کہا۔ (مجموع الفتاوی ج ۱ جزء ۱ ص ۳۳۰ لا یطلب من الانبیاء والصالحین الدعاء بعد موتہم طبع توحید الوہیۃ والربوبیۃ)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”مارد ابو داؤد عن النبی ﷺ انه قال ما من رجل یسلم علی الار د اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام فہو یرد السلام علی من سلم علیہ عند قبرہ یبلغ سلام من سلم علیہ من البعید“ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس وقت حق تعالیٰ میری روح میری طرف لوٹا چکے ہوتے ہیں بعد اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں تو حضور ﷺ اس شخص کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ جس نے آپ ﷺ پر قبر کے پاس درود پڑھا اور جس نے آپ ﷺ پر درود پاک پڑھا ہو تو اس کو سلام کا جواب پہنچا دیا جاتا ہے۔

(مجموع الفتاوی ج ۱۶ جزء ۲ ص ۱۶ فصل فی زیارة بیت المقدس فی الاوقات الخ طبع توحید الوہیۃ والربوبیۃ)

۳۸..... ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۳ھ): مشہور تابعی ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ حیاۃ الانبیاء کا عقیدہ رکھتے ہوئے اپنے لئے دعا فرماتے ہیں: ”اللہم ان کت اعطیت احدا من خلقک ان یصلی لک فی قبرہ فاعلی ذلک“ اے اللہ اگر تو نے (انبیاء کے سواء) کسی کو اپنی مخلوق میں سے یہ مرتبہ دیا ہو کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لئے نماز پڑھے تو وہ مرتبہ مجھے عطا فرما۔ (حلیۃ الاولیاء ولابی نعیم الاصفہانی ج ۲ ص ۳۶۲ رقم ۵۶۶، طبع ادارۃ تالیفات اشرفیہ)

اور دوسری جگہ یوسف بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”سمعت ثابتا یقول لحمید الطویل هل بلغک یا ابا عبید ان احدا یصلی فی قبرہ الا الانبیاء قال لا قال ثابتۃ اللہ ان اذنت لاحد ان یصلی فی قبرہ فاذن لثابت ان یصلی فی قبرہ“ (حلیۃ الاولیاء ولابی نعیم الاصفہانی ج ۲ ص ۲۷۰، رقم ۲۵۶۷، طبع ادارۃ تالیفات اشرفیہ)

ان دونوں واقعوں کو ابو نعیم اصفہانی نے اسی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: یوسف بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ثابت سے سنا ہے وہ حمید الطویل کو فرماتے کہ کیا تم کو یہ بات پہنچی ہے اے ابو عبید کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی اپنی قبر میں نماز پڑھ سکتا ہے تو حمید الطویل نے کہا کہ نہیں تو ثابت نے کہا: ”اے اللہ اگر تو نے کسی کو اپنی قبر میں نماز پڑھنے کے لئے اجازت دی تو ثابت کو بھی اجازت دے دینا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ تابعین کے دور میں بھی حیاۃ الانبیاء کا مسئلہ متفق تھا۔

۳۹..... علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۲۲ھ): علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ فی القبر کے متعلق فرماتے ہیں: ”اذھو حی قبرہ یصلی فیہ باذان واقامۃ“ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

(شرح العلامة الزرقانی علی المواہب اللوئیہ بالمعتمد علیہ ص ۱۹۳ الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

۴۰..... علامہ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۱۳ھ): علامہ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”قال ابن عقیل عن الحنابلۃ ہو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی“ حنابلہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ (الروضة البهیة ص ۹۴ طبع دار ابن حزم بیروت لبنان)

”وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ فِتْنَةٍ مِّنْهَا رَبِّهِ أَزْبَعِينَ لَيْلَةً“

نوٹ: ہم نے حضرات شوافع اور حضرات مالکیہ اور حضرات حنابلہ اور حضرات حنفیہ اور حضرات غیر مقلدین کے عقائد اس لئے ذکر کئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مسئلہ حیاۃ الانبیاء صرف علماء دیوبند کا عقیدہ نہیں بلکہ یہ جمہوریت کا عقیدہ ہے مگر مماتی حضرات پھر بھی نہیں مانتے۔ ہم حضرات علماء دیوبند کے عقائد اس لئے بیان کرتے ہیں کہ مماتی حضرات بھی اپنے آپ کو دیوبندی شمار کرتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ علماء دیوبند کے جو عقائد ہیں وہ مماتی حضرات کے بھی ہیں یا ان کا دعویٰ محض سینہ زوری ہے۔

حیاۃ الانبیاء کے متعلق علماء دیوبند کا عقیدہ

۱..... حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۲ھ): ابو حنیفہ ثانی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ حیاۃ الانبیاء کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں مگر ان کی زندگی دنیاوی نہیں ہے بلکہ برزخی ہے اور عوام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے۔ اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نیچے درجے کی ہے۔

یہاں سے لے کر آخر تک یہ عبارت مماتی حضرات نقل کرتے ہیں اور اس سے پہلے والی عبارت کو ہضم کرتے ہیں۔ (فالی اللہ المشتکی) دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں۔ انک میت وانہم میتون ی صریح دلیل ہے۔ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۶۸ کتاب العطاء طبع مکتبہ حقانیہ)

اسی طرح مفتی کفایت اللہ المہند علی المہند (جس میں مسئلہ حیاۃ الانبیاء بھی مذکور ہے) پر تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”رأیت الاجوبۃ کلہا فوجدتہا حقۃ صریحۃ لایحوم حول سرادقاتہا شک لاریب المدعو ہو معتقدی و معتقد مشائخی وانا العبد الضعیف الراجی مولاناہ بکفایت اللہ الشاہی نفوری الحنفی“ میں نے تمام جوابات دیکھے پس سب کو ایسا حق صریح پایہ کہ اس کے ارد گرد بھی شک لاریب نہیں گھوم سکتا اور یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے مشائخ رحمہم اللہ کا عقیدہ ہے میں ہوں سندہ ضعیف امیر رحمت خداوندی محمد کفایت اللہ شاہ جہانپوری حنفی مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ (المدرس فی المدرسۃ الاصفیۃ الدہلویۃ المہند علی المہند)

قارئین کرام! المہند علی المہند کو حضرت حنفی صاحب نے من اولہ الی آخرہ مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ فرمایا: ”رأیت الاجوبۃ کلہا“ مگر جو دوسری طرف مولانا حسین نیلوی صاحب (جو مفتی کفایت اللہ صاحب کے شاگرد ہیں) کا بے جاد دعویٰ کیا وزن رکھتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”اب بھی المہند المہند سے استاد جی نے دستخط کرنا فضول سی بات ہے کیونکہ کسی معتمد علی کی تصنیف شدہ کتاب کو تقریظ کرنے والا تقریظ کرتے وقت من اولہ الی آخرہ ایک ایک حرف کر کے کوئی دلیل نہیں دیکھتا۔“ (ندائے حق ص ۵۷ طبع مکتبہ اشاعت اسلام)

مفتی صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ خیر امت محمدیہ کا یہ قول ہے کہ حضور ﷺ قبر اطہر میں حیاۃ مخصوص کے ساتھ حیاۃ میں باقی یہ بات کہ اس حیاۃ کی حقیقت کیا ہے یہ حضرات حق کو ہی معلوم ہے وہ حیاۃ حضور انور پر میت کے مطابق کے منافی نہیں۔ اللہ پاک نے خود قرآن میں حضور ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا: ”انک میت وانہم میتون“ اور دوسری جگہ فرمایا: ”افان مات او قتل“ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد مجمع صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطاب کر کے فرمایا تھا: ”من کان منکم یبعد محمدًا فان محمدًا قد مات“ (محمد کفایت اللہ کان اللہ کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۰۲ کتاب العطاء طبع دار الاشاعت)

دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ہاں! اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا کہ حضور ﷺ کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطلہ ہے۔ اول یہ کہ حضرت رسالت مآب قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ اہل السنۃ والجماعہ کا مذہب ہے تو پھر آپ ﷺ کی روح مبارک کا مجلس میلاد میں آیا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے اگر مفارقت کر کے جانا جائے تو آپ ﷺ کا قبر اطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے تو یہ صورت علاوہ اس کے کرے ثبوت ہے باعث توہین ہے نہ موجب تعظیم۔ الخ!

۲..... مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ (المتوفی ۱۴۰۰ھ): فقیہ الامت مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ اپنی قبر میں جی (زندہ) ہیں اور قبر شریف پر سلام پڑھا جائے تو سنتے ہیں بلکہ دور دراز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے والوں کا سلام آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔

(فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۲۸۲، کتاب العطاء طبع اشتیاق، مشتاق پریس لاہور)

۳..... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ): حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حضور ﷺ کے حیات کے متعلق فرماتے ہیں: حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود یعنی جسد مع طلسم الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے: ”ان نبی اللہ حی فی قبرہ یرزق (او کما قال)“ اللہ کے نبی اپنی قبروں میں زندہ ہیں رزق پاتے ہیں کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق پہنچتا ہے مگر یاد رہے کہ اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جس کو حیاۃ برزخیہ کہتے ہیں۔ (بحوالہ اشرف الجواب ص ۲۸۸، ۲۸۹ طبع مکتبہ الحسن) اور دوسری جگہ پر فرماتے ہیں کہ بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں۔ (بحوالہ اشرف الجواب ص ۲۹۱ مکتبہ الحسن)

نوٹ: اشرف الجواب اگرچہ حضرت تھانوی کی تصنیف و تالیف نہیں ہے بلکہ یہ صوفی علی محمد صاحب کی تالیف ہے جو کہ ٹوبہ فک سنگھ کے رہنے والے تھے اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے خلیفہ مجاز تھے۔ (بحوالہ علماء دیوبند کا عقیدہ حیاۃ النبی اور مولانا عطاء اللہ بند یالوی ص ۹۴ مولانا عبدالحق خان بشر نقشبندی) لیکن مماتی حضرات اس کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اس لئے ہم نے بھی اس کا حوالہ دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اشرف الجواب سے بھی مماتی حضرات کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

اور تیسری جگہ پر فرماتے ہیں: اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء اکرام علیہم السلام اور شہداء بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعد موت ظاہر کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔ پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء اور پھر معمولی مردے بحوالہ بیان القرآن ج ۱ ص ۸۸ طبع ایچ ایم سعید تحت ”قوله تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات الایۃ“

اور چوتھی جگہ پر فرماتے ہیں: مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسد کو کھاسکے۔ پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

فائدہ: پس آپ ﷺ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لئے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل و اقویٰ ہے۔

(نثر الطیب فی ذکر النبی الحسب ﷺ ص ۱۲۳۳ طائیسویں فضل طبع ایچ ایم سعید کمپنی)

۴..... حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ: شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حیاۃ الانبیاء کے متعلق علماء دیوبند کا عقیدہ بیان کرتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات کے متعلق علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں یہ عقیدہ نہ صرف علماء دیوبند کا ہے بلکہ تمام امت کا ہے۔ (کشف الہاری ج ۱ ص ۱۲۵ کتاب المغازی طبع مکتبہ فاروقیہ)

۵..... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۹۴ھ): شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

محمد اور یس کا نہ حلوی پیچیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تمام اہل سنت والجماعت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادت میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات عامہ مومنین اور کفار کو بھی حاصل ہے۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۴۹ طبع فرید ہک ڈپو پرائیویٹ لیٹڈ)

۶..... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۶ھ): فخر المحدثین زبدۃ العارفین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اپنا ذاتی اور اپنے مشائخ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالة ﷺ حسی فی قبرہ الشریف و حیوۃ ﷺ دنیویۃ من غیر تکلیف و ہی مختصۃ بہ ﷺ و بجمیع الانبیاء علیہم السلام والشہداء لابرزخۃ کما ہی حاصلۃ لسانر المومنین بل لجمیع الناس“ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے (تو وہاں عبارت میں دنیویہ ہے یہاں پر ترجمہ میں دنیا کی سی ہے اور یہ اس لئے کہ تشبہ من کل الوجوہ نہیں ہوتی) بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”ان نبی اللہ ﷺ حسی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احياء فی قبورہم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابہا کما لا فرق فی حضورہ و غیبتہ فی زمان حیاتہ ﷺ ولہذا لعلہ لم یذهب الیہ احد من الانمۃ“ یقیناً نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسا کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں اس میں کوئی فرق نہیں وہ زمین کے اوپر دکھائی دیں یا پردہ زمین میں استراحت فرما ہوں (وہ زندہ یقیناً ہیں) جیسے کہ آپ ﷺ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ ﷺ کے حاضر ہونے یا غیب ہونے میں (زندہ ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہ تھا)

ایک جگہ پر لکھتے ہیں: ”ان الانبیاء فی قبورہم احياء“ یقیناً انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (بذل المہود ج ۵ ص ۲۸۳ کتاب الصلوٰۃ باب التعمد طبع ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۷..... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۷۷ھ): رئیس المحدثین امام المجاہدین شیخ الاسلام والمسلمین استاذ الہند والہجاز حضرت سید حسین احمد مدنی علیہم السلام فرماتے ہیں: آپ ﷺ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین و شہدا کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔

۸..... حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۹ھ): رئیس المتکلمین و خاتم المحققین

محدث کبیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت ﷺ کی حیات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وہو حسی فی قبر الشریف ولحوم الانبیاء حرام علی الارض کما ورد بہ الاثر“ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم زمین پر حرام ہیں جیسا کہ یہ حدیث میں آیا ہے۔

(فتح الہم ج ۲ ص ۷۹۸ کتاب الجنائز باب ما جاء فی الصلوٰۃ علی العہد و بیان اقوال العلماء فی ذالک و تحقیق ما ہوا الحق)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”ان النبی ﷺ حی کما تقرر وانه یصلی فی قبرہ باذان واقامة“ بے شک نبی اکرم ﷺ (اپنی قبر شریف) میں زندہ ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا اور بے شک آپ ﷺ اپنی قبر میں اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔

(فتح المہم ج ۳ ص ۴۱۹ کتاب الحج فضل مکہ و مدینہ و انہما الفضل من الاثر اقوال العلماء فی الفضلۃ القبر الشریف طبع المکتبۃ (الرشیدیہ) اور تیسری جگہ فرماتے ہیں: ”اما بعد وفاته فروحہ المقدسہ ﷺ قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیہم السلام ولا یتوہم من هذا انکاد حیاته فی قبرہ الشریف فان لروحہ ﷺ اشرافا علی البدن المبارک المطیب و اشراف تعلق بہ و بدنہ فی صریحہ عند مفقود و اذا سلم علیہ المسلم رد اللہ علیہ روحہ حی یرد علیہ السلام کما ورد فی الحدیث ولم یفارق فی الملاء الاعلیٰ ومن کشف ادراکہ و غلظت طباعہ عن هذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلہا“ وفات شریفہ کے بعد آپ ﷺ کی روح مقدسہ دوسرے انبیاء کی ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے لیکن اس سے آپ ﷺ کے اپنی قبر شریف میں زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے کیونکہ آپ ﷺ کی روح اقدس قبر میں رکھے بدن پاک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اس کی اس پر روشنی پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق قائم ہے آپ ﷺ کا بدن مبارک سے ہرگز غائب نہیں ہوا اور جب بھی کوئی مسلمان آپ ﷺ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح اقدس کو آپ ﷺ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ اعلیٰ علین سے جدا نہیں ہوتے جس کا ادراک کشف ہو اور اس کی فطرت ایسے حقائق کے ادراک کرنے میں غلیظ ہوا سے سورج کو اس کے علو کل میں دیکھنا چاہئے۔ (فتح المہم ایضاً ص ۴۱۹ طبع المکتبۃ الرشیدیہ)

۹..... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۲۳ھ): فخر الحدیثین قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد جاری نہ ہونے کے متعلق فرماتے ہیں: ”ولان النبین صلوات اللہ علیہم اجمعین لما کانوا احياء فلامعنی لتوریت الاحیاء منهم“ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام سب کے سب زندہ ہیں اس لئے ان کی آگے وراثت چلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(الکوکب الدر ج ۱ ص ۴۲۳ باب ما جاء فی برکۃ النبی ﷺ طبع المکتبۃ الجہریہ سہارنپور)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں نبی اللہ حی یرزق اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آپ حیات میں بمالامزید علیہ ثابت کیا ہے۔ (ہدایۃ العہد ص ۱۸)

تیسری جگہ پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کسی قبر پر جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں اختلاف علماء کا ہے بجز سماع موتی اس کے جواز کے مقرر اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے اس کو مستحکم کو ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔ (فتویٰ رشیدیہ ص ۱۲۳ طبع محمد علی کارخانہ اسلامی کتب خانہ)

۱۰..... حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۱ھ): امام کبیر محدث شہر ابن حجر ثانی حضرت مولانا العلامة الشیخ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یُرید بقولہ الانبیاء احياء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط“ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کہ: ”انبیاء کرام زندہ ہوتے ہیں کا مطلب یہ ہے کہ فقط ارواح زندہ ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص انبیاء (روح و بدن کے) مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔“

(تحیۃ الاسلام شامل مجموعہ رسائل الکشمیری ج ۲ ص ۱۱۹ طبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ)

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”ولعل المراد بالحديث الانبياء احياء في قبورهم يصلون انهم ابقوا على هذه الحالة ولم تسلب عنهم فلا يرد ان الروح بنفسه يستطيع الصلوة ورد السلام فكيف وجه في الحديث بقاء الحياة بفعل الصلوة وكذا رد السلام برد الروح“ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں شاید اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ انبیاء کرام اسی حالت (باشغال یا مال علیہ) پر باقی رکھے گئے ہیں اور قافرا الحیات ہو کر اشتغال باعمال طیبہ کی یہ کیفیت ان سے سلب نہیں کی گئی۔ یہ خیال نہ ہو کہ روح اکیلی اداء نماز اور جواب سلام کی استطاعت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو حضور ﷺ نے حیات النبی ﷺ کے ساتھ ان کے فعل نماز کو اور روح لوٹنے (متوجہ ہونے کے ساتھ) جواب سلام کو دابستہ نہ فرمایا ہوتا۔

(تحیۃ الاسلام شامل مجموعہ رسائل کشمیری ج ۲ ص ۱۳۰)

اور تیسری جگہ فرماتے ہیں: ”قوله نبی اللہ حی یرزق و احياء فی قبورهم يصلون تسرد فی ذکر الحیاء افعالها لا صلها اور ادمع الاجساد فان اجسادهم حرمت على الارض“ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں یہ احادیث فرق حیات کا بیان نہیں کرتیں بلکہ افعال حیات (زندوں والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا یوں کہتے کہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔ (تحیۃ الاسلام شامل مجموعہ رسائل الکشمیری ج ۲ ص ۱۲۵)

۱۱..... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۱ھ): حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ حیات الانبیاء کے متعلق اپنا ذاتی اور اپنے اکابر کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”میرا اور میرے اکابر عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ روضہ اطہر میں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیات برزخی ہے۔ آنحضرت ﷺ پیش درود و سلام پیش کرنے والوں کو سلام کا جواب دیتے ہیں اور وہ تمام امور جن کی تفصیل اللہ ہی کو معلوم ہے بجالاتے ہیں آپ ﷺ کی حیات کو حیات برزخیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حیات برزخ میں حاصل ہے۔“ پھر اس حیات کا تعلق روح اور جسد دونوں کے ساتھ ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱۰ ص ۵۱۹ طبع مکتبہ لدھیانوی)

۱۲..... حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۵۳ھ): صدر الافاضل فخر الاماثل جامع شریعت و طریقت حضرت العلامة الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ مشہور و معروف اور جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ علماء دیوبند حسب عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ برزخ میں انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی اپنی پاک قبروں میں حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے اجساد کے ساتھ ان کی ارواح مبارک کا ویسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دنیوی زندگی میں قائم تھا۔ وہ عبادت میں مشغول ہیں نمازیں پڑھتے ہیں انہیں

رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوة و سلام بھی سنتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ!

(خطبات حکیم الاسلام ج ۸ ص ۷۳۷ مسئلہ حیات النبی سے متعلق اجمالی مسلک طبع کتب خانہ مجیدہ ملتان)

۱۳..... حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مسیح (م ۱۹۹۷ء): حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مسیح فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ کا اپنی قبر مبارک میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی منور قبور میں زندہ ہونا جمہور امت کے مسلمات میں سے ہے۔“ (معارف الحدیث کتاب الحج ج ۱ ص ۵۸ حصہ چہارم طبع دارالاشاعت)

۱۴..... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مسیح (م ۱۳۹۶ھ): زبدۃ العلماء ندرة الادباء حضرت مولانا الحاج مفتی محمد شفیع مسیح رحمۃ کائنات پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم رسالۃ رحمت کائنات معتقد مولانا محمد زاہد الحسینی تقریباً پورا مطالعہ کیا حیات انبیاء کا مسئلہ نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کے مطابق جمع کر دی ہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمادیں۔“ (بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دارالعلوم کراچی ۱۴ رجب الثانی ۱۳۷۸ھ)

(رحمت کائنات ص ۳۰، ۳۱ طبع دارالاشاعت)

اور پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں۔ مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازدواج مطہرات دوسروں کے نکاح میں نہیں آ سکتی۔ پس اس حیات میں سب سے قوی تو انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء اور پھر اور معمولی مردے۔“

(معارف القرآن ج ۱ ص ۳۹۷ تحت قوله تعالى ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات... الآية)

۱۵..... مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ تعالیٰ: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ تعالیٰ حیاۃ الانبیاء پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”بالجملة فان هذه الاحاديث مع حديث الباب تدل على كون الانبياء احياء بعد وفاتهم وهو من عقائد جمهور اهل السنة والجماعة“ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس باب کی حدیث کے ساتھ یہ احادیث دلالت کرتی ہیں۔ اس پر کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں یہ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد میں سے ہے۔ (مکملۃ فتح الہدایہ ج ۵ ص ۳۰ کتاب الفضائل مسئلہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام)

۱۶..... حضرت مولانا محمد زکریا مسیح (م ۱۴۰۶ھ): زبدۃ المحدثین شمس العارفین شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا مسیح من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته۔

اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ”اس روایت میں حضور اقدس ﷺ کے خود سننے میں کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔“ علامہ سخاوی نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ زندہ ہیں اپنی قبر شریف میں اور آپ ﷺ کے بدن اطہر کوزمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع ہے۔

۱۷..... حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مسیح (م ۱۳۹۴ھ): فخر المحدثین و الفقہاء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مسیح و آنحضرت ﷺ کی حیاۃ بعد الوفا پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ولا شک فی حیاته ﷺ بعد وفاته و کذا سائر الانبياء علیہم السلام احياء فی قبورهم حیاۃ اکمل من حیاۃ الشہداء“

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ایسی حیات کے ساتھ زندہ ہیں جو شہداء کی حیات سے اکمل ہے۔

(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۰۱ کتاب الحج ابواب الزیارات القبر باب زیارة قبر النبی ﷺ قبل الحج اوبعدہ)

۱۸..... حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ: مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ تسکین الصدور پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بعد المات کا مسئلہ صاف و متفقہ مسئلہ تھا۔ شہداء کی حیات بنفس قرآن ثابت تھی اور دلالت النص سے انبیاء کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی اور احادیث نبویہ سے عبارت النفس کے ذریعے ثابت تھی۔ (تسکین الصدور ص ۲۲، ۲۳ طبع مکتبہ صمدیہ جنوری ۲۰۰۷ء)

۱۹..... حضرت مولانا الشیخ محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ: محمد قاسم نانوتوی آنحضرت ﷺ کی ملک میں وراثت جاری نہ ہونے پر کلام کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ بلکہ تمام انبیاء بالیقین قبر میں زندہ ہیں تو اس میں آپ کی ملک زائل ہونے پر نہیں پائی جو وارثوں کی ملک اس کے قائم مقام ہو بلکہ جیسے ہم تو کہیں چلے جائیں یا چند بے کسی گوشہ میں بیٹھ رہیں اور ہمارے لواحق وغیرہ ہماری اشیاء کو برتیں تو اس سے ہماری ملک زائل نہیں ہوتی اور ہر فتنے والے وارث مالک نہیں ہو جاتے ایسے ہی رسول اللہ ﷺ بھی گوشہ قبر میں پنہاں ہو گئے ہیں اور آپ بدستور اپنی اشیاء و اموال کے مالک ہیں کوئی اور مالک نہیں ہو گیا اور حدیث: ”لأنورث یا تر کناہ و صدقہ“ جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس حدیث کی لم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اب تک بقید حیات ہیں پر شیعہ نہ سمجھیں تو کیا کیجئے۔

(ہدیۃ الشیعہ ص ۳۶۵ آپ کی ملک میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ زندہ ہیں طبع کتب خانہ حقانیہ کارڈن دوڑ پولیس ہیڈ کوارٹر) اسی طرح دوسری جگہ پر لکھتے ہیں: ”انبیائے کرام علیہم السلام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔“ (لٹائف قاسمیہ ص ۳ بحوالہ مقام حیات)

پھر لکھتے ہیں: ”انبیاء کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے پر حسب ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت وانہم میتون تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور انام ﷺ کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔“ (لٹائف قاسمیہ ص ۴ بحوالہ مقام حیات)

پھر آب حیات میں ایک جگہ پر مرقوم ہے: ”رسول اللہ ﷺ ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزلت گزریں ہیں۔ جیسے ان کا حال قابل اجرائے حکم میراث نہیں ہوتا۔ ایسے میں آپ کا مال بھی محل توریت نہیں۔“ (لٹائف قاسمیہ ص ۴ بحوالہ مقام حیات)

اور جمال قاسمی میں فرماتے ہیں: ”سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قبا میں ہے اور اسی لئے ان کی زیارت بعد وفات بھی ایسی ہے جیسے ایام حیات میں اور ”احیاء“ کی زیارت ہوا کرتی ہے۔“

(جمال قاسمی ص ۱۶ بحوالہ مقام حیات)

اور اجوبہ اربعین میں ایک جگہ پر رقمطراز ہیں: ”القصہ حیات جسمانی انبیاء علیہم السلام کا بعد موت بھی اقرار ضروری

ہے۔“ (اجوبہ اربعین ص ۳۰۰ حیات انبیاء علیہم السلام میں تعلق روح مع الجسد بعد اس کے آثار طبع ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم)

مما تہوں کے کچھ اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض نمبر ۱: حیاۃ الانبیاء کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اس قول: ”اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم

تمت فی منامہا فینسک الی قاضی علیہا الموت ویزیل الاخری الی اجل مسئمی“ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی نیند کے وقت اور ان جانوں کو قبض کرتا ہے جو نہیں مرتیں ان کی نیند میں سو روک لیتا ہے ان جانوں کو جن پر وہ موت کا فیصلہ کر چکا ہے اور دوسری جانوں کو مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے تو جن پر موت واقع ہوئی ہو ان کے ارواح کو اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور چھوڑتا نہیں اس کے ابدان کی طرف اور انبیاء علیہم السلام کی حیات کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کی ارواح ان کے ابدانوں میں داخل ہوں یا ان کی ازواج ان کے ابدان کے ساتھ قوی تعلق ہو اور ان کی ارواح نے ان کے ابدان کی طرف عود کی ہو اور یہ سب اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: اس اعتراض کے کئی جوابات ہیں۔

پہلا جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ابدان کی طرف ان کے ارواح کو روک رکھتے ہیں۔

دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ اس میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں تو اگر اس میں آیت کا مطلب یہ تھا کہ جن پر موت کا وقوع ہوا تھا ان کے ارواح کو اللہ تعالیٰ روک رکھتے ہیں اور ان کی ارواح ان کے ابدان کی طرف عود نہیں کرتیں تو آنحضرت ﷺ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ: ”تعاد الروح الی جسده“ حالانکہ آنحضرت ﷺ سید المفسرین ہیں۔

تیسرا جواب: تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس آیت سے مراد عدم عود روح الی الجسد کی نفی تھی تو امام الائمة امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور محدثین و فقہائے کرام اور حضرات متکلمین عود روح الی الجسد کے ہرگز قائل نہ ہوتے۔ حالانکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسے عظیم شخصیات بھی اعادہ روح الی الجسد کے قائل تھے۔ کما مر!

چوتھا جواب: چوتھا جواب یہ ہے کہ مفسرین کرام ارواح کو روکنے کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ارواح ابدان میں تصرف نہیں کرتیں۔ چنانچہ مشہور علامہ آلوسی رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ای یقبضها عن الابدان بان یقطع تعلقها تعلق التصرف فیہا عنہا“ یعنی اللہ تعالیٰ ارواح کو ابدان سے قبض کرتا ہے۔ بایں طور کہ ابدان میں ارواح کے تصرف کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ (روح البانی ج ۱۸ الجزء الرابع والشرح من مے دار الفکر)

دوسرا اعتراض: ”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ یَقْتُلُ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْواتٌ بَلْ اَحْیَآئِ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ

(البقرہ: ۱۵۴)“ عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ پر دیوبندی جو سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۵۴ پیش کرتے ہیں یہ تو شہید کے بارے میں ہے یہ نبی ﷺ کے لئے کیسے دلیل بن سکتی ہے۔

جواب نمبر ۱: یہ آیت مہارکہ اگر شہید کو قبر میں زندہ مان لیں تو آدھا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

جواب نمبر ۲: حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ شہید ہو کر فوت ہوئے ہیں جس طرح یہ آیت شہید کے بارے میں تو اس طرح نبی ﷺ میں شہید بن کر اس آیت کی خوشخبری میں شامل ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ ج ۲ ص ۶۳۷ مستدرک کتاب المغازی ج ۳ ص ۶۱، ۶۰، رقم الحدیث ۹۸/۹۸۳۳)

تیسرا اعتراض: اس آیت میں نبی ﷺ کا نام موجود نہیں پھر کیسے دلیل بنے گی۔

جواب: یہ تو ایسا فضول سوال ہے کہ اگر کوئی بے وقوف آدمی بھی نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ تو ایسے ہے جیسے کوئی پاگل کہے کہ ماں باپ کو اللہ نے اف کہنے سے منع تو کیا۔ ”فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أَفْ وَلَا تَنْهَرْهُمَا“ مگر گالی دینے کا منہ پر جوتی مارنے سے منع تو نہ کیا تو اسے جواب دیا جائے گا کہ ارے پاگل منع کرنے میں گالی کا لفظ نہیں اف کا لفظ ہے اور اف چھوٹی چیز ہے اور گالی بڑی چیز ہے جب چھوٹی چیز منع ہے تو گالی دینا اس سے بڑھ کر منع ہے۔ بالکل اسی طرح اس آیت میں نبی ﷺ کا لفظ تو نہیں ہے شہید کا لفظ سے شہادت چھوٹی چیز اور نبوت بڑی چیز ہے جب شہید زندہ ہے تو نبی کا رتبہ شہید سے بڑا ہے۔ لہذا وہ اس سے بڑھ کر زندہ ہے کیونکہ شہید نے نبی ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے اور حضور ﷺ کی شریعت کو دل و جان سے تسلیم کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو شہادت کے بعد زندہ فرما دیا مگر حضور ﷺ تو خود کلمہ اور شریعت امت کو دینے والے ہیں۔ یقیناً حضور ﷺ کا مرتبہ شہداء سے بہت زیادہ ہے۔

صحاح ستہ میں حدیث پاک کی سب سے بڑی کتاب صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانی عقیدہ حیات الانبیاء کو سمجھاتے ہوئے یوں فرماتے ہیں: ”وَقَدْ ثَبَتَ بِهِ النُّقْلُ قَوْلُ ذَلِكَ عَلَى حَيَاتِهِمْ قُلْتُ وَإِذَا ثَبَتَ أَنَّهُمْ أَحْيَاءُ مِنْ حَيْثُ النُّقْلُ فَإِنَّهُ يَقُوبُهُ مِنْ حَيْثُ النَّظَرُ كَوْنُ الشُّهَدَاءِ أَحْيَاءَ بَعْضُ الْقُرْآنِ وَالْأَنْبِيَاءِ أَفْضَلُ مِنَ الشُّهَدَاءِ“ (فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب الأحادیث الانبیاء باب والذکر فی الکتاب مریم ج ۶ ص ۴۸۸)

چوتھا اعتراض: حضور ﷺ کی جب مرض الوفا تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اللهم الرفیق الاعلیٰ“ تو آپ کس طرح دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اس مدفن ارض میں زندہ ہیں۔

جواب: اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ بیخ پیری حضرات فرماتے ہیں کہ عقیدے کا قرآن سے ہونا ضروری ہے اور یہ تو قرآن نہیں ہے اور اس حدیث کی روایت کرنے والی..... اور صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں یہ تو خبر واحد ہوئی اور خبر واحد سے عقیدے کا ثبوت نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس حدیث کی روایت کرنے والی خود موت فی القبر کی شامل تھیں جیسے کی شفاء القام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول منقول ہے کہ ہمسائے دیوار میں میخ ٹھوک رہے تھے تو کھٹ کھٹ کی آواز آرہی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ کھٹ کھٹ کی آواز سے حضور ﷺ کو پریشانی ہو رہی ہے تو اب سلام کرنا یہ ہے کہ آیا یہ پریشانی اس قبر میں ہو رہی تھی یا کسی اور جگہ پر اور جب حضور ﷺ دنیا سے رحلت فرما چکے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مختصر پردہ پر اکتفاء کرتی تھیں اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور حضور ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہوئے تو اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی زیارت کر کے لئے جاتی تھیں تو پھر مکمل پردہ کرتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کی وجہ ہے کیونکہ وہ نامحرم تھے۔

تیسرا جواب: تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ خود حضور ﷺ کی حیات فی القبر کے قائل تھے اور اس طرح کہ جب حرہ کا واقعہ پیش آیا تو مسجد نبوی کے دروازے بند کر دیئے گئے اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اندر رہ گئے وہ فرماتے ہیں کہ رات کو نماز کے وقت کا پتہ نہیں چلتا تھا تو حضور ﷺ کے روضہ مبارک سے باقاعدہ اذان کی آواز آتی تھی اور میں نے یہ آواز اپنے کانوں سے سنی ہے تو آیا اس حدیث کا معنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ زیادہ جانتے تھے یا بیخبری حضرات؟

چوتھا جواب: چوتھا جواب یہ ہے کہ جب حضور ﷺ کی مرض الوفا تھی اور مرض الوفا میں حضور ﷺ نے یہ الفاظ جو فرمائے تھے کہ: ”اللہم الرفیق الاعلیٰ“ تو یہ الفاظ نہ صرف روح نے کہے تھے اور نہ صرف جسم نے اور نہ جسم مثالی نے بلکہ یہ الفاظ روح مع الجسد نے جو کہ عصری جسد ہے اس نے کہے تھے تو جہاں پر یہ دونوں پہنچے ہوں وہی رفیق الاعلیٰ ہے اور وہ جگہ روضہ من ریاض الجنۃ ہے۔

پانچواں اعتراض: علامہ ابن قیم رضی اللہ عنہ نے تو لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی روح اعلیٰ علین رفیق اعلیٰ میں ہے۔

جواب: علامہ ابن قیم رضی اللہ عنہ اس کے باوجود حضور ﷺ کی حیات کے قائل تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ”معلوم بالضرورة ان جسدہ ﷺ فی الارض طبری مطری وقد سالہ الصحابة کیف تعرض صلوٰتہ علیک وقد اومت؟ فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء ولو لم یکن جسدہ فی صریحہ اجاب بهذا الجواب وقد صح عنه ان اللہ وکل بقبرہ الملائکة یبلغونہ عن امتہ السلام وصح عندہ انہ خرج بین ابی بکر وعمر وقال ہکذا انعت ہذا مع القطع بان روحہ الکریمۃ فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علین مع ارواح الانبیاء بالروح ہناک ولہا اتصال بالبدن فی القبر و اشراف علیہ وتعلق بہ بحیث یصلی فی قبرہ و یرد و سلام علی من سلم علیہ وہی فی الرفیق الاعلیٰ“ یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ حضور ﷺ کا جسد اطہر بالکل تروتازہ روضہ منورہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ ﷺ سے صحابہ کی وفات کے بعد حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے لئے پیش ہوتا رہے گا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے اگر آپ ﷺ کا جسد اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا تو ہرگز یہ جواب نہ فرماتے۔ اسی طرح حضور ﷺ سے یہ بھی صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کے روضہ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر رکھے ہیں جو آپ ﷺ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔ یہ بھی آپ ﷺ سے صحیح طور ثابت ہے کہ حضور ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے ان سارے حقوق کے ساتھ یہ بات قطع ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ علین ہیں رفیق اعلیٰ میں ہے۔ جہاں دوسرے انبیاء کرام کی ارواح مقدسہ ہیں۔ پس روح کو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روح و بدن ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

(کتاب الروح لابن قیم الجوزیہ ص ۷۵ طبع ابن حزم بیروت لبنان)

چھٹا اعتراض: قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ: ”ثم انکم بعد ذلک لمیتون“ پھر تم دیوبندی موت

النبی کی بات کیوں کرتے ہیں۔

پہلا جواب: قرآن کریم میں یہ سورۃ المومنون کی آیت نمبر ۱۵ ہے۔ اس آیت مبارکہ میں صرف اتنی سی بات ہے کہ دنیا کی زندگی ختم ہو جائے گی اور انسان وفات پا جائے گا اور دنیا میں وفات کا کوئی مکر نہیں۔ اس آیت کو حضور ﷺ کی قبر والی زندگی پر فٹ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قبر مبارک کی زندگی بھی تو شریعت سے ثابت ہے۔

جواب نمبر ۲: یہ آیت اس نبی پاک ﷺ پر اتری جس نے یوں فرمایا ہے: ”عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ“ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

مما تھوں سے سوال: اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر قرآن مجید کی اس آیت سے قبر کی حیات کا انکار اور وفات کا ثبوت ہے تو کیا جب نبی پاک ﷺ نے یہ حدیث بالا ارشاد فرمائی تو آپ ﷺ کے سامنے یہ قرآن کی آیت نہ تھی۔ فما هو جوابکم فہو جوابنا!

ساتواں اعتراض: آپ کا یہ دعویٰ کہ بہت کو عذاب و ثواب اسی گڑھا میں دیا جاتا ہے (جس کو آپ قبر سے تعبیر کرتے ہیں) تو جب بہت کو درندے وغیرہ کھائیں تو اس کو عذاب کیسے دیا جاتا ہے۔

جواب: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی عمارت سے پیش کر دوں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وما ينبغي ان يعلم ان عذاب القبر هو عذاب البرزخ فكل من مات وهو مستحق للعذاب ناله نصيبهم قبر او لم يقبر كلهم فلو اكلته السباع او احرق حتى صار رمادا او نسف في الهواء او صلب او اغرق في البحر وصل الى روحه بدنه من العذاب ما يصل الى القبور“

(الروح ص ۷۴ فصل عذاب القبر بما له من مستحق له)

اعتراض نمبر ۸: قرآن پاک سورۃ یسین آیت نمبر ۲۶ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شہید کو یوں فرمایا: ”قيل ادخل الجنة (الاية)“ کہ جنت میں داخل ہو جاؤ دیکھو اس آیت سے تو پتہ چلتا ہے کہ شہید فوراً جنت میں چلا جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیل کا لفظ اتارا ہے جس کا مطلب ہے کہ اسے کہہ دیا گیا جو کہ ماضی کا لفظ ہے گزشتہ زمانے کی بات ہے تو اس کا مطلب ہوا کہ جنت میں داخل ہو چکا ہے پھر تم کیسے کہتے ہو کہ قبروں میں زندہ ہے۔

جواب: اہل السنۃ والجماعت قرآن کریم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مفسرین قرآن جو کہ علم تفسیر میں ماہر ہوتے ہیں ان کی تشریح کے مطابق مانتے ہیں۔ مثلاً حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں یوں فرماتے ہیں: ”قال جماعة معنى قيل ادخل الجنة وحب لک الجنة فہو خبر بانہ قد استحق دخول الجنة لان دخولها يستحق بعد البحث“ قیل ادخل الجنة کہ جنت میں داخل ہو جاؤ مفسرین کی جماعت نے اس آیت کی تفسیر یوں بتائی ہے کہ شہادت کا رتبہ پالینے کے بعد شہید جنت کے ٹھکانے کا مستحق بن جاتا ہے اور جنت میں داخلہ قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا۔ دیکھو اس تفسیر نے مسئلہ سمجھانا آسان ہے کر دیا کہ جنت میں داخلہ قیامت کے دن قبروں سے اٹھنے کے بعد ہی ہوگا۔ کیونکہ مومن کی قبر تو صرف جنت کا باغ ہوتی ہے یعنی جنت کی نعمتوں سے نعمت حاصل کرنے کے لئے مومن کی قبر میں ایک جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے گویا وہ قبر جنت کی ایک برائج (شاخ) بن جاتی ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن تفسیر القرطبی سورۃ یسین آیت نمبر ۲۶ ج ۱۵ ص ۱۹ دار الکتب المصریہ)

جواب نمبر ۲: ہمارے نزدیک بھی شہید فوراً جنت میں چلا جاتا ہے یعنی اس کی قبر میں جنت کو پیش کیا جاتا

ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الجنائز باب المیت یرض علیہ مقعدہ بالغداة والعشی ج ۱ ص ۱۸۲ قدیمی کراچی)

جواب نمبر ۳: یہاں سے مراد ہے کہ شہید کی روح جنت چلی جاتی ہے اور روح کا جسم سے تعلق ہوتا ہے۔

جواب نمبر ۴: ماضی کے لفظ سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ کام ہو چکا ہے بلکہ قرآن پاک میں بہت جگہ قیامت کو ماضی کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ حالانکہ قیامت آگے آئے گی جس کا تعلق ماضی سے نہیں بلکہ مستقبل سے ہے جیسے قرآن پاک میں ہے: ”ونفخ فی الصور (یسین: ۵۱)“ کہ قیامت تو آچکی صور پھونک دیا گیا مگر اس کا مطلب مستقبل کا ہے کہ قیامت آئے گی اس لئے شہید کے لئے بھی مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگا یہ اصول ہے کہ مستقبل کی یقینی بات کو ماضی کے الفاظ میں بیان کر دیا جاتا ہے۔

جواب نمبر ۵: جس طرح حدیث میں ہے: ”عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ من شہد ان لا الہ الا اللہ

دخل الجنة“ جس نے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی وہ جنت میں داخل ہو گیا تو کیا لا الہ الا اللہ کہتے ہی بندہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ پس بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک نہ ایک دن جنت میں جائے گا تو اسی طرح شہید بھی قبر سے نکلنے کے بعد جنت جائے گا۔

(۹) اعتراض: قبر سے مراد صرف اوپر عالم برزخ ہے زمین پر کوئی قبر نہیں ہے۔

جواب: جھوٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے قرآن کریم نے کئی آیات میں زمینی قبر کو قبر فرمایا ہے۔ مثلاً:

”وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِہِ“ (اور آپ اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں)

نوٹ: اس آیت میں قبر سے مراد یہی زمینی قبر ہے نہ کہ جبین۔ کیونکہ حضور ﷺ عبد اللہ بن ابی منافق کے

جنازے کے بعد اسی زمینی قبر پر کھڑے تھے نہ کہ جبین ہیں۔

جواب نمبر ۲: ”وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِیَةٌ لَا رَیْبَ فِیہَا وَأَنَّ اللہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُورِ“ بے شک قیامت آنے

والی ہے اور اللہ تعالیٰ سب کو قبروں سے اٹھائے گا۔

جواب نمبر ۳: ”کَمَا یَنْسُ الْکَفَّازِ مِنَ أَصْحَابِ الْقُبُورِ“ وہ آخرت سے یوں مایوس ہو چکے ہیں جیسے

کفار قبروں میں مدفون لوگوں سے مایوس ہیں۔

نوٹ: اگر زمین پر قبریں نہیں ہیں تو پھر مماتی زمین میں اپنے مردے مت دفنائیں بلکہ اپنے مردے

بوری میں ڈال کر درختوں سے لٹکا کریں اور قبرستان کی زمین کو زراعت کے لئے استعمال کریں ملکی وقومی فائدے میں اضافہ ہوگا۔ ہم حیران ہیں کہ جب کوئی جاہل آدمی قبر پر سجدہ کرتا ہے تو اس وقت اہل حق علماء دیوبند اس کو منع کرتے ہیں کہ قبر پر سجدہ کرنا حرام ہے مماتی بھی یہی بات کرتے ہیں کہ قبر پر سجدہ نہیں کرنا چاہئے اور جب بات عقیدہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں آئے تو مماتی زمینی قبر کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ پھر حیرانگی ہے کہ مماتیوں کو آج تک اپنی قبر کا بھی پتہ نہیں چل سکا۔ اگر قبر میں آسمان پر ہوتیں تو پھر احادیث پاک میں قبر نہ گزرے اور سجدہ نہ کرے اور مزید یہ کہ پختہ نہ بنانے کے بارے میں جو احکام میں آئے ہیں ان کا کیا مطلب ہوگا آسمان پر ریت بگری اور سیمنٹ کے ٹرک جائے تو کسی نے آج تک نہیں دیکھے۔

اعتراض نمبر ۱۰: قرآن مجید میں ہے: ”قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا اِثْنَيْنِ وَاٰخِیْنَتْنَا اِثْنَيْنِ فَاَعْتَوْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ

الیٰ خُزُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلِ“ وہ کہیں گے کہ آگے ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی دی اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا (جہنم سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔

اب تم علماء دیوبند سے ہمارا سوال ہے کہ جب کل دو موتیں اور زندگیاں ہیں ایک دنیا والی زندگی اور ایک قیامت والی زندگی اور ایک دنیا کی موت اور ایک پیدا ہونے سے پہلے والی موت مگر قبر والی زندگی مانیں تو پھر تین زندگیاں بن جاتی ہیں اور نہ قرآن کے خلاف ہے۔

جواب: قبر کی زندگی ماننا قرآن کے ہرگز خلاف نہیں ہے بلکہ قبر کی زندگی خود قرآن پاک سے ثابت ہے جس طرح ماں کے پیٹ والی زندگی تیسری زندگی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی کی ابتداء ہے اسی طرح قبر کی زندگی بھی آخرت کی زندگی کی ابتداء ہے کہ نہ ماں کے پیٹ کی زندگی قرآن پاک کے مخالف اور نہ قبر کی زندگی قرآن پاک کے مخالف ہے قبر والی زندگی کوئی آخرت کی زندگی سے الگ نہیں ہے کہ یہ تیسری زندگی بن جائے۔

اعتراض نمبر ۱۱: نبی کی دنیا والی زندگی مانتے ہو یا برزخ والی؟

جواب: وفات کے بعد جو زندگی ملتی ہے اس کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ مثلاً: حیات اخروی حیات قبری، حیات برزخی، وغیرہ کو کیونکہ قبر کی زندگی بھی برزخ کا حصہ ہے جن بزرگوں نے دنیا والی حیات کی بات لکھی ہے تو اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ آپ کا دنیا والا جسم مبارک اپنی قبر میں زندہ ہے آپ کا کوئی نیا اور مزید جسم نہیں جس طرح کچھ نادائق لوگ صرف جسم مثالی کو زندہ مان کر آپ ﷺ کی قبر مبارک والی حیات کا انکار کر دیتے ہیں تو ان کو جواب دینے کے لئے دنیاوی حیات کا لفظ بول دیا جاتا ہے جس پر یہ بات لکھ کر سامنے آج جاتی ہے کہ دنیا والا جسم زندہ ہے ورنہ آپ ﷺ کی قبر اطہر برزخ کا حصہ ہے اور اس قبر میں آپ ﷺ برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔

مماتی عام طور پر اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا بڑا نام لیتے ہیں لیکن زمینی قبر کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا برزخ کا حصہ بتا رہی ہیں۔ (تفسیر المومنین عائشہ صدیقہ ص ۳۸۲ سورۃ المومنون)

اعتراض نمبر ۱۲: قرآن کریم میں ہے حضرت عزیر علیہ السلام ایک بستی سے گزرے تو وہاں پر ۱۰۰ سال

فوت ہو گئے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اٹھا کر پوچھا کتنا عرصہ ہوئے تو عرض کیا ایک دن یا دوبارہ اٹھا کر پوچھا کتنا عرصہ ہوئے تو عرض کیا ایک دن یا آدھا دن اگر نبی ﷺ قبر میں زندہ رہتے تو انہیں ضرور پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۰ سال گزر گئے ہیں۔

جواب: یہ واقعہ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۹ میں موجود ہے مگر کہیں بھی یہ بات لکھی ہوئی نہیں کہ اس بستی

سے گزرنے والے یہ شخص حضرت عزیر علیہ السلام تھے اللہ تعالیٰ نے اس قصہ میں حضرت عزیر علیہ السلام کا نام تک نہیں لیا اور رسول اللہ ﷺ کے تمام فرامین میں گزرنے والے شخص کا نام موجود نہیں بلکہ قرآن پاک نے او کالذی مرّ کالفظ فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے ایک شخص گزرا یعنی اللہ تعالیٰ نے نام ذکر نہیں فرمایا جب قرآن اور حدیث نبوی ﷺ دونوں اس بارے میں خاموش ہیں تو مماتی کس دلیل سے حضرت عزیر علیہ السلام کا لیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۳: بعض تفسیر والوں نے اسرائیلی روایت لکھی ہے کہ اس بستی سے گزرنے والے شخص کا

نام عزیر علیہ السلام ہے۔

جواب: جب تفسیر والوں نے اسرائیلی روایت (جو یہود و نصاریٰ سے معلوم ہو تو اسے اسرائیلی روایت کہتے ہیں) لکھی ہے تو ممتا ہیوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام بنا دیا۔ نعوذ باللہ!

جناب والا جن تفسیر والوں نے لکھا ہے یقیناً وہ مختصر تفسیر میں ان میں صرف ایک ایک قول کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے مختصر تفسیر میں تفصیلی واقعات نہیں لکھے جاسکتے۔ کسی بات کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے اس کی مکمل تفصیل کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ ورنہ بات کی تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے قرآن مجید کی تفصیلی تفاسیر میں واقعہ مکمل موجود ہے۔ مثلاً تفسیر روح المعانی جو ۳۰ جلدوں میں ہے۔ علماء احناف کی سب سے بڑی تفسیر کی کتاب ہے۔ آیت کے اس مقام پر اس کو بھی مطالعہ کر لیا جائے تو بات کھل کر سامنے آ جائے گی اور مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی اور مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا۔ مفتی بغداد مؤلف تفسیر روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ واضح لکھتے ہیں کہ اس بستی سے گزرنے والا شخص کون تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کا نام لئے بغیر یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ واقعہ کی تشریح کرنے والوں کے بیانات باہم مختلف ہیں کچھ لوگوں نے کہا گزرنے والا شخص کافر تھا۔ جو موت کے بعد زندگی ملنے کا منکر تھا (معاف کرنا پرانے زمانے کا کوئی پتھر ہی ہو گا ازناقل)

تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سو (۱۰۰) سال موت دے کر دوبارہ زندہ کیا تا کہ پتہ چلے موت کے بعد بھی زندگی اور حیات ملتی ہے کچھ اور لوگوں کا بیان ہے کہ اس بستی سے گزرنے والا شخص صرف مسلمان تھا یعنی نبی نہیں تھا مزید کچھ اور لوگوں کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک عام شخص تھا اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کی قوم کا عالم تھا۔ وغیرہ وغیرہ!

نوٹ: جب گزرنے والے شخص کے بارے میں اس واقعہ میں اتنا زیادہ اختلاف ہے تو صرف حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لے کر عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کا انکار بیوقوفی ہے۔

اعتراض نمبر ۱۳: کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس واقعہ کی نسبت حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا جواب ہے؟

جواب: جی ہاں! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا بیان نہیں بتلایا بلکہ اسرائیلی روایت ذکر کی ہے اور اسرائیلی روایت کے بارے میں اصول ہے کہ جب شریعت محمدی کے خلاف ہو تو ہرگز اس پر القاء نہیں کیا جائے گا۔ (علوم القرآن ص ۳۴۶ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

نوٹ: جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ اسرائیلی روایت بیان کی ہے وہ سب مقبرہ حیات النبی ﷺ کے قائل تھے۔ مثلاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہدایت منقول ہے تو ان کا واقعہ وہ آیات قرآنی کے زمرے میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی قبر کی زندگی کے قائل ہیں۔

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اسرائیلی روایت بنیاد بنا کر حیات النبی ﷺ جیسے عشق و محبت والے عقیدہ سے منہ پھیر گئے تھے۔ نعوذ باللہ!

مزید وضاحت: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں اس بستی سے گزرنے والے کا نام حضرت عزیر علیہ السلام بتایا گیا ہے۔ ہمارے مطابق یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات پر جھوٹ بولا گیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات اس جھوٹ سے بری ہے بعد میں آنے والے اہل باطل نے یہ روایت خود گھڑی ہے۔ کیونکہ

اسی روایت میں بہت سی غلط باتیں موجود ہیں۔ مثلاً: سو سال کے عرصہ میں حضرت عزیر علیہ السلام کا جسم فنا ہو گیا تھا آکھیں ختم ہو گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے جسم دوبارہ بنایا یہ تمام الفاظ اس واقعہ کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہیں۔ کیونکہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے وفات کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام کا جسم صحیح سلامت رہتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کو مٹی نہیں کھا سکتی۔ (سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تفریع ابواب المجموعہ ج ۱ ص ۱۵۰ ایچ ایم سعید کراچی، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، کتاب الصلوٰۃ و قدیمی کتب خانہ کراچی، سنن ابن ماجہ ص ۱۱۸، کتاب الجنائز باب ذکر وقایع و دفنہ ﷺ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اعتراض نمبر ۱۵: اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس بستی سے گزرنے والے حضرت عزیر علیہ السلام تھے تو آپ کا

کیا جواب ہوگا؟

جواب: دلیل کی دنیا میں حضرت عزیر علیہ السلام کو یہاں سے گزرنے کا ثابت کرنا بہت مشکل کام ہے اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تو مماتوں کے لئے بہت بڑی مصیبت کھڑی ہو جائے گی جس کا جواب مماتی مماتی علت کے بس کی بات نہیں ہے وہ یہ ہے کہ سنن ابی داؤد میں یہ حدیث پاک موجود ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”ادرفی عزیر نبی ہوا ام لا“ مجھے معلوم نہیں کہ عزیر علیہ السلام نبی تھے یا نہیں۔

(سنن ابی داؤد کتاب السنہ ج ۲ ص ۲۸۶)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے نیک بندے ضروری ہیں مگر نبی نہیں جب موت عزیر نبی ہیں نہیں تو پھر سو سال تک پتہ نہ چلنے سے عقیدہ حیات الانبیاء پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اعتراض نمبر ۱۶: اگر حضرت عزیر علیہ السلام نبی ثابت ہو جائیں تو پھر آپ کا دعویٰ ٹوٹ جائے گا۔

جواب: بالفرض اگر نبی بھی ثابت ہو جائیں تو بھی عقیدہ حیات الانبیاء پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے سو سال گزرنے کے بعد ان سے سوال کیا کہ تم کتنا عرصہ رہے تو ان کا جواب تھا ایک دن یا آدھا دن اس بنیاد پر مماتی شور مچاتے ہیں کہ سو سال کے بجائے ایک دن یا آدھا دن کیوں نہیں کہا؟ اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کتنا عرصہ سوئے رہے مراد تھی کہ دنیا کے لحاظ سے کتنا عرصہ بتا ہے تو انہوں نے جواب دیا ایک دن یا آدھا دن ان کی مراد یہ تھی کہ آخرت کے دن کے حساب سے دنیا کے سو (۱۰۰) سال ایک دن یا آدھا دن ہی بنتے ہیں اس کی دلیل قرآن کریم میں یوں ملتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ“ اور یقین جانو کہ تمہارے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے حساب کے مطابق ایک مزار سال کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دنیا کے سو سال آخرت کے دنوں کے مقابلے میں ایک دن یا آدھا دن ہی بنتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے حساب سے سوال فرمایا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے آخرت کے دنوں کے حساب پر جواب دیا سوال بھی ٹھیک اور جواب بھی ٹھیک ہے۔ لہذا حضرت عزیر علیہ السلام کے ثابت ہو جانے پر بھی عقیدہ حیات النبی ﷺ میں فرق نہیں آتا۔

اعتراض نمبر ۱۷: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے حساب سے سوال فرمائیں حضرت عزیر علیہ السلام

آخرت کے لحاظ سے جواب دیں؟

جواب: نیند کو چھوٹی اور موت کی بڑی بہن کہا جاتا ہے ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے دونوں

حالتوں میں جس سے روح نکل جاتی ہے مگر تعلق باقی رہتا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام تازہ تازہ موت یعنی نیند سے اٹھ کر آئے تھے اس لئے آخرت کے حساب سے جواب دے دیا۔

نوٹ: صحیح بخاری میں ہے کہ سوتے وقت یہ دعا پڑھی جائے۔ ”اللہم باسمک اموت واحیاء“ اے اللہ! میں تیرے نام پر مرتا یعنی سوتا ہوں اور تیرے نام پر زندہ یعنی بیدار ہوتا ہوں نیند سے جاگ جاتا ہوں اسی طرح نیند سے اٹھنے پر یہ دعا پڑھی جائے۔ ”الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا“ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ موت کے بعد یعنی نیند کے موت تو نے زندہ کر دیا یعنی جگا دیا۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الوحی فتح الباری ج ۸ ص ۸۸)

اسی لئے نیند اور موت کا لفظ ایک دوسرے پر بولا جاتا ہے تب ہی حضرت عزیر علیہ السلام نے دنیاوی نیند کے عرصے کو آخرت کی زندگی کے مطابق سمجھ کر دیا کہ ایک دن یا آدھا دن یہاں رہا ہوں۔

اعتراض نمبر ۱۸: مولانا احمد سعید دہلوی نے لکھا ہے کہ مردے میں سننے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔

جواب: یہ سوال کرتے وقت مماتیوں کو شرم آنا چاہئے کہ مولانا دہلوی نے یہ بات حضور ﷺ کے لئے انہیں بلکہ عام مردوں کے لئے لکھی تھی بلکہ حضور ﷺ کے لئے خود اپنی کتاب کشف الرحمن ج ۱ ص ۵۹۲ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶۹ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام قبر میں خود سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں تو یہاں بھی حضرت ﷺ کی بات کو ماننا چاہئے عام مردوں کے معاملے میں حضرت دہلوی یاد رہے تو یہاں کیوں بھول گئے۔

اعتراض نمبر ۱۹: فاتحہ کا صحیح طریقہ نامی کتاب پر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی تصدیق موجود ہے اور اس میں لکھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ کے قبر میں مبارک پر سماع نہیں ہے۔

جواب: یہ عبارت اس کتاب کی نہیں بلکہ اس کے کئی سال بعد شائع ہونے والے ضمیمہ کی ہے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی تصدیق کتاب پر ہے نہ ضمیمہ پر اور یہی ضمیمہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی وفات کے ۱۲ سال بعد لکھا گیا جس سے اکابرین علماء دیوبند کوئی واسطہ نہیں ہے یہ بھی پچھلے فائروں کی طرح یہ بھی ایک طرح کا فائر ہے۔

اعتراض نمبر ۲۰: حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ اشاعت التوحید کا عقیدہ تو پسند کرتے تھے۔

جواب: مماتیوں نے حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کے بارے میں غلط تاثر دینے کی کوششیں کی ہیں کہ مفتی صاحب بھی چھتری تھے مگر مماتی ان کی تفصیلی عبارت کو بیخ پر مدرسے میں لگی ہوئی ٹوٹی کا پانی سبجراتی کباب سمجھ کر ہضم کر گئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب بڑے احترام سے عقیدہ حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں۔

..... احادیث سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان کی قبر پر سلام کرتے وقت بعینہ خطاب سلام کیا جاوے السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسنل اللہ کنا ولکم العافیۃ پھر قبر شریف پر صیغہ خطاب سے سلام کرنے سے کیا معنی ہے جب کہ متعدد احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ قبر شریف کے پاس صلوٰۃ والسلام کو حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں۔ ”من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اعلمته“

(فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۳۵۳ کتاب العباد)

..... ۲ حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ نے علماء دیوبند کی دوسری اجماعی دستاویز تسکین الصدور (جو کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ پر تمام مکررین حیات کے لئے زہر قاتل ہے) کو خود لکھوایا اور اس پر تصدیقی دستخط فرمائے۔ (تسکین الصدور ص ۳۶)

..... ۳ عبدل خیل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں آج بھی حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ کی قبر موجود ہے اور اس پر واضح لکھا

ہوا ہے کہ مرقد محمود کہ حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ کے سونے جگہ وفات کے بعد مفتی صاحب کی قبر کی تختی مमतوں کی دھوکہ باز یوں کو تار تار کر رہی ہے۔

اعتراض نمبر ۲۱: فتاویٰ حقانیہ ج ۱ ص ۴۲۱ پر لکھا ہوا ہے کہ مماتی بھی سنی ہیں۔

جواب: فتاویٰ حقانیہ علماء دیوبند کے مرتب کر دیا ہے مگر اس میں قابل احترام مفتی صاحب جو کہ مسلک دیوبند سے قدرے ہٹے ہوئے تھے جن کا نام مفتی محمد یوسف تھا خود اس فتاویٰ حقانیہ میں ج ۱ ص ۹۳ پر انہی مودودی نظریات سے بہت زیادہ متاثر بتایا گیا ہے اور ان کے بارے میں واضح لکھا گیا ہے کہ وہ مودودی نظریات رکھتے تھے بلکہ فرقہ مودودی کا دفاع بھی کرتے تھے۔ اس بناء پر انہیں دارالعلوم حقانیہ سے الگ کر دیا گیا تھا۔ موصوف بھی مفتی تھے اور یہ مमतوں کی طرف سے نقل کردہ فتویٰ بھی ان ہی کے مرہون منت اس فتاویٰ میں موجود ہے۔

مزید اس فتاویٰ حقانیہ ج ۱ کتاب العقائد ص ۱۵۸ پر عقیدہ حیات النبی ﷺ اور سماع النبی ﷺ عند القبر کے واضح الفاظ میں موجود ہونا اور حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتاب آب حیات اور حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کی کتاب المہمد اور مولانا عبدالغفور ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب حیات النبی انبیاء کرام علیہم السلام سے ماخوذ استدلال کیوں نظر نہیں آئے مमतوں نے حوالہ ص ۴۰۳ کا دیا ہے جب کہ ص ۱۵۸ اس سے بہت پہلے آتا ہے اس کو بھی پڑھنا چاہئے تھے اگر نہیں پڑھا تو آپ پڑھ لیں اور سے بمطابق فتاویٰ حقانیہ ج ۱ ص ۱۵۸ حیات قبر و سماع عند القبر والے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ تسلیم کر لے اور اگر مماتی اس فتویٰ سے اختلاف کرتے ہیں تو ص ۴۰۳ بھی اسی کتاب کا صفحہ ہے وہ قابل اعتبار اور کتاب یہ معنی قابل اعتبار کیوں ہے؟ چلتے چلتے لیکن بات اور بھی پڑھ لیجئے کہ اس فتاویٰ میں جو فتح الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے افادات پر مشتمل ہے اور مولانا محمد فرید رحمہ اللہ کے فتاویٰ جات کا اکثر حصہ اس میں موجود ہے اور ان کے حوالہ جات بھی فرقہ مماتی کے متعلق درج ذیل ہے۔ بحمد اللہ! کتاب میں جتنے مسائل کی تنقیح اور تشریح کی گئی ہے سب کو اہل السنۃ والجماعۃ خصوصاً اکابر دیوبند کے مسلک کے مطابق پایا حضرت مفتی فرید نے زربدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ (مماتی) بیخ پیری فرقے سلفی (غیر مقلد) ہیں۔ لہذا ان سے قرآن کریم جیسی عظیم کتاب پڑھنا جائز نہیں۔ (فتاویٰ فریدیہ ج ۱ کتاب فرق باطلہ فی الفرق الاسلامیہ ص ۱۵۴، ۱۵۵)

اعتراض نمبر ۲۲: فتاویٰ بلد الحرام میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ خود سلام نہیں سنتے اور یہ کتاب سعودی

عرب سے چھپ کر آتی ہے۔

جواب: یہ کتاب سعودیہ کے غیر مقلدین (فرقہ اہل حدیث) کی ہے سعودیہ کے اہل السنۃ والجماعۃ حنبلیوں کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ اس فتاویٰ میں امام مسلک اہل السنۃ والجماعۃ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کو بدعتی اور خطا کار لکھا گیا ہے۔ (فتاویٰ علماء بلد الحرام فتاویٰ شریعہ فی مسائل العصریۃ النور الاصلیہ کتاب فتاویٰ العقیدہ ص ۱۶۵، ۱۶۶)

اعتراض نمبر ۲۳: امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تو حنبلی مسلک رکھتے تھے کیا تم لوگ اس فتاویٰ سے حضرت

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف بھی کچھ ثبوت پیش کر سکتے ہو۔

جواب: جی ہاں! حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (احناف کے عقیدہ ایمان کو مرجحہ) (ملعونہ) کا مذہب

قرار دے کر قول باطل کھلی گمراہی خارج از مسلک اہل السنۃ والجماعۃ شریفسادی جیسے الفاظ لکھے گئے ہیں۔

(فتاویٰ علماء بلد الحرام فتاویٰ شریعہ فی مسائل العصریۃ النور الاصلیہ کتاب فتاویٰ العقیدہ ص ۱۱۳، ۱۱۴)

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءُ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (الحدیث)

حقیقہ عذاب قبر

اور

اس کا انکار ایک سنگین غلطی

ترجمہ: مولانا ابوسلمان زرق

مؤلف:

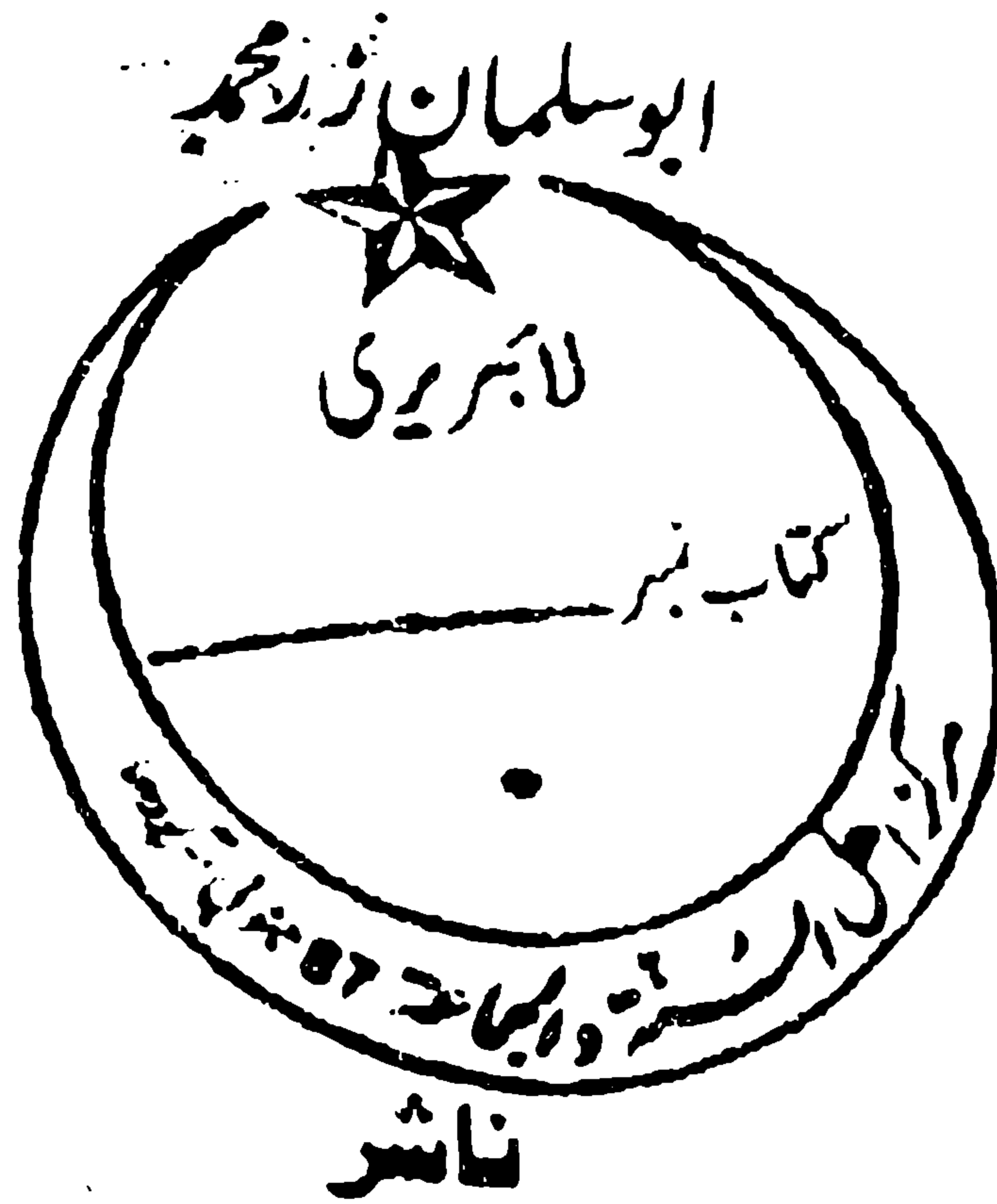
حضرت مولانا ابوسلمان زرق

عقیدہ عذاب قبر

عقیدہ عذاب قبر

اور

اسکا انکار ایک سنگین غلطی



مکتبہ عمر فاروق

شاہ فیصل کالونی نمبر 4 کراچی نمبر 25

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلی فہرست

۴۳۶	(حرفے چند) مولانا ابوسلمان زر محمد
۴۳۷	کچھ کتاب کے بارے میں
۴۳۸	تمہید
۴۴۱	مقل کا دائرہ
۴۴۱	قرآن کریم سے چند دلائل
۴۴۲	مذہب قبر کی وحی قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یا مدینہ منورہ میں
۴۴۶	مذہب قبر (برزخ) اور انجیل لوقا
۴۴۶	قرآن مجید کی کچھ آیات سے غلط فہمی اور اس کا ازالہ
۴۴۷	دین میں حدیث کا مقام
۴۴۸	مذہب قبر اور احادیث نبوی ﷺ
۴۵۱	احادیث مذہب قبر اور علامہ البانی کی تحقیق
۴۵۲	مذہب قبر اور اجماع امت
۴۵۲	مذہب قبر کا منکر کون ہے؟
۴۵۳	اہل سنت والجماعت کے اقوال
۴۵۶	چند اصولی باتیں
۴۵۸	طہرین کا جواب از مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ
۴۶۰	حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی ایک عجیب بات
۴۶۱	حیات فی القبر سے کیا مراد ہے؟
۴۶۱	حیات بعد الموت اور عالم آخرت کی زندگی پر ایک افسانہ کا جواب
۴۶۲	تمام شبہات کو دفع کرنے کے لئے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا ایک جامع جواب
۴۶۳	کچھ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے حوالے سے
۴۷۱	مذہب قبر کے بارے میں قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ کی تحقیق
۴۷۲	روح اور نفس میں فرق
۴۷۳	مذہب قبر اور کچھ عقلی دلائل
۴۷۶	اہل علم کی ایک اہم نصیحت
۴۷۷	مذہب قبر اور مسئلہ تکفیر

۴۷۹	مرتد کی لاش	۴۷۸	عذاب قبر کے عبرت انگیز واقعات
۴۷۹	(۴) گستاخی کا انجام	۴۷۹۰	(۳) گندگی اور چمچل خوری کی سزا
۴۷۹	(۶) خوفناک عذاب	۴۷۹	(۵) کالا سانپ
۴۸۰	(۸) ایک افسر کا دردناک واقعہ	۴۸۰	(۷) قبر کے شعلے اور دھواں
		۴۸۰	آخری گزارش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(حرفے چند)

مولانا ابوسلمان زر محمد

مولانا ابوسلمان زر محمد صاحب نے ۱۴۲۶ھ میں ایک کتابچہ بنام ”عذاب قبر اور اس کا انکار ایک سنگین غلطی“ مرتب کیا۔ جس میں بہت متنوع قسم کا معلوماتی ذخیرہ جمع کر دیا گیا۔ مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی نے شائع کیا، جسے اس مجموعہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (ناشر)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کچھ کتاب کے بارے میں

حقیقت یہ ہے کہ: ”عقیدہ عذاب قبر“ جیسے دقیق اور باریک مسئلے پر قلم اٹھانے کے لئے جس علم کی گہرائی اور وسعت مطالعہ کی ضرورت ہے اس سے احقر قاصر ہے۔

کہاں میں اور کہاں وہ گہت گل نسیم صبح تیری مہربانی
لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ”عذاب قبر“ کا مسئلہ جتنا اہم اور بنیادی ہے اتنا ہی بد باطن اور ملحد لوگوں نے اس کو مورد شبہات ٹھہرا کر ”فتنہ انکار عذاب قبر“ جیسے عظیم گناہ کو اپنے سر لیا ہے، حالانکہ صحیح احادیث اس عقیدے کے اثبات پر ناظر ہیں۔ اسی بات کو محسوس کرتے ہوئے بندہ نے اپنی علمی کم مائیگی کے اعتراف کے ساتھ اس سلسلے میں اہل علم کی ان تحقیقات اور توجیہات کو اس رسالے میں ایک خاص ترتیب دی ہے جو انہوں نے قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت کی روشنی میں پیش کی ہیں اہل علم و تحقیق کی تعبیرات اور توجیہات میں گواختلاف ہو سکتا ہے، لیکن بحیثیت مجموعی جو مشترک بات (Common Element) ہے وہ یہ ہے کہ قبر میں راحت و عذاب کا معاملہ برحق ہے۔ جس سے انکار ایک کملی گمراہی ہے۔

کتاب کی ترتیب کچھ یوں ہے:

.....۱ کتاب کے شروع میں ایک تمہید باندھی گئی ہے، جس میں عذاب قبر کے انکار کے عوامل و اسباب اور دیگر متعلقہ امور کو شامل کیا گیا ہے۔

.....۲ ہر بات کے لئے اصل مصادر و مراجع کے التزام کے ساتھ ساتھ عربی عبارات کے عام فہم ترجمے کی کوشش کی گئی ہے۔

.....۳ اصل مدعی کی وضاحت میں آج کی مادہ پرست دنیا اور نئی نسل کے لئے کچھ منطقی، عقلی اور سائنسی مثالوں کا بھی تذکرہ موجود ہے۔

.....۴ عذاب قبر کی جزوی کیفیت اور کچھ عبرت انگیز واقعات باحوالہ نقل کئے گئے ہیں۔

.....۵ عذاب قبر کا ثبوت چونکہ احادیث میں زیادہ صراحت کے ساتھ ہے، اس لئے ضمناً اسلام میں ”مقام حدیث“ کو بھی مختصراً لکھا گیا ہے۔

نوٹ: عذاب قبر کی کیفیت کو متعین کرنا دشوار ہے یعنی قطعی طور پر اس کی کوئی صورت متعین کرنا کہ جس کے انکار کرنے والے کو کافر کہہ دیا جائے، ناممکن ہے۔ یہی کہا جاسکتا ہے کہ عذاب قبر تو یقینی ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اس کی حقیقت اور کیفیت کا علم اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (ترجمہ: انکار السلفہ بن ص ۶۵)

کتاب ہذا میں عذاب قبر کی کیفیت میں فرق اسلامیہ کے جو مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں ان میں کسی خاص نقطہ نظر کو موضوع نہیں بنایا گیا ورنہ ہی مستقل طور پر کسی دوسری توجیہ کو تنقید کا نشانہ بنا کر تردید کی گئی ہے۔ بالکلہ منکرین عذاب قبر کے مقابلے میں مذاہب فرق اسلامیہ اور نفس مسئلہ کی وضاحت کتاب کا موضوع ہے، تاہم یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ عذاب و ثواب کا تعلق جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر اپنے ان دوستوں کا ذکر نہ کروں جنہوں نے مجھے مفید مشورے دے کر میری حوصلہ افزائی کی، خصوصاً مولانا کمال الدین صاحب کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے کتاب کی ترتیب و تدوین کے دوران مجھے کچھ کتابیں فراہم کر کے بھرپور تعاون سے نوازا اور مصروفیات کے باوجود مسودے کو بالاستیعاب اصلاح کی نیت سے ملاحظہ بھی فرمایا۔

اہل علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنی حد تک کوشش کے باوجود اگر اس رسالے میں کوئی کمی یا غلطی محسوس ہو تو تصویب کی غرض سے مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور بندہ سیاہ کار کے لئے ذخیرہ آخرت بنائیں۔ فقط: بندہ زر محمد غفرلہ

تمہید

آج کے اس پر فتن دور میں دین اسلام کے ہر ہر رکن پر عقلی اعتراضات کا بڑا زور ہے، عقائد و اعمال کے اسرار اور بھید کے معلوم نہ ہونے پر لوگ کفر پکتے ہیں۔ نماز کو نعوذ باللہ اٹھک بیٹھک اور جسمانی ورزش سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ مغربی خیالات و افکار کے باعث اسلام کے متعلق آئے دن فلوک و شبہات پیدا کئے جا رہے ہیں۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہو پاتا کہ دوسرے کا بھی ایک خطرناک طوفان سامنے آتا ہے۔ اسلام پر غیر مسلم قوم کا روز اول سے لے کر اب تک ہمیشہ الزام ہی رہا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کہا گیا: ”تمہارا نبی تمہیں ہر قسم کی تعلیم دیتا ہے، حتیٰ کہ وہ تمہیں آداب استنجاء تک کی چھوٹی چھوٹی باتوں کی راہنمائی بھی کرتا ہے۔“

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: ”اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہمارے نبی اکرم ﷺ ہمیں ہر چیز سکھاتے ہیں تا آں کہ استنجاء کے آداب کی تعلیم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ہم استنجاء کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کر کے نہ بیٹھیں اور داہنے ہاتھ سے استنجاء نہ کریں نیز گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کریں اور استنجاء کے لئے ہم تین ڈھیلے استعمال کریں۔“ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الاستطابۃ)

آج سب غیر مسلم قوم خواہ کسی بھی شکل میں ہو وہ اپنی تقریری، تحریری، علمی اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر پوری قوت و توانائی کے ساتھ اسلام پر جارحانہ اعتراضات اور سوالات سے امت مسلمہ میں انتشار پھیلاتا چاہتی ہے۔ اہل اسلام کو دہشت گرد، متعصب، دقیانوسی، انتہا پسند، بے جا شبہات اور تنگ نظر جیسے القابات سے تعبیر کر کے دنیا میں بدنام کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن۔

پھونکوں! سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

دشمنان اسلام نے نہ صرف یہ کہ اعتراضات اور بدنامی کے وار کئے، بلکہ امت مسلمہ سے ان کا اصل سرمایہ قرآن و حدیث کی تعلیمات، اسلامی روایات اور احساس خودداری کو مٹانے کے لئے رفتہ رفتہ جدید طریق تعلیم رائج کر کے قدیم دینی اور مذہبی تعلیم کو فنا کے گھاٹ اتار رہے۔ اس سلسلہ میں خود انگریزوں کی شہادت زیادہ وقع ہو سکتی ہے۔ ڈبلیو ہنٹر، آئی سی ایس (W. Hunter. I. C. S) مسلمانوں کی تعلیمی سلسلہ کی بابت تحریر کرتا ہے: ”ہم اپنے دور حکومت کے پچھلے ۵۷ سالوں میں انتظام ملک کی خاطر اسی طریقہ تعلیم (یعنی مسلمانوں کی طرز تعلیم) سے متواتر فائدہ اٹھاتے رہے، گو اس دوران میں ہم نے اپنا طریقہ تعلیم بھی رائج کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جونہی ایک

نسل اس نئے طریقے کے ماتحت پیدا ہو گئی ہم نے مسلمانوں کے پرانے طریقے کو خیر باد کہہ دیا جس سے مسلمانوں پر ہر قسم کی سرکاری (سیاسی) زندگی کا دروازہ بند ہو گیا۔“

مسلمانوں کی قدیم تعلیم کو مٹا کر اور جدید تعلیم کو اسلامی رجحانات سے کلیتہً خالی رکھ کر مسلمانوں کو جس جدید تعلیم میں لگایا گیا اس کا مقصد لارڈ میکالے کے مشہور الفاظ میں یہ ہے کہ: ”ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کے لحاظ سے انگریز ہوں۔“ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۲۴) اللہ نے اسلام کو ابدی مذہب بنایا ہے جو قیامت تک مٹنے والا نہیں ہے، لیکن ہم نے خود اس کے مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس لئے کہ مذہب کی بقاء تعلیم پر ہے اور جب تعلیم کو سرے سے ختم کر کے غیر مسلم کی طرح ہم بھی اسلامی روایات کو غیر منطقی، ناقابل عمل اور دقیا نوسی قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کو مختلف قسم کے فلسفی، عقلی اور اختراعی اعتراضات کا نشانہ بنادیں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ملت اسلام کو مٹانے کے خود ذمہ دار ہیں۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

جونئی نئی گمراہیاں ہمارے اس دور میں پیدا ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں نے جن کی طبیعتوں میں، آزادی، آوارہ مزاجی، افکار و خیالات میں جدت پسندی اور بے راہروی ہے، عوام میں ایسے عامیانہ و جاہلانہ شبہات اور وسوسے پیدا کرنا شروع کر دیئے جس سے قبر کے سوال جواب اور عذاب و راحت کے متعلق بعض ضعیف الایمان اور کم فہم لوگوں کے دلوں میں توہمات پیدا ہوا کرتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کچھ عقل کی بنیاد پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو سرے سے قبر کے عذاب و کلفت اور راحت کا صراحتہ انکار کرتا ہے۔

عقل کا دائرہ

انکار کی پہلی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ عذاب قبر کے مسئلے کو اپنی محدود اور ناقص عقل کے ترازو میں تول کر اس کو سمجھ میں نہ آنے والی بات سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ ہماری عقل و فہم کی طاقت اور اس کا دائرہ عمل بہت محدود ہوتا ہے۔ کسی حقیقت کا صرف اس بنیاد پر انکار کر دینا کہ ہم اس کو نہیں دیکھتے یا ہماری عقل اس کو نہیں سمجھتی۔ بڑی بے عقلی کی بات ہے۔

حیرت ہے! آج کل جو بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اسے خلاف عقل اور غیر منطقی قرار دیتے ہیں اور پھر نصوص میں اپنی طرف سے تحریف و تاویل کا ایک نیا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک ہل صراط پر چلنا، معادیات اور معجزات وغیرہ سب خلاف عقل ہیں۔ حالانکہ ایمان بالغیب یعنی رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو یقینی طور پر دل کی گہرائیوں سے ماننا متقی اور مؤمن کی بنیادی صفت ہے اور پھر غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ان کا علم بداهت عقل اور حواس خمسہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، تقدیری امور، جنت و دوزخ کے حالات، قیامت اور اس سے پیشتر آنے والے واقعات، فرشتے تمام آسمانی کتابیں اور تمام انبیاء سابقین پر ایمان لانا داخل ہے لیکن عقل کے پرستاروں کے ہاں اب ایمان کے یہ معنی نہ رہے، بلکہ ان کے نزدیک ایمان کہتے ہیں اس چیز کے ماننے کو جو حضور ﷺ کی بیان کردہ باتوں میں سے ان کی عقل کے مطابق ہو۔

در حقیقت شریعت مقدسہ علم و عمل دونوں سے مرکب ہے تو اس کے لئے دو قوتوں، قوت علمیہ اور قوت عملیہ کی ضرورت ہے۔ قوت علمیہ کا تعلق عقل سے ہے اور قوت عملیہ کا ارادہ سے، لیکن شریعت میں عقل کے افراط و تفریط سے کام نہیں چلتا ہے، بلکہ اعتدال کی ضرورت ہے جس کا نام حکمت ہے جب عقل بے قابو ہو جاتی ہے تو ہر چیز میں احتمالات پیدا کرنے لگتی ہے جس سے آدمی دہمی ہو جاتا ہے۔ بہر حال عقل سے اتنا کام تو لینا چاہئے کہ آدمی توحید و رسالت کو سمجھے اور کلام لینے سے پہلے حکم شرعی کی تابعداری کرنی چاہئے۔ اللہ اور رسول کے آگے گردن جھکا دینی چاہئے، چاہے حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

ہر چیز کی طرح عقل کی بھی ایک حد ہے، اس لئے کہ آنکھ کی طرح یہ بھی ایک قوت ہے، چنانچہ آنکھ کی قوت کی ایک حد ہے اس سے آگے دور بین لگانے کی ضرورت ہے، ایسے ہی شریعت میں کسی حد تک عقل کام تو دیتی ہے، مگر آگے دور بین وحی سے کام لینا ضروری ہے، سمعیات میں عقل کا کام نہیں وہاں تو اتباع رسول کی ضرورت ہے۔

خلاف پیسبر کے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید دنیا میں بھی بہت جگہ عقل کو چھوڑ کر ہم کسی نہ کسی کا اتباع تو کرتے ہیں کسی ڈاکٹر، طبیب اور معالج کے پاس جا کر اس کا تجویز کردہ نسخہ بغیر چوں و چراں کے استعمال کرتے ہیں، اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ اس نسخہ میں فلاں دوا کیوں لکھی؟ کسی کو معالج سے ان باتوں میں الجھتا ہوا نہیں دیکھا گیا ہے۔ افسوس دنیا کے کاموں میں تو عقل کو دخل نہ دیا جائے اور امور آخرت عالم برزخ وغیرہ میں اس کی کوئی بھی حد نہ ہو۔ (مفصل از اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۶۰)

”علم الکلام“ میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”ہمارا دعویٰ ہے کہ عالم کی کوئی شے ہرگز ذرہ برابر خلاف عقل نہیں، خلاف عقل ہونا جب متصور ہو سکتا ہے کہ جب وہاں عقل کی رسائی ممکن ہو، لیکن جس جگہ عقل کی رسائی ممکن نہ ہو۔ وہاں یہ حکم لگا دینا کہ یہ شے خلاف عقل ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ خلاف عقل ہونا اور شے ہے اور عقل کا نہ پہنچنا اور شے ہے اس طرح راحت و عذاب قبر کو سمجھنا چاہئے کہ وہ عالم غیب اور عالم برزخ کا معاملہ ہے۔ اس کے مشاہدہ کے لئے عالم دنیا کی آنکھیں کافی نہیں۔ بہر حال یہ سب عالم برزخ کی چیزیں ہیں جہاں عقل کی رسائی نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ”ملکوت السموات والارض“ کا مشاہدہ کرایا ہے۔ سوائے ان کے اتباع کے کوئی چارہ کار نہیں۔“ (علم الکلام مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۵۰)

انکار کی دوسری وجہ یہ ہے کہ علوم قرآن و حدیث اور ان کے مبادی سے ناواقف طبقے کی یہ عقل اختراعی ہے کہ ہم جب قرآن کریم کا براہ راست مطالعہ (Study) کرتے ہیں، تو قرآن کی کسی بھی سورۃ میں ”عذاب قبر“ کا تذکرہ نہیں ہے۔

یہاں اولاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جو لوگ قرآن کریم کے صرف ترجمے اور تفسیر کا مطالعہ کریں یا معمولی عربی زبان پڑھ لیں تو وہ خود کو قرآن کا ایک بڑا عالم سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک خطرناک طرز عمل ہے، جو دین کے معاملہ میں نہایت گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل (Medical) سائنس (Science) کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب اسے ڈاکٹر یا سائنسدان تسلیم نہیں کرتا، ڈاکٹر بننے کے لئے باقاعدہ ماہر استاد سے تعلیم و تربیت حاصل کرنا ضروری ہے، ہر علم و فن کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہیں جنہیں پورا کئے بغیر اس علم و فن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی تو آخر قرآن و سنت اتنے لاوارث کیسے ہو

سکتے ہیں کہ ان کی تشریح و تفسیر کے لئے استاد کی ضرورت نہ ہو۔ نیز مفسر قرآن کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے فحو صرف اور بلاغت و ادب کے علاوہ حدیث فقہ و تفسیر اور عقائد و کلام کا وسیع و عمیق علم رکھتا ہو۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن کی آیات میں غور کئے بغیر صرف اپنی عقل کے بھروسے پر یوں کہنا کہ عذاب قبر کے مسئلے کا تعلق کسی بھی طرح قرآن سے نہیں اور احادیث میں بھی تعارض ہے سراسر غلطی اور علوم دینیہ سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

قبر کی کلفت و راحت قرآن و حدیث سے ثابت ہے

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں راحت و عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارہ اور رسول کریم ﷺ کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ اس کے علاوہ اجماع امت بھی اس پر شاہد ہے۔ (معارف القرآن ج ۵ ص ۲۴۸، وج ۷ ص ۶۰۳)

قرآن کریم سے چند دلائل

۱..... ”النار یعرضون علیہا غدواً وعشیاً ویوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب (المومن: ۵)“ اور فرعون والوں پر (مع فرعون کے) تکلیف دینے والا عذاب نازل ہوا (جس کا بیان یہ ہے کہ وہ لوگ (برزخ) میں صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت ہوگی (حکم ہوگا) کہ فرعون والوں کو (مع فرعون کے) نہایت سخت عذاب میں داخل کرو۔ (بیان القرآن)

صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ: ”آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح اور شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھلا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا یہ ٹھکانہ ہے۔“ (اخرجہ عبدالرزاق وابن ابی حاتم بحوالہ مظہری واحکام القرآن از مفتی محمد شفیع ج ۴ ص ۶۸)

حافظ ابن کثیر عماد الدین الشافعی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”وہذہ الایۃ اصل کبیر فی استدلال اہل السنۃ علی عذاب البرزخ فی القبور“ (تفسیر ابن کثیر، ج ۱ ص ۸۱ طبع مصر)

یہ آیت کریمہ قبر میں عذاب برزخ کے اثبات کے سلسلے میں اہل سنت کے لئے ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ”یہ آیت دلیل ہے عذاب قبر کی اور احادیث متواترہ اور اجماع امت اس پر شاہد ہیں۔“ (معارف القرآن ج ۵ ص ۲۴۸)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی آیت کریمہ سے اثبات عذاب قبر پر استدلال فرمایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”قال القرطبی: الجسہود علی ان هذا العرض یكون فی البرزخ وهو حجة فی تثبیت عذاب القبر مطلقاً“ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۸۰)

قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ پیش ہونا عالم برزخ میں ہوگا اور یہ مطلقاً عذاب قبر کے اثبات پر حجت اور دلیل ہے۔

بہر حال مذکورہ ارشاد سے معلوم ہوا کہ صبح و شام فرعونوں کو آگ کے عذاب پر پیش کیا جاتا ہے اور وہی عذاب قبر اور عذاب برزخ کہلاتا ہے۔ کیونکہ قیامت کا عذاب اللہ کے فرمان: ”ویوم تقوم الساعة“ کے الفاظ

سے بیان کیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ قیامت کا عذاب آگ میں داخل کر کے دیا جائے گا۔ جب کہ قبر کے عذاب کے وقت وہ آگ میں داخل نہیں ہیں، انہیں آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور آگ کی لپٹیں ان کو پہنچ رہی ہیں، اب جو حکم فرعونوں کا ہے وہی حکم کفار و مشرکین کا بھی ہے۔

عذاب قبر کی وحی قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یا مدینہ منورہ میں

فرعون کے حق میں آیات: ”النار یعرضون علیہا غدوا و عشیا و یوم تقوم الساعة (المومن: ۵)“ سورت مؤمن کی آیات ہیں جو باتفاق ائمہ مفسرین مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورت ہے تو ان آیات میں عذاب قبر کا ذکر یہ بتلاتا ہے کہ قبل از ہجرت مکہ مکرمہ ہی میں عذاب قبر کے بارے میں وحی نازل ہو چکی تھی لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تخریج کردہ حدیث جس کا یہ مضمون ہے کہ ایک یہودی عورت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا کرتی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی مدد فرمایا کرتیں تو جب بھی اس کے ساتھ کوئی احسان وغیرہ کرتیں تو وہ یہودیہ یہ دعا دیتی کہ: ”وقالک اللہ عذاب القبر“ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے بچائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ یہودی عورت جھوٹ بولتی ہے اور یہ لوگ تو اللہ پر بہت ہی جھوٹے ہیں قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں پھر آپ ﷺ کچھ روز گزرنے کے بعد ایک روز نصف النہار کے وقت اپنی چادر اوڑھے ہوئے باہر نکلے اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپ ﷺ باواز بلند فرما رہے تھے: ”القبر کقطع اللیل المظلم“ کہ قبر تو رات کی تاریک گھڑوں کی طرح ہے۔ اے لوگو! اگر تم کو یہ باتیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کثرت سے رویا کرو اور کم ہنسا کرو، اے لوگو! پناہ مانگو اللہ کے عذاب قبر سے، کیونکہ عذاب قبر حق ہے اس حدیث کو اگرچہ بخاری و مسلم نے روایت نہیں کیا مگر یہ ان کی شرط پر ہے، اسی طرح ایک اور حدیث کا مضمون بھی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان دونوں حدیثوں کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ آیت و روایت میں تطبیق کے لئے یا تو یہ جواب دیا جائے کہ آیت قرآنیہ سے ارواح کفار کا عالم برزخ میں صبح و شام جہنم کی آگ پر پیش کیا جانا مراد ہے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کی اذیت و کلفت کا ان کے اجسام کے ساتھ قبور میں بھی اتصال و تعلق ہوگا تو قرآن کریم سے تو اتنا ہی علم ہوا تھا کہ ارواح جہنم پر پیش کی جائیں گی۔ رہا اس اذیت و عذاب کا جسم تک پہنچنا یہ صرف احادیث کے ذریعے معلوم ہوا تو گویا عذاب ارواح کی وحی سے معلوم ہوا اور عذاب اجساد کا علم مدینہ منورہ میں ہوا یا تطبیق کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آیت سے برزخ میں کافروں کے عذاب کا علم ہوا۔ یہ مضمون اس کی دلیل نہ تھا کہ مؤمن پر بھی قبر میں عذاب ہو سکتا ہے پھر مدینہ منورہ میں اس یہودیہ کے قصہ کے بعد آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے بتایا گیا مؤمن کی بھی قبر میں آزمائش ہوگی اور اس کے واسطے بھی اس کی مصیبتوں پر عذاب قبر ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”انکم تفتنون فی القبور قریباً من فتنۃ الدجال“ چنانچہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ و مسلم رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے: ”قال رسول اللہ ﷺ ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعده بالغداة والعشی اذا کان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان کان من اهل النار فمن اهل النار فیقال ہذا مقعدک حتی یبعثک اللہ عز و جل الی یوم القیمة“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یا جب تم

میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح و شام پیش (اور ظاہر) کیا جاتا ہے اگر اہل جنت سے ہوتا ہے تو جنت والوں کا ٹھکانہ، اور اگر اہل جہنم سے ہوتا ہے تو جہنم والوں کا ٹھکانہ، اور ان میں سے ہر ایک کو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ یہاں تک کہ تجھ کو اللہ عز و جل قیامت کے روز اٹھانہ لے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تطبیق کی یہی صورت بہتر معلوم ہوتی ہے کہ عذاب برزخ جو کی آیات میں ہے وہ کافروں کے حق میں معلوم ہوتا ہے اور یہ تصریح نہ تھی کہ مؤمن کے لئے بھی قبر میں عذاب و آزمائش ہے، تا آنکہ بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں وحی کے ذریعے اس کی بھی تصریح کر دی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب! (معارف القرآن از مولانا کاندھلوی)

۲..... ”ولو ترى اذا الظالمون في عمرات الموت والملائكة باسطوا ايديهم اخرجوا انفسكم اليوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن آياته تستكبرون (الانعام: ۹۳)“ اور اگر دیکھے جس وقت کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے اور (کہیں گے) کہ نکالو اپنی جانیں، آج کے دن تمہیں بدلہ ملے گا ذلت کے عذاب کا اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں کہتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

”اليوم“ جس کے معنی آج کے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سے وہی زمانہ مراد ہے جس وقت سے فرشتے بدن سے روح نکالتے ہیں یعنی اس سے ہمارا دنیاوی آج مقصود نہیں ہے جو چوبیس گھنٹوں میں ختم ہو جاتا ہے، بلکہ برزخ کا پورا زمانہ ہے۔ فتح القدیر، شوکانی، تفسیر ابوالسعود اور تفسیر روح المعانی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کتاب الروح میں لکھتے ہیں کہ: ”روح نکلنے کے بعد جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے یہی عذاب قبر ہے اور چونکہ الفاظ استعمال کرنے والے معصوم فرشتے ہیں اس لئے اگر مرنے کے بعد جلدی ہی عذاب نہ ہو تو معاذ اللہ ایہ کلام صادق نہ رہے گا اور جب یہ ارشاد حق ہے تو ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد عذاب ہے۔“ (کتاب الروح ۹۳) اس آیت سے بھی عذاب قبر پر امام بخاری نے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے: ”هَذَا عِنْدَ الْمَوْتِ، وَالْبَسْطُ الضَّرْبُ يَضْرِبُونَ وَجُوهَهُمْ وَادْبَارَهُمْ“ یہ موت کے وقت ہوگا اور پھر فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر ضرب لگائیں گے۔

(فتح الباری بحوالہ احکام القرآن ج ۴ ص ۸۲)

۳..... ”مما خطبناهم اغرقوا فادخلوا ناراً فلم يجدوا لهم من دون الله انصاراً (النوح: ۲۵)“ اپنے انہیں گناہوں کے سبب وہ غرق کئے گئے پھر آگ میں داخل کئے گئے اور اللہ کے سوا ان کو کچھ حمایتی بھی میسر نہ ہوئے۔ اس آیت کے تحت تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ: ”فادخلوا ناراً فی عالم البرزخ المستمى بالقبر فهذه الآية دليل على إثبات عذاب القبر لأن الفاء للتعقيب“

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ: ”فادخلوا ناراً ہی نار البرزخ والمراد عذاب القبر“ یعنی یہ آیت بھی عذاب قبر کے اثبات پر اہل سنت کی محکم دلیل ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ میں فادخلوا میں حرف فاء داخل ہے جو عرب کے قاعدے کے مطابق تعقیب بلا تاخیر کے لئے آتا ہے، یعنی مرنے کے بعد فوراً عذاب میں ڈالے گئے اور ظاہر ہے یہاں جہنم کی آگ تو مراد نہیں کیونکہ اس میں داخلہ تو قیامت کے حساب و کتاب کے بعد ہوگا اور قیامت تو اب تک قائم ہی نہیں ہوگی لامحالہ یہ برزخی آگ ہے جس میں داخل ہونے کی قرآن کریم نے خبر دی ہے۔

۴..... ”یثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة (ابراهيم: ۲۷)“ دنیا اور آخرت کی زندگی میں اس قول ثابت کے ذریعہ اللہ پاک مؤمنوں کو استقامت دیتے ہیں۔

بخاری میں صحیح مرفوع روایت آیت مذکورہ کی تفسیر میں ہے کہ: ”ثم يشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله فذلك قوله يثبت الله الذين آمنوا انزلت في عذاب القبر“ پھر مؤمن بندہ اللہ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔

چنانچہ آیت کریمہ: ”یثبت الله الذين“ جو عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے کا یہی مطلب ہے۔
۵..... ”ولو ترى اذ يتوفى الذين كفروا الملكة يضربون وجوههم وادبارهم وذوقوا عذاب الحريق (الانفال: ۵۰)“ اور اے نبی کاش! آپ اس وقت کو دیکھتے کہ جب فرشتے کافروں کی ارواح قبض کرتے ہیں اور (روح قبض کرتے وقت) ان کے مونہوں پر اور ان کے سرینوں پر (آگ کے گرز) مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔

ان آیات میں کفار کی برزخی ذلت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ عذاب دوزخ کا مقدمہ ہے۔
علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عثمانی میں آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بہت سے مفسرین نے اس کو بھی بدر کے واقعہ میں داخل کیا ہے یعنی اس وقت جو کافر مارے جاتے تھے ان کے ساتھ فرشتوں کا معاملہ یہ تھا مگر الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالم برزخ کا ہو۔

(تفسیر عثمانی مطبوعہ سعودی عرب ص ۲۴۳)

۶..... منافقین کی نسبت قرآن کی سورۃ توبہ میں ہے ”سنعذبهم مرتین ثم یردونا الی عذاب عظیم (التوبہ: ۱۰۱)“ ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے اور پھر ان کو عظیم عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

دو دفعہ کے عذاب سے دنیا میں قتل یا قید و بند یا ظہور نفاق سے ذلت و رسوائی اور مرنے کے بعد قبر کا عذاب مراد ہے اور ”عذاب عظیم“ آخرت کا عذاب ہے، عذاب قبر کے سلسلے میں امام بخاری نے اس سے بھی استدلال کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”قال: خطب رسول الله ﷺ یوم الجمعة فقال اخرج یا فلان فانک منافق فذكر الحديث وفيه ففصح الله المنافقين فهذا العذاب الأول والعذاب الثاني عذاب القبر“

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۸، بحوالہ احکام القرآن ج ۴ ص ۸۲، تفسیر ابن عباس ص ۲۱۳ و تفسیر معالم التزیل و خازن وغیرہ)
ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن حضور نے خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر فرمایا فلاں! نکل جاؤ تم منافق ہو (اس کے بعد راوی نے مکمل حدیث ذکر کی) اس کے آخر میں یہ ہے کہ اللہ نے منافقوں کو رسوا کیا، یہ پہلا عذاب ہے اور دوسرا عذاب، عذاب قبر ہے۔

آگے طبری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں: ”قال الطبری: والاعلب أن إحدى المرتین هو عذاب القبر“
علامہ مہ طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دو عذابوں میں ایک عذاب، عذاب قبر متعین ہے۔ البتہ دوسرے میں احتمالات ہیں۔

۷..... ”قالوربنا أمتنا اثنتین وأحيیننا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا (المومن: ۱۱)“ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! تو موت دے چکا ہم کو دو بارہ، اور زندگی دے چکا ہم کو دو بارہ، چنانچہ اب ہم نے گناہوں کا اعتراف کیا ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”قال الامام ان اكثر العلماء احتجوا بهذه الآية في اثبات عذاب القبر انهم أثبتوا أنفسهم موتين فاحدى الموتين مشاهدة في الدنيا فلا بد من اثبات حيات أخرى في القبر“

(روح المعانی ج ۲ ص ۵۲، بیضاوی ص ۵۶، تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۵۱، ابن کثیر ج ۱ ص ۶۷)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عذاب قبر کے سلسلے میں یہ آیت کریمہ اکثر علماء کا مستدل ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے لئے دو موت ثابت کی ہیں۔ ایک تو ظاہر ہے کہ دنیا میں ہے، لہذا دوسری موت کا قبر میں ہونا ضروری ہے۔

۸..... ”ومن أعرض عن ذكرى فان له معيشة ضنكاً ونحشره يوم القيامة أعمى (طہ: ۱۲۳)“ جس نے

میرے ذکر (قرآن مجید) سے روگردانی کی تو اس کی زندگی تنگ ہوگی اور قیامت کے دن اس کو نابینا کر کے اٹھایا جائے گا۔

آیت کریمہ کی تفسیر میں ابن کثیر نے ابوسعید کی روایت نقل کی ہے: معيشة ضنكاً، قال يصيق عليه قبره

حتى تختلف اضلاعة فيه ابوسعید فرماتے ہیں کہ اس پر قبر تنگ ہو جائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں۔

بزار کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ”فان له معيشة ضنكاً؟ قال عذاب القبر،

اسناد جید“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس تنگی سے عذاب قبر مراد ہے۔ اس حدیث پاک کی سند عمدہ ہے۔

مختصر تذکرۃ القرطبی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔

(دیکھئے: اس آیت کے تحت ابن کثیر و مختصر تذکرۃ القرطبی ص ۳۶)

۹..... ”ولنذيقنهم من العذاب الأدنى دون العذاب الأكبر (السجدة: ۲۱)“ البتہ ہم چکھائیں گے ان کو

بڑے عذاب سے قبل چھوٹا عذاب۔

چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

(شرح فقہ اکبر معری ص ۹۱، احکام القرآن ج ۱ ص ۵۸)

۱۰..... ”الھکم التکاثر، حتی زرتہ المقابر، کلا سوف تعلمون، ثم کلا سوف تعلمون (التکاثر: ۴)“

غفلت میں رکھا تم کو مال کی بہتات نے یہاں تک کہ قبروں تک پہنچ گئے، ہرگز نہیں جا رہی تم جان لو گے، پھر ہرگز نہیں جلد ہی تم جان لو گے۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر فرماتے ہیں: ”حتى زرتہ المقابر یعنی صرتم الی المقابر فدفنتم

فیہا، وفي هذا دليل على صحة القول بعذاب القبر“ یعنی تم قبروں تک گئے اور ان میں دفن کئے گئے، اس میں

اس بات کی دلیل ہے کہ عذاب قبر کا قول صحیح ہے، آگے استشہاد کے لئے روایات نقل کی ہیں، جس میں ایک روایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے فرماتے ہیں کہ: ”کنان شک فی عذاب القبر حتی نزلت هذه الآية: الھکم التکاثر الی

کلا سوف تعلمون“

ابتداء میں عذاب قبر کے بارے میں ہمارا شک تھا۔ چنانچہ آیت کریمہ: ”الھکم التکاثر“ نازل ہوئی تو

ہمارا شک دور ہوا۔ (سورۃ تکاثر کی تفسیر کے تحت ابن جریر طبری ج ۳ ص ۲۸۴)

استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کو جزو تو بیخ (ڈانٹ ڈپٹ) سے خبردار کیا، جن کو دنیا کی دولت

نے غافل کر رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جب تم قبروں میں آؤ گے تو جان لو گے جو سزا تمہیں ملے گی۔ نیز تفسیر قرطبی میں

اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ: ”فتضمنت السورة القول فی عذاب القبر“ یعنی یہ سورت عذاب قبر پر دلیل ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں: ”الایمان به واجب، والتصدق به لازم“ یعنی مذاب قبر کے برحق ہونے پر ایمان واجب ہے اور ان کی تصدیق ضروری ہے۔ اہل علم نے ان آیات کے علاوہ دوسری آیات سے بھی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ”شرح فقہ اکبر ص ۱۹، نمار التنکیت للنواب ص ۲۸ اور کتاب الروح ص ۹۴“ میں ابن قیم رحمہ اللہ نے اس قسم کی آیات کا تفصیلاً ذکر کیا ہے، جن سے قبر کا عذاب و راحت بخوبی ثابت ہو جاتا ہے۔

عذاب قبر (برزخ) اور انجیل لوقا

انجیل لوقا کے دسویں باب کی انیسویں آیت میں عنوان ذیل کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے۔

ایک دولت مند اور غریب کی تمثیل

ایک دولت مند جو نہایت بیش و آرام میں تھا، اور ایک غریب تھا، دونوں کا انتقال ہو گیا، ۲۲ ویں آیت میں ہے کہ جب وہ غریب مر گیا تو فرشتوں نے اسے لے جا کر ابراہیم کی گود میں رکھ دیا اور دولت مند کو عالم ارواح کے درمیان عذاب میں رکھ دیا جب اس نے آنکھ اٹھائی تو اس غریب کو حضرت ابراہیم کی گود میں دیکھا تو پکار کر یہ کہا اے باپ! ابراہیم رحم کر اور اس غریب کو میرے پاس بھیج تاکہ اپنی انگلی کے پانی سے مجھ کو تر کر دے، کیونکہ میں آگ میں تڑپتا ہوں۔ بعد ازاں دولت مند نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے درخواست کی کہ اس کو میرے باپ کے گھر بھیج دیجئے۔ کیونکہ میرے پانچ بھائی ہیں تاکہ ان کے سامنے جا کر گواہی دے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ میں آئیں۔ ابراہیم نے کہا کہ ان کے پاس موٹی اور دوسرے نبی ہیں اس نے کہا شاید مردوں میں سے اگر کوئی ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کر لیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا جب وہ موٹی علیہ السلام اور نبیوں علیہم السلام ہی کی نہیں سنتے تو اگر مردوں میں کوئی جی اٹھے تو اس کی بھی نہ مانیں گے۔ انتہی!

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد قیامت سے قبل بھی عالم برزخ میں ہر شخص پر عذاب یا راحت ضرور ہوتی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ دنیا میں واپسی نہیں ہے۔

(انجیل لوقا باب ۱۶، آیت: ۱۹ بحوالہ علم الکلام ص ۲۳۸)

قرآن مجید کی کچھ آیات سے غلط فہمی اور اس کا ازالہ

مکرین عذاب قبر بعض دفعہ اپنی عقل کی بناء پر کچھ آیات سے بھی عذاب قبر کی نفی پر استدلال کرتے ہیں۔ (۱) مثلاً سورۃ روم کی ایک آیت ہے: ”و یوم تقوم الساعة یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعة (الروم: ۵۵)“ یعنی جس روز قیامت قائم ہوگی تو یہ مکرین قیامت اس وقت کے ہولناک مناظر سے مدہوش ہو کر یہ قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہمارا قیام قبر اور عالم برزخ میں تو ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہا۔ یہاں اشکال کیا جاتا ہے کہ یہ جلد ہی آنا ان کو اس بناء پر محسوس ہوگا کہ قبر میں ان کو عذاب کا کوئی حصہ نہیں ملا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہاں یہ تو متعین نہیں ہے کہ اس قیام سے مراد قبر اور برزخ کا قیام ہو، بلکہ مفسرین نے فرمایا کہ مراد اس قیام سے ہو سکتا ہے کہ دنیا کا قیام ہو لیکن اگر ہم اس قیام سے مراد علی سبیل التعین قبر اور برزخ کا قیام مراد لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ: ہم تو سمجھتے تھے کہ جبر یعنی عالم برزخ میں قیام بہت طویل ہوگا اور

قیامت بہت زمانے کے بعد آئے گی، مگر معاملہ برعکس ہو گیا کہ ہم برزخ میں تھوڑے ہی دیر شہر نے پائے تھے کہ قیامت آگئی اور یہ جلدی آنا اس کو اس بناء پر محسوس ہوگا کہ قیامت میں ان کے لئے کوئی خوشی و راحت کی چیز تو تھی نہیں، مصیبت ہی مصیبت تھی اور انسانی فطرت یہ ہے کہ مصیبت آنے کے وقت پچھلی راحت کے زمانے کو بہت مختصر سمجھنے لگتا ہے اور کافروں کو اگرچہ قبر و برزخ میں بھی عذاب ہوگا، مگر قیامت کے عذاب کے مقابلے میں وہ بھی راحت محسوس ہونے لگے گا اور اس زمانے کو مختصر سمجھ کر تم کھائیں گے کہ قبر میں ہمارا قیام بہت مختصر ایک گھڑی کا تھا۔

(۲) دوسری آیت سورۃ یسین کی ہے: ”وَنفَخُ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ، قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن مَّرَقَدُنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ (یس: ۵۱، ۵۲)“ اور پھونکی جائے صور پھر تب ہی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے، کہیں گے اے خرابی ہماری! کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے، یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمان نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے۔

اس میں بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مرقدنا سے مراد خواب گاہ ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ملی، خواب کی جگہ ہو اور پھر عذاب بھی، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ شبہ بھی سراسر غلط ہے، اس لئے کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے۔

الف: ہاں! ہماری کم بختی ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا (کہ یہاں کی نسبت سے وہاں راحت میں تھے) تو کفار اگرچہ عذاب قبر میں مبتلا تھے وہاں کچھ آرام نہ تھا، مگر قیامت کے عذاب کے مقابلے میں وہ پہلا عذاب کا لحد معلوم ہوگا۔ گویا قبر کو زیادہ آسان سمجھیں گے اور نیند سے تشبیہ دیں گے۔

ب: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے صور کے درمیان لوگ سو جائیں گے۔ چنانچہ دوسرے صور پر اٹھنے کے بعد لوگ کہیں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا۔

ج: یا ”مرقدنا“ بمعنی ”مضجع“ کے ہو، نیند کی کیفیت سے تجرید کر لی جائے۔

دین میں حدیث کا مقام

عذاب قبر کے بارے میں وارد ہونے والی حدیث کے ذکر سے قبل ”مقام حدیث“ کا مختصر اذکر ذیل کی سطروں میں پیش کیا جا رہا ہے، تاکہ اصل مسئلے کی وضاحت ہو سکے، قرآن پاک شریعت کی اصل و اساس ہے اور ازلہ شرع میں سب سے مقدم اور سب سے محکم ہے، مگر اس کا کام صرف اصول بتانا ہے تفریع و تفصیل اور توضیح و تشریح حدیث و سنت کا وظیفہ ہے۔ قرآن کریم ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے فرائض رسالت میں جس طرح الفاظ و کلمات قرآن کی تلاوت و تبلیغ ہے اسی طرح اس کے معانی و مطالب کا بیان بھی فرائض رسالت میں داخل ہے تو لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس طرح متن قرآن حجت ہے۔ اس طرح اس کی نبوی تشریحات بھی حجت اور واجب القبول ہیں۔ ورنہ بہت ساری آیات ناقابل فہم رہ جائیں گی، جو شان خطاب کے خلاف ہے۔

آنحضرت ﷺ جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے امت نے آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے ارشادات اور اسوہ حسنہ کی یہی حیثیت سمجھی اور آپ ﷺ کے ارشادات کو بلا واسطہ سننے والے اور آپ ﷺ کے اعمال و افعال کو بچشم خود دیکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علم و ہدایت کے اس پورے خزانہ کی غیر معمولی اہتمام اور شفقت کے

ساتھ حفاظت کی اور پھر پوری امانت کے ساتھ بعد والوں کو پہنچایا۔ پھر بعد کے قرون میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کے بہترین افراد کو احادیث و سنن کی ترتیب، تدوین، تحقیق، و تنقید، تعلیم و تعلم، ترجمہ و تشریح، حفظ و اشاعت اور اس سے متعلق بہت سے مستقل علوم و فنون کی ایجاد اور پھر ہر فن میں بہتر سے بہتر تالیف و تصنیف وغیرہ وغیرہ سینکڑوں قسم کی ایسی توفیق دی جو کبھی کسی امت کو نہیں ملی۔ (مقدمہ معارف المصنف از مولانا حبیب الرحمن الاعظمی)

عذاب قبر اور احادیث نبوی ﷺ

راحت و عذاب قبر کے بارے میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں جن کا شمار آسانی سے نہیں ہو سکتا، حافظ ابن ہمام حنفی (المتوفی ۸۶۱ھ) فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ”عذاب قبر کی احادیث متواتر درجہ کی ہیں اور ان کا انکار کفر ہے۔“ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴ طبع مصر، وفتاویٰ مالگیری ج ۲ ص ۳۱۰ طبع مصر)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”شرح الصدور فی احوال الموتی و القبور“ اور ”البدور السافرة فی احوال الآخرة“ میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد میں سے ایک ایک کا نام لے لے کر ان سے عذاب قبر کی روایات کو معاً متواتر قرار دیا ہے۔ تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

عذاب قبر کی احادیث کی راویوں کی تعداد تقریباً چالیس کو پہنچی ہے۔ شرح صدور میں علامہ سیوطی نے اس سلسلے میں ستر احادیث ذکر کی ہیں۔ ہم یہاں چند احادیث بحوالہ لکھتے ہیں:

(۱) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ”بينا رسول الله ﷺ في حائط لبني النجار على بغلة له ونحن معه اذ حادت به فكادت تلقيه واذا قبر ستة او خمسة فقال: من يعرف أصحاب هذه الاقبر قال رجل: انا قال فمتى ماتوا؟ قال: في الشرك فقال: ان هذه الامة تبلى في قبورها، فلو لا ان لا تدافنوا الدعوت الله ان يسمعكم من عذاب القبر الذي اسمع منه ثم اقبل علينا بوجهه فقال تعوذوا بالله من عذاب النار قالوا نعوذ بالله من عذاب النار قال: تعوذوا بالله من عذاب القبر قالوا: نعوذ بالله من عذاب القبر قال تعوذوا بالله من الفتن ما ظهر منها وما بطن قالوا نعوذ بالله من الفتن ما بطن قال: تعوذوا بالله من فتنة الدجال“ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶، موارد الطمان ص ۲۰۰، التذكرة للقرطبي ج ۱ ص ۱۸۱)

آنحضرت ﷺ منجر پر سوار ہو کر بنونجار کے ایک باغ میں جا رہے تھے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے یکا یک منجر بدکا، قریب تھا کہ آپ ﷺ کو گرا دیتا معلوم ہوا کہ وہاں پانچ یا چھ قبریں تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان قبروں میں کون لوگ دفن ہیں؟ کون جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا کہ: حضرت! میں جانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ کب مرے ہیں؟ تو اس شخص تو اس شخص نے کہا کہ شرک کے زمانہ میں فوت ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس امت (یعنی مکلف انسانوں) کا قبروں میں امتحان ہوتا ہے۔ اگر مجھے یہ ڈرنہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہیں کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ جو عذاب قبر میں سنا ہوں وہ تمہیں بھی سنا دے۔ پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو! لوگوں نے کہا ہم آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو! سب نے کہا ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو! لوگوں نے کہا ہم تمام ظاہری اور

بالطی قنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، قنہ دجال سے اللہ کی پناہ مانگو، انہوں نے کہا ہم قنہ دجال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

(۲) بخاری اور مسلم کی حدیث ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”لوگ جب مردے کو قبر میں رکھ کر چلتے ہیں تو وہ مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے پھر دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جو تم لوگوں میں رہتا تھا جس کا نام محمد ﷺ تھا، تو اگر مؤمن ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو اپنا جہنم کا ٹھکانہ دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے تمہیں جنت عطاء کر دی ہے، تو وہ دونوں کو دیکھتا ہے اور اس کی قبر سترگز وسیع کر دی جاتی ہے اور اس میں سبزہ زار بنا دیا جاتا ہے، پھر منافق اور کافر سے یہی سوال ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں تو کچھ نہیں جانتا، جو لوگ کہتے تھے میں وہی کہتا تھا، یہ سن کر فرشتے اسے جواب دیتے ہیں کہ تجھے کچھ خبر ہی نہیں پھر اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے ایسی مار پڑتی ہے جس کو جن والنس کے علاوہ سب ہی سنتے ہیں۔

(متفق علیہ ولفظ للبخاری باب ما جاء فی عذاب القبر ج ۱ ص ۱۸۴، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۶، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵ وشرح الصدور ص ۱۱۸) ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے: ”انہم یعدبون فی قبورہم تسمعه البہائم“ (موارد اطلمان ص ۲۰۰) بلاشبہ ان مجرموں کو قبروں میں سزا دی جاتی ہے، جس سزا کی آواز چوپائے بھی سنتے ہیں۔ چونکہ جن انسان مکلف مخلوق ہیں۔ اس لئے ان سے ایمان بالغیب اور اس کے مطابق عمل صانع ہے اور ان کو قبر کا عذاب سنانا حکمت کے خلاف ہے۔ بخلاف چوپایوں اور بانی جانوروں کے کہ وہ مکلف نہیں اس لئے وہ سن سکتے ہیں۔

(۳) حضرت عباس سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: ”مر النبی ﷺ بقبرین فقال: انہما لبعیدان وما یعدبان فی کبیر، اما احدهما فکان لا یسنر من البول، وفی رواۃ لمسلم لا یستزہ من البول واما الآخر فکان یسشی بالنسیمۃ، ثم اخذ جریدہ فوضعہا فیما بینہما ثم عرر فی کل قبر واحدہ فالتوا: یا رسول اللہ لم صعد هذا؟ فقال لعلہ ان یخفف عنہما ما لم یب۔“ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۲، بخاری ج ۱ ص ۳۵، مسلم ج ۱ ص ۱۴۱، موارد اطلمان ص ۱۹۹) آنحضرت ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اللہ علیہ لیکن کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا، ایک عذاب تو اس لئے ہو رہا ہے کہ وہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا، پھر آپ ﷺ نے کھجور کی تر ثبانی لی اور اس کے دو حصے کر دیئے، ایک حصہ ایک قبر میں گاڑ دیا اور دوسرا حصہ دوسری قبر میں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اب ایسا آپ نے کیوں کیا؟ تو فرمایا شاید کہ ان کا عذاب ہلکا ہو جائے، جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔

(۴) عجم طبرانی میں مرفوع روایت ہے: ”تسور البول فاند اول ما یحاسب بہ العبد فی القبر“ (رواہ الطبرانی باسناد حسن کذا فی معارف السنن ج ۱ ص ۲۱۳)

پیشاب سے محفوظ رہو اس لئے کہ قبر میں سب سے پہلے اس کے بارے میں محاسبہ ہوگا۔ اسی طرح ابن ماجہ بیہد، صحیح ابن خزیمہ بیہد، دارقطنی اور مستدرک کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: ”اسنر هو من البول فان عامد عذاب القبر مد“ (مستدرک ص ۱۸۳، ابن ماجہ ص ۲۹۷، معارف السنن ص ۲۸۵) پانی حاصل کر دو تم پیشاب سے اس لئے کہ اکثر عذاب قبر اس سے تحرز واجتناب نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

(۵) بخاری میں ابویوب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ فرمایا: ”خرج النبی ﷺ وقد وجبت الشمس فسمع صوتا فقال اليهود تعدب في قبورها“ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۴، فتح الباری ج ۳ ص ۱۹۳)

آنحضرت ﷺ ایسے وقت میں باہر نکلے جب کہ سورج غروب ہوا تھا، اسی اثنا میں آپ ﷺ نے آواز سن کر فرمایا کہ یہود اپنی قبروں میں عذاب دیئے جا رہے ہیں۔

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کے الفاظ ہیں: ”فيقال للأرض التمتي عليه فتختلف اصلاعه فلا يزال فيها معد ما حتى يبعثه الله من مصعده ذلك“

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵، ترمذی ج ۱ ص ۱۲۷، قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب دلی التبیح ص ۳۳، رجالہ رجال مسلم وکذا ذکرہ فی تسکین الصدور) زمین کو حکم ہوتا ہے کہ اس پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا، سوزمین اس پر سمٹ جاتی ہے اور اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں۔ یہ سزا اس کو قیامت تک ہوتی رہتی ہے جب تک کہ قیامت کے دن قبر سے کھڑا نہیں کر دیا جاتا۔

(۷) ”عن عائشة رضی اللہ عنہا ان یهودید دخلت علیہا فذكرت عذاب القبر فقالت لها اعادك الله من عذاب القبر فسالت عائشة رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ عن عذاب القبر فقال عذاب القبر حق قالت عائشة رضی اللہ عنہا فما رأيت رسول الله ﷺ بعد صلى صلاة الا نعوذ بالله من عذاب القبر متفق عليه۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک یہودیہ عورت آئی اور عذاب قبر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ خدا تمہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ: جی ہاں! عذاب قبر حق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضور سیدنا ﷺ ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے نجات کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۳، مشکوٰۃ، ج ۱ ص ۲۵ باب اثبات عذاب القبر)

(۸) ابوداؤد، حاکم، اور بیہقی نے حضرت عثمان کی روایت نقل کی ہے: ”قال مر رسول الله ﷺ بعنارة عند قبر وصاحبه يدفن فقال: استعصروا لأحبكم وسلوا له الثبیت فإنه الآن يسأل“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزرا ایک میت پر ہوا، لوگ میت دفن کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو اس لئے کہ اب اس سے سوال وجواب ہوگا۔

(۹) صحیح بخاری میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت ہے، جس میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے یاروں (اصحاب) کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے کسی نے رات کو کوئی خواب تو نہیں دیکھا، اگر کوئی دیکھتا عرض کر دیا کرتا تھا، آپ کچھ تعبیر ارشاد فرما دیا کرتے تھے، عادت کے موافق ایک بار سب سے پوچھا کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ انہوں نے جواباً کہا کہ ہم میں سے کسی نے بھی کوئی خواب نہیں دیکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے، پھر آپ ﷺ نے اس کی ایک لمبی تفصیل ذکر فرمائی ہے جس میں عذاب قبر کا تذکرہ بھی ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۵)

پوری حدیث ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وهذا نص في عذاب القبر فان روية الانبياء وحی“ یعنی یہ حدیث عذاب قبر کے باب میں صریح اور ظاہر ہے اس لئے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔

(کتاب الروح ص ۷۲)

(۱۰) بیہقی رحمہ اللہ نے ”کتاب عذاب قبر“ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اے ابن عمر! بتاؤ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ کہ جب تین ہاتھ اور ایک بالشت لمبا اور ایک ہاتھ ایک بالشت چوڑا گڑھا کھودا جائے گا، پر تمہارے پاس منکر نکیر سیاہ شکل والے اپنے بالوں کو گھسیٹتے ہوئے آئیں گے، ان کی آواز یہ کڑک دار بجلی کی مانند ہوگی اور نکاہیں خیرہ کردینے والی بجلی کی طرح، وہ زمین کو اپنے دانتوں سے کھودیں گے اور پھر تمہارے گھر کو بٹھائیں گے اور ڈرائیں گے تو ابن عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اس وقت بھی اسی حالت (یعنی ایمان و تقویٰ کی حالت) پر ہوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تو انہوں نے عرض کیا کہ تب تو میں بحکم الہی ان کو کافی ہو جاؤں گا۔ (شرح الصدور ص ۱۲۲، بحوالہ ازالہ السور عن عذاب القبر ص ۷۱)

عذاب قبر اور حضور ﷺ کی دعائیں

آنحضرت ﷺ نے اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگی ہے۔ ذیل میں چند منقول دعائیں باحوالہ درج ہیں:

(۱) ”اللہم رب جبرائیل و میکائیل و رب اسرافیل، أعوذ بک من حر النار و من عذاب القبر“

(اخرجہ النسائی ج ۸ ص ۱۲۲، بحوالہ ازالہ السور عن عذاب القبر ص ۷۱)

(۲) بخاری شریف میں ایک دعاء یوں نقل کی گئی ہے: ”اللہم انی أعوذ بک من الجبن و أعوذ بک من

البخل و أعوذ بک من أن أُرذَلِ العسر و أعوذ بک من فتنة الدنيا و عذاب القبر“ (بخاری مع الفتح ج ۱۱ ص ۱۸۱)

(۳) بخاری اور مسلم میں ایک دوسری دعا نقل کی گئی ہے: ”اللہم انی أعوذ بک من العجز و الکسل و الجبن

و الهرم و البخل و أعوذ بک من عذاب القبر و من فتنة السحيا و المسات“ (بخاری ج ۷ ص ۵۹، مسلم ج ۳ ص ۲۰۷۹)

(۴) صحیحین میں دوسرے مقام پر ہے: ”اللہم انی أعوذ بک من فتنة النار، و عذاب النار، و فتنة

القبر و عذاب القبر... الى اخره“

(۵) آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت زینب کے حق میں تسہیل ضیق قبر کے لئے خصوصی دعاء فرمائی جو

قبول ہوئی الفاظ یہ ہیں: ”فسألت الله عز وجل أن يحفف عنها ضيق القبر“ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۶۸ بحوالہ خیر الفتاویٰ)

مندرجہ بالا نصوص میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگی گئی ہے یہ چند احادیث ہم نے جمع کی ہیں جن میں اکثر

صحیحین کی ہیں ان کے علاوہ کئی احادیث اور ادعیہ ماثورہ میں عذاب قبر کا تذکرہ موجود ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: شرح الصدور کتاب الروح اور احکام القرآن ص ۹۳)

احادیث عذاب قبر اور علامہ البانی کی تحقیق

عذاب قبر کے ذیل میں مختلف روایات کا تذکرہ کرنے کے بعد ”سلسلة الاحادیث الصحيحة“ کے

مصنف اور مشہور محدث علامہ البانی باجود تشدد ہونے کے تحریر فرماتے ہیں: ”وجملة القول الحديث مجموع

طرقه وشواهده صحيح بلا ريب“ (سلسلة الاحادیث الصحيحة ج ۳ ص ۲۷۱)

خلاصہ کلام یہ کہ عذاب قبر کی حدیث مجموعی طرق اور شواہد کے اعتبار سے بلا شک صحیح ہے۔

بہر حال قرآن کریم میں جہاں عذاب برزخ کا ذکر ہے وہاں اس کی تفسیر و تشریح آنحضرت ﷺ نے

اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر اپنی زبان مبارک سے بیان فرمادی ہے، جو حق ہے اس لئے کہ: ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ ز حلقوم عبد اللہ بود

عذاب قبر سے کون کون محفوظ ہوں گے؟

درج ذیل لوگ کلفت قبر سے محفوظ ہوں گے۔

(۱) شہید کے لئے چھ انعامات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ: ”وَيَجَارُ مِنَ عَذَابِ الْقَبْرِ“ شہید کو عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ (ترمذی شریف)

(۲) جہاد کے سلسلے میں پہرہ داری کرنے والے کے بارے میں روایت ہے: ”وَمَنْ مَاتَ فِيهِ وَفَى فِتْنَةِ الْقَبْرِ“ جو پہرہ داری کے دوران مرجائے اسے فتنہ قبر سے نجات دے دی جائے گی۔ (ترمذی)

(۳) ”مَنْ قَتَلَهُ بَطْنُهُ لَمْ يَعْذَبْ فِي قَبْرِهِ“ جو پیٹ کی بیماری سے مر گیا اس کو عذاب قبر نہیں ہوگا۔ (ایضاً)

(۴) ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا عذاب قبر سے محفوظ ہوگا (نسائی)۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ ملک کا نام ”سورۃ المانعة“ ہے۔

(۵) مَنْ رَاطِبٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ آمَنَهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ جو آدمی اللہ کے راستے (جہاد) میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے جنگ کی تیاری کے ساتھ قیام لے اللہ تعالیٰ اس کو سوال قبر سے محفوظ رکھے گا۔ (طبرانی)

(۶) عبد اللہ بن عمر کی روایت میں ہے: ”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ“ (سنن الترمذی ج ۲، ص ۱۶۵)

یعنی جمعہ کے مبارک دن یا رات کو وفات پانے والے (مؤمن) کو عذاب قبر سے مکمل نجات ملتی ہے، البتہ کافر سے صرف جمعہ میں عذاب مرتفع ہوتا ہے، اس کے بعد پھر شروع ہو جاتا ہے۔ رمضان میں موت واقع ہونے کی صورت میں مؤمن سے تا قیامت اور کافر سے اختتام رمضان تک ارتقاع عذاب منقول ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۰۸)

فائدہ: انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر مؤمن بلکہ بچوں کو بھی قبر کچھ دبوچتی ہے مگر یہ بہت ہلکا عمل ہے، اس دبوچنے کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک ماں ایک مشکل سفر سے واپسی پر اپنے بیٹے کو ازراہ شفقت دبوچتی ہے۔ احادیث میں اس کو ”صغطة القبر“ سے تعبیر کیا ہے۔ (شرح القسطلانی ج ۱ ص ۴۴۴، کتاب الوضوء)

عذاب قبر اور اجماع امت

قبر میں راحت و عذاب کے بارے میں جو نصوص وارد ہیں ان کی روشنی میں علماء اہل سنت کا بھی اجماع ہے کہ راحت و عذاب قبر کا مسئلہ برحق ہے، یعنی قبر اور برزخ میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار منافقین اور گناہگاروں کو عذاب و تکلیف حاصل ہوتی ہے۔

عذاب قبر کا منکر کون ہے؟

(۱) عذاب قبر سے ملاحدہ، خوارج، کچھ معتزلہ اور بعض مرجہ وغیرہ کے علاوہ دور حاضر کے کئی جدید تعلیم

یافتہ طبقے کے لوگ سراسر انکار کرتے ہیں۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ معتزلہ کے ایک شیخ ضرار ابن عمرو العطفانی نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے، جن خوارج سے ہم ملے ہیں، ان کا بھی یہی مذہب ہے، اہل سنت اور بشر بن المعتمر البجائی اور بقیہ تمام معتزلہ عذاب قبر کے قائل ہیں۔ ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ اس کے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ سے احادیث ثابت ہیں۔

(اللسل والنحل ج ۲ ص ۱۵۷ ترجمہ اردو، بحوالہ تسکین الصدور ص ۹۴، اعلام القبر ص ۱۴)

خلاصہ یہ کہ معتزلہ کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ قبر میں عذاب ہے تو سہی، لیکن ان کو اپنے عذاب کا شعور نہیں۔ ہاں! جب قبروں سے انھیں گے اس وقت اس عذاب کو محسوس کریں گے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مشاہدہ میں چونکہ کچھ نظر نہیں آتا، نہ حیات اور اور نہ ادراک، تو عذاب کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ یہ گروہ بالکل عذاب قبر کا منکر ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو درحقیقت معتزلہ کا یہ پہلا گروہ بھی عذاب قبر کا منکر ہے۔ گو ان کے انکار کی تعبیر مختلف ہے۔ کیونکہ مبتلاء عذاب آدمی کو جب قبر میں عذاب کا شعور و احساس نہ ہو تو حقیقت عذاب تو نہیں پائی گئی پھر یہ کیسے عذاب قبر ہوگا۔ فرق باطلہ کی جانب سے عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ قبر میں راحت و عذاب اور سوال و جواب وغیرہ کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ جب میت میں حیات ہی نہیں ہوتی تو پھر یہ امور جو حیات پر متفرع ہیں، کیونکر متحقق ہو سکتے ہیں۔ (شرح الحاشیہ باب عذاب القبر و شرح المواضع بحوالہ احکام القرآن ج ۴ ص ۹۵) لیکن یہ مسلک قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ اور صریحہ کے خلاف ہے اور جمہور امت کا اتفاق اور اجماع اس پر مستزاد ہے۔ کتب علم عقائد اور شروح حدیث میں ان کا محسوس رد موجود ہے، جس کا خلاصہ آگے نقل کیا جائے گا۔

(۲) کچھ لوگ عذاب قبر اور راحت قبر صرف بدن غصری کے لئے مانتے ہیں کسی طرح بھی روح کا تعلق بدن سے نہیں مانتے ہیں، یہ نظریہ محمد بن جریر گرامی عبد اللہ بن کرام، ابوالحسنین الصالحی، (جو فرقہ صالحہ کا سربراہ تھا اور ان کے دیگر ہمناو لوگوں کا ہے۔ (تذکرہ لعلی ج ۱ ص ۱۶۶۵، وحاشیہ سامرہ ص ۱۱۴، بحوالہ اعلام البحر) لیکن روح کے اتصال اور تعلق کے بغیر محض بے جان جسم کے عذاب و راحت کا قول نری حماقت ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین بن محمد بن موسیٰ النجالی رحمہ اللہ اس گروہ کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ”جود بعضہم تعذیب غیر الحی، ولا شک اندہ سفسطۃ“ (النجالی ص ۱۱۸ ونحوہ فی البصر اس) ان میں سے بعض نے بلا حیات بدن کے معذب ہونے کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نری حماقت ہے۔

بہر حال فریق مذکور اگرچہ بزعم خود عذاب و راحت قبر کو تسلیم کرتا ہے مگر یہ بھی منکرین کے مترادف ہے، اس لئے کہ صرف اور صرف بلا روح بدن معذب ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی مثال تو یہ ہے کہ جیسے پتھر لکڑی، اور کوئلہ وغیرہ کو آگ میں ڈال دیا جائے تو ان میں جب عذاب محسوس کرنے والی چیز ہی نہیں تو عذاب کیا ہوگا؟

اہل سنت والجماعت کے اقوال

قرآن و سنت کی روشنی میں بنیادی طور پر امت کے علماء اور محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبر میں راحت و عذاب برحق ہے تاہم علماء حق کے درمیان کیفیت عذاب و راحت میں اختلاف پایا جا رہا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”امام بخاری رحمہ اللہ نے عذاب قبر کے تراجم الباب میں عذاب کو روح مع الجسد کے ساتھ مقید نہیں کیا، بلکہ نفس عذاب قبر کا اثبات کیا، اس لئے کہ اہل علم کے اقوال اس سلسلے میں مختلف ہیں، اور کسی ایک قول کو قطعی طور پر متعین نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (احکام القرآن محمد طبع ج ۴ ص ۹۹)

ابن حجر ثانی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے دونوں قول ہیں: ایک یہ کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ روح جسم دونوں کو ہوتا ہے اور صوفیاء اس کے قائل ہیں کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے۔ (العرف العدی، ص ۳۵۵)

بہر حال مختلف تحقیقات کی بنیاد پر دلائل کی روشنی میں کیفیت عذاب کے بارے میں مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ ان توجیہات و تحقیقات کی تفصیل سے قبل باطل فرقوں کے ایک مشہور اشکال کی وضاحت ضروری ہے اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میت کا جسم محفوظ نہیں رہتا مثلاً جل جاتا ہے یا جلادیا جاتا ہے یا دریا میں ڈوب جاتا ہے اور اس کو مچھلیاں وغیرہ ہڑپ کر جاتی ہیں یا درندے اور پرندے اس کو کھا جاتے ہیں اور قبر میں دفن کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تو پھر قبر میں عذاب و راحت کا کیا معنی؟

آئندہ سطور میں اہل علم کی تحقیقات ذکر کی جاتی ہیں، جن سے نہ صرف یہ کہ مندرجہ بالا اعتراض کی حیثیت ختم ہوگی۔ بلکہ سمجھنے والے آدمی کے دل میں کسی قسم کا وسوسہ اور شبہ باقی نہ رہے گا۔

(۱) قبر میں راحت و عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے۔ اہل علم کے ایک بڑے طبقے کا موقف یہ ہے کہ قبر یعنی برزخ کی راحت و عذاب میں جسم اور روح دونوں شریک ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ روح کا جسم کی طرف (موت کی وجہ سے ایک دفعہ علیحدگی کے بعد) دوبارہ اعادہ ہوتا ہے۔ ہاں! روح بدن میں مکمل طور پر داخل نہیں ہوتی، جس طرح کہ دنیا میں تھی بلکہ روح کا بدن سے اتصال اور تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک روح کا جسم پر اس کے اجزاء پر تو پڑتا ہے، جس کو وہ اشراق یا اشراق سے تعبیر کرتے ہیں اور اس اتصال سے ایک گونہ حیات جو مردہ کو حاصل ہوتی ہے۔ اس سے وہ نکیرین کا جواب بھی دیتا ہے اور راحت و عذاب بھی محسوس کرتا ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین القسستانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”والمعذب فی القبر حی بقدر ما یتالم بہ و هو أقرب الی الحق“ (جامع الرموز ج ۲ ص ۲۹۲، طبع ذلکھور، بحوالہ تسکین الصدور ص ۱۰۳)

جس کو قبر میں سزا دی جاتی ہے وہ اس کی اتنی مقدار زندگی ہوتی ہے جس سے وہ اذیت محسوس کرے اور یہی بات حق کے قریب ہے۔ اس بات کے دلائل بہت ہیں جن میں کچھ کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا، رہی یہ بات کہ میت کا جسم آگ میں جلنے، دریا میں غرق ہونے، پرندے اور درندے کے پیٹ جانے کی صورت میں کیسے مورد عذاب و راحت ہوگا، تو اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرات منتظمین فقہاء کرام اور شراح حدیث نے فرمایا کہ: قبر صرف اس گڑھے کا نام ہیں نہیں ہے بلکہ برزخ علیین اور جہنم کے اس مقام کا نام بھی ہے جو نیکیوں اور بدوں کی ارواح کا مستقر بھی ہے اور ان لوگوں کے لئے وہی مقام قبر ہے اور ان کی راحت و عذاب کا محل بھی وہی ہے۔ یعنی لفظ قبر کا اطلاق جہاں صحیح روایات کی روشنی میں حسی گڑھے پر کیا جاتا ہے، جس میں میت دفن ہوتی ہے، وہاں اس لفظ کو برزخی مقام پر بھی بولا جاتا ہے۔ جہاں میت یا اس کے اجزاء اصلہ ہوں، عام اس سے کہ وہ درندوں اور پرندوں کا پیٹ ہو یا دریا کی گہرائی ہو، آتشکدہ ہو یا ہوا۔ باقی یہاں لفظ قبر کا اطلاق حسی گڑھے اور برزخی مقام ہر

دونوں پر عموم مجاز کے طور پر ہے جو اباب اصول کے نزدیک جائز ہے۔

(عقائد الاسلام ص ۱۶۰، و نظم الفرائد حاشیہ شرح عقائد السنیہ ص ۱۷۱، تسکین الصدور تغیر سیر ص ۱۰۴)

بہر حال قبر سے مراد موت کے بعد دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے تک سارا عالم برزخ ہے۔ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھتے ہیں کہ: ”قبر سے مقصود ہر وہ مقام ہے، جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی۔ اس لئے قبر کی تنگی اور عذاب سے وہ لوگ بھی خارج نہیں جن کو درندے اور پرندے کھا گئے ہوں یا ان کو جلا کر ہوا میں بکھیر دیا گیا ہو۔ جہاں بھی ان کے ذرات ہوتے ہیں وہی جگہ ان کے حق میں قبر ہوتی ہے۔“

(کتاب الروح ص ۱۷ طبع حیدرآباد دکن)

دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ اعتراض اور شبہ ہی بے جا ہے، اس لئے کہ میت کو اگر پرندے کھا جاتے ہیں یا وہ جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے یا دریا میں غرق ہونے کی صورت وغیرہ میں اللہ کو اس امر پر پوری قدرت حاصل ہے کہ وہ راکھ کے ذرات کو بحر و بر سے جمع کر کے اس سے بھلا چنگا آدمی اور انسان بنادے اور پھر اس سے سوال کر کے اسے عذاب و راحت دے۔ بخاری و مسلم میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے الفاظ کے ساتھ ایک روایت مروی ہے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال، کان رجل یسرف علی نفسه فلما حصرہ الموت قال لسیہ اذ انا مت فاحرقونی تم اطحسبونی تم ذرونی فی الریح، فواللہ لئن قدر اللہ علی لیعذبنی عذاباً ما عذبہ أحد، فلما مات فعل بہ ذلک، فامر اللہ تعالی الارض، فقال احمعی ما فیک منه ففعلت فاذا هو قائم قال ما حملک علی ما صنعت قال محافطک یارب فبعثہ لہ“ (بخاری ج ۱ ص ۴۹۵، واللفظ لہ المسلم ج ۲ ص ۳۵۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے گناہوں کی وجہ سے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی تھی، جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا، اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر میری راکھ کو خوب پیس کر ہوا میں اڑا دینا، بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تنگی کی تو وہ مجھے ایسی سزا دے گا جو اور کسی کو اس نے نہیں دی، جب اس کی وفات ہوئی تو اس سے یہی کاروائی کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اس کے تمام ذرات کو جمع کر دے، سو اس نے ایسا ہی کیا جب وہ جمع کر دیا گیا تو وہ آدمی تھا جو کھڑا کر دیا گیا۔ فرمایا یہ کاروائی تو نے کیوں کی؟ اس نے کہا تیرے ڈر سے اے میرے پروردگار! سو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اس نے کہا کہ میری راکھ کا آدھا حصہ خشکی میں اور آدھا حصہ دریا میں بکھیر دینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(بخاری ج ۲ ص ۱۱۱، مسلم ج ۲ ص ۳۵۶، مسند احمد ج ۳ ص ۷۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ جسم کے ساتھ روح کا تعلق قائم رکھے اور پھر اس کو راحت و عذاب دے۔ چنانچہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: فکل من مات و هو مستحق للعداب ناله نصیبہ منہ قبر اولم یقبر فلو اکلته السباع أو احرق فی صرار ماداً أو سف فی الهواء أو صلب أو غرق فی البحر وصل الی روحہ وبدنہ من العذاب ما یصل الی القبور“ (کتاب الروح ص ۳۱ بحوالہ تسکین الصدور)

ہر وہ شخص جس کی وفات ہو گئی اور وہ عذاب کا مستحق ہے تو اس کو عذاب کا حصہ ضرور ملتا ہے۔ چاہے وہ قبر میں مدفون ہو یا نہ ہو۔ پس اگر ان کو درندے کھا گئے یا وہ جلا کر راکھ کر دیا گیا اور راکھ ہوا میں اڑا دی گئی یا سولی پر لٹکا دیا گیا یا دریا میں ڈوب گیا تو ان صورتوں میں اس کی روح اور اس کے بدن کو وہ عذاب پہنچے گا جو قبر میں دفن کئے ہوئے کو پہنچتا ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قبر اور برزخ کا معاملہ اس جہاں سے ہے جو ہماری مادی نگاہوں سے اوجھل ہے اور عادتاً اس عالم کی چیزیں ہمیں اس جہاں میں نظر نہیں آ سکتی ہیں۔ ورنہ ایمان بالغیب نہ رہے گا۔ جب دلائل قوی ہوں تو ہر مؤمن کو ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مولانا منطور نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب معارف الہدیث میں چند اصولی باتیں تحریر کی ہیں جن سے اکثر عالمی شبہات کا ازالہ ہوتا ہے۔

چند اصولی باتیں

بعد الموت کے سلسلہ کی حدیثیں پڑھنے اور ان کے مطالب سمجھنے سے پہلے چند اصولی باتیں ذہن نشین کر لینی چاہیں۔ ان باتوں کے مستحضر کر لینے کے بعد ان حدیثوں کے مضامین کے متعلق وہ دس ادس اور شبہات ان شاء اللہ پیدا نہ ہوں گے، جو حقیقت نہ اشناہی کی وجہ سے بہت سے دلوں میں اس زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام کا خاص کام (جس کے لئے وہ مبعوث ہوتے ہیں) ہمیں ان باتوں کا بتلانا ہے جن کے ہم ضرورت مند تو ہیں لیکن عقل و حواس سے بطور خود ہم ان کو نہیں جان سکتے یعنی وہ ہماری عقل کے دسترس سے باہر ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے لئے یقینی علم کا ایک خاص ذریعہ جو دوسرے عام انسانوں کے پاس نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ ان کو اسی ذریعہ سے ان چیزوں کا علم ہوتا ہے جن کو ہم اپنی آنکھوں کانوں سے اور اپنی عقل و فہم سے دریافت نہیں کر سکتے جس طرح دور بین رکھنے والا آدمی بہت دور کی چیزیں دیکھ لیتا ہے جن کو عام آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

(۳) کسی نئی کونبی مان لینے اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے اس کی بات کو تسلیم کر لیا اور پورے یقین کے ساتھ اس کو مان لیا اور قبول کر لیا۔ وہ ایسی بات بتلاتا ہے جس کو ہم خود نہیں جانتے اور نہیں دیکھتے۔ وہ اللہ کی وحی سے اس کا علم حاصل کر کے ہمیں بتلاتا ہے اور وہ سب حرف بحرف صحیح ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری عقل اور حواس بطور خود اس کو سمجھ لینے سے عاجز اور قاصر ہوں بلکہ ایسا ہونا ضروری ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام صرف وہی باتیں بتلائیں جن کو ہم خود ہی غور و فکر سے معلوم کر سکتے ہیں تو پھر ان کی ضرورت ہی کیا ہے۔

(۵) انبیاء علیہم السلام نے بعد الموت یعنی عالم برزخ (عالم قبر) اور عالم آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو۔ ہاں! ایسی چیزیں ضروری ہیں جن کو ہم اپنے غور و فکر سے از خود نہیں جان سکتے اور اس دنیا میں ان چیزوں کے نمونے نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کو اس طرح سمجھ بھی نہیں سکتے جس طرح اس دنیا کی دیکھی بھالی چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں۔

(۶) علم کے جو عام فطری ذریعے اور وسیلے ہمیں دیئے گئے ہیں۔ مثلاً: آنکھ، ناک، کان، عقل و فہم ظاہر ہے کہ ان کی طاقت اور ان کا دائرہ عمل بہت محدود ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جدید آلات کی خارجی مدد سے ان کے ذریعہ بہت سی وہ چیزیں ہمارے علم میں آ جاتی ہیں جن کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا جاتا۔ مثلاً: پانی میں یا خون میں جو جراثیم پائے جاتے ہیں۔ اب خوردبین کی مدد سے آنکھ ان کو دیکھ لیتی ہے، ریڈیو کی مدد سے کان ہزاروں میل دور

نیک کی آوازن لیتے ہیں۔ اسی طرح کتاب معلومات کی مدد سے پڑھے لکھے انسان کی عقل اس سے زیادہ سوچ لیتی ہے، جتنا کہ آنکھ کان کے ذریعے حاصل شدہ معلومات کی مدد سے سوچ سکتی تھی۔ اس تجربہ سے معلوم ہوا کہ کسی حقیقت کا صرف اس بنیاد پر انکار کر دینا کہ آج ہم اس کو نہیں دیکھتے، نہیں سنتے یا ہماری عقل اس کو نہیں سمجھتی۔ بڑی بے عقلی کی بات ہے: ”وما اوتیتہم من العلم الا قليلاً (الاسراء: ۸۵)“

(۷) انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک جسم جو ظاہر اور نظر آتا ہے۔ دوسری روح جو اگرچہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی، لیکن اس کے ہونے کا ہم سب کو یقین ہے۔ پھر انسان کے ان دونوں جزوں کا باہمی تعلق اس دنیا میں اس طرح ہے کہ تکلیف و مصیبت یا راحت و لذت کی جو کیفیت یہاں آتی ہے وہ براہ راست جسم پر آتی ہے اور روح اس سے تبعاً متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً انسان کو چوٹ لگتی ہے وہ زخمی ہوتا ہے یا مثلاً وہ کہیں آگ سے جل جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ چوٹ اور آگ کا تعلق براہ راست اس کے جسم سے ہوتا ہے لیکن اس کے اثر سے روح کو بھی دکھ ہوتا ہے، اسی طرح کھانے پینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ بھی براہ راست جسم ہی کو حاصل ہوتی ہے لیکن روح بھی اس سے لذت حاصل کرتی ہے۔ الغرض! اس دنیا میں انسان کے وجود اور اس کے حالات میں گویا جسم اصل ہے اور روح اس کا تابع ہے لیکن قرآن و حدیث میں عالم برزخ کے متعلق جو کچھ بتلایا گیا ہے۔ اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ یعنی اس عالم میں جس پر جو اچھی بری واردات ہوگی وہ براہ راست اس کی روح پر ہوگی، جسم اس سے تبعاً متاثر ہوگا کیونکہ وہاں جو اس کا کوئی کام نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے (شاید اس لئے کہ اس حقیقت کا سمجھنا ہمارے لئے آسان ہو جائے) اس دنیا میں بھی اس کا ایک نمونہ پیدا کر دیا ہے اور وہ عالم رؤیا یعنی خواب ہے عقل و ہوش رکھنے والا ہر انسان اپنی زندگی میں بار بار ایسے خواب دیکھتا ہے جس میں اس کو بڑی لذت ملتی ہے یا بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن خواب میں یہ لذت یا تکلیف براہ راست دراصل روح کے لئے ہوتی ہے اور جسم تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے۔ یعنی خواب میں آدمی مثلاً جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ کوئی لذیذ چیز کھا رہا ہے تو صرف یہ ہی نہیں دیکھتا کہ میری روح بھی کھا رہی ہے یا خیالی قوت ہی کھا رہی ہے، بلکہ اس وقت وہ یہی دیکھتا اور لطف اٹھاتا ہے گویا کہ بیداری کی طرح وہ اپنے اس جسم والے منہ سے کھا رہا ہے جس سے روزانہ کھایا کرتا ہے۔ اسی طرح خواب میں اگر وہ دیکھتا ہے کہ کسی نے اس کو مارا تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی روح کو مارا گیا بلکہ وہ اس وقت یہی دیکھتا اور الم محسوس کرتا ہے کہ گویا مارا اس کے جسم پر پڑی اور اس کے جسم پر اس وقت ویسی ہی چوٹ لگی جیسی بیداری میں مار پڑنے سے لگتی۔ حالانکہ واقعہ میں کچھ گزرتا ہے وہ خواب میں دراصل روح پر گزرتا ہے اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہوتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی جسم کا یہ تاثر اتنا محسوس ہو جاتا ہے کہ آدمی بیدار ہونے کے بعد جسم پر اس کے نشانات اور اثرات بھی پاتا ہے۔

الغرض! نیند کی حالت میں اچھے یا برے خواب دیکھنے والے شخص پر جو کچھ گزرتا ہے اور جسم پر اس کا اثر تبعاً پڑتا ہے۔ اسی لئے خواب دیکھنے والے کے قریب والا آدمی بھی اس کے جسم پر کوئی واردات گزرتے ہوئے نہیں دیکھتا۔ کیونکہ ہم اس دنیا میں کسی انسان کے ان ہی حالات کو دیکھ سکتے ہیں جن کا تعلق براہ راست اس کے جسم سے ہو۔ پس عالم برزخ میں (یعنی مرنے کے بعد سے قیامت تک کے دور میں) اچھے برے انسان پر جو کچھ گزرنے والا ہے۔ اس کی نوعیت بھی یہی ہے کہ وہ اصلی طور پر اور براہ راست روح پر گزرے گا اور جسم تبعاً اس میں شریک ہوگا

دور عالم روایا (خواب) کے تجربات کی روشنی میں اس کو سمجھ لینا کسی سمجھنے والے آدمی کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہے۔

(معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۸۹)

ملحدین کا جواب از مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ عذاب قبر کے بارے میں ملحدین کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”قرآن کریم یا حدیث میں فرمایا گیا کہ عذاب قبر برحق ہے اور وہ اپنی جگہ پر ہوتا ہے اس لئے کہ یہ دوسرے عالم کی چیز ہے۔ لاش پڑی ہوئی ہو اور سب کچھ گزر رہا ہو ممکن ہے کہ آپ کو نظر نہ آئے۔ آپ ایک سوتے ہوئے آدمی کو دیکھیں کہ وہ خواب میں سب کچھ دیکھ رہا ہے مگر آپ کو کچھ نظر نہیں آتا ہے۔۔۔۔۔ اس لئے کہ وہ ایک دوسرے عالم، عالم مثال سے گزر رہا ہے۔ روح نیند کے وقت نکل کر اس عالم میں پہنچی تو وہاں وہ سب کچھ دیکھ رہی ہے جب وہ خود سو یا ہوا اٹھ کر بیان کرے، آپ اس کی تصدیق کریں گے تو جیسے ایک سونے والے پر سب کچھ گزر رہا ہے، مگر آپ کو کچھ نظر نہیں آتا تو حدیث میں ہے کہ: ”النوم أخت الموت“ نیند موت کی بہن ہے تو جو چیز نیند میں گزرتی ہے وہ موت کے بعد بھی گزر سکتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے، آپ کو ایک لاش نظر آرہی ہے۔ مگر اس پر سب کچھ گزر رہا ہے لیکن اگر عقل لڑائیں تو عقیدہ بگڑ جائے گا۔ اس لئے کہ عقل کا وہاں کام نہیں۔ اگر عقل پر غیبی امور کا بوجھ ڈال دیا جائے تو سسک کر رہ جائے گی تو آپ دنیا کے ترازو سے آخرت کی چیزیں تو لے لگیں گے تو وہاں عقل کیا کام کرے گی؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے سونا تولنے کے ترازو میں آپ لکڑی تولنے لگیں، وہ نہیں تلے گی۔ ہر چیز سے اس کے دائرے کی چیزیں تولی جاتی ہیں، عقل سے عقلی امور آنکھ سے رنگ و صورت، ناک سے خوشبو بدبو اور کان سے آوازیں، پھر ہر ایک کا دائرہ الگ الگ ہے تو اسی طرح ایک دائرہ وحی خداوندی کا ہے، وحی بتلا سکتی ہے کہ قبر کیسی ہے، جنت و دوزخ کیسی ہے، پل صراط کیسا ہے، میزان عمل (جس میں اعمال تولے جائیں گے) وہ کیسی چیز ہے، یہ سب عقل سے بالاتر چیزیں ہیں، جو وحی سے سمجھ میں آئیں گی۔“ (خطبات حکیم الاسلام ج ۵ ص عناصر سیرت)

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ جو چیز بعید از عقل ہو اور عقل کے احاطہ اور ادراک میں نہ آتی ہو تو اسے مخالف یا باطل نہیں کہنا چاہئے، بلکہ بعید از عقل کہنا چاہئے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح فضاء اور نظام شمسی میں بڑے بڑے کروی اجسام موجود ہیں، جیسے سورج، چاند، تارے وغیرہ مگر وہ یا تو ہمیں چھوٹے نظر آتے ہیں یا بالکل نظر آتے ہی نہیں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ یہ اجسام عظام درحقیقت صغار ہوتے ہیں یا موجود نہیں، بلکہ ہر ہوش مند شخص یہ سمجھتا ہے کہ بعید از قیاس ہونے کی وجہ سے ہم ان اجسام کا صحیح ادراک نہیں کر پا رہے ہیں۔ لہذا جب ہم سے عالم مشاہدہ میں غلطی ہوتی ہے تو عالم برزخ میں ہمارا کیا حال ہوگا؟

الحاصل قبر میں ثواب و عذاب جسم اور روح دونوں کے لئے اگر مانا جائے اور روح کے بدن سے اتصال کے نتیجے میں ایک گونہ حیات (جو اس معبود حیات سے متفاوت ہے اور ہمارے ادراک سے بالاتر ہے) بھی تسلیم کر لیا جائے جیسے اپنی تحقیق کے بعد، احادیث کی روشنی میں معتبرا کثر اہل علم نے جن میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں، اختیار کر کے دلائل و براہین سے مضبوط کیا ہے تو اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اگرچہ مختلف احادیث میں قبر کے سوال و جواب کے سلسلے میں قبر کا لفظ بھی آیا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ

یہ سوال جواب صرف ان ہی مردوں سے مخصوص ہے، جو قبروں میں دفن ہوتے ہیں، دراصل قبر کا ذکر ان حدیثوں میں صرف اس لئے کر دیا گیا ہے کہ وہاں مردوں کو قبروں ہی میں دفن کرنے کا عام رواج تھا اور لوگ صرف اس طریقے کو جانتے تھے۔ ورنہ اللہ کے فرشتوں کی طرف سے یہ سوال و جواب ہر مرنے والے سے ہوتا ہے اور ہر مرنے والے کو یا راحت ملتی ہے یا عذاب ہوتا ہے، خواہ اس کا جسم قبر میں دفن کیا جائے، خواہ دریا میں بہایا جائے، خواہ آگ میں جلایا جائے، خواہ گوشت خور جانوروں کے پیٹ میں چلا جائے اور جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ یہ سب کچھ براہ راست اور اصلی طور سے روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم خواہ کہیں ہو۔ وہ تبعا اس سے متاثر ہوتا ہے اور خواب کی مثال اس کے سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

چنانچہ عذاب قبر کے بارے میں بحث کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ولهذا صار بعض الناس الى أن عذاب القبر إنما هو على الروح فقط، كما يقول له ابن ميسرة وابن حزم وهذا قول منكر عند عامة اهل السنة والجماعة، وصار آخرون يحتجون بالقدرة وبخبر الصادق، ولا ينظرون الى ما يعلم بالحس والمشاهدة، وقدرة الله حق وخبر الصادق حق، لكن الشأن في فهمه، وإذا عرف أن النائم يكون نائماً، وتقعده روحه، وتقوم، وتمشي، وتذهب، وتتكلم، وتفعل أفعالا، وأمورا باطنة، بدنه مع روحه ويحصل لبدنه وروحه بها نعيم، وعذاب مع أن جسده مضطجع، وعينه مغمضة، وفمه مطبق، وأعضائه ساكنة، وقد يتحرك بدنه لقوة الحر كذا الداخل، وقد يقوم، ويمشي، ويتكلم، ويصيح لقوة الأمر في باطنه، وكان هذا مما يعتبر به أمر الميت في قبره فإن روحه تقعد، وتحلس، وتسأل، وتنعم، وتعذب، وتصيح، وذلك متصل ببدنه مع كونه مضطجعا في قبره“ (شرح حدیث النزول ص ۵۱، کتاب الروح ص ۶۲، تسکین الصدور ص ۱۲۹) اور بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے، جیسا کہ ابن میسرہ رحمہ اللہ اور ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں لیکن یہ قول اکثر اہل سنت والجماعت کے نزدیک مردود ہے اور دوسرے حضرات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخبر صادق کی خبر سے دلیل پکڑتے ہیں، حس اور مشاہدہ کی طرف سے وہ نہیں دیکھتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی حق ہے اور صادق کی خبر بھی حق ہے لیکن معاملہ اس کے سمجھنے کا ہے اور جب یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ سونے والا خوابیدہ ہوتا ہے اور اس کی روح بیٹھتی، اٹھتی، چلتی، پھرتی، بولتی اور کئی قسم کے افعال اور معاملات بدن کے اندر ہی کرتی ہے۔ نیز اس کے بدن اور روح کو کلفت حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کا جسم پڑا رہتا ہے اور اس کی آنکھیں اور منہ بند ہوتا ہے۔ اس کے اعضاء ساکن ہوتے ہیں اس کے علاوہ کبھی داخلی حرکت کی قوت کی وجہ سے بدن بھی حرکت کرتا ہے اور کبھی اٹھتا اور چلتا ہے اور کبھی بولتا اور آواز کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر خاصی قوت ہوتی ہے۔ اس سے قبر میں میت کا معاملہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کی روح اٹھائی اور بٹھائی جاتی ہے اور اس سے سوال کیا جاتا ہے اور اس کو راحت و تکلیف حاصل ہوتی ہے اور وہ آہ و زاری کرتی ہے اور روح بدن سے متصل ہوتی ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ یوں لکھتے ہیں: ”وإذا كان النائم روحه في جسده وهو حي وحياته غير حياة المستيقظ فإن النوم شقيق الموت فهكذا الميت إذا أعيدت روحه الى جسده كان له حال متوسط بين الحي وبين الميت فتأمل هذا يزعمك اشكالات كثيرة... الخ“ (کتاب الروح ص ۵۳، بحوالہ تسکین الصدور) اور جب سونے والے کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور وہ زندہ ہوتا ہے، لیکن اس کی زندگی بیہوش

آدمی کی زندگی سے متفاوت ہوتی ہے۔ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے۔ سو اسی طرح جب مردہ کے جسم کی طرف اس کی روح لوٹائی جائے گی تو اس کی حالت زندہ اور اس کے درمیان ہوگی، جس کی روح نہیں لوٹائی گئی جیسے کہ خوابیدہ کی حالت زندہ اور مردہ کے درمیان ہوتی ہے، تم اگر اس مثال پر غور کرو گے تو ان شاء اللہ! تمہارے بہت سے اشکالات اس سے دور ہو جائیں گے۔

حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب بات

حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے مذکورہ بات کی وضاحت ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ”میں چار سال کا تھا کہ میں نے اپنے علاقہ کشمیر میں دو آدمیوں کی عذاب قبر کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے سنا ان دونوں میں یہ بحث چل رہی تھی کہ کیا عذاب جسم کو ہوتا ہے یا روح کو؟ ان دونوں کی رائے اس پر ٹھہری کہ عذاب دونوں کو ہوتا ہے، پھر دونوں نے اس کی یوں مثال بیان کی کہ جسم اور روح کی ایسی ہی مثال ہے جیسے اندھا اور لنگڑا جو دونوں ایک باغ میں گئے تاکہ وہاں سے پھل چنیں، لیکن اندھا دیکھنے سے عاجز تھا اور لنگڑا کھڑا ہو کر پھل چننے سے قاصر تھا، دونوں نے آپس میں اس بارے میں مشورہ کیا۔ چنانچہ لنگڑا اندھے کے کندھے پر سوار ہو گیا اندھا اس کو درختوں کی طرف لے جاتا اور لنگڑا پھل دیکھ کر چن لیتا۔ یہی حال ہے بدن کا روح کے ساتھ، کیونکہ بدن روح کے بغیر جماد ہے اس میں کوئی حرکت نہیں اور روح بغیر بدن کے افعال سے معطل ہے۔ اس لئے ایک کو دوسرے کی حاجت ہے، جب بدن اور روح کسب میں دونوں شریک ہیں تو اجر اور گناہ میں بھی شریک ہیں۔ ۳۵ برس گزرنے کے بعد میں نے یہی بات حضرت ابن عباس کے حوالے سے تفسیر قرطبی میں دیکھی، جو ان دو آدمیوں نے اپنے فطری ذوق سے کہی تھی تو غور کیجئے کہ ایسی چیز ارسطاطالیس وغیرہ یونانی حکماء سے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۱۱۵، کتاب الروح ص ۲۲ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے)

فخر المناطقہ والفلاسفہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں عذاب قبر وغیرہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”عذاب قبر کے اثبات پر شریعت حقہ کی قطعی دلیلیں قائم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں، عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مشہور ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو تبروں کے پاس گزرے تو فرمایا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس کی دلیل ہے کہ فرعونوں کو سخت عذاب نے گھیر لیا وہ آگ ہے جس پر صبح و شام ان کو پیش کیا جاتا ہے اور عذاب قبر ممکن بھی ہے۔ لہذا اس کی تصدیق واجب ہے اور امکان کی وجہ ظاہر ہے (چنانچہ اہل سنت والجماعت کا اصول یہی ہے کہ جو چیز ممکن ہو اور اس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیں تو اس پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے) معتزلہ نے اس سلسلے کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم میت کو عیاں نہ دیکھتے ہیں اور اس کو کوئی عذاب نہیں ہوتا اور بعض اوقات میت کو درندے چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں لیکن یہ ان کا غلط نظریہ ہے، کیونکہ مشاہدہ تو ظاہری جسم کا ہوتا ہے اور عذاب برزخی کا ادراک کرنے والی جزء دل یا باطن میں ہوتی ہے، سمجھ بھی ہو عذاب سے یہ لازم نہیں آتا کہ ظاہری بدن پر بھی حرکت ہو بلکہ سونے والے شخص کے ظاہری جسم کو دیکھنے والا شخص اس لذت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا، جس کا احساس خوابیدہ کو احتکام کے وقت ہوتا ہے اور اس درد کا ادراک بھی بیدار شخص نہیں کر سکتا، جس کا سونے والا مار پٹائی کے تحنیل سے احساس کرتا ہے۔ اگر

سونے والا شخص بیدار ہونے کے بعد اپنی تکلیف اور لذات کے وہ مشاہدات جو اس پر گزرے ہیں کسی ایسے شخص کو بتلائے جو اس نیند کے اس ماجرا سے نا آشنا ہے تو وہ یقیناً اس کا فٹ انکار کر دے گا۔ کیونکہ وہ تو بظاہر اس کے سکون جسم سے دھوکہ کھائے گا، جیسا کہ معتزلہ نے اپنے مشاہدہ کی بناء پر عذاب قبر کا انکار کر دیا ہے۔ رہا وہ شخص جس کو درندے کھا گئے ہوں تو اس باب میں جو آخری بات کہی جاسکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ درندے کا پیٹ اس کے لئے قبر ہو جائے گا سو ایسی جزء کی طرف اعادہ حیوة جس سے ادراک عذاب ہو سکے، بالکل ممکن ہے، کیونکہ درد میں جلاء شخص تمام بدن سے درد کا ادراک نہیں کیا کرتا۔ (الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۷۰ طبع قاہرہ)

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ جس شخص کو درندے کھا گئے ہوں اور درندوں کا پیٹ اس کے لئے قبر ہو، تو پھر درندوں کو عذاب کے وقت تکلیف ہونی چاہئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس طرح معتزلہ وغیرہ کی تردید میں علامہ شمس الدین الخیالی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ”واما نعذيب المأكول بخلق نوع من الحيوة في بطن الاكل فواضحاً لا مكان كدودة في الحوف وفي خلل المدن فانها تاتاهم وتلتذذ بلا شعور منا“ (خیالی ص ۱۱۸) بہر حال جس میت کو کوئی جانور کھا گیا ہو اس کو بایں طور سزا دینا کہ کھانے والے کے پیٹ میں ایک گونہ حیات اس میں پیدا کر دی جائے، اس کا روشن امکان ہے، جس طرح کہ ہمارے پیٹ اور بدن کے زخم کے درمیان کوئی کیڑا ہوتا ہے، اس کو تکلیف بھی ہوتی ہے، اور لذت بھی مگر ہمیں بالکل اس کا شعور نہیں ہوتا۔

حیات فی القبر سے کیا مراد ہے؟

حیات فی القبر سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ میت میں کامل اور پوری حیات ہو، جس طرح دنیا میں تھی یا قیامت کو ہوگی اور جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی احتیاج بیضتاً نقل و حرکت کرتا اور جنبش کرتا اور اختیاری افعال کرتا نظر آتا ہو، بلکہ حیات سے فی الجملہ (ایک گونہ حیات) مراد ہے، جس کا تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے اور جس سے وہ قبر میں عذاب کا دکھ سکھ کا رنج و راحت کا خوشی اور تکلیف کا ادراک حیات مراد ہے: کر سکتا ہے۔ قبر میں سوال و جواب اور عذاب و راحت کے ادراک کے لئے اتنی ہی حیات کافی ہے اور ایسی ہی حیات جائز اور ممکن ہے اس میں کوئی استبعاد نہیں۔

چنانچہ شرح العقائد میں علامہ تفتازانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ”ویجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الاحیاء أو فی بعضہا نوعاً من الحیوة فقدر ما یدرک السمع العذاب ولذۃ التعمیم وهذا لا یتلزم اعادۃ الروح الی بدنہ ولا ان یتحرک ویضطرب....“ (شرح عقائد ص ۷۷، والبر اس ص ۳۲۳)

یہ بات جائز ہے کہ اللہ پاک میت کے تمام اجزاء میں یا بعض میں ایک گونہ حیات پیدا کر دے، جس سے وہ عذاب کا درد اور خوشی کی لذت کا ادراک کر سکے اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ وہ حرکت واضطراب اور جنبش بھی کرے۔

حیات بعد الموت اور عالم آخرت کی زندگی پر ایک اشکال کا جواب

حیات بعد الموت پر بھی سب سے بڑا اشکال یہی ہوتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے، پھر مٹی کہیں ہوا کے ساتھ اڑ جاتی ہے، کہیں پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے، کہیں درختوں اور کھیتوں کی شکل میں برآمد ہوتی ہے، پھر اس کا ذرہ ذرہ دنیا کے اطراف بعیدہ میں پھیل جاتا ہے۔ ان منتشر ذروں اور اجزاء انسانی کو جمع کرنا اور پھر ان میں روح ڈال دینا سطحی نظر والے انسان کی اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سب کو اپنی قدرت پر قیاس کرتا ہے

اور اپنے سے اوپر اور ناقابل قیاس قدرت میں غور نہیں کرتا۔ حالانکہ اگر ذرا وہ اپنے ہی وجود میں غور کرے تو اسے نظر آئے کہ آج بھی اس کا وجود ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء اور ذرات کا مجموعہ ہے۔ انسان کی آفرینش جن ماں باپ کے ذریعے ہوتی ہے اور جن غذاؤں سے ان کا خون اور جسم بنتا ہے وہ خود جہاں کے مختلف گوشوں سے سنے ہوئے ذرات ہوتے ہیں۔ پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا کے ذریعے نشوونما پاتا ہے۔ اس میں غور کرے تو اس کی غذاؤں میں ایک ایک چیز ایسی ہے، جو تمام دنیا کے مختلف ذرات سے بنی ہوئی ہے، دودھ پیتا ہے تو وہ کسی گائے بھینس یا بکری کے اجزاء ہیں اور جانوروں میں یہ اجزاء اس گھاس دانے سے پیدا ہوئے جو انہوں نے کھائے ہیں۔ یہ گھاس دانے معلوم نہیں کسی کسی خطہ زمین سے آئے ہیں اور ساری دنیا میں پھرنے والی ہواؤں نے کہاں کہاں کے ذرات کو ان کی تربیت میں شامل کر دیا ہے۔ اس طرح دنیا کا دانہ اور پھل اور ترکاریاں اور انسان کی تمام غذا ایں اور دوائیں جو اس کے بدن کا جزء بنتی ہیں وہ کس کس گوشہ عالم سے کس کس طرح حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور نظام محکم نے ایک انسان کے بدن میں جمع فرمادیئے۔ اگر غافل اور کوتاہ انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنے ہی تن کی تحقیق (ریسرچ) کرنے بیٹھ جائے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ اس کا وجود خود ایسے بے شمار اجزاء سے مرکب ہے جو کوئی مشرق کا ہے، کوئی مغرب کا۔ کوئی جنوبی دنیا کا، کوئی شمالی حصہ کا۔ آج بھی دنیا میں پھیلے ہوئے اجزاء قدرت کے نظام محکم نے اس کے بدن میں جمع فرمادیتے ہیں اور مرنے کے بعد یہ اجزاء پھر اسی طرح منتشر ہو جائیں گے۔ اب دوسری مرتبہ پھر اس کا جمع فرمادینا اس کی قدرت کاملہ کے لئے کیا دشوار ہے، جس نے پہلی مرتبہ اس کے وجود میں ان منتشر ذرات کو جمع فرمادیا تھا۔ (تفسیر معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج ۱ ص ۶۲۴)

تمام شبہات کو دفع کرنے کے لئے حافظ ابن قیمؒ کا ایک جامع جواب

(۱) حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے درحقیقت تین قسم کے عالم بنائے ہیں: ایک ہے عالم دنیا، ایک ہے عالم برزخ اور ایک ہے عالم آخرت۔

عالم دنیا میں براہ راست اور بالذات الم و تکلیف سے جسم متاثر ہوتا ہے اور روح بھی متاثر ہوتی ہے، لیکن بالتبع اور عالم برزخ میں اس کا برعکس ہوتا ہے اور عالم آخرت میں کوئی کسی کا تابع نہیں ہوتا، جسم اور روح دونوں بالذات متاثر ہوتے ہیں۔ عالم برزخ اور قبر کا عذاب کا تعلق براہ راست روح سے ہوتا ہے جسم اس سے تبعاً متاثر ہوگا اور ہم عالم دنیا میں رہتے ہوئے عالم برزخ کا احساس و ادراک نہیں کر سکتے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۷۷، ۷۸)

(۲) بعض اہل علم کا خیال ہے کہ قبر میں عذاب و راحت محض روح کو ہوتی ہے۔ یہ مذہب علامہ ابن

حزمؒ اور ابن ہبیرہؒ کا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم اپنی کتاب ”المحلی“ میں لکھتے ہیں: ”قن عذاب القبر حق و مسألة الارواح بعد الموت“ (المحلی ج ۱ ص ۲۱)

عذاب قبر برحق اور موت کے بعد ارواح سے فرشتوں کا سوال بھی حق ہے حافظ ابن حزمؒ وغیرہ کے اس مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ عذاب قبر تو حق ہے، اس سے انکار ایک قطعی امر سے انکار ہے۔ مگر یہ ساری کارروائی روح سے متعلق ہے اس میں روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ: ”ولا یحییٰ احد بعد الموت الی یوم القیامة“ (المحلی ج ۱ ص ۲۱)

ترجمہ: موت کے بعد تا قیامت کوئی شخص زندہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس سلسلہ میں تفصیلی بحث علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ملل و نحل (مترجم اردو) میں کی ہے۔

(ملل و نحل مترجم اردو ج ۲ ص ۱۵ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

یہ مسلک کہ قبر میں عذاب و راحت محض روح کو ہے قطع نظر اس سے کہ دلائل کی روشنی میں یہ کتنا وزنی ہے؟ تاہم اس سے جہاں ایک طرف نفس مسئلہ عذاب قبر کی حقانیت واضح ہوتی ہے وہاں بالکل مکرین عذاب قبر کے اشکال (کہ بیشتر ابدان ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور بعض کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے اور بعض کو درندے، پرندے اور مچھلیاں کھا جاتی ہیں اور ان کے اجسام ان حیوانات کا جزو بدن ہو جاتے ہیں تو پھر عذاب کیسے؟ کا جواب بھی ہو جاتا ہے، اس لئے کہ جسم خواہ کچھ سے کچھ ہو جائے، مگر عذاب کا تعلق تو روح سے ہے اور روح کو تو موت نہیں آتی تو پھر مطلقاً عذاب قبر کے انکار کا کیا معنی ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ ابن حزم ظاہری نے مکرین عذاب قبر کے اعتراضات سے بچنے کے لئے عذاب ارواح کا قول کیا، مگر نفس عذاب قبر و برزخ سے وہ بھی انکار نہیں کرتے ہیں۔

(۳) بعض اہل علم اور صوفیاء کرام کا مسلک ہے کہ قبر اور برزخ میں راحت و کلفت روح اور بدن دونوں کو ہوتی ہے، لیکن بدن اولیٰ، عنصری اور مادی کو نہیں بلکہ بدن مثالی کو جو ان کے نزدیک بدن عنصری کے اندر حلول کئے ہوئے ہوتا ہے جس کو بعض نفس ناطقہ اور بعض نسمہ بھی کہتے ہیں اور قبر میں روح کا تعلق اس بدن مثالی سے ہوتا ہے۔ اگرچہ بدن عنصری اور مادی ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہی کیوں نہ ہو جائے یا اس کو جلا دیا جائے یا اس کو حیوانات ہڑپ کر جائے اور یہی وجہ ہے کہ دیکھنے والوں کو قبر میں کوئی راحت و تکلیف جو مردہ پر وارد ہوتی ہے محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ان کی نگاہ تو بدن مادی پر پڑتی ہے اور بدن مثالی محسوس نہیں ہوتی تو اس طرح اس کی راحت و تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی اور چونکہ احادیث صحیحہ اور حضرات ائمہ دین کی عبارات میں جسم اور بدن کا لفظ مذکور ہے۔ اس لئے ان حضرات نے اس بدن سے بدن مثالی مراد لی ہے اور فرماتے ہیں کہ ارباب کشف نے اپنے کشف کے ذریعہ اس بدن کا ادراک کیا ہے اور متعدد کتب تفسیر اور تصوف میں بدن مثالی کا ذکر موجود ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وقد صح اند رحمہ اللہ پر راۓ موسیٰ علیہ السلام قانما یصلی فی قبرہ و راۓ فی السماء و راہ یطوف بالبيت“ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۳۲۷ و فی روح المعانی ج ۲ ص ۲۱۷ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہو کر قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور شب معراج میں ان کو آسمان پر بھی دیکھا اور انہیں خانہ کعبہ کا طواف کرتے بھی دیکھا اور بیت المقدس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کے بارے میں آپ کا کہنا ارشاد ہے جس کی امام ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے مسند میں امام طبرانی کبیر میں تخریج کی ہے: ”قال مثل لی السیور فصنبت بہم“ (البیہاوی ج ۳ ص ۱۲ مظہری ج ۵ ص ۳۹۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میرے لئے مثالی جسم میں حاضر کئے گئے اور میں نے انہیں نماز پڑھائی۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات لوگوں سے بدن مثالی ہی سے ہوتی ہے۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۳۲۶)

تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ میں ہے کہ زلیخا نے جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو رغلانے کی کوشش کی تھی تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثالی صورت ہی ان کے سامنے پیش ہوئی تھی۔

(ابن کثیر ج ۲ ص ۷۴، صراط مستقیم ۱۳۸، تسکین الصدور ص ۹۵)

بہر حال عالم مثالی کا وجود تسلیم کر لینے سے بہت سے مسائل کا جواب نکل آتا ہے اور بہت سے مشکلات

حل ہو جاتے ہیں۔

کچھ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے حوالے سے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ میں فرنگی اقتدار اور مغربی خیالات کی اشاعت کے باعث اسلام کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہونے کا خطرہ بھانپ کر اس کے تدارک و مدافعت کے لئے مکمل دلائل و براہین کا ایک بے بہا ذخیرہ ”حجۃ البالیغ“ نامی کتاب کی شکل میں فراہم کر دیا، تاکہ آئندہ نسلیں اس سے مستفید ہو کر صحیح راہ نہ چھوڑیں۔ چنانچہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ کتاب میں عالم مثال کا ایک باب باندھا ہے اور اس کے تمام اصول و فروع بیان کئے ہیں۔ ہم اس موقع پر شاہ صاحب کے اس باب کا پورا ترجمہ درج کرتے ہیں:

”معلوم ہونا چاہئے کہ بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری (مادی دنیا) کے علاوہ ایک اور ایسا عالم موجود ہے جس میں معنوی (پوشیدہ) چیزیں (مثلاً صفات انسانی وغیرہ) اپنی صفت کے مناسب جسم میں ظہور آتی ہیں اور زمین میں پائے جانے سے بیشتر ہر چیز پہلے وہاں موجود ہوتی ہے اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار بالکل اس عالم مثال کے مطابق ہوتا ہے اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا عام لوگوں کے نزدیک جسم نہیں ہے۔ اس عالم میں منتقل ہوتی اور اترتی ہیں لیکن لوگوں کو دکھائی نہیں دیتیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب خدا نے رحم (صلہ رحم کا رشتہ مہربانی) کو پیدا کیا تو وہ کھڑا ہو کر یہ کہنے لگا کہ یہاں اس شخص کا ٹھکانہ ہے جو قطع رحم کرنے (ناطہ توڑنے) میں تجھ سے ڈرتا اور تیری پناہ مانگتا ہے اور فرمایا کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران قیامت کے دن اس طرح سے آئیں گی کہ گویا وہ دو بدلیاں یا دو چھتریاں اور سائے یا صف بستہ پرندوں کے دو غول ہیں اور وہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے ہو کر گفتگو کریں گی اور فرمایا کہ قیامت کے روز سب اعمال آئیں گے پہلے نماز آئے گی پھر صدقہ آئے گا پھر روزے وغیرہ اور فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مجسم چیزیں بن کر قیامت کے روز کھڑی ہوں گی، نیکی تو اپنے کرنے والے کو خوشخبری دے گی اور بادی کہے گی: بچو، بچو! لیکن وہ (بد لوگ) اس سے بچ نہ سکیں گے اور فرمایا کہ قیامت کے روز خداوند تعالیٰ تمام دنوں کو تو ہو بہو لائے گا، لیکن جمعہ کے دن کو نہایت چمک دمک سے ظاہر کرے گا اور فرمایا کہ دنیا قیامت کے روز ایک ایسی ادھیر عمر بڑھیا کی صورت میں لائی جائی گی جس کے نیلے نیلے دانت ہوں گے اور پھیلا ہوا بدنما منہ ہوگا، اور فرمایا کہ (اے لوگو) جس کو میں دیکھتا ہوں کیا وہ تم کو نظر آتا ہے میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرف فتنے و فساد برستے دیکھتا ہوں۔“ (یہ آپ ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کے بعد ایسا ہی ہوا، شہادت حسنین اور تھقل حراء جیسے سخت مصائب اہل مدینہ پر نازل ہوئے: مترجم)

حدیث معراج میں ہے کہ یکا یک مجھ کو چار نہریں دکھلائی دیں دو باطنی اور دو ظاہری تو میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ دو باطنی نہریں جنت میں ہیں اور جو دو باقی ظاہری ہیں، وہ نیل اور

فرات ہیں اور سورج گرہن کی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو جنت و دوزخ کی صورت دکھائی گئی اور ایک روایت میں یوں کہ قبلہ کی (یعنی سامنے کی دیوار اور میرے درمیان جنت و دوزخ کی صورت دکھائی گئی اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ (دوزخ) کی آگ کی گرمی سے اف اف کرتے ہوئے پیچھے ہٹے اور اس آگ میں حاجیوں کے مال چرانے والے کو دیکھا اور اس عورت کو بھی دیکھا جس نے کسی بلی کو باندھ کر بھوکا پیاسا مارا تھا اور جنت میں اس رنڈی کو دیکھا جس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ جنت اور جہنم کی وسعت جو عام لوگوں کے خیال میں ہے، وہ اس قدر مسافت (یعنی کعبہ کی چار دیواری) میں نہیں سما سکتی اور ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ جنت ایسی تکلیف دہ چیزوں سے گھری ہوئی ہے جو نفس کو ناگوار ہیں، اور دوزخ ایسی لذت والی چیزوں سے جن کی نفس کو خواہش ہے (یعنی جنت میں جانے کے لئے مشکلات جھیلنی پڑتی ہیں اور دوزخ میں جانے والا اس میں داخل ہونے سے قبل بڑے عیش و آرام اور بغیر کسی تکلیف کے رہ چکا ہوگا) پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ لو اب ان کو دیکھو، اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب بلا نازل ہوتی ہے تو دعاء اس سے لڑتی اور اس کو روکتی ہے اور فرمایا کہ اللہ نے عقل کو پیدا کر کے یہ کہا کہ سامنے آ، تو وہ آگئی اور پھر کہا کہ چلی جا، تو وہ چلی گئی اور فرمایا کہ یہ دو کتابیں پروردگار عالم کی طرف سے (ارسال کردہ) ہیں۔ (اس میں شاید اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ دو کتابیں لئے ہوئے نکلے اور فرمایا کہ ایک کتاب میں تو جنتیوں کے نام ہیں اور ایک میں دوزخیوں کے) اور فرمایا کہ موت ایک مینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دی جائے گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے مریم کے پاس اپنا ایک فرشتہ بھیجا تو وہ ان کو ایک جوان آدمی کی شکل میں دکھائی دیا اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جبرائیل آنحضرت ﷺ کے پاس آتے تھے تو آپ ان کو دیکھتے تھے اور ان سے باتیں بھی کرتے تھے لیکن اور لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مومن کی قبر ستر گز لمبی اور ستر گز کشادہ ہو جاتی ہے اور کافر کی تنگ۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیاں الٹ پلٹ کر ادھر کی ادھر نکل جاتی ہیں اور یہ کہ قبر میں میت کے پاس فرشتے آکر اس سے سوال کرتے ہیں اور اس کے اعمال اس کو ایک خاص شکل میں نظر آنے لگتے ہیں اور یہ کہ جانکنی کے وقت فرشتے آتے ہیں تو ان کے ہاتھوں میں یا تو ریشم ہوتا ہے یا ٹاٹ (تاکہ مرنے والا اگر مؤمن صالح ہو تو اس کی تو روح ریشم میں لے جائیں اور اگر فاسق فاجر کا ہو تو ٹاٹ میں لے جائیں اور یہ کہ قبر میں (کافر) کی چھج کو مشرق سے مغرب تک (سوائے جن والنس) کے سب سنتے ہیں اور یہ کہ ہر کافر پر اس کی قبر میں ننانوے زہریلے اثر دھم مسلط کئے جاتے ہیں، تاکہ وہ اس کو قیامت کے آنے تک نوچتے اور ڈستے رہیں اور فرمایا کہ جب مردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اسے آفتاب غروب ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے تب وہ بیٹھ کر آنکھیں ملنے لگتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو تو کسی میں ذرا نماز پڑھ لوں۔

حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ قیامت میں اہل حشر کو مختلف صورتوں میں اپنی تجلی دکھائے گا اور یہ کہ نبی کریم ﷺ خداوند تعالیٰ کے پاس جائیں گے اور وہ اپنی کرسی پر (جلوہ افروز) ہوگا اور یہ کہ خداوند تعالیٰ ابن آدم سے دو بدو کلام کرے گا۔ اس کے اور بہت سی احادیث ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اب ان احادیث کا دیکھنے والا تین حال سے خالی نہیں:

(الف): یا تو ان کے ظاہری معنی کا اقرار کر کے ایک عالم ثابت کرے گا جس کا حال ہم نے ذکر کیا یعنی

(عالم مثال) چنانچہ علمائے حدیث کا یہی دستور ہے۔ جیسے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تو اسی کا قائل ہوں اور خود میری بھی یہی رائے ہے اور یہی مذہب ہے۔

(ب): یادہ یوں کہے گا کہ یہ چیزیں محض حسن بصر میں دکھائی دیتی ہیں اور اصل میں ان کا کچھ وجود نہیں، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اس آیت: ”یوم تأتی السماء بدخان مبین (الدخان: ۱۰)“ کی تفسیر میں ایسا ہی کہا ہے کہ ان کے زمانہ میں قحط سالی ہو گئی تھی اس وقت جب کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو بھوک کی وجہ سے اس کو دھواں سا نظر آتا تھا اور ابن مابشون رضی اللہ عنہ (مشہور محدث) سے منقول ہے کہ جس حدیث میں بھی خداوند تعالیٰ کی نسبت قیامت کے روز نقل و حرکت کرنے یا رویت و تجلی کا ذکر آیا ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی نگاہ بدل دے گا، جس کو وہ آسمان سے اترتا اور تجلی کرتا دیکھیں گے اور یوں سمجھیں گے کہ وہ ان سے کلام کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی اسی عظمت سے ہے نہ اترتا ہے نہ کوئی نقل و حرکت بندوں کرتا ہے اور یہ سب اس لئے ہے کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

(ج): یا یوں کہے گا کہ ان احادیث میں سب باتیں بطور تمثیل کے بیان کی گئی ہیں جن سے مقصود کچھ اور ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ تیسرا قول کسی اہل حق کا نہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے عذاب قبر کے باب میں ان تینوں مقامات کی صورت بہت اچھی طرح بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث کے ظاہری معنی تو صحیح ہیں لیکن ان کے اسرار و بھی مخفی ہیں اور اہل بصیرت پر یہ سب واضح ہیں۔ لہذا جس کو ان کے اسرار معلوم نہ ہوں اور اصل حقیقت کا علم نہ ہو تو اسے ان کے ظاہری معنوں کا انکار نہیں کرنا چاہئے بلکہ سچا جان کر تسلیم کر لینا چاہئے۔ کیونکہ یہی ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ ہم نے کافر کی قبر کو بار بار کھول کر دیکھا اور عرضہ تک اس کی لاش کو بھی قبر میں پڑے دیکھا لیکن یہ چیزیں ہم نے کبھی نہیں دیکھیں (یعنی ان پر راحت و عذاب ہوتے نہیں دیکھا) پھر خلاف مشاہدہ چیزوں کی کیسے تصدیق کی جائے؟ تو اس کا جواب یوں ہے کہ انسان کے ہر ایسی باتوں کی تصدیق کرنے میں تین حال ہیں:

(۱) پہلا حال جو کہ سب سے زیادہ واضح ہیں اور قابل تسلیم ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب باتیں اپنی جگہ موجود ہیں۔ بے شک اس کو سانپ اور اثر دھاؤں رہا ہے لیکن تجھ کو ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ ملکوتی امور کے دیکھنے کی ان آنکھوں میں صلاحیت ہی نہیں اور جو چیز بھی آخرت سے تعلق رکھتی ہے وہ ملکوتی ہے۔ دیکھئے صحابہ کرام نزول جبرائیل پر کس طرح سے ایمان رکھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل علیہ السلام خود دیکھا کرتے ہیں۔ پس اگر تم کو اس بات پر ایمان نہیں تو تمہارا ملائکہ اور وحی پر بھی صحیح طور سے ایمان لانا بڑا مشکل ہے۔ لہذا پہلے اس کی تجدید و صحیح ضروری ہے اور اگر تم کو ایمان ہے اور تمہارے نزدیک ممکن ہے کہ ایک چیز امت کو نظر نہ آئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی دے تو پھر میت کی بابت اس کے تسلیم کرنے میں تم کو کیوں تردد ہے؟ اور جس طرح فرشتے آدمی اور حیوانات کے مشابہ نہیں اسی طرح وہ سانپ اور بچھو جو میت کو ڈستے ہیں۔ ہمارے عالم (عصری) کے سانپ بچھوؤں کی طرح نہیں بلکہ وہ کسی اور جنس کے ہیں اور کسی اور قسم کی (قوت) کے محتاج ہیں جس سے ادراک و علم میں آسکتے ہیں۔

(۲) دوسرا حال یہ ہے کہ سونے والے کی حالت تو تم کو یاد حال تو تم کو یاد ہوگی کہ خواب میں سانپ کوڑتے دیکھتا ہے اور اس کی تکلیف و ایذا بھی اس کو محسوس ہوتی ہے۔ جس طرح کہ جاگتے کو محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ تم اس کو چیختے ہوئے اور ماتھے پر پسینہ آتے ہوئے دیکھتے ہو اور بھی وہ اپنی جگہ سے اچھیل بھی پڑتا ہے یہ سب

باتیں دیتی دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے لیکن ظاہر میں تم اس کو وہیں خاموش پڑا دیکھتے ہو نہ اس کے گرد سانپ دکھائی دیتے ہیں نہ بچھو۔ حالانکہ اس کے لحاظ سے سانپ بھی اس کے پاس موجود ہیں اور بچھو بھی اور تکلیف بھی اسے برابر محسوس ہو رہی ہے، لیکن یہ باتیں تمہارے لحاظ سے مشاہدہ سے باہر ہیں اور جب سزا و عذاب دراصل ڈسنے کی تکلیف سے ہوتا ہے تو پھر خیالی سانپ ہونے یا حقیقی سانپ ہونے سے (اس میں) کیا فرق پڑتا ہے۔

(۳) تیسرا حال یہ ہے کہ تم خوب جانتے ہو کہ سانپ بذات خود کچھ تکلیف و ضرر نہیں دیتا، بلکہ جس چیز سے تم کو درد و تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کا زہر ہے، پھر بھی بذات خود کچھ (باعث) تکلیف نہیں تو اگر سوائے زہر کے چاہے کئی اور چیز سے یہ اثر کم نہ ہوگا لیکن اس عذاب (کی تکلیف) کو بغیر ایسے سبب کی طرف نسبت دیئے بیان کر سکو گے جس سے عام طور پر اسی قسم کی تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسے جماع کی لذت اگر انسان کو بغیر عورت ہے محبت کئے حاصل ہو جائے تو وہ اس کی تعریف مباشرت کی طرف نسبت دیئے بغیر نہیں کر سکتا اور یہ نسبت محض سبب (کے اثر) کی تعریف کے لئے کرتے ہیں اور اس لئے کہ سبب کا ثمرہ معلوم ہو جائے گا۔ گو سبب کی صورت حاصل نہ ہو اور سبب (بیان کرنے) سے اس کا ثمرہ بتانا مقصود ہے بذات خود سبب (بیان کرنا) مقصود نہیں ہوتا اور انسان کی زندگی کی خراب عادتیں ہی موت کے وقت اس کو ایذا اور الم دینے کے لئے موجود ہوتی ہیں اور ان کا درد و الم سانپ کے ڈسنے کے برابر ہوتا ہے، گو سانپ وہاں موجود نہ ہوں، یہاں تک امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام تھا جو تمام ہو چکا۔

(حجۃ اللہ البالغہ، باب ذکر عالم المثال وسیرۃ النبی ج ۳ ص ۱۴۴، ملامہ نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

عالم مثال ثابت کرنے کے بعد شاہ صاحب نے آگے چل کر باب حقیقۃ الروح (باب حقیقت روح کے بیان میں) کے تحت روح کی تفصیل کے ضمن میں عالم مثال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ”فکذلک سرفی النسمۃ و حد لها لا یجاوزها الأمر و اذامات الانسان کان للنسمۃ نشأة فنشئ فیض الروح الالہی فیہا قوۃ فیما بقی من الحسالمشترک تکفی کفایۃ السمع والبصر والكلام بمدد من عالم المثال أعنی القوۃ المتوسط بین المجرد والمحسوس المنشئۃ فی الأفلاک کثنی واحد و ربما تسعد النسمۃ جیند للباس نورانی او ظلمانی بمدد من عالم المثال ومن هنالك تتولد عجائب عالم البرزخ ثم اذا نفخ فی الصور ای جاء فیض عام من باریا لصور بمنزلة فیض الذي کان منه فی بدأ الخلق حین نفخت الروح فی الأجساد، واسس عام الموالید أو جب فیض الروح الالہی ان یکتسی لباساً جسمانیاً أو لباساً بین المثال والجسم فیتحقق جمیع ما أخبر به الصادق المصدوق“

اسی طرح (یعنی روح ہوائی) میں بھی ایک سراور راز ہے اور اس کی خاص حد اور اندازہ ہے جس سے تجاوز نہیں ہو سکتا اور جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کی روح الہی کی اور ہی صورت پیدا ہو جاتی ہے پھر روح حقیقی کی وجہ سے اس کی جس مشترک میں جو کچھ باقی تھا۔ اس میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جو عالم مثال کی مدد سے قوت گویائی و شنوائی و بینائی کا کام دیتی ہے، یعنی اس کو ایسی قوت ملتی ہے جو محسوسات و مجردات کے بین بین ہوتی ہے جیسے کہ افلاک میں یکساں قوت رکھی گئی ہے اور بسا اوقات روح ہوائی کو عالم مثال کے ذریعے سے لباس نورانی یا ظلمانی کی قابلیت و استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے عالم برزخ کے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں، پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس وقت روح الہی یعنی حقیقی روح کے فیضان سے اس کو پھر لباس جسمانی یا ایسا لباس پہنایا جائے گا جو عالم مثال اور جسم

کے بین بین ہوگا، پھر وہ سب باتیں جن کی خبر صادق علیہم نے خبر دی تھی ایک ایک کر کے پیش آئیں گی۔

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی دو روح ہیں، ایک روح ہوائی (بدن کے بخارات لطیفہ) جس کو نسیم بھی کہتے ہیں۔ دوسری روح حقیقی، اور روح حقیقی کی سواری روح ہوائی ہے، موت کے وقت روح ہوائی کے جدا ہونے کے ساتھ ساتھ روح حقیقی بھی چلی جاتی ہے۔ اس کے بعد روح ہوائی کو عالم برزخ میں اس کی قابلیت کے موافق ایک جسم نورانی یا ظلمانی دیا جاتا ہے اور شنوائی اور گویائی و بینائی کی سب توئیں اس کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں اسی لباس نورانی یا ظلمانی کی وجہ سے اس پر صد ہارنج و راحت گزرتے ہیں اور حشر کے دن اس کو پھر جسمانی لباس یا ایسا مناسب لباس جو عالم مثال اور جسم کے بین بین ہو پہنا کر وہاں کے عذاب و ثواب دکھائے جائیں گے۔ (حجۃ اللہ بالہ مع ترجمہ اردو ص ۷۳ کتب خانہ رحیمہ دیوبند)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ آپ کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”تحقیق الروایا“ میں عالم مثال بھی تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”ووافقہم علی اثبات هذا العالم، بعض المتکلمین کلاماً حجة الاسلام الغزالی والراغب والإمام فخر الدین الرازی وغیرہم ووافقہما۔ قدماء المشائین ایضاً“ (تحقیق الروایا ص ۲۷۷، الرحیم اکیڈمی کراچی)

اور اس عالم (عالم مثال) کے اثبات پر بعض متکلمین نے بھی موافقت کی ہے اور ان میں امام حجت الاسلام غزالی رحمہ اللہ، امام راغب رحمہ اللہ، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ وغیرہ کے علاوہ قدمائے مشائخ بھی شامل ہیں، جیسے ارسطو اور فارابی وغیرہ۔ چنانچہ فارابی کا قول نقل کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ”وقال الفارابی هذه الأنفس اذا كانت ذكية وفارقت البدن وكانت متصورة لأمر قبلت لها في أمر عاقبتها من الحور والقصور فانها تتخیل جميع ما فيه لها في الدنيا ويكون آلة تخيلها لذلك خيال لاجرام السماوية في شاهد جميع ما فيه في الدنيا من أحوال القبر والبعث وغيره... الخ“ (تحقیق الروایا ص ۲۸)

فارابی نے کہا ہے کہ یہ نفس ناطقہ جب ذکی ہو جاتی ہیں اور ابدان سے علیحدہ ہو جاتی ہیں تو جن امور کے عاقبت میں قابل تھے، جیسے حور و قصور وغیرہ ان کو تصور کرتے ہیں، کیونکہ ان نفوس کے جو کچھ دنیا میں عقائد تھے ان کو تحیل کرتے ہیں اور ان کے اس تحیل کا آلہ اجرام سماویہ کا خیال ہے۔ پس دنیا میں جو کچھ وہ نفوس تصور کرتے تھے، مثلاً احوال قبر اور دوبارہ اٹھنا وغیرہ ان سب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

عالم مثال کے اثبات پر تمام صوفیاء کرام کا اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ووافقہم علی ذلك من الفرق الإسلامية اتباع بني هاشم بن محمد بن الحنفية قالوا: ان لكل ظاهر باطن ولكل شخص روحاً ولكل تنزيل تاویلاً ومثاله في هذا العالم، حقيقة في ذلك العالم وهو العالم الذي استأثر به علي ابنه محمد بن الحنفية، والصوفية قاطبة مجمعون علی اثبات هذا العالم قال الشيخ الأكبر في الباب الثامن من الفتوحات في كلامه له: وخلق الله في جملة عوالمها عالماً علی صورنا اذا أبصر به العارف يشاهد فيها نفسه وقد اشار إلى ذلك عبد الله بن عباس فيماروی عنه من حديث الكعبة وانها بيت واحد من أربعة عشر بيتاً وان في كل أرض من الارضين السبع خلقاً مثلنا حتی ان فيهم ابن عباس "مثلی... الخ" (تحقیق الروایا ص ۲۹)

اسلامی فرقوں میں سے اس پر بنی ہاشم بن محمد الحنفیہ کے تبعین نے موافقت کی ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر

ظاہر کے لئے ایک باطن ہے اور ہر شخص کی روح ہے اور ہر تنزیل کی تاویل ہے اور اس عالم کی مثال کے لئے ایک حقیقت اس عالم میں ہے اور وہ ایسا عالم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے محمد بن الحنفیہ کے لئے پسند اور اختیار فرمایا اور تمام صوفیاء نے اس عالم کے اثبات پر اجماع کیا ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر رحمہ اللہ نے فتوحات کے باب ثامن میں ایک موقع پر کہا ہے حق تعالیٰ نے مجملہ نفوس کے عوالم سے ایک عالم پیدا کیا ہے جو اس عالم کے مشابہ ہے جب اس کو عارف دیکھتا ہے اس میں اپنے نفس کا مشاہدہ کرتا ہے، اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اور وہ حدیث کعبہ ہے، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ کعبہ ایک بیت ہے، جو چودہ بیت سے بنایا گیا ہے اور ہر زمین میں ساتوں زمین سے ہماری مثل مخلوق ہے۔ حتیٰ کہ ان میں میری مثل ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے۔ ان حضرات کے علاوہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی عالم امثال اور عذاب و ثواب کا اثبات کیا ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”بالصراح یعنی صراحۃً یہ بات ثابت ہے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت دونوں کے درمیان ایک اور بھی عالم ہے جس کو عالم امثال کہتے ہیں، جو درمیان دنیا اور آخرت کے برزخ ہے اور اس عالم کے ماننے سے ہزاروں اشکالات قرآن و حدیث کے حل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ قبر میں عذاب کی ایک صورت یہ ہوگی کہ زمین مل جائے گی اور صاحب قبر کو دبائے گی۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جتنا فاصلہ لاش اور قبر کی دیواروں میں مردہ کو رکھتے وقت ہوتا ہے، وہی باقی رہتا ہے۔ لاش دہتی دہاتی کچھ بھی نہیں، ویسی کی ویسی رکھی رہتی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے چونکہ اس کو دنیا ہی کے متعلق سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ دنیا کے متعلق تو ہے ہی نہیں۔ کیونکہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے اور اگر آخرت کے متعلق سمجھا جائے تو اول تو آخرت میں وہ زمین نہیں جو لفظ زمین سے تبادر ہے، پھر یہ کہ آخرت میں اگر وہ پہنچ جائے تو پھر وہاں وہی ٹھکانے ہیں۔ یعنی جنت یا دوزخ اور وہاں سے داخل ہونے کے بعد لکنا تو ممکن نہیں تو پھر جنت دوزخ میں جانے کا کیا معنی؟ تو پھر حدیث کا کیا مطلب؟ چنانچہ اول نظر میں تو کسی کو بھی شبہ ہو سکتا ہے کہ جو ملاحظہ اور بعض اہل سائنس کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے۔ چنانچہ ملاحظہ اور بعض اہل سائنس جو ایمان لائے ان کا بھی یہی مذہب رہا کہ یہ سب مثالیں ہیں اور مطلب یہ ہے ایسی حالت ہوتی ہے۔ یعنی بعض مشابہ ان حالتوں کی ہوتی ہے۔ واقع میں یہ حالتیں پیش نہیں آتیں تو اپنے نزدیک گویا یہ بہت بڑی دوڑ دوڑے۔ الغرض! وہ لوگ محض روحانی عذاب و ثواب کے قائل ہو گئے اور جسمانی کے منکر ہو گئے۔ اسی طرح حدیث شریف میں جو ہے: ”القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفرات النار“ یعنی قبر یا جنت کا ٹکڑا ہوتی ہے یا دوزخ کا گڑھا تو وہ لوگ اس پر کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں قبر میں نہ تو پھول ہیں جنت کے، نہ آگ ہے دوزخ کی۔ پھر اپنے ظاہری معنوں پر قبر دوزخ کا گڑھا یا جنت کا ٹکڑا کیونکر ہو سکتی ہے۔ غرض! یہاں قبر کی جنت و دوزخ میں تو یہ اشکال ہے، رہی آخرت سو وہاں کی دوزخ و جنت میں وہ پہلے والا اشکال ہے۔

بہر حال یہ اشکال حل نہیں ہو سکتا جب تک تیسرے عالم کے قائل نہ ہوں، جس کو عالم برزخ اور عالم امثال بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ مشابہ اس عالم کے بھی ہے، یعنی باعتبار آخرت کے تو گویا کہ وہ دنیا ہے اور باعتبار دنیا کے گویا وہ آخرت ہے، جیسے باغ کا پھانک کہ بہ نسبت اندرونی حصہ باغ کے، تو گویا وہ باغ نہیں ہے لیکن یہ نسبت خارج حصہ باغ کے گویا وہ باغ ہے یا جیسے حوالات کہ بہ نسبت گھر کے تو وہ جیل خانہ ہے مگر یہ نسبت جیل خانہ کے پھر گھر ہے۔ لہذا مرنے کے بعد روح کے لئے ایک جسم مثالی ہوگا اور جسم مثالی بعینہ جسم عنصری نہیں ہے بلکہ عالم مثالی ہے۔ بس اس عالم

مثالی کا نام قبر ہے، یعنی قبر سے مراد یہ مخصوص گڑھا نہیں ہے۔ کیونکہ کسی کو بھیڑ یا کھا گیا یا کوئی سمندر میں غرق ہو گیا تو اس صورت میں چونکہ وہ زمین میں دفن نہیں ہوا اس لئے اس کو چاہئے کہ قبر کا عذاب ہی نہ ہو، لیکن اب اشکال ہی نہیں رہا، کیونکہ وہ عالم مثال ہے، وہیں اس کو عذاب قبر بھی ہو جائے گا، قبر اور وہاں پہنچنا کسی حال میں ممکن نہیں، خواہ مردہ دفن ہو یا نہ ہو۔ بہر حال اس عالم مثال میں مردے کو فرشتے بٹھلاتے ہیں وہی اس سے سوالات کرتے ہیں وہیں کی زمین اس کو دوباتی ہے وہیں اس کو عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ وہ عالم مثالی کچھ خواب میں منکشف ہوتا ہے، بچے خواب میں تو اس عالم کا کچھ کچھ انکشاف ہو جاتا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ خواب میں حقیقت اس عالم کی مغلوب ہوتی ہے اور وہاں بالکل حقیقت ہی حقیقت ہوگی اگر کوئی خواب میں یہ دیکھے کہ اُسے سانپ نے کاٹا ہے اور وہ خواب ہی میں بھاگتا ہے، چیختا چلاتا ہے تو اگر کوئی خواب دیکھنے والے سے یہ کہے کہ تم جھوٹے ہو تو کہہ سکتا ہے مگر چونکہ یہ امر خواب میں ہر کسی کو واقع ہوتا ہے اور عالم مثال منکشف ہوتا ہے اس لئے اس کی کوئی تکذیب نہیں کرتا اور شارع علیہ السلام نے اس کی خبر دی تو وہاں تکذیب کرتا ہے۔ حیرت ہے، عالم مثال کی مثال آئینہ جیسی ہے، جیسے آئینہ میں اپنی شبیہ نظر آتی ہے لیکن آئینہ میں بھی ہمیشہ شکل بالکل مشابہ نظر نہیں آتی کسی آئینہ میں تو لمبا چہرہ نظر آتا ہے، کسی میں بہت چوڑا یا جیسے سیاہ آئینے میں سیاہ صورت نظر آتی ہے اور سرخ میں سرخ نظر آتی ہے تو جو چیزیں آئینے میں نظر آتی وہ تمام وجوہات سے مشابہت نہیں رکھتیں بلکہ آئینے میں نظر آنے والا عکس محض ایک مثال ہے تو جیسے آئینے میں سب چیزیں نظر آتی ہیں۔ اس طرح عالم مثال میں اور اس عالم میں جو صورتیں مشابہ ہیں انہیں سے بعض میں مماثلت نہیں ہوتی ہے اور بعض میں مناسبت ہوتی ہے اور وہ مناسبت بعض اوقات جلی ہوتی ہے اور بعض اوقات خفی، مثلاً ہم نے خواب میں دیکھا کہ فلاں شخص کا لڑکا پیدا ہوا ہے اور بعد میں سن بھی لیا کہ واقعی اس کے لڑکا پیدا ہو گیا تو یہاں باہم مناسبت قوی اور جلی ہے لیکن کبھی مماثلت قوی نہیں ہوتی بلکہ ضعیف اور خفی ہوتی ہے جیسے میں نے دیوبند میں خواب دیکھا کہ منشی سراج الحق ایک پٹنگ پر بیٹھے ہیں لیکن وہ دو ہیں یعنی سرہانے بھی وہی بیٹھے ہیں اور پانکتی بھی وہی بیٹھے۔

مولانا یعقوب صاحب سے میں نے خواب بیان کیا تو مولانا نے فی البدیہہ فرمایا کہ ان شاء اللہ ان کے لڑکا ہوگا کیونکہ اولاد باپ کا وجود ثانی ہے۔ چنانچہ ان کے گھر میں لڑکا ہی پیدا ہوا، یہ مناسبت خفی تھی اب جس کو اس عالم مثالی کی وجود مناسبت کا زیادہ علم ہوگا اتنا ہی وہ اعلیٰ درجے کا معتبر ہوگا کیونکہ تعبیر خواب کا حاصل یہی ہے کہ معبر صورت مرئیہ سے صورت مثالیہ کی عبوری کرنا ہے تو یہ معبر صورت مناسبت کو سمجھ لینا ہے کہ یہ کس حقیقت کی صورت ہے اور یہ کوئی بزرگی کی بات نہیں ہے بلکہ محض فراست ہے۔ (اشرف الجواب ج ۴ ص ۴۱۰، آثار المرآۃ ص ۳۸)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”برزخ میں انسان کو دوسرا جسم عطا ہوتا ہے جو کہ جسم مثالی ہے عذاب و ثواب اس کو ہوتا ہے۔ لہذا جسد عنصری پر عذاب و ثواب محسوس نہ ہونے سے اس کی مطلقاً نفی نہیں ہو سکتی۔ پھر بعض دفعہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ظاہر کرنے کے لئے اس جسم عنصری پر بھی عذاب و ثواب کو ظاہر کیا ہے۔“

(خیر الحیات و خیر المات باختصار ص ۳۶)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: روح پر موت نہیں آتی بلکہ وہ بجسم (ہو بہو) موت کے بعد اپنے حال پر رہتی ہے اور اب بجائے اس جسم کے (یعنی جسم عنصری مادی کے) جو موت کے بعد فناء اور ختم ہو جاتا ہے روح کا مرکب (سواری) دوسرا جسم بنا ہے کہ جس کو جسم مثالی کہتے ہیں، اب روح اس جسم کے ذریعے سے سارے انتفاعات و

تِلْذٰذَاتِ حَاصِل کرتی ہے اور یہ جسم (جسم مثالی) جسم عنصری مادی سے لطیف اور قوی تر ہے۔ (ترجیح الآخرۃ ص ۳۶) لیکن آپ ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت و دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائے گا۔

نوٹ: کے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جسد مثالی پر وقوع عذاب کے ساتھ ساتھ اجزاء جسم خاکی پر بھی عذاب مانتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ج ۶، ص ۱۲۸، المصالح العظلیہ ص ۳۲۲، ۳۲۷) کی عبارات دیکھئے۔

(اشرف الجواب جز ۴ ص ۴۹۰)

عذاب قبر کے بارے میں قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

بہت ہی وقت، حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ موت کے بعد انسانی روحوں کا مقام کہاں ہے؟ اس معاملے میں روایات، حدیث، بظاہر مختلف ہیں۔ سچین اور علیین کی تفسیر کے بارے میں جو روایات مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کفار سچین میں رہتی ہیں جو ساتویں زمین میں اور ارواح مؤمنین علیین میں رہتی ہیں، جو ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے۔ نیز بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کفار جہنم اور ارواح مؤمنین جنت میں رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین و کفار دونوں کی روحوں ان کی قبروں میں رہتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

امام عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ سب کی ارواح بعد الموت قبر ہی میں رہتی ہیں، ان میں اور دوسری روایات میں یہ جو اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعض سے ارواح مؤمنین کا علیین میں رہنا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے جنت میں رہنا، غور کیا جائے تو یہ کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ مقام علیین بھی ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے اور جنت کا بھی یہی مقام خود قرآن کریم کی تصریح سے ثابت ہے: ”عند سدرۃ المنتہی عندھا جنت الماوی“ اس میں تصریح ہے کہ جنت سدرۃ المنتہی کے پاس ہے اور ”سدرۃ“ کا ساتویں آسمان میں ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ اس لئے مقام ارواح جب علیین ہوا تو وہ جنت کے متصل ہے، اور ان ارواح کو جنت کے باغات کی سیر نصیب ہے۔ اس لئے ان کا مقام جنت بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کفار کی ارواح سچین میں ہیں اور وہ ساتویں زمین میں ہے اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جہنم بھی ساتویں زمین میں ہے اور اہل سچین کو جہنم کی تپش اور ایذا یں پہنچتی رہیں گی۔ اس لئے ان کا مقام جہنم میں کہہ دینا بھی صحیح ہے۔ (تفسیر معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج ۸ ص ۲۹۰)

جس روایت میں ارواح کا قبروں میں رہنا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بظاہر باقی دونوں روایتوں سے بہت مختلف ہے۔ چنانچہ اس کی تطبیق اور باقی تمام اقوال کی تطبیق میں سورہ نازعات کی تفسیر کے تحت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ نے ایسی بہترین تحقیق کی ہے۔ جس سے بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ: ”حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفس انسانی ایک جسم لطیف ہے جو اس کے جسم کثیف کے اندر سما یا ہوا ہے اور وہ انہیں مادی عناصر اربعہ سے بنا ہے۔ فلاسفہ اور اطباء اس کو روح کہتے ہیں، مگر درحقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفہ ربانی ہے، جو اس طبعی روح یعنی نفس کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے اور طبعی روح یعنی نفس کی حیات خود اس لطیف ربانی پر موقوف ہے۔ گویا اس کو ”روح الروح“ کہتے ہیں کہ جس کی زندگی نفس ہے ہے اور نفس کی زندگی اس روح سے وابستہ

ہے۔ اس روح مجرد اور لطیفہ ربانیہ کا تعلق اس جسم لطیف یعنی نفس کے ساتھ کیا اور کسی طرح کا ہے اس کی حقیقت کا علم ان کے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں اور یہ جسم لطیف جس کا نام نفس ہے۔ اس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کی مثال بنایا ہے جو آفتاب کے بالمقابل رکھ دیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آجاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے نفس انسانی اگر تعلیم وحی کے مطابق ریاضت و محنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے، ورنہ وہ جسم کثیف کے خراب اثرات میں ملوث ہوتا ہے۔ یہی جسم جس کو فرشتے اوپر لے جاتے ہیں اور پھر اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں۔ جب کہ وہ منور ہو چکا ورنہ آسمان کے دروازے اس کے لئے نہیں کھلتے۔ اوپر ہی سے نیچے بھیج دیا جاتا ہے، یہی جسم لطیف ہے، جس کے بارے میں حدیث میں مذکور ہے کہ ہم نے اس کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پھر اس میں لوٹائیں گے۔ پھر اس سے دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہی جسم لطیف ہے اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار بن جاتا ہے اور کفر و شرک سے بدبودار ہو جاتا ہے۔ باقی روح مجرد اس کا تعلق جسم کثیف کے ساتھ بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے برابر ہوتا ہے اس پر موت طاری نہیں ہوتی قبر کا عذاب و ثواب بھی اسی جسم لطیف یعنی نفس سے وابستہ ہے اور اس نفس کا تعلق قبر سے ہی رہتا ہے اور روح مجرد علیین میں ہوتی ہے اور روح مجرد اس کے ثواب و عذاب سے بواسطہ متاثر ہوتی ہے۔ اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنی نفس کے صحیح ہے اور اس کا عالم ارواح یا علیین میں رہنا بمعنی روح مجرد صحیح ہے اس سے ان روایت مختلفہ کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ”واللہ اعلم!

(تفسیر مظہری بحوالہ معارف القرآن ج ۸ ص ۶۶۵)

خلاصہ یہ کہ روح کی دو قسمیں ہیں ایک جسم لطیف ہے اور وہ مادی جسم ہے مگر لطیف ہے نظر نہیں آتا، اس کو نفس کہتے ہیں۔ دوسری روح مجرد ہے مادی نہیں اور یہی روح مجرد ہی روح اور روز اول کی حیات ہے۔ اس لئے اس کو ”روح الروح“ کہہ سکتے ہیں۔ انسانی جسم کے ساتھ تعلق تو ان دونوں قسم کی روحوں کا ہے، مگر پہلی قسم کے نکلنے ہی کا نام موت ہے۔ دوسری روح اس کا اُس پہلی روح سے تعلق قریب تو ہے، مگر اس تعلق کی حقیقت اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں، مرنے کے بعد روح اول تو آسمانوں میں لے جائی جاتی ہے۔ پھر قبر میں لوٹا دی جاتی ہے، اس کا مستقر قبر ہی ہے، اسی پر عذاب و ثواب ہوتا ہے اور روح مجرد علیین یا سجدین میں رہتی ہے۔ اس طرح اقوال حدیث بھی جمع ہو گئے مستقر ارواح کا جنت یا علیین میں یا اس کے بالمقابل جہنم یا سین میں ہونا روح مجرد کے اعتبار سے ہے اور ان کا مستقر قبر میں ہونا روح کی قسم اول یعنی نفس کے اعتبار سے ہے، جو جسم لطیف ہے اور مرنے کے بعد قبر میں رہتا ہے۔ واللہ اعلم!

حضرت مولانا حسین علیؒ کی تحقیق

حضرت مولانا حسین علیؒ تحریرات حدیث میں فرماتے ہیں: ”حدیثوں میں آتا ہے کہ منکر و نکیر قبر میں آکر میت کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوالات پوچھتے ہیں اسی طرح نیک لوگوں کو قبر میں فرح و سرور اور بدکاروں کو عذاب ہوتا ہے، پھر اس کا کیا مطلب ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبر سے گڑھا مراد نہیں برزخ مراد ہے اور میت کو بٹھانا اور اس سے سوال کرنا وغیرہ برزخی امور ہیں جنہیں محسوسات پر قیاس نہیں جاسکتا ہے، عود روح کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ برزخ میں لذت و الم اور سرور و عذاب کا احساس روح کو ہرگز نہیں ہوتا روح ایک ایسی چیز ہے جو احساس الم سے ماوراء ہے اسے تکلیف تو کسی حال میں نہیں ہوتی البتہ اسے لذت و سرور کا احساس ضرور ہوتا ہے،

احساسِ المِ نفس کو ہوتا ہے، جو روح سے ایک جدا چیز ہے البتہ روح سے اس کا ایک گہرا تعلق ہے، جیسا کہ دھوئیں کا آگ سے، یہ نفس بدن کا جزو اصلی ہے جو ابتداء سے آخر تک باقی رہتا ہے۔ یہی وہ نسہ ہے جسے جنت میں پرندے کے قالب میں داخل کیا جائے گا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تحریرات حدیث ص ۲۰۸ تا ۲۱۰)

یہ بات کہ نفس روح سے الگ چیز ہے، اس کی تحقیق حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں کی ہے:

روح اور نفس میں فرق

علامہ کا اس میں اختلاف ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک شے ہیں یعنی روح اور نفس ایک ہی شے کے دو نام ہیں یا دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ ہر ایک کی حقیقت اور ماہیت ہے بعض اہل علم کے نزدیک نفس اور روح ایک شے ہیں۔ مگر علمائے محققین کے نزدیک روح اور نفس دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں۔ روح انسان کو آخرت کی طرف بلاتی ہے، جب کہ نفس دنیا کی طرف بلاتا اور کھینچتا ہے۔

استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”اخلاق حمیدہ کا معدن اور منبع کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیرہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام نفس ہے مگر جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں، جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے میں دونوں شریک ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ملائکہ نورانی ہیں اور شیطان ناری ہیں۔“

عذاب قبر اور کچھ عقلی دلائل

مسلمانوں کی تسلی اور اطمینان کا ذریعہ تو قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت کے واضح دلائل ہیں وہ ان کی موجودگی میں کسی اور چیز کا قطعاً محتاج نہیں ہوتا، لیکن آج کی مادہ پرست دنیا اور عقل نارسا کی پجاری نئی نسل کے لئے کچھ عقلی مثالوں کی ضرورت ہے۔ اس سے قبل کئی سارے دلائل عقلیہ ضمناً ذکر ہوئے ہیں تاہم آئندہ سطور میں کچھ مزید دلائل بھی ملاحظہ ہوں:

(۱) قبر میں راحت عذاب سے بڑھ کر بھی زیادہ تعجب خیز نمونہ اللہ نے دنیا میں دکھایا ہے، جس میں ہم پورا یقین بھی رکھتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی کی شکل میں آکر باقاعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہوتے ہیں اور قریب میں بیٹھنے والے کو کوئی چیز نظر نہیں آتی ہے، نہ سنائی دیتی ہے، بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی یہی حالت ہے۔ اسی طرح لوگوں کی موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنات کے ساتھ اونچی آواز کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور حاضرین کو پتہ ہی نہیں۔ مسلمانوں کی موجودگی میں فرشتے آکر کفار کی گردنوں کو مارتے ہیں اور ان پر چٹخ مارتے ہیں، مگر مسلمانوں کو کوئی ادراک نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے کراماتیں کا آپس میں باتیں کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ مگر ہم ان کا ایک جملہ کوشش کے باوجود بھی نہیں سن سکتے ہیں تو پھر عالم برزخ سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے۔

(۲) ریڈیو وغیرہ کے پاس بیٹھنے والے کسی واسطے کے بغیر مشرق و مغرب کی اصلی آواز سنتے ہیں۔ اس لئے کہ ریڈیائی لہروں کی وجہ سے یہ آواز ریڈیو پر تو سنائی دیتی ہے مگر ہم فضاء میں اس آواز کو نہیں سن سکتے ہیں۔ پھر قبر کے معاملے کا کیوں انکار ہے۔

(۳) راحت و کلفت قبر ایک حقیقت ہے، لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم سے کوئی مٹھی شے اور پوشیدہ

ہوتی ہے اور ہم اس کو محسوس نہیں کر سکتے مگر اس کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ایسی شے کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایٹھرا ایک قسم کی گیس ہے جو تمام خلاء میں پھیلی ہوئی ہے اور روشنی کا مدار بھی ایٹھر پر ہے لیکن اس کا ادراک حواس سے نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بے شمار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے احساس سے ہمارے حواس قاصر ہیں مگر لامحالہ ان کے وجود کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

(۴) قرآن و حدیث نے عالم برزخ کے متعلق جو خبر دی ہے وہ سب حق اور صدق ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی ایسے امر کی خبر نہیں دی جو عقلاً محال اور ناممکن ہو، عالم آخرت کے متعلق جو خبر دی ہے یا تو وہ خود ان کی چشم دید ہے یا جن فرشتوں نے ان کو خبر دی ہے ان کی چشم دید ہے اور تمام عقلاء کے نزدیک یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو شے عقلاً ممکن ہو اور کوئی مخیر صادق اس کے وجود اور وقوع کی خبر دے تو عقلاً اس خبر کو قبول کرنا اور تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے اور کسی کا کسی چیز کو نہ دیکھنا اس شے کی عدم کی دلیل نہیں، دیکھنا کا مشاہدہ نا دیکھنا پر حجت ہے اور نا دیکھنا کا نہ دیکھنا دیکھنا پر حجت نہیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ج ۴ ص ۳۶۴)

(۵) ایک انسان حمل کے دوران مجموعی طور پر نو ماہ دس دن اپنی ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اور دوران اس کی دنیا محدود ہوتی ہے، بلکہ ماں کے پیٹ میں بچے کی سوچ، مسائل ہر شے محدود ہوتی ہے، ایسے میں اگر کوئی کہہ دے کہ بہت جلد تم ایک بہت بڑی دنیا میں جانے والے ہو جہاں کھانے، رہنے، ہنسنے کھیلنے کے بے شمار مواقع ہوں گے تو وہ شاید بھی یقین نہ کرے لیکن ہم سب پیدائش کے بعد اس غیر یقینی کیفیت کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں، ماں کے پیٹ سے اس دنیا میں ہماری آمد بالکل واضح طور پر اس دنیا سے عالم برزخ کو ثابت کر رہی ہے۔

انسان ایک خاص تعداد میں فریکوئنسی (FREQUENCY) کی آواز ہی سن سکتا ہے، بیس ہزار سے کم اور بیس ہزار (بیس کلو) سے زیادہ تعداد کی آواز انسان کی سماعت سے باہر ہے، یہ قدرت کا قانون ہے اور اس قانون کی صورت میں اللہ پاک انسان کو یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ جس طرح انسان بہت سی آواز میں موجود ہونے کے باوجود نہیں سن سکتا، ٹھیک اسی طرح قبر میں ہونے والے عذاب کی آواز سننا بھی اس کے بس میں نہیں۔

(رسالہ الفاروق ش نمبر ۲، ج ۱۲ بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۱۷ھ)

(۶) دنیا دار الاسباب ہے یہاں سبب اور مسبب میں ربط و تعلق کا نظام ہے۔ مثلاً جلانے کا سبب آگ ہے، یہ خاصیت آگ میں رکھی گئی ہے، ٹھنڈک کے لئے پانی اور روشنی کے لئے چمک دار ستارے سبب ہیں، لیکن یہ خاصیات اشیاء کی ذاتی اور طبعی نہیں، بلکہ واضح اور صانع حقیقی (اللہ) نے ہر چیز میں مخصوص خاصیت رکھی ہے، لوگوں نے ظاہری طور پر دیکھ کر آثار و خاصیت کے لئے اسباب کی حیثیت لازم ماہیت (حقیقت) قرار دی۔ چنانچہ فلاسفہ نے حکم لگایا ہے کہ آگ اگر آگ ہے تو اس کا نہ جلانا محال اور ناممکن ہے۔ پانی اگر پانی ہے تو اس کا نہ بہنا اور ٹھنڈک پیدا نہ کر مشکل اور غیر متصور ہے۔ اسی طرح ہمارے سامنے کوئی چیز قابل نظر پڑی ہو اور دیکھنے کے لئے کوئی مانع نہیں تو یہ ناممکن ہے کہ ایک آدمی دیکھے اور دوسرا نہ دیکھ سکے لیکن یہ سب و اہیات اور بے دلیل قسم کے خیالات و افکار ہیں اور اسی وجہ سے تو لوگ صانع اور مختار (اللہ) کے وجود کے بھی منکر ہو گئے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

حقیقت یہ ہے کہ جس ذات نے اسباب اور اشیاء کے درمیان ربط کا نظام قائم کیا ہے، وہ ذات کبھی یہ

رابطہ منقطع بھی کرتی ہے اور اسباب بغیر تاثیر کے رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ آگ جلانے سے جلانے، پانی سے ٹھنڈک اور صحیح آنکھوں سے دیکھنے کی خاصیت داثر بھی ختم بھی ہو جاتا ہے، کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں نہیں ڈالے گئے، پھر آگ نے انہیں کیوں نہیں جلایا؟ لہذا عذاب قبر اور برزخ کے بارے میں جو اخبار صحیح وارد ہو چکی ہیں ان میں کوئی ناممکن اور محال نہیں۔ اگرچہ ہم سن سکتے اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۱۷۰)

(۷) ”سورة التكاثر“ ابتدائی آیت سے صراحتاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی غفلت موت اور قبر تک ہے، اس کے بعد اسے حقیقت حال کا علم ہو جائے گا اور یہ ممکن نہیں کہ مجرم خوف زدہ نہ ہو اور صالح خوش نہ ہو اور دونوں اسی طرح غفلت میں منہمک رہیں، بلکہ مجرم کو سزا کا ڈر اور صالح کو جزاء کا منظر ہمہ وقت حاضر رہتا ہے۔

(۸) اگر امریکہ چاند پر اپنے آدمی اتار کر حیرت انگیز معلومات سے دنیا کو محو حیرت کر سکتا ہے، سائنس (SCIENCE) کی ایجادات سے اطراف عالم کے مہینوں، سالوں کا سفر گھنٹوں میں اور منٹوں میں کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہ تو انسانی کوشش اور محنت کا ایک نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کی قادر مطلق ذات کو اس پر قدرت نہیں کہ کسی بھی صورت میں کسی بھی کیفیت سے بندہ کو قبر میں راحت و کلفت دیں؟

(۹) حال ہی میں اخبار جنگ کے مشہور کالم ذکر و فکر کے تحت ”دنیا کے اس پار“ عنوان کے نام سے جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے ایک طویل مضمون لکھا ہے، جس میں آپ نے ایک امریکی ڈاکٹر ریمونڈ اے مودی (RAYMOND AMOODI) کی کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کتابوں میں کچھ ایسے لوگوں کے دلچسپ تجربات و مشاہدات جمع کئے گئے ہیں جو موت کی دہلیز تک پہنچ کر واپس آگئے اور انہوں نے تفصیل سے بتایا کہ انہوں نے موت کے دروازے پر پہنچ کر کیا دیکھا؟

ان کتابوں میں صرف ان لوگوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں جنہیں بیماری کی انتہائی شدت میں مردہ قرار دیا گیا اور پھر دل کی مالش اور مصنوعی تنفس دلانے سے واپس ہوش میں آگئے۔ ڈاکٹر مودی نے اس سلسلے میں ڈیڑھ سو افراد سے انٹرویو کیا، وہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے اور مختلف جگہوں کے باشندے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنی نظر آنے والی کیفیت کو اپنے طریقے سے بیان کیا لیکن بحیثیت جو مشترک باتیں (COMMON ELEMENTS) ہیں ان میں سے تقریباً ہر شخص کے بیان میں موجود تھیں ان کا خلاصہ یہ ہے: ایک شخص مرنے کے قریب ہے اس کی جسمانی حالت ایسی حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ خود سنا ہے کہ اس کے ڈاکٹر نے اس کے مردہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اچانک اسے ایک تکلیف دہ شور سانسائی دیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ انتہائی تیز رفتاری سے ایک طویل اور اندھیری سرنگ میں جا رہا ہے، اس کے بعد اچانک وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے جسم سے باہر آ گیا ہے، وہ اپنے ہی جسم کو فاصلے سے ایک تماثیلی بن کر دیکھتا ہے، اسے نظر آتا ہے کہ وہ خود کسی نمایاں جگہ پر کھڑا ہے اور اس کا جسم جوں کا توں چار پائی پر ہے اور اس کے ڈاکٹر اس کے جسم پر جھکے ہوئے اس کے دل کی مالش کر رہے ہیں یا مصنوعی تنفس دینے کی کوشش میں مصروف ہیں، تھوڑی دیر میں وہ اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس نئی حالت میں بھی اس کا ایک جسم ہے لیکن وہ جسم اس جسم سے مختلف ہے، جو وہ چھوڑ آیا ہے، اسی حالت میں کچھ دیر بعد اسے اپنے عزیز اور دوست نظر آتے ہیں جو مر چکے

تھے اور پھر اسے ایک نورانی وجود نظر آتا ہے، جو اس سے یہ کہتا ہے کہ تم اپنی زندگی کا جائزہ لو، اس کا یہ کہنا اور رائے الفاظ ہوتا ہے اور پھر وہ خود اس کے سامنے تیزی سے اس کی زندگی کے تمام واقعات لا کر ان کا نظارہ کر آتا ہے ایک مرحلے پر اسے سامنے کوئی رکاوٹ نظر آتی ہے جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ دنیوی زندگی اور موت کے بعد کی زندگی کے درمیان ایک سرحد ہے اس سرحد کے قریب پہنچ کر اسے پتہ چلتا ہے کہ اسے اب واپس جانا ہے، ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا۔ اس کے بعد انجانے طریقے پر وہ واپس اپنے اسی جسم میں لوٹ آتا ہے جو وہ چار پائی پر چھوڑ کر گیا تھا، صحت مند ہونے کے بعد وہ اپنی یہ کیفیت دوسروں کو بتانا چاہتا ہے، لیکن اوّل تو اس کیفیت کو بیان کرنے کے لئے تمام انسانی الفاظ نا کافی معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرا اگر وہ لوگوں کو یہ باتیں بتائے بھی تو وہ مذاق کرنے لگتے ہیں، لہذا وہ خاموش رہتا ہے۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے کہ: ”جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ دوسرے جہاں کی جھلکیاں تو ہو سکتی ہیں لیکن مرنے کے بعد پیش آنے والے واقعات نہیں۔ اس لئے کہ جو شخص واقعتاً موت سے ہلکنار ہو جاتا ہے وہ پلٹ کر یہاں نہیں آتا۔ مابعد الموت کے بارے میں ہمیں جتنے حقائق معلوم ہونے ضروری ہیں وہ وحی الہی کے بے غبار راستے سے آنحضرت ﷺ نے ہمیں پہنچا دیئے ہیں اور وہ اپنی تصدیق کے لئے اس قسم کے بیانات کے محتاج نہیں، لیکن ان مشاہدات کے بعض پہلوؤں کی تائید قرآن و سنت کے بیان کردہ حقائق سے ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً ان تمام بیانات کی یہ قدر مشترکہ قرآن و سنت سے کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہے کہ زندگی صرف اس دنیا کی حد تک محدود نہیں جو ہمیں اپنے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ بلکہ دنیا کے اس پار ایک عالم اور ہے جس کی کیفیات کا ٹھیک ٹھیک ادراک ہم مادی کثافتوں کی قید میں رہتے ہوئے نہیں کر سکتے کہ یہ کیا عالم ہے؟ اس کے کیا تقاضے ہیں؟ اور اس تک پہنچنے کے لئے کسی قسم کی تیاری ضروری ہے؟ یہی باتیں بتانے کے لئے انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے ہیں، کیونکہ یہ باتیں ہم صرف اپنے حواس اور اپنی اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتے۔ آخری دور میں یہ باتیں ہمیں حضور نبی کریم ﷺ نے اس نے اسلامی شریعت کے ذریعے بتادی ہیں اور جسے اس عالم کے لئے ٹھیک ٹھیک تیاری کرنی ہو وہ اس شریعت کو سیکھ لے اس پر اس عالم کے حقائق بھی واضح ہو جائیں گے اور وہاں تک پہنچنے کا صحیح طریقہ بھی آجائے گا۔“ (مختصر از اخبار جنگ جمعرات ۱۲ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۹۹۶ء)

اہل علم کی ایک اہم نصیحت

قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت کی روشنی میں علمائے حق اس بات پر متفق ہیں کہ راحت و عذاب قبر ایک مضبوط عقیدہ ہے، جس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، جمہور امت اور حضرات سلف صالحین نے قرآن کریم اور سنت رسول کے معانی و مطالب سے یہی سمجھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کو جس طرح سلف صالحین نے سمجھا اور بیان کیا ہے وہی زیادہ قابل اعتبار ہے۔ کیونکہ ان میں علم اور عمل کا عمیق، خدا خونی اور ورع و تقویٰ جس طرح موجود تھا وہ بعد کے آنے والوں کو نصیب نہیں ہو سکا اور زمانہ رسالت کے قرب کی برکت اور خیر القرون کی سعادت سے جس انداز سے وہ بہرہ ور ہوئے وہ انہی حضرات کا حصہ ہے اور پھر جمہور امت اور کثرت کا خطاء سے محفوظ رہنا نصوص سے ثابت ہے۔

فرد قائم رہا ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

اس لئے قرآن کریم کی ہر آیت اور ہر حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے حضرات سلف صالحین کا دامن تھامنا ضروری ہے اور یہی نجات کا راستہ ہے۔

احیاء العلوم میں امام غزالی رحمہ اللہ اس مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے ایک کیا ہی عجیب نصیحت فرماتے ہیں:

”والذي أو صيك به أن تكثر نظرک فی تفصیل ذلك ولا تشتغل بمعرفته، بل اشتغل فی التدبیر لدفع العذاب كيف ما كان فان اهملت العمل والعبادة واشتغلت بالبحث عن ذلك كنت كمن أخذہ سلطان وأجلسه ليقطع يده ويجدع أنفه فاخذ طول الليل يتفكر فی انه هل يقطعه بسكين أو بسيف أو موسى؟ واهمل طريق الحيلة فی دفع أصل العذاب عن نفسه وهذا غاية الجهل“

میری نصیحت یہ ہے کہ عذاب قبر کی تفصیل میں زیادہ نہ جائے، اس کی ذاتی حقیقت و معرفت حاصل کرنے کے بجائے جس طرح بھی ہو سکے دفع عذاب کی تدبیر میں مشغول ہو جاؤ، اگر آپ عبادت و عمل چھوڑ کر صرف اس کی بحث و تلاش میں منہمک ہوئے تو اس کی مثال ہوں ہوگی کہ ایک بادشاہ نے کسی کو اس لئے گرفتار کر دیا تاکہ اس کا ہاتھ اور ناک کٹوائے اور آدمی پوری رات ان تصورات اور افکار میں مستغرق ہے کہ پتہ نہیں بادشاہ میری ناک اور ہاتھ چھری، تلوار اور استرے تینوں آلات میں سے کس سے کٹوائے گا؟ حالانکہ اس جاہل کو اصل عذاب کے دفاع کی تدبیر کی ضرورت تھی۔

عذاب قبر اور مسئلہ تکفیر

قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظر راحت و عذاب قبر کا یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرام کا ایک گروہ عذاب قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے۔ حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑا محتاط ہے اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً سومعانی کا احتمال بھی پیدا ہو سکتا ہو جن میں ننانوے پہلو کفر کے لگتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قاتل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قاتل کی مراد اسلام ہی کا پہلو ہو۔ ہاں! اگر وہ خود ہی کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتویٰ سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی۔ مسئلہ کی وضاحت کے لئے مسلم حضرات فقہاء کرام کی عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱) ”ولا يجوز الصلوة خلف من ينكر شفاعۃ النبی علیہا الصلوۃ والسلام وينكر کرام الکاتبین، وعذاب القبر و کذا من ينکر الرویۃ لانه کافر“ (خلاصہ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۹)

جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کر اما کاتبین عذاب قبر اور رویت باری تعالیٰ (قیامت میں دیدار الہی) کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں، کیونکہ وہ کافر ہے۔

(۲) حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ کی عبارت بھی اس قسم کی ہے، انہوں نے تکفیر کی علامت یہ بیان کی ہے کہ عذاب قبر کا مسئلہ شارح رحمہ اللہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۷ طبع معروضہ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۷۰ طبع مصر)

(۳) امام قرطبی رحمہ اللہ اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ”اے بھائیو! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ احادیث صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب اور راحت کو ادجھل رکھتا ہے۔ کیونکہ حکمت الہی کا یہی تقاضا ہے،

آگے فرماتے ہیں کہ: ”و من شك في ذلك فهو ملحد“ (مختصر تذکرۃ القرطبی العبد الوہاب الشیرازی ص ۶ طبع مصر) یعنی جو شخص عذاب قبر کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔

(۴) ”منکر الشفاعة لاهل الكبائر والرؤية وعذاب القبر ومنكر الكرام الكاتبين كافر“

(سائل بحر العلوم ص ۱۹۹، بحوالہ تسکین الصدور ص ۸۴)

اہل کبار کے لئے شفاعت رویت باری تعالیٰ عذاب قبر اور کراما کاتبین کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب ”اثبات الثبیت“ اور ”شرح المنیۃ الکبیر“ میں عذاب قبر کو غایت احتیاط کی وجہ سے اگرچہ کافر نہیں قرار دیا گیا ہے۔ تاہم مبتدع اور فاسق کے درجے سے تو پھر بھی خارج نہیں۔

(احکام القرآن ج ۴ ص ۹۵ و شرح منیۃ الکبر ج ۱ ص ۴۸۰)

عذاب قبر کے عبرت انگیز واقعات

عام سنت اللہ اور عادت اللہ یہی ہے کہ برزخ کی واردات کو جن و انس سے کلی طور پر مخفی رکھا جاتا ہے نہ ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ چنانچہ زید بن ثابت کی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان هذه الامة تبلى في قبورها فلو لا ان لا تدافنوا الدعوات الله ان يسمعكم من عذاب القبر الذي اسمع منه“

(صحیح مسلم ج ۲، ص ۲۸۸)

یہ امت قبروں میں آزمائی جاتی ہے، اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تم کو بھی قبر کا عذاب سنائے جو میں سن رہا ہوں۔ لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ بطور خرق عادت کے کسی مرنے والے کے برزخی عذاب یا راحت کی کوئی جزوی کیفیت کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر اپنے کسی بندے کو دکھلا دیتے ہیں، شیخ ابن القیم نے ”کتاب الروح“ میں اس قسم کے بڑے عبرت انگیز واقعات قریباً پانچ چھ صفحے پر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ”وهذه الاخبار واضعافها واضعاف اضعافها مما لا يتسع لها الكتاب مما اراه الله سبحانه بعض عباده من عذاب القبر ونعيمه عيانا واما رؤية المنام فلو ذكرنا هالجا عدة اسفار وليس عند الملاحدة والزنادقة الا التكذيب مما لم يحيطوا به علمه“

(کتاب الروح ص ۱۱۲، معارف الحدیث ج ۱ ص ۲۰۳)

یعنی یہ واقعات جو میں نے یہاں ذکر کئے ہیں اس قسم کے اور بھی بے شمار واقعات ہیں جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں، یہ سب اسی قبیل سے ہیں کہ اللہ پاک اپنے بعض خاص بندوں کو قبر کے عذاب یا راحت کا مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے، یعنی بیداری کی حالت میں آنکھوں سے دکھا دیتا ہے، رہا خواب دیکھنا تو اس کے واقعات بے شمار ہیں لیکن ملحد اور زندیق قسم کے لوگ جن حقیقتوں سے نا آشنا اور محروم ہیں، ان کو جھلاتے اور ان کا انکار کرتے ہیں، دین میں چند واقعات لکھے جاتے ہیں:

(۱) حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غروب آفتاب کے قریب کہیں تشریف لے جا رہے تھے، اچانک کچھ غیر مانوس آوازیں سنائی دینے لگیں، ان آوازوں کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ یہودیوں کی آوازیں ہیں، اور ان پر اس وقت سخت عذاب ہو رہا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

مرتد کی لاش

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کے یہاں ایک شخص منافق مسلمان بنا ہوا کتابت کے کام پر مامور تھا، کچھ دنوں کے بعد اس نفاق پر بھی قائم نہ رہا بلکہ کھل کر کافر ہو گیا، اس کی یہ حرکت آنحضرت ﷺ کو بے حد ناگوار گزری اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اب اس شخص کی لاش کو زمین بھی کبھی قبول نہیں کریں گی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے مرنے کے بعد مجھے ابو طلحہ نے آکر بتایا اور وہ خود اس کی قبر پر جا کر دیکھ آئے تھے کہ بجائے قبر کے اندر ہونے کے اس کی لاش باہر ہی پڑی سڑ رہی تھی۔ (بخاری و مسلم موت کے حیرت انگیز واقعات)

(۳) گندگی اور چغل خوری کی سزا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے، کہ جب آنحضرت ﷺ نامعلوم قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمانے لگے کہ اس وقت ان دونوں قبروں کے ساکنوں پر عذاب نازل کیا جا رہا ہے اور عذاب بھی معمولی معمولی جرموں پر ہو رہا ہے۔ (یعنی گندگی اور چغل خوری کی وجہ سے) (بخاری و مسلم ج ۱ ص ۵۱۱)

(۴) گستاخی کا انجام

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر پاخانہ کر جایا کرتا تھا، کچھ ہی دنوں کے بعد یہ شخص بالکل مجنون ہو گیا اور کتوں کی طرح بھونکنے لگا اور بھونکتے بھونکتے ہی مر گیا لوگوں کا بیان ہے کہ اس کی قبر سے اب بھی چیخنے اور خزانے کی آواز آیا کرتی ہے۔ (ابن عساکر)

(۵) کالا سانپ

یزید بن زیاد رضی اللہ عنہ اور عمار بن عمیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب عبید اللہ بن زیاد مارا گیا اور سر کاٹ کے لایا گیا تو دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑا بھاری کالا سانپ کسی طرف سے آیا اور کئی مرتبہ ناک کے راستے سے گھس کر منہ کے راستے باہر آتا جاتا رہا، اس کے بعد معلوم نہیں کہ کدھر رینگ گیا، جو لوگ اس وقت وہاں موجود تھے وہ اس واقعہ کو بڑی حیرت و تعجب کی نظر سے دیکھتے رہے، اس کے بعد سب نے سانپ کو تلاش کیا مگر اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔

(ملخصاً از ترمذی ج ۲ ص ۱۲۸، ابواب المناقب)

(۶) خوفناک عذاب

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص لوہاری منڈی میں بغداد میں آیا اور تھوڑی سی لوہے کی کیلیں بچھ گیا، ان کیلوں کے دوسرے بنے ہوئے تھے، اس لوہار نے جس نے ان کیلوں کو خریدا تھا، جب آگ میں تپا کر نرم کرنا چاہا تو باوجود بڑی سے بڑی ہتھوڑی استعمال کر ڈالنے کے سیدھا نہیں کر سکا، عاجز آ کر اس نے بیچنے والے کو ڈھونڈنا شروع کیا کہ آخر اتنے سخت لوہے کی کیلیں اسے کہاں سے دستیاب ہوئیں تھوڑی دیر کے بعد ایک دکان پر وہ

آدمی بیٹھا گیا۔ اس سے پوچھا تو اس نے اصل حقیقت بتانے سے گریز کیا۔ اتنے میں کچھ اور لوگ بھی اسے گھیر کر کھڑے ہو گئے، اس نے ٹالنے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو کہنے لگا کہ میں ان کیلوں کو ایک قبر سے نکال کر لایا ہوں، یہ اس قبر کے مردے کی ہڈیوں میں جڑی ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ خود بھی انہیں نکالنے سے عاجز آ گیا تھا، آخر کار ایک پتھر سے اس کی ہڈیاں توڑ کر میں علیحدہ کر سکا۔ (کتاب الروح)

(۷) قبر کے شعلے اور دھواں

ایک آدمی پابند نمازی تھے بھی ہونے کے ساتھ ساتھ بااخلاق بھی تھے لیکن مرنے کے بعد اس کی قبر کھود کر تیار کر لی گئی۔ جوں ہی میت قبر میں اتارنے کے لئے لائے تو لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ یکا یک قبر خود بخود بند ہو گئی، سارے لوگ حیران رہ گئے، دوبارہ زمین کھودی گئی، جب میت اتارنے لگے تو پھر قبر خود بخود بند ہو گئی، آخر کار چوتھی بار تدفین میں کامیابی ہو گئی۔ فاتحہ پڑھ کر سب لوٹے اور چند قدم چلے ہی تھے کہ ایسا محسوس ہوا جیسے زمین زور زور سے ہل رہی ہو، لوگوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک ہوش اڑا دینے والا منظر تھا۔ آہ! قبر میں دراڑیں پڑ چکی تھیں۔ اس میں سے آگ کے شعلے اور دھواں اٹھ رہا تھا اور قبر کے اندر سے چیخ و پکار کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی، لوگ پریشان تھے کہ ایسی کون سی خطا تھی جس کے سبب یہ اس قدر ہولناک عذاب قبر میں مبتلا ہو گیا ہے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ مرحوم نے رشوت کے زور پر ایک سرکاری محکمہ میں ملازمت اختیار کر لی تھی اور اچھا خاصا بینک بیلنس بھی بنایا تھا اور سخاوت بھی اسی مال حرام سے کیا کرتا تھا۔ (یہ مضمون نوائے وقت کے میگزین میں شائع ہوا)

(۸) ایک افسر کا دردناک واقعہ

راولپنڈی کے قبرستان رتہ امراں میں پیش آنے والے سرکاری محکمہ کے ایک افسر کا واقعہ جو غالباً ۱۹۹۲ء میں پیش آیا۔ ایک پولیس افسر کا جنازہ قبرستان لایا گیا، جب اسے قبر میں اتارا جانے لگا تو اس کی قبر کا ایک ٹیڑھی ہو گئی۔ دوسری بار کھج کیا پھر ٹیڑھی ہو گئی اور تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا، قبر اس حد تک ٹیڑھی ہو جاتی کہ تدفین ممکن نہ ہوتی۔ بالآخر شرکاء جنازہ نے مل جل کر مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی اور ہر حال میں تدفین کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ پانچویں بار جبر ٹیڑھی ہونے کے باوجود میت کو زبردستی اس قبر میں اتارا گیا، بلکہ ٹھونسا گیا۔ (اعاذنا اللہ منہ)

آخری گزارش

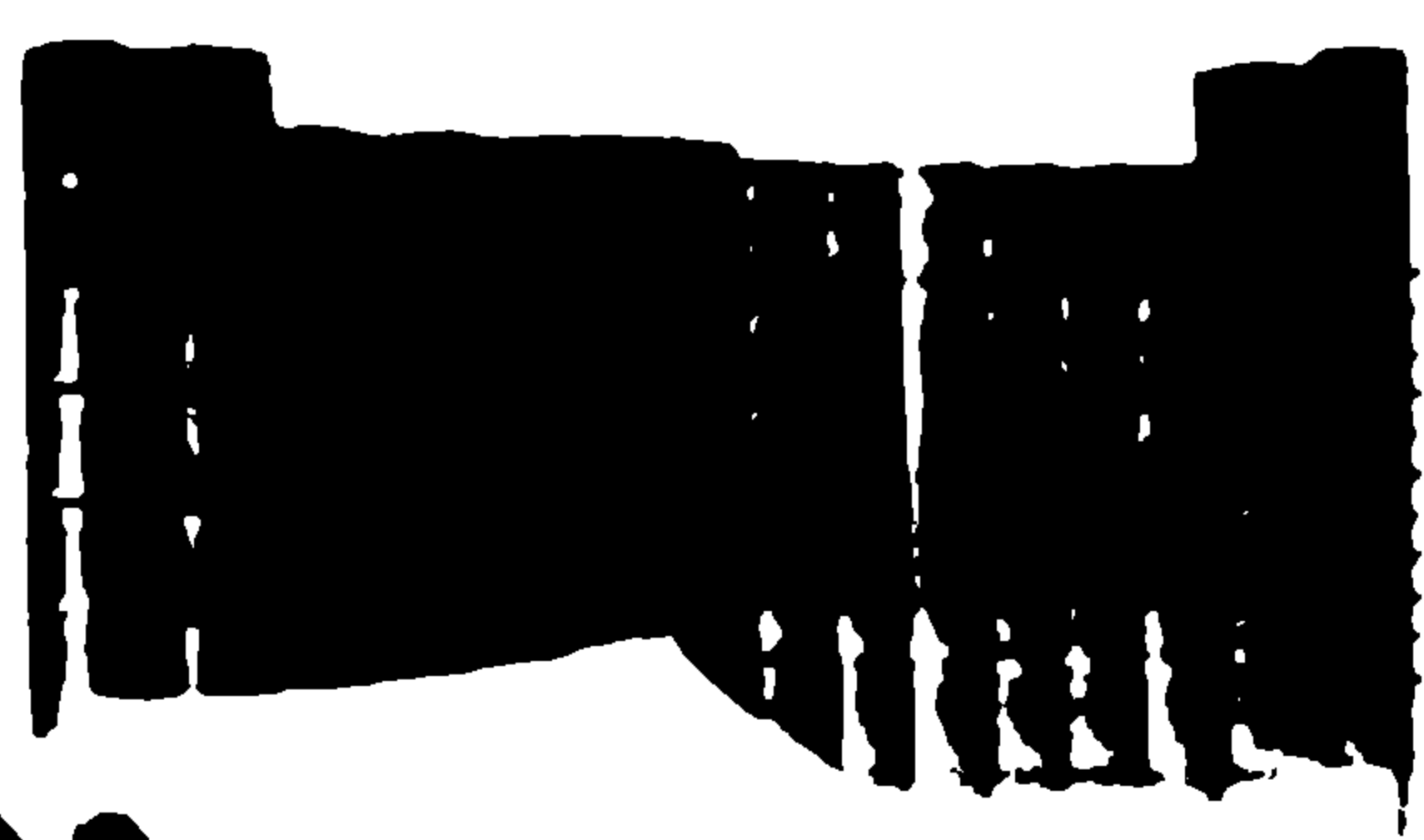
اب آپ سوچئے کہ ہماری عبرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دکھا دیا۔ اب بھی اگر ہم عبرت نہ پکڑیں تو یہ ہماری یہی نالائقی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اتمام حجت ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ عذاب قبر کی تفصیل اور اس کی ذاتی حقیقت و معرفت حاصل کرنے کے بجائے جس طرح بھی ہو سکے دفع عذاب کی تدبیر میں مشغول ہو جائیں اور اس قبر کی تیاری میں لگ جائیں جو ہر روز پکارتی ہے کہ میں مسافرت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں۔ اللہم احفظنا من فتنۃ النار و عذاب القبر، آمین!

دعاؤں کا محتاج

زر محمد ۲۱ شوال ۱۴۱۷ھ

تحریک ختم نبوت

1934ء تا 2019ء



مکمل سیٹ دس جلدیں



ترتیب و تہذیب

شایین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت